



زندگی ذات

انر: فاطمہ نیانری

<https://primeurdunovels.com/>

زندانی ذات

فاطمہ نیازی

مکمل ناول

نوٹ

اس ناول کے جملہ حقوق بحق "پرائم اردو ناولز" کے نام محفوظ ہیں۔ کسی بھی دوسری ویب سائٹ، گروپ یا بیچ پر پوسٹ کرنا منع ہے۔

روس کا دار الحکومت، ثقافتی ورثوں کا مرکز، قدرتی حسن کا گڑھ، تجارتی و سماجی معاملات میں ریڈھ کی ہڈی کی حیثیت کا حامل شہر ماسکو تھا۔ جہاں زندگی ہر پہر زندہ رہتی تھی۔ سڑکیں ہمیشہ خود پر گاڑیوں کا بوجھ لئے معمول کے مطابق اپنے رستوں پر چلتی رہتی تھیں۔ کہتے ہیں یہ دنیا کے مہنگے ترین شہروں میں سے ایک ہو کر بھی مصروف ترین زندگی کا حامل شہر ہے جہاں روز اربوں ڈالرز کا کاروبار ہوتا ہے۔ چاہے وہ کاروبار کسی بھی پیشے سے منسلک ہو۔ اسی دلچسپ اور زندگی سے بھرپور شہر کے ایک سیون اسٹار ریزارٹ کا منظر تھا۔ کسی غیر معمولی اور مشہور شخصیت سے

جرّی یہ تقریب ہر لحاظ سے شاندار تھی۔ انتہائی وسیع ہال تھا۔ جہاں حد نظر تک سیاہ کرسیاں اور ان پر بیٹھے مختلف رنگ و نسل کے لوگ دکھائی دے رہے تھے۔ مرد عورتیں۔ جوان، ادھیڑ عمر۔ بوڑھے۔۔۔ یہ تقریب گولڈن فاکس پرائیویٹ لمیٹڈ کے سالانہ سیمینار کی تھی۔ سکیورٹی بھی سخت تھی۔ ہر طرف گارڈز تھے۔ میڈیا کے بھی فقط وہی لوگ تھے جن کے پاس خصوصی اجازت نامہ تھا۔ ان سب کا تعلق تجارتی اور سماجی شعبوں سے تھا۔ سارے امیر ترین لوگ۔۔۔ لیکن خاص بات یہ نہیں تھی کہ یہاں کون کتنا امیر اور کامیاب تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ آج کے سیمینار میں گولڈ فاکس پرائیویٹ لمیٹڈ کا بانی گولڈن فاکس شامل تھا۔ اس کا چہرہ بہت کم لوگوں نے دیکھا تھا۔ وہ دنیا کے چند مشہور ترین لیکن متنازعہ لوگوں میں سے ایک تھا۔

خوشخبری رائٹرز متوجہ ہوں

ہر لکھاری کا خواب ہوتا ہے کہ اس کی تحریر کتابی صورت میں بھی شائع ہو اور انکی کتاب بک شیف کی زینت بنے۔ آپ بھی ایک لکھاری ہیں اور اپنی تحریر کو کتابی شکل میں لانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔ ہم آپ کی تحریر کو بہت کم ٹائم اور بہت مناسب قیمت میں آپ کی خواہش کے مطابق بہت عمدہ اور معیاری کوالٹی میں کتابی صورت میں شائع کرنے میں آپ کی مدد کریں گے۔ مزید معلومات کے لئے نیچے دئے گئے ایڈریس پر ابھی رابطہ کریں۔

Prime Urdu Novels Publications

Whatsapp : 03335586927

Email : aatish2kx@gmail.com

اس کے تعلقات دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ ایسی شخصیات جو بین الاقوامی مالیاتی اداروں میں تھیں۔ جو بین الاقوامی تجارتی سرگرمیوں میں سرگرم رہتے تھیں۔ وہ بین الاقوامی تجارت کی جانی مانی شخصیت تھی۔ اس وقت وہ اسٹیج پر ہی اپنے خاص ترین ساتھیوں سمیت بیٹھا نظر آرہا

تھا۔ سیاہ لمبا کوٹ پہنے سیاہ ہی مفلر گردن کے گرد لپیٹے۔ اس کے چہرے پر منفرد قسم کا ماسک تھا۔ جس نے اس کا مکمل چہرہ چھپا رکھا تھا۔ سر پر سیاہ پتھروں والا تاج! وہ تاج اس کی پہچان تھی۔ اس کی شخصیت عجیب سی کشش لیے ہوئے تھی۔ اس کی سنہری آنکھیں جو شاطرانہ رنگ لیے ہوئے تھیں۔ چھوٹی چھوٹی کسی لومڑی کی طرز کی۔ شاید اسی لئے اس کے والدین نے اس کا نام گولڈن رکھا تھا۔ فاکس تو بھی نے شاہی خاندان سے جڑا لفظ تھیں۔ رکھا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ اس تاج کی ایک دلچسپ تاریخ تھی۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ وہ تاج اسے وراثت میں ملا ہے۔ تو کسی کا ماننا یہ تھا کہ گولڈن فاکس کا تعلق روس کے قدیم شاہی خاندان سے ہے۔ اس کے متعلق معلومات کا فقدان تھا۔ وہ ایک ایسی شخصیت تھی

جس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے مختلف ممالک کی ایجنسیاں کام کر رہی تھیں

۔ اس سیمینار میں بھی کئی ایسی ہستیاں تھیں جو فقط اس کا چہرہ دیکھنے اور معلومات حاصل کرنے آئی تھیں۔ ایک بیانیہ یہ بھی مشہور تھا کہ وہ شیطان پرست تھا۔

"دنیا میں ہزاروں لوگ محنت کر رہے ہیں۔ صدیوں سے محنت کی جارہی ہے۔ ہر شعبے میں کام ہو رہا ہے لیکن محنت ہی کامیابی نہیں دیتی۔ اس کے لئے ہمیں جذبہ چاہیے۔ جذبہ تسخیر کرنے کا۔۔۔" اسٹیج پر روسی نقوش کا مالک ادھیڑ عمر شخص قیمتی لباس پہنے آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگائے انگریزی میں تقریر کر رہا تھا۔ وہ گولڈن فاکس کا خاص آدمی تھا۔

خوشخبری

اگر آپ لکھ سکتے ہیں اور اپنے اندر کے لکھاری کو باہر لانا چاہتے ہیں تو لکھاری آن لائن میگزین آپ کو اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے بہت اچھا پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے۔ لکھاری آن لائن میگزین کا حصہ بنئے اور آج ہی اپنی تحریر (افسانہ، ناول، ناولٹ، کالم، مضامین، شاعری) اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ آپ کی کوئی بھی تحریر ضائع نہیں کی جائے گی اور ایک ہفتے کے اندر ہمارے سب ویب بلاگز (ویب سائٹس) اور سوشل میڈیا گروپس اور پیجز پر پبلش کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے ابھی رابطہ کریں۔

Wats app No :- 03335586927

Email address :- aatish2kx@gmail.com

Facebook ID :- www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Group :- FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS, NOVELS DISCUSSION

"کیا آج بھی ہمیں اس شخص کی شکل دیکھنے کو نہیں ملے گی؟" تیسری رو میں بیٹھے ایک شخص نے برابر میں بیٹھے شخص سے کہا۔

"یہاں آگئے ہیں اتنی مصیبت سہہ کر تو تصویریں لے کر ہی جائیں گے۔"

"جیسے کہ ہمیں پوز دینے کے لئے وہ اپنا ماسک اتارے گا۔" پہلے شخص نے تلخی سے کہتے سر جھکا لیا۔

"سنا ہے یہ دو تین روز میں دبئی جا رہا ہے۔"

"کیا سچ میں؟ کیا ہمیں جانا چاہیے؟"

"مجھے نہیں پتا۔"

"ہم پچھلے ایک سال سے اس کی کمپنی میں یہاں نوکری کر رہے ہیں تاکہ اس کے متعلق کچھ جان سکیں لیکن ابھی بھی ہم صرف اتنا ہی جان سکیں ہیں کہ۔۔"

"تمام حاضرین سے درخواست ہے کہ خاموشی اختیار کی جائے۔ ہمارے آئیڈیل! قابل احترام! مسٹر گولڈن فاکس تقریر کرنے آرہے ہیں۔" کہنے کی دیر تھی کہ ہال تالیوں سے گونجنے لگا۔ ہر جانب تالیوں کی گونج تھی۔ گولڈن فاکس کوٹ درست کرتا اپنی جگہ سے اٹھا اور اسٹیج کی جانب بڑھنے لگا۔ اس کی چال میں مضبوطی اور مغروری صاف عیاں تھی۔ ہال ہنوز تالیوں سے گونج رہا تھا۔ ڈائس کے قریب پہنچ کر اس نے کھنکارتے ہوئے مائیک کا رخ اپنی جانب کیا۔

"Privyet Dorogiye lyudi"!

(ہیلو پیارے لوگوں!)

"تصویر لوں اس کی؟"

"اس کے چھپے چہرے کی تصویریں ہر جگہ ملیں گی۔"

اس کی ضرورت نہیں۔۔۔ آواز ریکارڈ کر لو۔۔۔ "اسی تیسری قطار میں بیٹھے دو لوگوں نے آپس میں سرگوشی کی۔"

"میں سوچی سمجھی تقریریں کرنے کا حامی نہیں ہوں۔ بس اتنا کہوں گا کہ گولڈن فاکس کمپنی کو دنیا بھر میں فروغ دینے والے میرے تمام لوگوں کا شکریہ!" وہ کہتے ہوئے سینے پر ہاتھ رکھے ذرا سا جھکا۔ ہال پھر تالیوں سے گونجنے لگا۔ اور کئی پل تالیاں گونجتی رہیں۔

"آج یہاں کامیاب ترین لوگوں کو موجود پا کر مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔ ہمیں دنیا بھر میں پہچان دینے کا شکریہ۔۔" وہ ماسک کے پیچھے سے بات کر رہا تھا۔

"میڈیا میمبرز سوالات پوچھنا چاہیں تو پوچھ سکتے ہیں۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

"مسٹر گولڈن کیا آپ کی کمپنی کنسرکشن سیکٹر سے بھی جڑی ہے؟"

"ہم نے حال ہی میں حکومت سے ایک معاہدہ کیا ہے جس کے بعد اس سیکٹر پر بھی آپ کو گولڈن فاکس کا ٹیگ لگا نظر آئے گا۔"

"مسٹر فاکس! آپ اپنا چہرہ دکھانا پسند نہیں کرتے؟"

"کیوں کہ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ مجھے اپنی شناخت ظاہر کرنا پسند نہیں۔" اس نے مسکراتے لہجے میں جواب دیا۔

"ہیلو مسٹر فاکس میرا تعلق ٹی ایس ایل سے ہے اور میرا سوال یہ ہے کہ کزان شہر میں تعمیر کی جانے والی سڑک جو آپ کی کمپنی کے زیر صدارت میں بنائی گئی تھی۔"

"اگلا سوال!" گولڈن فاکس نے سوال سنے بغیر ہی اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ مشہور رپورٹر تھا لیکن اس کے بعد اس کی جرات نہیں تھی کہ وہ سوال دوبارہ کرتا۔ وہ تلخی سے مسکراتا دوبارہ بیٹھ گیا۔ وہاں موجود ہر شخص جانتا تھا کہ گولڈن فاکس کی مرضی کے علاوہ کسی سوال کا جواب حاصل کرنا ناممکن تھا۔



شارجہ کے چھوٹے سے علاقے میں واقع یہ پچیس منزلہ عمارت کی پندرہویں منزل پر بنا چھوٹا سا اپارٹمنٹ تھا۔ اپارٹمنٹ میں دو کمرے

تھے ایک چھوٹا سا لیونگ روم تھا۔ سامنے کی جانب کچن تھا۔ جہاں وہ بارہ تیرہ سالہ لڑکا کھڑا چائے بنا رہا تھا۔ وہ دراز قد لڑکا تھا۔ اپنی جسامت سے سترہ اٹھارہ سال کا لگتا تھا۔ بھورے نرم بال جو اس کی پیشانی پر بکھرے تھے۔ سیاہ ٹی شرٹ اور سفید شارٹ پہنے وہ مہارت سے ساتھ ساتھ ڈبل روٹی کو پلٹ رہا تھا۔

"شیر! اسکول جاؤ گے۔ وہاں کسی سے جھگڑا نہیں کرو گے؟ سنا تم نے؟ کسی سے کوئی شرط نہیں کوئی بات نہیں۔"

"اوکے بابا!" اس نے اثبات میں سر ہلاتے کپ میں چائے ڈال کر کاؤنٹر پر رکھی۔

"کہیں سے چھلانگ نہیں لگاؤ گے۔ کسی سوئمنگ پول میں نہیں کودو گے۔ کسی کمپیوٹر کو ہاتھ نہیں لگاؤ گے۔"

"آخر کیوں؟" اس نے تنک کر باپ کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھیں بڑی اور گہری سیاہ رنگ کی تھیں۔ پلکیں بے حد گھنی۔ ان آنکھوں میں عجیب سی کشش تھی۔

"کیوں کہ تمہاری یہ خوبیاں عام لوگوں میں نہیں ہیں۔ لوگ تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ میں کب تک تمہیں لے کر شہر شہر بھاگتا رہوں گا؟ کتنے اسکول تبدیل کرو گے تم؟ آخر تمہیں میری باتیں کیوں نہیں سمجھ آتیں؟" وہ تلخ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ وہ سر جھٹک کر دوبارہ اپنا کام کرنے لگا۔ جیسے اسے فرق نہ پڑتا ہو۔

"شیر کیا تم سن رہے ہو؟ میں کام پر جا رہا ہوں۔ تم اسکول جاؤ گے اور اس کے بعد سیدھا گھر لوٹو گے۔ خبردار جو اس سرکس کے قریب سے بھی گزرے۔"

"مجھے کرتب کے اچھے خاصے پیسے مل رہے ہیں بابا! چالیس ریال۔۔"

"بس کہہ دیا کہیں نہیں جاؤ گے تم! ایسے جانوروں کی طرح چھلانگیں لگا کر

ننگی تاروں کو چھو کر تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟ کیا چاہتے ہو ساری دنیا

تمہارے ارد گرد جمع ہو جائے؟"

"لیکن بابا! وہ تنک کر دوبارہ باپ کی جانب دیکھنے لگا۔

"کل کو تمہارے پیچھے لوگ مجھ تک آجائیں پھر؟"

"میں کسی کو اصلی نام نہیں بتاتا۔" اس نے بہانہ پیش کیا۔

"جب کسی چیز کے پیچھے لوگ پڑ جائیں تو اسے یوں نہیں چھوڑتے۔۔"

"میرے چہرے پر بھی تو ماسک ہوتا ہے کسی کو نہیں پتا کہ وہ میں

ہوں۔۔ بابا پلیز مجھے کرنے دیں یہ سرکس۔۔" اس نے منت آمیز لہجے

میں کہا۔

"نہیں! بالکل نہیں۔"

"اوکے!" وہ منہ بنا کر کچن سے نکلا۔

"اپنا ناشتہ خود بنالیں۔ جارہا ہوں میں۔۔" وہ خفا ہو کر جانے لگا۔

"شیر!" باپ نے نرمی سے پکارا۔ وہ رک کر سوالیہ نگاہوں سے باپ کی جانب دیکھنے لگا۔ باپ اٹھ کر اس کے قریب آیا اور اس کے کاندھوں کو تھام کر اسے صوفے پر بٹھایا۔ خاص ہونا عام بات نہیں ہوتی بیٹا۔ لوگ جینے نہیں دیتے ایسے لوگوں کو۔ کیا مجھ سے تم نے کوئی عبرت حاصل نہیں کی؟ کیسی زندگی جی رہا ہوں میں دیکھا تم نے؟ کبھی میں بھی تمہاری طرح پر جوش ہوا کرتا تھا۔ اپنی غیر معمولی صلاحیت کی بنا پر! جانتے ہو ناں پھر دنیا نے میرے ساتھ کیا کیا۔۔۔" وہ تلخی سے مسکرایا۔ وہ ایک خوبصورت مرد تھا۔ جس کی عمر لگ بھگ چالیس کے قریب تھی۔

"کیا میں جن ہوں " اس نے باپ کا اداس چہرہ دیکھتے فوراً سوال کر ڈالا تاکہ باپ کی توجہ بھٹکے۔

"نہیں ہم انسان ہیں لیکن ہماری صلاحیتیں مختلف ہیں۔ میں صرف ذہین تھا۔ لیکن تم مجھ سے بھی مختلف ہو۔ تمہاری عقل، ذہانت۔ طاقت۔ سب کچھ مختلف ہے۔ اب بھی ایسی کئی خوبیاں ہیں جو تم نہیں جانتے۔"

"مطلب؟ کیسی خوبیاں؟ کیا میں اڑ سکتا ہوں؟" وہ پر جوش ہوا۔
"نہیں! تمہیں پر لگے ہیں کیا؟" وہ چڑ کر بولے۔

شیر ہنس دیا۔

"تو بتائیں نا؟"

"زہر اثر نہیں کرتا تم پر سانپ کا۔" وہ آہستگی سے بولا۔

"کیا واقعی؟ آپ کو کیسے پتا؟" شیر نے شرارتی انداز اپنایا۔

"ریگستانی علاقے میں ہوٹل کا تعمیراتی کام چل رہا تھا۔ تب تم چھوٹے تھے تمہیں ساتھ لے کر جاتا تھا میں۔۔ کھیتے کھیتے تم دور چلے گئے۔ وہیں تمہیں خطرناک سانپ نے ڈس لیا تھا۔۔ عام انسان دو سے تین منٹ میں ختم ہو جاتا۔ لیکن صرف دانتوں کے نشان تھے۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا۔۔ سب لوگ حیران پریشان تھے۔ اسی وجہ سے مجھے وہ نوکری چھوڑنی پڑی اور میں تمہیں شارجہ لے آیا۔" وہ آہستگی سے کہہ رہا تھا۔

"ہاں یہ تو مجھے پتا ہے بابا!" وہ مسکراتے ہوئے شرارت سے بولا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"مطلب یہ کہ مجھے سب یاد ہے۔ میں کچھ بھی نہیں بھولتا ہوں۔" اس نے فخریہ انداز اپنایا۔

"سب یاد ہے تمہیں؟ کیا کیا یاد ہے؟ یہ تو تب کی بات ہے جب تم ڈھائی سال کے تھے۔" وہ چونکے۔ یہ اس کے لئے ایک اور انکشاف تھا۔

"ہاں مجھے یاد ہے۔ ہم پاکستان گئے تھے۔ ہم وہاں رہتے تھے۔ ایک عورت تھی۔ جسے میں ماما کہتا تھا لیکن وہ مجھ سے نفرت کرتی تھی۔ ایک لڑکا تھا۔ اسکول جاتا تھا۔ پھر ہمیں اس عورت نے گھر سے۔"

"بس ٹھیک ہے۔ میں سمجھ گیا۔" بابر نے اسے روک دیا۔ وہ منہ کھولے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"آپ کے چہرے کو کیا ہوا؟" وہ باپ کو پریشان دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"بچوں کو اپنا دو ڈھائی سالہ بچپن اتنی تفصیل سے یاد نہیں ہوتا۔" وہ افسردگی سے بولا۔

"لیکن میں تو عام بچہ نہیں ہوں۔ آپ تو جانتے ہیں نا! پھر ہر بار پریشان کیوں ہو جاتے ہیں؟" وہ جیسے باپ کی اس عادت سے تنگ آیا ہوا ہو۔

"مجھے ڈر ہے کہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔" وہ ماتھا مسلنے لگا۔ شیر خاموشی سے باپ کی پریشان صورت دیکھنے لگا۔

"میں جارہا ہوں! اور مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔" اس نے لاپرواہی سے کہا اور باہر نکل گیا۔



وہ اسکول کا بستہ لیے اس تنگ سی گلی میں بیٹھا تھا۔ اسکول کی چھٹی کو دس منٹ گزر چکے تھے۔ وہ یہاں بیٹھا کسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کی نگاہیں آس پاس بھٹک رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں تجسس اور عجیب سی چمک تھی۔ اس کی آنکھیں اکثر لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کرتی تھیں

لیکن وہ بہت کم کسی کو اپنے قریب آنے دیتا تھا۔ وہ زیادہ تر مختلف علاقوں اور گلیوں میں لوگوں کے انداز و اطوار پڑھتا تھا۔ اس کا مشاہدہ اور حافظہ خطرناک حد تک تیز تھا اس پر اس کی جاننے کی طلب اسے ہر اس شے کے تعاقب پر لگادیتی جو اسے ذرا بھی متوجہ کرتی تھی۔ اس نے اپنے بستے سے ایک کتاب نکالی اور اس کے صفحے پلٹنے لگا۔ دس منٹ تک کتاب پڑھتا رہا اور پھر اسے اپنا شکار دکھائی دیا۔ وہ ایک دس گیارہ سالہ بچہ تھا۔ جس کے ہاتھ میں ایک تھیلا تھا۔ وہ بچہ اس کے قریب سے گزر کر آگے گیا تو وہ بھی کتاب لیے اس کے تعاقب میں چلنے لگا۔ مختلف گلیاں گزرنے کے بعد وہ بچہ ایک اسٹیشنری کی دکان میں رکا اور وہ تھیلا کاؤنٹر پر رکھ کر وہاں سے ایک رنگوں کا ڈبا اٹھا کر باہر نکل کر واپس مڑ گیا۔ کچھ لمحوں بعد اسی عمر کا ایک دوسرا بچہ وہی تھیلا لیے دکان سے نکل کر آگے

جانے لگا۔ شیر خاموشی سے اس دوسرے بچے کا تعاقب کرتا رہا۔ کچھ گلیوں کے بعد اس بچے نے وہ تھیلا سڑک کنارے رکھے کچرے کے ڈبے میں ڈالا اور آگے بڑھ گیا۔ شیر نے کچھ پل انتظار کیا اور پھر آگے بڑھ کر وہ تھیلا نکال کر آگے بڑھنے لگا۔ ابھی وہ چند قدم ہی چلا تھا جب ایک جوان لڑکا اس تک آیا اور اس کی شرٹ کی پشت دبوچ کر اسے روکا۔

اے۔۔ یہ دو ادھر!"

"کیا؟" شیر نے اپنی شرٹ چھڑاتے ہوئے لا پرواہی سے سوال کیا۔
 "یہ تھیلا۔۔" اس نے تھیلا چھیننے کی کوشش کی۔ شیر نے چھلانگ لگاتے اپنا گھٹنا اس نوجوان کے سینے پر مارا۔ وہ نوجوان دل پر ہاتھ رکھتا زمین پر آگرا۔ شیر نے اس پاس دیکھے بغیر دوڑ لگادی۔ وہ چند منٹ میں ہی اس

علاقے سے دور آگیا تھا۔ آخر کار کئی منٹ چلنے کے بعد وہ ایک پُل کے نیچے آبیٹھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا تھیلا کھولا۔ اون بھرے کھلونے تھے۔ بھالو، شیر، بطخ جیسے مختلف خدوخال کے کھلونے۔۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے برا سا منہ بنا کر تھیلا خالی کیا۔ وہ درجنوں کھلونے تھے۔ پھر کچھ سوچ کر ایک نارنجی رنگ کا شیر اٹھا کر جیب میں ڈالا اور باقی کے کھلونے اسی تھیلے میں ڈال کر وہیں پھینک کر اٹھ گیا۔ وہ ناک کی سیدھ میں چل رہا تھا۔ وہ ارد گرد سے بے نیاز چل رہا تھا۔ جب اچانک اس کی نگاہ سامنے سے آتے چند آدمیوں پر پڑی۔ وہ چونکا۔ اس نے گردن گھما کر آس پاس دیکھا۔ وہ لوگ اسے ہر طرف سے گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ رک گیا۔ ایک آدمی تیزی سے چلتا اس کے پاس آیا اور اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"تھیلا کہاں ہے؟"

اس نے جھٹکے سے گریبان چھڑا کر اس آدمی کو گھورا۔

"کیا ہے؟۔ میرا راستہ چھوڑو۔" وہ غصیلے لہجے میں بولا۔

"کیا کہا؟" اس آدمی نے حقارت آمیز انداز میں کہتے اس کا گریبان پکڑ کر

جھٹکا دینے کی کوشش کی۔ اگلے ہی پل اس کی دردناک چیخ فضا میں

گو نجی۔ شیر نے اس کی کلائی بری طرح موڑ کر توڑی تھی پھر اسی پر بس

نہیں کیا تھا۔ زوردار مکا اس کی ناک پر رسید کرتے وہ مخالف سمت میں

بھاگا تھا۔ درجنوں آدمی اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ لیکن اس کی رفتار تیز

تھی۔ آس پاس سے گزرتے لوگ حیرت

بھری نظروں سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ جہاں ہٹے کٹے مرد بارہ

سالہ بچے کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔

کئی منٹ دوڑنے کے بعد بھی وہ ان کے ہاتھ نہیں لگا تھا۔ وہ سب آخر کار خالی ہاتھ واپس لوٹ آئے تھے۔

"ملا وہ بچہ؟"

"نہیں۔۔"

"مجھے بھی نہیں ملا!" ایک دوسرا شخص مایوسی سے بولا۔ ان سب کی سانسیں پھولی ہوئی تھیں۔

وہ سب بے یقین اور خوف زدہ نظر آرہے تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے اس کا انجام کیا ہونے والا تھا لیکن اتنا ضرور جانتے تھے اگر وہ تھیلا انھیں نہ ملا تو وہ سب مارے جائیں گے۔



ایک بارہ سالہ بچہ؟"

"جی ماسٹر!"

"تو تم کہہ رہے ہو کہ ایک بارہ سال کے بچے نے ایک سے مال چھینا؟ پھر ایک کی پسلی توڑی؟ دوسرے کی ناک اور کلائی توڑی؟ بھاگ گیا؟ تم تیرہ سائنڈ ایک بارہ سال کے بچے کو پکڑ نہیں پائے؟ مال کی ڈیلیوری نہیں ہوئی؟ مذاق چل رہا ہے ادھر؟ کل رات کو عمش بگ باس کے ساتھ شارجہ آرہا ہے۔ کیا ہم انھیں یہ کارنامے بتائیں گے؟ ایک بارہ سال کا بچہ؟" وہ عربی چغا پہنا شخص غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔

دوسری جانب شیر اپنے کمرے میں بیٹھا اس ننھے شیر کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔

"ضرور اس کھلونے میں کوئی چیز ہے۔" وہ بڑبڑایا۔



یہ ایک بڑا گودام تھا۔ جس کے ایک طرف بیٹھنے کا انتظام تھا۔ مختلف رنگ کی کرسیاں اور صوفے تھے۔ مختلف جگہ پر مختلف لوگ بیٹھے دکھائی دے رہے تھے۔ کچھ جوا کھیل رہے تھے۔ کچھ کے ہاتھوں میں شراب تھی۔ وسط میں "ماسٹر" نامی عربی شخص الجھن آمیز نگاہوں سے سامنے رکھے تھیلے کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے آس پاس اوئی کھلونے تھے۔ کچھ لڑکے آس پاس کھڑے تھے۔ ان کی نگاہیں بھی اسی تھیلے پر تھیں۔

"تمہیں یہ تھیلا پل کے نیچے ملا یہی کہہ رہے ہو؟" وہ دوبارہ پوچھنے لگا۔

"جی ماسٹر!" سامنے کھڑے ایک لڑکے نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"یہ سب تو کہہ رہے تھے کہ ایک بارہ سالہ بچے نے ان سے چھین لیا یہ۔۔ کیا تم سب مجھے پاگل بنا رہے ہو؟" وہ غصے میں تھا۔

"ہم سچ کہہ رہے ہیں۔ وہ دونوں آپ کے سامنے ہیں ماسٹر ان کو زخمی بھی اسی نے کیا تھا۔" ایک لڑکا ہچکچاتے ہوئے بولا۔

"چلو۔ مان لیتا ہوں لیکن مجھے ایک بات ابھی بھی سمجھ نہیں آرہی۔ تم سب ایک بچے کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو اور کیا امید رکھوں تم لوگوں سے؟ قسمت اچھی تھی ہماری ہمیں یہ مال مل گیا۔۔ لگتا ہے بچے نے پکڑے جانے کے خوف سے اسے پھینک دیا ہوگا۔ لیکن وہ تھا کون۔۔ اسے معلوم تھا بھی کہ نہیں اس مال کے بارے میں۔۔" وہ پرسوج انداز میں مختلف اندازے لگا رہا تھا۔

"تم میں سے کسی کو اس کا چہرہ یاد ہے؟"

"بچہ قد میں لمبا تھا۔ اس کے علاوہ چہرہ مجھے ٹھیک سے یاد نہیں۔۔" ایک لڑکے نے شرمندگی سے کہا۔

"لعت ہو! کیا ایسے کام کریں گے ہم عمش کے ساتھ؟ دبئی، قطر، بحرین ساری جگہوں پر اس کا کنٹرول ہے۔ ہم سے ایک علاقہ نہیں سنبھالا جاتا؟ ایسے کیسے ہمیں موقع ملے گا بگ باس کی نظر میں آنے کا؟ کیا ساری عمر علاقوں میں یہ پڑیاں سپلائی کریں گے پہلی دفعہ ہمیں یہ ٹاسک ملا تھا اور پہلی دفعہ میں ہی چار ہیرے غائب۔۔ اب کیا جواب دوں گا میں آگے؟" وہ بری طرح چلا آیا۔ وہاں موجود تمام لوگ اپنی اپنی سرگرمیاں چھوڑے "ماسٹر" کی طرف دیکھنے لگے۔

"ڈھونڈو اس بچے کو۔۔ اس نے ضرور ایک کھلونا اپنے پاس رکھا ہوگا۔۔ کچھ بھی کر کے اسے ڈھونڈو۔۔ سارا شارجہ چھان مارو۔۔ جاؤ۔" اس نے میز کو لات رسید کرتے حکم دیا۔ وہاں موجود تمام لوگ جلدی جلدی اٹھ

کر باہر کی جانب بڑھنے لگے۔ اگلے پانچ منٹ میں یہ جگہ خالی ہوگئی۔ فقط ماسٹر اور اس کے دو تین خاص لڑکے وہاں رہ گئے تھے۔



روس کے شہر کزان کے ایک مشہور ریزارٹ کا منظر تھا۔ یہ ایک عالیشان محل نما عمارت تھی۔ جس کے چاروں طرف گھنے درخت، پہاڑیاں، جھیلیں تھیں۔ ایک طرف ہیلی کاپٹر کھڑا تھا۔ جس کے آس پاس باوردی اسلحہ بردار آدمی تھے۔ دفعتاً اندرونی جانب سے گولڈن فاکس اپنے چند خاص آدمیوں کے ہمراہ آتا دکھائی دیا۔ وہ چیتے کی کھال سے بنا کوٹ پہنا ہوا تھا۔ اس کے سر پر وہی سیاہ تاج تھا۔ جس پر چمکتے ہوئے سیاہ پتھر لگے ہوئے تھے۔ چہرے پر سیاہ ماسک تھا۔ فقط سنہری آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ دراز قد اور مضبوط جسامت کا آدمی تھا۔ اس کے ساتھ ہی

عمش البانی تھا۔ اس کا چہرہ ظاہر تھا۔ سرخ و سفید رنگت اور سبز آنکھوں والا وہ ایک عرب تھا۔ بائیں جانب فرنگی آدمی رابرٹ بلیک تھا۔ وہ ایک امریکی تھا۔ اس کی جسامت وہاں موجود تمام لوگوں سے بھاری تھی۔ وہ سب چلتے ہوئے گاڑی کی طرف آئے۔ ملازموں نے پھرتی سے گاڑی کے دروازے کھولے۔ امریکی شخص فرنٹ سیٹ پر بیٹھا۔ عمش اور گولڈن فاکس پچھلی سیٹوں پر بیٹھے۔ ان کے بیٹھتے ہی گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور آگے بڑھنے لگی۔ مختلف راستوں سے گزر کر گاڑی پانچ منٹ بعد اس ہیلی پیڈ کے قریب آئی۔ یہ حصہ بھی اسی ریزارٹ کا تھا۔ وہ سب ہیلی کاپٹر پر سوار ہوئے اور کچھ لمحوں میں ہی ہیلی کاپٹر کے پنکھ گھومنے لگے۔



شام کا وقت تھا۔ واشنگٹن کے پوش علاقے میں واقع یہ پینٹ ہاؤس اپنی بناوٹ سے کسی ماہر تعمیرات کا بنایا ہوا لگتا تھا۔ لان میں ایک خوبصورت فوارہ تھا۔ جس کے آس پاس بطخ ٹھلتے دکھائی دے رہے تھے۔ پچھلے حصے میں تالاب تھا۔ تالاب کا پانی شفاف تھا۔ اس میں خوبصورت اور نایاب مچھلیاں تیر رہی تھیں اس گھر کے آس پاس دور دور تک اور کوئی گھر موجود نہیں تھا۔ گھر کو ہر طرف سے باوردی محافظوں نے گھیر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ چھت پر بھی محافظ کھڑے تھے۔ اندر داخل ہونے پر ایک وسیع ہال تھا جہاں مختلف قسم کی بڑی بڑی مورتیاں اور بت دکھائی دے رہے تھے۔ دیواروں پر قیمتی پینٹنگز تھیں۔ سامنے کی جانب سے سیڑھیاں اوپر کو جارہی تھیں۔ اوپر ایک طرف وسیع ہال تھا۔ وہیں سوئمنگ پول تھا۔ ایک طرف ٹیبل ٹینس کا انتظام تھا۔ دوسری

جانب چھوٹا سا باسکٹ بال کوٹ تھا۔ ہال سے نکلنے پر ایک لمبی راہداری تھی۔ راہداری کے وسط میں سیاہ رنگ کا دروازہ تھا۔ وہ ایک وسیع و عریض کمرہ تھا۔ جس کی دیواریں سرخ تھیں۔ کمرہ روشن تھا۔ سامنے ایک بڑا سا سفید رنگ کا پلنگ تھا۔ بائیں جانب ایک اور دروازہ تھا جو ڈریسنگ روم میں کھلتا تھا۔ ڈریسنگ روم میں اس وقت دو خوبصورت لڑکیاں ایک بارہ تیرہ سال کی لڑکی کو تیار کر رہی تھیں۔ وہ لڑکی ہیزیل تھی۔ ہیزیل فاکس۔ اس کے بال سنہرے تھے۔ اس کی جلد گلابی مائل تھی۔ لمبی گردن میں سیاہ تتلی کی شکل کا پینڈنٹ تھا۔ وہ اس وقت سیاہ میکسی میں ملبوس تھی۔ ایک لڑکی اس کے بال بنا رہی تھی۔ دوسری اس کے چہرے پر میک اپ کر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ انتہا کی حسین لڑکی تھی۔ اس کے بھرے بھرے ہونٹ قدرتی طور پر سرخی مائل تھے۔ اس

کے نچلے ہونٹ تلے ایک سیاہ تل تھا۔ جو اس کی خوبصورتی کو مزید بڑھا رہا تھا۔

"مس ہیزیل! آپ کا تاج کہاں ہے؟" ایک لڑکی نے موڈب لہجے میں سوال کیا۔

"میلینا سے پوچھو!" اس نے لاپرواہی سے کہا۔ دوسری لڑکی سر ہلا کر باہر نکلی۔

"ہو گیا؟"

"جی بس ہو گیا۔" وہ لڑکی ادب سے کہتی ایک طرف ہوئی تو ہیزیل نے آنکھیں کھول کر آئینے میں دیکھا۔ اس کی آنکھیں نیلی تھیں۔ چمکدار آنکھیں۔ اس کی آنکھوں میں مغروریت کا تاثر تھا۔ شاید وہ اس عمر میں ہی اپنی قدر و حیثیت سے بخوبی واقف تھی۔

"میں خوبصورت لگ رہی ہوں۔" اس نے فخریہ انداز میں اپنا جائزہ لیا اور سیٹ سے اٹھ کر اپنی میکسی کو انگلیوں سے تھاما اور گول چکر کاٹ کر دوبارہ قد آدم آئینے کی جانب دیکھا۔

"جی بالکل! بہت خوبصورت لگ رہی ہیں۔"

"تم سے کسی نے پوچھا؟ میرے سینڈلز؟" اس نے اپنی تیکھی ناک چڑھا کر اپنے پینڈنٹ کو چھوا۔ وہ سفید فام امریکی لڑکی کھسیا کر اس کے سینڈلز اٹھانے لگی۔ اسی پل دوسری لڑکی اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں اس کا تاج تھا۔ اس کا تاج قدرے نازک سا مگر انتہائی خوبصورت تھا۔ اس نے لڑکی کو اشارہ کیا۔ لڑکی نے احتیاط سے تاج اس کے سر پر رکھا۔ دوسری لڑکی اسے سینڈل پہنانے لگی۔

"مسٹر فرینک کہاں ہیں؟ مجھے ان سے ملنا ہے۔"

"وہ نیچے ہیں۔" لڑکی نے اطلاع دی۔ ہیزیل اثبات میں گردن ہلاتی اپنی میکسی تھام کر باہر کی جانب بڑھ گئی۔ اس کے نکلنے ہی دونوں لڑکیوں نے سکھ کی سانس لی۔

"آخر کار بلا سے جان چھوٹی۔" روزی نے اطمینان سے کہا۔
"ہاں یار! کتنا مشکل ہے اسے سنبھالنا۔ ویسے تم نے جاننے کی کوشش کی کہ آخر یہ کس کی بیٹی ہے؟" سوزین نے متجسس انداز میں پوچھا۔
"مجھے کیا۔ کسی کی بھی بیٹی ہو۔ مجھے بس پیسے سے مطلب ہے۔ ویسے اس کو سمجھنا مشکل نہیں۔ بس اگر یہ دن کو رات کہے ہمیں کہنا ہے ہاں۔ اگر کہے ستارے دن میں چمکتے ہیں تو کہنا ہے ہاں دن میں چمکنے والے ستارے زیادہ حسین لگتے ہیں۔" روزی کہہ کر ہنس دی۔ سوزی بھی

اس کی بات سن کر ہنس پڑی۔ ساتھ ساتھ وہ ہیزیل کا پھیلایا ہوا سامان بھی سمیٹ رہی تھیں۔

اسی پل ڈریسنگ روم میں میلینا داخل ہوئی وہ ادھیڑ عمر روسی عورت تھی۔ جو بچپن سے ہیزیل کو سنبھالتی آرہی تھی۔

"لڑکیوں! کام ہو گیا؟ اب تم لوگ جاسکتی ہو۔"

"لیڈی میلینا! کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ مس ہیزیل کون ہیں؟"

"روسی شہزادی!" وہ سنجیدگی سے کہتی ڈریسنگ روم سے نکلیں۔ لڑکیاں بھی ان کے پیچھے نکل آئیں۔

"شہزادی؟ اصلی شہزادی؟ کیا ان کے فادر کسی جگہ کے بادشاہ ہیں؟"

"ایسا ہی سمجھ لو۔" وہ کمرے سے نکلتی پہلی منزل کی ریلنگ تک آئیں۔ لڑکیاں بھی ان کے ساتھ کھڑی نیچے جھانک رہی تھیں۔

جہاں ہیزیل مسٹر فرینک کے ساتھ کھڑی باتیں کر رہی تھی۔

"آج اس کی سالگرہ ہے۔ اس کا باپ روس سے خصوصی طور پر اس کی سالگرہ منانے آرہا ہے۔ یہ ایک پرائیویٹ برتھ ڈے پارٹی ہے جس میں فقط چند لوگ ہی شامل ہوں گے۔ سالگرہ ختم ہوتے ہی ہیزیل کا باپ واپس لوٹ جائے گا۔"

"کیا ہم اس برتھ ڈے پارٹی میں۔"

"اونہ۔۔ میں بھی نہیں جاسکتی۔۔"

"آپ بھی نہیں جاسکتیں؟ کیا آپ نے ہیزیل کو بچپن سے نہیں پالا؟" روزی حیرت زدہ تھی۔

"ہاں۔۔ لیکن اس کے باوجود میں شرکت نہیں کر سکتی۔۔ کہا نا صرف چند لوگ۔۔ تم دونوں کے بینک اکاؤنٹ میں پے منٹ پہنچ گئی ہے۔ تب تک کے لئے تم دونوں کی چھٹی ہے۔۔"

"جب تک مس ہیزیل کو کسی پارٹی۔۔ یا کسی پکنک پر نہ جانا ہو۔۔" ان کے بجائے روزی نے ان کی بات مکمل کی۔

"اب تم لوگ جاسکتی ہو۔۔" لیڈی میلینا نے انھیں اجازت دی۔ وہ دونوں ایک ساتھ چلتی نیچے آئیں۔ باہر نکلنے سے قبل باوردی سیکیورٹی گارڈ نے ان کی چیکنگ کی اور پھر ان کے لئے گیٹ کھول دیا۔ اسی دوران باہر ایک شو فر ہیزیل کے لئے سیاہ فراری کا گیٹ کھولے کھڑا تھا۔ فراری کے پیچھے ایک سیاہ کار تھی جس میں اس کے محافظ تھے۔ وہ سب اس کے منتظر تھے۔



"مجھے نہیں جانا۔" وہ دس سالہ بچی تھی۔ شہد رنگ بالوں کی اونچی پونی بنائے گلابی فراک جو گھٹنوں تک آرہی تھی۔ اس کی آنکھیں سبز تھیں بڑی بڑی چمکدار آنکھیں جو معصومیت کا پیکر تھیں لیکن اس پل اس کی آنکھوں میں ڈھیروں آنسو تھے جو مسلسل بہہ رہے تھے۔

"بے بی! ڈیڈ کو جلدی واپس جانا ہے۔ اس لئے وہ یہاں نہیں آسکتے۔ انھوں نے کہا ہے وہ آپ سے وہیں ملیں گے۔"

"تو پھر میں ہیزیل کی برتھ ڈے پارٹی میں نہیں جاؤں گی ماما پلیز! مجھے نہیں جانا اس کی پارٹی میں۔۔ میری ڈیڈ سے بات کروائیں ناں۔"

"میری جان ایسے ضد نہیں کرتے ہمیں جانا ہے وہاں۔"

"نہیں۔۔ میں اس گندی لڑکی کی برتھ ڈے پارٹی میں نہیں جاؤں گی۔ وہ ایک چڑیل ہے۔" وہ تنک کر کہتی صوفے پر جا بیٹھی۔

"جنت! ڈیڈ ناراض ہو جائیں گے بیٹا! کیا ان سے ملنا نہیں چاہتی آپ؟"

"ملنا چاہتی ہوں لیکن میں اس کی برتھ ڈے پارٹی میں نہیں جانا چاہتی۔ وہ اسکول میں سب سے کہتی ہے کہ میرے ڈیڈ اس کے نوکر ہیں۔ کیا ڈیڈ نوکر ہیں اس چڑیل کے؟" وہ آنسو صاف کرتی معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں میری جان! کوئی کسی کا نوکر نہیں ہے۔ آپ اس کی باتوں پر دھیان مت دیا کریں۔" بریرہ نے بیٹی کے آنسو صاف کرتے اسے چپ کروایا۔

"ڈیڈ ہمارے ساتھ کیوں نہیں رہتے ماما؟ ڈیڈ ہم سے ملنے گھر کیوں نہیں آتے؟ بتائیں۔"

"کیوں کہ وہ یوں ہی کہیں نہیں جاسکتے۔ انھیں ضروری کام ہوتے ہیں۔ وہ ایک مصروف انسان ہیں۔" بریرہ نے نرمی سے سمجھایا۔

"تو پھر ہم شارجہ کب جائیں گے؟"

"ابھی نہیں۔ جب تمہاری پڑھائی ختم ہو جائے گی تب ہم شارجہ جائیں گے۔" بریرہ نے اسے بہلایا۔

"پکا؟" اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"ہاں پکا!" بریرہ نے اپنا گاؤں سنبھالتے اس کا ہاتھ تھاما اور نیچے کی جانب بڑھنے لگی۔ وہ عمش البانی کی بیوی بریرہ البانی تھی۔ دس سالہ جنت عمش

البانی کی بیٹی تھی۔ جنت بنت عمش البانی!



"شیر تمہاری کہنی پر کیا ہوا ہے؟" بابر نے ہوم ورک کرتے شیر کی کہنی کو دیکھتے سوال کیا۔

"گر گیا تھا بابا!" اس نے پر اعتماد انداز میں جواب دیا۔
"گر گئے تھے؟" بابر نے جانچتی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔
"جی بابا! کیا یقین نہیں ہے آپ کو مجھ پر؟" اس نے خفگی سے پوچھا۔
"نہیں!" بابر نے اس کی شرٹ ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ شیر نے مسکراتے ہوئے باپ کی جانب دیکھا۔
"میں یقین کرنے کا نہیں کہوں گا۔ آپ کی مرضی۔" وہ شرارت پر آمادہ تھا۔

"بتاؤ مجھے۔ کیا کیا تھا؟"

"گر گیا تھا ناں بابا! جائیں ڈنر ریڈی کریں بھوک لگی ہے۔" وہ تنک کر بولا۔

"آج دن کیا ہے؟" بابر نے خفگی سے سوال کیا۔ شیر نے ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر سوچنے کی اداکاری کی۔

"اف؟ آج پھر ہفتہ؟" یار یہ میری باری اتنی جلدی کیوں آجاتی ہے۔" شیر منہ بناتا اٹھا۔

"کیا کھائیں گے؟ سینڈوچ لے آؤں؟"

"کیا باہر سے لاؤ گے؟ چلو کچن میں۔۔ شاباش۔۔"

"لیکن میرے پاس پیسے ہیں ناں! میں لے آتا ہوں۔ میرا موڈ نہیں ہے کھانا بنانے کا۔" اس نے منہ بسورا۔

"بہت شاطر ہو تم شیر۔۔" بابر نے تاسف سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اسے میں اپنی تعریف سمجھوں گا۔ میری کتابیں بستے میں ڈالیں اور سو سے الٹی گنتی شروع کریں۔" وہ جوتے پہنتے ہوئے بولا۔

"خبردار جو چھتوں سے چھلانگیں لگاتے ہوئے گئے۔ انسانوں کی طرح پیدل جاؤ۔ تمہاری یہ اونچی اونچی چھلانگیں دیکھ کر بلڈنگ کے لوگوں کو لگتا ہے اس بلڈنگ میں کوئی سایہ ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولے۔

"ان سے کہا کریں اس سائے پر آپ کا کنٹرول ہے۔ مجھے یقین ہے بلڈنگ کا مالک بھی آپ سے ڈرے گا۔ کیا پتا کرایہ بھی کم لے۔" شیر کہتے ہوئے فلیٹ سے نکلا چند لمحے آرام سے سیڑھیاں اترنے کے بعد وہ خود پر قابو نہیں رکھ پایا اور چھ چھ سیڑھیاں ایک ساتھ پھلانگتا ایک منٹ میں پارکنگ لاٹ تک پہنچ چکا تھا۔ اس کے قدم عام لوگوں کے مقابلے میں بڑے اور رفتار تیز تھی۔ وہ جتنی بھی کوشش کر لیتا زیادہ دیر تک اپنی

پھرتی پر قابو نہیں رکھ پاتا تھا۔ اس کی بھاگنے کی رفتار دیکھ کر اکثر لوگ دانتوں میں انگلیاں دبالتے تھے۔



"مرحبا۔۔" کسی نے اسے آواز دی تھی۔
وہ جو ایک اسٹال کے قریب کھڑا تھا۔ چونک کر مڑا اور سوالیہ انداز میں
سامنے کھڑے جوان کو دیکھا۔ وہ پچیس چھیس کے قریب کا ایک جوان
لڑکا تھا۔

"مرحبا! کیف حالک اُخ؟" (کیسے ہو بھائی!)
"ٹھیک ہوں میں۔۔ کیا کر رہے ہو یہاں؟ کچھ لینے آئے ہو؟" وہ اس کے
قریب آتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"ہاں!" اس نے مختصر جواب دیا اور دکاندار سے سامان لے کر پلٹ گیا۔ وہ سست قدموں سے چل رہا تھا۔ کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے اپنی کالونی سے ذرا فاصلے پر آکر وہ رک گیا۔

"کیا کروں؟ بھاگ جاؤں ڈاج دے کر؟ لیکن علاقہ کافی چھوٹا ہے کہیں نہ کہیں تو ان کو میں نظر آ ہی جاؤں گا۔ کب تک بھاگوں گا؟ اور بابا کو کیا کہوں گا؟" وہ اپنے آپ میں بڑبڑاتا سڑک کو گھور رہا تھا۔ اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ آدمی اس کے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔

"چلو بات کر کے دیکھتا ہوں۔" اس نے خود سے کہا اور آگے جانے کے بجائے کھمبے کے عقب میں کھڑے اسی لڑکے کی طرف بڑھا جو اسٹال پر اس کے قریب آیا تھا۔ آس پاس اسٹریٹ لائٹس روشن تھیں۔ چہل پہل

عروج پر تھی۔ چھوٹے چھوٹے اسٹالز پر شہریوں کا رش تھا۔ وہ سست قدموں سے چلتا اس لڑکے کے پاس چلا آیا۔

"سنو!" اس نے آواز دی۔ وہ لڑکا پہلے چونکا اور پھر کچھ دور کھڑے سا تھی کا اشارہ پا کر اس کے قریب آیا۔

"بولو!"

"کیا چاہتے ہو؟ میرا پیچھا کیوں کر رہے ہو؟ دیکھو میرے بابا ایک شریف انسان ہیں۔ انہیں ایسی باتیں اور مسئلے پریشان کرتے ہیں اس لئے میں کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے معلوم ہے میرا پیچھا کر کے تم لوگ میرے گھر پر حملہ کرنا چاہتے ہو۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ سامنے کھڑا لڑکا اس چھوٹے لڑکے کے پر اعتماد لہجے اور نڈر انداز پر بونچکا رہ گیا۔ اس نے اشارہ کر کے باقی کے لڑکوں کو بھی قریب بلا لیا۔

"تم نے دوپہر کو ہمارے لڑکوں پر حملہ کیا تھا۔ دو لڑکے زخمی ہوئے تھے۔"

"اوہ! میں سمجھ گیا۔" شیر نے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔
"تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔" ان میں سے ایک سختی سے بولا۔
"پہلی بات! مجھے یہ لہجہ پسند نہیں ہے۔ تمیز سے بات کرو۔" شیر منہ بنا کر بولا تو سامنے کھڑا شخص اس کے انداز پر حیران ہوا۔ اگلے ہی پل اس کا ہاتھ اٹھا۔ اس سے قبل کے وہ شیر کو تھپڑ لگاتا اس نے کلائی پکڑ کر اتنی تیزی میں موڑی کہ اس کی چیخ حلق میں ہی پھنس کر رہ گئی۔
"ہاتھ واٹھ نہ چلاؤ تو بہتر ہے۔" اس نے بیزاری سے کہتے دوسرے لڑکے کو پیچھے دھکیلا۔ وہ لڑکا بھی لڑکھڑاتا ہوا زمین پر گرا۔

"بس ٹھیک ہے۔ دور ہو جاؤ تم لوگ۔۔ میں بات کرتا ہوں۔" ایک اور لڑکا فوراً آگے آیا۔ باقی سب حیرت زدہ تھے۔

"دیکھو لڑکے! تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہو گا ہم تمہیں کوئی نقصان۔۔"

"مجھے تم لوگ نقصان پہنچا بھی نہیں سکتے۔۔" وہ ناگواری سے بولا۔ اسی پل کلائی پکڑے لڑکے نے اس پر جھپٹنے کی کوشش کی جو اباً اسے ایک اور لات کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ کراہتے ہوئے زمین پر گرا۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ میرے بابا انتظار کر رہے ہیں۔ جو بات کرنی ہے جلدی کرو۔" وہ سامنے کھڑے لڑکے سے بولا۔

"تم ابھی نہیں جاسکتے۔۔ تم نے ہمارے سامان میں ہیرا پھیری کی ہے اور ہمیں وہ کھلونا چاہیے۔۔"

"رہی! یا رب۔۔ یا رب۔۔" شیر تاسف بھرے انداز میں غصے سے اونچا بڑبڑایا۔

"ایک کھلونا ہی تو تھا۔۔ اوہ۔۔ کھلونا نہیں۔۔ شاید اس کھلونے میں کوئی قیمتی چیز ہوگی۔۔ ویسے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اسے کاٹ کر دیکھوں اندر کیا ہے لیکن وہ شیر اتنا خوبصورت ہے دل ہی نہیں چاہا۔۔ خیر کیا ہے اس میں؟" شیر متجسس انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"تمہیں اس سے مطلب نہیں ہونا چاہیے بچے! وہ کھلونا چاہیے ہمیں ہر صورت۔۔"

"ایک شرط پر!" وہ شہادت کی انگلی اٹھا کر بولا۔

"میرا سر چکرا رہا ہے اسے پکڑو۔۔ کیا باتیں سن رہے ہو اس کی فضول۔۔" وہ زخمی کلائی والا لڑکا بولا۔

"یہ پھر ہڈیاں تڑوانے والی بات ہوگی۔ شرط سن لو۔۔ میں پٹائی کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں بھوک بھی لگی ہے۔" وہ کہتے ہوئے سکون سے قریبی فٹ پاتھ پر بیٹھا۔ وہ ساتوں لوگ اس کے آس پاس جمع ہوئے۔

"یار بھائی سامنے سے ہٹو۔ ہوا تو آنے دو۔" اس نے کاغذ کھول کے اندر سے شوارما نکالا اور اطمینان سے کھانے لگا۔

"شرط بتاؤ۔" ان میں سے ایک نے سنجیدگی سے کہا۔

"شرط یہ ہے کہ وہ شیر مجھے چاہیے۔ اندر جو ہے وہ نکال لو لیکن پلیز خیال سے شیر کو نقصان نہیں پہنچنا چاہیے بہت پسند ہے مجھے۔۔ ویسے میں نے اس کا ٹیگ دیکھا۔۔ روس سے بن کر آئی ہے ناں وہ؟ بہت مشہور کمپنی ہے یہ اوننی کھلونوں کی۔۔ مجھے نہیں پتا تھا اتنی مشہور کمپنیاں بھی ایسے کام کرتے۔"

بارہ سال کے بچے کی یہ باتیں سن کر وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ ان میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کھلونے روس سے بن کر آئے ہیں سوائے اس کے کہ بگ باس روسی ہے۔

"تمہیں کیسے پتا کہ یہ روسی کمپنی ہے؟"

"تمہیں نہیں پتا تھا؟ ویسے یہ فضول باتیں چھوڑو مجھے بتاؤ شرط منظور ہے؟ اگر ہاں تو یہیں میرا انتظار کرو میں وہ شیر لے کر آتا ہوں۔" بولنے کی رفتار کی طرح اس کے کھانے کی رفتار بھی تیز تھی۔ وہ سب اس عجیب و غریب بچے کو منہ کھولے دیکھ رہے تھے۔

"پاگل سمجھا ہے کیا انتظار کرو۔ چلو ہمارے ساتھ۔ ہم ساتھ جائیں گے۔" ان میں سے ایک غصے سے بولا۔

"تمہیں تو میں ساتھ نہیں لے جاؤں گا لیکن مجھ پر بھروسہ کرو میں وہ واپس لے کر آؤں گا۔ مجھے اس کے اندر موجود سامان میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" شیر نے یقین دلانا چاہا۔

"نہیں! ہم ساتھ چلیں گے۔" وہی لڑکا دوبارہ بولا۔

"ٹھیک ہے چلو۔ ایک منٹ۔ تم چھ میرے ساتھ چلو اور تم اس اسٹال سے شوارما لے لاؤ۔ تم لوگوں کی وجہ سے ٹھنڈا ہو گیا

ہے۔ جاؤ شکل کیا دیکھ رہے ہو۔۔۔" اس لڑکے کو یونہی کھڑا دیکھ وہ سختی سے بولا۔ تو کچھ کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔

"جاؤ لے آؤ۔" ان میں سے ایک نے اجازت دی۔

"پیسے خود دینا۔" شیر نے عقب سے ہدایت دی اور ان کے ہمراہ آگے بڑھنے لگا۔ وہ لوگ الجھے اور حیران سے اس کے پیچھے چلنے لگے۔



یہ واشنگٹن کے قریب واقع لوپز نامی جزیرے کا منظر تھا۔ سمندر کی ٹھنڈی نم ہوائیں خوشگوار احساس پیدا کر رہی تھیں۔ جزیرے کو خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ رنگ برنگی بتیاں اور رنگ برنگی پھولوں سے سجا اسیج۔ قریبی ہوٹل بھی آج کے لئے گولڈن فاکس کی طرف سے بک کیا جا چکا تھا۔ گولڈن فاکس ایک جانب سیاہ رنگ کے قیمتی سوٹ میں ملبوس کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر ماسک نہیں تھا۔ اس تقریب میں فقط پندرہ سے سولہ افراد شریک تھے۔ باقی ان کے محافظ تھے۔ گولڈن فاکس کے چہرے کا بایاں حصہ پوری آنکھ کے نیچے سے لے کر ٹھوڑی تک سیاہ

تھا۔ اس کی سنہری آنکھوں میں سرد سا احساس ظاہر تھا۔ آپس میں باتیں کرتے لوگوں کو خاموش نگاہوں سے دیکھتا وہ شراب کے ننھے گھونٹ بھر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ دستانے تھے۔ دفعتاً عمش البانی اس کے قریب آیا۔

"باس!"

گولڈن فاکس نے سوالیہ انداز میں اس کی جانب دیکھا۔
"جیسا کہ میں نے بتایا تھا۔ ماسٹر سنبھال نہیں پائے گا۔ سری لنکن سینیٹر کو جو موتی سپلائی کرنے کا کام اسے سونپا تھا۔ اس میں سے ایک کھلونا گھما دیا ہے لڑکوں نے۔"

"کون سا ماسٹر؟" اس کی آنکھوں میں ناگوار تاثر ابھرا۔

"شارجہ والا!" عمش البانی نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

"تم نے ہی مجھے لسٹ لاکر دی تھی ان لوگوں کی۔" گولڈن فاکس نے گلاس قریبی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ڈیڈ!" اسی پل جنت بھاگتی ہوئی ان کے قریب آتی دکھائی دی۔ عمش نے چونک کر گردن گھمائی۔ گولڈن فاکس نے بھی سامنے سے آتی بچی کو دیکھا۔

"جا کر فیملی کو وقت دو۔ پھر بات کرتے ہیں۔" وہ کہہ کر اپنا گلاس اٹھاتا ایک طرف ہو گیا۔ عمش بیٹی کی جانب دیکھ کر مسکرایا اور اس کی جانب بڑھنے لگا۔ جنت نے اسے بے صبری اور پرجوشی سے گلے لگایا۔ عمش نے شرمندگی سے اس پاس دیکھتے فوراً بیٹی کو خود سے دور کیا۔ اسی پل اس کی نگاہ سامنے کھڑی بیوی پر پڑی جو طنزیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ وہ کھسیا گیا۔

"کیسی ہے میری پرنس؟"

"لوگوں کے ڈر سے بیٹی کے جھٹک کر کیسا محسوس ہوتا ہے؟" اس کی بیوی نے اسے گلے لگاتے اس کے کان میں سرگوشی کی اور پیچھے ہٹ گئی۔ عمش نے سخت نگاہ بیوی پر ڈالتے اسے خبردار کیا۔ جنت باپ کے دور کرنے پر بجھ سی گئی تھی۔ اس نے باپ کے سوال کا جواب بھی دینا گوارا نہ کیا اور ماں کے قریب چلی آئی۔

"پڑھائی کیسی چل رہی ہے اس کی؟" عمش نے جنت کے سر پر ہاتھ پھیرتے سوال کیا۔

"اچھا پڑھنے لگے گی۔ جس دن ہیزیل اسے مارچر کرنا بند کر دے گی۔ اس کا اسکول تبدیل کروائیں۔" اس کی بیوی نے تلخی سے کہا۔ وہ بلا کی حسین تھی۔ وہاں موجود تمام عورتوں میں سب سے حسین اور جوان عمش کی

بیوی تھی۔ اس کی اور جنت کی آنکھیں ایک جیسی تھیں۔ بڑی بڑی اور معصومیت بھری آنکھیں۔

"اگلی دفعہ آکر اس پر بات کریں گے۔"

"بالکل! ایسے ہزاروں مسائل ہیں ہم ماں بیٹی کے جن پر بات کرنے کا موقع آپ کو کبھی بھی نہیں ملے گا۔ کیا آپ سے ملنے کے لئے ہمارا اس پارٹی میں شرکت کرنا لازمی تھا۔ ایک گھنٹے کے لئے گھر نہیں آسکتے تھے۔"

"غصہ تھوک دو۔ تم لوگوں کی حفاظت۔"

"اونہہ! حفاظت۔" وہ بڑبڑائی۔ عمش ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گیا۔ اس کی بیوی بیٹی کا ہاتھ تھامے مخالف سمت میں بڑھ گئی۔ عمش لب چباتا بیوی کی پشت کو گھورتا رہ گیا۔ کچھ پل گزرنے پر مسٹر فرینک کی ہمراہی میں ہیزیل آتی

دکھائی دی۔ اسے آتا دیکھ سب نے تالیوں سے اس کا استقبال کیا۔ وہ اپنی میکسی تھامے چہرے پر بے نیازی سجائے ایک ادا سے چلتی اندر کی جانب بڑھتی گئی۔

"تیرہ سال کی عمر میں اس کی یہ چال ہے؟ آگے جا کر یہ لڑکی قیامت مچائے گی۔" ایک جانب کھڑی عمش کی بیوی تاسف سے بڑبڑائی۔

ہیزیل نے باپ کے قریب پہنچ کر مسکراتے ہوئے ہاتھ ملایا۔ گولڈن فاکس نے مسکراتے ہوئے بیٹی کا ہاتھ چوما۔ اس کی مسکراہٹ چند پل کی تھی۔ اسی پل ہیزیل کی مسکراہٹ بھی سمٹی تھی۔

"سالگرہ مبارک ہو پیاری شہزادی!"

"آپ کا بہت شکریہ ڈیڈ!" ہیزیل نے جواب دیا۔

"آپ کو یہاں دیکھ کر اچھا لگا۔ مجھے خوشی ہوئی آپ نے میری پسند کا خیال رکھا۔"

"میں نہیں رکھوں گا تو اور کون رکھے گا۔ مجھے معلوم ہے میری شہزادی کو جزیروں سے عشق ہے۔" گولڈن فاکس اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔
"میری سالگرہ کا تحفہ؟" ہیزیل نے مسکراتی نگاہ باپ پر ڈالی۔ گولڈن فاکس نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر سنہری ڈبیا نکالی۔
ہیزیل نے وہ ڈبیا لے کر بے صبری سے کھولی۔ اندر ایک خوبصورت سنہری چابی تھی۔

"یہ چابی کس چیز کی ہے ڈیڈ؟" ہیزیل نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تمہارے بیچ ہاؤس کی چابی ہے۔ وہ دیکھو۔" گولڈن فاکس نے بائیں جانب اشارہ کرتے ایک خوبصورت دو منزلہ عمارت کی جانب اشارہ کیا۔ ہیزیل کی آنکھوں میں پسندیدگی کے آثار نمایاں ہوئے۔

"مجھے پسند آیا۔" وہ چمکتی آنکھوں سے باپ کی جانب دیکھتی بولی۔ گولڈن فاکس کے چہرے پر وہی لمحاتی مسکراہٹ چمکی جو اگلے پل معدوم ہو گئی۔

"ایک کاٹنے کے بعد ڈنر کرنے چلیں تمہارے بیچ ہاؤس میں؟"

"کیوں نہیں! اس نے باپ کا ہاتھ تھاما اور اسٹیج کی جانب بڑھنے لگی۔ کچھ فاصلے پر کھڑی دس سالہ جنت خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اداسی تھی۔ جنت سے کچھ فاصلے پر کھڑے عمش البانی کو معلوم تھا کہ اس کی دس سالہ معصوم گڑیا کیوں اداس ہے لیکن وہ یوں لوگوں کے سامنے اپنی بچی کو پیار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ لوگوں کو اپنی

کمزوری بتانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ دشمن باپ بیٹی کی محبت کی شدت کو جان کر کبھی اس پر اس حوالے سے حملہ کریں۔ وہ جانتا تھا کہ یہاں موجود لوگ آپس میں دوست نہیں ہیں وہ سب ایک دوسرے کی کمزوریوں کے بھوکے تھے۔



شیر ان کو ساتھ لیے مختلف گلیوں سے گزرتا اس کالونی میں داخل ہوا جہاں اونچی اونچی عمارتیں تھیں ان عمارتوں میں عموماً متوسط طبقے کے لوگ رہتے تھے۔

"یہ الواجد اپارٹمنٹس ہے۔ میری بلڈنگ۔" شیر نے کہتے ہوئے اندر کی جانب قدم بڑھائے۔ پھر کچھ سوچ کر رکا اور پلٹ کر ان کی جانب دیکھا۔

"کیا تم سب کے سب آؤ گے؟ تمہارے باپ کی بارات ہے؟ ایک یا دو سے زیادہ اوپر نہیں آسکتا۔" اس نے انھیں بری طرح جھڑکتے ہوئے کہا۔ وہ سب خون کے گھونٹ بھر کر رہ گئے۔ ان کا بس چلتا تو اس چھوٹے لڑکے کی ٹانگیں توڑ کر کہیں پھینک آتے لیکن مجبوری۔۔۔

"دلشاد۔ المیر۔ تم دونوں اوپر جاؤ اس لڑکے کے ساتھ۔ ہم یہاں کھڑے ہیں۔"

"ادھر ہی کھڑے رہنا پارکنگ لاٹ میں کیمرے ہیں" شیر نے خبردار کرتے قدم آگے بڑھائے۔ دو لڑکے اس کے ساتھ چلتے ہوئے اوپر کی جانب بڑھے۔ وہ ان کو لئے پہلی منزل پر آیا۔ سامنے ہی لمبی راہداری تھی۔ دونوں جانب اپارٹمنٹ تھے۔ وہ رک کر کچھ سوچنے لگا۔ پرسونج نگاہوں سے ان کی جانب دیکھتا مڑا۔

"اگر میں پہلی منزل سے کودا تو یہ بھی کود جائیں گے۔ مجھے دوسری منزل پر جانا چاہیے۔ وہاں سے میرے پیچھے نہیں کودیں گے یہ لوگ۔" خود سے کہتا وہ دوسری منزل کی جانب بڑھا۔ دوسری منزل پر پہنچتے ہی وہ آگے بڑھنے لگا۔ لڑکے ساتھ تھے۔ وہ عام سے انداز میں چلتا راہداری کے اختتام تک آ پہنچا۔ سامنے ایک کیاری تھی۔ شیر کی نظریں کیاری سے ہوتیں دیوار تک گئیں اس نے جھانک کر نیچے دیکھا۔

"جلدی کرو لڑکے وقت ضائع کیوں کر رہے ہو۔" ایک لڑکے نے اسے جھڑکا۔ وہ لاپرواہی سے مسکراتی نگاہ دونوں پر ڈال کر پلٹا اور پھر تیزی سے ایک پیر کیاری پر رکھ کر دیوار پر چڑھا اور نیچے کود گیا۔

"یا ربی۔۔ یاربی۔۔ یہ جن کا بچہ ہے۔" دلشاد نامی لڑکے نے حیرت و بے یقینی دیوار سے نیچے جھانکا۔ شیر ہوا کی رفتار سے دیواریں پھلانگتا چند

لمحوں کے اندر اندر نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ وہ دونوں حیرت سے آنکھیں پھاڑے ایک دوسرے کی جانب دیکھ رہے تھے اور یقین کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ کچھ پل پہلے والا منظر خواب نہیں بلکہ حقیقت تھا۔

شیر مختلف دیواریں پھلانگتا چند منٹ بعد اپنی بلڈنگ کے عقبی حصے میں کھڑا اپنی کھڑکی کو گھور رہا تھا۔ اس پاس کسی کے نہ ہونے کا یقین کرتے ہی وہ چھلانگ لگا کر دیوار سے لپٹ گیا۔ دیوار سے لگے اس نے پائپ کو پکڑا اور تیزی سے اوپر چڑھنے لگا۔ وہ دو منٹ کے اندر پندرہویں منزل پر موجود اپنی کھڑکی تک پہنچ چکا تھا۔ بالکنی میں کودنے کے بعد وہ کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں داخل ہوتے اس نے نیم اندھیرے میں

آنکھیں گھماتے وہ کھلونا ڈھونڈا۔ کھلونے کو جیب میں ڈالتا وہ دوبارہ بالکنی میں آیا اور وہی طریقہ اپناتے دوبارہ نیچے اترنے لگا۔



"ایک لڑکا نہیں سنبھلتا تم لوگوں سے۔۔ کیسے بھاگ گیا دوبارہ وہ۔۔"

"اُخ انسان نہیں ہے وہ۔۔ میں مان ہی نہیں سکتا۔۔"

"ہاں تو یہ شوارما مجھ سے جن نے منگوایا تھا؟" وہی لڑکا منہ بگاڑ کر بولا

جسے شیر نے جھڑک کر شوارما لینے بھیجا تھا۔

"اب کیا کریں؟ وہ تو ہمیں بے وقوف بنا کر بھاگ گیا۔"

"کس کی بات ہو رہی ہے؟" شیر نے معصومیت بھرے انداز میں سوال

کیا تو سب جھٹکے سے مڑے۔

"پکڑو اس کو۔۔"

"دور رہو مجھے سے۔۔" شیر نے اچھلتے ہوئے ان کو دور رہنے کا اشارہ کیا۔

"بھاگے کیوں تھے تم؟" ٹوٹی کلائی والا لڑکا غرا۔

"کیوں کہ میں تم لوگوں کو اپنا گھر نہیں دکھانا چاہتا تھا۔ یہ پکڑو۔۔" اس

نے کہتے شیر ان کی طرف اچھالا۔ ان میں سے ایک نے پھرتی سے کیچ

کیا۔ اپنا سامان واپس پا کر سب کی جان میں جان آئی تھی۔

"لاؤ شوارما دو۔۔ اب تم لوگوں کی وجہ سے میرا باپ مجھے ڈانٹے گا۔" وہ

غصیلی نگاہ ان پر ڈالتا ایک کے ہاتھ سے شوارما چھینتا پلٹنے لگا۔

"اوئے لڑکے۔۔ شیر نہیں چاہیے؟" ایک نے اسے آواز دے کر

روکا۔ شیر نے پلٹ کر ان کی جانب دیکھا۔

"نہیں چاہیے۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔" وہ کہہ کر تیزی سے بھاگ گیا۔ وہ

سب ہنوز حیرت و بے یقینی سے اس چپتے کی رفتار سے بھاگتے لڑکے کی

پشت کو گھور رہے تھے۔ وہ اگلے چند لمحوں میں نگاہوں سے او جھل ہو گیا تھا۔

"کیا یہ انسان کا بچہ ہے؟"

"مجھے نہیں پتا۔"

"مجھے تو نہیں لگ رہا۔"

"مجھے بھی۔"

وہ سب مختلف تبصرے کرتے پلٹ گئے تھے۔



ماسٹر نامی شخص بے یقینی سے ان لڑکوں کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کی شکل سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اسے ان میں سے کسی کی بات پر بھی یقین نہیں لیکن وہ ان زخمی لڑکوں کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

"اگر اب ملے تو اسے ہر صورت پکڑ کر یہاں لانا ہے۔ سنا تم لوگوں نے۔۔ میں بھی تو دیکھوں کون ہے یہ جن کا بچہ!" وہ باواز بڑبڑایا۔

"اور سنو آج کے بعد ایسی لاپرواہی ہوئی تو اس سے پہلے میں تم لوگوں کی ہڈیاں توڑوں گا۔"

"جی ماسٹر!" وہ سب یک زبان ہو کر بولے تھے۔



یہ شارجہ کا علاقہ تھا۔ ایک مصروف بازار کے وسط میں یہ تنگ سی گلی تھی۔ آج پھر شیر وہاں موجود تھا۔ سرپر کیپ پہنے اسکول کی شرٹ اتار کر اس نے بیگ میں ڈال لی تھی اس وقت اس کے جسم پر نیلی پتلی سی شرٹ تھی۔ اس کی نگاہ گلی کے بیچ و بیچ لگے اس لوہے کے ڈھکن پر تھی۔ دیکھنے پر وہ گٹر معلوم ہو رہا تھا لیکن شیر کو شک تھا کہ اندر کچھ غیر

معمولی ہے۔ اس کی متجسس طبیعت اسے ایسی چیزوں کے قریب بے اختیار کھینچتی تھی۔ وہ جتنی کوشش کر لیتا خود کو روک نہیں پاتا تھا۔ کافی دیر ڈھکن کو گھورنے کے بعد اس نے آس پاس نگاہ دوڑائی اور پھر قریبی کیفے کے باہر رکھی بھاری سی کیاری میں کیمرہ رکھ دیا۔ کچھ پل مزید وہاں رکنے کے بعد وہ وہاں سے نکل کر سیدھا گھر آیا تھا۔ گھر میں داخل ہوتے اس نے اپنا بیگ لاؤنج میں پھینکا اور بھاگ کر کمرے میں آیا۔ سامنے اس کا کمپیوٹر تھا۔ جو وہ خود سستے دام میں کہیں سے خرید کر لایا تھا اور پھر کھول کر اندر کا سامان تبدیل کر دیا تھا۔ وہ ان کاموں میں ماہر تھا۔ وہ کسی چیز کو ایک بار دیکھ لیتا تو کبھی نہیں بھولتا تھا۔ اس کے کمرے میں ایسی درجنوں مشینیں تھیں جسے اس نے خود بنایا تھا۔ مثلاً کرنٹ پیدا کرنے والا لائٹ، ریزر مشین، چھوٹے چھوٹے مختلف پنکھے۔ مشینی گلیل۔۔ لیکن وہ ان

چیزوں کا استعمال نہیں کرتا تھا کیوں کہ بابر کبھی بھی ایسے کاموں میں اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا تھا۔ اسے ہر پہر یہی خوف لگا رہتا تھا کہ اس کا غیر معمولی بچہ کسی شیطانی دماغ کی نذر نہ ہو جائے لیکن وہ کچھ بھی کر لیتا شیر پر قابو نہیں حاصل کر پاتا تھا۔

شیر نے کمپیوٹر کھول کر مختلف بٹن دبائے سامنے اسکرین دو حصوں میں بٹی دکھائی دینے لگی۔ ایک اسکرین پر کسی جگہ کا نقشہ ظاہر ہو رہا تھا۔ دوسری اسکرین پر اسی بازار کی تنگ گلی کا منظر تھا۔ کچھ دیر دلچسپی سے اسکرین کو گھورنے کے بعد وہ اٹھ کر کچن میں آیا اور اپنے لئے سینڈویچ بنانے لگا۔ اس کی رفتار تیز تھی۔ وہ چھری کو جس تیزی سے استعمال کر رہا تھا دیکھ کر خوف آنے لگتا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ

تھی۔ وہ خوشی محسوس کر رہا تھا۔ باپ کے سامنے اس طرح کام نہیں کر سکتا تھا۔ باہر اسے کبھی بھی ایسی چیزوں کی اجازت نہیں دیتا تھا۔



رات کا آخری پہر تھا۔ چھوٹے سے اس فلیٹ میں مکمل خاموشی اور تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ دفعتاً شیر کے کمرے کا دروازہ بالکنی کی جانب کھلا۔ اس نے آس پاس دیکھتے کھڑکی سے سر باہر نکالا اور پھر احتیاط سے نیچے اترنے لگا۔ اگلے دو منٹ میں وہ نیچے پہنچ چکا تھا۔ بلڈنگ کے احاطے سے نکلنے کے لئے بھی اس نے دیوار کا استعمال کیا اور پھر سیاہ اونی ٹوپی پیشانی تک لاتے اس نے ناک تک رومال باندھ لیا اور تیزی سے کالونی کے بیرونی راستے پر قدم رکھ دیے۔



شارجہ کے ریگستانی علاقے کے کنارے بنے یہ سیاحتی ہوٹل اور مختلف ریزارٹس تھے۔ ان ریزارٹ کے درمیان ہی وہ الحذوم ریزارٹ تھا۔ سیاہ اور سنہرے رنگ کی عمارت ارد گرد موجود عمارتوں میں سب سے زیادہ وسیع تھی۔ ریزارٹ کے آس پاس ناریل اور کھجور کے درخت تھے۔ وسیع و عریض احاطہ تھا۔ مختلف چھوٹے بڑے تالاب اور سوئمنگ پولز۔ وہ ایک شاندار منظر تھا۔ اسی ریزارٹ میں ایک زیر زمین حصہ بھی تھا۔ وہ ایک شاندار اور جدید انداز میں تعمیر کی گئی جگہ تھی۔

سفید دیواروں پر مختلف قسم کی پینٹنگز تھیں۔ ایک جانب شیشے کی دیواریں تھیں۔ جس کے پار مختلف اشکال کی مشینیں اور کئی مونیٹر تھے۔ وہاں مختلف شکلوں اور نسلوں کے لوگ کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ دیکھنے پر یہ کسی دفتر کا منظر معلوم ہوتا تھا اور یہی حقیقت

تھی۔ یہاں سے شارجہ میں ہونے والے گولڈن فاکس کے مختلف غیر قانونی کاموں کی نگرانی کی جاتی تھی۔ دوسرے الفاظ میں وہ شارجہ میں گولڈن فاکس کا دیگر شہروں اور ممالک کی طرح ہیڈ کوارٹر تھا۔ ایسے ہیڈ کوارٹر کئی ملکوں کے ہر شہر میں موجود تھے۔ جنہیں ہزاروں لوگ کنٹرول کرتے تھے۔

"Oh my God what is this? What the hell Is this Going on here"???

ایک اسکرین کے سامنے کھڑے شخص نے چلا کر ساتھیوں کو متوجہ کیا۔ وہ سب دوڑتے ہوئے اس جانب آئے۔

"کون ہے یہ؟ ڈیوٹی پر موجود لوگوں کو اطلاع دو۔"

تبھی ایک لڑکا بھاگتا ہوا ایک طرف رکھی ڈیوائس کی طرف لپکا۔

"اٹینشن۔۔ اٹینشن۔۔ پوائنٹ نمبر 32۔۔ مین بلڈنگ میں کوئی داخل ہوا

ہے۔ فوراً چیک کیا جائے۔۔" ان میں سے ایک نے بوکھلائے

انداز میں اسکرین کی طرف دیکھتے کہا۔

اسی پل اسکرین پر نظر آتے منظر پر ہلچل دکھائی دی۔ سرخ اور نیلی بتیاں

روشن ہوتی دکھائی دیں۔ الارم بجائے جانے لگے۔ اسی پل شیشے کا دروازہ

سرکاتے مختلف لوگ کنٹرول روم میں داخل ہوئے۔ وہ سب بوکھلائے

ہوئے نظر آرہے تھے۔

"بگ باس یہیں ہیں۔۔ مسٹر عمش بھی یہیں ہیں۔ کیا کریں؟"

"ابھی کچھ مت کرو۔"

"اٹینشن۔۔ پوائنٹ نمبر 31 کے کوریڈور میں جاؤ۔ کنٹرول روم میں کون

ہے؟ کیا تم لوگوں کو نظر نہیں آرہا؟"

"نہیں! یہاں کا کنکیشن کٹا ہوا ہے۔"

"کیسے؟"

"ہمیں نہیں پتا سر!۔"

"مین بلڈنگ میں جا رہا ہے ٹارگٹ۔۔ سب کو اس طرف بھیج دو۔"

"اوہ مائے گاڈ اس کی اسپیڈ۔۔" ایک لڑکا حیرت زدہ سا اسکرین کے قریب

آیا۔

"یہ کوئی بچہ لگ رہا ہے۔۔ کاریڈور نمبر 3۔۔"

"..4"

"اب وہ 5 کی طرف جا رہا ہے۔ ڈرگ سیکشن کی طرف۔ اس پکڑو۔"

اسکرین پر کچھ لوگ اسی جانب بھاگتے دکھائی دے رہے تھے۔

اسی پل گیٹ کھلا اور عیش بھاگتا ہوا اندر آیا۔

"ہ۔۔ویل۔۔"

"ہٹو سامنے سے۔۔ کیا ہو رہا ہے؟" عمش نے اسکرین پر نگاہ ڈالی اور اگلے ہی پل اس کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔

"اس کا مطلب ماسٹر کے لڑکے سچ کہہ رہے تھے؟" وہ بڑبڑایا۔ اسکرین پر نظر آنے والا وجود لمحوں میں ایک کیمرے سے دوسرے کیمرے کے حصار میں آرہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ تیز رفتاری سے بھاگ رہا تھا۔

"سرفائیر کر دیں؟"

"نہیں۔۔ نہیں۔۔ بے وقوف انسان وہ ڈرگ سیکشن ہے۔"

"اوہ۔۔ بیسمنٹ سے نکل گیا ہے وہ۔۔" ایک لڑکے نے اسکرین کی جانب دیکھا۔ وہ سب حیرت زدہ تھے۔ وہ سب ناقابل یقین منظر کو آنکھیں پھاڑے دیکھ رہے تھے۔

"اوہ۔۔مائے گاڈ۔۔"

منظر میں وہ سامنے سے آتے لڑکوں کو کسی مشین کے ذریعے جھٹکے دیتا
نظر آ رہا تھا وہ ایک ایک کر کے زمین پر گر رہے تھے۔

"کیا کر رہا ہے یہ؟۔۔"

"اس کے پاس سرکٹ ہے کوئی۔۔"

"پکڑو اسے وہ بھاگنے نہ پائے۔" اب کی بار عمش چلایا تھا۔

"پکڑو۔۔ جلدی۔"

"کہاں گیا؟ وہ نظر کیوں نہیں آ رہا؟" عمش نے اسکرین پر نگاہیں دوڑاتے

اسے مختلف کیمروں میں ڈھونڈنے کی کوشش کی۔

"سر وہ کود گیا۔ بیک یارڈ میں کود گیا ہے۔۔"

"اتنی اونچائی سے کود گیا؟" عمش کا منہ کھلا رہ گیا۔ وہ سب منہ کھولے
حیرت سے اسکرین کی جانب دیکھ رہے تھے۔



وہ کمرے میں کودا ہی تھا جب اچانک کمرے کی بتیاں روشن ہوئیں۔ شیر
نے زبان دانتوں میں دباتے سامنے کی جانب دیکھا۔ بابر ناگوار نگاہوں سے
اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔
"ہیلو بابا!"

"شٹ اپ! بیگ دو مجھے ادھر اپنا۔" وہ سختی سے بولا۔ شیر نے خاموشی
سے بیگ باپ کی جانب بڑھایا۔

"کہاں گئے تھے تم؟ یہ ہاتھ میں خراش کیسی ہے؟ کیا کرنے گئے تھے؟" وہ اس کا بیگ اٹتے ہوئے سوال کر رہا تھا۔ اس کے بیگ سے مختلف آلات نکلنے زمین پر گر رہے تھے۔

"یہ کرنٹ مارنے کی مشین ہے؟ وہی جو اس دن تم مجھے دکھا رہے تھے؟ ہائی والٹ کا جھٹکا دیتی ہے؟ کسی پر استعمال۔"

"بیس تیس منٹ کے لئے پاس آؤٹ کر جاتا ہے انسان مرتا نہیں ہے بابا۔"

"شٹ اپ! بابر غرایا۔"

"اوکے۔" وہ اطمینان سے کہتا پلنگ پر گر گیا۔

"سیدھے بیٹھو۔"

"تھکا ہوا ہوں۔" وہ بڑبڑاتا ہوا پلنگ پر اٹھ بیٹھا۔

"کہاں گئے تھے؟"

"ایک ایسی جگہ جسے میں نے آج سے پہلے صرف فلموں میں دیکھا تھا۔ وہ ایک بیسمنٹ تھا۔ گٹر سے شروع ہو کر بیسمنٹ پھر بیسمنٹ سے شاندار قسم کی بلڈنگ۔ وہاں لیزر پوائنٹنگ مشینری تھی۔ ڈرگس۔ گن میگز۔ میں ڈرگس کی بو پہچانتا ہوں۔ وہاں بہت کچھ ایسا تھا جو میں نہیں دیکھ پایا۔ نیکسٹ۔"

"شٹ اپ۔" بابر بری طرح ڈھارا۔

"اوکے۔" شیر منمنا کر چپ کر گیا۔

"کیوں گئے تھے تم وہاں؟" بابر نے درشتی سے سوال کیا۔

"I was curious" ..

"تمہارا یہ تجسس ہمیں قبر میں پہنچائے گا شیر۔ تمہیں اندازہ بھی ہے کتنی بڑی مصیبت میں پھنس سکتے تھے تم؟ اس شہر میں سیکڑوں غیر قانونی کاروبار ہیں۔ وہ خطرناک لوگ ہوتے ہیں۔"

"ان خطرناک لوگوں میں ایک بھی ایسا نہیں تھا جو مجھے پکڑ پاتا۔ ہا ہا ہا۔ میرے گجس بہت کام کے ہیں۔" وہ زمین پر جھک کر اپنا سامان بیگ میں ڈالنے لگا۔ وہ ذرا بھی خوف زدہ نہیں تھا۔ باپ کے جلالی غصے پر بھی وہ پرسکون تھا۔ بابر نے پریشانی سے سر پکڑا اور قریبی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"It was an amazing adventure.. I m so happy..you know what baba.. I can run as fast as I want.. It's amazing" ..

وہ خوش اور پر جوش تھا۔ بابر نے جھکا سر اٹھا کر سامنے کھڑے اپنے عزیز
از جان بیٹے کو دیکھا۔ جو اس دنیا کے لوگوں سے یک دم مختلف تھا۔
"وہ سب مجھے پکڑنا چاہتے تھے لیکن ایک بھی مجھے پکڑ نہیں
پایا۔ ہاہاہاہ۔"

شیر ان سنسنی خیز لمحوں کو یاد کر کے ہنس دیا اور پھر اچانک اس کی ہنسی کو
بریک لگا۔

"بابا! سوری!" اس نے باپ کے سامنے جھکتے ہوئے کہا۔
بابر نے تھکن زدہ سانس خارج کی۔ وہ اسے وہی پرانا لیکچر دوبارہ نہیں دے
سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا اس ناقابل یقین ہستی کو قابو کرنا ناممکن تھا۔

"بابا! سوری!"

"بابا سوری۔۔"

بابر خاموشی سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ شیر کے چہرے پر شرمندگی کا کوئی احساس نہیں تھا۔

"نہیں۔۔ تم شرمندہ نہیں ہو شیر!" وہ خفگی سے بولے

"مجھے نہیں پتا کیسے شرمندہ ہوتے ہیں بابا!"

وہ بے چارگی سے بولا۔

"لیکن جب آپ اداس ہوتے ہیں تو مجھے برا لگتا ہے۔"

بابر سے تاسف سے سر جھٹکا۔

"تمہیں پتا ہونا چاہیے کہ کیسے شرمندہ ہوتے ہیں۔"

شیر نے اپنی چمکتی آنکھیں باپ پر ٹکائیں اور ڈھٹائی سے مسکرایا۔

"کیا میں الٹا کھڑا ہو جاؤں؟ ایک دن کے لئے؟"

"کوئی فائدہ نہیں۔ تمہیں تین دن بھی الٹا کھڑا رکھوں تم کھڑے رہو گے۔ تم دنیا کے سب سے بڑے ڈھیٹ ہو۔ اگر ڈھیٹ لفظ کا کوئی نعم البدل ہوتا تو وہ تم ہوتے۔"

"تھینک یو بابا!" شیر نے دانت نکالے۔ وہ اس وقت اس قدر پیارا لگا کہ بابر کا سارا غصہ، پل بھر میں ہوا ہوتا دکھائی دیا۔
"شٹ اپ!" بابر بے اختیار ہنس دیا تھا۔

"اوکے بابا!" شیر ہنوز ڈھٹائی سے دانتوں کی نمائش کر رہا تھا۔ اس کی ہنسی دلکش تھی دلوں کی چھو لینے والی معصوم سی ہنسی جو کسی کو بھی موم کر سکتی تھی۔ لیکن درحقیقت اس کی شخصیت فقط ایک خطرے کی گھنٹی تھی۔



"مشکل تو پیش نہیں آئی؟" عمش البانی نے خاموش نگاہ اس دراز قد بچے پر ڈالتے ہوئے آس پاس کھڑے افراد سے پوچھا۔
 "نہیں شیخ!" ان میں سے ایک شیر کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

شیر آس پاس کا جائزہ لے رہا تھا۔ یہ ہال وسیع تھا۔ یہ انیسویں منزل تھی۔ سامنے بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں جن کے پردے ہٹے ہوئے تھے۔ ایک جانب سیاہ چمڑے والے قیمتی صوفے تھے۔ دیوار پر عرب امارات کے قومی پرندے کی مختلف پینٹنگز تھیں۔ کمرے کو آٹھ افراد نے گھیرا ہوا تھا۔ ایک جانب گولڈن فاکس رخ موڑنے کھڑا تھا۔ سیاہ لانگ کوٹ پہنے وہ کوئی دیو قامت شخص لگ رہا تھا۔ اس کے سر پر وہی سیاہ تاج تھا۔ جس پر سیاہ پتھر جڑے تھے۔

"وہ اس لئے کیوں کہ میں خود یہاں آنا چاہتا تھا۔" شیر نے بولنے والے گارڈ کی جانب دیکھ کر عام سے لہجے میں کہا۔

"یہ مت سمجھنا تم یہاں مجھے میری مرضی کے بغیر زبردستی لائے ہو۔ میں یہاں ہوں کیوں کہ میں متجسس تھا۔" شیر نے سامنے کھڑے دوسرے گارڈ کی جانب دیکھا۔ رخ موڑے کھڑے گولڈن فاکس کے وجود میں جنبش ہوئی تھی۔ وہ چند قدم چل کر مزید آگے بڑھا۔

"عمر کیا ہے تمہاری؟" عمش البانی نے سوال کیا۔

"کیوں بتاؤں؟" شیر نے پرسکون لہجے میں سوال کیا۔ اس پاس کھڑے گارڈ سمیت عمش البانی کی پیشانی پر بل پڑے۔

شیر لا پرواہ سا آنکھوں میں تجسس لئے تاج پہنے شخص کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں تاج پر تھیں۔

"جتنا خوبصورت تاج ہے۔۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔

"نام کیا ہے تمہارا؟" عمش نے ایک اور سوال پوچھا۔

"کچھ بھی کہہ کر پکار لو۔" وہ لاپرواہی سے کہتا آگے بڑھا۔ اس سے قبل کے وہ مزید آگے بڑھتا گارڈز اس کی جانب لپکے۔ اس نے اچھل کر قریب آتے ایک گارڈ کے ناک پر لات رسید کی۔ گارڈ کراہ کر نیچے گرا۔ اسی پل باقی سب نے ہتھیار اٹھا کر اس پر تان لیے۔ شیر نے اس پاس کھڑے گارڈز کو دیکھا اور ناپسندیدگی سے منہ بنایا۔ اس کے اعتماد اور پھرتی نے سب کو پہلے ہی چونکا رکھا تھا۔ وہ دو دن سے اس ریزارٹ کے ہر ایک ورکر کی زبان پر تھا۔ عرب امارات کے کئی شہروں میں موجود گولڈن فاکس کے مختلف اداروں میں یہ خبر پھیل چکی تھی۔

"میں صرف اس آدمی سے بات کروں گا۔" شیر نے گولڈن فاکس کی جانب اشارہ کیا۔

"باس!" عمش نے گولڈن فاکس کو پکارا۔

گولڈن فاکس نے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا۔ عمش نے گارڈز کو اشارہ کیا۔ وہ سب ایک ایک کر کے باہر نکل گئے۔ کمرے میں اب فقط گولڈن فاکس اور عمش رہ گئے تھے۔

"کیا نام ہے تمہارا لڑکے؟" گولڈن فاکس نے سوال کیا۔ اس کی آواز بھاری اور رعب دار تھی۔

"میری طرف دیکھ کر بات کرو۔" شیر نے پراعتماد لہجے میں کہا۔ عمش کا منہ اس کی اتنی ہمت پر کھلا رہ گیا۔

گولڈن فاکس کے لبوں پر لمحاتی مسکراہٹ چمکی۔ وہ خود بھی اس کا چہرہ دیکھنا چاہتا تھا۔ اس نے پلٹ کر ایک تفصیلی نگاہ اس پر ڈالی۔ وہ خوبصورت بچہ تھا۔ جس کی سیاہ آنکھیں گہری اور چمکدار تھیں۔ وہ بے خوف تھا۔

"ماسک تو اتارو۔۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں اتنا خوبصورت تاج پہننے والا شخص خود کیسا دکھتا ہے؟"

اس کے اعتماد پر عمش نے بے اختیار پیشانی مسلی تھی۔

"اے لڑکے۔۔ زیادہ چک چک نہیں۔۔ نام بتاؤ اپنا۔۔ کس کے بچے ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟؟ کیا اس عمارت میں تم ہی گھسے تھے؟" عمش نے اسے حقارت سے جھڑک دیا۔

"تمیز سے بات کرو۔۔ ورنہ جسم کی ساری ہڈیاں توڑ دوں گا۔" شیر کا چہرہ غصے سے سرخ ہوا تھا۔ عمش کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔ گولڈن فاکس

کے چہرے پر گہری مسکراہٹ ابھری تھی۔ عمش کو جوں ہی توہین کا احساس ہوا۔ وہ اسے پکڑنے کو لپکا۔ شیر تیر کی تیزی سے چھلانگ لگاتا سیکنڈ کے اندر کھڑکی تک پہنچا اور نیچے کود گیا۔ عمش کا دل پل بھر کو دھڑکنا بھول گیا۔ گولڈن فاکس بھی بے اختیار کھڑکی کے قریب آیا تھا۔ شیر مہارت سے مختلف کھڑکیوں اور پائپوں سے لٹکتا نیچے اتر رہا تھا۔ گولڈن فاکس کی آنکھیں پسندیدگی سے چمک اٹھیں تھیں۔

"Amash... I need this child.. I need him badly... Go catch him.. Now"!

گولڈن کی نگاہیں شیر پر تھیں وہ کھڑکی پر کھڑا اسے نیچے اترتے دیکھ رہا تھا۔ جبکہ عمش تیزی سے باہر کی جانب بھاگا تھا۔



رات کی تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ سڑکیں اسٹریٹس لائٹس کی روشنی سے منور تھیں۔ دکانوں اور بازاروں کا رش معمول کے مطابق تھا۔ بابر تھکا ہارا ایک دکان سے دوسری دکان پر جا کر اپنے والٹ پر لگی شیر کی تصویر دکھا کر لوگوں سے اس کے متعلق سوال کر رہا تھا۔ وہ پچھلے چھ گھنٹے سے اسے جگہ جگہ تلاش کر چکا تھا۔ یہاں تک کہ پولیس کو بھی اطلاع کر دی تھی لیکن اس کے باوجود شیر کا کوئی سراغ نہیں مل سکا تھا۔ آخر کار تھک ہار کر وہ ایک فٹ پاتھ پر جا بیٹھا۔ اس کا دل سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

"کہاں ہو تم میرے بچے؟" وہ دل ہی دل میں بڑبڑایا اور سر ہاتھوں میں گرا لیا۔

"گر گیا تھا بابا!"

"وہ سب مجھے پکڑنا چاہتے تھے لیکن ایک بھی مجھے پکڑ نہیں پایا۔ ہاہاہاہ۔"

اس کی آواز اس کی سماعت میں گونجی۔ بابر مزید پریشان ہوا اور اٹھ کر مخالف سمت میں چل دیا۔

"یا اللہ میرے بچے کی حفاظت کرنا۔ ابھی وہ بہت معصوم ہے۔ وہ کچھ نہیں جانتا۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کے لئے کون سا راستہ درست ہے۔ یا اللہ اس کی حفاظت کرنا۔"

وہ بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔



وہ ایک وسیع کمرہ تھا۔ ایک دیوار مکمل پردوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ سامنے کی دیوار پر ایک بڑی پینٹنگ تھی جس نے مکمل دیوار کو گھیر رکھا

تھا۔ وسط میں ایک پلنگ تھا۔ جس پر وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ شیر تھا۔ اس کے چہرے پر بلا کی معصومیت تھی۔ سو جے ہوئے پپوٹے اور گھنی پلکیں۔ وہ دلکش نقوش کا مالک تھا۔ اس کے بھورے بال اس کی پیشانی پر بکھرے تھے۔ دفعتاً اس نے کروٹ لی اور کسمسا کر آنکھیں کھول لیں۔ آنکھیں کھولتے ہی وہ جھٹکے سے اٹھا۔ چہرے پر غصہ ظاہر ہوا اور آنکھیں سرخ ہوئیں۔ اس نے جھٹکے چادر ہٹا کر اپنی ٹانگ کو دیکھا۔ اسے اچانک ہی وہ منظر یاد آئے جب بھاگتے ہوئے اس کی ٹانگ پر گولی ماری گئی تھی۔ اس کی پنڈلی پر پٹی تھی۔ اس نے گردن گھما کر آس پاس دیکھا۔ دائیں جانب اسے گھڑی رکھی دکھائی دی۔ شام کے سات بج رہے تھے۔ اس کا مطلب وہ پچھلے بیس گھنٹوں سے یہاں سو رہا تھا۔ وہ فوراً پلنگ سے اتر۔ اسے ذرا سا درد محسوس ہوا لیکن وہ چل سکتا تھا۔ اس کے پلنگ

کے پاس ویل چیئر اور واکنگ اسٹک رکھی ہوئی تھی لیکن اس نے انہیں
نظر انداز کیا اور کمرے سے نکل آیا۔ کمرے کے باہر ہی ایک محافظ کھڑا
تھا۔ وہ اسے دیکھ کر بری طرح چونکا اور حیرت سے اس کی ٹانگ کو دیکھا۔

"ب۔۔ب۔"

"ب۔۔ب۔ مت کرو راستہ چھوڑو۔" شیر نے اسے دھکیلا اور بائیں
جانب راہداری میں بڑھنے لگا۔ محافظ نے واکنگ اسٹک نکال کر فوراً کسی کو
اطلاع دی تھی۔



"میں نے اور عیش نے اس گارڈ کی اچھی خاصی کلاس لی۔"

"I don't care" ..

شیر نے لاپرواہی سے کہتے اپنی پنڈلی کو دیکھا اور پتلون چڑھا کر پٹی اتارنے لگا۔

گولڈن فاکس نے ماسک اتار رکھا تھا۔ تاج بھی سر پر نہیں تھا۔

"تمہیں یوں نہیں بھاگنا۔"

"مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں یہ میری اپنی مرضی ہے۔ اپنے گارڈ

سے کہنا میرے سامنے نہ آئے میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔" شیر نے

زخم پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ تھا۔ گولڈن

فاکس مسکرایا۔

"بہت پسند ہو تم مجھے۔" وہ مسکراتے لہجے میں بولا۔

"میں سب کو پسند ہوں۔" شیر نے گردن اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔

"تم نے میرا چہرہ دیکھ لیا ہے اس کا مطلب جانتے ہو؟"

"نہیں۔" شیر نے انکار کرتے قریب رکھا جو س اٹھا کر منہ سے لگایا۔
 "اس کا مطلب ہے کہ تم بہت خاص ہو میرے لئے۔" گولڈن فاکس
 نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"اچھا!" شیر نے ایسے کہا جیسے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔
 "کیا واقعی تمہیں درد نہیں ہو رہا؟ تم بالکل ٹھیک ہو؟" گولڈن فاکس کی
 نگاہ اس کی ٹانگوں پر تھیں۔

"ہاں! مجھے یہاں خارش ہو رہی ہے بس۔" شیر پھر زخم پر انگلی پھیرنے
 لگا جہاں بیس گھنٹے قبل گولی لگی تھی۔

"میں ڈاکٹر۔"

"ضرورت نہیں۔ مجھے گھر ڈراپ کروادو۔ میرے بابا میرا انتظار کر رہے
 ہوں گے۔" شیر نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔

"تم کہیں نہیں جاسکتے اب۔۔ تمہیں ساری زندگی میرے ساتھ رہنا ہے۔" گولڈن فاکس نے نرمی سے کہا۔ شیر نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ناگواری ابھری تھی۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا؟" وہ چڑ کر پوچھنے لگا۔ گولڈن فاکس اپنی جگہ سے اٹھ کر قریب آیا اور نرمی سے اس کا کاندھا تھپتھپا کر باہر کی جانب بڑھ گیا۔ شیر نے تلخی سے سر جھٹک کر آس پاس دیکھا۔ اس کمرے میں کوئی کھڑکی نہیں تھی جہاں سے وہ کود کر بھاگ سکتا۔ دروازہ بھی باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔ اس صورتحال کو دیکھ کر شیر کو مزید غصہ آیا تھا۔



"کوئی ہے؟ مجھے باہر نکالو۔۔ میرے ساتھ ایسا کیوں کیا جا رہا ہے؟ مجھے باہر نکالو۔۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔" باہر حوالات کے اندر سے کھڑا

مسلسل آوازیں لگا رہا تھا لیکن اسے مکمل نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ اس کی ایک بھی نہیں سنی گئی تھی۔ وہ کل رات سے حوالات میں بند تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے یہاں کیوں بند کیا گیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ شیر کسی بااثر شخصیت کے ہتھے چڑھ گیا ہے۔ وہ نہیں جانتا تھا آگے کیا ہونے والا ہے لیکن وہ رب کے حضور دعا گو تھا کہ اس کا بچہ محفوظ رہے۔

"باہر آؤ۔" ایک حوالدار نے آکر اسے باہر نکلنے کا اشارہ کیا وہ فوراً باہر نکل آیا۔

"کیا اب میں جاسکتا ہوں؟"

"میرے ساتھ چلو۔" حوالدار نے اس کا بازو پکڑا اور اپنے ساتھ لئے ایک کمرے میں چلا آیا۔ سامنے صوفوں پر ایک افسر بیٹھا تھا۔ دائیں جانب عیش البانی تین مزید لوگوں کے ساتھ بیٹھا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے اندر

آتے ہی عمش نے افسر اور حوالدار کو باہر بھیج دیا۔ بابر پریشان نگاہوں سے ان لوگوں کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"کیا تم ہی بابر خان ہو؟" عمش نے عربی میں سوال کیا۔

"ہاں میں ہی ہوں۔ تم کون ہو؟" بابر نے سوال کیا۔

"یہ جان کر تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ بیٹھ جاؤ۔" عمش نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ بابر خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا یہ تمہارا بیٹا ہے؟" عمش نے ایک تصویر اس کے سامنے میز پر رکھی۔ جس میں شیر زخمی دکھائی دے رہا تھا۔ تصویر دیکھتے ہی بابر کے تاثرات بدلے۔ اس کی آنکھیں سرخ پڑنے لگیں۔

"ایک ایکسڈنٹ میں اس کی ڈیٹھ ہوگئی ہے۔ بد قسمتی سے یہ ہماری وجہ سے ہوا ہے۔ یہ معافی نامہ ہے۔ یہ ایک کڑوڑ ریال ہیں۔ اس پر دستخط کر دو۔ یہ تمہارا پاسپورٹ اور ویزا تم دبئی چھوڑ کر جارہے ہو۔"

"ک۔ کیا مطلب؟ ہاں یہ میرا بیٹا ہے؟ یہ خون کیسا ہے؟ کیا اسے گولی لگی ہے۔۔ ایک منٹ۔۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔" بابر یک دم چلا۔

"جھوٹ بول رہے ہو۔ مجھے یقین ہے تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم سے پہلے بھی کافی لوگ اسے مجھ سے خریدنے کی کوشش کر چکے ہیں۔ میں نہیں مانتا یہ سب۔ مجھے جیل میں کیوں ڈالا ہے۔ مجھے باہر نکالو۔ میرا بیٹا کہاں ہے؟" وہ بری طرح دھاڑا تھا۔

عمش نے خاموشی سے صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائی اور ایک اور فائل اس کے آگے رکھی۔

"یہ لندن کی بہترین کمپنی ہے۔ انجینئر ہوناں تم؟ شیر کے باپ ہو تو اس کی طرح ذہین بھی ہو گے۔ مجھے یقین ہے تم اس کمپنی کو اچھے سے سنبھالو گے۔ اب سے تم اس کمپنی میں ایک بڑا عہدہ ہے تمہارا۔ تمہارے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ ہماری ان سہولیات سے فائدہ اٹھا کر خود بھی اچھی زندگی گزارو اور اپنے بیٹے کو بھی اچھی زندگی گزارنے کا موقع دو۔" عمش نے فائل میز پر رکھی۔ بابر نے فائل کو دیکھے بغیر ہتھکڑی لگے ہاتھوں سے ایک جانب پٹخ دیا۔

"نہیں چاہیے مجھے یہ سہولتیں مجھے میرا بیٹا دو۔ ہمیں ہماری مرضی سے جینے دو۔ اگر تمہیں لگتا ہے اسے تم لوگ اسے قابو کر سکتے ہو تو یہ تم لوگوں کی بہت بڑی بھول ہے۔ میں باپ ہو کر اسے آج تک قابو نہیں

کرپایا تو تم لوگ کیسے کرو گے؟ اسے چھوڑ دو مجھے باہر نکالو۔" وہ التجائی انداز میں بولا۔

عمش نے گہری سانس لیتے گردن نفی میں ہلادی۔
 "اب ایسا ممکن نہیں۔ اسے بھول جاؤ یہی تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔" عمش نے اٹھتے ہوئے ایک جتنی نگاہ اس پر ڈالی اور کمرے سے نکل گیا۔

"وہ عام بچہ نہیں ہے۔ اسے چھوڑ دو۔ وہ تم سب کو تباہ کر دے گا۔ مجھے میرا بیٹا واپس کرو۔" وہ حلق کے بل چلا رہا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کی فریاد سننے والا کوئی نہیں تھا۔ آخر کار تھک کر اس نے ایک مایوس نگاہ سامنے رکھے سامان پر ڈالی اور سر میز پر ٹکا کر رو دیا۔ اس کی زندگی کا

سب سے بڑا ڈر آج حقیقت بن کر سامنے آگیا تھا اور وہ چاہ کر بھی اپنے بچے کو بچا نہیں سکتا تھا۔



پاکستان کے شہر کراچی میں واقع یہ ایک وسیع عمارت تھی۔ یہ ایک نجی بینک تھا۔ تمام اسٹاف اور دیگر ملازمین معمول کے کاموں میں مگن تھے۔ کانفرنس روم میں ایک اہم میٹنگ جاری تھی۔ عظمیٰ خان اس میٹنگ کو ہیڈ کر رہی تھیں۔ وہ اس بینک کی مینیجر تھیں۔ خوبصورت نقوش کی مالکہ وہ لگ بھگ پینتیس چھتیس سال کی عورت تھی۔ سیاہ رنگ کے آفس ڈریس میں سلیقے سے کیا میک اپ۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی اور لہجہ میں اعتماد۔ انگریزی میں کوورکرز کے ساتھ گفتگو کرتی وہ بے ساختہ شیشے کے پار دیکھتی رہتی تھی۔ اس کی نگاہیں میٹنگ کے دوران کام کے

دوران یا لنچ کے دوران اکثر دروازے پر جاٹھرتی تھیں۔ جیسے وہ کسی کی منتظر ہو۔ ہر بار نگاہیں پھیرنے پر اس کی آنکھوں میں ایک خاموش سا مایوسی کا احساس ابھر کر معدوم ہو جاتا تھا۔ وہ شاید اس بات سے واقف نہیں تھی لیکن اس کے ساتھ کام کرنے والے لوگ اور اس کے ملازم اس کی اس عادت سے بخوبی واقف تھے۔ اب بھی وہ بات کرتے کرتے ہر چند منٹ بعد دروازے کی جانب دیکھتی اور دوبارہ بات کرنے لگتی۔ دفعتاً اس کی سیکرٹری تیزی میں اندر داخل ہوئی۔

"مس عظمیٰ! معذرت خواہ ہوں لیکن شاید یہ کال۔"

"ایکسیوزمی!" عظمیٰ فوراً سے اٹھ کر ساتھیوں سے معذرت کر کے باہر نکل آئی۔

"کس کی کال ہے؟" اس کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑنے لگا۔ ہاتھ بے اختیار کپکپا رہے تھے۔ وہ دوڑتی ہوئی کاریڈور سے گزر رہی تھی۔ آس پاس سے گزرتے لوگ سے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ وہ سب سے بے نیاز تیزی سے چلتی اپنے آفس میں آئی اور لپک کر فون کے پاس چلی آئی۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے ٹیلی فون اٹھایا۔ اسی پل فون دوبارہ بجنے لگا۔ اس نے ایک پل کا انتظار کیے بغیر فون کان سے لگایا۔

"بابر؟ بابر کیا یہ تم ہو؟ کہاں ہو تم؟ کیسے ہو۔ تمہارا۔"

"کہاں ہوں؟ کیسا ہوں؟ جس بھی حال میں ہوں۔ تمہاری وجہ سے ہوں عظمیٰ! کس منہ سے پوچھ رہی ہو۔" ظالم عورت۔ آج تمہاری وجہ سے میں نے اپنا بچہ کھو دیا۔ عظمیٰ! بابر کی آواز میں تڑپ تھی۔ عظمیٰ کو لگا وہ اگلی سانس نہیں لے پائے گی۔ وہ دھڑام سے زمین پر بیٹھی تھی۔

"ک۔۔ کیا ہوا اسے؟"

"مار دیا تم نے اسے۔۔ صرف تمہاری خود غرضی اور نفرت کی وجہ سے ایک معصوم بچہ برباد اور تباہ ہو گیا عظمیٰ۔۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ سنا تم نے۔۔" بابر نے سستے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔ عظمیٰ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کے لب کانپ رہے تھے۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ پوچھنا چاہتی تھی لیکن لب ہلنے سے انکاری تھی۔

"میرے بیٹے کی قاتل ہو تم!"

"پلیز ایسا مت کہو۔ تم واپس آ جاؤ۔۔۔"

"اب تو بہت دیر ہو چکی عظمیٰ۔۔"

"پلیز واپس آ جاؤ بابر۔۔"

"مرچکا ہے بابر بھی آج سے تمہارے لئے۔ تم میرے بچے کی قاتل ہو۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا۔ نہ تم وہ سب کرتی نہ آج میں اپنے بیٹے کو کھوتا۔ تمہاری خود غرضی نے مجھ سے میری ساری کائنات چھین لی عظمیٰ۔ تم اس دنیا کی سب سے بری عورت ہو۔ میں نے تم سے عشق کیا تھا اور تم نے مجھے یہاں لا پہنچایا۔"

"بابر!" وہ سسکی لیتے وہ اسے پکار رہی تھی۔

"مجھے معاف کر دو۔"

"تمہیں کبھی سکون نہ ملے۔ تم اپنے کئے گئے گناہ کی سزا آخری سانس تک کاٹی رہو۔ آسائشیں۔ دولت سب کچھ ہو پر پھر بھی تمہارا دم گھٹ جائے لیکن تمہیں سکون نہ ملے۔ مجھے آج خود پر افسوس ہے کہ تم سے محبت کی اور بے پناہ محبت کی تھی۔۔۔" بابر نے کہہ کر فون کاٹ

دیا تھا۔ فون کنکیشن کٹتے ہی عظمیٰ دھڑام سے زمین پر گری تھی۔ اس کی سیکریٹری جو باہر کھڑی تھی بھاگتی ہوئی اندر کی جانب لپکی۔

"میم! میم! کوئی ایسبولینس بلواؤ۔۔۔" وہ گھبرا کر باہر کی جانب نکلتے ہوئے چلا رہی تھیں۔



گولڈن فاکس ہاتھ میں شراب کا گلاس لئے شیشے کی دیوار کے پار جھانک رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی سردمہری تھی۔ وہ پرسکون دکھائی دے رہا تھا۔

"باس!"

"کم ان!"

"گڈ آفر نون!" عمش نے با آدب لہجے میں کہا۔ گولڈن نے فقط اثبات میں گردن ہلادی۔

"شیر کا باپ شارجہ سے نکل گیا ہے۔ میں نے لندن میں پیٹر کو کہہ دیا ہے وہ باقی سنبھال لے گا۔"

"گڈ!"

"باس! کیا آپ کو نہیں لگتا ہمیں اتنی آگے نہیں جانا چاہیے؟" وہ جھجھکتے ہوئے بولا۔

گولڈن فاکس نے ذرا سی گردن گھما کر ایک سرد نگاہ سے عمش کو نوازا۔ عمش نے گہرا کر نگاہیں جھکالیں۔

"تو تم کیا چاہتے تھے اس کے باپ کو قتل کرنے کے بعد اسے استعمال کرتے؟ اسے کٹ پتلی بنالیتے؟" گولڈن فاکس نے ناگواری سے سوال کیا۔ عمش خاموش رہا۔

"وہ کوئی عام بچہ نہیں ہے۔ اسے ہم زبردستی قابو نہیں کرپائیں گے۔ اس کی آنکھوں میں موت کا ڈر نہیں ہے۔ اس کے لہجے میں جھجک نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے میری طاقت کتنی ہے اس کے باوجود میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے جھجک کڑوے جواب دیتا ہے۔ کیا روس کا صدر بھی کبھی مجھ سے آنکھ ملا کر بات کرپایا ہے؟"

"نہیں باس!"

"یہی بہادری اور اعتماد اسے تم سب سے بہتر بناتا ہے۔ اگر وہ اتنی سی عمر میں اتنا شاندار ہے تو تصور کرو آج سے دس بیس سال بعد وہ کیسا ہوگا؟"

ساری دنیا کو اپنی انگلیوں پر نچائے گا۔ ہاہاہاہاہا! "گولڈن فاکس کا قہقہہ گونج دار تھا۔

"اور اگر وہ گولڈن فاکس کے ساتھ ہوگا تو میری طاقت کا اندازہ لگایا ہی نہیں جاسکے گا۔ میں شارجہ سے جانے سے پہلے یہ معاملات سنبھالنا چاہتا ہوں۔ اس کے نام کے ساتھ میرا نام لگے گا۔ دنیا کو بتادو کہ میں نے ایک بچہ گود لے لیا ہے۔ اب میرے دو بچے ہیں۔"

"معاف کیجیے؟" عمش نے الجھ کر نا سمجھی سے گولڈن فاکس کی جانب دیکھا۔

"ہاں! بالکل ٹھیک سنا ہے تم نے۔ میں اسے اڈاپٹ کر رہا ہوں۔" وہ گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے بولا۔ عمش نے حلق تر کرتے اثبات میں گردن ہلائی۔

"وہ جو مانگے اسے لا کر دو۔ وہ جو چاہے اسے کرنے دو۔ ایک آنچ تک نہیں آنی چاہیے اسے۔ اگر وہ دن کو کہے رات تو تمہارا کام ہے ساری دنیا کو باور کروادو کہ دن ہی رات ہے۔ شہزادوں والی زندگی دو اسے۔ امریکا جا رہا ہے وہ اسی ہفتے۔ کون سا اسکول ہے وہ؟"

"دی گرینڈ مڈل اینڈ ہائی اسکول۔" عمش نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"اس کا وہیں داخلہ کرواؤ۔"

"اوکے باس!"

"ماسٹر شین کے پاس بھی بھرتی کروادو اسے۔"

"جہاں مس ہیزیل جاتیں ہیں۔"

"ہاں وہیں۔"

"رہے گا کہاں؟" عمش نے سوال کیا۔

"تمہاری فیملی جس مینشن میں رہتی ہے اس کا دوسرا حصہ خالی ہے؟"

"ج۔جی!" عمش کا دل چاہا اپنا سر دیوار پر دے مارے لیکن وہ فقط حکم کا غلام تھا۔ مزید کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

"وہ وہیں رہے گا۔ اس کے لیے کچھ لوگ ہائیر کرو جو اس کا خیال رکھ سکیں۔"

"اوکے باس!" عمش نے اثبات میں گردن ہلادی۔

"ٹھیک ہے جا کر یہ معاملات سنبھالو۔ میں شیر سے ملنے اس کے کمرے میں جا رہا ہوں۔" وہ شراب کا گلاس ایک طرف رکھتا کمرے سے نکل گیا۔ عمش نے بے اختیار پیشانی کو مسلا۔ اسے اس شیر نامی بچے سے یک دم چڑسی محسوس ہوئی تھی۔



یہ کمرہ ہر جانب سے بند تھا۔ سامنے ایک بڑی اسکرین والا ٹی وی تھا جس پر ایک ویڈیو گیم چل رہی تھی۔ شیر صوفے پر نیم دراز آسکریم کھاتے ہوئے ایک ہاتھ سے گیم کھیل رہا تھا۔ اس کے بھورے ملائم بال اس کی پیشانی پر بکھرے تھے۔ چہرے پر بے نیازی تھی۔ جیسے آس پاس ہونے والی سرگرمیوں سے بالکل فرق نہ پڑتا ہو۔ دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی اگلے پل ہی دروازہ کھلا اور گولڈن فاکس اندر داخل ہوا۔

"گڈ آفٹرنون فائر بوائے!"

شیر نے آنکھوں پر آتے بال ایک ہاتھ سے پیچھے کیے اور گردن گھما کر گولڈن فاکس کی جانب دیکھا اور منہ بنا کر دوبارہ سامنے دیکھنے لگا۔

"سنا ہے تمہیں آسکریم بہت زیادہ پسند ہے۔" گولڈن فاکس نے اس کی گود میں رکھے باؤل پر نگاہ ڈالتے کہا۔

"ہاں! بہت زیادہ۔۔" وہ بولا۔

"اور کیا کیا پسند ہے۔"

"قید ہونے کے علاوہ ہر چیز۔" اس کے بے ساختگی پر گولڈن فاکس
بے اختیار مسکرایا اور اس کے ملائم بالوں پر ہاتھ پھیرتا قریب بیٹھ گیا۔
"اتنے مصروف اور بڑے بزنس مین کے پاس اتنا وقت کیسے نکل آتا ہے
کہ وہ ہر کچھ گھنٹے بعد آکر مجھ سے ملے۔" شیر نے گیم بند کر دی۔ گولڈن
کے چہرے پر لمحاتی مسکراہٹ چمکی۔
"یہ بھی بزنس ہے میرا۔"
"اچھا میں؟"
"ہاں تم!"

"ہاں یہی اندازہ لگایا تھا میں نے بھی۔ بتاؤ کیا چاہتے ہو؟" شیر نے صوفے سے ٹیک لگاتے ہوئے پوچھا۔

"Let's start a partnership" ..

"Partnership"?

"ہاں!"

"جیسے کہ ہم دونوں جانتے ہیں کہ تمہارے پاس کچھ نہیں ہے اس کے باوجود میں تمہارے سامنے ایک زبردست آفر رکھوں گا۔ ایک شاندار لائف اسٹائل، دولت۔۔"

"ایک منٹ!" شیر جھٹکے سے سیدھا ہوا۔

"کس نے کہا میرے پاس کچھ نہیں ہے؟ میرے پاس وہ ہے جو اس دنیا میں بہت کم لوگوں کے پاس ہوتا ہے۔ تمہارے پاس دولت ہے نا؟ یہ

سب کے پاس ہی ہوتی ہے۔ تو آئندہ یہ مت کہنا کہ میرے پاس کچھ نہیں۔ کیا تم جانتے ہو میرا آئی کیو لیول کتنا ہے؟ نہیں جانتے۔ کیا تم جانتے ہو میں کتنی دیر تک بغیر سانس لیے زندہ رہ سکتا ہوں؟ کیا تم جانتے ہو میری ہڈیاں کتنی مشکل سے ٹوٹتی ہیں؟ کیا تم جانتے مسلز کتنے اسٹرونک ہیں؟ کیا تم جانتے ہو میں بڑی بڑی کمپنیز کے سکیورٹی سسٹم کو کیسے ہیک کرتا ہوں؟۔ کیا تم جانتے ہو میری بینائی کتنی تیز ہے؟ کیا تم جانتے ہو کہ میں کتنی دور سے کسی بھی چیز کو سونگ سکتا ہوں؟ کیا تم جانتے ہو مجھے کتنی زبانیں آتی ہیں۔ کیا تم جانتے ہو میری رفتار کتنی ہے؟ کیا تم جانتے ہو میں کتنے دن بغیر کھائے اور کتنے دن بغیر پانی پیے زندہ رہ۔۔۔"

"اوکے میں ہار گیا تم جیتے۔۔" گولڈن فاکس نے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں کی چمک دس گنا مزید بڑھ چکی تھی۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"میرا لیول تم سے زیادہ ہے۔" وہ تلخی سے بولا۔
"مانتا ہوں۔" گولڈن مسکرایا۔

"تمہارے پاس صرف دولت ہے۔ اور اگر میں چاہوں تو تم جتنی دولت کچھ دن میں ہی جمع کر لوں۔" شیر غصیلے لہجہ میں کہہ رہا تھا۔
"پر سکون ہو جاؤ۔ میں مانتا ہوں تم کمال کے ہو۔ مجھے تم سے بحث نہیں کرنی چاہیے۔ ہم برابری۔"

"تم میری برابری نہیں کر سکتے۔۔ کہا ناں تمہارے پاس صرف دولت ہے۔ میرے پاس بہت کچھ۔۔" شیر چڑ کر بولا۔ اس کی سیاہ آنکھیں غصے سے دہک رہی تھیں۔

"اوکے۔ تمہارا لیول مجھ سے اونچا ہے ماسٹر۔۔ غصے سے نہیں کی جاتیں ایسی ڈیلز۔ ہم آرام سے بات کریں گے۔"

"مجھے نہیں کرنی تم سے بات۔۔ چلے جاؤ یہاں سے۔" شیر کا موڈ بگر چکا تھا۔ گولڈن فاکس نے سر جھٹکا اور وہاں سے اٹھ گیا۔

"میری آئسکریم ختم ہو گئی ہے۔ کسی سے کہہ کر میرے لئے آئسکریم بھیجو۔ مجھے کمپیوٹر چاہیے۔ فاسٹ نیٹ کنکیشن کے ساتھ۔۔ مجھے ڈنر میں

شوارما چاہیے۔۔ وہ شوارما جو میری بلڈنگ کے پاس کے اسٹال سے ملتا ہے اور یہ کپڑے مجھے چھوٹے ہیں میری عمر بارہ سال چھ ماہ چھبیس دن ہے

لیکن میرا فکر اٹھارہ سال کے لڑکے جتنا ہے تو پہلے میرا سائز لو پھر میرے کپڑے لے کر آؤ یہ جوتے بھی چھوٹے ہیں۔۔ یہ دیکھو میرا پاؤں کتنا بڑا ہے۔۔" اس نے اپنا پاؤں گولڈن فاکس کے سامنے کیا۔ گولڈن فاکس مسکراتی نگاہ اس کے گلابی مائل لمبی انگلیوں والے پیروں کو دیکھتا اثبات میں سرہلاتا اس کے کمرے سے نکل گیا۔ شیر نے ناک چڑھائی اور دوبارہ گیم کھیلنے لگا۔

"تمہیں میں اتنا زچ کردوں گا کہ خود مجھے میرے بابا کے پاس چھوڑ آوگے۔" وہ تلخی سے بڑبڑایا



یہ ایک قدرے تنگ اور اندھیری سی سڑک تھی جس کے دونوں طرف گھنے درختوں کے جھنڈ تھے۔ درختوں کی شاخیں سڑک پر جھکی ہوئی

تھیں۔ دن کی روشنی میں بھی یہاں اندھیرا چھایا رہتا تھا۔ یہ سڑک لمبی تھی۔ اس سڑک کے اختتام سے قبل ایک موڑ آتا تھا جس کے قریب گرین مینشن تھا۔ یہ ایک شاندار محل نما عمارت تھی۔ اس کو گرین مینشن کا نام شاید یہاں موجود بے شمار درختوں کی وجہ سے دیا گیا تھا۔ یہ مینشن نہ صرف وسیع تھا بلکہ قدرے اونچا تھا۔ قدیم طرز پر بنا یہ گرین مینشن ایک عجیب سی پراسراریت لیے ہوئے تھا۔ اس کا وسیع گیٹ تھا جس پر دو مسلح گارڈز کھڑے تھے۔ پورچ بھی وسیع تھا۔ بیچ میں ایک فوارہ تھا۔ آس پاس کی جگہ پر مزید درخت تھے۔ یہ باہر سے دیکھنے پر ایک عمارت لگتی تھی لیکن اندر آنے پر معلوم ہوتا کہ دراصل یہ بیچ سے ایک طویل راہداری کے ساتھ جڑی ہوئی دو ایک ہی طرز کی شاندار عمارتیں ہیں۔ کائی کے رنگ کی عمارت پر اسی رنگ کے پتھروں سے نقش و نگار

بنے تھے۔ لکڑیوں اور سنگ مرمر سے بنی اس عمارت کے ایک حصے میں
عمش البانی کی بیوی بریرہ البانی دس سالہ جنت کے ساتھ رہتی تھی۔ شام
سے دوسرے حصے میں ہونے والی تبدیلیوں اور چہل پہل کو دیکھنے جنت
طویل راہداری پار کرتی اس جانب چلی آئی تھی۔ جہاں کچھ ملازم صفائی
کر رہے تھے۔ کچھ فرنیچر سیٹ کر رہے تھے۔

"ہیلو!" جنت نے داخلی حصے پر کھڑے کھڑے سب کو ہیلو کیا۔ کام کرتے
ملازم یک دم چونک کر مڑے۔ داخلی راستے پر کھڑی اس خوبصورت بچی
کو دیکھ کر وہ سب مسکرائے تھے۔

"کیا کر رہے ہیں آپ لوگ؟ کیا ڈیڈ آرہے ہیں؟" اس نے اندر آتے
ہوئے سوال کیا۔

"نہیں! گڑیا! اس حصے میں نیا مہمان آنے والا ہے۔"

"کون ہے وہ؟" جنت متجسس انداز میں بولی۔

"یہ تو ہمیں بھی نہیں پتا۔" ان میں سے ایک بولا۔

"کیا وہ کچھ دن کے لئے آرہے ہیں؟"

"اس بارے میں تو ہم نہیں جانتے۔"

"اوہ۔" جنت نے سمجھنے کے انداز میں ہونٹ گھمائے اور صوفے پر آ بیٹھی۔

"مس جنت آپ کو گھر جانا چاہیے۔ میڈم ڈھونڈ نہ رہیں ہوں۔" ایک اور ملازم نرمی سے بولا۔

"فکر مت کریں انکل ہینری مام سو رہی ہیں۔" وہ مسکرائی اور گردن گھما کر دیواروں پر لگی پینٹنگز دیکھنے لگی۔

"کیا ان مہمانوں کے ساتھ کوئی لڑکی بھی ہوگی؟" جنت نے ایک اور سوال کیا۔

"نہیں! شیر نام کا ایک لڑکا ہے۔ ایسا سننے میں آیا ہے۔"

"شیر؟ یہ کیسا نام ہے؟" وہ اونچا بڑبڑائی اور صوفے سے اتر گئی۔

"انکل جوزف! کیا آپ مجھے بیک یارڈ میں ایک جھولا لگا دیں گے؟" جنت نے معصومیت سے سوال کیا۔ جوزف نامی شخص نے مسکراتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی۔

"تھینک یو!" وہ خوش ہوتے ہوئے اسی ہال سے گزر کر ریلینگ تک آئی اور ایڑھیاں اٹھا کر باہر کا نظارہ کرنے لگی۔

"انکل جوزف! یہاں سے نظر آنے والا منظر ہمارے والے سے زیادہ خوبصورت ہے۔ کیا آپ مجھے اس نہر تک لے جائیں گے؟"

"بالکل اگر میڈم اجازت دیں گی تو۔" جوزف نامی ملازم اونچی آواز میں بولا۔

جنت کی معصومیت بھری سبز آنکھیں دور نظر آنے والی پہاڑیوں اور خوبصورت صاف ستھری نہر پر ٹکیں تھیں۔ وہ دل ہی دل میں نئے آنے والے مہمانوں کے لیے متجسس تھی۔



"ہاہاہاہا! ایک چھوٹا سا بچہ گولڈن فاکس کے چہرے پر اپنی ٹانگیں لہراتے ہوئے حکم دیتا ہے۔" گولڈن فاکس کا قہقہہ درو دیوار ہلارہے تھے۔ عمش تھوک نکل کر سر جھکا گیا۔

"جانتے ہو عمش وہ مجھے کہتا ہے میری آسکریم ختم ہوگئی ہے آسکریم بھیجو۔۔۔ ہاہاہاہا۔"

گولڈن فاکس نے گردن صوفے پر گرائی اور ایک اور قہقہہ لگایا۔
 "کہتا ہے اسے کمپیوٹر چاہیے۔۔ شوارما چاہیے۔۔ آہ۔۔ لیکن مزے کی بات
 تو یہ ہے کہ اس کی یہ حرکتیں بری نہیں لگ رہیں۔۔ کہتا ہے۔۔ میرا سائز
 لو اور پھر میرے سائز کے کپڑے لاؤ۔۔" وہ پھر قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔
 "وہ مجھ پر ایسے حکم چلاتا ہے جیسے میں اس کا جدی پشتی غلام
 ہوں۔۔ آہ۔۔ ناقابل یقین۔۔"
 "آپ کی اجازت ہو تو میں اسے سمجھاؤں؟" عمش نے ہچکچاہٹ بھرے
 لہجے میں سوال کیا۔
 "نہیں! تمہیں وہ ویسے ہی پسند نہیں کرتا۔۔"
 "اونہہ میں تو جیسے اس کے لئے مرا جا رہا ہوں۔" عمش دل ہی دل میں
 بڑبڑایا۔ اس کے تاثرات سخت تھے۔

"اسے جو چاہیے وہ لا کر دے دو۔ اس کے مزاج کے مطابق ڈھال لو خود کو۔ وہ میرے لئے بہت اہم ہے۔ یہ بات یہاں ہر ایک کے دماغ میں بٹھادی جائے۔" گولڈن نے حکم دیا۔

"جیسے آپ کی خوشی۔" عمش نے مودب لہجے میں کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ عمش کے جاتے ہی محافظ بھی کمرے سے باہر نکل گئے۔ گولڈن فاکس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ وہ اپنے مستقبل کو سوچ کر مسکرا رہا تھا۔ اسے اپنی طاقت سو گنا بڑھتی دکھائی دے رہی تھی۔



گرین مینشن کے عقب میں ڈوبتے سورج کی سنہری کرنیں پاس کی نہر پر پڑ کر منظر کو دلکش بنا رہی تھیں۔ جنت دوسرے حصے میں ریلنگ کے قریب ایڑھیاں اٹھائے اس منظر کو محویت سے تک رہی تھی۔ اس کی

سبز چمکتی آنکھیں ایک ہی منظر پر ساکت تھیں۔ ہوائیں اس کے ریشمی بالوں کو لہرا رہی تھیں۔ دفعتاً گاڑیاں رکنے کی آواز آئی۔ وہ یک دم چونکی اور دوڑتی ہوئی سامنے والے حصے میں آئی۔ پورچ میں تین گاڑیاں آکر رکی تھیں۔ جنت نے قریب سے دیکھنے کے لئے راہداری میں دوڑ لگادی۔ سیاہ گاڑی سے عیش البانی نکلا تو جنت کے چہرے پر خوشی کے آثار اترے۔ وہ بے اختیار خوشی سے اچھلی۔ گاڑی کے دوسرے دروازے سے شیر اترا اور پورے مینشن پر طاہرانہ نگاہ ڈالی۔ جنت کی آنکھوں میں تجسس ابھرا۔ وہ فوراً دوڑتی ہوئی پیچھے کی جانب ہٹی اور ایک ستون کی آڑ میں کھڑی ہو گئی۔ کچھ لمحوں بعد ہی جوتوں کی آواز قریب تر ہوتی محسوس ہوئی۔ وہ ستون کی آڑ سے گردن نکالے راہداری کی جانب دیکھنے لگی۔ ابھی وہ راہداری میں داخل ہوئے ہی تھے جب شیر کی نگاہ اس پر پڑی۔ شیر

نے ایک ہی نگاہ میں اس کا جائزہ لیا۔ شیر کی نگاہیں اس کی آنکھوں پر جمی رہیں اور وہ آگے بڑھتے رہے۔

"کیا یہ تمہاری بیٹی ہے؟" شیر نے اسی ستون کے قریب پہنچتے عمش کی جانب دیکھا۔ عمش نے چونک کر ستون کی آڑ میں کھڑی جنت کو دیکھا۔ جنت باپ کی جانب دیکھ کر خوبصورتی سے مسکرائی۔

تمہاری بیٹی بہت پیاری ہے عمش! "شیر نے پلٹ ایک اور نگاہ اس پر ڈالتے کہا۔ وہ معصومیت بھری نگاہوں سے نئے آنے والے مہمان کو دیکھ رہی تھی۔

شیر نے مسکرا کر ہاتھ ہلایا تھا۔ وہ بچی فوراً شرما کر پیچھے ہٹی تھی۔

اس کی آنکھیں بہت خوبصورت ہیں۔ کتنی چھوٹی سی ہے۔"

"تم نے تو جیسے تیس کا ہندسہ پار کر لیا ہے؟" عمش نے طنزیہ انداز میں گردن گھما کر شیر کی طرف دیکھا اور جنت کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔ جنت ستون کی آڑ سے نکل کر مخالف سمت میں بڑھ گئی۔ وہ بار بار پلٹ کر دوسرے حصے کی جانب جاتے شیر کی پشت کو دیکھ رہی تھی۔

"اتج از جسٹ اے نمبر! میں شرط لگا سکتا ہوں اگر ابھی تم مجھ سے لڑو تو میں ایک منٹ میں تمہاری گردن توڑ سکتا ہوں۔" شیر نے تیزی سے کہا۔

عمش نے خون کے گھونٹ بھر کر اس پر سخت نگاہ ڈالی۔

"جواب دو ناب! کیوں کہ تم جانتے ہو میں ایسا کر سکتا ہوں اس لئے تم جواب نہیں دے رہے۔۔۔" شیر ہنستے ہوئے بولا۔

"میں صرف گولڈن فاکس کی وجہ سے خاموش ہوں۔ ورنہ میں تمہیں ابھی یہاں سے اٹھا کر باہر پھینک سکتا ہوں۔"

"اچھا تو پھر پھینک کر دکھاؤ!" شیر مسکرایا۔ اسے لوگوں کو تنگ کرنے میں مزہ آتا تھا۔ وہ اتنا تو جان ہی گیا تھا کہ عمش کو وہ ذرا بھی پسند نہیں آیا۔۔۔ لیکن اسکے لیے یہ بات لطف اندوز تھی۔ شیر کو ان لوگوں کی دم کچلنے کا زیادہ مزہ آتا تھا جو اسے پسند نہیں کرتے تھے۔

عمش غصیلے انداز میں تیز تیز چل رہا تھا۔

"اگر یہاں ایسی ویسی حرکتیں کیں تو تمہیں اس گھر کی سب سے آخری منزل بھجوا دوں گا۔ رہنا وہاں پھر اکیلے۔"

"زہے نصیب! میں اکیلا رہنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔" وہ لا پرواہی سے بولا۔

"زہریلے سانپ موجود ہیں۔"

"واؤ! شیر کو جانور بہت پسند ہیں۔ ان دوستی کر لوں گا۔ لیکن سانپوں سے میری کبھی نہیں بنی!" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن مجھ پر سانپ کا زہر اثر نہیں کرتا۔ یہ میری ایک اور کوالٹی ہے۔۔ اسے بھی ڈائری پر نوٹ کر لو۔" شیر نے مسکرا کر بتایا۔ عمش نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ شیر مطمئن اور لاپرواہی سے راہداری میں آگے بڑھتا گیا۔ عمش وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔

"کیا یہ انسان ہے؟" وہ ایک بار پھر سوچنے لگا۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔



"کیا آپ صرف اس لئے یہاں آئے تھے؟" بریرہ نے اسے کافی پیش کرتے ہوئے سوال کیا۔ عمش نے ایک نگاہ کچھ فاصلے پر بیٹھی جنت کی جانب ڈالی۔

"ہاں میں کچھ دیر میں نکلوں گا۔" وہ بولا۔
 "آپ نے مجھے اطلاع دینا تک گوارہ نہیں کیا؟ مجھے ملازمین کی زبانی پتا چلا ہے۔"

"یہ سب چیزیں میری مرضی کے مطابق نہیں ہوتیں۔ تم جانتی ہونا؟ اس کے باوجود یہ شکوے گلے؟" وہ یک دم بیزاری سے بولا۔ بریرہ خفگی سے گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

"میں ایک بار تمہیں سختی سے کہہ رہا ہوں۔ جنت کو اس لڑکے سے بالکل دور رکھنا ہے۔" عمش نے کم از کم بھی چھٹی بار یہ بات کہی تھی۔

"کتنی عمر ہے اس کی؟"

"بارہ تیرہ۔"

"بارہ تیرہ؟" بریرہ کی آواز حیرت سے بے اختیار بلند ہوئی۔

"ہاں۔۔ لیکن وہ عام بچہ نہیں ہے۔" عمش نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔" بریرہ کو اس بچے میں یا اس کے یہاں رہنے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

لیکن قریب موجود جنت کی تمام حسیں اسی جانب متوجہ تھیں۔ عمش نے کئی دفعہ جنت کو قریب بلایا لیکن وہ دور سے بیٹھی باپ کو دیکھتی مسکراتی رہتی قریب آنے سے کتراتى تھی۔



شیر نے اپنے کمپیوٹر ایک کمرے میں سیٹ کرنے کے بعد کھانا کھایا اور نہانے کے بعد ڈھیلی سی شارٹ اور سیاہ شرٹ پہنے ہال میں نکل آیا۔ اس حصے میں کئی کمرے تھے۔ بڑا سا باورچی خانہ تھا۔ دو بڑے ہال ایک علیحدہ لیونگ روم، ڈائننگ روم اور لائبریری تھی۔ ہال سے نکلنے پر ایک وسیع ٹیرس تھا جس کے پاس سے دوسرے حصے کی راہداری کا آغاز ہوتا تھا۔ شیر اس وقت اسی ٹیرس کے قریب کھڑا آس پاس کا نظارہ کر رہا تھا۔ کچھ دیر قبل ہی اس نے عمش کو یہاں سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے پورشن میں ایک مرد ملازم تھا۔ جس کا نام ڈیرن تھا۔ دوسری عورت تھی جس پر اس کے کھانے پینے کی ذمہ داری تھی۔ اس وقت وہ دونوں کہنیاں ریلنگ پر رکھے نیچے جھانک رہا تھا۔ کل اس کا اسکول میں ایڈمشن ٹیسٹ تھا۔ ایک ملازم کچھ دیر قبل اسے نوٹس دے کر گیا تھا لیکن وہ جانتا

تھا اسے نوٹس کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے اس نے آنکھ اٹھا کر بھی انہیں نہیں دیکھا تھا۔ اس نے آتے ہی بابر کو خفیہ میل بھیج دی تھی۔ وہ جواب کا منتظر تھا۔ وہ آنے والے وقت کو لے کر متجسس تھا۔ اس کی زندگی کے اس نئے رخ نے اس پر خاطر خواہ اثر نہیں ڈالا تھا۔ وہ پرسکون تھا۔

"ہیلو!" نرم اور باریک سی آواز نے اسے متوجہ کیا۔ اس نے گردن گھما کر راہداری کے سرے پر کھڑی جنت کو دیکھا اور جواب دیے بغیر سامنے کی جانب دیکھنے لگا۔

"کیا ڈیڈ نے تمہیں یہاں بند کیا ہے؟" وہ معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔ شیر نے گردن گھما کر دوبارہ اس پر نظر ڈالی۔

"چھوٹی لڑکی! تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" شیر نے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ میں پکڑی آنسکریم کی جانب دیکھا۔

"میرے ڈیڈ برے آدمی نہیں ہیں وہ بس وہی کرتے ہیں جو چڑیل کے ڈیڈ کہتے ہیں۔" وہ قریب آتے ہوئے بولی۔

"چڑیل کون ہے؟ کیا ہیزیل کی بات کر رہی ہو؟ کیا جانتی ہو تم اسے؟" وہ دلچسپی سے پوچھنے لگا۔ گولڈن اسے پہلے ہی ہیزیل کے بارے میں بتا چکا تھا۔

"ہاں! میں جانتی ہوں۔ اگر تم ہمارے اسکول آسکتے تو میں تمہیں دکھاتی کہ وہ کتنی بری ہے۔ یہ لو آنسکریم کھاؤ۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی آنسکریم شیر کی جانب بڑھائی۔ جو شیر نے ہچکچائے بغیر تھام لی۔

"ہاں مجھے یہ چاہیے تھی۔" شیر آنسکریم کھاتے ہوئے بولا۔

"کیا تمہیں بھوک لگی ہے؟ کیا میں کچھ لے کر آؤں تمہارے لیے؟"

"نہیں! اب تم جاؤ۔" وہ کہتا ہوا اندر کی جانب بڑھنے لگا۔ جنت نے پلٹ کر اسے جاتے ہوئے دیکھا۔

"میرا نام جنت ہے۔ میں بھی اسی اسکول میں ہوں جہاں تم آؤ گے کل۔ آج سے ہم دوست ہیں ٹھیک ہے ناں؟ اگر تم نے مجھے اپنا دوست نہیں بنایا تو میں ڈیڈ سے کہہ کر تمہیں یہاں سے نکلوا دوں گی۔" وہ پیچھے سے بلند آواز میں بولی تھی۔

"ہم اس بارے میں کسی اور دن بات کریں گے۔" وہ لاپرواہی سے کہتا اندر ہال میں مڑ گیا۔ جنت منہ بسورے وہیں کھڑی رہی۔



یہ دی گرینڈ مڈل اینڈ ہائی اسکول کا منظر تھا۔ وہ ڈیرن کے ساتھ اینٹری ٹیسٹ کے لئے آیا تھا۔ اس کا ٹیسٹ شروع ہونے میں کافی وقت تھا۔ اس لئے وہ ڈیرن کو وہیں چھوڑ کر راہداری سے ہوتا کھلی فضا میں نکل آیا۔ اس پاس مختلف عمر کے طلبہ و طالبات گھوم پھر رہے تھے۔ اکثر بچوں کی توجہ اس نئے آنے والے لڑکے پر تھی۔ جو پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ارد گرد کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ آہستگی سے چلتا ایک درخت کے قریب پہنچا تو کسی نے اس کے عقب میں سیٹی بجا کر اسے متوجہ کیا۔ وہ پلٹ کر سامنے کھڑے اسٹوڈنٹس کو دیکھنے لگا۔ ان میں سے ایک ہیزیل تھی۔ اس کے ساتھ اس کے چند اور دوست بھی تھے۔ شیر نے باری باری ان پر نگاہ ڈالی۔

"لگتا ہے تم ہمارے اسکول کے نئے اسٹوڈنٹ ہو؟ میرا نام جیک ہے۔۔ میں یہاں کا ہیڈ بوائے ہوں۔" وہ سب اس کے ارد گرد گھیرا ڈالے کھڑے ہوئے۔

"میرا نام جیمی ہے۔ میں کلاس پریزیڈنٹ ہوں۔" ایک اور لڑکا بولا۔
 "اور میں ہیزیل ہوں۔ مجھے یہاں سب رشین پرنس کے نام سے جانتے ہیں۔" وہ سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے مغرور لہجے میں بولی۔ شیر نے سرسری انداز میں اس کا جائزہ لیا وہ فوراً جان گیا کہ وہ گولڈن فاکس کی بیٹی ہے۔

"یہاں ہمارا ایک رول ہے۔۔ جو بھی یہاں آتا ہے اسے پہلے ہمارے کچھ رول۔۔"

شیر نے سامنے کھڑی ہیزیل کو کاندھے سے پکڑ کر ایک جانب کیا اور اس کی مکمل بات سنے بغیر آگے بڑھ گیا۔ ہیزیل کا منہ بے اختیار کھلا رہ گیا۔ باقی کے دو لڑکوں نے بھی حیرت سے مڑ کر شیر کی پشت کو گھوا۔

"..Hey.. You.. Listen"

جیک نے غصیلے لہجے میں اسے پکارا لیکن وہ ان سنی کرتا آگے بڑھ گیا۔

"اسے میں دیکھ لوں گی۔"

وہ غصے سے تن فن کرتی مخالف سمت میں بڑھ گئی۔ دو لڑکے ہنوز نا سمجھی سے کھڑے اس جانب دیکھ رہے تھے جہاں شیر گیا تھا۔



"شیر! تمہارے نام کا مطلب کیا ہے؟" جنت جانے کب اس کے پیچھے آکھڑی ہوئی تھی۔ وہ جو فوارے کے قریب کھڑا اندر تیرتی مچھلیاں دیکھ

رہا تھا چونک کر مڑا۔ جنت اپنی چمکتی آنکھیں اس پر جمائے مسکرا رہی تھی۔

"Lion" ..

شیر نے جواب دیا اور فوارے کے چبوترے پر بیٹھ گیا۔
"اور تم کتنے سال کے ہو؟" جنت وہیں کھڑی رہی۔ شیر نے چڑ کر اس کی جانب دیکھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو چھوٹی لڑکی؟"

"بڑے لڑکے تم سے بات کر رہی ہوں کیا دکھائی نہیں دے رہا؟" جنت بھی اسی کے انداز میں بولی۔ اس پاس محافظ چوکس کھڑے دکھائی دے رہے تھے۔

"کیا تم آج اسکول آئے تھے؟"

"تم وہاں تھیں کیا؟"

"ہاں! میں بھی وہیں پڑھتی ہوں۔" جنت نے بتایا۔

"پتا ہے مجھے۔" شیر نے لاپرواہی سے کہا۔

"کیا تم مجھ سے دوستی کرو گے؟"

"نہیں میں چھوٹے بچوں سے دوستی نہیں کرتا۔"

"How rude!"

جنت نے منہ بسورا۔ شیر نے ہنستے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔

"کیا تم بہت بڑے ہو؟"

"ہاں دکھ نہیں رہا؟" شیر نے کھڑے ہوتے اپنے لمبے قد کی جانب اشارہ

کیا۔ جنت نے سراٹھا کر اسے دیکھا۔

"انکل جوزف تم سے زیادہ بڑے ہیں۔ لیکن وہ میرے دوست ہیں۔"

"تو جا کر انکل جوزف سے باتیں کرو۔" شیر نے پیٹ کی جیبوں میں ہاتھ اڑس لیے۔

"کھڑوس ہو تم۔"

"اور تم چپکو۔۔" شیر نے اسے گھورا۔

"میری آنسکریم نکالو! کل میں نے دی تھی تمہیں۔" جنت تنک کر بولی۔ اس کا چہرہ رونے والا ہو رہا تھا۔

"مینرز نہیں ہیں تم میں؟ کوئی چیز دے کر واپس نہیں مانگتے۔" شیر نے اسے ڈپٹا۔

"ڈانٹو مت مجھے۔۔" سمجھ آئی۔ "اس نے منہ بسورا۔ شیر نے اسے نظر انداز

کیا اور فوارے میں بہتے پانی کو دیکھنے لگا۔ جنت وہیں منہ بسورے کھڑی رہی۔

"پلیز میرے دوست بن جاؤ نا! یہ دیکھو میرے پاس چاکلیٹس بھی ہیں۔" جنت نے جیب سے چاکلیٹ کا پیکٹ نکال کر اس کے سامنے لہرایا۔ شیر نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ سے چاکلیٹ چھین لی اور کھول کر کھانے لگا۔ اس نے اتنی تیزی سے چاکلیٹ جھپٹی کہ جنت کچھ پل سمجھ ہی نہ سکی۔

"اوہ۔ میری چاکلیٹ۔۔" جنت کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ شیر نے پلٹ کر اسے دیکھا تب تک وہ رونا شروع کر چکی تھی۔ شیر نے الجھ کر اسے روتے دیکھا۔

"تم نے ہی تو دی۔"

"میں نے نہیں دی تم نے چھینی ہے مجھ سے۔۔" وہ آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو بھر کر بول رہی تھی۔

"ایک چاکلیٹ ہی تو تھی۔۔" شیر نے چڑ کر کہا۔

"تو میری تھی نا۔ تم نے کیوں لی۔ تم بہت برے ہو۔ ہمارے گھر سے نکل جاؤ۔ میں ڈیڈ سے شکایت کروں گی۔ میری چاکلیٹ لے لی۔ مجھ سے دوستی نہیں کر رہے۔ ماما۔" وہ روتے ہوئے بولی۔ شیر الجھن میں کھڑا اس کی آنکھوں سے گرتے موٹے موٹے آنسو دیکھ رہا تھا۔

"اچھا ایک منٹ۔۔" شیر نے پرجوشی سے کہا۔ جنت نے روتے روتے سوالیہ انداز میں گردن ہلائی۔

"جادو دیکھو گی؟" شیر فوارے کے چبوترے پر چڑھ بیٹھا۔

"اصلی والا؟" جنت رونا بھول کر قریب چلی آئی۔

"ہاں۔۔ یہ دیکھو۔۔" شیر نے اپنا ہاتھ فوارے کے تالاب کے قریب کیا۔ جنت رونا بھول چکی تھی۔ اس کی پراشتیاق نگاہیں شیر کے ہاتھوں پر تھیں۔

"ون۔۔ ٹو۔۔ تھری۔۔" شیر نے جھٹکے سے ہاتھ تالاب میں ڈالا اور اگلے پل اس کے ہاتھ میں مچھلی مچل رہی تھی۔

"Woowwww"

جنت نے خوشی اور پرجوشی سے زوردار چیخ ماری اور زور زور سے اچھلنے لگی۔

"وہ اورنج والی۔۔" جنت نے دوسری مچھلی کی طرف اشارہ کیا۔ شیر نے پہلے والی مچھلی کو آزاد کرتے دوباری تین تک گنتی گنی اور اگلے ہی پل اس کے ہاتھ میں نارنجی مچھلی مچل رہی تھی۔

"وہ والی گولڈن فٹ۔۔" جنت کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔ وہ مسلسل چلاتے ہوئے کھکھلا رہی تھی۔ شیر کے ہاتھ پانی میں تیزی سے چل رہے تھے وہ ایک کے بعد ایک مچھلی پکڑ کر دوبارہ پانی میں چھوڑتا خود بھی پرجوش نظر آ رہا تھا۔



"میں تمہارے لئے فکر مند ہوں بیٹے! اپنا خیال رکھنا۔ مجھے یقین ہے تمہارا ایمان سلامت رہے گا۔ میں مجبور اور بے بس ہوں کاش تمہیں کہیں دور لے جاسکتا۔"

شیر گود میں ہاتھ رکھے باپ کی ای میل کے الفاظ اپنے ذہن میں دہرا رہا تھا۔ اس کی نگاہیں کار کے باہر دوڑتے مناظر پر تھیں۔ گرین مینشن سے اسکول تک کا سفر تقریباً گھنٹے بھر کا تھا۔ کار میں بالکل خاموشی چھائی

ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ سپٹ تھا۔ کار اسکول کی پارکنگ میں آکر رکی تو وہ گاڑی سے نکل آیا۔ ڈیرن اس کا بستہ پکڑے اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ وہ خاموش سا سر جھکائے چل رہا تھا جب سامنے سے اس کا راستہ روک دیا گیا۔

"وہی ہونا تم جو کل ہیرو بن رہے تھے؟" ہیزیل کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو اس نے سر اٹھا کر ہیزیل کی جانب دیکھا۔ اس پاس ہیزیل کے محافظ کھڑے تھے۔ ڈیرن محافظوں سے شناسائی رکھتا تھا تبھی شاید وہ اطمینان سے کھڑے تھے۔

"ہاں میں وہی ہوں کوئی کام ہے؟" شیر جس کا مزاج پہلے ہی بگڑا ہوا تھا تلخی سے گویا ہوا۔ ہیزیل کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے پھیلیں وہ

تن فن کرتی اس کی جانب بڑھی۔ شیر غصیلی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتا رہا۔

"How Dare you"

اس سے پہلے کے تھپڑ شیر کے چہرے پر لگتا اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ ہیزیل کا ہاتھ ہوا میں مہلک رہ گیا۔ اس عمل نے ہیزیل کو مزید سیخ پا کر دیا تھا۔ اس پاس اسٹوڈنٹس جمع ہونے لگے تھے۔ محافظ بے بس سے کھڑے تھے۔ وہ جانتے تھے اس بگڑی شہزادی کے سامنے کوئی بات کہنا اپنی شامت کو خود دعوت دینے کے مترادف تھا۔

"تم مجھے جانتے ہو۔ کیا نہیں جانتے؟" وہ غرائی تھی۔

"میں کیوں تمہیں جانوں گا؟ کیا مجھے جاننا چاہیے؟ کون ہو تم؟ امریکہ کی پرائم منسٹر ہو؟" وہ تلخی سے کہتا اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم مجھ سے اس طرح بات نہیں کر سکتے۔ اپنے پہلے دن کو یہاں آخری دن مت بناؤ۔" وہ غصیلے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"راستہ چھوڑو میرا!" وہ بے نیازی سے کہتا ایک طرف ہو کر جانے لگا۔ ہیزیل نے اس کی شرٹ پیچھے سے پکڑ کر کھینچنے کی کوشش کی اور اسی پل شیر نے جھٹکا دے کر خود کو چھڑایا۔ ہیزیل لڑکھڑا کر زمین پر گری تھی۔ آس پاس کھڑے اسٹوڈنٹ کھکھلا کر ہنس دیے۔

"ماسٹر پلیز!" ایک محافظ نے التجائی انداز میں شیر کی جانب دیکھتے کہا۔ وہ سب شیر کی یہاں آمد سے پہلے ہی واقف تھے اس کی اہمیت سے بھی۔ شیر تلخ اور غصیلی نگاہ ان سب پر ڈالتا آگے بڑھ گیا۔ ڈیرن جو بستہ لیے اس کے پیچھے لپکا تھا۔ شیر کے گھورنے پر اسے بستہ پکڑا کر پلٹ گیا۔

ایک گارڈ نے آگے بڑھ کر ہیزیل کو اٹھایا۔ ہیزیل کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ اس کے محافظوں نے ابھی تک شیر کو دبوچا نہیں تھا۔ کسی کو اس کے قریب آنے کی اجازت نہیں تھی جبکہ اس لڑکے نے پہلے دن ہی اسے زمین پر پٹخ دیا تھا اور محافظ دم سادھے کھڑے تھے۔ شیر کچھ دور جا کر رکا اور پلٹ کر اس کی جانب دیکھا۔

"یہ مت سمجھنا کہ تم لڑکی ہو تو تمہیں میں کچھ نہیں کہوں گا۔"

"Don't create mess around me.. You witch!"

وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا تھا۔

"You son of"!

وہ حلق کے بل چلائی۔

"اسے جانے کیوں دیا؟ اس نے مجھے دھکا دیا ہے؟ میرے ڈیڈ کو کال ملاؤ۔ اس کی اتنی ہمت۔۔۔" وہ چلاتی ہوئی واپس گاڑیوں کی طرف جارہی تھی۔ اس کے محافظ تیز قدموں سے اس کے پیچھے دوڑے تھے۔



"پھر کیا ہوا تھا کیا تم نے اسے سچ میں پیش کیا تھا؟" جنت اس کے پیچھے دوڑ رہی تھی اس کے باوجود شیر کے قدموں کا مقابلہ نہیں کر پارہی تھی۔

"میں صرف وہاں سے جانا چاہتا تھا۔" شیر نے کہا۔

"اچھا پھر؟"

"تم جاؤ یہاں سے میرا موڈ پہلے ہی خراب ہے جنت۔۔ آج میرا یہاں تیسرا دن ہے اور تم تین سو دفعہ میرا سر کھا چکی ہو۔ کتنا بولتی ہو تم کتنے

سوال کرتی ہو؟ تمہاری مام کو تمہاری فکر کیوں نہیں ہوتی؟" وہ تنک کر بولا تھا۔ یک دم ہی اس کے عقب میں دوڑتے قدم ساکت ہوئے تھے۔ وہ وہیں رک گئی تھی۔ شیر نے ایک پل کو پلٹ کر دیکھا۔ وہ بھیگی آنکھیں لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ایسے دیکھنے کی ضرورت نہیں مجھے پتا ہے تمہاری ماں کو تمہاری فکر نہیں

"شٹ اپ!" جنت حلق کے بل چلائی۔

"یوں کسی کو ہرٹ نہیں کرتے۔"

"سچ کو ماننے میں کیا حرج ہے میں نے جھوٹ تو نہیں کہا۔ تمہاری مام کو

فکر ہوتی تو تم سارا دن گرین مینشن میں چھوٹی چڑیل بن کر گھومتی رہتی

کیا؟" شیر حد سے زیادہ صاف گو اور بد لحاظ تھا۔

"میں چڑیل نہیں ہوں۔۔ اینجل ہوں۔۔" جنت یک دم چڑ کر بولی۔ شیر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"ٹھیک ہے لٹل وچ۔۔ تم اینجل ہو۔۔ اب جاؤ میرا سر نہ کھاؤ اور اسکول میں میرے آس پاس گھومتی ہوئی نظر آئی تو تمہاری یہ زبان کاٹ دوں گا۔" شیر نے اسے دھمکاتے کاندھے سے پکڑ کر اس کا رخ دوسرے حصے کی طرف موڑا۔

"بھاگو اب۔۔" شیر نے اسے حکم دیا۔

"پہلے پرومس کرو شام کو نیچے آؤ گے؟"

"ون۔۔"

"ٹو۔۔"

"پرومس تو کرو۔۔"

"تھری۔۔"

جنت اس کے تین کہتے ہی تیر کی تیزی سے مخالف سمت میں دوڑنے لگی۔

"شام کو میں ویٹ کروں گی۔ اگر تم نہیں آئے تو کل اسکول میں سب کو بتادوں گی۔" وہ بھاگتے بھاگتے چلا رہی تھی۔

شیر نے جواب دیے بغیر مخالف سمت میں بڑھ گیا تھا۔



شیر ڈیرن کے ساتھ کار سے اتر۔ ڈیرن نے اس کا بیگ پیک پکڑ رکھا تھا۔ شیر جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس پاس دیکھتا آگے جا رہا تھا یہ ایک لکڑیوں سے بنی دو منزلہ عمارت تھی۔ جس کے آس پاس کچھ درخت تھے۔

"کہاں جارہے ہیں ہم؟"

"ماسٹر شین واٹسن کے پاس۔ وہاں مس ہیزیل ہوں گی۔ کوشش کیجئے گا
اسے نظر انداز۔"

"مجھے شوق بھی نہیں ہے اس کے منہ لگنے کا۔ اگر وہ مجھ سے دور رہے
گی تو اسی کی بھلائی ہے۔" شیر نے کہا۔ ڈیرن نے اثبات میں گردن
ہلائی۔ وہ اندر داخل ہوئے اور ایک چھوٹے سے ہال سے گزر کر دوسری
جانب سے ایک کھلے میدان میں آگئے۔ آس پاس دور دور تک کوئی نہیں
تھا۔ سوائے روکھی سوکھی گھاس اور جھاڑیوں کے۔
"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" ہیزیل کی درشت اور بلند آواز پر شیر نے
گردن گھمائی۔ وہ دائیں جانب ایک کرسی پر بیٹھی رائفیل صاف کر رہی
تھی۔

"یہ شیر ہے یہ بھی آج سے یہاں شوٹنگ کی کلاس لے گا۔" ماسٹر شین ایک کیبن سے گن نکالے باہر آئے اور ایک گہری نگاہ شیر پر ڈالی۔

"تو میں چلی جاتی ہوں یہاں سے۔۔ اسے ہی سکھائیں۔۔" وہ رائفل ایک طرف پھینکتی جانے لگی۔ شیر اس سے یکسر بے نیاز سا کھڑا سامنے لگے ٹارگٹ بورڈ کو دیکھ رہا تھا۔

"رکو۔" ماسٹر شین نے کرخت لہجے میں ہیزیل کو پکارا۔ ہیزیل پیر پٹختی پٹی اور ایک سخت نگاہ شیر پر ڈال کر اس پر جھپٹی۔ شیر نے جھک کر اپنا بچاؤ کیا۔ اس کا چہرہ یک دم غصے سے سرخ ہوتا دکھائی دیا۔ ہیزیل نے تیزی سے دوبارہ اس پر حملہ کیا۔ شیر نے ایک چھلانگ لگا کر دوبارہ اپنا بچاؤ کیا ڈیرن ماسٹر شین کا اشارہ پا کر وہاں سے نکل گیا تھا۔ شیر کی غصیلی نگاہیں ہیزیل پر تھیں۔ وہ مارشل آرٹس میں ماہر دکھ رہی تھی۔ شیر نے

بھی پوزیشن سنبھال لی۔ ہیزیل کے اگلے حملے پر شیر نے اپنی کلائی کا استعمال ہیزیل کی کنپٹی پر کیا اگلے ہی پل وہ زوردار چیخ مارتی زمین پر آگری اور بے ہوش ہو گئی۔

"It was a self-defence act.."

شیر نے سرد مہری سے کہا اور بت بنے ماسٹر شین کے ہاتھ سے گن لی۔
 "اگلی دفعہ کسی کو میرے مقابلے پر چھوڑنے سے پہلے اس کی قابلیت جانچ لیجئے گا۔ دوسری بات میں کسی بھی کھیل کے اصول نہیں مانتا۔ میرے اپنے اصول ہیں۔ میرے ساتھ رہنے والے کو میرے اصولوں پر چلنا پڑے گا۔" شیر عام سے لہجے میں کہتا اپنی جگہ پر آیا اور ٹارگٹ بورڈ کا نشانہ باندھ کر تین تک گنتے فار کیا۔ فار کی آواز پر ہیزیل کی آنکھیں کھلیں وہ فوراً اٹھ بیٹھی۔ وہ بے یقینی سے شیر کی جانب دیکھتی

اپنی کنپٹی دبارہی تھی۔ اس کی کنپٹی سن تھی۔ وہ کچھ محسوس نہیں کر پارہی تھی۔ ماسٹر شین منہ کھولے ٹارگٹ بورڈ کو دیکھ رہے تھے۔

"یہ بہت قریب ہے۔" شیر نے ٹارگٹ بورڈ کی جانب اشارہ کیا اور گن میز پر رکھ کر ہیزیل کی جانب دیکھا۔

"کچھ دیر بعد ٹھیک ہو جاؤ گی۔" اس نے بے نیازی سے کہا اور قریب پڑی دوسری گنز کو دیکھنے لگا۔

"تم نے یہ کہاں سے سیکھا ہے؟" ماسٹر شین نے ہیزیل کی کنپٹی کی جانب اشارہ کیا۔

"کہیں سے نہیں۔ میں نے انسانی جسم کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہوا ہے۔ اس لئے مجھے پتا ہے کس جگہ کس طرح اٹیک کر کے ہم کسی کو

کس طرح کتنی دیر کے لئے مفلوج کر سکتے ہیں۔" وہ بولا۔

"عمر کیا ہے تمہاری؟" ماسٹر شین نے سوال کیا۔

"بارہ سال چھ ماہ تیس دن۔"

ہیزیل ہنوز اپنی کنپٹی کو دبا رہی تھی۔ اس کا ذہن مفلوج تھا۔

"مجھے یقین ہے بہت جلد تم سمجھ جاؤ گی کہ میں نے اسے فیملی کا حصہ

کیوں بنایا ہے۔" ہیزیل کی سماعت سے گولڈن فاکس کا جملہ ٹکرایا۔ وہ بے

یقین اور متاثر نگاہوں سے شیر کی پشت کو دیکھ رہی تھی۔ یہاں آنے سے

قبل وہ باپ سے فون پر ایک لمبا احتجاج کر کے آئی تھی۔ وہ اپنی اسکرٹ

جھاڑتی اپنی جگہ سے اٹھی۔

"ماسٹر شین! کیا آپ مجھے یہ سکھائیں گے؟"

"میں یہاں سکھانے کے لئے ہی بیٹھا ہوں لیکن تم سے میں پہلے ہی کہہ

چکا ہوں تم مجھے اپنے ملازموں کی طرح ٹریٹ کرو گی تو پہلی فرصت میں

کک آؤٹ کردوں گا۔ تمہارے باپ سے نہیں ڈرتا میں۔۔۔ اسے بھی میں نے ہی یہ سکھایا ہے۔ میں تمہاری ہڈیاں بھی توڑ دوں تو وہ چوں تک نہیں کرے گا۔ سمجھ گئیں۔۔۔" وہ اسے جھڑکتے ہوئے بولے۔ شیر قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"تم کیوں ہنس رہے ہو۔؟" ہیزیل چلائی۔

شیر اچانک رونے لگا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ چہرہ اور آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔ ماسٹر شین اور ہیزیل حیران پریشان سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔

"تم کیوں رو رہے ہو؟" ہیزیل قریب آتے ہوئے پوچھنے لگی۔ شیر نے آنکھیں صاف کرتے اس کی جانب دیکھا۔

"میں تو نہیں رو رہا۔۔۔" وہ لاپرواہی سے کہتا کرسی پر جا بیٹھا۔

"تم نے کہا کیوں ہنس رہے ہو تو سوچا رو لیتا ہوں۔۔" وہ دانت نکالتے ہوئے بولا۔

ماسٹر شین کا قہقہہ بے اختیار تھا۔ ہیزیل بھی ہونق بنی کبھی شیر کو تو کبھی ماسٹر شین کی جانب دیکھنے لگتی۔

"وڈ کو یہی جو کر ملا تھا۔" وہ تلخی سے کہتی مخالف سمت میں بڑھی۔
 "کم از کم اس کی سائیکو بیٹی سے تو بہتر ہوں۔ شاید یہی سوچ کر اس نے مجھے کڈنیپ کر لیا ہے۔"

"کڈنیپ؟" وہ چونکی۔

"تو تمہیں اپنے باپ سے اور کیا امید ہے؟" وہ ترخ کر بولا۔ ہیزیل کی آنکھوں میں غصہ تیرتا دکھائی دیا۔ ماسٹر شین کی آنکھوں میں عجیب سی دلچسپی تیرتی دکھائی دے رہی تھی۔

"کیوں کڈنیپ کیا ہے؟"

"کیوں کہ میں بیسٹ ہوں۔" اس کا جواب فوراً آیا۔

"ہاہاہ۔۔ بیسٹ۔۔ ہاہاہ۔۔" ہیزیل کی ہنسی پر شیر نے چڑکر اس کی جانب دیکھا۔

"لگتا ہے تمہیں ایک اور ڈوز چاہیے۔" شیر نے کہتے ہی تیزی سے چھلانگ لگائی ہیزیل خوف زدہ سی ہو کر پیچھے ہٹی۔
"بس کرو شیر!" ماسٹر شین نے اسے خبردار کیا۔
"یہ میرا مذاق اڑا رہی تھی۔ مجھے بری لگتی ہے یہ لڑکی۔۔ اب اگر یہ کچھ کرے گی میں اس کی ہڈیاں توڑ دوں گا۔"

"اور میں تمہاری!" ماسٹر شین نے غصے سے کہا۔

"آپ کی بھی توڑوں گا۔" شیر دوبدو بولا۔

ماسٹر شین کا منہ کھلا رہ گیا۔

"تم۔۔ بد تمیز لڑکے۔۔" وہ بے یقینی اور حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ جو ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے انھیں غصیلی نگاہوں سے گھور رہا تھا۔



ہیزیل فون پر باپ سے محو گفتگو تھی۔ اس کا لہجہ غصے کی شدت سے کانپ رہا تھا۔ شیر قریب ہی بیٹھا اپنے جوتے پہن رہا تھا۔ ماسٹر شین بھی قریب بیٹھے اپنا سامان سمیٹ رہے تھے۔

"Dad.. I m just done with this abnormal creature" ..

وہ غصے میں بھری کہہ رہی تھی۔

"You crazy witch" ..

وہ بلند آواز میں بولا۔ دوسری جانب گولڈن فاکس اس کی آواز سن کر مسکرایا تھا۔

"دیکھا آپ نے؟ دیکھا؟ یہ۔۔ میں آپ کو بتا رہی ہوں میں اسے نہ اسکول میں دیکھنا چاہتی ہوں نہ یہاں۔۔ ماسٹر شین سے بھی مس بی ہو کیا۔۔ مجھ پر حملہ کیا۔"

"ماسٹر شین سے میں شرمندہ ہوں اور تم پر حملہ کر کے فخر محسوس کر رہا ہوں۔ تم اسی لائق ہو۔۔" شیر نے پھر بے نیازی اور ڈھٹائی کے ریکارڈ توڑتے ہوئے کہا۔

"Ahh. You Bloody idiot.. I will kill you" ..

وہ فون پٹخ کر شیر کے پیچھے لپکی تھی۔ شیر اپنا بستہ لیے باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ اس سے قبل کے ہیزیل اس تک پہنچتی شیر نے دروازہ اس کے منہ پر بند کیا اور دوسری جانب سے نکل گیا۔ ہیزیل دروازے پر زور آزمائی کرتے ہوئے مغلظات بک رہی تھی۔ ماسٹر شین نے تاسف سے گردن جھٹکی اور آکر فون اٹھایا۔

"گولڈن!"

"ماسٹر شین۔۔ مجھے آپ سے امید ہے۔۔"

"یہ لڑکا تمہیں کہاں سے ملا؟" ماسٹر شین متحسّس تھے۔

"قسمت سے۔۔" گولڈن ہنس پڑا تھا۔

"یہ جذباتی اور بے صبر ہے۔ اسے اس کی طاقت پر قابو رکھنا سکھائیے۔"

"پہلے تو اس کا غصہ قابو کرنا ہو گا۔۔ یہ ایک خطرناک مخلوق ہے مجھے یقین نہیں آرہا۔ میں نے اپنی ساری زندگی ایسا انسان نہیں دیکھا۔۔"

"آپ کی طرح میں بھی بے یقین تھا ماسٹر شین۔۔ یہ میرے لئے اتنا ہی خاص ہے جتنا ہیزیل۔۔ اس کا خیال رکھیے گا باقی ہیزیل کو میں سمجھاؤں گا۔" گولڈن نے کہتے ہی فون بند کر دیا۔



شیر کی مخصوص کار گرین مینشن میں آکر رکی ہی تھی جب جنت بھاگتی ہوئی کار کی جانب لپکی۔ شیر جو اس کی موجودگی سے لاعلم تھا اپنی دھن میں کار کا دروازہ کھول کر نکلا۔ جنت کار کے دروازے سے ٹکرا کر پورچ میں گری تھی۔ شیر نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ زمین پر بیٹھی غصیلی نگاہوں سے شیر کو گھور رہی تھی۔

"مجھے گرا دیا تم نے گندے۔"

شیر نے کچھ کہے بغیر اس کا ہاتھ کھینچ کر اسے کھڑا کیا۔ اور آگے بڑھنے لگا۔

"میں چھ گھنٹے سے انتظار کر رہی ہوں۔" وہ پر جوشی سے بولی۔
"لیکن مجھے کئے ہوئے صرف چار گھنٹے ہوئے ہیں۔"

"Oops" ..

جنت جھوٹ پکڑے جانے پر کھسیا کر ہنس دی تھی۔

"چھوٹی چڑیل!" وہ بڑبڑایا۔

"چڑیلیں تو ڈراؤنی ہوتی ہیں۔" اس نے احتجاج کیا۔

"تم بھی کم ڈراؤنی نہیں ہو۔" شیر نے لاپرواہی سے کہا۔

"سب کہتے ہیں میں فرشتے جتنی پیاری ہوں۔ اور میری آنکھیں اللہ نے فرصت سے بنائی ہیں۔" جنت نے فخریہ انداز اپنایا۔ شیر یک دم رکا اور اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ جنت مسکراتے ہوئے آنکھیں پٹپٹا رہی تھی۔

"پیری ہیں نا میری آنکھیں؟"

"ہاں پیاری ہیں لیکن میری زیادہ پیاری ہیں۔ میرے بابا بھی یہی کہتے ہیں کہ میری آنکھیں اللہ نے فرصت سے بنائی ہیں۔" شیر نے بتایا۔

"Wowww" ...

جنت یک دم خوشی سے چہکی۔

"کیا اللہ تم اللہ کو مانتے ہو؟ مسلم ہو؟ پتا ہے ہم بھی اللہ کو مانتے ہیں۔۔ اللہ ہمارا ہے۔۔ میرا میری مام کا۔۔ میرے ڈیڈ کا۔۔ کیا تمہارا بھی ہے؟" شیر کے منہ سے اللہ کا ذکر سن کر وہ خوشی سے کھل اٹھی تھی۔

"ہاں۔۔ تو کیا صرف تمہارا ہے؟" شیر نے اثبات میں گردن ہلائی۔ جنت اس کے تیز قدموں کا مقابلہ نہیں کر پاتی تھی۔ اسے اس کا ساتھ دینے کے لئے بھاگنا پڑتا تھا۔ وہ اس وقت بھی اس کے ساتھ ساتھ بھاگ رہی تھی۔

راہداری تک پہنچ کر شیر رک گیا۔

"تم میرے پیچھے کیوں آرہی ہو؟"

"آنے دو ناں۔۔ میں گیم دیکھوں گی تمہارا۔"

"نہیں تم بہت بولتی ہو مجھے غصہ آتا ہے۔"

"پلیز۔۔ مام بھی گھر پر نہیں ہیں میں اکیلی ہوں مجھے اپنے ساتھ آنے دو ناں۔۔" جنت نے اپنی معصومیت بھری آنکھوں میں آنسو بھر لیے۔

"تمہارے انکل جوزف کہاں ہیں؟ ان کے پاس جاؤ۔"

"وہ بھی نہیں ہیں شام کو ان کی ڈیوٹی نہیں ہوتی۔۔" وہ منہ بسور کر بولی۔

"جا کر اپنا ہوم ورک کرو۔" شیر نے نیا مشورہ دیا۔

"نہیں آتا۔"

"ہوم ورک نہیں آتا؟" شیر نے اچنبھے سے سوال کیا۔

"ہاں نہیں آتا۔ آج میتھ ہوم ورک ملا ہے۔"

"جاؤ لے کر آؤ میں سکھاتا ہوں۔" شیر نے اسے مخالف سمت میں دھکیلا اور خود آگے بڑھ گیا۔

کچھ دیر بعد وہ کمپیوٹر پر بیٹھا گیم کھیلتا دکھائی دے رہا تھا۔ جنت نیچے قالین پر بیٹھی اس کے سکھائے ہوئے طریقے سے اپنے سوالات خود حل کر رہی تھی۔

"یہ تو بہت آسان ہے میری ٹیچر نے۔"

"اب ایک اور لفظ نکالا تو اٹھا کر باہر پھینک دوں گا تمہیں لٹل وچ۔"

"Just shut up and focus on your homework" ..

شیر نے اسے جھڑکا۔ وہ جب سے آئی تھی مسلسل بول رہی تھی۔

"بہت کھڑوس ہو تم۔" وہ دبے لہجے میں بڑبڑائی۔ شیر جواب دیے بغیر گھیم کھیلتا رہا اس کی انگلیاں کی بورڈ پر تیزی سے چل رہی تھیں۔

"میں ہوم ورک ختم کر لوں گی ایک راؤنڈ کھیلنے دو گے ناشیر۔"

"Oh... Shit" ..

شیر نے چڑ کر ہاتھ کی بورڈ پر مارا اور غصیلی نگاہ جنت پر ڈالی۔

"کیا تم میری وجہ سے آؤٹ ہو گئے۔" جنت یک دم سہمی۔

"اٹھو۔ جا کر میرے روم سے میرا بیگ اور کچن سے آئس کریم کا باؤل

لاؤ۔"

"مجھے بھی کھلاؤ گے نا؟" جنت فوراً کھڑی ہوئی۔

"بھاگو۔" شیر نے اسے جھڑکا۔ جنت بھاگتی ہوئی ہال سے نکل کر شیر کے

کمرے میں گئی واپس آئی اور بیگ میز پر رکھ کر کچن کی جانب دوڑی۔ چند

لمحوں بعد وہ لوٹی تو اس کے ہاتھ میں آئس کریم کا بڑا سا باؤل تھا۔ شیر

نے چیخ اٹھا کر اس کا منہ کھلویا اور گن کر تین چیخ اس کے منہ میں

ڈالے۔ جنت منہ کھولے کھڑی تھی۔ شیر نے قریب رکھے ٹشو سے اس کا

منہ صاف کیا۔ اور بیگ سے ٹیپ

نکلنے لگا۔ جنت متجسس سی اس کے تیزی سے چلتے ہاتھ دیکھ رہی تھی۔
"قریب آؤ۔" شیر نے اسے حکم دیا۔

"جب ہوم ورک ہو جائے تو میری چیئر کو اپنے پیر سے ہلانا۔ اگر ٹیپ
ہٹانے کی کوشش کی تو پٹوگی۔" شیر نے کہتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا ٹیپ
اس کے منہ پر لگا دیا۔ جنت کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

"Now... Sit down".

شیر نے اس کی کاپی اس کو پکڑا کر اسے دوبارہ قالین پر بٹھا دیا۔ جنت
آنکھوں میں خفگی لئے اپنا ہوم ورک کرنے لگی۔ شیر آسکریم کھاتے
ہوئے دوبارہ گیم کھیلنے لگا۔



دی گرینڈ مڈل اینڈ ہائی اسکول کا منظر تھا۔ مڈل اسکول کا سیکشن الگ تھا جہاں جنت پڑھتی تھی۔ جبکہ ہائی اسکول بائیں جانب تھا۔ لیکن اسپورٹ ایئر یا دونوں سیکشنز کا ایک ہی تھا۔ جہاں مختلف کھیلوں کی جگہیں اور ایک بڑا سا سوئمنگ پول تھا۔ طالبات کی سوئمنگ کلاس تھی اور شیر کسی تیز رفتار مچھلی کی طرح پانی میں تیرتا سب کو دنگ کر گیا تھا۔ ہیزیل بھی دوستوں کے ساتھ کھڑی اس نظارے کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"Oh My God.. He Is amazing" ..

"Woww" ...

ہر جانب سے ستائشی جملے پڑ رہے تھے۔ اپنا راؤنڈ کم سے کم وقت میں ختم کر کے وہ سوئمنگ پول سے باہر نکل آیا۔

"You did a great job" ..

"I know" ..

سر روبرٹ جو بدلے میں شکریہ سننے کی توقع کر رہا تھا۔ اس کے پر اعتماد اور بے نیاز سے "I know" پر بھونچکا رہ گیا۔ ہیزیل بے اختیار مسکرائی۔

"Stupid" ..

"کیا تم مجھے امپریس کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟"

"کیا مجھے پاگل کتنے کاٹا ہے؟"

شیر کے پرسکون انداز نے ہیزیل کے تن بدن میں آگ لگائی۔ باقی کلاس فیلو اس کے جواب پر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ شیر تولیے سے بال سکھاتا سوئمنگ پول کے قریب سے ہوتا وہاں سے نکل آیا۔

"شیر۔ شیر۔۔" جنت اپنی دو پونیاں لہراتی اس کے پیچھے دوڑتی ہوئی آرہی تھی۔

"اٹل وچ۔۔ تمہیں میں نے کہا تھا نا اسکول میں میرے آس پاس مت گھوما کرو۔۔"

"میں تو ہوم ورک دکھانے آئی ہوں مجھے گولڈن اسٹار ملا ہے۔" جنت نے اپنی کاپی اس کے سامنے کی۔

"Good" ..

شیر نے اس کی پونی کھینچتے ہوئے کہا۔
"لیکن تمہاری ہینڈ رائٹنگ بہت خراب ہے۔" شیر اس کی کاپی کے بیچ آگے پیچھے کرتا کہہ رہا تھا۔

"Hey....you.. Little bitch"...

جنت یک دم سہم کر شیر کے عقب میں چھپی تھی۔ شیر نے پلٹ کر ہیزیل کو دیکھا۔

"اپنی تعریف اپنے منہ سے اچھی نہیں لگتی۔" شیر نے دودو جواب دیتے ہیزیل کو گھورا۔

"تم سے تو میں نے بات نہیں کی۔ تم۔۔ کیا اس کے پیچھے چھپ رہی ہو باہر آؤ۔"

"نہیں۔ مجھے تم سے بات نہیں کرنی۔ چڑیل ہو تم۔" جنت نے ڈرتے ڈرتے غصے سے کہا۔ شیر کی ہنسی چھوٹی تھی۔

"Very Good..my little witch" ..

ہیزیل یک دم غصے میں آکر اس کے پیچھے لپکی۔ جنت شیر کے پیچھے سے نکل کر مخالف مت میں دوڑنے لگی۔ جنت چھوٹی تھی۔ ہیزیل کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی کچھ دور جاتے ہی وہ لڑکھڑا کر زمین پر گری تھی اور ہیزیل اس کے سر پر آکھڑی ہوئی تھی۔ شیر نے جنت کو گرتے دیکھا۔

"چھوٹی نکمی چڑیل تم کسی کام کی نہیں ہو۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے اسی جانب لپکا اس سے قبل کے ہیزیل جنت کو لات رسید کرتی شیر نے اسے دھکیل کر ایک طرف کیا۔

"چھوٹی بچی سے کیا مقابلہ کر رہی ہو۔" مجھ سے لڑو نا۔ "شیر نے سینے پر ہاتھ باندھتے دانت نکالے۔ جنت فوراً اٹھ کر شیر کے ساتھ فخریہ انداز میں آکھڑی ہوئی۔

"شیر اس چڑیل کے سارے دانت توڑ دو۔" جنت پر جوشی سے بولی۔ شیر نے اس کی کاپی اسے پکڑا کر اس کی شرٹ سے اسے پکڑا۔

"اپنی کلاس میں بھاگو اس سے پہلے کہ میں تمہارے سارے دانت توڑ دوں۔ اب مجھے اس طرف نظر مت آنا لٹل وچ۔ یہ بری چڑیلوں کا اڈا

ہے۔" اس کا اشارہ ہیزیل کی طرف تھا۔ ہیزیل کی آنکھوں میں غصے کی شدت مزید بڑھتی دکھائی دی۔

جنت نے منہ بسورا اور پیر پٹخ کر مخالف سمت میں بڑھ گئی۔

"Abnormal creature" ...

"Crazy witch" ..

وہ بھی اسی کے انداز میں بڑبڑا کر مخالف سمت میں بڑ گیا تھا۔



ایک نجی ہسپتال کے وارڈ میں کمرے کے باہر وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔ وہ اپنے قد و کاٹھ سے بیس بائیس سال کا نوجوان لگتا تھا۔ چھ فٹ سے نکلتا قد اور بھورے بال جو اس کی چوڑی پیشانی پر بکھرے تھے۔ اس کی پلکیں دراز تھیں۔ نگاہیں فرش پر تھی۔ بھرے

بھرے ہونٹ سرخی مائل تھے۔ اس کے چہرے پر ہلکی مونچھیں اور
ٹھوڑی پر ہلکے ہلکے بال تھے۔ چوڑی جسامت کا حامل وہ پندرہ سولہ سالہ
لڑکا تھا۔ چہرے پر بلا کی معصومیت اور سنجیدگی تھی۔ اس کی سیاہ آنکھیں
گہری تھیں۔ جن میں عجیب سی معصومیت تھی۔

"حاشر! آپ اندر جا کر مسز عظمیٰ سے مل لیں۔" اسی پل عظمیٰ کی
سیکرٹری باہر نکلی۔ حاشر نے سراٹھا کر سامنے کھڑی لڑکی کی جانب دیکھا۔
"کیا وہ ٹھیک ہیں؟" اس کی آواز میں متانت تھی۔

"جی بہتر ہیں آپ مل سکتے ہیں۔"

"میں ملنا نہیں چاہتا۔ کیا میں اب جاسکتا ہوں؟" اس نے سنجیدگی سے
سوال کیا۔ سیکرٹری یک دم گھبرائی۔

"وہ بے ہوشی کے دوران مسلسل آپ کا نام لیتی رہی ہیں۔" وہ فوراً بولی۔

"آپ جیسی پڑھی لکھی اور سمجھدار لڑکی کو جھوٹ بولنا زیب نہیں دیتا۔ ایک مائنر سا اٹیک ہوا تھا مام کو۔ آپ نے مجھے کال کر کے ایسا کیوں کہا کہ ان کی حالت سیریس ہے؟ میری ڈاکٹر سے بات ہوئی ہے اور انہوں نے مجھے بتایا ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ مام تو فوراً ہوش میں آگئی تھیں۔ کیا آپ جانتی ہیں راولپنڈی سے یہاں تک کے سفر میں مجھے کتنی گھبراہٹ ہوئی ہے؟ آئینہ کبھی آپ مجھے کال مت کیجیے گا۔ میں کبھی اب آپ کی کسی بھی بات پر یقین نہیں کروں گا۔" وہ سنجیدگی سے کہتا پلٹنے لگا۔ سیکرٹری منہ کھولے کھڑی تھی۔ اسے اس لڑکے سے یہی امید تھی۔ وہ ایسے ہی اپنی باتوں سے لوگوں کا منہ بند کر دیا کرتا تھا۔

"معاف کیجیے۔"

"مجھے مخاطب مت کریں۔" حاشر مخالف سمت میں بڑھتا رہا۔

"حاشر! رک جاؤ۔ پلیز رکو۔" اسی پل اندر سے عظمیٰ نکل کر باہر آئی۔ حاشر کے قدم ساکت ہوئے۔ چہرہ بے تاثر رہا۔

"میری بات سنو۔ کیا تم مجھ سے ملے بغیر واپس چلے جاؤ گے؟"

"جی ہاں!" وہ پلٹے بغیر بولا۔

"پلیز ایک بار میری بات سن لو۔"

"مجھے جانا ہے۔" وہ سرد مہری سے بولا۔

"میں تم سے التجا کر رہی ہوں۔ مام کی بات نہیں مانو گے؟" وہ التجائی انداز

میں بولیں۔ حاشر گہری سانس لے کر پلٹا۔

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ میں صرف پندرہ منٹ رکوں گا۔" وہ

کہہ کر کمرے میں داخل ہو گیا۔

"سنو فرح! یہ دروازہ باہر سے لاک کر دو۔ آدھے گھنٹے سے قبل دروازہ مت کھولنا۔" عظمیٰ اپنی سیکرٹری کو ہدایت دیتی اندر بڑھ گئی۔



شیر کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ سامنے جلے ہوئے کاغذوں کے ٹکڑے تھے۔ جن میں کچھ کچھ لفظ واضح تھے۔ شیر ایک ایک کاغذ پلٹتا دیکھتا پھر رکھ دیتا۔

"یہ کیا ہے؟" جنت سوال کر رہی تھی۔

"خط ہیں۔۔۔ جلے ہوئے۔۔۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کس کے خط؟"

"وہ جو زندگی میں نہیں ہے۔۔۔"

"کون؟ زندگی میں نہیں ہے؟"

"وہ جس کے ہونے سے ایک اچھا احساس ہوتا تھا۔"

"تمہارا دوست تھا؟" جنت متجسس تھی۔

"ہاں!"

"پھر اب کہاں ہے؟" جنت دونوں ہاتھ پیٹھ پر رکھے پوچھ رہی تھی۔

"پیچھے رہ گیا۔" شیر اب ایک ایک ٹکڑا اٹھا کر اس بڑے لفافے میں

ڈال رہا تھا۔

"پیچھے کہاں؟"

"زندگی میں۔"

"کتنی مشکل باتیں کرتے ہو تم شیر!" وہ چڑ کر بڑبڑائی۔

"تو تم اتنے سوال کیوں کرتی ہو؟" شیر ہنس دیا۔

"کیوں کہ تمہارے پاس ہر سوال کا جواب ہوتا ہے۔" وہ کاندھے اچکا کر بولی۔

"اب جاؤ!" شیر نے اسے بھیجنا چاہا۔ جنت منہ بسورتی جانے کے لیے پلٹ گئی۔ شیر اپنے سامان کو سمیٹنے لگا۔



شام کا وقت تھا۔ پنچھی گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ آسمان پر بادلوں کی چہل قدمی جاری تھی۔ جنت شیر کے پورشن میں اپنی پسندیدہ جگہ پر کھڑی تھی۔ اب اسے ایڑھیاں اٹھانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ شیر نے کل ہی اس کے لیے یہاں ایک چھوٹا سا اسٹول لا کر رکھ دیا تھا۔ وہ اداس آنکھیں لئے باہر جھانک رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کی اداسی میں نمی تھی۔ وہ شاید رونا چاہتی تھی لیکن رونا پسند بھی نہیں کرتی تھی۔ دفعتاً

قدموں کی چاپ پر وہ اسٹول سے اتری اور راہداری کی جانب دیکھنے لگی۔ سامنے شیر بیگ ہاتھ میں پکڑے اسی جانب آرہا تھا۔ جنت خاموشی سے اس کے قریب چلی آئی۔

"میرا موڈ بہت خراب ہے لٹل وچ۔ فی الحال چلی جاؤ۔" شیر نے اسے خبردار کرتے جانے کا اشارہ کیا۔

"میں تمہیں تنگ نہیں کروں گی۔" وہ منمنائی اور شیر کے پیچھے چلنے لگی۔ شیر جان گیا تھا کہ وہ اس کے عقب میں چل رہی ہے لیکن وہ کچھ نہ بولا۔ سیدھا کچن میں آیا۔

"کچھ چاہیے آپ کو؟" ملازمہ سے دیکھ کر چوکس ہوئی۔ وہ اس سے خوف زدہ رہتی تھی۔ اسے شک تھا کہ وہ ایک غیر انسانی مخلوق ہے۔

"آئسکریم!"

"مجھے بھی۔" جنت نے کہا۔ شیر نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا اور پھر ملازمہ کو اثبات میں اشارہ کرتا کچن سے نکل گیا۔ اب اس کا رخ اپنے کمرے کی جانب تھا۔ جنت بھی چپ چاپ اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ وہ کمرے میں آیا اور بیگ ایک جانب پھینک کر واش روم میں گھس گیا۔ جنت اس کے کمرے کا جائزہ لینے لگی۔

سطح میں ایک کنگ سائز کا بیڈ تھا۔ کمرے کے پردے سفید تھے۔ کھڑکیاں بڑی تھیں جو بیک یارڈ میں کھلتی تھیں۔ ایک جانب اس کا کمپیوٹر تھا۔ جس پر وہ گیم نہیں کھیلتا تھا۔ وہ اس کی دیگر سرگرمیوں کے لئے تھا۔ ایک طرف اس کی بنائی مختلف چیزیں تھیں۔ کمرے کا فرنیچر قیمتی تھا۔ اس کی ہر چیز بہت زیادہ قیمتی تھی۔ گولڈن فاکس ہر دن فون کیا کرتا تھا یہ الگ بات تھی کہ شیر اس کے فون نہیں اٹھاتا تھا۔ سارے

معاملات درمیان کے لوگوں کے ذریعے حل کیے جاتے تھے۔ وہ واش روم سے نکلا اور گیلے بال تولیے سے رگڑتا جنت کے قریب سے گزرا تو تولیہ اس کے منہ پر پھینکتا کمپیوٹر کے قریب آیا۔ جنت نے تولیہ سر سے اتار کر سونگھا۔

"تم نے کون سا شیمپو لگایا ہے اس کی اسمیل اچھی ہے۔ کیا میں استعمال کر سکتی ہوں؟"

"نہیں۔۔ وہ جینٹلس کے لئے ہے۔ تم بے بی شیمپو استعمال کیا کرو۔" شیر نے بے نیازی سے کہا۔

"تم خود کو بہت بڑا سمجھتے ہو مجھے پتا ہے تم بارہ سال کے ہو۔" جنت نے ناک چڑھائی۔ شیر نے جواب دیے بغیر کمپیوٹر آن کیا۔ اسی پل ملازمہ نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اندر داخل ہوئی۔ جنت نے لپک کر اپنا باؤل اٹھایا۔ ملازمہ

نے دوسرا باؤل شیر کے سامنے رکھا اور باہر نکل گئی۔ شیر کی انگلیاں کی بورڈ پر تیز تیز چل رہی تھیں۔ وہ باپ کو ای میل بھیجنے کی تیاری کر رہا تھا۔ وہ اس وقت مصروف دکھائی دے رہا تھا۔ جنت اپنا باؤل لیے خود بھی اس کے قریب چلی آئی۔

"کیا چڑیل نے آج بھی تمہیں غصہ دلایا ہے؟" جنت نے معصومیت سے سوال کیا۔ شیر نے کمپیوٹر کی اسکرین پر سے نگاہ ہٹا کر اس کی طرف دیکھا۔

"تمہاری مام کو پتا ہے تم ہر وقت میرے گھر میں گھسی رہتی ہو؟"

"نہیں، لیکن انھیں پتا ہو بھی تو کیا فرق پڑتا ہے؟ وہ صرف ڈیڈ کے سامنے ایسا ظاہر کرتی ہیں کہ وہ میری فکر کرتی ہیں لیکن حقیقت میں انھیں صرف ڈاکٹر ڈیم کی پرواہ ہے۔" وہ ناک چڑھا کر بولی۔

"ڈاکٹر ڈیم تمہاری مام کا بوائے فرینڈ ہے؟" شیر نے سوال کیا۔ اس کا لہجہ عام سا تھا۔ جنت کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اگلے ہی پل کمرے میں اس کی سسکیاں گونجنے لگیں۔ شیر نے اسکرین سے نگاہ ہٹا کر اس کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن اتری۔

"رونا بند کرو تمہاری یہ رونے کی آواز مجھے اری ٹیٹ کرتی ہے۔"

"Crying Is not a solution you stupid little witch"!

شیر نے تنک کر اس کے سر پر انگلیوں کی پشت سے زوردار دستک دی۔ جنت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"رونا بند نہیں کیا تو اگلی دفعہ زور سے ماروں گا۔" شیر کا کہنا تھا کہ جنت کی آواز آنا بند ہو گئی۔

"گڈ گرل! آسکریم ختم کرو اپنی۔" شیر نے چچ منہ میں ڈالتے اسے حکم دیا۔ جنت آنسو پونچتی آسکریم کھانے لگی۔

"Keep it as a secret"...

"تمہارے ڈیڈ کو پتا نہیں چلنا چاہیے۔۔۔ ورنہ وہ تمہاری مام کو مار دیں گے۔" شیر نے کہا۔

جنت کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔
"میرے ڈیڈ ایسے نہیں ہیں۔" وہ تنک کر بولی۔

"ٹھیک ہے ایسا کرو ان کو کال کرلو۔ اور بتادو۔" شیر نے لاپرواہی سے کہہ کر آسکریم کا ایک اور چچ لیا۔

"کیا تمہاری مام بھی ایسا کرتی ہیں؟" جنت نے سوال کیا۔

"The woman who can be called my mother, does not exist".

شیر نے بے نیازی سے کہا۔ جیسے یہ ایک عام سی بات ہو۔

"کیا سچ میں؟" جنت حیران ہوئی۔

"ہاں! میں زمین کے نیچے سے نکل کر آیا ہوں۔ تمہیں پتا ہے میں کیا

ہوں؟" اس نے پراسرار لہجہ اپنایا۔ جنت نے متجسس انداز میں اس کی

جانب دیکھے نفی میں گردن ہلائی۔

"I am the invisible gap between truth and falsehood"

(میں حقیقت اور جھوٹ کے بیچ کا نظر نہ آنے والا فاصلہ ہوں)

جنت نا سمجھی سے منہ کھولے اسے دیکھتی رہی۔ اس کی بات جنت کے

سر پر سے گزر گئی۔

"مجھے سمجھ تو نہیں آیا لیکن مجھے پتا ہے تم نے جو کہا ہے ٹھیک کہا ہے۔" جنت معصومیت سے مسکراتے ہوئے بولی۔ شیر یک دم قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ جنت یک ٹک اسے ہنستا ہوا دیکھتی رہی۔

"شیر تمہیں پتا ہے تم جب ہنستے ہو تو مجھے اچھا لگتا ہے لیکن تم ہر غصے میں ہی رہتے ہو اور مجھے ہر وقت مجھے ڈانتے رہتے ہو۔" وہ منہ بسور کر بولی۔

"اور تم بھی جب کچھ نہیں بولتی تو اچھی لگتی ہو لیکن تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تمہیں ہر وقت بولتی ہی رہتی ہو۔" شیر کے بے ساخت جواب پر جنت پھر منہ بسور کر رہ گئی۔

"کیا تم نے آنسکریم ختم کر لی؟ اور لے کر آؤں؟" جنت نے اس کے باؤل میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں لیکن صرف میرے لئے۔"

"لیکن مجھے بھی کھانی ہے۔"

"نہیں۔ تم نہیں پہلے ہی ایک باؤل کھاچکی ہو۔"

"لیکن تم نے بھی تو کھائی ہے اور تمہارا باؤل ہمیشہ بڑا ہوتا ہے۔" وہ تنک کر بولی۔

"ہاں میں کھا سکتا ہوں میرا گھر ہے میری آسکریم ہے۔ کیا تمہیں نہیں پتا کسی کے گھر جا کر یوں زبردستی آسکریم مانگنا کتنی بری بات ہے۔" وہ اسے ڈپٹ کر بولا۔

"لیکن تم تو میرے دوست ہو نا!" وہ معصومیت سے بولی۔

"کس نے کہا؟ میں تو نہیں کہتا کہ تم میری دوست ہو تم خود ہی زبردستی کی دوست بن گئی ہو اور ہر وقت میرا سرکھاتی رہتی ہو۔" شیر نے کی بورڈ پر انگلیاں چلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے پھر میں جارہی ہوں۔"

"Thank God!"

شیر نے بے اختیار شکر ادا کیا۔ جنت منہ بسورے کھڑی رہی۔ کچھ پل بعد شیر نے گردن گھما کر اس کی جانب دیکھا۔
"کیا تم نے ابھی نہیں کہا کہ تم جارہی ہو؟ لٹل وچ!"

"I am an angel, Not witch" ..

وہ منمنائی۔ شیر کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"برے ہو تم!" وہ رونے کے قریب تھی۔

"پتا ہے مجھے۔ آسکریم نہیں لا رہی تم؟"

"پہلے پرامس کرو مجھے بھی کھلاؤ گے۔"

"بھاگو۔ میں پچیس سے الٹی گنتی کر رہا ہوں۔۔۔ پچیس۔۔۔ چوبیس۔۔۔"

"تم بہت تیز تیز گن رہے ہو۔ تھوڑا آرام سے گنو۔" وہ کہتے ہوئے ہوا
کی رفتار سے بھاگتی باہر نکلی۔

"میرے ساتھ رہ کر یہ لٹل وچ ضرور مرا تھن ریسر بن جائے گی۔" شیر
بڑبڑایا اور دوبارہ کی بورڈ پر انگلیاں چلانے لگا۔



"تمہارے ڈیڈ نے کال کی تھی۔" وہ آہستگی سے بولیں۔ حاشر نے سراٹھا
کی ماں کی جانب دیکھا اور طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ اس کا چہرہ جس قدر
معصوم تھا۔ مسکراہٹ میں اتنی ہی باطلہ جھلک تھی۔

اس کی مسکراہٹ اس کی شخصیت کے برعکس تھی۔ سامنے والے کو ہلا کر رکھ دینے والی۔ وہ فقط اپنے ہونٹوں کو ایک جانب پھیلا کر مسکراتا تھا۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں سرد مہری کا تاثر مزید بڑھ گیا۔

"اب مجھے سمجھ آیا کہ آپ کی طبیعت اچانک خراب کیوں ہوئی تھی۔" وہ سرد مہری سے بولا۔

"بے بی!"

"کیا میں یہ درخواست کر سکتا ہوں کہ یہ ڈرامائی محبت نہ جتائیں میرے ساتھ؟" حاشر کا لہجہ برفیلا تھا۔ عظمیٰ کی آنکھوں میں اذیت کا تاثر ابھرا۔

"مجھے معاف۔۔"

"کبھی نہیں! آگے بڑھیں۔" حاشر نے اس کی بات مکمل ہونے نہ دی۔

"واپس آجاؤ۔"

"نہیں!"

"پلیز!"

"ناممکن! آگے؟" وہ اب ماں کی جانب نہیں دیکھ رہا تھا۔

"تمہارے بھائی کی ڈیٹھ ہوگئی ہے۔" وہ ضبط کرتے بڑی مشکل سے جملہ مکمل کرپائیں تھی۔ حاشر نے جھٹکے سے گردن گھما کر عظمیٰ کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی اتری۔ اس نے بے اختیار نفی میں گردن ہلائی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔

"میری توجہ حاصل کرنے کے لئے میرے بھائی کے حوالے سے ایسا گھٹیا مذاق۔۔"

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔ تمہارے ڈیڈ نے کال کی تھی۔ اس نے بتایا تمہارا بھائی۔۔" اس کی سسکی نکلی۔

"تمہارا بھائی نہیں رہا۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی تھی۔ حاشر کئی پل ساکت نگاہوں سے ماں کی جانب دیکھتا رہا پھر اٹے قدموں پیچھے ہٹتا گیا۔ اس نے کچھ کہے بغیر دروازہ کھولنے کی کوشش کی تھی لیکن دروازہ پیچھے سے بند تھا۔ اس نے پوری قوت سے دروازہ کھولنے کی کوشش کی پھر اسے زور زور سے بجانے لگا۔

"پلیز میری بات سنو حاشر۔ میں کبھی ایسا نہیں چاہتی تھی کہ اسے کچھ ہو۔ مجھے میری بات مکمل کرنے کا موقع دو حاشر۔ پلیز۔"

"بہتر ہوگا آپ خاموش رہیں آپ کی آواز مجھے غصہ دلاتی ہے آپ کے یہ بہانے سن کر مجھے نفرت ہوتی ہے آپ سے۔" وہ نفرت سے کہتا دوبارہ گیٹ بجانے لگا۔

"گیٹ کھولیں مس فرح۔ گیٹ کھولیں۔"

"جب تک تم میری بات نہیں سنو گے یہ گیٹ نہیں کھلے گا حاشر۔۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

وہ پلٹ کر دوبارہ طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ اس کی سرخ آنکھیں جو اذیت میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اس پل مذاق اڑاتی محسوس ہوئیں۔

"مجھے اپنی طاقت کا یوں استعمال کرنا کبھی بھی پسند نہیں رہا۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ میں ضرورت پڑنے پر اس کا استعمال نہیں کر سکتا۔" وہ کچھ قدم پیچھے ہٹا۔

"مس فرح اگر آپ اپنا چہرہ بگاڑنا نہیں چاہتیں تو دروازے سے دوڑ ہٹ جائیں۔" وہ بلند آواز سے کہتا ہوا کی رفتار سے دروازے کی جانب دوڑا اور ایک اونچی چھلانگ لگا کر دروازے کو زوردار دھکا دیا۔ زوردار آواز سے دروازہ ٹوٹ کر باہر جا کر گرا تھا۔ عظمیٰ کی تیز چیخ نکلی۔ وہ تیزی سے حاشر

کے پیچھے کمرے سے نکلیں۔ ہسپتال انتظامیہ کے لوگ دوڑ کر اس جانب آرہے تھے۔ وہ حیرت سے ٹوٹے دروازے کی جانب دیکھ رہے تھے۔ سب سمجھنے سے قاصر تھے کہ وہ دروازہ کیسے ٹوٹا؟ جبکہ حاشر سب سے بے نیاز تیز قدموں سے چلتا راہداری میں آگے بڑھ رہا تھا۔ عظمیٰ بھیگی اور خوف زدہ نظروں سے اس کی پشت کو گھور رہی تھی۔

"ک۔۔ کیسے؟"

"کسی کو مت بتانا یہ۔۔ سمجھ گئیں؟" عظمیٰ نے کپکپاتے لہجے میں اپنی سیکریٹری کو کہا۔ سیکریٹری کی آنکھیں حیرت و بے یقینی سے کھلی تھیں۔ آس پاس نرس اور ڈاکٹرز کھڑے اس عجیب منظر کو دیکھ رہے تھے۔ دروازہ درمیان سے دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گرا تھا۔ عظمیٰ نے آنکھ

بچا کر آس پاس دیکھا۔ سی سی ٹی وی کیمرے نہ پا کر اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا تھا۔



"تمہارا نام کیا ہے شیر؟" وہ میز پر جھکی اس کے چہرے کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ شیر جو کی بورڈ پر انگلیاں چلا رہا تھا۔ منہ کھولے اس کی جانب اشارہ کرنے لگا۔ جنت نے منہ بسور کر آسکریم کا چیچ اس کے منہ میں ڈالا۔

"میں بھی ایک چیچ لے لیتی ہوں۔"

"نہیں۔۔ میرے چیچ کو منہ مت لگ۔۔" شیر جو ابھی بات مکمل ہی کر رہا تھا اس کے منہ میں آسکریم کا چیچ دیکھ تپ گیا۔

"تمہیں میں نے مجھے کھلانے کو کہا تھا خود کھانے کو نہیں۔۔" وہ اسے گھورتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے میں چیچ دھو کر۔۔"

"جب تک واپس آؤ گی میری آئسکریم پگھل چکی ہو گی۔" وہ اسے گھور کر بولا اور منہ کھولا جنت نے دانت نکالتے ہوئے اس کے منہ میں آئسکریم ڈالی۔ شیر مصروف انداز میں مختلف بٹن دباتا رہا۔

"تم یہ کیا کر رہے ہو؟" جنت نے کمپیوٹر اسکرین کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"پروگرامنگ۔۔"

"وہ کیا ہوتی ہے؟" جنت نے نا سمجھی سے پوچھ رہی تھی۔

"تم نہیں جانتی اس بارے میں۔" شیر نے اینٹر کا بٹن دبایا اور بغور اپنے بنائے چارٹ کو دیکھنے لگا۔

"مجھے بتاؤ نا! یہ سب کیا ہے۔"

"جب بڑی ہو جاؤ گی تو بتا دوں گا۔ ابھی تم نہیں سمجھ سکتی۔"

"جب میں بڑی ہو جاؤں گی تب بھی میرے دوست رہو گے نا؟" جنت کی آنکھیں یک دم چمک اٹھیں۔ شیر نے گردن گھما کر اس کی جانب دیکھا اور نفی میں گردن ہلادی۔ جنت کی آنکھیں بجھ سی گئیں۔ وہ اداس سی ہو کر شیر کی جانب دیکھنے لگی۔ شیر نے سرسری نگاہ میں اس کے تاثرات جانچے۔

"کسی سے اٹیچ نہیں ہوتے۔ کیوں کہ ہمیں پتا نہیں ہوتا کہ کب ہمیں کہاں جانا پڑ جائے۔"

"مطلب؟" جنت نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔ وہ اپنی عمر سے کئی زیادہ معصوم تھی۔ اور شیر اپنی عمر سے دس گیارہ سال زیادہ سمجھدار تھا۔

"مطلب یہ ہے ہمیں اسٹرونگ رہنا چاہیے۔" شیر نے کمپیوٹر سے اٹھتے ہوئے اس کے بال سہلائے اور اس کے ہاتھ سے آنسکریم کا باؤل لیا۔

"چلو آؤ بیک یارڈ میں چلتے ہیں۔"

"واؤ۔ میرے لئے مچھلی پکڑو گے؟"

"ہاں۔" وہ باؤل ہال میں میز پر رکھ کر باہر کی جانب بڑھنے لگا ابھی وہ دونوں راہداری میں ہی تھے جب سامنے سے بریرہ دوڑتی ہوئیں آتی دکھائی دیں۔ وہ شیر کو دیکھ کر ایک پل کو حیران سی رہ گئی۔ وہ قد میں اس سے بھی لمبا تھا۔ جنت اس کے کاندھوں سے کافی نیچے تھی۔ اس کے بھورے بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ سیاہ گہری اور معصوم آنکھیں

بریرہ پر مکی تھیں۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ پھر چونک کر جنت کو دیکھا جو اس کے ساتھ اطمینان سے کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"مام یہ شیر ہے۔ میرا بیسٹ فرینڈ۔۔ یہ بہت اچھا ہے۔ مجھے روز بہت ساری آنسکریم کھلاتا ہے۔ آپ کو پتا ہے یہ اتنا فاسٹ کمپیوٹر چلاتا ہے۔۔"

"جاؤ اندر تم۔" وہ جنت کی جانب دیکھتے ہوئے بولیں۔

"لیکن ہم۔۔"

"جنت جاؤ۔" شیر نے جنت کی جانب دیکھتے کہا۔

"لیکن ہم تو بیک یارڈ۔۔"

"میں نے کہا جاؤ۔" شیر نے آنکھیں دکھائیں۔

بریرہ اس کے لہجے اور انداز پر بری طرح حیران ہوئی۔ وہ کہیں سے بھی
چھوٹا بچا نہیں لگ رہا تھا۔ جنت منہ لٹکائے آگے بڑھ گئی۔

"جنت تمہارے ساتھ کیا کر رہی تھی؟"

"یہ تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے۔ آپ اس کی ماں ہیں۔ یہ آپ کی ذمہ
داری ہے کہ وہ سارا دن کہاں کس کے ساتھ رہتی ہے۔" شیر کو اس کا
لہجہ برا لگا تھا۔ بدلے میں اس نے بھی کوئی لحاظ کیے بغیر تلخ لہجے میں
سوال کیا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ بری طرح پتی تھی۔

"مطلب یہ ہے کہ بچے اتنے بھی نا سمجھ نہیں ہوتے کہ بڑوں کی
سرگرمیوں سے بے نیاز رہیں۔ وہ سب سمجھتی ہے۔ اس کے ذہن پر اثر

پڑتا ہے۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ معاملات آپ کے لئے نارمل ہی رہیں تو اس کو بھی وقت دیں۔"

"کیا مطلب ہے تمہاری اس بات کا؟ کیا بکواس کر رہے ہو؟" وہ غصے سے چلائی۔

"میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ میں اپنی بکواس کو تفصیل سے بیان کروں۔ لیکن بریفی۔ میرا اشارہ ڈاکٹر ڈیمین کی طرف ہے۔ اور دوسری بات میں بہرا نہیں ہوں۔ اس لئے آئندہ مجھ پر چلانے کی ضرورت نہیں ہے میرا میرے ہاتھ پیروں پر کنٹرول نہیں رہتا اور آپ جیسی عورتوں سے تو مجھے ویسے ہی بہت نفرت ہے۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر کہتا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہیں کھڑا اسے گھورتا رہا اور پھر آگے بڑھ گیا۔ بریرہ سانس روکے ساکت کھڑی رہی۔ اس کی آنکھیں اور لہجہ

خطرناک حد تک پر اسرار تھا۔ بریرہ کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی محسوس ہوئی وہ بے ساختہ جھرجھری لے کر رہ گئی۔

"He Is so creepy..."

جنت اس کے ساتھ اتنی خوش اور مطمئن کیسے تھی؟ کیا اسے اس عجیب مخلوق سے ڈر نہیں لگتا۔ افس۔ اس کی آنکھیں کس قدر عجیب ہیں۔ اس کی آواز میں سن کر عجیب سا خوف اٹھتا ہے دل میں۔۔۔ توبہ۔۔۔ یہ کیسی چیز اٹھا کر گھر لے آیا ہے عمش۔۔۔ شیر۔۔۔؟ یہ تو کہیں سے بھی بچہ نہیں لگ رہا۔ میں آج ہی عمش سے بات کروں گی۔ "وہ بڑبڑاتی ہوئی راہداری کی ریلنگ کے قریب آئی۔ سامنے کے منظر پر نظر پڑتے ہی اس کے حلق سے ہلکی سی چیخ برآمد ہوئی۔ وہ فوارے کے تالاب کے قریب جھکا تیزی سے مچھلیاں پکڑ کر انھیں ہوا میں اچھال رہا

تھا۔ مچھلیاں لچکتی مچکتی دوبارہ تالاب میں چھلانگ لگا رہی تھیں۔ مچھلیاں ایک ایک کر کے سطح پر گردن لاکر شیر کی گرفت میں آنے کو مچل رہی تھیں۔ جیسے اس کھیل کی عادی ہوں۔ شیر کے چہرے پر اس پل مسکراہٹ تھی۔ اس کی مسکراہٹ میں اتنی معصومیت تھی کہ بریرہ محویت سے اس منظر کو تکتی رہی وہ کئی منٹ وہیں کھڑی رہی۔ اسی پل شیر نے مچھلی کو پکڑ کر ہوا میں اچھالتے دوسری جانب دیکھا اور مسکرایا۔ بریرہ نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا تو اسے نیچے جنت کھڑی دکھائی دی جو مسکراتے ہوئے خوشی سے اچھل رہی تھی۔ شیر دوبارہ اپنے مشغلے میں مگن ہو گیا۔ بریرہ ساکت سی رہ گئی تھی۔ جنت کو آج سے پہلے اس نے اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بریرہ کو عجیب سے احساس نے آگھیرا۔ اسے یک دم شیر سے خوف آیا تھا۔



حاشر دوبارہ ہو سٹل لوٹ آیا تھا۔ وہ جیسا گیا تھا ویسا لوٹ کر نہیں آیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک اذیت تھی اور اس کا چہرہ کسی مرجھائے پھول کی مانند تھا۔ وہ اپنے دوڑم میں جانے کے بجائے ہو سٹل کے عقبی لان میں اپنی مخصوص جگہ پر چلا آیا تھا۔ جہاں اس پاس مختلف پھول اگے ہوئے تھے۔ خوبصورت پھولوں کی بلیں تھیں جو اسی نے اگائی تھیں۔ وہ گھاس پر نگاہیں جمائے دوزانو ہو کر بیٹھا تھا قریب ہی اس کا بیگ رکھا تھا۔

"حاجی۔۔"

"مام یہ صرف پانچ مہینے کا ہے اور یہ ہمارے نام لے سکتا ہے۔" حاشر کو اپنی آواز سنائی دی۔

"تو میں کیا کروں۔۔ جا کر اسے اس کے باپ کے پاس چھوڑ کر آؤ۔" عظمیٰ کی نفرت میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

"مام کیا یہ آپ کا بیٹا نہیں۔۔"

"نہیں۔۔"

"مام۔۔" اسی پل اس ننھے سے بچے نے عظمیٰ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"مام دیکھیں یہ آپ کو ماما کہہ رہا ہے کتنا کیوٹ ہے نا۔" حاشر نے چھوٹے بھائی کو خود میں بھینچتے ہوئے محبت سے کہا تھا۔

"حاشر ہزار بار کہا ہے دور رہا کرو اس سے۔۔ جا کر ڈیڈ کے پاس چھوڑ کر آؤ اس گند کو۔۔" وہ نفرت بھرے لہجے میں بولی تھی۔ حاشر کی آنکھیں بے یقینی اور دکھ سے پھلیں تھیں۔

"مام! یہ میرا بھائی ہے۔" حاشر کے لہجے میں اس روز بھی بھائی کے لئے وہی تڑپ تھی جو آج اس کی آنکھوں میں دکھائی دے رہی تھی۔

"آہ۔۔ میرا بھائی تھا وہ۔۔" اس نے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرتے دل میں اٹھتی تکلیف کو کم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ ناکام رہا تھا۔ کوئی شک نہیں تھا کہ اسے اپنا بھائی جان سے زیادہ عزیز تھا۔ چار سال کا تھا وہ جب اس کا باپ اس پانچ ماہ کے بچے کو گھر لے کر آیا تھا۔ وہ بچہ خوبصورت تھا۔ اس کی آنکھیں حاشر جیسی تھیں۔ صرف ان کی آنکھیں دیکھ کر ہی کوئی بھی اس بات کو مان لیتا کہ وہ دونوں بھائی ہیں۔ ان کی آنکھوں میں ایک فیصد کا فرق بھی نہیں تھا۔ دونوں کی آنکھیں انتہائی بڑی گہری اور سیاہ تھیں۔ جن میں مسلسل دیکھنا مشکل ہو جاتا تھا۔ اگر ان کی آنکھوں کو پراسرار کہا جاتا تو غلط نہ ہوتا۔ وہ اس عمر میں بھی اپنی عمر کے بچوں سے

زیادہ سمجھدار تھا۔ وہ پہلے ہی دن سمجھ گیا تھا کہ اس کی ماں کو اس بچے سے نفرت تھی۔ وہ اس پر دھیان نہیں دیتی تھی۔ باپ کی غیر موجودگی میں حاشر اس کا خیال رکھتا بہت کم وقت میں حاشر کے لئے وہ بچہ بہت زیادہ عزیز ہو گیا تھا چھ سال تک کی عمر تک حاشر کے لئے وہ پوری کائنات تھا۔ ماں باپ ملازمتوں پر ہوتے تو وہ ہی ملازمین کے ساتھ مل کر اپنے چھوٹے بھائی کا خیال رکھتا تھا۔ حیرت انگیز طور پر اس کا چھوٹا بھائی اس سے زیادہ مختلف تھا۔ وہ بہت کم وقت میں بولنا چلنا سیکھ گیا تھا۔ وہ بڑی بڑی باتیں سمجھتا اور فر فر باتیں کیا کرتا تھا۔ اسے دیکھ کر نہیں لگتا تھا کہ وہ دو ڈھائی سال کا بچہ ہے۔ پہلی بار دیکھنے پر چھ سالہ حاشر آٹھ دس سالہ لگتا تھا اور چھوٹا بھائی دو

سال کی عمر میں پانچ سال کے بچے جتنی عقل اور قد کاٹھ کا مالک تھا۔

نرندان ذات

انر قلم: فاطمہ نیانری

نوٹ:-

اس ناول کے جملہ حقوق گروپ آف پرائم اردو ناولز کے نام محفوظ ہیں۔ لہذا اس تحریر کی کسی بھی دوسرے رسالے، ڈائجسٹ یا کسی ویب سائٹ پر کسی بھی شکل میں کاپی کرنا ممنوع ہے۔ خلاف ورزی کرنے والے کے خلاف قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے۔

Copy rights reserved to:-

<https://primeurdunovels.com>

اور باپ اس کی زندگی سے گئے تھے اس کے دو سال بعد ہی اس نے بھی اپنا گھر چھوڑ دیا تھا اور ضد کر کے ہوٹل میں رہنے لگا تھا اور پھر کبھی واپس نہیں گیا۔ وہ بمشکل ان آٹھ سالوں میں چھ یا سات مرتبہ ہی گھر گیا تھا۔

"ہاں!" وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولا۔

"لیکن کیوں؟"

حاشر کو آج اس نے پہلی دفعہ ایسے دیکھا تھا۔ وہ مضبوط اعصاب کا لڑکا تھا۔ اس کا یوں رونا عام بات ہر گز نہیں تھی۔

"کیوں کہ میں رونا چاہتا ہوں۔"

اس نے آنکھوں میں آتے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔" وہ ضبط کی کوشش چھوڑ کر رو دیا۔

"کہاں تکلیف ہو رہی ہے بتاؤ مجھے کیا ہوا؟"

عبید گھبرا کر مزید قریب ہوا۔

"سر میں آپ کے گلے لگ کر رونا چاہتا ہوں۔" وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے
سک رہا تھا۔ عبید نے تڑپ کر اسے گلے لگالیا۔ وہ بچہ اسے بہت زیادہ
پیارا تھا۔ حاشر کا رونا اسے تڑپا رہا تھا۔ وہ یوں رو رہا تھا جیسے اس کی بہت
قیمتی شے چھین لی گئی ہو۔ جیسے کوئی جان سے پیارا چھوڑ گیا ہو۔

"میں نے اپنے بھائی سے وعدہ کیا تھا۔ کہ میں اسے ایک دن واپس لے
آؤں گا۔ لیکن وہ تو مر گیا سر۔" اس کی آواز درد سے کانپ رہی
تھی۔ عبید کو اپنا دل پھٹتا محسوس ہوا۔

"میں نے اسے کہا تھا میرا انتظار کرنا۔ وہ تو اتنا چھوٹا تھا۔ اسے نہیں پتا اپنا
خیال کیسے رکھتے ہیں۔ میں اس کی حفاظت نہیں کر سکا۔ میں بہت برا بھائی

ہوں۔ وہ دنیا چھوڑ کر چلا گیا۔ "وہ بری طرح تڑپ رہا تھا۔ عبید کچھ کہے بغیر اسے سنتا رہا۔ وہ محبت بھرے انداز میں اس کی پیٹھ سہلا رہا تھا۔ حاشر کی سسکیاں اس کا سینہ چیر رہی تھیں۔



اسکول کی چھٹی ہو چکی تھی۔ زیادہ تر بچے گھر جا چکے تھے۔ وہ اسپورٹ ایریا کے قریب چبوترے پر بیٹھا مختلف طالبات کو پریکٹس کرتے دیکھ رہا تھا۔ "شیر۔۔ تم پریکٹس کیوں نہیں کر رہے ہو کل میچ ہے ہمارا۔" اسی پل سوئمنگ انسٹرکٹر اس کے قریب آئے۔ "میں تھوڑی دیر میں جوائن کروں گا۔" وہ بولا۔

"اوکے۔۔ ویسے تمہاری اسپیڈ کتنی ہے؟"

"آپ سب سے زیادہ ہے۔" وہ اعتماد سے بولا۔

"کسی چھیرے کے بچے ہو۔۔" وہ طنزیہ انداز میں بولے۔ شیر نے نگاہیں اٹھا کر انسٹرکٹر کو ایک سرد نگاہ سے گھورا۔ وہ ہنستے ہوئے یک دم چپ ہوئے تھے۔ جیسے کسی نے سامنے موت دیکھ لی ہو۔ وہ ایک لفظ مزید کہے تیزی سے آگے بڑھ گئے تھے۔ شیر نے خفگی سے سر جھٹکا اور وہاں سے اٹھ گیا۔ اسی پل جنت نے آکر اسے آواز دی۔ شیر چونکا۔

"گھر نہیں گئیں تم؟ یہاں کیا کر رہی ہو؟" شیر نے اسے فٹ بال کٹ میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"کیسی لگ رہی ہوں میں؟"

"جو کر لگ رہی ہو۔ یہ تمہارے سائز کا نہیں ہے۔ کس نے کہا ہے اسے پہنو چلو میرے ساتھ۔۔" وہ اسے شرٹ سے پکڑے اپنے آگے چلانے لگا۔ اس کی ڈھیلی پونی دائیں بائیں ہل رہی تھی وہ تیز تیز قدموں سے شیر

کے آگے بھاگ رہی تھی۔ کچھ دور ہی گئے تھے جب کہیں سے ہیزیل برآمد ہوئی۔ جنت اور شیر کو اسپورٹ ہال کی جانب جاتے دیکھ وہ بھی ان کے پیچھے چل دی۔

"آج پریکٹس کا پہلا دن ہے؟"

"ہاں! سر نے کہا میں جلدی سیکھ جاؤں گی۔" جنت نے پرجوشی سے کہا۔
 "ہاں اگر بولنے سے زیادہ کھیلنے پر دھیان دوگی تو۔ باقی ٹرینرز کے ساتھ باتیں کرتی رہو گی تو وہ کو ایفائی کر جائیں گے اور تم پیچھے رہ جاؤ گی۔"
 "میں ہر کسی سے بات نہیں کرتی۔" وہ اس الزام پر تپ کر بولی۔ شیر نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو وہ لا کر زکھنگالنے میں مگن اس کے لئے اس کے سائز کے اسپورٹ کٹس ڈھونڈ رہا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟ اوہ۔ لٹل پی تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" ہیزیل اندر داخل ہوتے ہوئے بولی۔ جنت نے پلٹ کر اس کی جانب دیکھا جبکہ شیر اپنے کام میں مگن رہا۔

"تم دونوں ایک دوسرے کو کیسے جانتے ہو؟"

"کیونکہ۔"

"ظاہر ہے ہم ایک ہی اسکول میں ہیں۔"

شیر نے جنت کے کچھ کہنے سے قبل ہی ہیزیل کو جواب دیا اور کٹ اس کی طرف بڑھائی۔

"اوہ تو تم دونوں دوست ہو؟"

"ہاں۔۔"

"نہیں۔" شیر نے لاپرواہی سے کہا۔ جنت نے دکھ اور صدمے کی حالت میں شیر کی جانب دیکھا اس کی آنکھیں فوراً بھیگی تھیں۔

"خیر تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ کیا ماسٹر شین کا گھر کافی نہیں ہے میرا سر کھانے کے لئے؟" شیر نے طنزیہ انداز میں ہیزیل کی جانب دیکھتے سوال کیا۔ جنت وہیں کھڑی آنسو بہا رہی تھی۔ شیر نے سرسری نگاہ اس پر ڈالی اور اس کو کاندھے سے دھکیل کر چینجنگ روم کی طرف بھیجا۔ جنت نے غصے بھرے انداز میں اس کی جانب دیکھا اور اس کی طرف پلٹ ایک زور دار مکاشیر کے پیٹ میں رسید کیا۔ شیر نے یک دم تپ کر اسے اس کی شرٹ سے پکڑ کر جھٹکا دیا۔ وہ سہم سی گئی اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ ہیزیل کے چہرے پر مسکراہٹ اتری۔ شیر غصیلی

نگاہوں سے جنت کو گھورتا رہا۔ وہ مسلسل خود کو چھڑانے کی کوشش میں اپنے آپ کو پیچھے کی جانب کھینچ رہی تھی۔

"سیدھی کھڑی ہو۔" وہ یہ نہیں کہہ پایا کہ وہ یوں خود کو کھینچتی رہے گی تو گر جائے گی۔ وہ اسے چھوڑنا چاہتا تھا لیکن جانتا تھا جتنی قوت لگا کر وہ خود کو چھڑا رہی ہے وہ خود کو گرا کر ہی چھوڑے گی۔

"جنت سیدھی کھڑی رہو۔" وہ تپ کر بولا۔ لیکن وہ مسلسل روتے ہوئے خود کو چھڑاتی رہی۔ شیر نے آہستگی سے اس کا کاندھا چھوڑا جنت جو پوری قوت لگا کر خود کو چھڑا رہی تھی دور جاگری۔ شیر کو اس کی حرکت پر مزید غصہ آیا وہ اسے وہی گرا چھوڑ کر اسپورٹ ہال سے نکل گیا۔ ہیزیل اس پر طنزیہ مسکراہٹ اچھالتی خود بھی نکل گئی۔ جنت وہیں بیٹھی رو رہی تھی۔



حاشر اپنے ڈورم میں پلنگ پر اوندھے منہ پڑا تھا۔ کمرہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ کئی گھنٹوں سے یونہی مسلسل لیٹا رو رہا تھا۔ دفعتاً اس کے ڈورم کا دروازہ بجا۔

"حاشر! تمہاری مام تم سے ملنے آئی ہیں۔ وہ گیسٹ روم میں تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔" کسی ہوٹل میٹ کی آواز آئی۔ حاشر آنکھیں رگڑتا اٹھا اور قریب رکھی شرٹ اٹھا کر پہننے لگا۔ اس کے انداز میں غصہ تھا۔ وہ پیروں میں چپل اڑتا باہر نکل آیا۔ اس کا رخ گیسٹ روم کی جانب تھا۔ گیسٹ روم تک پہنچتے اس نے کھٹاک کی آواز سے دروازہ بند کیا۔

"آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟"

"تم میری بات سنئے۔"

"نہیں سننا چاہتا میں آپ کی باتیں۔ بات ختم آپ کو سمجھ کیوں نہیں آتی۔ میں نہیں رکھنا چاہتا کوئی تعلق آپ سے۔۔ آپ میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتیں مام؟" اا کی سرخ و سوجی ہوئیں آنکھوں میں نفرت تھی۔ وہ پچھلے کئی گھنٹوں سے رورہا تھا۔ اس کی آواز بھاری ہو رہی تھی۔

"میری جان پلیز۔۔"

"پلیز! مجھے نفرت ہوتی ہے آپ کے اس لہجے اور ان الفاظ سے۔ چلی جائیں اور کبھی میرے سامنے مت آئیے گا۔" وہ نفرت سے بولا تھا۔
 "تم ایسے کیسے بات کر سکتے ہو مجھ سے میں ماں ہوں تمہاری حاشر۔۔"

"ماں ہیں تبھی زندہ ہیں ابھی تک۔۔ میرا بھائی مرا ہے اور قاتل آپ ہیں۔" وہ بری طرح چلایا تھا۔ عظمیٰ یک دم سہم کر اپنی جگہ سے اٹھی۔ وہ رودی تھی۔

"ڈیڈ آپ سے پیار کرتے تھے۔ آپ کے پاس تو کچھ نہیں تھا نا تب۔۔ سب کچھ ڈیڈ سنبھالتے تھے۔ آپ کی اور میری وجہ سے انھیں اتنی تکلیفیں سہنی پڑیں وہاں۔۔ وہ یک دم چپ ہوا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"تو کیا ہوا اگر وہ آپ کا بیٹا نہیں تھا ڈیڈ کا بیٹا تو تھا نا میرا بھائی تو تھا نا۔ ڈیڈ نے آپ کو دھوکہ نہیں دیا تھا آپ جانتی ہیں۔۔ وہ وکٹم تھے۔ آپ جانتی تھیں۔ اس سب میں شیری کا کوئی قصور نہیں تھا وہ تو

چھوٹا سا بچہ تھا۔ "حاشر گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا۔ عظمیٰ سر جھکائے رو رہی تھی۔

"آپ نے ڈیڈ کا جینا حرام کیا۔ شیری سے نفرت کی اسے ہمیشہ انور کیا۔ وہ معصوم بچہ آپ کو اپنی ماں سمجھتا تھا۔ کیا ہو جاتا اگر آپ اسے بھی میری طرح رکھتیں۔ آپ اسے بھیجنا چاہتی تھیں اور ڈیڈ چلے گئے۔ آپ کی وجہ سے میں نے اپنے قیمتی رشتے کھو دیے۔ میرے ڈیڈ۔ میرا بھائی۔"

اس کی سسکیاں کمرے میں گونج رہی تھیں۔
 "آپ نے مجھ سے میرے سب سے قیمتی رشتے چھین لیے۔ میرے چھوٹے بھائی کی قاتل ہیں آپ مام!" وہ آنسو صاف کرتا جاتا آنکھیں مسلسل آنسوؤں سے بھگتی جاتی تھیں۔

"میں دن رات اسے تصور میں ایک خوبصورت نوجوان میں تبدیل ہوتے دیکھ خوش ہوتا تھا۔ اب آنکھیں بند کروں تو میرے ذہن میں میرے بھائی کی مردہ تصویر ابھرتی ہے۔ میں نے اس کی ہر چیز سنبھال کر رکھی تھی۔ کھلونے۔۔ کپڑے۔۔ تحفے۔۔ مجھے یقین تھا میں ایک دن اس سے ملوں گا۔ اسے بتاؤں گا کہ اس سے میں نے کتنی محبت کرتا ہوں۔ اسے کتنا یاد کرتا تھا۔ لیکن اب میری زندگی کا کوئی مقصد نہیں رہا۔ اس کے بغیر میری زندگی کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ نے بھلے ہی اسے اپنا بیٹا نہیں مانا لیکن میرے لئے وہ میری زندگی سے بڑھ کر اہم تھا۔ اور اب مجھے لگتا ہے میری زندگی میرے بھائی کے ساتھ ہی ختم ہو گئی ہے۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میری زندگی ختم ہو گئی ہے۔ آپ کو میرے ساتھ یہ ظلم نہیں کرنا چاہیے تھا۔" وہ حلق کے بل چلا یا۔ عظمیٰ بری طرح رورہی

تھی۔

"آئی ہیٹ یو مام! نفرت ہے مجھے آپ سے۔۔ اس کے لئے میں آپ کو کبھی بھی معاف نہیں کروں گا۔" وہ روتے ہوئے اٹھا اور کمرے سے نکل گیا۔ عظمیٰ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"اس کی بے وقوفی اور کم عقلی نے نہ صرف اس سے محبوب شوہر چھین لیا تھا بلکہ جان سے پیارا بیٹا بھی اس کی شکل دیکھنے کا روادار نہیں تھا۔"

"تم مر کیوں نہیں جاتے؟ جب سے تم ہماری زندگی میں آئے ہو زندگی حرام ہو کر رہ گئی ہے۔" اسے اپنا کہا جملہ یاد آیا۔ ڈھائی سالہ شریم اس کی بات سمجھ کر حاشر کی جانب دوڑ گیا تھا یہ کہتے ہوئے کہ

"مام مجھے مار دیں گی کیا؟"

اور آج اسے لگ رہا تھا کہ اس نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا۔ وہ واقعی اسے مار گئی تھی۔



"اٹل وچ! کیا کر رہی ہو تم یہاں؟" شیر نے اسے لائبریری کے پچھلے گیٹ پر بیٹھے دیکھا تو حیران رہ گیا۔ جنت ہتھیلی پھیلانے اسے اپنا ہاتھ دکھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تم نے مجھے دھکا دیا تھا اور اس ہیزیل کے ساتھ چلے گئے تھے۔ میں ڈیڈ سے کہوں گی تم مجھے مارتے ہو۔" وہ منہ بسورے شیر کو مارنے کو لپکی اور اس کے پیٹ میں ایک اور مکار سید کیا۔ شیر نے تپ کر اس کی پیشانی پر چپٹ لگائی اور اسے ایک طرف کیے لائبریری میں داخل ہوا۔ وہ بھی اس کے پیچھے لپکی۔ شیر نے اپنا بیگ اٹھایا اور سامنے کے گیٹ سے نکل آیا۔ وہ

بھی اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ "تم نے ایسے کیوں کہا کہ تم میرے دوست نہیں ہو۔" جنت نے غصیلے لہجے سوال کیا۔

"کیوں کہ نہیں ہوں۔" وہ لاپرواہی سے بولا۔ جنت نے پھر اس کی کمر پر مکا رسید کیا۔ لیکن شیر رد عمل ظاہر کیے بغیر اس کے آگے چلتا رہا۔

"بھئی مجھ سے بات کرو نا۔ میں تمہیں اور ماروں گی ورنہ۔۔ سب کو بتاؤں گی کہ تم میرے دوست ہو۔" جنت نے اچھل کر اسے لات رسید کرنا چاہی لیکن اپنی ہی ٹانگوں سے الجھ کر گر پڑی اور گھٹنا پکڑ کر رونے لگی۔ شیر نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو بھرے رو رہی تھی۔ شیر نے نفی میں گردن ہلائی اور اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"دکھاؤ مجھے کہاں لگی؟"

"تمہاری وجہ سے لگی ہے۔" اس کا گھٹنا چھل گیا گیا تھا۔

"چلو میرے ساتھ۔" شیر نے اس کا بیگ ہاتھ میں پکڑا اور اسے کھڑا کیا۔ وہ لنگڑاتی ہوئی اٹھی۔ وہ مسلسل آنسو بہائے جا رہی تھی۔ شیر کو اس کے رونے پر مزید تپ چڑھنے لگی۔

"رونا تو بند کرو تم۔ اتنی سی بات پر کون روتا ہے یار؟" وہ چڑ کر بولا۔

"چپ کرو تم!" وہ تلخی سے روتے ہوئے بولی۔

"تم نے اس چڑیل کے سامنے کیوں کہا کہ تم میرے دوست نہیں ہو؟"

"چپ کرو گی یا نہیں؟" وہ غصیلے لہجے میں بولا تو وہ منمننا کر رہ گئی۔ شیر اسے لئے ڈسپنسری تک آیا۔ نرس نے اس کے پیر پر دوائی لگا کر بینڈ ایڈ لگائی شیر وہیں اس کا بستہ لیے کھڑا رہا۔

"یہ لو بیگ پکڑو اپنا۔ اور اتنی چھوٹی چوٹ پر نہیں روتے۔"

"تم پکڑو مجھے چوٹ لگی ہے۔" وہ منہ بسورے بولی۔

"پکڑو اسے۔ ٹوٹ نہیں گیا ہے تمہارا پاؤں۔" شیر نے اس کا بستہ اسے پکڑا یا۔

"اب تمہیں میں روتا ہوا نہ دیکھوں۔" اس نے اسے گھورا اور اس کی ڈھیلی پونی ٹائٹ کرتے اسے آگے دھکیلا۔

"چلو اب! تم اپنے ڈرائیور کے ساتھ کیوں نہیں گئی۔"

"میں نے اسے کہا کہ میری پریکٹس ہے اس لئے وہ تین بجے آئے گا۔" وہ مزے سے بولی۔

"پریکٹس تو تم نے کی نہیں۔"

"مجھے چوٹ لگی ہے۔"

"یہ چوٹ ہے؟ چلو اب میرے ساتھ پریکٹس کرو۔"

"میرے پیر پر چوٹ لگی ہے میں نہیں کروں گی۔" وہ ضدی لہجے میں بولی۔

"ٹھیک ہے پھر گھر جاؤ میرا ڈرائیور یہیں ہے۔" شیر نے کہا اور دائیں جانب مڑ گیا۔

"لیکن مجھے نہیں جانا ہے۔" وہ دوبارہ شیر کے پیچھے لپکی تھی۔ وہ خاموشی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ جنت اپنی پونی لہراتی اس کے پیچھے دوڑ رہی تھی۔



جوزف گرین مینشن کے بائیں والے پورشن میں بریرہ البانی کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف و پریشانی کے تاثرات تھے۔ بریرہ البانی صوفے پر شان سے بیٹھی ناخنوں پر نیل پالش لگا رہی تھی۔

"کیا سوچ رہے ہو؟ جو کہا ہے وہ سمجھ آگیا تمہیں؟"

"لیکن میڈم! اگر کسی کو پتا چل گیا تو۔۔"

"کسی کو پتا چلنے کے ڈر سے تم مجھے انکار کرو گے؟" وہ سخت لہجے میں بولی۔

"میڈم وہ بچہ بگ باس کے لئے بہت اہم ہے۔ اس کی خاص حفاظت کا حکم ہے۔"

"کسی کو کچھ پتا نہیں چلے گا۔ وہ آٹھ بچے بیک یارڈ میں اسکیٹنگ کرتا ہے تم اپنا کام اسی وقت کرو گے اگر نہیں تو پھر میں تمہاری فیملی کی ذمہ داری۔۔"

"اوکے۔ میں کروں گا۔ میری فیملی کو پلیز کچھ مت کیجئے۔" وہ خوف سے پیلا پڑ گیا تھا۔

"گڈ!" بریرہ مسکرائی اور اسے جانے کا اشارہ کیا۔ جوزف پریشان چہرہ لئے وہاں سے نکل آیا۔ اس کا رخ راہداری کی طرف تھا۔ اس کے قدموں میں کپکپاہٹ تھی۔ وہ حد سے زیادہ ڈرا ہوا تھا۔



شیر کار کی کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا۔ دوسری جانب جنت بیٹھی کینڈیز کھا رہی تھی۔ یہ چیزیں اسے شیر نے اسکول سے خرید کر دی تھیں۔ وہ خوش تھی۔ شیر نے اپنا بستہ اٹھاتے ایک نگاہ جنت پر ڈالی اور پھر باہر جھانکنے لگا۔ اسے یہ راستہ اور جنگل پسند تھا۔ وہ روز محویت سے اس خوبصورت سڑک اور جنگل کو دیکھتا تھا۔ اس نے اپنا کیمرہ نکال کر بیگ دوبارہ اپنی جگہ پر رکھا۔

"گاڑی روکو!" اس نے گاڑی چلاتے ڈرائیور کو حکم دیا۔ اگلے پل گاڑی رک گئی۔

"کیا ہوا ماسٹر؟" ڈیرن نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔
"مجھے فوٹوز لینے ہیں۔ آؤ لٹل ویج!" اس نے جنت کو اترنے کا اشارہ کیا۔ ڈیرن بھی ساتھ ہی اتر آیا۔ جنت بھی پر جوش سی گاڑی سے نکلی۔
"میری فوٹوز لوگے؟" وہ اچھلتی کودتی اس کے عقب میں تھی۔ شیر نے اس کو کاندھے سے پکڑ کر اپنے سامنے کیا اور اس کی ڈھیلی پونی کو کسلا۔
"تمہارے بال بھی میری طرح ہیں۔" شیر نے کیمرہ ڈیرن کی جانب بڑھایا۔

"یہ درخت مجھے پسند ہے۔" شیر نے ڈیرن کی جانب دیکھتے کہا۔ ڈیرن اور جنت نے گردن گھما کر اس درخت کو دیکھا جس پر گلابی رنگ کے خوبصورت چھوٹے چھوٹے پھول تھے۔ شاخیں قدرے جھکی ہوئی تھیں۔

"تم یہاں کھڑی ہو جاؤ۔" اس نے جنت کو درخت کے پاس کھڑا کیا اور خود اچھل کر درخت کی ایک قدرے مضبوط شاخ پر چڑھ کر کھڑا ہو گیا۔

"مجھے بھی درخت پر چڑھنا ہے۔" جنت نے گردن اوپر کرتے منہ بسور۔

"وہیں کھڑی رہو یا جا کر گاڑی میں بیٹھو۔" شیر نے اسے گھورا۔ جنت گردن نفی میں ہلاتی پیر پٹھنے لگی۔

"مجھے بھی اوپر لے کر جاؤ۔" وہ ضد کرنے لگی۔

"ڈیرن اس لٹل وچ کو ضد کرنے دو تم میری فوٹوز لو۔" شیر نے ڈیرن کی جانب دیکھا۔ ڈیرن نے مسکراہٹ دبا کر اثبات میں گردن ہلائی اور چند قدم پیچھے ہٹا۔ جنت احتجاجی انداز میں اچھلتی وہیں گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔

"تم بہت برے ہو شیر۔" وہ وہیں بیٹھے گردن اوپر اٹھائے شیر کو کہہ رہی تھی۔ ڈیرن اور شیر اس سے بے نیاز تصویریں بنانے میں مگن تھے۔

"مجھے بھی تصویر بنانی ہے نا!" وہ چلائی۔ شیر نے تپ کر اسے دیکھا اور نیچے کود گیا۔

"کیسے چڑوگی تم اوپر؟" شیر نے درخت کی طرف اشارہ کیا۔

"تم تو کچھ بھی کر سکتے ہو نا مجھے بھی اوپر لے کر جاؤ۔" وہ منمنائی۔

"little witch..you are a big trouble!"

وہ اس کی پونی کھینچ کر غصے سے بولا۔ وہ اسے بری طرح زچ کر دیتی تھی۔

شیر گھٹنوں کے بل جھکا اور اسے اپنی پیٹھ پر چڑھنے کا اشارہ کیا۔

"گردن کو مت چھوڑنا۔ گری تو ساری ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔" وہ خوشی خوشی گردن ہلاتی اس کی پیٹھ پر چڑھی اور

اپنے بازو اس کی گردن کے گرد جمائل کیے۔ ڈیرن خاموشی سے ان کو

دیکھے گیا۔ شیر نے جوں ہی چھلانگ لگائی۔ جنت کی چیخ بلند ہوئی۔

"چلاؤ مت لٹل وچ میں تمہیں پھینک دوں گا۔" اس نے جنت کو جھڑکا

اور مزید تین چھلانگیں لگاتا شاخ تک جا پہنچا۔ جنت چھپکلی کی مانند اس کی

پیٹ سے چمٹی ہوئی تھی۔

"چلو اب اترو۔"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"ہاتھ پکڑ کر اترو میرا۔ تمہیں لا کر میں نے غلطی کر دی۔" وہ غصے سے کہتا اسے احتیاط سے شاخ پر بٹھاتے ہوئے بولا۔ وہ خوف زدہ سی اس کا ہاتھ پکڑے شاخ پر بیٹھی تھی۔ شیر بھی شاخ پر بیٹھ گیا۔

"ڈیرن ریڈی ہو؟"

"ہاں ماسٹر! ڈیرن نے کیمرہ سنبھال لیا۔ شیر نے جنت کی طرف دیکھا جو خوف زدہ تھی۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"ڈرو مت میں تمہیں گرنے نہیں دوں گا۔" شیر نے عام سے لہجے میں کہتے ڈیرن کی جانب دیکھا۔ جنت اس کا ہاتھ پکڑے خود بھی کیمرے کی جانب دیکھنے لگی۔ ڈیرن نے ان کی تصویر اتاری۔ شیر اسی طرح اسے دوبارہ نیچے لایا تو اس کی رکی ہوئی سانس بحال ہوئی۔

"تمہیں ڈر نہیں لگتا؟ تم کیسے کرتے ہو یہ سب؟" وہ متاثر سی بولی۔

"کیوں کہ میں کر سکتا ہوں۔"

"کیسے؟" جنت کار میں سوار ہوتے ہوئے بولی۔

"اور تم نے ہیزیل کے سامنے کیوں کہا کہ تم میرے فرینڈ نہیں ہو؟"

"کیوں کہ میں نہیں ہوں۔" شیر نے اسے گھورا۔

"ہو۔" جنت نے اسے دوبارہ مکارسید کیا۔

"یہ چوتھی دفعہ تھا آج۔" شیر نے اس کی پونی کھینچی۔

"آہ میرے بال مت نوچو۔" وہ بری طرح چلائی اور رونے لگی۔ شیر نے

بیزاری سے اس کی جانب دیکھا۔

"Annoying witch" ..

"اب اپنی شکل مت دکھانا مجھے۔"

وہ غصے سے بولا۔ جنت منہ بسور کر رہ گئی۔



شام کے چھ بجے کا وقت تھا۔ سورج پوری طرح چھپ گیا تھا۔ ہواؤں کی خنکی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ گرین مینشن کے عقبی لان کا منظر تھا۔ جوزف کائنیتی ٹانگوں سے ایک جانب کھڑا لان میں نگاہیں دوڑا رہا تھا۔ اس کا ہاتھ بار بار پتلون میں اڑسی بندوق پر جا ٹھہرتا۔ اس خنکی بھری شام میں بھی اس کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ تبھی جنت دبے دبے قدموں پچھلی جانب سے عقبی لان میں داخل ہوئی۔ یہ وہ پل تھا جب جوزف کا سانس تھم کر رہ گیا۔ اسی پل بریرہ بھی اپنی بالکنی سے جھانکتی دکھائی دی جوں ہی اس کی نگاہ جنت پر پڑی۔ اس کا چہرہ سفید پڑنے لگا۔

"جنت۔۔۔" وہ حلق کے بل چلائی تھی۔

شیر اس وقت اپنا اسکیٹ بورڈ لیے نیچے جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ بریرہ کی چیخ سن کر بھاگتا ہوا بالکنی تک آیا۔ اس نے الجھن آمیز نگاہوں سے نیچے جھانکا اگلے ہی پل شیر کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں اترتی دکھائی دیں وہ ایک پل ضائع کیے بغیر اوپر سے کود گیا تھا۔ اس کی چھلانگ پر بریرہ کی ایک اور چیخ بلند ہوئی تھی۔ شیر کسی چیتے کی مانند چھلانگیں لگاتا لان میں آیا اور ایک لمحے کی ہچکچاہٹ کے بغیر سانپ پر جھپٹ گیا تھا۔ اس کے جھپٹنے پر جنت کی جانب بڑھتا سانپ شیر کی گردن سے چمٹ گیا۔ جنت چیختی ہوئی ایک جانب دوڑی۔ بریرہ بھی بوکھلائے انداز میں نیچے کی جانب دوڑی تھی۔ شیر پوری قوت سے اس سیاہ سانپ کو گردن سے ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"فائر کرو مارو سانپ کو۔" ڈیرن سب کی چیخ و پکار سنتا قریب آیا۔

"میرا نشانہ اتنا اچھا نہیں گولی ماسٹر کو لگ سکتی ہے۔" جوزف باقاعدہ روتے ہوئے بولا۔ شیر نے سانپ کو گردن سے پکڑا ہی تھا جب سانپ نے شیر کی گردن کی پشت پر ڈنگ مارا۔ شیر کراہ کر مچلا لیکن سانپ پر گرفت مضبوط رکھی۔ وہ پوری قوت سے اس سانپ کو خود سے دور ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ڈیرن اور دیگر محافظ احتیاط سے بندوقیں سنبھالتے قریب آرہے تھے۔ لیکن شیر کی وجہ سے کوئی بھی فائر نہیں کر رہا تھا۔ شیر کی آنکھوں میں دھندلاہٹ چھانے لگی۔ لیکن وہ ہار نہیں مانا۔ وہ مسلسل سانپ پر لاتیں چلاتا اپنی انگلیوں سے اسے دور کر رہا تھا آخر کار وہ خود کو سانپ کی پکڑ سے آزاد کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے جسم کو ایک زوردار جھٹکا دے کر سانپ کو دور پھینکا۔ سانپ کئی فٹ دور جا کر گرا۔ سانپ کے شیر سے دور ہٹتے ہی فائر کھول دیے گئے۔ سانپ

کو گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا تھا۔ شیر لڑکھڑا کر اٹھا اور اگلے ہی پل دوبارہ گر گیا۔ اسے سانپ نے دو دفعہ دُسا تھا۔ محافظ پوری رفتار سے شیر کی جانب دوڑے تھے۔

جنت ایک جانب ماں سے لپٹی بری طرح رو رہی تھی۔ بریرہ کا چہرہ خوف سے سفید پڑا ہوا تھا۔



"مجھے ماردیں گے بگ باس! وہ آ رہے ہیں میڈم۔ میں کیا کروں؟" جوزف بری طرح رو رہا تھا۔ بریرہ پریشانی سے انگلیاں چٹختی ہال میں چکر کاٹ رہی تھی۔ جوزف قریب کھڑا گڑ گڑا رہا تھا۔

"سب آپ کی غلطی ہے آپ کو بے بی کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔"

"بکواس بند کرو میں اسے کمرے میں سوتا ہوا چھوڑ کر آئی تھی۔ پتا نہیں کیسے نکل کر وہاں جا پہنچی۔"

"کیا وہ بچ چائے گا؟" بریرہ نے بوکھلائے انداز میں سوال کیا۔

"میں ڈاکٹر کی باتیں سن کر آیا ہوں ان کا کہنا تھا کہ اس سانپ کے کاٹنے کے کچھ سیکنڈ بعد ہی انسان مر جاتا ہے لیکن وہ چھ گھنٹے گزر چکے ہیں اور شیر کی سانسیں معمول پر آچکی ہیں اس کے ہوش میں آنے کا انتظار ہے۔ شاید وہ مفلوج ہو جائے یا۔۔۔ پلیز کچھ کریں میڈم مجھے بگ باس زندہ نہیں چھوڑیں گے۔" وہ گھبراہٹ بھرے لہجے میں بولا۔

"انجان بن جانا۔ کہہ دینا تمہیں کچھ نہیں پتا۔" بریرہ تپ کر بولی۔ اس کے ذہن میں بار بار وہ منظر تازہ ہو رہے تھے۔ وہ مزید خوف زدہ تھی۔ جنت شام سے فقط روئی جا رہی تھی اور پھر اسے تیز بخار چڑھ گیا تھا۔ پھر اس

نے جنت کو سکون کی دوائی دے کر سلا دیا تھا لیکن وہ خود سکون کی سانس نہیں لے پارہی تھی۔ کچھ دیر بعد ہی عمش اور گولڈن یہاں پہنچنے والے تھے اور یہاں موجود تمام ملازمین سمیت محافظ اور دیگر عملے کی سانس گلے میں اٹکی ہوئی تھی۔

شیر اپنے کمرے میں پلنگ پر بے سدھ پڑا تھا۔ اس کا خوبصورت معصوم چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں ڈرپ لگی تھی۔ گردن کی پشت پر بینڈج تھی۔ بھورے بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ ڈاکٹرز کی ٹیم ایک جانب کھڑی مختلف کاغذات دیکھ رہی تھی۔ اس کا کمرہ اس وقت کسی ہسپتال کا کمرہ لگ رہا تھا۔ مختلف مشینیں فٹ تھیں۔ منہ پر آکسیجن ماسک لگا ہوا تھا۔ ڈیرن چہرے پر فکر مندی سجائے لب چبارہا تھا۔ تب ہی بھاری جوتوں کی آواز قریب آتی دکھائی دی۔ سب

سے پہلے کمرے میں گولڈن فاکس داخل ہوا تھا۔ اس کا چہرہ معمول کے مطابق ڈھکا ہوا تھا۔ لیکن تاج نہیں تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہوتے ہی

سب سے پہلے شیر

کی جانب لپکا تھا۔

"کیا اسے ہوش آگیا ہے؟" وہ پلنگ پر جھکا اور اس کی آنکھوں کے پپوٹے

اٹھاتے ہوئے سوال کیا۔

"ابھی تک نہیں آیا۔ لیکن پلسز نادل ہیں۔" ڈاکٹر نے مودب لہجے میں

جواب دیا۔

گولڈن فکر مند انداز میں شیر کا چہرہ دیکھتا رہا۔ عمش بھی ڈاکٹر سے

سوالات کر رہا تھا۔

"کیا چانسز ہیں؟ رپورٹس کیا ہیں؟"

"یہ بالکل الگ قسم کا کیس ہے سر! جس سانپ نے اسے کاٹا ہے وہ سانپ خطرناک قسم کا زہر رکھتا ہے جو چند سیکنڈ کے اندر ہی خون کو جما کر انسان کی جان لے لیتا ہے لیکن حیرت انگیز طور پر اس بچے کا سسٹم نارمل ہے لیکن کیوں کہ یہ چھ گھنٹے سے گہری نیند میں ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ شاید زہر کا اثر ہے۔ پہلا خیال یہ تھا کہ شاید سانپ میں زہر نہ ہو لیکن سانپ نے اسے دو دفعہ ڈسا ہے اور ایک دفعہ تو زہر ضرور باڈی میں داخل ہوا ہے۔ ابھی ہم کچھ کہہ نہیں سکتے ہمارے مشاہدے غلط بھی۔"

اسی پل شیر نے بازو کو حرکت دی جس کے باعث اس کی ڈرپ کی نالی ہلتی دکھائی دی۔ سب نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ گولڈن فوراً اسکی جانب لپکا۔

"مائے بوائے۔۔" اس نے قریب بیٹھتے ہوئے اس کے بال سہلائے۔ شیر نے آنکھیں کھولتے آس پاس کا منظر دیکھا اور ماسک ہٹاتا پلنگ پر اٹھ بیٹھا۔ اس کا ہاتھ اپنی گردن کی پشت پر گیا۔

"آہ۔۔ ذلیل سانپ۔۔ میری گردن سن ہو رہی ہے۔" وہ اونچی آواز میں بڑبڑایا۔

عمش سمیت تمام لوگ منہ کھولے حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

"تم ٹھیک ہو؟" گولڈن نے نرمی سے سوال کیا۔

"آئسکریم!" وہ چڑچڑے انداز میں بولا۔

ڈیرن دوڑتا ہوا باہر کی جانب بھاگا۔

"ماسٹر ڈاکٹر۔۔"

"مجھے کوئی چیک اپ نہیں کروانا۔ن۔ اور تم کیسے اتنے گھٹیا اور ڈھیٹ قسم کے سانپ اس گھر میں رکھ سکتے ہو؟" وہ عمش کی جانب دیکھ کر تلخی سے بولا۔ اب وہ گولڈن کے سامنے کیا بتاتا کہ یہ سانپ بچھو جیسے جانوروں کے زہر کی خرید و فروخت کا کام بھی کرتے ہیں۔۔ سو فقط خون کے گھونٹ بھر کر رہ گیا۔ ڈیرن اس کی آسکریم کا باؤل لیے اس کے قریب آیا تو اس نے بے صبرے پن سے آسکریم پکڑی اور لجاجت سے کھانے لگا۔ گولڈن فکس آنکھوں میں پسندیدگی اور چمک لئے اسے دیکھتا گیا۔

"کیا اب سب یوں ہی میرے سر پر کھڑے رہ کر مجھے گھورتے رہیں گے؟" شیر نے کھاتے کھاتے گردن اٹھا کر معصومیت سے سوال

کیا۔ گولڈن ماسک کے پیچھے سے مسکراتا اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے بال سہلاتا باقی سب کو اشارہ کرتے باہر نکل گیا۔

"I m not letting you go lady..just wait and watch" ..

(میں تمہیں یوں ہی نہیں چھوڑوں گا خاتون۔۔ انتظار کرو اور دیکھتی جاؤ۔)
اس نے تصور میں بریرہ کو مخاطب کرتے کہا اور آئسکریم کھانے لگا۔

"Ouch... It hurts" ..

کھاتے کھاتے وہ کراہ اٹھا۔ اس کا ہاتھ اس کی گردن کی پشت پر گیا۔

"Little witch.. You are nothing but a troublesome" ...

(چھوٹی چڑیل تم مصیبت کے سوا کچھ نہیں ہو۔)

اس نے آئسکریم کا ایک اور چمچ لیا۔

"I wish I could let you die"

(کاش میں تمہیں مرنے دیتا۔)

"Ahh.. But no. 'You are my only friend"

(لیکن نہیں۔۔ تم میری واحد دوست ہو)

وہ آسکریم کے چچ کھاتے کھاتے خود سے باتیں کر رہا تھا۔

"I have to protect you.. Little witch" ..

(مجھے تمہاری حفاظت کرنی ہے چھوٹی چڑیل!)

☆☆☆☆☆

ہال کا ماحول کافی تناؤ بھرا تھا۔ وکیل پچھلے کئی منٹ سے شیر کے سامنے بیٹھے اسے سمجھا رہے تھے لیکن وہ دھیان دینے کو تیار ہی نہیں تھا۔ عمش بھی غصیلے تاثرات لئے قریب ہی ٹھل رہا تھا۔ گولڈن فاکس کے چہرے

پر سنجیدگی تھی لیکن اس نے ابھی تک شیر کو ڈانٹنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

"میتھیو تم کچھ دیر بعد اس سے بات کرنا"

"مجھے نہیں کرنی۔" شیر لاپرواہی سے بولا۔ اس کے چہرے پر غصہ آنکھوں میں عجیب سی خلش تھی۔

"مجھے واپس میرے بابا کے پاس جانا ہے۔" شیر نے ناگواری سے کہا۔ گولڈن نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"ٹھیک ہے عمش تمہیں تمہارے بابا سے ملانے لے جائے گا۔"

"میں واپس نہیں آؤں گا یہاں۔" اس کا لہجہ تلخ تھا۔

"کیوں واپس نہیں آؤ گے؟"

"کیوں کہ مجھے تم سب سے نفرت ہے۔" وہ میز کو لات رسید کرتا اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ عمش نے گردن گھما کر گولڈن فاکس کی جانب دیکھا۔ گولڈن نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں تسلی دی۔

"تمہیں میرے ساتھ ہی رہنا ہے کیوں کہ میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں۔" گولڈن نے پسند لفظ پر زور دیتے کہا اور عمش کو اشارہ کرتا ہال سے نکلا۔ عمش کے پیچھے وکیل بھی باہر کی جانب بڑھا تھا۔

"اسے اچانک کیا ہو گیا ہے؟" عمش نے نا سمجھی سے سوال کیا۔

"تم نے اپنا پہلا قتل کب کیا تھا عمش؟" گولڈن کوٹ کی جیبوں میں ہاٹھ ڈالے عام سے لہجے میں سوال کر رہا تھا۔

"دس سال پہلے۔" عمش نے یاد کرتے ہوئے جواب دیا۔

"تب تمہیں کیسا لگا تھا؟"

"اس کے بعد ایک سال تک مجھے نیند کی گولیاں استعمال کرنی پڑی تھیں۔۔۔ اوہ۔۔ میں سمجھ گیا۔" عمش یک دم کچھ سمجھتے ہوئے بولا۔

"بالکل وہ جتنا بھی غیر معمولی ہو لیکن ہے تو تیرہ سال کا بچہ ہی نا؟ اسے اب اس بات کو ماننے میں کچھ وقت لگے گا کہ اس سے کیا جرم ہوا ہے۔ خیر اسے میں سنبھال لوں گا۔" گولڈن کے لہجے میں اطمینان تھا اور دھیمی مسکراہٹ بھی۔ عمش بھی معنی خیزی سے مسکرایا تھا۔



جنت خاموشی سے کھڑی شیر کو چیزیں سمیٹتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ وہ اکثر ہی اپنا کمرہ خود صاف کیا کرتا تھا۔ اب بھی وہ ایک ایک چیز سمیٹ رہا تھا۔ "تم ٹھیک ہو؟" شیر نے سرسری نگاہ اس پر ڈالتے سوال کیا۔ "ہاں!" جنت وہیں اپنی کاپیاں لیے کھڑی رہی۔

"کیوں گئی تھیں تم سر کے ساتھ؟"

"انہوں نے کہا تھا۔"

"پہلے بھی کہا تھا تم سے ہر کسی کی بات نہیں سن لیا کرتے۔ جب باقی کلاس نہیں تھی تو تمہیں بھی نہیں جانا چاہیے تھا۔" شیر کا لہجہ خفگی بھرا تھا۔

"سوری!"

"یہ سوری مجھ سے نہیں خود سے کرو۔" شیر نے بیگ ایک جانب رکھتے اس کے ہاتھ سے کاپیاں اور کتابیں لے کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جنت پلنگ پر بیٹھ گئی۔

"کون سی ایکسر سائز ہے؟"

"مینٹل میٹھ!" جنت نے صفحہ نکالتے ہوئے کہا۔

"شروع کرو۔"

"تم بتاؤ نا!" جنت نے ہچکچاہتے ہوئے کہا۔

"میں نے تمہیں اس دن بھی سمجھایا تھا نا کیا کرو کوشش خود

سے۔۔ چاہے غلط بھی ہو لیکن کر کے دیکھو۔ جو غلط ہوگا وہ میں ٹھیک

کروادوں گا۔" شیر نے نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"کیا تم مجھ سے ناراض ہو شیر؟" جنت نے افسردگی سے سوال کیا۔

"نہیں!" شیر نے کمپیوٹر آن کرتے ہوئے کہا۔

"تو پھر تم نے مجھے آفسکریم کیوں نہیں دی۔" جنت نے معصومیت سے

سوال کیا۔

"جا کر لے آؤ۔" شیر نے کی بورڈ کے بٹن دباتے ہوئے کہا۔ جنت کتابیں

ایک طرف رکھتی وہاں سے اٹھ کر باہر نکل گئی۔ شیر مسلسل کمپیوٹر پر

کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ یہاں تک کہ آنکھیں بھی خاموش تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ اب اس کی زندگی کا ایک اور نیا باب کھلنے والا ہے۔ اور اسے ناچاہتے ہوئے بھی خود کو اس کے لئے تیار کرنا تھا۔ اس نے قریب رکھے لکڑی کے چھوٹے سے صندوق پر نگاہ ڈالی اور کئی پل اس صندوق کو دیکھتا رہا۔ پھر دوبارہ ٹائپ کرنے لگا۔ اسی دوران جنت آنسکریم کا باؤل لئے اس کے قریب آئی۔

"مام کہاں ہیں تمہاری؟"

"وہ گھر پر ہی ہیں۔ ڈیڈ واشنگٹن میں ہی ہیں نا اس لئے وہ باہر نہیں جائیں گی آج۔" اس نے آنسکریم کھاتے ہوئے بتایا۔

"تم آنسکریم کھانے کے بعد اس نوٹ کو پڑھو گی۔" شیر نے کمپیوٹر کی فائل کی جانب اشارہ کیا۔

"میرے لئے ہے؟" جنت پر جوشی سے بولی۔

"ہاں! پھر ہوم ورک ختم کرنے کے بعد گھر چلی جانا۔" شیر اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے بولا۔

"کہاں جارہے ہو تم؟" جنت نے سوال کیا۔ شیر نے جواب دیے بغیر اسے آنسکریم ختم کرنے کا اشارہ کیا اور کمرے سے نکل گیا۔ جنت نا سمجھی سے اس کا بدلہ رویہ سمجھنے کی کوشش ہی کرتی رہ گئی۔



"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" بریرہ شیر کو یوں ہال میں کھڑا دیکھ الجھ سی گئی تھی۔ وہ کبھی اس پورشن میں داخل نہیں ہوتا تھا۔

"مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" شیر کا لہجہ نرم تھا۔ بریرہ نے اسے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"جنت چھوٹی نا سمجھ اور اپنی عمر کے بچوں سے زیادہ معصوم ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنی عمر کے حساب سے آس پاس کے ماحول کو اس طرح نہیں جانا جیسے جانا چاہیے تھا۔ آپ اس کی ماں ہیں اور آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ اس پر زیادہ سے زیادہ توجہ دیں اور اسے دنیا کے بارے میں بتائیں۔" وہ سنجیدہ تھا۔ بریرہ الجھن اور حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

"اگر اس دن میں وقت پر اسے نہ ڈھونڈ لیتا تو اس کا ریپ ہو سکتا تھا۔" شیر نے کہا۔ بریرہ بے اختیار سیدھی ہوئی۔ اس کا چہرہ سرخ ہوا وہ بے یقینی سے شیر کی جانب دیکھتی اس کے الفاظ سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔

"ت۔۔ تو کیا۔۔"

"جی وہی ہوا تھا جو آپ سوچ رہی ہیں۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ کسی کے غلط ارادوں سے کیسے محفوظ رہنا ہے اور میں اس بارے میں اس سے بات نہیں کر سکتا۔ آپ بہتر طریقے سے ڈیل کر سکتی ہیں۔" وہ سمجھداری سے کہہ رہا تھا۔ اس کی سمجھداری اور سنجیدگی نے ایک بار پھر بریرہ کو بری طرح متاثر کیا۔ وہ منہ کھولے شیر کی جانب دیکھتی رہی۔

"اور مجھے امید ہے یہ بات آپ اپنے اور میرے درمیان ہی رکھیں گی۔" شیر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ بریرہ کی آنکھیں بھگنے لگیں۔ دل میں یک دم پچھتاوا اور افسوس کے احساسات نے جنم لینا شروع کیا۔

"میں کیس ختم ہوتے ہی یہاں سے چلا جاؤں گا۔ پر ایک بات اور ہے جو کہنا چاہتا ہوں میرے بابا کہتے تھے لڑکیوں کی نازک مزاج اور شہزادیوں

کی طرح پرورش ہونا زیادہ ضروری نہیں ہے جتنا انھیں مضبوط اور خود اعتماد بنانا ضروری ہے۔ "شیر کہہ کر جانے لگا۔

"رکو۔۔" بریرہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ شیر رک کر سوالیہ انداز میں اس کی جانب دیکھنے لگا۔ بریرہ گال پر بہتے آنسو صاف کرتی اس کے قریب آئی اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ شیر نے الجھ کر اس کی جانب دیکھا۔

"ک۔۔ کیا تمہاری کوئی بہن یا فیملی وغیرہ بھی تھی؟" بریرہ نے بے ربطگی سے سوال کیا۔

"نہیں۔ لیکن میرے بابا ہیں۔ میں اور بابا ہمیشہ آس پاس کے عام مسائل کے بارے میں باتیں کرتے تھے۔ انھیں بیٹیاں بہت پسند ہیں لیکن میری کوئی بہن نہیں ہے۔" اس نے تحمل سے جواب دیا۔

"پر میں جانتا ہوں آپ نے میرا ہاتھ یہ سوال کرنے کے لیے نہیں پکڑا ہے۔" شیر نے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔ بریرہ پل بھر کو ہچکچائی پھر آنسو صاف کرنے لگی۔

"بہت شکریہ۔ بہت بہت شکریہ! میں تمہارے بارے میں بہت غلط تھی۔ مجھے معاف کر دو۔" اس کے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

"میرا نہیں خیال کہ ایک انسان کی جان لینے کے بعد آپ معافی کے لائق ہیں مجھے آپ بالکل بھی پسند نہیں ہیں۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کر باہر کی جانب بڑھ گیا۔ بریرہ ساکت سی وہیں کھڑی رہ گئی۔ اس کا دل ملال کے گہرے سمندر میں ڈوبنے لگا تھا۔ پہلا خیال اسے جوزف اور پھر جنت کا آیا تھا وہ بے اختیار دوسرے حصے کی جانب بڑھی تھی۔



جنت اپنی آنکھوں میں معصومیت کا عکس لئے شیر کو دیکھ رہی تھی۔ شیر ایک ڈبا کھولے کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ جنت کے چہرے پر الجھن بھی تھی۔ خوف بھی تھا۔ ہچکچاہٹ اور ایک عجیب سا سکوت جیسے کسی بات کا ڈر اس کے دل میں بھر گیا ہو۔

"ہاں یہ رہا۔" شیر ہاتھ میں دو چیزیں لیے اٹھا۔ جنت قریب چلی آئی اور متجسس انداز میں اس کے ہاتھ دیکھنے لگی۔

"یہ ایک چھری ہے دیکھو یہ اس طرح کھلتی ہے۔ یہ کھیلنے کے لئے نہیں ہے سمجھ گئیں۔ یہ دیکھو یہ ایسے اس ہک کو ایک طرف کروگی تو یہ کھل جائے گی۔ اس کی خاص بات یہ ہے کہ تم اسے ہر وقت اپنے ساتھ رکھ سکتی ہو یہ بہت چھوٹا ضرور ہے لیکن اس کی شارپنس کا جواب نہیں۔" اس نے کہتے ہوئے جنت کے ہاتھ میں چھری دی۔ جنت نے شیر

کے بتائے طریقے سے اسے کھولنے کی کوشش کی کچھ کوششوں کے بعد
چھری کھل گئی۔ جنت پر جوشی سے مسکرائی۔

"گڈ گرل! اور یہ دیکھو یہ شاٹس دیتی ہے۔ یہ دکھنے میں تو پین ہے لیکن
اسے یہاں سے دباؤگی تو نب سے کرنٹ نکلے لگا۔ کبھی خود پر ٹرائے مت
کر لینا۔ یہ تمہاری حفاظت کے لئے ہیں۔" شیر نے نرمی سے کہا۔

"تم یہ مجھے دے رہے ہو؟" جنت نے سوال کیا۔

"ہاں! انھیں کبھی گھمانا مت۔" شیر نے ہدایت دی۔ جنت نے اثبات میں
گردن ہلائی۔

"جنت تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" اسی پل عیش اور وکیل میتھیو ہال میں
داخل ہوئے۔

"شیر کے پاس آئی تھی میں۔۔" وہ سادگی سے کہتی ہال سے باہر نکل گئی۔ عمش نے گردن گھما کر اپنی بیٹی کی جانب دیکھا اور پھر شیر کی جانب ناگوار ڈالی۔ شیر لا پرواہی سے صوفے پر جا بیٹھا تھا۔ وکیل میتھیو بھی کاغذات کھولے کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔

"ہمیں یہ معاملہ جلد از جلد حل کرنا ہے اور تمہارا تعاون ضروری ہے۔" "میں تیار ہوں۔" شیر خوش دلی سے بولا۔ عمش اور میتھیو نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ دو دن پہلے تو وہ ایک لفظ سننے کو تیار نہ تھا۔ اب اچانک مان جانا عمش کو پھر الجھا گیا۔ عمش نے ذہن میں اسے قائل کرنے کی کئی دلیلیں طے کر رکھی تھیں اور اس کے پہلے جملے پر ہی اس کی رضامندی نے اسے واقعتاً زچ کر دیا تھا۔

"تو پھر۔ خیر۔۔ چھوڑو جانے دو۔ مسٹر میتھیو آپ اسے سمجھا دیں۔" عمش ہاتھ جھلاتا قریبی صوفے پر بیٹھ گیا۔ اسی دوران ڈیرن شیر کے لئے آسکریم لے آیا۔

"شکریہ ڈیرن!" شیر مسکرایا۔ اس کا انداز ڈیرن کے لئے نرم اور مودب تھا۔ عمش نے چونک کر ڈیرن کی جانب دیکھا۔

"کیا یہ تمہیں تنگ نہیں کرتا؟" عمش براہ راست ڈیرن کی جانب متوجہ ہوا۔ اس کی بات پر وکیل میتھیو نے بھی گردن اٹھا کر ڈیرن کی جانب دیکھا جیسے وہ بھی جاننا چاہتا ہو۔ شیر اثر لئے بغیر پرسکون سا آسکریم کھا رہا تھا۔

"نہیں۔ اکثر تو نہیں لیکن جب ماسٹر برے موڈ میں ہو تو مجھے کافی مشکل ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود بھی یہ ناقابل یقین اور بہت پیارا لڑکا ہے۔"

ڈیرن جو شیر کے قریب ہی کھڑا تھا اس کے بال سہلاتے ہوئے بولا۔ اس کی بات پر شیر نے گردن اٹھا کر ڈیرن کے ساتھ ایک دلکش مسکراہٹ کا تبادلہ کیا تھا۔ عمش نے گردن جھٹک کر وکیل کو اشارہ کیا۔ ڈیرن کی بات نظر انداز کر دی گئی تھی۔ شاید وہ کچھ بری باتوں کی توقع کر رہا تھا۔

"ماسٹر شیر۔۔"

"میں نے موویز میں دیکھا ہے پولیس انکوائریز اور کورٹ ٹرائلز میں ایسے مخاطب نہیں کیا جاتا۔" شیر نے اعتراض اٹھایا۔

"مسٹر شیر فاکس۔۔"

"وہاٹ نان سینس۔۔" شیر بدک کر اٹھا اور وکیل کے ہاتھ سے کاغذات چھینے۔

"میرا نام شیر بابر خان ہے۔" وہ تپا ہوا تھا۔
"یہاں میرا سر نیم فاکس کیوں ہے؟" وہ ناگواری سے عمش کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"کیوں کہ وہ تمہارے سر پرست ہیں۔"

"بکواس مت کرو۔" وہ درشتی سے بولا۔

"تمیز کے دائرے میں رہو لڑکے۔" عمش ضبط سے کام لیتے ہوئے

بولا۔ شیر نے ایک تلخ نگاہ عمش پر ڈالی اور کاغذات میز پر پٹخ دیے۔

"آئیندہ کبھی میرے نام سے میرے بابا کا نام مت ہٹانا۔" وہ غرا یا

"لیکن۔۔"

Shat up and go ahead.. Use my name only.. It's sher" ..

شیر حقارت سے کہتا دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ عمش جبراً بھینچ کر رہ گیا تھا۔ اس کی آنکھیں غصے کی شدت سے سرخ تھیں۔

"آئیندہ اس لہجے میں۔۔"

"میں ہر کسی سے اسی طرح بات کرتا ہوں جیسے مجھ سے کی جاتی ہے۔ میں "give and take" کے فارمولے پر چلتا ہوں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری عزت کروں تو پہلے میری عزت کرو۔ اب یہ مت کہنا کہ میں ایک بچہ ہوں یا تم بڑے ہو۔ ایسا کسی کتاب میں نہیں لکھا کہ بچوں کی کوئی عزت یا عزت نفس نہیں ہوتی۔" وہ لاپرواہی سے کہتا ایک بار پھر عمش کو دنگ کر گیا۔ وہ لاجواب کرنے میں ماہر تھا۔ اس کی حاضر

جوابی ناقابل یقین تھی۔ اس سے یقیناً بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ عمش ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا تھا۔



وہ اطمینان سے کمرہ عدالت میں کھڑا جج کے تاثرات ملاحظہ کر رہا تھا یہاں آنے سے قبل وکیل نے اسے اچھی طرح برین واش کیا تھا۔ لیکن اس کے ذہن میں کیا چل رہا تھا اس وقت کچھ بھی کہنا مشکل تھا۔ عمش حاضرین میں بیٹھا بار بار بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔ اسے ابھی بھی یقین نہیں تھا کہ شیر ان کے مطابق کوئی بیان دے گا۔ جانے کیوں اس بچے سے وہ کبھی مطمئن نہیں ہوتا تھا۔ شیر کی آس پاس موجودگی، اس کی باتیں، دیکھنے کا انداز ہر ایک چیز عمش کو بے چین کرتی تھی۔ اس وقت بھی تمام لوگوں کی

توجہ شیر پر تھی۔ جبکہ شیر جج کو دیکھ رہا تھا۔

"He must be so powerfull" ..

میں نے پہلے کبھی قانون کے بارے میں کیوں نہیں پڑھا! کیا یہ بیٹھا شخص تمام فیصلے کرتا ہوگا؟ کتنا دلچسپ ہے یہ! موویز میں اتنا دلچسپ نہیں لگتا۔ یہاں سے جانے کے بعد مجھے یقیناً اس بارے میں پڑھنا چاہیے۔" وہ دل ہی دل میں خود سے مخاطب تھا۔ اس بات سے لا پرواہ کہ وہ قتل کے جرم میں کمرہ عدالتی کاروائی کے زیر نظر ہے۔

"کیا تم نے اس پر حملہ کیا؟" جج نے نرمی سے سوال کیا۔ شیر نے حاضرین میں بیٹھے عمش اور ڈیرن کی جانب دیکھا۔ عمش نے نفی میں گردن ہلائی۔ شیر نے اسے نظر انداز کیا۔

"ہاں میں نے کیا۔ میں نے بیچ اٹھا کر اس کے سر پر دے ماری۔" شیر نے اعتماد سے کہا۔ عمش نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔ وکیل کا منہ کھلا رہ گیا۔ کیا اس کی تمام باتیں دھری کی دھری رہ گئیں تھیں۔

"تم نے ایسا کیوں کیا؟" وہ میرا رپ کرنا چاہتا تھا۔ "شیر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ کمرہ عدالت میں سناٹا چھا گیا۔ عمش نے تھکن زدہ سانس خارج کرتے ڈیرن کی جانب دیکھا۔

"لیکن تمہارا وکیل کچھ اور کہہ رہا ہے تمہاری عمر کیا ہے؟" جج کو اچانک ہی اس پر اسرار لڑکے میں دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔

"وکیل جھوٹ بول رہا ہے کہ میں نے نہیں کیا۔ میں نے کیا ہے۔ مجھے یہی کرنا چاہیے تھا۔ تو کیا کرتا میں اسے اپنا ریپ کرنے دیتا؟ میں نے جو کیا سیلف ڈیفنس میں کیا۔"

Yes.. I killed him because I have to...how could he do that to me..even I have no regrets at all..

مجھے فخر ہے خود پر کہ میں نے اسے قتل کر دیا ایسے انسان کو جینے کا کوئی حق نہیں جو بچوں کے ساتھ ایسی حرکت کرنے کی کوشش کریں اور پلیز مسٹر جج۔ اسے میرا استاد مت کہیں۔۔ یہ استادوں کی بے عزتی ہے۔۔ "وہ اعتماد سے کہہ رہا تھا۔ جج سمیت تمام لوگ اسے منہ کھولے تک رہے تھے۔ جبکہ عمش سر پکڑے بیٹھا تھا۔"

"اس لڑکے کو سنبھالنا اتنا مشکل کیوں ہے؟" وہ بڑبڑایا۔ شیر نے عمش کی جانب دیکھا۔ عمش نے اسے سخت نگاہ سے گھورا۔ شیر ناک چڑھا کر دوبارہ حج کی جانب متوجہ ہو چکا تھا۔ عمش کا دل چاہا اپنے آپ کو یہیں ختم کر لے۔ لیکن وہ یہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اسے ابھی سے خوف آنے لگا تھا۔ بھلا وہ مستقبل میں کیسے اس لڑکے کو جھیل پائے گا؟



"ہمیں جانا ہو گا۔ باقی سب عمش دیکھ لے گا۔" گولڈن فاکس نے آج بھی اسے کچھ نہیں کہا تھا اور آج پھر عمش بھنا کر رہ گیا تھا۔
 "کہاں؟" شیر کے ہاتھ میں اس وقت بھی آئسکریم باؤل تھا۔ چیچ کو وہ عادتاً باؤل پر مار رہا تھا۔

"روس۔۔"

"You mean Russia? Your country"?

"Yes! My country" ..

گولڈن نرمی سے کہہ رہا تھا۔

"تم مایوس نہیں ہو؟"

"میں مایوس کیوں ہوں گا؟" گولڈن فاکس نے ہنستے ہوئے سوال کیا۔

"I am proud of you"!

"Really"?

شیر بھی ہنس دیا۔

"میں اپنے بابا سے ملنا چاہتا ہوں۔" شیر نے اطمینان سے کہا۔ عمش ٹھنڈی

آہ بھر کر رہ گیا گولڈن نے گہری سانس لے کر اثبات میں گردن ہلائی۔

"ٹھیک ہے۔ عمش کیا تم سنبھال لو گے سب؟"

"ایس باس!" عمش نے مودب انداز میں گردن ہلائی۔ شیر کی آنکھیں
چمک اٹھیں تھیں۔



جنت بے چینی بھرے اور بوکھلائے انداز میں ڈیرن کو دیکھ رہی
تھی۔ ملازم شیر کا سامان نکال کر پیک کر رہے تھے۔ شیر بھی وہیں کھڑا
تھا۔

"تم بتاؤ ناکتنے دن کے لئے جارہے ہو؟"
"کبھی واپس نہیں آؤں گا۔" شیر نے آہستگی سے کہا۔ جنت نے بے یقینی
سے اس کی جانب دیکھا اور نفی میں گردن ہلائی۔
"جھوٹ مت بولو۔" وہ ناگواری سے بولی۔ اس کی آنکھوں میں خوف تھا۔

"میں جھوٹ نہیں بول رہا۔" شیر نے اس کی جانب دیکھا۔ جنت بے یقینی اور صدمے کی حالت میں تھی۔ شیر کئی لمحے اس کا چہرہ دیکھتا رہا لیکن اس کے تاثرات جاننا مشکل تھا۔ اس نے پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک چھوٹا سا کاغذ نکال کر جنت کی طرف بڑھا دیا۔ جنت نے کاغذ کو دیکھا اور پھر شیر کو۔ جیسے اب بھی صورتحال کو ماننے سے اس کا دل انکاری ہو۔

"یہ میرا ای میل ایڈریس ہے۔" شیر نے کہا۔ جنت نے فوراً کاغذ پکڑ لیا۔

"تم سچ میں جارہے ہو؟" جنت نے کاغذ کی جانب دیکھتے کہا۔ اس کا لہجہ مرجھایا اور آواز دھیمی تھی۔

"ہاں!" شیر نرمی سے کہہ کر ہال سے باہر جانے لگا۔ جنت بھی اس کے پیچھے لپکی تھی۔

"مت جاؤ پلیز!" جنت نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے التجائی انداز میں کہا۔

"وہاں فوارے کے پاس تمہاری پسندیدہ مچھلی میں نے باؤل میں ڈال دی ہے اسے تم اپنے روم میں رکھ سکتی ہو۔" شیر نے فوارے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے نہیں چاہیے تم مت جاؤ۔" اس نے شیر کا بازو ہلاتے ہوئے کہا۔
"میں ہیلی کاپٹر میں سفر کروں گا۔ وہاں سے آسمان کی تصویریں لے کر تمہیں ای میل کروں گا۔" شیر نے دوبارہ اس کی بات نظر انداز کرتے ہشاش بشاش لہجے میں کہا۔

جنت اس کی بات نظر انداز کر گئی۔ اس کے آنسو بہنے لگے۔ وہ ریلنگ پر سرٹکائے با آواز رونے لگی۔ شیر نے نچلا لب دانتوں میں دباتے اس کی جانب دیکھا۔

"رونا بند کرو۔ تم ایک اسٹرونگ لڑکی ہو اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر نہیں روتے۔"

"یہ چھوٹی بات نہیں ہے۔" وہ خفگی سے چلائی۔ رونا ہنوز جاری تھا۔
 "اگر روتی رہو گی تو کبھی دوبارہ نہیں ملوں گا تم سے۔" شیر نے اسے دھمکایا۔ جنت نے فوراً سر اٹھا کر شیر کی جانب دیکھا۔
 "میں نہیں رو رہی۔ مجھے بتاؤ کیا تم کچھ دن بعد واپس آؤ گے۔" وہ امید بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔
 "ماسٹر! نیچے گاڑی تیار ہے۔ عمش صاحب انتظار کر رہے ہیں۔" ڈیرن اس کا بیگ پیک لے آیا۔ جنت کا دل ڈوبنے لگا۔ شیر جنت کی جانب دیکھتا رہا۔
 "I m gonna miss you so much,little witch"!

"اپنا خیال رکھنا۔" شیر نے اس کا سر سہلایا اور راہداری کی جانب بڑھا۔ جنت کے آنسو پھر بہنے لگے۔ وہ تیز قدموں سے شیر کے پیچھے دوڑی تھی۔ اس کا ننھا سا دل بڑی طرح دھڑک رہا تھا۔ خوف اور بے بسی نے سارے جسم پر قبضہ جمالیا تھا۔



"ڈیڈ! میرے شیر کو کہاں لے جا رہے ہیں؟" وہ بری طرح روتی شیر کی ٹانگ سے لپٹی ہوئی تھی۔ عمش شرمندگی سے سرخ چہرہ لیے اپنی بیوی کو اشارہ کرنے لگا۔

"جنت! بیٹا چھوڑو اس کا پیر۔"

"نہیں۔۔ یہ روس نہیں جائے گا۔ یہ یہیں رہے گا یہ میرا دوست ہے۔۔ میں اسے کہیں بھی نہیں جانے دوں گی۔۔ پلیز شیر مت جاؤ۔"

شیر خاموشی سے سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

"جنت میں نے کہا چھوڑو اسے۔۔"

"نہیں۔۔ یہ کہیں نہیں جائے گا۔۔ میرا ہوم ورک کون کرائے گا پھر۔۔ مجھے فائننگ کون سکھائے گا؟ نہیں۔۔ میں اسے کہیں نہیں جانے دوں گی۔۔ شیر مت جاؤ پلیز۔ ڈیڈ میرے شیر کو نہیں لے کر جائیں۔۔ پلیز اسے مت لے کر جائیں۔" جنت نے پورا مینش سر پر اٹھا رکھا تھا۔ آس پاس ڈیرن سمیت دیگر ملازم نم نگاہوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

"جنت۔۔ چھوڑو اسے۔۔" عمش نے جنت کو کھینچ کر اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ شیر کی ٹانگوں سے بری طرح لپٹی ہوئی تھی۔

"آرام سے اسے چوٹ لگ جائے گی۔" شیر نے سرد مہری سے کہا۔

"تم اپنا منہ بند رکھو۔" عمش دبے دبے غصے سے بولا۔

"اٹھو جنت۔" شیر نے عمش کو نظر انداز کرتے جنت کو حکم دیا۔

"پہلے پرومیں کرو کہیں نہیں جاؤ گے۔"

"اٹھو جلدی۔" اس نے اسے جھڑکا۔ وہ منہ بسورتی اپنی جگہ سے اٹھی۔

"پیچھے ہٹو۔" شیر نے اسے ایک اور حکم دیا۔ وہ روتی ہوئی چند قدم پیچھے

ہٹی۔ شیر اپنا بیگ لیے آگے بڑھنے لگا۔ جنت چیختی ہوئی اس کے پیچھے لپکی

لیکن عمش نے اسے سختی سے پکڑ لیا۔

"شیر۔" وہ بری طرح رورہی تھی۔ شیر نے کار میں سوار ہوتے ہوئے

پل بھر کو پلٹ کر روتی ہوئی جنت کو دیکھا اور بے دلی سے کار میں سوار

ہو گیا۔

"پلیز مت جاؤ نا!" وہ بری طرح روتے ہوئے چلا رہی تھی۔

بریرہ البانی بھی نم نگاہوں سے جنت کو دیکھ رہی تھی۔ عمش نے جنت کا ہاتھ بریرہ کے ہاتھ میں دیا اور گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔ جنت ماں کا ہاتھ چھڑا کر گاڑی کے پیچھے لپکی تھی۔ گاڑی تیزی سے گیٹ پار کر گئی تھی۔ جنت تیزی سے کار کے پیچھے دوڑتی ہوئی گیٹ سے نکلی تھی۔ وہ روتے ہوئے جتنی دور گاڑی کا پیچھا کر سکی کرتی رہی یہاں تک کہ گاڑی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ مینشن کے ملازم جنت کے پیچھے تھے۔

یہ اس کی گیارہ سالہ زندگی کا سب سے بڑا حادثہ تھا جس نے اس کا واحد دوست چھین لیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اب کبھی اپنے اس واحد دوست سے مل پائے گی بھی یا نہیں۔۔ اور یہ خوف اس کے رونگھٹے کھڑے کر رہا تھا۔

"ڈیڈ۔۔ مجھے میرا شیر واپس لا کر دیں۔۔ شیر۔۔۔" وہ حلق کے بل چلا رہی تھی۔ آس پاس محافظ کھڑے اسے گھر لے جانے کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ سب شیر کے عادی ہو چکے تھے۔ لیکن حیرت اس بات کی تھی کہ شیر نے جاتے ہوئے کسی کو خدا حافظ تک نہیں کہا تھا۔



یہ ایک چھوٹا مگر خوبصورت سا گھر تھا۔ پورچ میں ایک سیاہ نئے ماڈل کی مرسڈیز کھڑی تھی۔

"گھر تو بہت خوبصورت ہے بابا!" شیر لیونگ روم میں چہل قدمی کرتا آس پاس کا جائزہ لے رہا تھا۔ بابر صوفے پر بیٹھا تھا۔ شیر پر سکون اور مطمئن تھا۔ جبکہ بابر کی آنکھیں سرخ اور افسردہ تھیں۔ جیسے وہ کافی دیر تک روتا رہا ہو۔

"میں یہاں آپ کے ساتھ بیٹھ کر رونے اور اداس ہونے تو نہیں آیا۔ ایسے کیوں بیٹھے ہیں؟" اسے افسردہ دیکھ شیر زنج ہوا۔

"اداس نہیں ہوں۔"

"ہونا بھی نہیں چاہیے۔ اتنا تو پہلے ہی روچکے ہیں۔" وہ اکتائے انداز میں بولا۔

"مجھے یاد نہیں کرتے کیا تم؟"

"روز یاد کرتا ہوں۔ کیسے بھول سکتا ہوں۔" وہ خفگی سے بولا۔

"انفیکٹ بہت زیادہ یاد کرتا ہوں۔" وہ اب کے صوفے کی جانب بڑھا

تھا۔ بابر مسکرایا۔ لیکن مسکراہٹ میں اداسی تھی۔

"آسکریم ہے کیا؟"

"ہاں!"

"کیا آپ بھی آئسکریم کھانے لگے ہیں؟ مجھے یاد ہے آپ میری آئسکریم ایڈکشن سے بیزار تھے۔" شیر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور لیونگ روم سے نکل کر کچن میں آیا۔ وہاں واقعاً آئسکریم کے کئی کین رکھے تھے۔ شیر کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"زبردست۔۔" وہ آئسکریم کا کین اور چمچ لئے واپس لیونگ روم میں آیا۔
"بتائیں بھئی آئسکریم کیوں رکھی ہے؟"

"جب تمہیں یاد کرتا ہوں آئسکریم کھاتا ہوں۔ جب آئسکریم کھاتا ہوں تمہیں یاد کرتا ہوں۔"

"لیکن پھر اسی بات پر ایک چمچ میرے ہاتھ سے کھائیں۔" شیر نے مسکراتے ہوئے چمچ بابر کی جانب بڑھایا۔ بابر نے مسکراتے ہوئے منہ کھولا۔

"کیسے رہتے ہو وہاں؟ تمہارے ساتھ کوئی۔"

"کتنی دفعہ تو ای میل پر بتاچکا ہوں۔ میری زندگی اچھی طرح گزر رہی

ہے۔ آپ بتائیں کیسا لگتا ہے سی ای او بن کر کام کرنا۔"

"میں نے سے پوچھا تھا کہ تم نے قتل کیا واقعی کیا یا تم سے ہوا؟"

"بابا! میں نے حملہ کیا تھا کہہ تو رہا ہوں۔ بعد میں وہ مر گیا یا اسے مار دیا

گیا۔ میں کچھ نہیں جانتا۔"

بابر چپ سا رہ گیا۔ اتنی بڑی بات ایک تیرہ سالہ بچہ کر رہا تھا۔ مرنے

مارنے کی باتیں۔ اس کا بیٹا تو بہت معصوم تھا ایک سال میں مرنے

مارنے پر اتر آیا۔

"How is it ? Being a CEO? Do you enjoy being a CEO"

وہ باپ کی توجہ بٹانا چاہ رہا تھا۔

"میں نے کبھی محسوس کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں صرف کام کرتا ہوں اور گھر آجاتا ہوں۔ کاش میں تمہیں اپنے ساتھ رکھ سکتا۔" وہ پھر اداس ہونے لگا۔

"اب پھر اداس مت ہو جائیے گا۔ مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے۔ میں اپنی نئی زندگی سے مطمئن ہوں۔ مجھے میرا لائف اسٹائل پسند ہے اور سب سے بڑی بات میرے پاس ایک اور اچھی دوست بھی ہے۔ آپ کی طرح۔۔" وہ نرمی سے مسکرایا۔

"میری طرح؟"

"مطلب آپ کی طرح کمفرٹیبل فیلنگ والی۔۔ تھوڑی بے وقوف ہے لیکن بہت پیاری ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ ویسے تم اب بھی احساسات کے معاملے میں بہت کورے ہو۔ تمہیں محسوس کرنا نہیں آتا۔" بابر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"مجھے محسوس کرنا آتا ہے بابا! لیکن انھیں ظاہر کیسے کرنا ہے یہ نہیں پتا۔ شاید یہ میری کمزوری ہے۔"

"نہیں۔۔ تمہاری طاقت ہے یہ۔ لیکن میرا مشورہ ہے۔ ظاہر کرنا سیکھو۔"

"کیسے؟" شیر آسکریم کھاتے ہوئے سوال کر رہا تھا۔

"کبھی کبھار یہ فرض کر لیا کرو کہ تم بھی ہم سب کی طرح عام انسان ہو۔ رونا ہو تو رولیا کرو۔ دل بھاری ہو جائے تو کہہ دیا کرو۔"

"مجھے غصہ آتا ہے تو میں ظاہر کرتا ہوں۔" شیر نے کہا۔

"جارجیت ہے تمہاری فطرت میں۔ تمہارے غیر معمولی پن نے تمہیں خود پرست بنادیا ہے۔"

"میں خود پرست نہیں ہوں پر اعتماد ہوں۔ جارحیت ان کو دکھاتا ہوں جو اس لائق ہوتے ہیں۔ آپ مجھے منفی طور پر جج کرنا کب بند کریں گے۔" شیر چڑ کر بولا۔

"اچھا چھوڑو یہ سب۔۔ روس کیوں جارہے ہو؟"

"نئی دنیا دیکھنے۔۔" وہ عام سے لہجے میں بولا۔

"آپ تو جانتے ہیں نا مجھے دنیا کو جاننے کا کتنا شوق ہے۔ مجھے نہیں پتا کہ مجھے وہاں کتنا عرصہ رہنا ہے لیکن جب تک رہوں گا اچھی طرح رہوں گا۔ آپ بتائیں کمپنی کس کی ہے؟"

"کمپنی کا مالک اور کئی کمپنیاں چلاتا ہے لیکن یہ سب گولڈن فاکس کے غلام ہیں۔ وہ ایک طاقتور یہودی تاجر ہے۔ جس کے کئی غیر قانونی

دھندے ہیں دنیا کے کئی ملکوں میں اس کا سکا چلتا ہے۔ ہر بڑی تنظیم اس کے نام سے جڑی ہے۔"

"He must be so powerfull"

(وہ ضرور بہت طاقتور ہوگا۔)

شیر نے سرسری انداز میں کہا۔

"And you are very obsessed with power" ..

(اور تم طاقت کے جنونی ہو)

بابر نے اسے گھورا۔

"Im" ..

(ہاں ہوں۔)

شیر ڈھٹائی سے ہنس دیا۔

"Don't be" ..

(مت ہو)

بابر نے اسے سخت نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"Wanna be" ..

(ہونا چاہتا ہوں)

شیر کی ڈھٹائی عروج پر تھی۔

"It's useless" ..

(یہ بیکار ہے)

بابر تنک کر بولا۔

"It's not" ..

(نہیں ہے۔)

شیر نے منہ بنایا۔

"Shat up! You are getting on my nerves" ..

(منہ بند رکھو۔ تم میرے اعصابوں پر سوار ہو رہے ہو۔)

بابر نے ہار مانتے ہوئے اسے جھڑک دیا۔ شیر بے اختیار کھکھلا کر ہنس دیا۔
"ویسے ساری باتیں چھوڑیں یہ بتائیں آپ سنگل کیوں ہیں؟ کوئی گرل فرینڈ نہیں بنائی؟" شیر نے رازدارانہ انداز اپنایا۔ بابر ایک لمحے کو سٹپٹایا پھر اسے سختی سے گھورا۔

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"میں بھی سنجیدہ ہوں، آپ ہینڈ سم ہیں۔ ینگ ہیں اب تو اتنی بڑی کمپنی کے سی ای او بھی ہیں پھر بھی سنگل ہیں کتنی شرم کی بات ہے۔" وہ منہ بنا کر بولا۔

"بکواس مت کرو شیر بہت زیادہ زبان چلنے لگی ہے تمہاری!" وہ خفت زدہ لہجے میں بولا اور ساتھ ہی اسے گھورا۔ شیر تھانے داروں کا انداز اپنائے باپ کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ مجال ہے جو ان سخت گھوریوں کا ذرا بھی اثر لیا ہو اس نے۔

"بھئی بکواس کی کیا بات ہے۔ شادی انجوائے کرنا چاہتا ہوں یار آپ کی۔ مجھے نہیں پتا اگلی دفعہ میں آؤں تو مجھے آپ سنگل نظر نہ آئیں۔ عجیب انسان ہیں اس دن بھی کہا تھا شادی کا سوچیں۔ کبھی سیریس نہیں لیتے مجھے آپ۔" وہ خفگی سے بولا۔

"لا حول ولہ۔۔" بابر کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے جبکہ شیر یوں ہی ڈھٹائی کی اعلیٰ مثال قائم کرنے پر تلا تھا۔



پندرہ سال بعد۔

روس کے دارالحکومت ماسکو کے ڈاؤن ٹاؤن سے دور شہر سے کئی دور
دکھش مگر گھنے جنگلات سے گھرا یہ علاقہ انتہائی خوبصورت لیکن پراسرار
معلوم ہوتا تھا۔ جنگل گھنا تھا لیکن درمیان سے ایک صاف ستھری چوڑی
سی سڑک گزر رہی تھی۔ دونوں جانب گھنے درختوں کا سایہ تھا جس کے
باعث سڑک پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ سڑک سنسان تھی۔ لیکن جنگلی
جانوروں اور جنگلی پرندوں کی آواز نے ماحول کو مزید پراسراریت سے نواز
دیا تھا۔ سڑک ایک موڑ پر آکر بائیں جانب مڑتی تھی جبکہ ایک راستہ
آگے کی طرف جاتا تھا۔ وہاں ایک بورڈ لگا تھا۔

"Private area"

ساتھ ہی نیچے "GfSR co." کا موٹو چھپا ہوا تھا۔ اسی سڑک کے کنارے ایک چیک پوسٹ تھی جہاں سیاہ وردی میں ملبوس دو اہلکار کھڑے تھے۔ ان کی وردی پر GFSR کا مونو گرام لگا ہوا تھا۔ اس سے آگے جاتی سڑک کے دونوں طرف ایک ہی سائز کے درخت اور درختوں کے آس پاس جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ کچھ دور جانے پر ایک گہرے سیاہ رنگ کی عمارت دکھائی دیتی تھی۔ وہ ایک وسیع و عریض اور عالیشان محل نما عمارت تھی جس کی ساخت قدرے انفرادیت لیے ہوئے تھی۔ لان کے بیچ و بیچ ایک خوبصورت شفاف پانی سے بھرا تالاب تھا۔ ایک جانب قدرے بڑے قد و کاٹھ کا جسیم کتا ٹھل رہا تھا۔ جس کی رال ٹپک رہی تھی۔ عمارت کی سامنے والی دیواریں شیشے کی تھیں۔ سیاہ شیشہ جو دور سے ہی چمک رہا تھا۔ اندر داخل ہونے پر ایک جدید قسم کی مشین تھی جس

کے اندر سے گزر کر ہی اندر داخل ہوا جاسکتا تھا۔ ہال وسیع تھا۔ سیاہ دیواریں ویلویت پینٹ سے رنگی ہوئی تھیں۔ ایک جانب مختلف خطرناک جانوروں کی کھالیں سجاوٹ کے طور پر لگائیں گئیں تھیں۔ دائیں جانب ایک اور سکیورٹی چیک پوسٹ تھی۔ جہاں ایک ادھیڑ عمر شخص بیٹھا تھا۔ اوپر جانے والی سیڑھیوں کے ساتھ ہی ایک لفٹ تھی۔ اوپری منزل پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ دیواروں پر عجیب و غریب پراسرار قسم کی پینٹنگ تھیں۔ یہ محل نما عمارت باہر سے جس قدر پراسرار تھی اندر اس سے زیادہ پراسراریت چھائی ہوئی تھی۔ اس پوری منزل میں سامنے کی جانب ایک ٹیرس تھی اور دائیں جانب ایک سیاہ دروازہ۔ اسی پل پہلی منزل پر لفٹ کا دروازہ کھلا اور پانچ سے چھ افراد مختلف فائلیں تھامے باہر نکلے۔

"دیکھیں مسٹر ہوڈ ہمیں آج کسی قسم کی میٹنگ کا آرڈر نہیں ملا۔" ایک سیاہ سوٹ میں ملبوس شخص گھبرائے انداز میں بولا۔

"لیکن مس ریچل نے ہمیں بتایا ہے کہ مس ہیزیل فاکس ایس آر سے ملنے آرہی ہیں ایک اہم میٹنگ ہوگی۔" وہ سب وہیں لفٹ کے پاس رک گئے تھے۔ سب کے چہرے سنجیدگی اور فکر مندی کے تاثرات لیے ہوئے تھے۔

"آپ کی اتنی بڑی مینجمنٹ ٹیم ہے لیکن مجال ہے کبھی کوئی بھی کام ڈھنگ سے کیا ہو؟" وہی سیاہ سوٹ والا شخص دبے دبے غصے سے بولا۔

"ماسٹر ایس آر کی کئی میٹنگز ہیں اور میں شیڈول میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔"

"لیکن یہ مس ہیزیل کا آرڈر ہے۔ آپ کیسے انکار کر سکتے ہیں؟"

"دیکھیں آپ اچھی طرح جانتے ہیں ماسٹر ایس آر کے علاوہ مجھے کسی اور کے حکم ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔" سیاہ سوٹ والا شخص ترش لہجے میں کہتا بائیں جانب بڑھا۔

"ابھی سات بجے ہیں ماسٹر آدھے گھنٹے میں جاگ جائیں گے مجھے ہزاروں کام ہیں۔"

"شیڈول کو ری سیٹ"

"آپ اچھی طرح جانتے ہیں یہ ماسٹر کے اصولوں کے خلاف ہے۔" وہ کان میں لگے مائکروفون کو سیٹ کرتے ہوئے بولا۔

"کیمرون ماسٹر کا آئسکریم باؤل کے ریڈی کرو۔"

وہاں ایک لمبی راہداری تھی۔ باقی کے افراد بھی تیز قدموں سے اس کے پیچھے چلتے جا رہے تھے۔



پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں واقع یہ ایک سرکاری عمارت تھی۔ عمارت کے آس پاس سیکیورٹی فورسز کی ایک بڑی تعداد تھی۔ کئی سرکاری گاڑیاں کھڑی تھیں۔

"ہم آپ کو ہر پل نیوز سے خبر فراہم کر رہے ہیں کہ وزیراعظم ہاؤس میں آج پاکستان کے تمام سیکیورٹی اداروں کے سربراہان میٹنگ میں شرکت کر رہے ہیں۔ قومی سلامتی بل اور حال ہی میں پیش کیے جانے والے اعداد و شمار کے بعد غیر قانونی اسلحہ اور منشیات کی بڑھتی ہوئی خطرناک صورتحال کے پیش نظر وزیراعظم اور سپریم کورٹ نے نوٹس لیا اور اسی سلسلے میں آج۔۔"

وزیراعظم ہاؤس کے نفاست سے سب سے وسیع کانفرنس روم میں سربراہی کرسی پر وزیراعظم صاحب بیٹھے مختلف عہدیداران کی رائے اور رپورٹ سن رہے تھے۔

"ہمیں سنجیدگی سے اس معاملے پر کام کرنا ہے اور یقینی حل تلاشنا ہے۔ ورنہ مزید چند سال میں منشیات کے ناسور نے ہماری قوم کو کہیں کا نہیں چھوڑنا۔" وزیراعظم سنجیدگی سے کہتے چیف آف آرمی اسٹاف کی جانب متوجہ ہوئے۔

"چیف فیروز عالم خان آپ پر اس کی خصوصی ذمہ داری ڈال رہا ہوں۔" تمام سربراہان اور عہدیدار تائیدی انداز میں گردن ہلانے لگے۔

"بری، بحری، ہوائی اداروں سے جس قسم کی سپورٹ فراہم کی جاسکے گی جائے گی۔"

"ہماری طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کی جائے گی۔ ان شاء اللہ ہم پوری جان لگا کر ملکی سلامتی کو سب سے پہلی ترجیح دیں گے۔"

"مجھے آپ سب پر پورا یقین ہے۔" وزیراعظم صاحب نے حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔

مختلف کاغذات اور معائدوں پر دستخط کیے جانے لگے۔ میٹنگ آخر دو گھنٹے بعد اختتام کو پہنچ چکی تھی۔



کمرہ انتہائی وسیع تھا۔ سامنے کی دیواریں سیاہ شیشے کی تھیں جن پر اس وقت سفید ریشمی پردے تھے۔ کمرے کے وسط میں ایک قدرے اونچا چبوترہ تھا جس پر کنگ سائز بیڈ تھا۔ بیڈ پر سفید چادر اور کئی نرم تکیے پڑے تھے۔ سفید کمبل ماربل کے چمکتے سفید فرش پر گرا تھا۔ وہ ٹانگیں

پھیلائے بیٹھا تھا۔ اس کے جسم پر فقط ایک سیاہ شارٹ تھی جو گھٹنوں سے ذرا اوپر تھی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ ساری توجہ گود میں رکھے آسکریم باؤل پر تھی۔ نرم و ملائم بھورے بالوں نے آنکھیں ڈھانپ رکھی تھیں۔ اس کے چہرے پر ہلکی شیو تھی۔ اس کے سینے پر بائیں جانب ایک شیر کا سر بنا ہوا تھا۔ وہ ایک ٹیو تھا جو نہایت صفائی سے بنایا گیا تھا۔ ایک ایسا ہی ٹیو اس کے دائیں ہاتھ کی پشت پر تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ کی چو تھی انگلی کے سرے پر ایس بنا ہوا تھا۔ جبکہ گلے میں ایک پلاٹینم کی نازک سی زنجیر تھی۔ اس زنجیر میں ایک پینڈنٹ تھا۔ جس پر خوبصورتی سے "Heaven" لکھا ہوا تھا۔ دفعتاً کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک ملازم ہینگر اسٹینڈ لئے اندر داخل ہوا۔ شیر نے سراٹھا کر اندر آنے والے ملازم کو دیکھا۔ اور ایک ہاتھ سے بالوں کو پیچھے کیا۔

"گڈ مارنگ ماسٹر!" ملازم نے اس کی توجہ محسوس کرتے کہا۔

"گڈ مارنگ!" شیر نے کہہ کر آسکریم کا چمچ منہ میں لیا۔ اس کی آنکھوں کی پراسراریت میں اضافہ ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح دلکش اور وجہیہ تھا۔ چہرے پر عام سے تاثرات تھے لیکن اس کے باوجود عجیب سا سرد تاثر اس کی شخصیت کا خاصا بنا ہوا تھا۔

"ڈینیل کہاں ہے؟" شیر نے اپنے ذاتی اسٹنٹ کا پوچھا۔

"مس ہیزیل کا کریو۔"

"کیا وہ آرہی ہے؟" شیر کا لہجہ یک دم بیزار ہوا۔

"جی ماسٹر!" ملازم مودب لہجے میں بولا۔

اس کی آنکھوں میں ناگوار سا تاثر جھلکا۔

"ڈینیل کو بھیجو، بریک فاسٹ ریڈی کرواؤ اور گاڑیاں تیار رکھو۔" شیر نے حکم دیتے باؤل ایک طرف رکھا اور پلنگ سے اتر آیا۔ وہ دراز قد اور بھرے ہوئے کسرتی جسم کا مالک تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ ورزش کا عادی ہے۔ شارٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے پیروں میں چپل اڑتے وہ ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ ڈریسنگ روم سے نکلا تو حلیہ یکسر تبدیل تھا۔ اس کے جسم پر سیاہ آسٹین کا ٹیکسیڈو تھا۔ بال اس نے جدید انداز میں بنا رکھے تھے۔

"میں نے ہیزیل کو دور رکھنے کا کہا تھا۔" شیر نے ڈینیل کی جانب دیکھتے ناگواری سے کہا۔

"معذرت چاہتا ہوں۔"

"وہ تم کب نہیں چاہتے ڈینیل؟" شیر نے اسے گھورتے ہوئے کہا اور میز پر رکھی فائل اٹھائی۔ ڈینیل کھسیا گیا۔

"گولڈن کے ساتھ میری کوئی میٹنگ ہے اس ہفتے؟"

"نہیں! وہ افریقہ سے واپس نہیں آئے۔"

"کتنا اچھا ہو اگر اگلے دو ماہ تک نہ آئے۔" شیر بڑبڑایا اور فائل اچھا دی جسے فوراً ڈینیل نے کیچ کیا۔ ڈینیل نے بمشکل مسکراہٹ روک رکھی تھی۔

"میرے گلوں؟" شیر نے رینک سے اپنا فون اٹھاتے ہوئے کہا۔ ڈینیل فوراً سائیڈ ٹیبل کی جانب لپکا اور دستانے اس کی جانب بڑھائے۔

"کزان کب جانا ہے؟" شیر دستانے پہنتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"شام کو!"

"واپس کب آنا ہے؟"

"کیا آپ میری سہیلی ہیں؟"

"ہاں! اور یہ سوال ہیزیل کے سامنے پوچھنا مت بھولنا۔" شیراب کے مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ ہنوز ویسی ہی معصومیت بھری اور شرارتی سی۔
"اوکے ماسٹر! ڈینیئل دوبارہ مسکراہٹ دباتا نظر آیا۔
"چلیں؟"

"جی ماسٹر! ڈینیئل سر جھکاتا اس کے پیچھے چل دیا۔ وہ دونوں کمرے سے نکل گئے تھے۔ کمرے میں "shumukh" کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔



یہ کراچی کے علاقے کلغٹن میں واقع ایک خوبصورت مکان تھا۔ جس کے باہر دو سرکاری محافظ کھڑے تھے۔ پورچ میں سیاہ رنگ کی کار کھڑی تھی

جس کے باہر ایک فوج کی وردی میں ملبوس اہلکار کھڑا تھا۔ اندر داخل ہونے پر سامنے ہی ہال نظر آتا تھا۔ جہاں سٹنگ ایریا میں پُر سکون بیٹھا دکھائی دے رہا تھا۔ کسرتی جسم اور دراز قد کا مالک تھا۔ سیاہ سادی ٹی شرٹ اور نیلی جینز پہنے سر پر پی کیپ تھی جس پر ایس ایس جی لکھا ہوا تھا۔ سامنے ہی ایک نوجوان لڑکی تھی جو قدرے گھبرائی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔

"میڈیسن ٹائم پر لیتی ہیں مام؟" اس کا لہجہ نرم اور ٹھہرا ہوا تھا۔ آواز قدرے بھاری تھی۔

"جی سر!" کئیر ٹیکر ندا ادب سے بولی۔ وہ متاثر انداز میں سامنے بیٹھے حاشر کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے فقط اس کے بارے میں دیگر ملازمین سے سن رکھا تھا۔

اس کی آنکھیں گہری سیاہ اور عجیب سا احساس لیے ہوئے تھیں۔ اس وقت وہ کلین شیو تھا۔ ندا ان لڑکیوں میں سے تھی جو اپنی خوبصورتی پر ساری عمر فخر کرتی آئی تھی۔ وہ جسے ساری عمر یہی گھمنڈ رہا تھا کہ وہ جہاں جاتی ہے لوگ اس کے آگے بچھ جاتے ہیں۔ جو کلین شیوڈ مردوں کو چھلا ہوا آلو کہہ کر ہنستی تھی آج سامنے بیٹھے اس متاثر کن شخصیت سے نظریں نہیں ہٹا رہی تھی۔

"کوئی کلین شیوڈ ہو کر بھی اتنا چارمنگ لگ سکتا ہے۔" وہ دل ہی دل میں بڑبڑائی۔

"مس ندا! میں نے آپ سے میڈیکل رپورٹ مانگی ہے؟" حاشر نے اس کی بے دھیانی پر میز پر آہستگی سے ہاتھ مارتے کہا۔ ندا بری طرح چونکی اور گھبرا کر فوراً فائلیں کھنگالنے لگی۔ دفعتاً حاشر کا فون بجا۔

"Excuse me!"

حاشر کہہ کر وہاں سے اٹھا اور فون کان سے لگاتا ایک جانب ہوا۔ ندا محویت سے حاشر کو دیکھ رہی تھی۔ جو اپنی کیپ صوفے پر رکھ کر ہال کی جانب بڑھا تھا۔ اس کے بال چھوٹے کٹے ہوئے تھے۔

"ہائے کوئی کلین شیو کر کے بھی اتنا پیارا بھی ہو سکتا ہے بھلا؟" ندا دل ہی دل میں بڑبڑائی۔

"جی سر! میں پہنچ جاؤں گا۔ میٹنگ کب تک ہے؟" جی میں اسلام آباد میں ہی ہوں۔" اس کی شخصیت کا سب خوبصورت پہلو اس کا لہجہ اور بولنے کا انداز تھا۔

"کمانڈر جتنی جلدی ممکن ہو سکے پہنچ جائیں آپ!" دوسری جانب سے بولا گیا۔

"بہتر! لیکن میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ ایمرجنسی کس حوالے سے ہے۔" حاشر نے کلانی پر بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالتے سوال کیا اور پلٹ کر ندا کی جانب دیکھا جو اس کو متوجہ دیکھ مزید گھبرا گئی۔ حاشر نے دوبارہ چہرہ گھمالیا تھا۔

"ہائے کتنا پیارا ہے یہ بندہ۔" ندا دوبارہ اسے تکتے لگی۔
"لیکن بھلا ہمارے نصیب میں کہاں ہوتے ہیں ایسے پرفیکٹ بندے۔" وہ بڑبڑائی۔

"اوکے سر! میں پوری کوشش کروں گا۔" حاشر نے فون بند کرتے کہا اور پلٹ کر دوبارہ صوفے کی جانب آیا۔

"رپورٹ؟" حاشر نے کہتے ہاتھ بڑھایا۔

"ک۔۔۔ جی؟ کس کی؟" ندا گڑبڑا کر بولی۔

"مس ندا میں مام کی میڈیکل رپورٹ مانگ رہا ہوں۔ اس مہینے کی رپورٹ؟ کیا مجھے مل سکتی ہے؟ یا آپ کو حواسوں میں آنے کے لیے مزید کچھ وقت چاہیے؟" اس کا لہجہ ناگوار لیکن انداز نرمی بھرا تھا۔ ندا شرمندگی سے سرخ ہوتی فائل اس کی جانب بڑھائی۔

"مجھے نہیں پتا کہ آپ کو جوائن کیے کتنا عرصہ ہوا ہے لیکن میری مام کو الزائمر ہے اور اس کے لیے آپ کا ہر وقت ہوش و حواس میں رہنا ضروری ہے۔ مزید آپ فون اور انٹرنیٹ کا استعمال کم کریں ڈیوٹی ٹائمنگ میں۔ جیسا کہ مجھے سمجھ آ رہا ہے آپ ینگ اور امیچور ہیں۔ آپ کے لئے مام کو سنبھالنا آسان نہیں ہوگا۔"

"نہیں نہ۔۔"

"Let me complete first! And never interrupt me again like this!

حاشر نے نرمی سے اسے ٹوکا۔ ندا نے شرمندگی سے اثبات میں گردن ہلائی۔

"اگر آپ ذمہ داری سے اپنا کام کریں گی تو میری یہی کوشش ہوگی کہ آپ اپنی جانب کنٹینیو رکھیں۔" حاشر نے بات مکمل کرتے اسے کہنے کا اشارہ کیا۔

"میں پوری کوشش کروں گی آپ کو کوئی شکایت کا موقع نہ ملے۔" ندا تیزی سے بولی۔

"ٹھیک ہے۔ میں مام کے پاس ہوں اوپر! لنچ ریڈی کروالیں میں ان کے ساتھ ہی لنچ کروں گا۔" وہ اپنی کیپ اٹھاتا اوپر کی جانب بڑھنے لگا۔ ندا

ہنوز گھبرائی اور بوکھلائی سی اسے نظروں سے اوجھل ہونے تک دیکھتی رہی۔



وہ GFSR and Co کی مرکزی بلڈنگ تھی جو پچیس منزلوں پر مشتمل تھی۔ آس پاس کئی میٹر تک کوئی اور بلڈنگ موجود نہیں تھی۔ وسیع پارکنگ لاٹ تھا اور آس پاس سخت سیکیورٹی تھی۔ دفعتاً دو کاریں آگے پیچھے احاطے میں داخل ہوئیں اور وی آئی پی سیکشن کی جانب بڑھ گئی۔ پچھلی کار سے ایک سیاہ وردی والا محافظ نکلا اور کار کا دروازہ کھولا۔ شیر لانگ کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے باہر نکلا اور اپنا سیاہ چشمہ اتار کر بائیں جانب کھڑی سفید کاروں کو دیکھا۔

"bad morning" ...

وہ بڑبڑایا اور اندر کی جانب بڑھا۔ اس کا اسٹنٹ ڈینیل اور محافظ تیزی سے اس کی پیچھے لپکے۔

"Dobroye utro ser"

(صبح بخیر جناب)

وہ جیسے اندر اندر کی جانب بڑھ رہا تھا ورکرز اور ملازم اسے دیکھ کر جھک رہے تھے۔ شیر گردن ہلاتا آگے بڑھتا رہا۔
"کیسے ہو ماسٹر شیر!"

ابھی وہ اپنے دفتر میں داخل ہوا ہی تھا جب اس کی سماعت سے ہیزیل کی مترنم آواز ٹکرائی۔

"صبح صبح تمہارا چہرہ دیکھنے کے بعد کیسا ہوسکتا ہوں۔" شیر نے اس پر نگاہ غلط ڈالے بغیر اپنا کوٹ اتار کر اسٹینڈ پر ٹانگا اور دستانے

اتارنے لگا۔

ہیزیل کی سنہری آنکھیں شیر پر پڑتے ہی چمک اٹھی تھیں۔ وہ اس وقت سبز رنگ کا کوٹ اور سفید چست جینز پہنی ہوئی تھی۔ اس کے بال بھورے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ گردن میں نازک سی چین تھی۔ وہ عام حلیے میں بھی بلا کی حسین تھی۔ اس کا روسی حسن باآسانی کسی کو بھی زیر کر سکتا تھا۔

"میرا چہرہ دیکھنے کے بعد تو کوئی بھی ٹھیک نہیں رہ سکتا۔" وہ معنی خیزی سے بولی۔ شیر نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر اس کی جانب دیکھا۔

"خوابوں کی دنیا سے باہر آؤ جزیروں کی شہزادی۔" شیر نے اسے اپنی سیٹ سے اٹھنے کا اشارہ کیا۔

"How rude!"

وہ منہ بسور کر بولی اور اٹھ کر میز پر بیٹھ گئی۔ اس کی نگاہیں شیر کے چہرے پر تھیں۔ جو لپ ٹاپ آن کر چکا تھا۔

"تھوڑا دور ہو کر بیٹھو تمہارا پرفیوم بہت اسٹرونک ہے۔" شیر نے منہ بنا کر کہا۔ ہیزیل تنک کر کچھ دور ہوئی لیکن نگاہیں ہنوز شیر پر تھیں۔

"بہت مس کیا میں نے تمہیں۔" وہ گال پر ہاتھ رکھے مسکراتے ہوئے بولی۔ شیر جواب دیے بغیر لپ ٹاپ پر انگلیاں چلاتا رہا۔

"کیا تم کزان جا رہے ہو؟"

"میری جاسوسی کب چھوڑو گی؟" شیر نے سرسری انداز میں سوال کیا۔

"کبھی نہیں!" ہیزیل مسکراتے ہوئے بولی۔

"بتاؤ نا کزان جا رہے ہو؟ کسی لڑکی سے ملنے؟" ہیزیل نے اسے دھمکانے کی کوشش کی۔

"ہاں کسی لڑکی سے ملنے جا رہا ہوں۔" شیر نے لیپ ٹاپ ایک طرف کر کے فائل کھولی۔ ہیزیل کی آنکھیں یک دم سرخ پڑنے لگیں۔ وہ لب بھینچے شیر کی جانب دیکھتی رہی۔

"جھوٹ!" ہیزیل نے سرد مہری سے کہا۔

شیر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"شارجہ میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔" ہیزیل نے ضبط کرتے کہا۔

شیر ہنوز اسے نظر انداز کیے فائل پڑھتا رہا۔

"Honey" ...

ہیزیل نے محبت بھرے انداز میں اسے پکارا۔ شیر نے ایک آئی برو اچکا کر اسے دیکھا اور دوبارہ فائل پڑھنے لگا۔ ہیزیل گھوم کر اس کی سیٹ تک گئی اور عقب سے اس کی گردن میں بازو جمائل کیے۔

"میں تم سے بات کر رہی ہوں بے بی!"

شیر نے بیزاری سے اس کے ہاتھ ہٹائے۔

"صبح صبح میرا موڈ خراب مت کرو ہیزیل۔۔ کانفرنس روم میں جاؤ۔ سب

انتظار کر رہے ہوں گے۔" شیر نے فائل بند کی اور اٹھ گیا۔

"ہم ساتھ جائیں گے۔ میں بھی تو بورڈ ممبر ہوں۔"

"کوستا ہوں اس دن کو جب تمہیں کمپنی میں شامل کرنے کے کاغذات پر

دستخط کیے تھے میں نے۔۔" شیر ناگواری سے بولا۔

"کمپنی تو میرے ڈیڈ کی ہے نا!"

"اچھا تو پھر ایسا کرو GFSR کی فل فارم بتاؤ۔" شیر نے طنزیہ انداز اپنایا۔

"golden fox sher Rude boy"

وہ تک مزاجی سے کہتی باہر کی جانب بڑھ گئی۔ شیر طنزیہ انداز میں ہنس دیا اور سر جھٹک کر خود بھی باہر کی جانب بڑھ گیا۔



کانفرنس روم کے باہر ہی ہیزیل اس کا انتظار کرتی دکھائی دی۔ شیر نے ٹھنڈی سانس بھر کر ساتھ چلتے ڈینیل کی جانب دیکھا۔ ڈینیل معذرت خواہانہ نگاہ شیر پر ڈال کر کھسیا کر مسکرایا۔ شیر جوں ہی کانفرنس روم میں داخل ہوا ہیزیل بھی ساتھ ہی اندر داخل ہوئی۔ تمام لوگ ان کے احترام میں اپنی جگہ سے اٹھے تھے۔

"Dobryo utro!"

(صبح بخیر)

"Good morning to All!"

شیر نے نرمی سے سب کو جواب دیا وہ الگ بات تھی کہ اس کا نرم لہجہ بھی سرد محسوس ہوتا تھا لیکن یہاں سب کو اس کی عادت تھی۔ ہیزیل کسی کو جواب دیے بغیر سربراہی کرسی کے دائیں جانب والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ شیر نے ایک غصیلی نگاہ اس پر ڈالی۔ اور سربراہی کرسی پر جا کر بیٹھا۔ اس کے بیٹھتے ہی باقی تمام کھڑے لوگ بھی اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔

"مجھے امید ہے تمام لوگ دل جمعی اور محنت سے کام کر رہے ہوں گے۔ تو آج ہمارے ساتھ مس ہیزیل بھی موجود ہیں۔ انھیں آفس میں چھ دن بعد خوش آمدید کہتا ہوں۔ کیا آپ اپنی رپورٹس پیش کریں گی؟"

ہیزیل فاکس پل بھر کو گھبرائی پھر آس پاس تمام ورکرز اور کمپنی کے عہدیداروں کو دیکھنے لگی۔

"You rude creature" ..

وہ بڑبڑائی۔

"ضرور مسٹر شیر آپ کو رپورٹ ضرور پیش کی جائے گی لیکن یہاں میں میٹنگ میں شرکت کے لئے نہیں آئی۔ میں وزٹ پر ہوں۔" ہیزیل نے زبردستی کی مسکراہٹ دکھاتے ہوئے پیشہ ورانہ انداز اپنایا۔

"How funny"!

شیر چڑکر بڑبڑایا۔

"آہ۔ مجھے نہیں لگتا آپ کو اس وزٹ کی خاص ضرورت تھی۔ خیر آپ آ ہی گئیں ہیں تو تفصیلی وزٹ کر کے جائیے گا۔ ڈینیل میٹنگ کے بعد مس کو تمام فلورز اور سیکشن کا وزٹ کروادیتجیے گا۔" شیر نے ایک گہری

مسکراہٹ کے ساتھ ہیزیل اور ڈینیل کی جانب دیکھا۔ ہیزیل کا رنگ فوراً سفید پڑا لیکن وہ لمحہ بھر میں خود کو سنبھال گئی۔

"مسٹر ریڈین مس ہیزیل آج وزٹ پر ہیں اس بات کو یقینی بنائیں کہ تمام اسٹاف موجود ہو میٹنگ تیس منٹ میں ختم ہو رہی ہے۔" شیر نے کان میں لگے مائیکروفون پر کہا اور باقی لوگوں کی جانب متوجہ ہوا۔

"Damn.. He is unbelievable" ..

ہیزیل کو یہاں آکر پچھتاوا ہونے لگا۔ اسے آج بھی یقین نہیں آتا تھا کہ سامنے بیٹھا یہ شخص کس قدر چالاک اور موقع پرست تھا۔ جو کبھی کسی موقع کو کسی بھی حوالے سے جانے نہیں دیتا تھا۔ آہ اب اسے پورے دفتر کا تفصیلی جائزہ لینا تھا۔ اس نے نگاہیں اپنے پیروں پر ڈالیں۔ اس کی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔ کاش وہ اچانک کسی کام کا بہانہ کر سکتی لیکن

یہ بھی ناممکن تھا۔ اس نے پورے دفتر کو اطلاع کرنے میں بھی ایک سیکنڈ نہیں لگایا تھا کہ وہ وزٹ کرنے والی ہے۔ اس کے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ اپنی اسسٹنٹ ریچل کو مساج کے انتظام کا ٹیکسٹ کر کے اس نے نگاہ شیر پر ڈالی جو اس سے لاپرواہ توجہ سے سب کی رپورٹس سن رہا تھا۔ عادتاً اس کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست تھیں اور وہ دونوں شہادت کی انگلیوں کو آپس میں ٹکرا رہا تھا۔ ہیزیل کی نگاہیں اس کے پر اثر وجود پر تھیں۔ اسے اب بھی یقین نہیں تھا کہ سامنے بیٹھا شخص ان کی تمام خاندانی اور کاروباری دولت و معاملات میں برابر کا حصہ دار ہے یہاں تک کہ کمپنی کے لوگوں پر بھی اس کا نام تھا۔ اس کی اجازت اور جائزے کے بغیر سارے خطے میں پھیلے گولڈن فاکس کے کاروبار اور معاملات میں زرہ برابر کی تبدیلی بھی ناممکن تھی۔ وہ خطرناک

حد تک ذہین، حاضر دماغ اور چالاک تھا۔ اس کا حافظہ وقت کے ساتھ مزید تیز ہو گیا تھا۔ وہ کچھ نہیں بھولتا تھا۔ کسی کے سامنے نہیں ہارتا تھا۔ یہاں تک کہ گولڈن فاکس کو بھی ترکی بہ ترکی جواب دینا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ ہیزیل فاکس جو ساری گولڈن فاکس کمیونٹی میں رشین پرنس کے نام سے مشہور تھی۔ جو خود بلا کی ذہین اور چالاک تھی۔ جس کا اثر و رسوخ بھی کسی سے کم نہیں تھا۔ وہ بھی شیر کے سامنے ہار ماننے کے سوا کچھ نہیں کر پاتی تھی۔ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ پچھلے پندرہ سالوں میں کس کس پل وہ کیسے اس سے متاثر ہوتے ہوتے شیر کے عشق میں جنون کی حد تک مبتلا ہوئی۔ لیکن وہ یہ ضرور جانتی تھی کہ شیر پچھلے پندرہ سالوں میں کبھی اس سے متاثر ہوا نہ اس کی خوبیوں کو سراہا۔ نہ اس کی کامیابی پر اسے داد دی۔ کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ شیر کو

آخر اس خطرناک حد تک حسین اور قابل رشین پرنس سے اتنی
البحن کیوں ہے۔



عرب امارت کے شہر شارجہ کے پوش علاقے میں واقع یہ خوبصورت ولا
تھا۔ جس کے لان میں کئی خوبصورت درخت اور پھول اگے ہوئے
تھے۔ کیاریاں نہایت نفاست سے رکھی گئیں تھیں۔ کیاریوں پر خوبصورتی
سے پینٹ کیا گیا تھا۔ پورچ میں ایک گہرے سرخ رنگ کی اسپورٹ کار
کھڑی تھی۔ پورچ سے گزرنے پر مرکزی انٹرنس تھا۔ جہاں سے گزرنے
کے لئے خاص اجازت درکار تھی۔ اندر داخل ہونے پر سامنے چھوٹی سی
راہداری تھی۔ جس کے دونوں اطراف میں خوبصورت گلابی پھولوں کی
بیل تھی۔ فرش پتھر والا تھا۔ راہداری کے اختتام پر بھی خوبصورت کیاریاں

تھیں۔ راہداری ختم ہوتے سامنے کھلا صحن تھا۔ اوپر دیکھنے پر سبز جالی لگی دکھائی دیتی تھی۔ صحن میں لکڑی کی کرسیاں اور میز تھی۔ مزید پودے تھے۔ صحن گولائی میں بنا تھا۔ کونے کی جانب ایک سفید رنگ کا انتہائی خوبصورت جھولا لگا تھا۔ صحن کے دائیں جانب سیڑھیاں جاتی تھیں۔ بائیں جانب لیونگ روم تھا۔ سامنے جانب ایک اور راہداری تھی۔ وہ ایک جادوئی گھر لگتا تھا۔ جو اپنی سجاوٹ سے ہی کسی منفرد مزاج شخصیت کی رہائش گاہ معلوم ہو رہا تھا۔

دفعۃً دائیں جانب کی راہداری سے وہ بیگ پیک میں کچھ ڈھونڈتی باہر کی جانب آئی۔ صحن کے بیچ و بیچ آکر اس نے اوپر لگی سبز جالی کے پار آسمان کو دیکھا۔ وہ دراز قد اور نازک جسم کی مالک تھی۔ بھورے بال اونچی پونی میں بندھے تھے۔ سبز آنکھیں جو آج بھی معصومیت کا عکس لئے ہوئے

تھیں۔ اس کی ناک میں چھوٹی سی نتھ تھی۔ اس کے کان میں نچلے حصے پر چھوٹی بالیاں تھیں۔ جبکہ اوپر کے تین حصوں میں سیاہ پتھر لگے ٹاپس تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے کانوں کو ہر جگہ سے چھیدنے کا شوق ہو۔ وہ اس وقت بغیر میک کے عام حلیے میں تھی۔ پچیس سال کی ہو کر بھی وہ اس وقت کسی اٹھارہ انیس سال کی لڑکی جتنی لگ رہی تھی۔

"بارش نہ ہو جائے۔" وہ بڑبڑائی اور بیگ سے ایئر پوڈ نکال کر کانوں میں ٹھونسے۔

"ہاں ایلینا! میں آرہی ہوں تم کہاں ہو؟ کیا کہا؟ پہنچ چکی ہو وہاں؟"

۔۔ "جنت نے چیخ کر کہا۔

"اتنا کیوں چلا رہی ہو؟ کیا تم ابھی تک نہیں نکلیں؟"

"نہیں۔۔" جنت نے منہ بنا کر کہا۔

"تو پھر مرو جلدی آکر یہاں۔ ہم کنسرٹ مس کر دیں گے سست لڑکی!" دوسری طرف سے اس کی دوست چلا کر بولی۔

"آرہی ہوں ناں کان مت پھاڑو میرے۔" جنت نے تنک کر کہا فون بند کر کے بیگ میں ڈالتے اس نے جھک کر اپنے تسے باندھے اور باہر کی جانب دوڑنے لگی۔ ابھی وہ انٹرنس تک ہی پہنچی تھی جب باہر کھڑے محافظ اس کی طرف آئے۔

"آپ کہیں جارہی ہیں؟"

"ہاں جارہی ہوں اور خبردار میرا پیچھا کیا۔" وہ گاڑی کی چابی نکالتی پورچ کی طرف بڑھی۔ محافظ نے دیگر گاڑز کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔ جنت بیگ پیک فرنٹ سیٹ پر پھینکتی ڈرائیونگ سیٹ پر آئی اور کار اسٹارٹ کرتی ولا سے باہر نکل آئی۔ پندرہ منٹ کا سفر پانچ منٹ میں طے

کرتی ہٹلن شارجہ پہنچی کار کے رکتے ہی اس کے کانوں سے انتہا کا شور
 ٹکرایا۔ یقیناً کنسرٹ شروع ہو چکا تھا۔ اس کے
 اترتے ہی ایلیا دوڑتی اس کی جانب آئی۔
 "بہت شکریہ تشریف لانے کا۔" اس نے کہتے ہی جنت کا ہاتھ تھاما اور
 اسے کھینچتے ہوئے اندر کی جانب بڑھی۔
 "تم نے میک اپ تک نہیں کیا؟" اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی ایلیا
 چیخ پڑی۔
 "کیا میری شکل میک اپ کے بغیر اتنی خطرناک ہے؟" جنت نے منہ
 بنایا۔ ایلیا اسے مختلف راستوں سے گزارتی اندر لے جا رہی تھی۔ وہاں بھیڑ
 تھی۔ کچھ لوگ کولڈرنک یکنز لئے اندر کی جانب جا رہے تھے۔ کچھ باہر کو
 آرہے تھے۔

"نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا لیکن کم از کم یہ تو سوچتی کہ میں نے پہلی رو کی ٹکٹس بک کروائیں ہیں۔ اگر "Diven diez" کی نظر۔۔"

"مجھے ضرورت ہے کسی کی توجہ کی۔۔ میرے لئے میرا۔۔"

"اب پھر مت شروع ہو جانا۔ تم اور تمہاری یہ فینٹسی!" ایلیا نے اس کے شروع ہوتے ہی بات ختم کی وہ مختلف لوگوں کو دھکیلتے ٹکٹس دکھاتے بڑی مشکل سے اپنی جگہ پر پہنچے تھے۔

"آہ۔۔ شکر کنسرٹ ابھی شروع نہیں ہوا اس کے گانے ہی بجائے جارہے تھے۔" ایلیا چلاتے ہوئے بولی۔ یہ الگ بات تھی کہ اس کے چلانے کے باوجود جنت سن نہیں پائی۔ آس پاس بے ہنگم شور اور تیز میوزک تھا۔ لڑکیوں کی چیخنے چلانے کی آوازیں کانوں کے پردے پھاڑ رہی تھیں۔

"یہ کیوں جنگلیوں کی طرح چلا رہی ہیں؟" جنت نے منہ بنا کر کہا۔ اسی پل ایلیا بھی زور سے چلائی۔ جنت نے زور دار کہنی اس کی پسلی پر رسید کرتے اسے گھورا۔

"آہ۔۔ تم یہ ہر وقت ہاتھ کیوں چلاتی ہو؟ کیوں مارا مجھے تم نے۔۔"

"پاگلوں کی طرح چلا کیوں رہی ہو؟" جنت چڑ کر بولی۔ وہ پہلے ہی مرضی اور پسند کے خلاف کنسرٹ میں گھسیٹ کر لائے جانے پر تپی بیٹھی تھی۔

"اسے چلانا نہیں۔۔ چینٹنگ کہتے ہیں۔۔ فین چینٹنگ۔۔" ایلیا نے منہ بگاڑ پر پسلی کو سہلاتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔۔ ڈیز آگیا۔۔" ایلیا کی نگاہ جوں ہی پسندیدہ گلوکار پر پڑی وہ خوشی سے چیختے ہوئے اچھلنے لگی۔ جنت بھی اسٹیج پر نمودار ہونے والے امریکی

گلوکار کو دیکھنے لگی۔ جو بالوں کی پونی بنائے خوبصورت انداز میں ڈریسنگ کیے ہاتھ ہلاتے ہوئے سامنے آیا تھا۔

"ہائے کتنا ہینڈسم ہے نا؟ مجھے یقین نہیں ہو رہا میں اسے اپنے سامنے دیکھ رہی ہوں۔" ایلیا جنت کے بازو سے جھولتی خوشی سے کھل رہی تھی۔ جنت نے بیگ کھول کر اپنا کیمرہ نکال کر اثبات میں گردن ہلائی۔

"ہاں! پیارا ہے لیکن میرے شیر سے زیادہ نہیں۔" جنت اس کے کان میں چیخ کر بولی اور شرارتی انداز میں مسکرا کر کیمرہ آنکھوں کے قریب لائی۔ اس کی بات پر ایلیا نے اسے ناپسندیدگی سے گھورا اور دوبارہ تالیاں بجاتے ہوئے اچھلنے لگی۔ جنت کو کنسرٹ میں اپنے مشغلے

کا موقع بھی مل گیا تھا۔ وہ ہاتھ میں اپنا جدید اور قیمتی ڈی ایس ایل آر کیمرہ پکڑے گلوکار کی تصاویر بنانے لگی۔

"تم اسٹائلش ہو۔۔ ہینڈ سم بھی ہو۔ مشہور بھی ہو۔ لیکن کیا میرے شیر کا مقابلہ کر سکتے ہو؟" وہ محبت بھرے انداز میں مسکرائی۔

"کبھی نہیں۔ تم تو کیا دنیا کا کوئی مرد میرے شیر کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔" وہ کیمرہ نیچے کرتی بنائی گئی تصویریں دیکھنے لگی۔ لیکن اس کا ذہن کئی اور پرواز کر رہا تھا۔



کمرے وسیع مگر سادگی سے سجا ہوا تھا۔ ایئر فریشنر کی دھیمی روح پرور خوشبو مزاج پر اچھا اثر ڈال رہی تھی۔ کمرے کے دائیں جانب حاشر اسٹول پر بیٹھا تھا۔ بیچ میں میز تھی جس پر مرغی کے گوشت والا دلیہ اور پلاؤ کے ساتھ چند کباب رائتہ اور سلاد سمیت جوس کے دو گلاس تھے۔ حاشر اپنی پلیٹ گود میں رکھے خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا۔

"تمہارا بھائی کیسا ہے؟ کیا تم اس سے ملے؟

عظمیٰ نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔ حاشر نے سر اٹھا کر ماں کی جانب دیکھا اور چہرے پر ہلکی مسکراہٹ سجا کر اثبات میں گردن ہلا دی۔

"حاشر بالکل ٹھیک ہے مام!"

"بڑے بھائی کو تنگ تو نہیں کرتے تم؟" وہ دلیے کا چیخ منہ میں رکھتے پوچھنے لگیں۔ ان کے چہرے پر کئی جھریاں تھیں۔ وہ پچھلے سات آٹھ سال سے مختلف ذہنی بیماریوں کا شکار تھیں چند ماہ قبل ہی رپورٹس میں الزائمر کی تشخیص ہوئی جس کے بعد حاشر نے ماں پر مزید توجہ دینی شروع کر دی تھی۔ حاشر باقاعدگی سے ماں کے پاس ملنے آتا تھا۔ ان کے لئے اچھے سے اچھے ڈاکٹر کا انتظام، کئیر ٹیکرز باقاعدگی سے چیک اپ سب کا خیال وہ خود رکھتا تھا۔ ڈیوٹی پر جاتے ہوئے زمہ سر عبید پر ڈال جاتا جو

آج بھی حاشر کے لیے ایک باپ سے کم نہیں تھے۔ سر عبید بھی حاشر سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ اب بھی فراغت پانے پر وہ دونوں سر عبید کی لیبارٹری میں مختلف تجربے اور تھیوری پر کام کرتے۔ ان سالوں میں بہت کچھ بدل گیا تھا۔ ماں کے لئے وہ غصہ نفرت سب ختم ہو گیا تھا۔ ایک بیٹے ہونے کا فرض وہ ایک بہترین بیٹا بن کر نبھا رہا تھا لیکن اس کے باوجود ایک ملال تھا جو دل میں کئی گہرائیوں میں جا کر چھپا تھا۔ نکلنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ ایک خوشحال خاندان کا خواب جسے کرچی ہوئے کئی سال ہو چکے تھے۔ وہ کرچیاں آج بھی اس کے دل میں اسی طرح گڑی ہوئی تھیں۔ خیالوں سے نکلتے اس نے ماں کی جانب دیکھا جو منتظر نگاہوں سے اس کے سامنے رکھے پلاؤ کو دیکھ رہی تھیں۔ حاشر نے ٹھنڈی سانس

بھرتے چچ بھر کر ان کے منہ تک لایا۔ وہ خوشی خوشی منہ کھولے پلاؤ کھانے لگیں۔

"آپ کے لئے یہ صحت بخش نہیں ہے لیکن آج ہم ساتھ ہیں تو آپ کو اجازت مل رہی ہے۔" وہ نرمی سے بولا۔ وہ کم مسکراتا تھا لیکن اس کے چہرے پر ایک معصوم اور نرم تاثر ہمیشہ قائم رہتا تھا۔ اس کی گفتگو اور لہجہ ہمیشہ نرم رہتا تھا۔

"حاشر مجھ سے ملنے کب آئے گا؟" اچانک عظمیٰ نے سوال کیا۔ حاشر نے کباب کو ٹکروں میں توڑتے ماں کی جانب دیکھا۔ اسے اب اس سب کی عادت ہو چکی تھی۔

"بہت جلد آئے گا۔ میں نے اسے کہا ہے کہ آپ اسے بہت یاد کرتی ہیں۔ آپ کا بڑا بیٹا ہونے کے ناطے اس کا فرض ہے کہ وہ آپ سے آکر

ملے لیکن وہ کام میں بہت زیادہ مصروف ہوتا ہے کیا آپ جانتی ہیں اس کے پاس تو تین تین دن تک نہانے کا وقت بھی نہیں ہوتا۔" حاشر نے پلاؤ منہ میں ڈالتے کہا۔ عظمیٰ کھکھلا کر ہنس دیں۔

"میرا شیریں تو کتنا پیارا اور صاف ستھرا ہے۔ مجھ سے ہر بار ملنے آتا ہے میرے ساتھ کھانا کھاتا ہے۔"

"بالکل آپ کا شیریں آپ کو واک پر لے جاتا ہے۔ آپ کو شاپنگ پر لے کر جاتا ہے۔" حاشر نے دلیہ کے باؤل کی جانب اشارہ کیا۔ عظمیٰ سر ہلا کر باؤل میں چچ گھمانے لگیں۔

"شیریں!"

"جی مام!" حاشر ماں کی جانب متوجہ ہوا۔

"تمہارے ڈیڈ بھی تو نہیں آئے تمہیں کچھ خبر ہے سن کی؟" عظمیٰ نے ایک اور سوال کیا۔

"جب آپ یہ باؤل ختم کر لیں گی۔" حاشر نے نرمی سے کہا۔
 "تم بہت جھوٹے ہو شیریں!" عظمیٰ نے چچ کی پشت حاشر کے ہاتھ پر مار کر ہنستے ہوئے کہا۔ حاشر نے اثبات میں گردن ہلائی۔
 "بالکل آپ کا شیریں بہت جھوٹا ہے۔" حاشر نے ان کی توجہ پھر دلیے کے باؤل کی جانب مبذول کروائی۔ وہ خاموشی سے کھانے لگیں۔ ان کو کچھ کھلانا ہمیشہ جان جو کھم کا کام ہوا کرتا تھا۔ وہ بار بار ایک جیسے سوال پوچھ کر کھانے سے کھیلتی رہتی تھیں۔



شام نے ابھی پنکھ نہیں پھیلائے تھے۔ جی ایف ایس آر کی وسیع بلڈنگ میں معمول کے مطابق تمام کام جاری تھے۔ ہر شعبے میں یوں لگتا تھا جیسے سیکڑوں کی تعداد میں روبوٹ کام کر رہے ہوں۔ یہاں کا معمول اکثر دفاتر کے ماحول سے قدرے مختلف تھا۔ دفعتاً شیر کوٹ بازو میں ڈالے ڈینیل کے ساتھ چلتا جی ایف ایس آر کی اوپری منزل تک جانے والی لفٹ کی طرف بڑھتا دکھائی دیا۔ جہاں وی آئی پی کا بورڈ لگا ہوا۔ وہیں دو باروردی محافظ بھی تھے جو شیر کو آتا دیکھ سینے پر ہاتھ رکھتے جھکے۔

"Welcome master!"

"تھینک یو!" شیر نے جواب دیتے لفٹ پر ہاتھ رکھا۔ لفٹ کھلتے ہی وہ اندر داخل ہوا۔

"جیٹ ریڈی کروالو۔ میں فریش ہو کر اوپر آ جاؤں گا۔" شیر نے ڈینیل کی جانب دیکھتے کہا۔

"لنچ نہیں کریں گے ماسٹر؟" ڈینیل نے سوال کیا۔

"نہیں! آسکریم کافی ہے۔" شیر نے کوٹ کی جیب سے پاکٹ وائچ نکالی۔ جو سلور رنگ میں تھی۔ وہ اپنی بناوٹ سے اینٹیک لگ رہی تھی۔ شیر نے وقت دیکھتے ڈینیل کی جانب دیکھا۔

"مجھے پینتالیس منٹ لگیں گے۔"

"ٹھیک ہے ماسٹر! ڈینیل نے ادب سے کہا۔ شیر بھی سر ہلاتا دوسری جانب دیکھنے لگا۔



وہ اس اسٹریٹ کا سب سے آخری ریستوران تھا۔ وہاں رش بھی کم تھا اور ماحول بھی خوشگوار تھا۔ جنت کے سامنے جوس کا گلاس رکھا تھا۔ ایلیا قہوہ لیے بیٹھی تھی۔ دفعتاً جنت کا فون ارتعاش کرنے لگا۔ یہ پہلی دفعہ نہیں تھا۔ اس کا فون کافی دیر سے یوں ہی بج رہا تھا۔

"فون اٹھائیوں نہیں رہی ہو؟" ایلیا اس آواز سے تنگ آکر بولی۔
"ڈیڈ ہیں۔"

"ضرور تمہارے باڈی گارڈز نے فون کر کے بتایا ہوگا کہ تم نے پھر انھیں ڈاج دے دیا ہے۔" ایلیا تاسف سے گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

"نہ وہ ماسک والا منہوس شخص میرے آس پاس آتا نہ میرے ڈیڈ میرے ساتھ یہ باڈی گارڈز رکھتے۔"

"کہہ تو تم ایسے رہی ہو جیسے اس سے پہلے تو تم اکیلی آنے جانے کے لئے آزاد تھیں۔" ایلیا نے ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں کہہ کر دانت دکھائے۔

"ایسی پابندیاں بھی نہیں تھیں۔ کاش شیر ہوتا۔"

"پھر شیر؟ تم کب اس خواب سے نکلوگی جنت؟" ایلیا نے تنک کر کہا۔ جنت نے ٹھنڈی سانس لی۔

"تم سمجھتی کیوں نہیں ہو ایللی!"

"کیا سمجھوں؟ کیا میں واقعی اس بات کو مانوں کہ جی ایف ایس آر کا ڈائریکٹر تمہیں جانتا ہے؟"

"وہ پندرہ سال پہلے ہمارے ساتھ رہتا تھا۔" جنت چڑ کر بولی۔

"ہاں مجھے اچھی طرح پتا ہے تم اور کیا کہو گی؟۔ تمہارے ساتھ رہتا تھا۔ تمہارے ساتھ اسکول پڑھتا تھا؟ تمہیں آئس کریم کھلاتا تھا؟ تمہیں یہ چھلانگیں، لائیں مکے چلانا بھی اسی نے سکھایا تھا؟ یہی نا!" ایلیا ہمیشہ کی طرح اس کی بات مذاق میں اڑاتے ہوئے بولی۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو ڈیڈ گولڈن فاکس کے فرنٹ مین ہیں۔" جنت چڑ کر بولی۔

"اچھا تو بتاؤ بچپن میں کیسا دکھتا تھا؟ تب بھی بلیک گلووز؟ اور بلیک ماسک پہنتا تھا؟" ایلیا مسکراتے ہوئے سوال کر رہی تھی۔

"ویسے تم کہتی ہو وہ مسلمان ہے رائٹ؟ لیکن میں نے تو سنا ہے اس کے جسم پر ٹیٹو ہیں؟ مسلمان ٹیٹوز تو نہیں بناتے۔"

"اکثر مسلمان رکھتے ہیں۔ وہ بھی مسلم ہی ہے۔" جنت میز پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بے چینی سے بولی۔

"چلو مان لیتی ہوں تمہاری بات۔ ہاں ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ تب تمہارے گھر رہا ہو۔"

"ہو سکتا ہے نہیں ایسا ہی ہوا تھا۔ ہم بہت اچھے دوست تھے۔" جنت افسردگی سے بولی۔

"لیکن اب وہ ایک ورلڈ کلاس بزنس مین ہے۔" اس کی آواز دھیمی تھی۔ جنت بے چینی سے رخ موڑ گئی۔

"کیا تمہیں لگتا ہے پندرہ سال گزرنے کے بعد بھی اسے تم یاد ہوگی؟ بقول تمہارے وہ امریکہ ایک سال تک رہا تھا۔" ایلیا نے سنجیدگی سے سوال کیا۔ جنت کا چہرہ اتر گیا تھا۔ وہ یک دم خاموش سی ہو گئی تھی۔

"وہ مجھے نہیں بھول سکتا۔" جنت با آواز بڑبڑائی اور پھر ایلیا کی جانب دیکھا۔

"بھولنا تو نہیں چاہیے۔" اس کی بڑبڑاہٹ دھیمی پڑتی گئی۔

"لیکن یہ بھی تو دیکھو روس جانے کے بعد فقط ایک سال تک ہی اس نے تمہیں ای میلز بھیجیں۔"

"میں جواب نہیں دیتی تھی۔" جنت نے فوراً سے کہا۔

"وجہ کوئی بھی ہو۔ اس نے ای میلز بھیجنا چھوڑ دیا تھا نا بقول تمہارے؟" ایلیا نے ہچکچاتے ہوئے سوال کیا۔

"کیا تمہیں اب بھی یقین نہیں کہ۔"

"میں تو کرتی ہوں۔ کرنے لائق تو نہیں ہے لیکن۔ میرا مطلب وہ شیر ہے یا۔"

"شیر ہے تو کیا مطلب ہے تمہارا؟" جنت چڑ کر بولی۔

"ہماری کمیونٹی سے جڑا ہر شخص ہی جانتا ہے کہ وہ کون ہے جنت! میرے ڈیڈ تمہارے ڈیڈ! سب اس کے اشاروں کے غلام ہیں۔۔ ہاں مانتی ہوں تمہارے ڈیڈ سے نہیں بنتی اس کی سب جانتے ہیں وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے لیکن اس کے باوجود کہاں وہ اور کہاں ہم! اور پھر ہم سب ہی جانتے ہیں کہ وہ اور ہیزیل۔۔"

"تمہاری تمام باتیں اپنی جگہ درست ہیں لیکن تم مجھے مایوس نہیں کر سکتی۔"

"میں مایوس نہیں کر رہی صرف تمہیں حقیقت بتانا چاہتی ہوں۔۔ ایسے خواب ہی کیوں دیکھتی ہو جس کی تعبیر ممکن نہیں؟"

"ہم جیسے لوگ تو اسے دور سے دیکھنا تک انورڈ نہیں کر سکتے۔ تمہیں پتا ہے میں بھی یہ سوچتی تھی کہ میں کبھی اسے دیکھ پاؤں۔ اس سے ملوں۔ لیکن ہمیں ہمارے پسندیدہ سلبریٹیز کو دیکھنے کا موقع تو مل ہی جاتا ہے کبھی نہ کبھی۔ لیکن وہ نہ ہی کوئی سلبریٹی ہے نہ ایسا شخص جسے دیکھنے کا عام لوگوں کو موقع ملتا ہو۔" ایلینا نے ٹھنڈی سانس بھرتے کہا۔

جنت خاموشی سے میز کو گھورتی رہی۔

"ڈیڈ کہہ رہے تھے قلمداد میں عام لوگوں کی اینٹری اگلے دو ہفتوں کے لئے بند ہے۔"

"ش۔۔ شیر شارجہ آرہا ہے؟" جنت کا دل ایک پل کو دھڑکنا بھول گیا اور وہ جھٹکے سے میز چھوڑ کر اٹھی۔ اس کی آنکھوں کی چمک دس گنا بڑھ گئی تھی۔ ایلینا بھی اپنا بیگ لیے اٹھی۔

"دو۔ ہفتوں کے لئے۔۔" جنت کے لبوں میں جنبش ہوئی۔

"ہاں اگر تمہارے ڈیڈ نے تمہیں شارجہ سے باہر ویکیشن پر بھیجنا چاہا تو سمجھ لینا کہ وہ آرہا ہے۔۔ تمہارے ڈیڈ ہمیشہ یہی کرتے ہیں۔ ہاہاہا۔۔ تم اور تمہارے ڈیڈ۔۔" ایلیا شرارتی انداز میں ہنستے ہوئے بولی۔

"ایسا اس لئے کیوں کہ جو میں کہتی ہوں وہ سچ ہے۔ میری بنائی گئی افسانوی کہانی نہیں۔۔"

"کیا پتا تمہارے ڈیڈ کو ڈر ہو کہ شیر عمش انکل کی دشمنی تمہیں اسمگل کر کے نکالے گا۔ ہاہاہا۔۔ اس لئے جب جب وہ شارجہ آتا ہے تمہارے ڈیڈ کا ویکیشن پلان آجاتا ہے۔۔"

"شٹ اپ!" جنت نے تک کر ایلیا کے ہاتھ پر تھپڑ جھڑا۔ اس کی دھڑکنیں معمول سے ہٹ چکیں تھیں۔ چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔ ایلیا خاموشی سے اس کی جانب دیکھتی رہی۔



اسلام آباد کے ایک ہوٹل کا کمرہ تھا۔ جو نفاست اور سادگی سے سجا تھا۔ کمرے میں بریگیڈیئر عمر فاروق صوفے پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ وہ ادھیڑ عمر شخص تھے۔ قدرے فربہ مائل تھے لیکن شخصیت متاثر کن اور بارعب تھی۔ سامنے کی جانب کمانڈر حاشر خان بیٹھا دکھائی دے رہا تھا۔ سر پر وہی سیاہ ایس ایس جی کے لوگو والی کیپ تھی۔ سیاہ ٹی شرٹ پر نسواری کلر کا فوجی کوٹ تھا۔ جس پر نام کی پلیٹ تھی۔ اس پر حاشر خان لکھا تھا۔ وہ مودب اور چوکس سا بیٹھا تھا۔

"تمہاری والدہ کیسی ہیں۔"

"باقی سب تو ٹھیک ہے لیکن ان کا مجھے میرا مرحوم بھائی سمجھنا مجھے بہت
ڈسٹرب کرتا ہے۔" حاشر نے عام سے انداز میں کہا۔

"افسوس! تمہاری اتنی توجہ اور یاد دہانی بھی اس امر کو بدلنے میں ناکام
رہی۔ کیا کہتے ہیں ڈاکٹرز؟"

"یہی کہ بار بار پریشہ ڈالنا ان کی ذہنی صحت کے لئے خطرناک ہو سکتا
ہے۔ اس لئے میں نے اس پہلو پر سمجھوتہ کر لیا ہے۔" حاشر اپنے
مخصوص دھیمے انداز میں بولا۔

"اللہ بہتر کرے۔"

"آمین!" حاشر نے کہا۔

"یہ اچانک میٹنگ کی کیا وجہ ہے؟" حاشر نے سوال کیا۔

"میں جانتا ہوں تم بہت کم چھٹیوں پر جاتے ہو اور حال ہی میں تم نے ایک پیچیدہ کیس پر مسلسل کئی مہینے کام کر کے ہمیں کامیابی سے ہمکنار کیا ہے لیکن موجودہ مسئلے اور کیس کو میں تمہارے علاوہ کسی اور کے سپرد نہیں کرنا چاہتا۔" وہ نرمی سے کہہ رہے تھے۔ ان کا لہجہ دوستانہ اور رسائیت بھرا تھا۔

"مجھے خوشی ہوئی کہ آپ مجھ پر بھروسہ کرتے ہیں مزید میرا فرض ہے یہ جسے ہر صورت ادا کرنا میری اخلاقی اور قومی ذمہ داری ہے۔" وہ پیشہ ورانہ مسکراہٹ لئے احترام سے بولا۔

"مجھے تم سے یہی امید تھی۔ میرا بیٹا بھی بالکل تمہاری طرح تھا۔ ذمہ دار اور ہمیشہ ملک کی خدمت کے لئے تیار رہنے والا۔ میں جب جب تم سے

ملتا ہوں مجھے میرا بیٹا یاد آتا ہے۔" وہ محبت سے بولے۔ حاشر فقط نرمی سے مسکرا دیا۔

"شاید یہ تمہارے کریئر کا سب سے اہم اور پیچیدہ کیس ثابت ہو لیکن مجھے یقین ہے تم مجھے اور قوم کو مایوس نہیں کرو گے۔"

"میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ مایوس نہ ہوں۔"

"پچھلے چند سالوں کی نسبت اس سال منشیات اور غیر قانونی اسلحہ کی اسمگلنگ میں اضافہ ہوا ہے۔ اغواء کی واردات میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن اہم مسئلہ یہ نہیں ہے۔" بریگیڈیئر سنجیدگی سے بولے۔

"مسئلہ عرب امارات میں کام کرنے والے لاکھوں پاکستانی شہری ہیں جن سے غیر قانونی کام لیے جا رہے ہیں۔ یہ رپورٹس ہیں۔ منشیات اسمگلنگ بڑے پیمانے پر منی لانڈرنگ۔ ہم ان غریب پاکستانی جو وہاں روزگار کے

لئے جاتے ہیں لیکن کسی نہ کسی وجہ سے ان کی چال بازی میں آکر خود کو نقصان پہنچا دیتے ہیں یہ قصے دن بہ دن بڑھتے جا رہے ہیں۔ ہمیں صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ پاکستان سے باہر رہنے والے پاکستانیوں کی بھی حفاظت کرنی ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔ یہ وہی کیس ہے جس کی میں نے رپورٹ پیش کی تھی۔" حاشر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"ہاں ایسا ہی ہے۔۔۔ یہ وہی کیس ہے۔ باقی یہ رپورٹ ہے تم اسے پڑھ لو کیپٹن منان، کیپٹن حنین، کیپٹن اریب اور کیپٹن طوبی! آپ کو جوائن کریں گے۔"

"کیپٹن اریب اور کیپٹن طوبی؟ کس یونٹ سے ہیں؟"

بریکڈیر عمر آہستگی سے ہنسے۔ حاشر نے سوالیہ انداز میں گردن ہلائی۔

"مجھے لگا تم بھی سوال کرو گے کہ لڑکی کیوں؟ باقی ٹیم میمبرز کا پہلا سوال یہی تھا۔" وہ مسکرائے۔ حاشر نے سر جھٹکا۔

"مجھے نہیں لگتا میں ایسے سوالات کرنے کا عادی ہوں۔" اس نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"باقی ٹیم میمبرز سے تم ڈسکشن کرنا بریف تو میں نے کر دیا ہے اور بجٹ تم مینج کرو گے۔ خدا کا شکر ہے چیف نے ہمیں اس بار ایک اچھے خاصا بڑا بجٹ دیا ہے۔"

"یہ واقعی اچھی بات ہے۔ کم از کم پچھلی دفعہ کی طرح مجھے میری تنخواہ کا استعمال نہیں کرنا پڑے گا۔" حاشر نے مسکراتے ہوئے طنز کیا۔

"تمہیں بعد میں رقم ادا کر دی گئی تھی۔" بریگیڈیئر خفگی سے بولے۔

"بعد کی باتیں بعد کی ہوتی ہیں سر! اصل مسئلہ پہلے کا مسئلہ ہے لمیٹڈ بجٹ اور بڑا کیس۔۔ وہ بھی ایک مہنگے ملک میں۔۔ امید ہے جلد ہی بڑے رینک پر بیٹھے افسران کو فیلڈ پر کام کرنے والے جوانوں پر رحم آجائے۔" حاشر نے کہتے ہوئے اپنا والٹ اور موبائل اٹھایا۔

"کافی پی کر جاؤ۔" بریگیڈیئر نے دوستانہ انداز میں آفر کی۔

"کیس پر کل سے کام شروع کر دینا۔"

"نہیں میں آج ہی سے کروں گا۔ مجھے ٹیم میمبرز کی پروفائلز بھیج دیں تاکہ میں ان سب سے مل کر کام کا آغاز کر لوں۔"

"ہمیشہ کی طرح تم۔۔ کبھی نہیں بدلو گے۔" وہ ہنس دیے۔

"کیا مجھے بدلنا چاہیے؟" حاشر نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔ مسکراتے ہوئے اس کے ہونٹوں کا ایک جانب کھنچاؤ نے اس کے چہرے کے

تاثرات کو یک دم تبدیل کر دیا تھا۔ اس کے چہرے کی معصومیت پل بھر میں کسی منفی تاثر میں جا چھپی تھی۔

"تمہاری یہ شیطانی مسکراہٹ تمہارے طنز کا پول کھول رہی ہے۔ کمانڈر
"۔۔۔"

"معاف کیجیے گا لیکن میں نے رازداری سے طنز نہیں کیا اس لیے یہ نہ کہیں کہ میرے طنز کا پول کھل رہا ہے۔"
"مجھے تم سے بحث نہیں کرنی چاہیے۔"

"یہ بات کہنے کے باوجود مجھ سے بحث کا آغاز کرنے والے ہر دفعہ آپ ہی ہوتے ہیں۔ چلیں میں نکلتا ہوں مجھے دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔" وہ نرمی سے کہتا باہر کی جانب بڑھ گیا۔ بریگیڈیئر مسکراتی نرم نگاہوں سے اس کی پشت کو دیکھتے رہے۔

"کوئی اتنا دلچسپ اور مکمل کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ محبت سے بڑبڑائے۔
 "بے شک تم پاکستان کی سب سے قیمتی متاع ہو۔" وہ فخریہ انداز میں
 بڑبڑائے اور اٹھ کر دوسری جانب بڑھ گئے۔



کزان تاتارستان کا ایک خوبصورت اور بڑا شہر ہے۔ تاتارستان روس کے
 اندر موجود ایک خود مختار ریاست ہے جس پر تاتاریوں کی حکومت
 ہے۔ اس وقت شیر اسی شہر کی ایک خوبصورت عمارت میں موجود تھا۔ وہ
 عمارت ایک ہوٹل کی تھی جس پر GFSR کا لوگو تھا۔ وہ ایک قدرے
 وسیع ہال تھا جہاں درجنوں کرسیاں ایک طویل میز کے گرد موجود
 تھیں۔ پچھلی طرف شیشے کی دیوار تھی جس کے پار ایک خوبصورت باغ
 اور اس کے عین عقب میں خوبصورت آبشار بہہ رہی تھی۔ یہ منظر انتہائی

مسحور کن تھا۔ شیر آبشار کو تکتا آنسکریم کھانے میں مگن تھا۔ اس کے عقب میں وہ سینے پر ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ وہ دراز قد تھی۔ سرخ و سفید رنگت کی حامل دلکش و جوان لڑکی۔ وہ میرینا تھی۔ میرینا ایک تاتاری مسلمان تھی۔ جو اس ہوٹل کی سی ای او تھی۔ اسے اس پوسٹ پر شیر نے رکھا تھا۔ شیر اسے کئی سالوں سے جانتا تھا۔ ان میں اچھی انڈرسٹینڈنگ تھی۔

"تو تم شارجہ جا رہے ہو؟"

"ہاں! مجھے ڈھیروں کام ہیں وہاں! لیکن کیا تمہاری غضنفر سے بات ہوئی؟"

"نہیں میری اس سے کوئی خاص بات نہیں ہوئی جیسا کہ تم جانتے ہو حالات کیسے چل رہے ہیں۔" وہ بھی آبشار کو گھورتے ہوئے بولی۔

"اب یہ مت کہنا کہ تم اس سے نہیں ملی ہو۔" شیر نے تنک کر اس کی جانب دیکھا۔

"میں واقعی نہیں ملی ہوں۔" میرینا نے آہستگی سے کہا۔

"کبھی تو دل چاہتا ہے تمہاری گردن توڑ کر تمہیں اس آبشار میں جا

پھینکوں۔ تم کسی کام کی نہیں ہو۔ تم جیسی ناکارہ عورت میں نے

ساری زندگی نہیں دیکھی۔" شیر یک دم چڑ کر بولا اور آسکریم کا باؤل

میز پر رکھ کر اور زوردار لات کرسی کو رسید کرتا ادھر ادھر ٹھلنا لگا۔

"تم مجھ سے اس طرح بات نہیں کر س۔"

"میں کر سکتا ہوں۔ سمجھی تم! کر سکتا ہوں میں۔ کون ہوتی ہو تم مجھے بتانے

والی کہ مجھے کس طرح بات کرنی ہے تم سے؟" وہ درشتی سے کہتا اس کی

جانب پلٹا۔ میرینا نے سر جھکا لیا۔

"غضنفر کی وجہ سے میں تمہیں برداشت کر رہا ہوں میری نا مجھے مجبور مت کرو کہ میں تم پر کوئی سختی کروں سمجھ گئیں تم! اگر تم کام نہیں کر سکتیں مجھے بتادو میرے پاس میرے کاموں کے لئے اور بھی لوگ ہیں۔" شیر نے میز سے اپنا فون اٹھایا اور ایک نمبر ملایا۔

"میری میٹنگ چند منٹ میں ختم ہو رہی ہے اور جیٹ ریڈی رکھو میں شارجہ فلائے کر رہا ہوں دو گھنٹے میں۔" شیر میری نا کی طرف غصیلی نگاہ سے دیکھتا فون پر ڈینیل سے کہہ رہا تھا۔ میری نا گھبرائے انداز میں ہتھیلیاں مسل رہی تھی۔

"مجھے ایک اور موقع دو پلیز!" میری نا نے گھبرائے انداز میں کہا۔ شیر نے طنزیہ انداز میں گردن ہلائی۔

"یہی تمہاری سزا ہے کہ تم اپنے بگاڑے ہوئے کام کو خود سدھارو گی۔ میں چاہوں تو ایک مس کال سے اسے سیٹ کر لوں لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔ جانتی ہو کیوں؟" شیر اپنے دستانے ہاتھوں میں ڈالتا اس کے قریب آیا۔ میرینا پریشان نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتی رہی۔

"تاکہ آئندہ تمہیں یہ یاد رہے کہ یہ مقام تمہیں میری وجہ سے ملا ہے اور اس کو قائم رکھنے کے لیے تمہیں میرے ہر اشارے کو سنجیدگی سے لے کر اس پر اپنی جان تک لگا دینی ہے۔ دولت اور طاقت ایسے ہی نہیں مل جاتی میڈم میرینا! مزید ایک حلقہ جانتا ہے کہ تم میری گرل فرینڈ ہو۔۔۔" اس نے گرل فرینڈ پر زور دیتے اسے سختی سے گھورا۔

"لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ تم سچ مچ خود کو میری گرل فرینڈ سمجھنا شروع کر دو۔" شیر کی سرگوشی خطرناک حد تک سرد تھی۔ میرینا کی ریڈھ کی ہڈی میں سنسناہٹ پیدا ہوئی وہ بے اختیار چند قدم پیچھے ہٹی۔

"اب چاہے دس دن لگاؤ۔ بیس دن لگاؤ۔ مجھے میرا کام مکمل چاہیے بغیر کسی غلطی کے۔۔۔" شیر نے اپنا کوٹ اٹھا کر پہنا۔

"لیکن میرا کئی لوگوں سے رابطہ ممکن نہیں ہو پارہا۔ کچھ لوگ بارڈر پر پکڑے گئے ہیں۔۔۔"

"یہ میرا مسئلہ کبھی بھی نہیں تھا میرینا! اس کی ذمہ داری تم لوگوں پر ہے کہ تم لوگ کتنے قابل لوگوں کو کام پر لگاتے ہو۔ تم لوگوں کو میں نے ہر سہولت اور ٹیکنالوجی دی ہے اس کے بدلے مجھے میرا کام مکمل چاہیے۔ نئے لوگ خریدو۔ راستہ تبدیل کرو ہزار دفعہ بکواس کی ہے میں

نے کہ ایک راستہ دوسری دفعہ استعمال کرنا چھوڑ دو۔۔۔" شیر بے حد غصے میں تھا۔ میرینا گھبرائے انداز میں اس کی جانب دیکھتی رہی۔

"جو لوگ پکڑے گئے ہیں کیا وہ ابھی تک زندہ ہیں؟"

"نہیں۔۔ سائینائیڈ پلز تھیں ان کے پاس!" میرینا نے آہستگی سے کیا۔

"آہ۔۔۔"

شیر نے جبراً بھیج کر ہتھیلی پر مکا رسید کیا۔

"صرف تم جیسے لاپرواہ لوگوں کی وجہ سے۔۔ یہ تمہارا آخری موقع ہے میرینا! ایک مہینہ ہے تمہارے پاس! مجھے اگلے مہینے کی دس تاریخ تک غضنفر کی جانب سے کنفرمیشن کال ریسیو ہو جانی چاہیے۔ ورنہ بھول جاؤ کہ یہ ہوٹل مزید تمہارے ہاتھ میں رہے گا یا تم میرے ساتھ کام کرو گی۔" وہ غصیلے انداز میں کہتا باہر کی جانب بڑھنے لگا۔ اس کے بھاری

جوتوں کی آواز دور ہوتی گئی۔ میرینا نے سختی سے آنکھیں میچ کر چند گہری سانسیں لیں اور قریب رکھی کرسی پر آ بیٹھی۔ اس نے اپنا سر تھام لیا تھا۔ اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اس کی زندگی کبھی اس قدر ناقابلِ یقین ہو جائے گی۔



"لیکن ڈیڈ مجھے نہیں جانا کہیں بھی!" جنت نے بیزاری سے کہا۔ وہ جانتی تھی عمش اسے اچانک لندن کیوں بھیج رہا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں بے چینی سے چکر کاٹتی کہہ رہی تھی۔ اس کے لہجے میں خفگی غصہ بے بسی سب ایک ساتھ ظاہر تھا۔

"میں بہت مصروف ہوں جنت! اور میں یقیناً تمہاری ان بچکانہ باتوں کو برداشت نہیں کر سکتا مزید میں نے تم سے نہیں پوچھا کہ تم وہاں جارہی ہو یا نہیں۔"

"یہی تو مسئلہ ہے کہ آپ کبھی نہیں پوچھتے مجھ سے۔ کبھی بھی نہیں۔ میری زندگی میری کیوں نہیں ہے ڈیڈ؟ کیوں آپ اس پر مکمل کنٹرول چاہتے ہیں؟ میلوں دور رہ کر بھی کیسے آپ میری زندگی کو کنٹرول کر سکتے ہیں؟ کیا میں کوئی مشین ہوں؟" وہ تڑپ کر چلائی۔

"تمہاری حفاظت۔"

"میری حفاظت؟ کم آن ڈیڈ! اگر آپ کو میری فکر ہوتی تو آج آپ اس سیاہ دنیا میں رہتے ہی کیوں؟ نہ آج آپ اس فضول کاروبار میں ہوتے نہ میری مام کا مرڈر ہوتا نہ میں آج ایسی زندگی گزار رہی ہوتی۔ آپ نے مجھ

سے میرا سب کچھ چھین لیا ہے۔ کم از کم اب مجھے ایک سکون بھری زندگی گزارنے دیں میری مرضی سے۔۔۔ "جنت نے چلا کر کہتے فون بند کیا اور پلنگ پر پٹخ دیا۔ اس کا چہرہ غصے اور بے بسی سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے ضبط سے نچلا لب دانتوں میں دبایا اور دھپ سے پلنگ پر گر کر آنکھیں سختی سے میچ لیں۔ اس کی آنکھوں کے کناروں سے آنسوؤں کے موٹے قطرے نکل کر کینٹی سے ہوتے اس کے بالوں میں جذب ہوتے گئے۔ کچھ دیر ہی گزری تھی جب اس کے کمرے کا دروازہ بجا۔

"میرے کمرے میں داخل ہونے کی کوشش بھی نہ کرے کوئی۔۔۔" وہ غصے سے چلائی لیکن اس کی چیخ بے فائدہ رہی تھی۔ ایک ادھیڑ عمر خاتون

خاموشی سے اندر داخل ہوئی اور اس کے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھنے لگی۔

"میں کہیں نہیں جا رہی ہوں۔" جنت نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔
 "معاف کیجئے گا لیکن عمش صاحب کا حکم ہے اگر آپ آدھے گھنٹے میں فلائٹ نہیں لیں گی تو مجبوراً انہیں زبردستی کرنی پڑے گی۔"
 "تم سب کو اللہ پوچھے گا۔" وہ دھاڑی اور جھٹکے سے اٹھ کر ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی۔



صبح کے گیارہ بجے تھے۔ شارجہ کا موسم خاصا خنک اور دھند بھرا تھا۔ فضا میں ہر جانب گہری دھند چھائی ہوئی تھی۔ جنت اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ اس کا کمرہ ہوادار تھا۔ بڑی بڑی کھڑکیوں پر

اونچائی پر سرمئی پردے تھے۔ کمرے کی عقبی دیوار سیاہ تھی جس پر سفید رنگ کے پھول بنے ہوئے تھے۔ دائیں بائیں کی دیواریں سادی تھیں۔ ایک دیوار پر ہر جانب لکڑی کے ریک تھے جس پر رنگین کتابیں تھیں۔ وہ کتابیں سکیڑوں کی تعداد میں تھیں۔ بائیں جانب والی دیوار پر ایک طرف سفید بورڈ تھا جس پر کچھ تصاویر لٹکی تھیں۔ کچھ سفید رنگ کی پرنٹڈ تصاویر تھیں۔ قریب سے دیکھنے پر ہی خبر ہو پاتی تھی کہ وہ دراصل انگریزی میں لکھی گئی کئی ای میلز تھیں۔ جنہیں یہاں لگایا گیا تھا۔ ہر ای میل کے نیچے شیر لکھا ہوا تھا۔ وہاں اس کی اور شیر کی چند تصاویر تھیں جو پندرہ سال پرانی تھیں۔ کچھ تصاویر ابھی کی تھیں جنہیں اس نے ایک پرائیویٹ گروپ سے حاصل کیا تھا۔ کمرہ منفرد انداز سے سجا ہوا

تھا۔ بالکل اسی انداز میں جیسے گھر کے دیگر حصے سجائے گئے تھے۔ دفعتاً اس کے کمرے کا دروازہ بجا۔

"مس جنت فلائٹ کا ٹائم ہونے والا ہے۔ گاڑی تیار ہے۔" ادھیڑ عمر ملازمہ نے اسے آواز دی۔

جنت نے تھکن زدہ سانس خارج کی اور اٹھ باہر کی جانب بڑھ گئی۔ اس کا انداز غصیلا اور جارحانہ تھا۔ اسے باہر کی جانب جاتا دیکھ ایک ملازم اس کے کمرے کی جانب بڑھا اور وہاں سے اس کا سامان اٹھا لایا۔ جنت خاموشی سے گاڑی میں جا بیٹھی تھی۔ کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ اس کی ضد اور احتجاج بے کار تھا۔ اس کی نہیں سنی جانی تھی۔ اس کے چہرے پر بظاہر غصہ تھا لیکن وہ اندر سے بری طرح بکھری ہوئی تھی۔



اسلام آباد کے قدرے خاموش اور غیر آباد علاقے میں یہ چھ منزلہ عمارت تھی۔ آس پاس کی عمارتوں میں قدرے زیادہ فاصلہ تھا۔ شام کا پہرہ تھا۔ سرد ہوائیں چل رہی تھیں۔ بارش کا بھی امکان ظاہر کیا جا رہا تھا۔ یہ عمارت کی چھٹی منزل پر واقع اپارٹمنٹ تھا۔ جس کے لیونگ روم میں وہ پانچ افراد موجود تھے۔ حاشر سامنے کی جانب بیٹھا تھا۔ سفید ٹی شرٹ اور سیاہ ٹراؤزر پیروں میں نرم چپل تھے۔ اس نے کچھ دیر قبل ہی میز پر کافی کے کپ لا کر رکھے تھے۔ سامنے وہ چاروں بیٹھے تھے۔ سامنے ڈبل سیٹر پر کیپٹن حنین اور اریب تھے۔ دائیں جانب کیپٹن طوبی بائیں جانب کیپٹن منان تھے۔ کیپٹن حنین سانولی رنگت کا خوش شکل نوجوان تھا۔ حاشر ہیڈ کوارٹر میں کئی دفعہ کیپٹن حنین اور منان سے مل چکا تھا۔ وہ دونوں ہی اس سے اچھی طرح واقف تھے۔ جبکہ اریب کراچی سے تھا۔ اریب کا تعلق

یوں تو حیدر آباد سے تھا لیکن اس کی رہائش کراچی میں تھی جبکہ طوبیٰ کا تعلق اسی شہر یعنی اسلام آباد سے تھا۔

"یقیناً بریگیڈیئر نے آپ لوگوں کو بریف کر دیا تھا۔ میں آپ لوگوں کو اس کیس میں ہیڈ کروں گا۔ میرا نام حاشر خان ہے۔ میں ایس ایس جی سے ہوں۔ لیکن میرا آرمی کی تمام فیلڈز میں کچھ نہ کچھ تجربہ ہے سو مجھے امید ہے ہم ایک اچھی ٹیم بن کر اس کیس کو حل کریں گے۔ آپ سب سے مل کر اچھا لگا۔ مسٹر اریب آپ اپنا تعارف کروائیے۔" حاشر نے کیپٹن اریب کی جانب دیکھتے نرمی سے کہا۔

"میں کیپٹن اریب ہوں۔ میرا تعلق کراچی سے ہے میں نے حال ہی میں کراچی میں ریلوے لائن دھماکے کی رپورٹ فائنل کر کے ہیڈ کوارٹر ارسال کی تھی جس کے بعد مجھے بریگیڈیئر عمر نے اسلام آباد آنے کا آرڈر

دیا۔ آپ کے بارے میں بہت سنا ہے کمانڈر! مجھے خوشی ہے کہ آپ کے ساتھ کام کر کے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملے گا۔" وہ مسکراتے ہوئے خوش اخلاقی سے بولا۔ حاشر نے غیر محسوس سی مسکراہٹ ظاہر کی۔

"میں نے وہ رپورٹ پڑھی تھی اور مجھے آپ کا کام کرنے کا انداز بہت پسند آیا۔ آپ نے جس طرح باریکی سے ہر معاملے کو گہرائی سے جانچا اور رپورٹ تیار کرتے وقت تمام پہلوؤں کو صفائی سے پیش کیا۔ میں خود آپ سے مل کر آپ کے ساتھ کام کرنا چاہتا تھا۔ مجھے یقین ہے آپ کا مشاہدہ ہمارے لئے مددگار ثابت ہوگا۔" حاشر نے دوستانہ انداز میں کہا۔ طوبی ان سب سے آخر میں پہنچی تھی۔ اسے یہاں آکر حقیقتاً گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ ماحول میں قدرے خاموشی تھی اور وہ اتنی خاموشی کی عادی نہیں تھی۔ اس کی نگاہ بار بار سامنے بیٹھے طویل قامت کمانڈر پر جا ٹھہرتی

تھی۔ جب جب وہ بولتا وہ بے اختیار اسے دیکھے جاتی۔ صرف وہی نہیں کیپٹن حنین اور منان کا بھی یہی حال تھا۔ وہ چاروں اسے مسلسل تک رہے تھے لیکن حاشر کو اس کی عادت تھی اس لیے وہ عام سے انداز میں بیٹھا تھا۔

"میں کیپٹن حنین ہوں۔"

"جی آپ دونوں کو میں جانتا ہوں۔" حاشر نے کیپٹن حنین اور منان کی جانب دیکھا۔ اور پھر طوبیٰ کی جانب دیکھا۔ جو جامنی رنگ کے بالوں سے کھیلنے کی اداکاری کرنے لگی۔ حاشر نے آنکھیں سکیڑ کر اس کا جائزہ لیا۔ وہ اس کی جانب متوجہ ہونے کے باوجود خود کو انجان ظاہر کرنے کی اداکاری کر رہی تھی۔ حاشر من ہی من میں اس کے بچپنے پر حیران ہوا۔ صاف رنگت اور پھولے گالوں والی وہ بھری جسامت کی حامل تھی۔ یوں کہنا

بہتر تھا کہ وہ صحت مند تھی لیکن موٹی نہیں تھی۔ اس کے ناخن بھی بڑے ہوئے تھے جن پر سیاہ ناخن پالش لگی تھی۔

"مس طوبی!" حاشر نے خود کی اسے مخاطب کیا۔ اس کا انداز نرم تھا۔ اس نے چونکنے کی اداکاری کرتے حاشر کی جانب سوالیہ انداز میں اس کی جانب دیکھا۔ باقی تینوں نے بھی اس کی جانب کوفت سے دیکھا۔

"کیا آپ اپنا تعارف کروائیں گی؟"

"میں کیپٹن طوبی عزیز ہوں۔ میرے والد، دادا، پردادا سب پاکستانی فوج میں بڑے عہدوں پر خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔ آپ کرنل عزیز۔"

"میری ٹیم میں کام کرتے ہوئے کوئی کسی کا بیٹا، باپ، دادا یا پردادا نہیں ہے۔ یہاں سب پاکستان کے بچے ہیں۔ اس لئے مجھے اپنے رشتہ داروں کے تعارف نہیں اپنی قابلیت بتائیں۔"

حاشر نے اسے نرمی سے ٹوکا۔

"اوہ۔ سوری۔۔" وہ خفت سے سرخ ہوتی بولی۔

"کیپٹن طوبی! میں تین آپریشنز پر کام کر چکی ہوں۔ بلیک بیلڈ ہوں۔ آئی ٹی چیمپئن۔ دو سال میں نے جاپان میں ہونے والی ایک چیمپئن شپ میں پاکستان کی نمائندگی کی تھی۔ مزید آئی ٹی چیمپئن شپ میں گولڈ میڈل بھی حاصل کیا تھا۔"

حاشر نے متاثر انداز میں گردن ہلائی۔

"بہترین! مزید آپ کو ورک آؤٹ کی ضرورت ہے۔ اور کوشش کریں یہ ہمیر ڈائز اور رنگ برنگی ناخن ظاہر نہ ہوں آن ڈیوٹی۔۔ آپ سب کی پرسنل لائف میرا مسئلہ نہیں ہے لیکن جب آپ ڈیوٹی پر ہیں تو قواعد و ضوابط کا خیال رکھنا لازمی ہے۔"

اس نے بات مکمل کرتے کافی کا گھونٹ بھرا۔ باقی سب نے تائید کرتے گردن ہلائی۔ جبکہ اریب طوبی کے تاثرات دیکھنے لگا۔

"ورک آؤٹ؟ سریلی؟ کمانڈر حاشر نے مجھے موٹی کہا؟" وہ چڑچڑے انداز میں با آواز بڑبڑائی۔ کیپٹن اریب نے بمشکل مسکراہٹ ضبط کرتے حاشر کی جانب دیکھا جس نے طوبی کی بڑبڑاہٹ کو نظر انداز کر دیا تھا۔ کیپٹن منان اور حنین طوبی کی بڑبڑاہٹ پر خفت سے گردن کھجاتے ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے۔ ایک ہی یونٹ کے ہوتے وہ دونوں اچھے دوست تھے۔



یہ شارجہ کے ریگستانی علاقے میں واقع ایک بے حد وسیع و عریض ہوٹل "قلمداد" تھا۔ جس کی چھت پر اس پہر ہیلی پیڈ کے آس پاس کئی باوردی محافظ اور شارجہ میں کام کرنے والے GFSR کے دیگر عہدے دار شیر کو خوش آمدید کہنے کے لئے کھڑے تھے۔ دفعتاً فضا میں دور سے سیاہ ہیلی کاپٹر ظاہر ہوا۔ جس پر سفید شیر کا سر بنا ہوا تھا۔ ہیلی کاپٹر ظاہر ہوتے ہی تمام لوگ چوکس ہوئے۔ سب نے قدموں کو پیچھے کھینچ لیا اور سر جھکائے کھڑے ہوئے۔ ہیلی کاپٹر کی تیز کانوں کی چیرتی آواز قریب آتی محسوس ہوئی پھر آہستہ آہستہ ہیلی کاپٹر نیچے آتا گیا یہاں تک کہ ہیلی پیڈ پر آکر لینڈ ہوا۔ ہیلی کاپٹر کا گیٹ کھلتے ہی شیر جست لگاتا نیچے اتر۔

"خوش آمدید جناب!" وہ سب یک کے بعد دیگرے اس کے قریب آتے سر جھکاتے ہاتھ ملاتے گئے۔ ان سب سے ہاتھ ملانے کے دوران شیر دستانے پہنا رہا۔ سب کو سنجیدہ چہرے سے جواب دیتا وہ ڈینیل کو اشارہ کرتا لفٹ کی جانب بڑھا۔ وہ سب بھی اس کے عقب میں لپکے تھے۔

"میرا لیپ ٹاپ میرے اپارٹمنٹ میں سیٹ کر دو میں چینج کر کے پہلے کچھ ضروری کام کروں گا اس کے بعد اسٹاف وزٹ۔" شیر نے ڈینیل کو ہدایت دیتے دستانے اتارتے لفٹ میں قدم رکھا۔

"آج چھ دسمبر ہے۔"

"جی ماسٹر! ڈینیل نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"عمش شارجہ آیا ہے؟" شیر نے کوٹ کی جیب سے اپنی پاکٹ وائچ نکالتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں! نہ آنے کا ارادہ ہے۔" ڈینیل نے بتایا۔

"دو گھنٹے میں القصائص چلنا ہے۔"

"جی؟ لیکن وہ تو قبرستان ہے۔"

"ہاں وہی جانا ہے؟" شیر نے لفٹ رکنے پر قدم باہر رکھا۔ ڈینیل الجھا اور

شیر کی جانب دیکھا۔

"لیکن کیوں؟"

"عمش کی قبر کے لئے زمین خریدنے۔" شیر نے مسکراتے ہوئے

کہا۔ ڈینیل کا چہرہ یک دم سفید پڑا۔

"ک۔۔ کیا مطلب۔۔ ماسٹر! ڈینیل نے گھبرا کر پوچھا۔

"تمہیں نہیں لگتا تم بہت زیادہ سوال کرنے لگے ہو۔"

"معذرت چاہتا ہوں ماسٹر! ڈینیل نے شرمندگی سے سر جھکاتے ندامت ظاہر کی۔

"کبھی کچھ اور بھی چاہ لیا کرو۔" شیر نے اس کا کاندھا تھپتھپایا اور اپنے اپارٹمنٹ کے گیٹ کے قریب لگی مشین پر اپنا انگوٹھے لگانے کے بعد جیب سے رومال نکال کر تھمب مشین کو صاف کیا اور اندر داخل ہو گیا۔ وہ اس معاملے میں ہمیشہ احتیاط سے کام لیتا تھا۔ ڈینیل بھی اس کے ساتھ ہی اندر داخل ہوا تھا۔



رات کا پہر تھا۔ اسلام آباد میں معمول کے مطابق سردی پڑ رہی تھی۔ موسم انتہا کی سردی اور خشکی لئے ہوئے تھا۔ حاشر اپنے کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا تیزی سے کی بورڈ پر انگلیاں چلا رہا تھا۔ اس نے تمام ضروری

چیزیں اور اپنا پلان ایک ڈرافٹ میں لکھ لیا تھا اب وہ شارجہ میں موجود اپنے ایکٹو ایجنٹس کو ٹریک کرنے کی کوشش کر رہا تھا جب اچانک اس کا فون بجنے لگا۔ حاشر نے فون کے بجائے قریب رکھا مائیکروفون اٹھا کر کان سے لگایا۔

"جی مس طوبی!" حاشر کا دھیان کمپیوٹر اسکرین پر تھا۔
"کمانڈر! کیا آپ کے پاس دو منٹ ہیں؟" طوبی نے فون کان سے لگائے پوچھا۔

"دراصل مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے۔" وہ ذرا سا ہچکچائی۔
"جی کہیے میں سن رہا ہوں۔" حاشر کی بورڈ پر انگلیاں چلا رہا تھا۔

"پہلی بات میں آٹھ ماہ قبل ایک آپریشن کے دوران زخمی ہو گئی تھی۔ اس کے بعد میں چھٹیوں پر تھیں اس لئے تجرباتی طور پر میں نے بالوں کو ڈائی کیا تھا کیوں کہ جامنی میرا پسندیدہ کلر ہے۔"

حاشر نے تاسف سے گردن جھٹک کر نفی میں گردن ہلائی۔
 "مس طوبی آپ کی ذاتی پسند نہ پسند سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ براہ راست مدعے پر آئیے۔" حاشر نے اسے نرمی سے ٹوکا۔
 "بی پروفیشنل کمانڈر! ابھی دو منٹ میں سے ایک منٹ گزرا ہے مجھے میری بات مکمل کرنے دیں۔" وہ تپ کر بولی۔ حاشر نے لب بھینچ کر اثبات میں گردن ہلائی۔

"آگے بڑھیں۔" وہ اس کے تیز لہجے پر ذرا بیزاریت سے بولا۔

"اسی دوران میں نے بالوں کو ڈائی کیا تھا۔ ورنہ آن ڈیوٹی میں ایک منظم اور پیشہ ور لڑکی ہوں۔ اصول ضوابط کا خیال رکھتی ہوں۔ آٹھ ماہ کی چھٹیوں کے دوران ہی میں نے ویٹ گین کیا تھا لیکن فکر مت کریں جلد میں بالکل فٹ نظر آؤں گی۔"

"مکمل صحت یابی کے بعد ہی واپس آئی ہیں نا؟ فٹنس ٹیسٹ پاس کیا تھا نا؟" اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے سوال کیا۔

"جی ہاں میں فٹنس ٹیسٹ پاس کر کے آئی ہوں۔ ایک اور بات میرا چہرہ قدرتی طور پر گول ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں موٹی ہوں۔ میری قابلیت پر حسد کر کے آپ کو مجھ پر پرسنل اٹیک کرنے کا کوئی حق نہیں۔۔" وہ غصیلے لہجے میں کہتی حاشر کو حیران کر گئی۔ اس کی آنکھیں سکڑیں۔

"حسد کی وجہ سے پرسنل اٹیک کر رہا تھا میں؟" حاشر نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"جی بالکل!" وہ تنک کر بولی۔

"مزید کچھ کہنا ہے؟" حاشر نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"میں اس وقت ڈیوٹی پر تھی اس لئے آپ کو جواب نہیں دے سکتی تھی۔ دو منٹ پورے ہوئے۔ اللہ حافظ!" اس نے فون بند کرتے ہاتھ میں پکڑے ٹائمر کو دیکھا۔

"ہا۔ میں نے پورے دو منٹ میں بات مکمل کر لی۔ کتنی اسمارٹ ہوں میں۔" وہ خوشی سے بڑبڑائی اور ٹریک پر دوڑنے لگی۔

"عجیب وائرس قسم کی لڑکی ہے۔" حاشر نے بڑبڑاتے ہوئے کان سے مائیکروفون نکال کر میز پر رکھا اور اپنا کام کرنے لگا۔



وہ درختوں سے گھرا ایک قبرستان تھا۔ جہاں قطار سے قبریں بنی ہوئی تھیں۔ کچھ قبروں کے پاس کیاریاں تھیں۔ کچھ پر تازہ پھول چڑھائے گئے تھے۔ شیر کے ساتھ آیا ڈینیل اور محافظ قدرے فاصلے پر کھڑے تھے۔ شیر ہاتھ میں پھولوں کا گلہستہ لیے مختلف قبروں کی تختیاں دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ مخصوص دستانوں میں چھپے تھے۔ چہرے پر سیاہ ماسک تھا۔ فقط سیاہ آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ سر پر سیاہ پی کیپ تھی۔ سیاہ لیڈر کی جیکٹ اس کے جسم پر پہنچ رہی تھی۔ پیروں میں بھاری سیاہ بوٹ تھے۔ اس کی نگاہیں اس پاس بھٹک رہی تھیں۔

"مام!۔۔" ایک سسکتی آواز شیر کی سماعت سے ٹکرائی۔ اس نے کہنی سے داہنی آنکھ رگڑی۔

"پلیز مجھے چھوڑ کر مت جائیں۔ سب کیوں مجھے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔۔" وہ آواز بری طرح تڑپتی محسوس ہو رہی تھی۔

شیر آگے بڑھتا رہا۔ اس کے دل میں عجیب سا بوجھ آپڑا تھا۔

"Ahh. That's what I hate.. That damn strange feeling" ..

وہ بڑبڑایا مگر آگے بڑھتا گیا۔ کچھ دیر مزید چلنے کے بعد وہ رک گیا۔ گردن گھما کر ایک قبر کی جانب دیکھا اور ٹھنڈی سانس لی۔ پھر بائیں جانب دیکھا۔ آج سے ٹھیک نو سال قبل وہ کچھ فاصلے پر اسی درخت کے پاس کھڑا تھا جب جنت ماں کی قبر سے لپٹی شکوے کر رہی تھی۔ اپنے اکیلے ہونے کا شکوہ۔ شیر کے چلے جانے کا شکوہ۔ وہ اتفاق تھا کہ شیر اس روز بغیر کسی وجہ کے ہی جنازے کے بعد قبرستان چلا آیا تھا۔ خالی قبرستان

میں سناٹا اور برستی بارش کی وحشت ناک آواز۔ شام جو پل پل رات کے اندھیرے میں تبدیل ہو رہی تھی۔

سولہ سالہ جنت قبر کے قریب دوزانوں بیٹھی تھی۔ شیر جو اسے نہیں بھولا تھا لیکن اس کے خیال میں جنت اسے بھول گئی تھی۔ اس روز اسے یہ جان کر انوکھی سی خوشی محسوس ہوئی تھی۔ جنت کا اسے روتے ہوئے پکارنا اور با آواز شکوے کرنا اس کی معصومیت اور بے بسی پر شیر کو بے چینی ہوئی تھی۔ لیکن اس نے قریب جانے کی کوشش نہیں کی تھی وہ اسی درخت کی اڑ میں کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد عمش کے محافظ اسے زبردستی لے گئے تھے۔ وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ اس کی ماں کا قتل کرنے والا کوئی اور نہیں اس کا باپ ہی تھا لیکن وہ یہ نہیں کر سکا تھا۔ وہ وہیں کھڑا رہا تھا۔ ماں کو کھودینے کے بعد وہ باپ سے بھی نفرت کرنے

لگے گی یہ سوچ کر وہ خاموش ہو گیا تھا۔ شیر یوں ہی کھڑا ماضی کے لمحوں میں جھانکتا رہا۔ کئی پل گزرنے کے بعد اس نے گہری سانس بھر کر چہرہ گھمالیا۔ چند قدم چل کر وہ قبر کے قریب چلا آیا۔

"I m sorry lady barira"!

زیر لب بڑبڑاتے اس نے وہ سفید بکے قبر پر رکھ دیا۔
 "میں نے آپ کو خبردار کیا تھا کاش آپ میری بات پر یقین کر لیتیں۔ آپ بری نہیں تھیں بے وقوف تھیں۔ اتنی بری بھی نہیں تھیں کہ ایسے ماری جاتیں۔" وہ آہستگی سے کہہ رہا تھا۔ شیر نے آنکھیں بند کر لیں تھیں ماضی پھر اس کے ذہن پر قبضہ جمانے لگا۔
 "پلیز کچھ کرو۔ وہ گاڑی میرا پیچھا کر رہی ہے۔"

"میں روس میں بیٹھ کر آپ کی شارجہ میں کیسے مدد کروں۔ کل کہا تھا آپ سے بھاگ جائیں۔" شیر نے چڑ کر کہا تھا۔

"میری جان کو خطرہ ہے۔"

"گاڑی کو وہیں چھوڑ دیں باہر نکل کر جھاڑیوں میں داخل ہو جائیں۔ گاڑی آپ کو بچا نہیں پائے گی۔" شیر نے ماتھا مسلتے ہوئے کہا تھا۔ پیچھے سے گاڑیوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ بریرہ کی پھولی ہوئی سانسیں شیر کو مزید پریشان کر رہی تھیں۔ کاش وہ اسے بچا پاتا۔

"میں گاڑی سے نکل آئی ہوں۔" بریرہ کی خوف زدہ آواز آئی تھی۔

"گہرائی میں جائیں۔ آواز پیدا نہ کریں۔ جھاڑیوں کے پیچھے سے ہوتی ہوئی جائیں۔ خود کو کہیں چھپالیں۔"

"یہاں بہت پھسلن ہے۔ آہ۔"

جھاڑیاں چٹخنے کی آواز کے ساتھ شاید وہ بری طرح گری تھی۔ فون بھی ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔

"مسز بریرہ۔۔ مسز بریرہ۔۔ کیا آپ مجھے سن رہی ہیں۔۔"

"وہ رہی۔۔ پکڑو اسے۔۔"

"آہ۔۔"

"ش۔۔ شیر۔۔ جن۔۔ ت۔۔ جنت۔۔"

شیر نے افسوس سے آنکھیں میچ لی تھیں۔ کچھ لمحوں بعد ہی فون بند ہو گیا تھا۔ اگلے دن کمیونٹی میں یہ خبر پھیل گئی تھی کہ بارش کے باعث بریرہ کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ لیکن صرف شیر ہی جانتا تھا کہ عمش نے بیوی کے افیر کی خبر اور اس کے اپنے آشنا کے ساتھ فرار ہونے کی بھنک پاتے ہی اس نے بیوی کو قتل کرنے کا آرڈر دے دیا تھا۔

"ماسٹر میٹنگ میں پندرہ منٹ رہ گئے ہیں۔" دفعتاً اس کے کان میں لگے مائیکروفون پر ڈینیل کی آواز ابھری۔ شیر نے آنکھیں کھول کر اس پاس نگاہ دوڑائی۔ سینے پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں بند کرتے وہ ذرا سا جھکا۔

"اللہ آپ کی مغفرت فرمائے اور آپ کی روح کو سکون بخشے۔" زیر لب کہتے وہ پلٹ گیا۔ قبر سے دور جاتے جاتے ہی اس کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہوئے۔ افسوس کی جگہ اسی سرد مہری نے لے لی۔ جیکٹ سے پاکٹ وائچ نکال کر اس نے وقت دیکھا اور قدموں کی رفتار بڑھادی۔ اس کے قریب آتے ہی محافظ چوکس ہوئے۔ ایک نے آگے بڑھ کر اس کے لئے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ شیر سر نیچے کرتا گاڑی میں سوار ہوا اور آخری نگاہ دور نظر آتی اس قبر کو دیکھا پھر سر سیٹ کی پشت سے لگا کر آنکھیں موند لیں۔



حاشر اپنے اپارٹمنٹ کے لیونگ روم میں ٹھل رہا تھا۔ سفید ہائی نیک شرٹ پر نیلی جینز پہنے پیروں میں نرم چپل تھے۔ سفید ہائی نیک اس کے کسرتی جسم کے ساتھ چپکی ہوئی تھی۔ اس کے بال پیچھے کی جانب بنے ہوئے تھے۔ شیوہلکی سی بڑھ گئی تھی۔ ہاتھ میں کافی کاکپ لئے چھوٹے گھونٹ بھرتا کسی سوچ میں گم تھا۔ میز پر کئی کاغذات پڑے تھے۔ دفعتاً اس کا فون بجا۔ اس نے میز پر رکھا فون اٹھایا اور گلاس وال کے قریب چلا آیا۔

"گڈ ایوننگ سر!"

"گڈ ایوننگ!"

"کیسے ہو تم؟"

"میں ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟" حاشر کے لہجے میں محبت اور احترام جھلک رہا تھا۔

"کیسے ٹھیک نہ ہوتا میرے بیٹے نے جو میرے لیے اتنا پیار بھیجا۔" سر عبید محبت سے بولے۔

"فرض ہے میرا۔ آپ کو جو فائل بھیجی ہے رات کو وہ چیک کر لی؟"

"ہاں۔ تمہارا والا فارمولا کام کر گیا۔"

"چلیں یہ تو اچھا ہو گیا۔" حاشر نے کہتے ہوئے کافی کا گھونٹ بھرا۔ اسی پل گیسٹ بجنے کی آواز آئی۔

"آہ۔ لگتا ہے میرے ٹیم میٹس میں سے کوئی ہے۔ ہولڈ کریں۔"

"مصروف ہو تو۔"

"نہیں بالکل نہیں۔۔ باقیوں کے آنے میں تھوڑا وقت لگے گا۔ ابھی بات کرتے ہیں۔" حاشر کہتے ہوئے دروازے کی جانب آیا اور دروازہ کھولا۔ سامنے طوبی جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑی تھی۔

"گڈ ایوننگ کمانڈر!" وہ مسکرائے بغیر سنجیدگی سے بولی حاشر نے اثبات میں گردن ہلاتے اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ طوبی نے گردن اندر ڈال کر نظارہ کیا۔

"باقی سب نہیں آئے؟" اس نے گردن اٹھا کر حاشر کی جانب دیکھا۔ حاشر نے نفی میں گردن ہلائی۔

"وہ آتے ہی ہوں گے باہر ویٹ کر لیں تب تک۔" حاشر گیٹ کھلا چھوڑ کر اندر بڑھ گیا۔ طوبی منہ بنا کر رہ گئی۔

"ہاں تو کیا ایسے ہی اندر آجاؤں۔۔ پھر سوچیں گے کہ منہ اٹھا کر انجان آدمی کے گھر میں اکیلی گھس آئی۔" وہ زیر لب بڑبڑاتی وہیں کھڑی رہی۔ سرد ہوائیں جسم کو جمار ہی تھیں۔ باہر اندر کے مقابلے کافی زیادہ ٹھنڈ تھی۔ طوبیٰ کو اپنا خون جمتا محسوس ہوا۔ اس سے پہلے کہ وہ کپکپانے لگتی حاشر آتا دکھائی دیا۔ اس کے ہاتھ میں سفید موٹی سی شال نما چادر تھی۔ ایک ہاتھ سے فون کان پہ لگائے خوشگوار موڈ میں باتیں کرتا دوسرے ہاتھ میں شال پکڑے وہ اس تک آیا اور چادر اس کی جانب بڑھادی۔ طوبیٰ نے ہچکچائے بغیر شال لے کر لپیٹ لی۔ حاشر شال پکڑا کر اندر جا چکا تھا۔

"باقی سب پتا نہیں کب آئیں گے۔۔ تب تک تو میری قلفی جم جائے گی۔" طوبیٰ بڑبڑاتی۔

"کتنے بد لحاظ ہیں۔۔ خود تو فون پر گرل فرینڈ سے گپیں لڑا رہے ہیں ادھر میں باہر کھڑی جم رہی ہوں۔" وہ تاثرات بگاڑے بڑبڑائی۔

"غلطی میری ہی ہے۔ شکی انداز میں باقی سب کا پوچھنے کی کیا ضرورت تھی؟" اس نے خود کو ڈپٹے ہوئے نگاہیں اندر گھمائیں وہ ہنوز لیونگ روم میں ٹہلتا چہرے پر نرمی لیے فون پر محو گفتگو تھا۔ طوبیٰ ایک پل کو ٹھٹھک کر اسے تکتے لگی۔

"حسین کتنا ہے کم بخت!" وہ بڑبڑائی۔ اسی پل حاشر کی نگاہ اس پر پڑی۔ حاشر کو اپنی جانب متوجہ دیکھ اس نے ایک ادا سے بالوں کو جھٹک کر ناک چڑھائی۔

"میں کم ہوں کیا کسی سے۔۔ ہنہ! ہوگا اپنے لئے ہینڈ سم!" اس نے منہ بنا کر سوچا اور بیرونی دیوار سے ٹیک لگا کر نگاہیں پھیر لیں۔



لیونگ روم میں قدرے خاموشی تھی۔ باقی تینوں بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ طوبیٰ نے شال اتار کر ایک جانب رکھ دی تھی۔

"آپ باہر کیوں کھڑی تھیں؟ کیا کمانڈر نے اندر آنے سے روک دیا تھا؟" اریب نے قدرے ہلکی آواز میں پوچھا۔

"وہ کیوں روکیں گے؟ میں خود ہی نہیں آئی تھی۔" طوبیٰ نے ناک چڑھا کر کہا۔

"لیکن کیوں؟ کیا آپ کو کمانڈر پر بھروسہ نہیں؟" کیپٹن حنین جو کافی وقت سے حاشر کو جانتا تھا حیرت سے بولا۔

"میں کون سا بچپن سے ان کو جانتی ہوں۔" طوبیٰ لاپرواہی سے بولی۔ کیپٹن منان نے مسکراہٹ دبائی۔

"کیا آپ دونوں جانتے ہیں کمانڈر کو پر سنلی؟" کیپٹن اریب نے سوال کیا۔

"ہاں ہم یہیں اسلام آباد میں ہی ہوتے ہیں کافی دفعہ ساتھ کام بھی کیا ہے لیکن پر سنلی نہیں جانتے۔ دراصل کمانڈر تھوڑے ریزرو۔"

"تھوڑے؟ اچھے خاصے مغرور انسان ہیں۔" طوبی با آواز بڑبڑائی۔ اسی پل حاشر ٹرے میں کافی کے کپ لئے لیونگ روم میں آیا اس کی پہلی نگاہ طوبی پر پڑی۔ کچھ کہتی جتنی ہوئی نگاہ۔ جیسے خبردار کرنا چاہ رہا ہو۔ طوبی اس کے یوں دیکھنے پر بوکھلائی۔

"آپ یقیناً غلط سوچ رہی ہیں اگر ایسا ہوتا تو وہ اپنے ہاتھوں سے ہمارے لئے کافی بنا کر کیوں لاتے۔" اریب مسکراتے ہوئے بولا۔ اریب کی بات پر طوبی مزید ناگواری سے اریب کو گھورنے لگی جبکہ منان اور حنین بھی اریب کی جانب دیکھ شرارتی انداز میں مسکرا دیے۔

"مجھے لگتا ہے آپ کو چیچ بہت پسند ہیں۔" طوبیٰ نے کافی کا کپ اٹھاتے اریب کی جانب دیکھتے مسکرا کر کہا۔

"نہیں مجھے کانٹا زیادہ پسند ہے۔ آپ کو زیادہ زور سے تو نہیں لگا؟" اریب مسکراتے ہوئے بولا تو منان اور حنین بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنس دیے تھے۔

"آپ سب کا سینس آف ہیومر کمال ہے لیکن ہمیں کامیڈی شو نہیں کرنا۔ اس لئے ذرا کام کی بات کر لیں؟" حاشر نے باری باری چاروں کی طرف دیکھ کر اپنے مخصوص نرم انداز میں طنز کا تیر چھوڑا۔ وہ چاروں فوراً چوکس ہوئے۔

"ہمارے پاس یہ آخری ہفتہ ہے۔ دو دن آپ لوگ اپنی فیملی سے ملیں دوستوں سے ملیں۔ تیسرے دن آپ لوگوں نے اپنی پیکینگ شروع

کردینی ہے۔ ہم یہاں سے UAE جائیں گے۔ ہمارے پاس ہمارے ذاتی سامان کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہوگا۔"

"ہمارے لائسنسز؟ اور اسلحہ؟" طوبیٰ نے سوال کیا۔

"نہیں! کچھ بھی نہیں۔ ہم عام پاکستانیوں کی طرح سفر کریں گے کیوں کہ یہ کیس دیگر کیسز سے یکسر مختلف ہے۔" حاشر نے کہا۔

وہ چاروں الجھن آمیز نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔ یہ ان کے لئے بالکل نیا تھا۔

"بغیر اسلحہ اور لائسنسز کے وہاں پکوڑے بچیں گے؟" طوبیٰ بڑبڑائی۔ حاشر

نے نگاہیں اٹھا کر ناگواری سے طوبیٰ کی جانب دیکھا۔ اس کی نگاہ سرد اور

سلگتی ہوئی تھی۔ طوبیٰ ایک پل کو ساکت ہوئی۔ اس کا دل یک دم خوف

سے بری طرح لرزا تھا۔ اس نے بے اختیار لب دانتوں میں دبایا۔ حنین

منان اور اریب نے بھی حاشر کی پیشانی پر بل اور آنکھوں میں ناگواری
دیکھ لی تھی۔ وہ بھی غیر آرام دہ سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ حاشر
کچھ منٹ کے لئے خاموش رہا۔

"I m expecting an apology from you" ..

طوبی نے الجھ کر حاشر کو دیکھا۔ باقی سب نے طوبی کی جانب دیکھا۔

"Am I expecting too much?miss tooba"?

حاشر نے دونوں مٹھیاں آپس میں ملاتے سوال کیا۔ اس کا لہجہ عام سا تھا
لیکن انداز ناگواری بھرا تھا۔ طوبی کا چہرہ غصے اور خفگی سے سرخ پڑنے
لگا۔

"Yeah.. It's too much"!

طوبی تک کر بولی۔

--- "I hate this dictatorship"

وہ اپنا بیگ لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ حاشر بھی کچھ کہے بغیر خاموشی سے اٹھا اور گیٹ تک آکر دروازہ کھول کر اسے باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ طوبی کا چہرہ غصے سے سرخ پڑا وہ تیز قدموں سے چلتی باہر نکل گئی۔

"اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو واپس آجائیے گا۔" حاشر نے کہہ کر گیٹ بند کر دیا۔

حنین اریب اور منان خاموشی سے ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔ جبکہ حاشر نارمل نظر آ رہا تھا۔

"چلیں تو میں کیا کہہ رہا تھا؟.."

"کمانڈر کیا کیپٹن طوبی کے بغیر میٹنگ جاری رکھنا ٹھیک ہے۔"

"کیپٹن اریب آپ انھیں بریف کر دیجیے گا۔" حاشر نے کاغذات کھولتے ہوئے کہا۔

"اوکے۔" اریب نے فوراً اثبات میں گردن ہلائی۔



رات گہری ہو رہی تھی۔ چاند بادلوں کی اوٹ میں چھپا تھا۔ فضا سرد تھی۔ طوبی اپنے اپارٹمنٹ کی بالکنی میں کافی کا کپ لئے کھڑی تھی۔ اس نے ایک موٹی شال اپنے گرد لپیٹ رکھی تھی۔ چہرے پر خفگی اور غصے کے تاثرات تھے۔

"I am expecting an apology" ..

وہ منہ بنا کر بڑبڑائی۔

"کیا میں نے کچھ غلط کہا تھا؟" اس نے آہستگی سے سوال کیا۔ اسے حاشر کا انداز اور لہجہ یاد آیا۔ پھر اپنا انداز۔

"کیا میں حد پار کر رہی تھی؟" وہ پھر بڑبڑائی۔

"Maybe" ...

اس نے ہونٹ دانتوں میں دبا کر کہا اور ٹھنڈی سانس لی۔ اسی پل اس کا فون بجا۔

جیکٹ کی جیب میں رکھا فون نکالا۔ اریب کی کال تھی اس نے فون اٹھا کر کان سے لگایا۔

"امید ہے اب تم بہتر محسوس کر رہی ہوگی۔"

"تم؟" طوبی اس کی بے تکلفی پر حیران ہوئی۔

"آپ کہوں؟" اریب نے بے ساختہ سوال کیا۔

"اب کہہ ہی دیا ہے تو آگے بڑھو۔" طوبیٰ کہتے ہوئے کمرے کی جانب بڑھی۔

"کمانڈر نے مجھے تم سے رابطہ کرنے کا کہا تھا وہ چاہ رہے تھے کہ میں تمہیں بریف کروں۔"

"ہم پاکستان میں ہی ہیں اور کیس پر ابھی کام تک شروع نہیں ہوا۔" طوبیٰ نے کہا۔

"کیس پر کام شروع ہو چکا ہے۔ کمانڈر نے آج کی میٹنگ مختصر کر دی تھی۔" تمام ٹیم میٹس کا ہونا ضروری ہے" یہ کہہ کر! وہ بہت ذمہ دار اور منظم طریقے سے کام کرنے کے عادی ہیں اور مجھے امید ہے ان کے ساتھ کام کر کے ہم مایوس نہیں ہوں گے۔"

"تم کچھ زیادہ ہی متاثر نہیں ہو؟"

"کیوں نہ ہوں۔ وہ ایس ایس جی گروپ کا سب سے بہترین کمانڈر ہے۔ کیا واقعی تم نے ڈارک آئی کے بارے میں نہیں سنا۔" اریب کا لہجہ رازدارانہ ہوا۔

"کیا تم نے ڈارک آئی کہا؟" طوبی کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ اس کی سانس ایک پل کو رکی تھی۔

"ہاں! ڈارک آئی۔" اریب کے لہجے میں گہری دلچسپی اور پراسراریت تھی۔

"اب یہ مت کہنا کہ کمانڈر حاشر ہی ڈارک آئی ہے۔" طوبی روہانسی ہوتی بولی۔

"کیوں نہ بولوں۔ یہی سچ ہے۔" اریب مزے سے بولا۔

"کہہ دو تم مذاق کر رہے ہو۔" طوبیٰ کا لہجہ کپکپایا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے۔

"مجھے بہت خوشی ہے کہ یہ مذاق نہیں ہے اور اس بات کی شدید خواہش کہ کاش اس وقت میں تمہارا چہرہ دیکھ پاتا۔ ہاہاہا۔ کیوں کہ تمہارے انداز سے صاف ظاہر ہے کہ تم بھی ہم سب کی طرح ڈارک آئی کی سیکریٹ ایڈمائیرر رہی ہو۔۔۔" اریب طوبیٰ کی حالت سوچ کر ہی لطف محسوس ہو رہا تھا۔

"آ۔۔۔۔" طوبیٰ کی خطرناک قسم کی چیخ اپارٹمنٹ میں گونجی۔ اریب نے بے اختیار فون کان سے دور کرتے کال ڈسکنیکٹ کی۔ طوبیٰ پلنگ پر سر پکڑے بیٹھی تھی۔



"ڈیڈ؟ کیا آپ نے کسی سے بات کی تھی؟ میرے لباس کیس کو لے کر؟" "طوبی بریگیڈیئر عزیز کو فون کیے پوچھ رہی تھی۔"

"تمہیں تمہارا اسائنمنٹ مل گیا؟ میں نے فقط نام تجویز کیا تھا تمہارا! تم ایسے ہی کمانڈر حاشر سے متاثر تھیں تو تمہیں کافی کچھ سیکھنے کو ملے گا اور یہ تمہارے کیریئر کے لیے۔"

"آہ ڈیڈ! آپ مجھے کم از کم اطلاع تو کرتے۔ جانتے ہیں میں کتنا مس بی ہو کر کے آئی ہوں ان سے۔" "وہ رو دینے کو تھی۔"

"کیوں کیا ہوا؟"

"میرا پہلا تاثر ہی اتنا بڑا پڑا ہو گا۔ وہ اب مجھے کبھی پسند نہیں کریں گے۔ میں نے شروعات میں ہی ان کی گڈ بک سے نکال دیا خود کو۔" "وہ لب بھینچتی کہہ رہی تھی۔ انداز میں بے چینی اور بلا کا غصہ تھا۔"

"فکر مت کرو تم! سب ٹھیک رہے گا وہ کام سے متاثر ہونے والوں میں سے ہے۔۔ اپنے کام کو بہتر کرو اور آئندہ کبھی یہ غلطی مت کرنا۔" وہ سمجھا رہے تھے۔

"ٹھیک ہے ڈیڈ! میں فون رکھتی ہوں۔" وہ مایوسی سے کہتی فون بند کر گئی۔ اب وہ پھر سر پکڑے پلنگ پر بیٹھی نظر آرہی تھی۔



شیر اپنی مخصوص سربراہی کرسی پر براجمان ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے ارد گرد بیٹھے لوگوں کو سن رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اس کے مخصوص دستانے تھے۔ ڈینیل اس کے دائیں جانب بیٹھا تھا۔ اس کا فون مسلسل ارتعاش کر رہا تھا۔ جس پر شیر کی سرد نگاہ اس پر پڑتی تو وہ شرمندگی سے سر جھکا دیتا۔ وہ میٹنگ کے درمیان اٹھ کر بھی نہیں جاسکتا تھا۔

"نیکسٹ!" شیر نے اشارے سے اگلے شخص کو حکم دیا۔

"ماسٹر! میری رپورٹ پر کوئی تبصرہ؟"

"آپ کا مارا ہوا کوئی تیر؟ جس نے مجھے متاثر کیا ہو؟" شیر نے سکون سے

سوال کیا۔ ڈینیل نے بمشکل مسکراہٹ روکی۔ وہ شخص شرمندہ ہوا۔

"افغانستان اور ایران کے مقابلے پاکستان میں کام کرنا مشکل ہے۔ اگر

آپ اجازت دیں تو ہم پاکستان میں کوئی بیسٹ ٹیم۔"

"تو آپ مان رہے ہیں کہ آپ کی ٹیم بیکار ہے؟" وہ شخص سر جھکا گیا۔

"وہاں کے لوگ صرف محب وطن ہی نہیں ہیں بلکہ اسلام کے معاملے

میں۔"

"اسلام کو درمیان میں مت لایا کریں کاروبار کا بزنس سے کیا تعلق ہے؟"

"ماسٹر گولڈن کا مذہب۔"

"پھر مذہب؟" شیر نے سر سیٹ کی پشت سے لگایا اور طنزیہ انداز میں ہنسا۔

"دراصل یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ اسلامی ممالک میں یہودیوں لابی کو آسانی سے ویلکم نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح پاکستان کی بزنس کمیونٹی بھی ہمارے پروپوزل ریجیکٹ کر رہی ہے۔" دوسرا شخص بولا۔

"مزید وہاں کی سیکریٹ ایجنسز بھی آسان نہیں ہیں۔"

"I don't know why... But it's making Me inspire for no reason" ..

وہ جھک کر ڈینیل کے کان میں بول کر شرارتی انداز میں مسکرایا۔ ڈینیل نے الجھ کر شیر کی جانب دیکھا۔

"خیر کیا خیال ہے اگر میں وہاں کی شہریت اپلائے کروں تو میں کیا کر سکتا ہوں وہاں؟" شیر نے سنجیدہ ہوتے باقی سب کی جانب دیکھ کر سوال کیا۔

"کیا آپ کے پاس وہاں کی شہریت نہیں ہے؟" ڈینیل نے الجھ کر سوال کیا۔

"نہیں! ہونا تو چاہیے تھا۔" شیر نے ماتھا کھجاتے کہا۔ ڈینیل پھر مسکرا دیا۔

"خیر پاکستان کو فی الحال ایک طرف کریں۔ مسٹر روؤف بدر ایران کی کیا رپورٹ ہے۔"

"جناب وہی حال ہے جو پاکستان کا ہے۔" وہ آہستگی سے بولا۔

"So it's clear.. It's not easy to push Muslim community ...

"

وہ سنجیدگی سے بولا۔ سب نے الجھ کر اس کی جانب دیکھا۔

"Is it?"

اس نے سب کی جانب دیکھ کر سوال کیا۔

"No sir! It's not!"

ہال میں بیٹھے تمام مسلمان تاجر فخریہ انداز میں ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے۔ جبکہ باقی سب بغلیں جھانکتے دکھائی دے رہے تھے۔



میٹنگ اختتام پزیر ہو چکی تھی۔ وہ ایک طویل میٹنگ تھی جس میں اس نے GFSR کے ایشیائی تاجروں سے رپورٹ لی تھی یہ میٹنگ ہر چھ ماہ میں منعقد کی جاتی تھی جس میں کمپنی سے جڑے تمام غیر ملکی نمائندگان سے کارگردگی کی رپورٹ لی جاتی تھی عموماً اس میٹنگ کو گولڈن سنبھالا کرتا تھا لیکن اس بار سال کے ان دنوں میں گولڈن

فاکس افریقہ کی جانب نکل گیا تھا۔ گولڈن فاکس کا کاروبار جو آج سے پندرہ سال پہلے گنتی کے چند ملکوں میں پھیلا ہوا تھا آج دنیا کے تقریباً ہر حصے میں سیکڑوں چھوٹی بڑی کمپنیاں GFSR کے ماتحت کام کر رہی تھیں۔ کئی کمپنیاں جو شیر کی ملکیت میں تھیں ان کا سارا نفع و نقصان شیر کے ذمے تھا۔ کمپنی اب صرف گولڈن فاکس کی نہیں رہی تھی۔ جوں جوں کاروبار پھیلتا جا رہا تھا شیر نے کئی کمپنیاں اور ادارے اپنی ملکیت میں لے لیے تھے۔ گولڈن فاکس نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ شیر کی بدولت ہی آج اس کی دولت اور کاروبار سو گنا بڑھ گیا تھا۔ GFSR group اس وقت دنیا کی سب سے بڑی کمپنی تھی۔ جس کے ڈائریکٹر اور جنرل ڈائریکٹر شیر اور گولڈن فاکس تھے۔ شیر نے اپنے کام کا ایک طریقہ اور کئی اصول قائم کر رکھے تھے جن میں مداخلت کی اجازت کسی کو نہیں

تھی۔ اس کے فیصلے پر سوال کرنے کی کسی کو اجازت نہیں تھی۔ اسے فیصلوں کے وقت کمپنی کے ایڈوائزر اور قانونی ٹیم سے بھی مشورے کی عادت نہیں تھی۔ اس کے مزاج اور طریقے کے سب قائل تھے کوئی اس کی قائم کردہ حدود کو پھلانگنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ وہ بین الاقوامی کاروباری حلقے کا سب سے دلچسپ اور پراسرار نام تھا۔ جس سے براہ راست بہت کم لوگ مل پاتے تھے۔ گولڈن فاکس کی تربیت اور ماحول نے اسے ایک ایسی شخصیت میں بدل دیا تھا کہ وہ گولڈن فاکس سے زیادہ بارعب اور پراسرار جانا جاتا تھا۔ وہ جب چاہتا کہیں بھی نکل جاتا تھا۔ کب کیا روپ دھار کر کہاں نکل جاتا کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس وقت بھی وہ شارجہ سے کب نکل کر عجمان پہنچا کوئی نہیں جانتا تھا۔ سوائے ڈینیل کے۔۔ یہ عجمان کا ایک پرائیویٹ کلب تھا۔ ڈینیل

کلب سے کئی میٹر دور سیاہ وین میں بیٹھا تھا۔ سگریٹ ہونٹوں میں دبائے
وہ سامنے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ قریب ہی ڈرائیور بیٹھا تھا۔

"تم ہی ڈینیل ہونا؟" ڈرائیور سگریٹ جلاتا پوچھنے لگا۔ ڈینیل نے گردن
گھما کر ڈرائیور کی جانب دیکھا۔ وہ کمپنی کا ہی کوئی ورکر تھا۔ جو اس وقت
ڈرائیور کی خدمات سرانجام دے رہا تھا۔

"ہاں!" ڈینیل نے گردن اثبات میں ہلادی۔

"ماسٹر یہاں کیوں آئے ہیں؟"

"تمہیں کیا لگتا ہے وہ یہاں کیوں آئے ہوں گے۔"

"کسی گرل فرینڈ سے ملنے۔"

"بالکل! ٹھیک لگتا ہے تمہیں۔۔" ڈینیل نے سگریٹ کا کش لگاتے اپنا
فون دیکھا جس پر ان کمنگ لکھا آرہا تھا۔ اسکرین پر "poison Queen"
چمک رہا تھا۔

"منہوس عورت کہیں سکون نہیں لینے دیتی۔۔" وہ بڑبڑایا۔
"کیا بیوی ہے تمہاری!" ڈرائیور مسکرایا۔
"خدا معاف کرے ایسی خطرناک باتیں نہ کرو۔" وہ کڑوا منہ بنا کر بولا اور
گاڑی سے نکل کر فون یس کیا۔
"میٹنگ ختم ہوگئی؟"
"جی میڈم!"

"شیر شارجہ میں ہی ہے؟"
"جی میڈم!" ڈینیل نے جھوٹ کہا۔

"شیر کہاں ہے؟"

"پتا نہیں میڈم! ڈینیل نے ادب سے جواب دیا۔"

"میرا فون نہیں اٹھا رہا وہ۔" ہیزیل نے کہا۔

"کب اٹھاتا ہے وہ؟" ڈینیل دل ہی دل میں بولا۔

"کیا تم مجھے اپنے فون سے کنیکٹ کروا دو گے؟" ہیزیل فقط ڈینیل سے ہی

اس طرح بات کیا کرتی تھی۔ کیوں کہ وہ جانتی تھی شیر سے رابطہ فقط

اسی کے ذریعے ممکن تھا۔

"معاف کیجیے گا میڈم! لیکن میں لمبی زندگی کا خواہش مند ہوں۔ مجھے دو

دن تک کسی بزنس ریلیٹڈ کال سے منع کیا گیا ہے۔" وہ پیشہ ورانہ انداز

میں بولا۔

"وہ تمہیں کچھ نہیں کہتا ڈینیل! جو کہا ہے وہ کرو۔"

"وہ جو کہتے ہیں میں وہی کرتا ہوں۔ اس لئے کچھ نہیں کہتے۔۔ اگر میں نے ایسا کیا تو ضرور میرے لئے مشکلات کھڑی ہو سکتی ہیں۔" وہ اپنے مخصوص روسی لہجے میں ترکی بہ ترکی بولا۔

"ڈینیل!" ہیزیل نے سختی سے کہا۔

"جی میڈم!" ڈینیل نے فوراً ادب سے کہا۔

"میرا رابطہ کرواؤ۔" اس نے سختی سے حکم دیا۔

"مجھے آرڈر نہیں ہے۔ سوری میم!"

"بھاڑ میں جاؤ۔" اس نے تلخی سے کہہ کر فون بند کر دیا۔ ڈینیل نے کڑوا

منہ بنا کر اپنے فون کو گھورا اور مائیکروفون کان سے لگایا۔ ان کی کال کا آغاز

اور اختتام ہمیشہ ایسا ہی ہوا کرتا تھا۔ ڈینیل اب عادی ہو چکا تھا۔



کلب میں روشنی قدرے کم تھی۔ وہ سیاہ لیڈر جیکٹ کاؤنٹر پر رکھے دونوں کہنیاں کاؤنٹر پر ٹکائے بیٹھا تھا۔ کلب میں کوئی بھی نہیں تھا۔ سوائے ایک بار بوائے کے جو اسے مشروب کا گلاس پیش کرنے کے بعد ایک طرف جاکھڑا ہوا تھا۔ شیر نے سر پر اونی ٹوپی پہن رکھی تھی چہرے پر سیاہ ماسک تھا جو اس وقت ٹھوڑی پر ٹکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ لبوں پر دھیمی مسکراہٹ تھی۔ وہ کسی سوچ میں گم اپنے آپ میں مگن نظر آرہا تھا۔ سفید ٹی شرٹ سے اس کے کسرتی بازو جھانک رہے تھے۔ اس کے بازوؤں کی رگیں ابھری ہوئی تھیں۔ یہی حال اس کے ہتھیلی کی پشت کا تھا۔ دفعتاً اس نے شرٹ میں ہاتھ ڈال کر اپنا پینڈینٹ نکالا اور اس پر ہاتھ پھیرتے مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ میں بلا کی معصومیت تھی۔ اس کی آنکھیں ساتھ مسکرائی تھیں۔ قریب رکھی

جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اس نے اپنی پاکٹ وچ نکال کر وقت دیکھا اس کی مسکراہٹ تھی اس نے نگاہیں اٹھا کر بار بوائے کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اس وقت سنہرے لینز تھے۔ آنکھوں کی اصل رنگت چھپی ہوئی تھی۔

"مس جینی!"

"کیا انھیں بلاؤں جناب؟"

شیر نے اثبات میں گردن ہلائی اور گلاس اٹھا کر ایک گھونٹ بھرا۔ کچھ ہی پل بعد وہاں ایک درمیانے قد کی خوبصورت لڑکی آئی۔ صاف رنگت اور پرکشش نقوش والی لڑکی کے چہرے پر گھبراہٹ تھی۔ وہ نقوش سے چینی لگتی تھی۔

"ہیلو ماسٹر!"

شیر نے گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیتے اثبات میں گردن ہلائی اور قریب رکھے اسٹول کی جانب اشارہ کیا۔ وہ لڑکی ہچکچاتے وہاں بیٹھ گئی۔

"شہریت؟"

"میری ماں چینی تھیں باپ تاجکستان سے تھے۔" وہ روسی زبان میں بولی۔

"کتنی رقم لی ہے؟"

"پانچ کڑوڑ۔" وہ تھوک نگلتی بولی۔

شیر نے جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹی سی ڈبیا نکالی۔

"یہ تو فیس پاؤڈر ہے۔" وہ الجھی۔

"یہی سمجھ لو کہ فیس پاؤڈر ہے۔" شیر نے کاؤنٹر پر ڈبیہ رکھ کر ایک اور پرچی نکالی۔

"یہ فتح محمد ہے۔ تمہارا باپ! تم اس کے ساتھ ویکیشنز پر جاؤ گی۔ ایئرپورٹ

پر "ہینری تمہارے ٹریول گائیڈ ہوگا۔"

لڑکی نے فوراً اثبات میں گردن ہلائی۔

"جس نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے اس نے یہ بھی ضرور بتایا ہوگا

کہ غلطیوں کی سزا کیا ہوتی ہے؟" شیر نے نرم لہجے میں سوال کیا تھا لیکن

لڑکی بری طرح لرزی تھی۔

"ک۔ کوئی غلطی نہیں ہوگی۔"

"ہونی بھی نہیں چاہیے۔" شیر نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"تمہیں میں سائیناٹڈ پل نہیں دے رہا جانتی ہو کیوں؟" شیر نے اپنی

جیکٹ اٹھاتے سوال کیا۔ لڑکی نے نفی میں گردن ہلائی۔

"کیوں کہ میں نہیں چاہتا تمہارا یہ حسن بھری جوانی میں موت کی نذر ہو جائے۔ پانچ کڑوڑ سے زندگی کا لطف بھی تو لینا ہے نا؟ تو پرسکون رہ کر یہ ڈیلیور کر دینا۔ غلطی نہیں ہونی چاہیے لیکن اگر ایسی ویسی کوئی بے وقوفی کی تو یاد رکھنا میری نظریں دنیا کے ہر کونے سے تم پر رہیں گی۔" شیر نے اپنی جگہ سے اٹھا اور گلاس سے ایک گھونٹ بھرا۔

"سنا ہے میرے اسناپرز کا کوئی نشانہ اور کوئی گولی ضائع نہیں جاتی۔" شیر جتنی نگاہ اس پر ڈالتا ماسک چہرے پر ڈالتا باہر کی جانب بڑھ گیا۔ لڑکی نے بے اختیار خشک ہوتا حلق تر کیا تھا۔



"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میرے آئیڈیل سے میری پہلی ملاقات ایسی ہوگی اور میرا پہلا تاثر ان پر اتنا برا پڑے گا۔ میں اتنی بڑی غلطی کیسے کر سکتی ہوں؟" طوبی روہانسی ہو رہی تھی۔

"کیا تم نے انھیں دیکھ کر پہچانا نہیں تھا؟"

"نہیں۔۔ میں نے انھیں تین چار سال پہلے ایک ہی بار دیکھا تھا تب وہ ماسک میں تھے میں ان کا پورا چہرہ نہیں دیکھ پائی۔ تب ہئیر اسٹائل بھی کچھ الگ تھا۔ میرا دھیان ہی اس طرف نہیں گیا۔ حالانکہ میں جانتی تھی ڈارک آئی کا نام حاشر ہے۔ لیکن میں سوچ ہی نہیں سکی۔ کہ یہ وہی ہیں۔۔ میں کیا کروں اریب؟" طوبی لب چباتی سوال کر رہی تھی۔

"ان کے اپارٹمنٹ کے باہر جاکر ناک رگڑو۔" اریب مسکرایا۔ اسے طوبی کی حالت دیکھ واقعتاً مزہ آرہا تھا۔

"سنجیدہ مشورہ! معافی مانگ لو۔ وہ بہت اچھے اور معزز انسان ہیں تمہاری بے بسی کا فائدہ نہیں اٹھائیں گے۔"

"ہا۔۔ مجھے ابھی بھی یقین نہیں آرہا میں اس وقت کتنی عجیب اور کم عقل لگ رہی ہوں گی۔ کیا سوچتے ہوں گے وہ۔۔ میں ان پر لمبیٹیوڈ

--اف۔۔ اریب تمہیں یاد ہے میں نے کیسے ان کے سامنے اپنی ایمیلیٹیز بتا کر انھیں متاثر کرنے کی کوشش کی تھی۔ چچ بھر پانی مل جائے میں اس میں ڈوب کر مرنا چاہتی ہوں۔۔ طوبیٰ کا غم ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا اور اریب کی ہنسی۔

"ہنس رہے ہو تم؟" طوبی مزید روہانسی ہوئی۔

"تم بہت کیوٹ ہو۔۔ ہاہاہا!" اریب کو واقعاً اس کا مزاج اور حرکتیں لطف اندوز کر رہی تھیں۔

"پتا ہے مجھے۔" وہ ہنوز روہانے انداز میں بولی۔ اریب پھر ہنس دیا۔
 "کافی ختم کرو چلتے ہیں پھر۔" اریب نے مسکراتے ہوئے کہا۔
 وہ دونوں حاشر کے اپارٹمنٹ کی جانب جارہے تھے جب طوبی نے کافی کے بہانے کافی شاپ پر رکنے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن اریب جانتا تھا کہ وہ حاشر کا سامنا کرنے سے گھبرار ہی تھی۔ اریب اور اسے بے تکلف ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔ وہ دونوں ہی خوش مزاج تھے۔ دونوں کے مزاج میں یکسانیت ہی شاید ان میں جلدی دوستی ہو جانے کی وجہ تھی۔



وہ اپنے کمرے میں کھڑا بیگ پیک کر رہا تھا۔

چہرے پر اطمینان تھا۔ وہ بالکل پرسکون نظر آرہا تھا۔ پلنگ پر آسکریم کا بڑا باول رکھا تھا۔

"ماسٹر! میں مدد کروں؟" ڈینیل نے سوال کیا۔ شیر نے نفی میں گردن ہلائی اور آس پاس دیکھتے کچھ تلاشنا چاہا۔

"کچھ چاہیے ماسٹر؟" ڈینیل نے پھر سوال کیا۔

"تین دن کے لئے تمہاری چھٹی ہے۔" شیر نے بیگ کی زپ بند کرتے کہا۔

"ک۔۔ کیا پھر سیکرٹ ڈیٹ۔۔ میرا مطلب آپ کی وہ اسپیشل والی سیکریٹ ڈیٹ؟" ڈینیل پر جوش ہو کر اس کی جانب دوڑا۔ شیر نے گردن گھما کر اس کی پر جوشی کو دیکھا اور آنکھ دبا کر مسکرایا۔ ایک پل کو ڈینیل

محویت سے تکتا رہ گیا پھر فوراً سیدھا ہوا۔ وہ غیر متوقع حرکات کر کے ہمیشہ ہی ڈینیل کو ساکت کر دیا کرتا تھا۔

"کیا سوچنے لگے؟"

"یہی کہ میں اسٹریٹ ہوں ورنہ پروپوز کر دیتا۔" ڈینیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ شیر نے گردن گھما کر اسے دیکھا اور پھر قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"ویسے ماسٹر آپ کو یاد ہے وہ کونسا ڈان ٹاؤن کنگ؟" ڈینیل نے دانت نکالتے ہوئے سوال کیا۔ شیر نے اثبات میں گردن ہلاتے آئسکریم کا باؤل اٹھایا۔

"آپ نے اس کی پیشکش کا کیا جواب دیا تھا؟"

"یہی کہ میں ہم جنس پرستی کو ذاتی طور پر پسند نہیں کرتا۔" شیر نے لاپرواہی سے کہتے آئسکریم کا چمچ لیا۔

"اس نے ڈیل کینسل کر دی تھی۔" ڈینیل نے یاد دلایا۔

"Whatever"...

"تمہارے پاس کبھی کوئی اچھا موضوع کیوں نہیں ہوتا ڈینیل؟" شیر نے آسکریم کا چچ منہ میں رکھتے سوال کیا۔

"تو پھر یہ بتادیں کہ یہ اسپیشل والی سیکریٹ ڈیٹ اس بار کہاں ہے؟"

"مرتخ پر!" شیر نے سکون سے جواب دیا۔

ڈینیل کو ایسے ہی کسی جواب کی امید تھی۔

"سب کو کیا کہنا ہے؟"

"شارجہ میں ہوں۔" شیر نے کہا۔

"مجھے بھی لے جائیں میں یہاں کیا کروں گا۔" ڈینیل نے منہ بنایا۔

"تمہیں کچھ زیادہ ہی شوق نہیں ہے میری پوچھ بنے رہنے کا؟" شیر نے اسے ڈپٹا۔

"اب کیا کروں میں مجھے عادت ہو گئی ہے۔" وہ افسردگی سے بولا۔

"میری غیر موجودگی میں تم میرے نمائندے ہو۔ میرا شیڈول سیٹ کرو گے۔ ذاتی کال اٹینڈ نہیں کرو گے یہ

"اب جاؤ۔" شیر نے کمرے سے نکلنے کا اشارہ کیا۔ ڈینیل اثبات میں گردن ہلاتا کمرے سے نکل گیا۔ شیر نے پہلے سکون بھرے انداز میں اپنا آئسکریم باؤل ختم کیا اور پھر اٹھ کر وارڈروب کی جانب آکر دوسرا بیگ نکالا۔ وہ بیگ جو ڈینیل کے سامنے پیک کیا تھا اٹھا کر وارڈروب میں ڈالا۔ سیاہ عام سا بیگ جو کم قیمت اور کافی پرانا لگتا تھا۔ اس کو کھول کر اندر جھانکا۔

"میرے فنگر لیس گلوڑ۔۔ میرے لینز۔۔ ماسک کی فی الحال ضرورت نہیں۔۔ میرا کیپ۔۔ میری رین جیکٹ۔۔ میرا پاسپورٹ۔۔" کہتے اس نے پلنگ کے دائیں جانب لگی دراز کھولی اور اندر ہاتھ ڈال کر نیچے کی جانب سے چھوٹا خفیہ خانہ کھولا۔ اندر ایک چھوٹا چمڑے کا بیگ تھا۔ اس نے نکال کر کھولا۔ اندر ایک امریکی پاسپورٹ تھا۔ جس پر "ڈیوڈ جوش" لکھا تھا۔ اس میں لگی تصویر بھی اسی کی تھی لیکن اس میں وہ مختلف لگ رہا تھا۔ رنگت قدرے دبی ہوئی لگتی تھی۔ دائیں آنکھ کے اوپری حصے پر زخم کا نشان تھا۔ باقی کا سامان وہیں رکھتے اس نے وارڈروب بند کر دی اور کمرے کے دروازے تک آتے اس نے کمرہ لاک کیا اور پلنگ پر رکھا پاسپورٹ اور کاغذات اٹھا کر بیگ میں ڈالے کھڑکی تک آیا۔ نیچے جھانکا یہ عجمان کا

ریگستانی علاقہ تھا جہاں فاصلے پر ریزورٹ بنے تھے۔ وہ بیگ لیے باہر کی جانب بڑھنے لگا۔



طوبیٰ نے اپارٹمنٹ کے باہر کھڑے اپنے کندھوں تک آتے بالوں کو سنوارتے اپنا جائزہ لیا۔ وہ ڈھیلی ٹراؤزر اور زرد رنگ کی کرتی پہنی ہوئی تھی۔ کندھوں پر سیاہ بیگ تھا۔ جس کے پٹے اس نے دونوں ہاتھوں سے تھامے چند گہری سانسیں لی۔

"میں کر سکتی ہوں۔۔ ہاں۔۔ کوئی مشکل نہیں۔۔ غلطی سب سے ہوتی ہے۔۔ مجھ سے بھی ہو سکتی ہے۔۔ کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔۔ ہمیں کبھی ہار نہیں ماننی چاہیے۔ اور طوبیٰ کیسے ڈر سکتی ہے۔۔ تو کیا ہوا اگر وہ کمانڈر ہیں یا ڈارک آئی ہیں۔۔" طوبیٰ لب چباتی بڑبڑائی۔ اس نے دھڑکتے دل

سے گھنٹی پر ہاتھ رکھا۔ اگلے ہی پل دروازہ کھلا۔ طوبیٰ نے اندر جھانکا۔ چھوٹی سی راہداری کھالی تھی آٹومیٹک طریقے سے گیٹ کھولا گیا تھا۔ وہ کھڑی اندر کی جانب دیکھتی رہی۔ دفعتاً وہ آتا دکھائی دیا۔ طوبیٰ کا دھڑکنیں تیز ہوتی گئیں۔

"گ۔ گڈ ایوننگ کمانڈر!" طوبیٰ بمشکل مسکرائی اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ وہ خود بھی دراز قد تھی لیکن حاشر کا قد کاٹھ عام لوگوں کی نسبت قدرے بڑا تھا۔ اس کے چھوٹے کٹے ماتھے پر تھے۔ شیو ہلکی سی بڑھی ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ کی طرح عام سے حلیے میں تھا۔ وہ فقط سادی ٹی شرٹ اور ہائی نیکس کا استعمال کرنے کا عادی تھا۔ فقط رنگ ہی بدلتے تھے۔ ابھی بھی ہلکے نیلے رنگ کی ہائی نیک اور سیاہ جنیز جو قدرے ڈھیلی تھی۔ پیروں میں عام سے نرم چپل تھے۔

"اندر آئیں گی؟ ابھی باقی لوگ نہیں آئے۔" حاشر کے انداز میں گزری تلخی اور واقعہ کا کوئی عنصر ظاہر نہیں تھا۔ وہی نرم اور گہرا لہجہ۔

"میں اندر ہی انتظار کر لوں گی۔" وہ اندر داخل ہوئی۔ حاشر گیٹ بند کرتا اس کے پیچھے آیا۔ وہ آس پاس کا بغور جائزہ لے رہی تھی۔ حاشر کو اس کا انداز قدرے بدلا ہوا لگا۔

"کافی لیں گی؟" حاشر نے سوال کیا۔ طوبیٰ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا پھر بوکھلائے انداز میں نفی میں گردن ہلائی۔

"آپ بنائیں گے؟" پھر فوراً سوال کیا۔

حاشر نے الجھ کر اس کی جانب دیکھا۔

"میرا مطلب میں بنالوں؟" طوبیٰ نے کھسیائے انداز میں سوال کیا۔

"Sure"!

حاشر نے کچن کا راستہ بتایا۔ طوبی بیگ صوفے پر رکھتی تیزی سے کچن کی جانب بڑھ گئی۔ حاشر نے الجھے انداز میں اس کی پشت کو دیکھا پھر سر جھٹک کر اپنا لیپ ٹاپ اٹھایا۔



"ہاں ٹھیک ہے طوبی جو ہواسو ہوا۔ تمہیں اب اپنی غلطی سدھارنی ہے تو پر اعتماد رہو۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی کافی کا سامان نکالنے لگی۔ پھر رک کر کچن کا جائزہ لیا۔ ہر چیز صاف ستھری اور سلیقے سے رکھی ہوئی تھی۔ کچن کے عقبی حصے میں بالکنی تھی جہاں خوبصورت کیاریاں تھیں۔ وہیں چھوٹی سی میز اور اسٹول تھے۔

کچن بھی وسیع تھا۔ دو سیٹر ڈائننگ ٹیبل کچن میں بھی موجود تھی۔

"ایک سنگل آدمی اور اتنا آرگنائزڈ گھر؟" طوبی متاثر میں بڑبڑائی اور فریج کھولا۔ فریج بھی گھر کے باقی حصوں کی طرح سلیقے اور صفائی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ وہ کافی مشین لگاتی کچن کے دروازے تک آئی وہاں سے لیونگ روم نظر نہیں آرہا تھا لیکن وہ خوشبو شاید پورے گھر میں ہی پھیلی ہوئی تھی۔

"یہ کمانڈر کا پرفیوم ہے یا روم اسپرے؟"

"روم اسپرے ہے۔" اسی پل وہ بائیں جانب کی راہداری سے نکلتا سامنے کی جانب گیا۔ طوبی یک دم سٹپٹا کر پیچھے ہوئی پھر باہر کی طرف آکر بائیں جانب جھانکا وہاں آنے سامنے کر کے دو کمرے تھے۔

"اوہ یہاں ضرور کمانڈر کا روم ہوگا۔" وہ بڑبڑائی پھر کچن میں آئی۔

"کون یقین کرے گا کہ مجھ جیسی خوش قسمت لڑکیاں بھی پائی جاتی ہیں۔۔ آئیڈیل کے ساتھ کیس۔۔ لیکن بریگیڈیئر نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ مجھے ڈارک آئی کے ساتھ کیس دیا جا رہا ہے۔۔ جبکہ وہ جانتے تھے مجھے کتنا گندا والا کرش ہے ان پر۔۔" طوبی کپ میں کافی انڈیلے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"آہ۔۔" کافی اس کے ہاتھ پر گری تو بے اختیار اس کی سسکی نکلی پھر فوراً منہ پر ہاتھ رکھتے اس نے گردن گھما کر کچن کے داخلی حصے کی جانب دیکھا۔

"اف۔۔ طوبی۔۔ کیا کر رہی ہو۔۔ کیا سوچیں گے وہ کہ میں کتنی پھوہڑ لڑکی ہوں۔" اس نے جلدی جلدی کاؤنٹر پر گری کافی صاف کی اور کپ اٹھا کر باہر نکل گئی۔ وہ لیونگ روم میں داخل ہوئی تو حاشر نے سر اٹھا کر

اسے دیکھا۔ طوبیٰ پل بھر کو پھر سٹپائی پھر فوراً سنبھل کر اسے کافی پیش کی۔

"مجھے بریگیڈیئر نے بتایا کہ آپ ایک بہت پر اعتماد اور قابل ایجنٹ ہیں اگر وہ ایسا کہتے ہیں تو ضرور آپ میں وہ قابلیت ہوگی۔ لیکن میرا خیال ہے فی الوقت آپ کا رویہ بطور ایک خفیہ ایجنٹ کے کچھ مختلف ہے۔" حاشر نے کافی کا گھونٹ بھرا۔ طوبیٰ خاموشی سے لب چباتی اسے دیکھتی رہی۔ حاشر کی نگاہ اچانک ہی اس کے سرخ پڑتے ہاتھ پر پڑی۔ وہ کپ میز پر رکھ کر اٹھا۔ طوبیٰ یوں ہی خاموشی سے دیکھتی رہی وہ کچھ پل بعد واپس آیا اور میز پر ٹیوب رکھ کر دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ طوبیٰ نے میز پر رکھی مرہم کی ٹیوب دیکھی پھر حاشر کی جانب دیکھنے لگی وہ کافی پیتا مختلف کاغذات دیکھ رہا تھا۔ طوبیٰ پلکیں جھپکاتی بغیر اسے دیکھتی رہی۔

"میں نے کیسے نہیں پہچانا انھیں۔۔۔ قد کاٹھ۔۔۔ آنکھیں۔۔۔ سب تو وہی ہے۔۔۔ لیکن۔۔۔ لہجہ۔۔۔ میں نے تو سنا تھا ان کی آواز سے روح کانپ جاتی ہے۔۔۔ کمانڈر تو پر سکون اور نرم لہجے میں بات کرتے ہیں۔۔۔" طوبیٰ نے سوچتے ہوئے ٹیوب اٹھا کر ہاتھ پر لگائی۔

"کمانڈر!" دفعۃً ہمت کرتے طوبیٰ نے اسے پکارا۔ حاشر نے گردن اٹھا کر سوالیہ انداز میں اس کی جانب دیکھا۔

"کیا آپ کا کوڈ نیم ڈارک آئی ہے؟" اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ حاشر نے اثبات میں گردن ہلائی۔ بغیر کسی فخریہ تاثر کے۔۔۔ بالکل عام سا انداز تھا۔ طوبیٰ کا دل پھر تیزی سے دھڑکا۔

"اصلی والا ڈارک آئی جو ایس ایس جی کے فرسٹ رینک پر ہے؟" طوبیٰ کی آنکھیں پھیلیں۔

"کوئی نقلی والا بھی ایگزسٹ کرتا ہے؟" حاشر نے کافی کا گھونٹ بھرتے پھر سادگی سے سوال کیا۔ طوبیٰ نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"اچھا؟" وہ حیران ہوا۔

"میرے ڈیڈ مجھے ڈارک آئی کا زنانہ ورژن کہتے ہیں۔" طوبیٰ بے اختیار مسکرائی۔

"پھر بریگیڈیئر نے ٹھیک ہی کہا ہوگا ضرور بہت قابل لیجنٹ ہوں گی آپ۔۔ لیکن تھوڑی ذمہ داری اور سنجیدگی ضروری ہے۔" اس نے کافی کا آخری گھونٹ بھرا۔ طوبیٰ بے اختیار مسکرائی۔ اسے لگا وہ مذاق اڑائے گا یا ہنسے گا۔ لیکن اس کا رد عمل خوش کن تھا۔

"مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ ڈارک آئی ہیں۔" طوبیٰ اب کے کچھ اعتماد سے بولی۔

حاشر نے جواب دیے بغیر تاثرات ظاہر کیے۔ جیسے کہہ رہا "جانتا ہوں"
 "آپ نے بتایا بھی نہیں۔ مجھے بہت برا لگا سوچ کر کے میں نے آپ
 کے ساتھ برا رویہ رکھا۔" وہ شرمندگی سے بولی۔

"چاہے سامنے کوئی بھی ہو ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ ہمارا رویہ بہترین
 ہو اور ہم اپنے رویہ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں۔ آپ کا عمل میرے
 لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا اس لئے میرا رد عمل بھی اہم اور شدید نہیں
 تھا لیکن اکثر لوگوں میں برداشت نہیں ہوتی۔ ایک ایجنٹ کے لیے سب
 سے اہم بات یہ ہے کہ وہ برداشت کرنے کی اور کروانے کی صلاحیت
 رکھتا ہو۔" حاشر نے کہتے ساتھ کافی کا آخری گھونٹ بھرتے فائل اٹھا کر
 اس کے سامنے رکھی۔

"میں پوری کوشش کروں گی آپ کی بات پر عمل کرنے کی۔"

"امید ہے ایسا ہی ہوگا۔ یہ کیس کے متعلق پروفائل پڑھ لیں تب تک باقی سب بھی آجائیں گے۔" وہ میز سے خالی کپ اٹھاتا کچن کی جانب بڑھ گیا۔ طوبیٰ نے گردن گھما کر اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ پھر ہلکا سا مسکرا دی۔

"مجھے لگتا تھا کہ ایسے مکمل اور زبردست کردار فقط ڈراموں اور کہانیوں میں ہی پائے جاتے ہیں لیکن شاید ہمیں بس جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے ہمارے آس پاس بسنے والے لوگوں میں بھی ایسی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔"



بالٹی مور کے ڈان ٹاؤن میں واقع یہ ایک سنہری عمارت تھی۔ وہ ایک قدیم طرز پر بنا خوبصورت ہوٹل تھا۔ اسی ہوٹل کی لابی میں جنت بیزار چہرہ لیے بیٹھی تھی۔ قریب ہی اس کا بیگ رکھا تھا۔ سر پر اوئی ٹوپی اور جسم

پر گرم جیکٹ تھی۔ وہ دونوں ہاتھ گالوں پر رکھے سر جھکائے اپنے جوتوں کو گھور رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بلا کی بیزاری تھی۔

"کاش اہلی یہاں ہوتی۔۔" وہ آہستگی سے بڑبڑائی اور تھکن زدہ سانس خارج کر کے سراٹھا کر آس پاس دیکھا۔ اسے کسی بھی چیز میں دلچسپی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

"کیا سچ میں شیر شارجہ آیا ہوگا؟ دو ہفتوں کے لئے؟ لیکن میں یہاں دو ہفتے تک کیا کروں گی؟ کاش میں اسے دیکھ پاتی۔۔ اس سے مل پاتی۔۔ کاش۔۔ لیکن کیا وہ مجھے یاد کرتا ہوگا؟ کیا میں اسے یاد ہوں گی؟" وہ بڑبڑائی۔

"شاید۔۔!"

"کس شیر کے لئے زندگی خود پر حرام کر رکھی ہے تم نے؟ اس کے لئے؟ وہ جو جاتے وقت تم سے مل کر نہیں بھی نہیں گیا تھا؟ وہ جس نے پلٹ کر کبھی تم سے ملنے کی کوشش تک نہیں کی؟" ایلیا کی تلخ آواز اس کی سماعت میں گونجی۔

"پاگل ہو تم؟ دماغ خراب ہے تمہارا؟ وہ ہر ہفتے مختلف لڑکیوں سے ملنے والا عیاش شخص!" عمش کی غصیلی آواز نے جنت کو مزید اداس کیا۔ اس نے بیگ سے ڈائری اور پین نکال کر تیزی سے لکھنا شروع کر دیا۔

"دنیا کا ہر شخص مجھے اسی بات کا احساس دلانے کی کوشش کرتا ہے کہ تم کبھی میرے نہیں ہو سکتے لیکن میرا وجود، میری سوچ، میرا دل، میری روح۔ کہتی ہے کہ تم مجھے نہیں بھول سکتے۔ کیوں کہ تم وہ پہلے شخص تھے جو میری زندگی میں بہار لے کر آئے تھے۔ تم ہی وہ شخص تھے

جس نے اپنی زندگی کا پہلا قتل میرے لئے کیا تھا۔ تم ہی وہ شخص تھے جس نے کہا تھا کہ مجھے کبھی رونا نہیں چاہیے۔ تم نے کہا تھا زندگی سے دوستی کرنے والا ہی خوش رہتا ہے۔ تم نے کہا تھا تم مجھے یاد کرتے ہو۔ ہاں ٹھیک ہے میں نے جواباً نہیں کہا تھا کہ میں بھی تمہیں یاد کرتی ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ میں تمہیں بھول گئی ہوں۔ "جنت کی آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ بہہ کر اس ڈائری کے صفحے پر گرا اس نے قلم چھوڑ کر ڈائری بند کر دی۔

کچھ فاصلے پر ایک ستون کی آڑ میں وہ کھڑا خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ سر پر پی کیپ اور چہرے پر سیاہ سادہ ماسک تھا۔ اس کے ہاتھ جیکٹ کی جیبوں میں تھے۔ اس کی آنکھوں میں انوکھی سی چمک اور نرمی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ آنکھوں سے مسکرا رہا ہو۔



اے گاڑی روکو! کون ہو تم؟ میرا ڈرائیور کہاں ہے؟" جنت بنت عمش نے کر خنگی سے گاڑی چلاتے شخص کا کاندھا جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ گاڑی چلاتے شخص نے ذرا سی گردن گھما کر اسے دیکھا۔ جنت جھٹکے سے پیچھے ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں خوف اتر آیا۔

"تم پھر۔۔۔"

"مجھ سے مت ڈرا کرو!" اس کی آواز کی نرمی نے جنت کو مزید طیش دلایا۔

"بزدل آدمی! میں نے تم جیسا شخص ساری زندگی نہیں دیکھا۔"

"آپ دیکھیں گی بھی نہیں! بنت عمش!" اس پل اس کی آنکھیں مسکرائیں۔

"کیا مقصد ہے اس سب کا کبھی تم کہاں پہنچ جاتے ہو کبھی کہاں۔۔ پچھلی دفعہ بیچ پر لائف گاڑد بن کر بھی تم ہی آئے تھے نا۔ کون ہو تم؟ بتاؤ اور یہ چہرہ کیوں چھپایا ہے؟"

"میں عاشق ہوں تمہارا! سچا عاشق!" وہ ہنسا۔
 "اور میں ماسٹر شیر کی محبوبہ ہوں۔ سنا تم نے؟ شیر کی! وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اگر اسے پتا چلا کہ تم پچھلے کئی عرصے سے مجھے یوں تنگ کر رہے ہو تو وہ تمہارا کیا حال کرے گا جانتے ہو۔۔" اس نے اسے خوف زدہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

وہ قہقہہ لگا کر ہنسا دیا جیسے اس بات نے اسے لطف اندوز کیا ہو۔

"اچھا تو شیر کی محبوبہ ہو تم؟ پھر تو مجھے واقعی ڈرنا چاہیے۔۔ ویسے تم کیسے جانتی ہو اسے۔۔ اور میں کیسے مان لوں کہ تم شیر کی محبوبہ ہو میں نے تو

سنا ہے اس کی گرل فرینڈ روسی لڑکیاں ہوتی ہیں ان کے ساتھ ہی گھومتا پھرتا ہے نہیں؟"

"پھرتا رہے جس کے ساتھ پھرتا ہے۔ محبت تو میں ہوں اس کی!" وہ تنگ کر بولی۔

شیر ماسک کے پیچھے دلکشی سے مسکرایا تھا۔

"اور تب تمہارا شیر کیا کرے گا جب میں تمہیں کسی دن یہاں سے غائب کردوں اور بہت دور لے جاؤں؟"

"وہ تمہاری جان لے لے گا۔"

"تو ایسا کرو تم اپنے شیر کو بتا دو نا کہ ایک خبیث شخص کیسے تمہیں تنگ کر رہا ہے۔ اسے بتا کیوں نہیں دیتیں؟"

اسی پل جنت کا چہرہ مرجھا گیا۔ شیر نے مرر سے اس کا مرجھایا ہوا چہرہ دیکھا۔

"چھوڑو بھول جاؤ شیر کو۔ ہم اتنے عرصے سے سیکریٹ ڈینگ کر رہے ہیں مجھے تو لگا تھا اب میرا انتظار کرتی ہوگی تم۔"

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ گاڑی روکو۔"

جنت بنت عمش نے سخت نگاہوں سے ماسک پہنے شخص کو گھورا۔ وہ چھ سالوں میں آج تک جان نہیں پائی تھی کہ ماسک مین کون ہے۔ شیر کی مسکراہٹ تھمنے سے انکاری تھی۔ وہ مرر سے جنت کا غصے سرخ چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"My little witch ...is grown up now" ..

وہ زیر لب بڑبڑایا تھا آنکھیں محبت کی انوکھی چمک سے لبریز تھیں۔

"مجھے گھورنا بند کرو اور گاڑی روکو۔ سنا نہیں تم نے؟" وہ اس معنی خیز خاموشی سے خائف ہو کر تلخی سے بولی۔

"پچھلے چھبیس گھنٹوں سے انتظار کر رہا تھا ان لمحوں کا۔ ایسے کسی کے احساسات کو رد کرنا بہت غلط بات ہوتی ہے بنت عمش!" وہ

گہرے لہجے میں کہتا گاڑی کو ایک قدرے سنسان سڑک پر لے آیا۔ جنت نے یک دم سہم کا آس پاس دیکھا۔

"کہاں لے جا رہے ہو تم مجھے۔" وہ یک دم اس پر جھپٹی تاکہ اس کا ماسک اتار سکے۔ لیکن وہ ناکام رہی۔ وہ چالاکی سے اپنا بچاؤ کر گیا تھا۔

"ڈیٹ پر!" وہ نرمی سے بولا۔

"کیا تم مرنا چاہتے ہو؟" وہ جبراً بھینچے غصے سے بولی۔

"نہیں میں یہ پل تمہارے کے ساتھ جینا چاہتا ہوں۔" اس کی نگاہیں مسلسل جنت کے تاثرات پر تھیں۔

"آہ۔۔ کتنے فضول ڈائلاگ بولتے ہو۔"

"ہے نا! مجھے بھی یہی لگتا ہے۔۔ وہ کیا ہے ناکہ تجربہ نہیں ہے اس فیلڈ کا تو بس دو چار موویز دیکھ لی ہیں۔" وہ پر سکون سے کہتا اسے مزید تپا گیا۔

"میں نے کہا گاڑی روکو۔"

"یہاں روکوں گا بھی تو کہاں جاؤ گی؟ ویسے آج تمہارے کے پاس وہ چھری نہیں ہے؟ پچھلی دفعہ تو گردن کاٹنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔" اس نے گردن کے کنارے ہاتھ پھیرتے کہا۔ جنت لب بھیج کر رہ گئی۔ اس کی آنکھوں کے کنارے بھگنے لگے۔ وہ جو بیک مرر میں اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا یک دم سنجیدہ ہوا اور سڑک کنارے گاڑی روک دی۔

"رونا ہر مسئلے کا حل نہیں ہوتا۔" اس نے گردن گھمائے دھیمے لہجے میں کہا۔

"اندھے ہو تم؟ تمہیں کہاں سے لگ رہا ہے کہ میں رو رہی ہوں؟" وہ ایک دم چلائی تھی۔

"مسکرا بھی تو نہیں رہیں۔ حالانکہ خوبصورت ترین مسکراہٹ کی مالکن ہو۔ اور ہاں یہ لائن کسی فلم سے نہیں لی۔" وہ مسکراتے لہجے میں بولا۔ جنت جواب دیے بغیر کھڑکی کے پار دیکھنے لگی۔

"گاڑی کے دروازے لاک نہیں ہیں۔" اس نے اطلاع دی۔ جنت نے چونک کر گیٹ کھولنے کی کوشش کی۔ دروازہ فوراً کھل گیا تھا۔ وہ فوراً باہر نکل گئی۔ شیر نے بھی خاموشی سے گیٹ کھولا اور باہر نکل آیا۔

"میرا بیگ دو۔" جنت جو کچھ قدم آگے بڑھ گئی تھی دوبارہ پلٹ کر اس کی جانب آئی۔

"کہاں جاؤ گی؟" اس نے نرمی سے سوال کیا۔

"جہنم میں۔۔ چلنا ہے ساتھ؟"

"نہیں شکریہ!" وہ مخصوص پرسکون انداز میں کہتا گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

"تم جیسا ڈھیٹ شخص میں نے کبھی نہیں دیکھا۔" وہ تنک کر کہتی آگے بڑھنے لگی۔

"دیکھا ہے تم نے۔ تمہارے سامنے کھڑا ہے۔ وہ کیا ہے کہ میرے جیسا بس میں ہی ہوں۔ وہ کیا کہتے ہیں؟ انٹیک۔۔" وہ شرارتی لہجے میں کہہ کر

اس کے عقب میں چلنے لگا۔ کئی منٹ خاموشی سے وہ اس کے عقب میں چلتا رہا۔ دفعتاً جنت نے رک کر گردن گھمائی۔

"کون ہو تم؟"

"ڈھیٹ، ذلیل۔۔ بزدل۔۔ جاہل۔۔ آوارہ کام چور۔۔ بقول تمہارے۔"

"میں سنجیدہ ہوں۔"

"انسان ہوں۔" وہ بھی اپنے تہی سنجیدہ ہوا۔

"کہاں سے آئے ہو؟"

"بروڈوے کے پاس اسکائی لائن ہوٹل سے۔"

"میرے پیچھے کیوں آتے ہو؟"

"محبت ہے تم سے۔"

"لعنت ہو۔۔" وہ تلخی سے بولی۔ وہ کبھی اس کے سوالات کا جواب ڈھنگ سے نہیں دیتا تھا۔

"مجھ پر یامیری محبت پر؟" اس سے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔
"دونوں پر!"

"شکریہ!" وہ اسی لہجے میں بولا۔ جنت نے چڑکر اس کی جانب دیکھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ ماسک کے پیچھے سے مسکرا رہا تھا۔
"چہرہ کیوں نہیں دکھاتے اپنا؟" جنت نے اب کی بار خود آہستہ لہجے میں پوچھا۔

"فدا ہو جاؤ گی"

"یاربی۔۔۔" وہ زچ ہو کر بڑبڑائی۔

"اچھا پرسکون ہو جاؤ۔۔ نہیں کر رہا تنگ۔۔" وہ دونوں کانوں کو چھو کر
بولاً۔ جنت نے ٹھنڈی آہ بھر کر اس کی جانب دیکھا۔
"بتاؤ کیا چاہتے ہو؟"

"پہلے تو مجھ سے ڈرنا چھوڑ دو۔۔ میں نقصان پہنچانے نہیں آتا۔" وہ سنجیدگی
سے بولاً۔
"تو پھر؟"

"کتنی دفعہ تو کہہ چکا ہوں سیکریٹ ڈٹنگ۔۔ لیکن وہ الگ بات ہے کہ
ہر دفعہ میری ڈریم سیکریٹ ڈیٹ کا کباڑہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی
تم۔۔ وائلنٹ ویج۔۔" وہ یک دم تنگ کر بولاً۔

"کیا کہا؟" وہ جھٹکے سے پلٹ کر اس کی جانب آئی۔ اس کی آنکھیں یک دم بے یقینی اور حیرت سے پھیلیں۔ شیر سیدھا ہوا اور خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ وہ مزید قریب آئی۔ شیر کا دل یک دم بری طرح دھڑکا۔ "بولو۔ کیا کہا تھا؟ وہ آخری لفظ کیا تھا۔" وہ اس بری نظروں سے اس کی جانب دیکھے سوال کر رہی تھی۔ شیر یوں ہی ساکت نگاہوں اور دھڑکتے دل سے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ وہی معصومیت جو اس کی آنکھوں کا حسن تھی۔ جنت نے اس کی خاموشی پر ہاتھ بڑھا کر دوبارہ اس کا ماسک اتارنے کی کوشش کی تھی۔ شیر نے اس کی کلائی پکڑ کر اسے ماسک ہٹانے سے روکا اور اسے نرمی سے پیچھے دھکیلا۔

"وائٹنٹ؟ یہی تھا آخری لفظ۔" وہ پراعتمادی سے بولا۔

"ویج؟" جنت نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"وچ؟"

"ہاں وچ۔۔ وچ بھی کہا تھا تم نے؟"

"ہاں! کیوں کیا ہوا؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ جنت یک دم نفی میں گردن ہلاتی پیچھے ہٹی۔ شیر نے گہری سانس بھرتے گاڑی کا دروازہ کھولا۔

"بیٹھو۔"

"کہاں۔"

"جہاں سے لے کر آیا تھا۔" وہ کہتا ڈرائیونگ سیٹ کی جانب آیا۔ جنت بھی خاموشی سے گاڑی میں آ بیٹھی۔

"کہاں جا رہی تھی تم۔"

"پتا نہیں۔۔ مجھے ہوٹل چھوڑ دو۔" وہ مرجھائے لہجے میں بولی۔ شیر نے شیشے سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"میں تمہیں مضبوط ضرور بنانا چاہتا تھا لیکن مضبوط رہنے کی اداکاری کرنے کا نہیں کہا تھا۔" وہ زیر لب بڑبڑایا تھا۔ جانے کیوں اس کے اندر بھی ایک خاموشی سی اتر آئی تھی۔



"مجھے ایک پل کے لئے لگا وہ شیر ہے۔ وہ پل خاص تھا۔ عام لمحوں سے بالکل مختلف۔۔ اس پل میں دل جی اٹھا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ شیر کی آواز کیسی ہے لیکن کبھی آج لگا کہ وہ شیر تھا۔ اس کی حاضر جوابی مجھے اس کی یاد دلاتی ہے لیکن وہ شیر کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کی آنکھیں سیاہ نہیں ہیں۔ شیر تو ایسا دکھتا ہے نا!"

جنت نے بیگ کھول کر اس میں سے ایک اور ڈائری نکالی اور تیزی سے صفحے پلٹنے لگی۔ ایک صفحے پر وہ تصویر چسپاں تھی۔

گہری سیاہ آنکھیں۔۔ سیاہ چہرے کے دستانے۔۔ قیمتی لباس۔۔ قیمتی ماسک۔۔ جس پر سنہرے رنگ سے ایس آر لکھا ہوا تھا۔

اور جس شخص سے وہ آج ملی تھی وہ اس شیر سے بالکل مختلف تھا۔

اس ڈائری میں شیر کی مختلف تصاویر تھی ہر تصاویر میں اس کا یہی ایک انداز تھا۔ ہر تصاویر GFSR کے سالانہ اجلاس سے کی تھیں۔ یہ اجلاس انتہائی پرائیویٹ ہوتے ہیں جن میں فقط GFSR کے خاص لوگ ہی شرکت کر سکتے تھے۔ وہ ان اجلاس میں بھی اپنا چہرہ ظاہر نہیں کرتا تھا۔ اسے روزانہ کی بنیاد پر قریب سے دیکھنے کا موقع فقط محدود لوگوں کو ہی ملتا تھا۔ جنت نے تو یہ تک سنا تھا کہ وہ بغیر دستانوں کے کسی سے ہاتھ

بھی نہیں ملاتا تھا۔ جن تقاریب میں وہ اور گولڈن فاکس شریک ہوتے
تھا وہاں کیمرے اور موبائل فونز کو اندر لے جانے تک کی اجازت نہیں
تھی۔ شناخت ظاہر نہ کرنے کی وجہ ان دونوں نے خود کبھی نہیں بتائی
تھی لیکن لوگوں نے کئی مفروضے فرض کر رکھے تھے۔ جنت بھی شاید
ان مفروضوں پر یقین کرتی تھی۔ کئی سال ہو گئے تھے شیر سے تعلق
ٹوٹے اور ان سالوں میں یقیناً ہر چیز بدل گئی تھی۔ اور جو چیز زیادہ تیزی
سے بدلی تھی وہ شیر کا مقام تھا۔ اس لئے جنت کو وہ اب وہ چاند کی مانند
دکھائی دیتا تھا جو دسترس سے بہت دور لگتا تھا لیکن آج کے اس لمحے میں
اسے یوں محسوس ہوا کہ چاند واقعی اس کی دسترس میں آگیا ہو۔



بالٹیمور کے ایک قدرے پسماندہ علاقے کا منظر تھا۔ کچی ٹوٹی پھوٹی سڑک جس کے آس پاس گھنے درخت اور خودرو گھنی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ سڑک پر بلا کی تاریکی تھی لیکن اس کے باوجود وہ تیز قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا۔ سیاہ رین کوٹ پر سیاہ جینز پیروں میں بھاری جوتے تھے۔ رین کوٹ کی ہڈ اس نے سر پر ڈال رکھی تھی۔ کمر پر ایک سیاہ چمڑے کا بیگ تھا۔ دفعتاً اس نے کان میں لگا آلہ آن کیا اور عربی زبان میں کسی کا حال پوچھا۔

"میں لڑکوں کے پاس جا رہا ہوں۔ ہاں کردوں گا سیٹ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے لیکن میں تم سے مل نہیں سکتا۔" شیر کی آواز بدلی ہوئی تھی۔ اس نے آواز بدل رکھی تھی۔

"ٹھیک ہے پھر کبھی۔" دوسری طرف سے کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ شیر کچھ قدم مزید چل کر کچے میں اتر گیا۔ اس کا رخ مشرق کی جانب تھا۔ قدموں میں بلا کی تیزی تھی۔



طوبی فائل کو ہاتھ میں لئے متاثر نگاہوں سے کبھی سامنے رکھی دوسری فائلوں کو دیکھتی تو کبھی مصروف انداز میں لیپ ٹاپ کی فائلیں کھنگالتے حاشر کو۔ وہ بے نیازی سے بیٹھا تھا۔

"مس طوبی آپ کے چہرے سے لگ رہا ہے جیسے آپ کو ابھی بھی ان کرداروں پر یقین نہ آرہا ہو۔" حاشر نے گردن اٹھا کر سوال کیا۔ طوبی نے اثبات میں گردن ہلائی۔ اریب نے مسکراہٹ دبا کر حنین کی جانب دیکھا حنین بھی مسکرایا۔

"میں نے یہ فائلز دو دفعہ پڑھی ہیں میرا پورا ایک دن یہ سمجھنے میں لگ گیا اور میں ابھی بھی سن پڑی ہوئی ہوں۔ کیا دنیا طاقت کے لئے اتنی گندگی مچاتی ہے؟ طاقت کیا اتنی بڑی چیز ہے؟" طوبی عجیب سے لہجے میں سوال کر رہی تھی۔ حاشر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"صدیوں سے یہی ہوتا آرہا ہے۔" اس نے ٹھنڈی سانس بھرتے کہا۔

"آپ نے یہ سب کیسے جانا؟"

"میں پچھلے آٹھ نو سالوں سے کھوج کر رہا ہوں اس کے لئے مجھے کئی بار دوسرے ممالک کا سفر کرنا پڑا پچھلے سال میں نے ہیڈ کوارٹر پر سمری رپورٹ بھی کی تھی۔ یہ میری ذاتی کھوج ہے اس پر میں نے کڑوڑوں روپے خرچ کیے ہیں۔"

"کروڑوں روپے؟ کیسے؟ کیوں؟" اریب سمیت باقی تینوں بھی حیرت زدہ رہ گئے۔

"کیوں کہ اس وقت دنیا کی کئی بڑی ایجنسیاں ان لائیز پر کھوج میں لگی ہیں اور تقریباً ہر امن پسند ملک کی ترجیحات میں سے ایک ان گندی ناپاک لائیز کو بے نقاب کرنا ہے۔ ان لائیز کا سب سے زیادہ نقصان مسلم دنیا کو پہنچ رہا ہے۔" حاشر نے کہا۔

"آپ کو گورنمنٹ نے فنڈنگ کی۔"

"نہیں میں نے اپنی ذاتی رقم کا استعمال کیا ہے۔"

"اوہ۔" طوبیٰ نے سمجھ کر اثبات میں گردن ہلائی۔ وہ چاروں ہی متاثر نگاہوں سے حاشر کی جانب دیکھ رہے تھے۔

"لیکن شیر نامی بلا سمجھ نہیں آئی۔ اس کی پروفائل خالی کیوں ہے؟ اور یہ ہے کون؟ ساری کہانی جاننے کے بعد مجھے لگتا ہے یہ ایک اہم کردار ہوگا۔"

"ہوگا نہیں ہے۔۔ یہ ایک بہت اہم کردار ہے لیکن ہمارے پاس اس کے حوالے سے زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ سوائے اس کے کہ یہ GFSR کا حصہ آج سے دس سال قبل بنا ہے اور اس کے پہلے یہ آرگنائزیشن صرف GF & co تھی۔ پھر GFSR.. یعنی گولڈن فاکس اور شیر روسیہ۔۔ اس کا خاندان۔۔ مذہب۔۔ شہریت۔۔ اور پس منظر کیا ہے کوئی نہیں جانتا۔ یہاں تک کہ اس کی کوئی تصویر بھی نہیں ہے۔۔ گولڈن فاکس بھی اسی طرح ایک بہت خفیہ کردار تھا لیکن اب وہ ایک خفیہ کردار نہیں رہا ہے۔۔ میری ریسرچ کے مطابق وہ ایک پیدائشی نشان زدہ چہرے

کا مالک ہے جس کی وجہ سے وہ سیاہ ماسک کا استعمال کرتا ہے لیکن شیر کی تصاویر کے نام پر میرے پاس فقط ایک تصویر ہے یہ۔۔ "حاشر نے اپنا لیپ ٹاپ ان کی جانب گھمایا وہ چاروں فوراً سے آگے آئے۔

"Dark vibes" ..

طوبیٰ منہ بنا کر پیچھے ہٹی۔

"سیاہ ماسک۔۔ سیاہ کوٹ۔۔ سیاہ جوتے

۔ سیاہ دستانے۔۔ "حنین نے کہا۔

"یہ اپنے ساتھ کھڑے لوگوں میں سب سے لمبا ہے۔۔ آپ سے بھی

زیادہ لمبا لگ رہا ہے یہ تو۔۔ "منان بولا

"مجھے پتا تھا سب سے پہلے تم یہی دیکھو گے۔۔ اور پھر کہو گے کاش میں

بھی تھوڑا لمبا ہوتا۔۔ "حنین نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوا ہے تمہارے قد کو۔۔ پانچ فٹ نو انچ چھوٹا تو نہیں ہے۔" حاشر نے حنین کو دیکھتے کہا۔

"اسے لگتا ہے۔۔"

"کیا ہم اس کے نام کو اپنے اردو کے شیر والا شیر نہ سمجھیں؟ اور روسیہ بھی کچھ اپنا اپنا لفظ ہے۔۔" اریب نے بغور اس کی تصویر کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"شیر اور روسیہ دونوں الفاظ دنیا کی سیکڑوں زبانوں میں استعمال ہوتے ہیں ایسا کوئی آفشیل ثبوت نہیں جس کے باعث ہم کہہ سکیں کہ وہ پاکستان سے ہے۔" حاشر ایک پل کو خاموش ہوا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ چبھا تھا جیسے تاثرات تبدیل ہوئے تھے۔ لیکن چہرہ سپاٹ رہا۔

"ہمیں اس کے پس منظر کو چھوڑ کر اس کی موجودہ سرگرمیوں کو ڈھونڈنا ہے۔" حاشر نے کہا تو وہ سب اثبات میں گردن ہلانے لگے۔

"مزید آج آپ لوگوں نے بہت اچھا کام کیا۔ سب کے مشاہدے اور مشورے کارآمد رہے۔" حاشر نے عادت کے مطابق نرمی سے چاروں کو

سراہا۔

"بہت شکریہ!"

"Thank you" ..

"شکریہ۔۔"

"مہربانی۔۔"

وہ سب خوش دلی سے بولے۔

"کمانڈر آج میرے گھر ڈنر پر فرینڈز گیڈرنگ ہے۔ تو کیا آپ آنا پسند کریں گے؟" کیپٹن حنین نے سوال کیا۔ حاشر نے یک دم جذبہ ہوتے ان کی جانب دیکھا۔

"کیا ہم بھی انوائیٹڈ ہیں؟" اریب فوراً پر جوش ہوا۔ حنین نے ہنستے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی۔

"بہت شکریہ کیپٹن! لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں شرکت نہیں کر سکوں گا دراصل مجھے کچھ دیر میں شہر سے باہر ایک کام سے جانا ہے۔" حاشر نے مخصوص انداز میں معذرت کر لی۔ اس دوران طوبی خاموشی سے حاشر کے وجود کو نگاہوں کے حصار میں لیے دیکھتی رہی۔

"طوبی! تم آرہی ہو؟"

"ن۔۔ نہیں مجھے بھی کچھ کام ہے سوری!" طوبیٰ نے اریب کی جانب دیکھتے کہا۔

"کمانڈر مجھے آپ سے کچھ پوائنٹس ڈسکس کرنے ہیں؟ کیا میں یہاں رک جاؤں؟" طوبیٰ نے ہچکچاتے ہوئے سوال کیا۔

"جی ضرور لیکن میرے پاس زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ہی ہے۔" وہ کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھتے بولا۔ طوبیٰ دل ہی دل میں خوش ہوتی مسکرائی۔

"جی اتنی دیر میں ہو جائے گا میرا کام۔"

"ٹھیک ہے پھر ہم نکلتے ہیں۔" منان اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے بولا۔

"امید ہے سب کا وقت اچھا گزرے گا۔ تھوڑی دیر میں بارش کا بھی امکان ہے راستے میں احتیاط کھیئے گا چھتیاں اس باسکٹ میں رکھی ہیں

ضرورت ہو تو لے لیں۔۔" حاشر ان کو رخصت کرنے کے لئے اپنی جگہ سے اٹھا۔ طوبی بے اختیار مسکرائی۔

"A real gentlemen!"

وہ انھیں دروازے تک رخصت کر کے واپس آیا تو طوبی بے وجہ ہی اس کی جانب دیکھ کر مسکرائی۔ حاشر نے الجھ کر اس کی جانب دیکھا جیسے اس کے مسکرانے کی وجہ جاننا چاہ رہا ہو۔

"وہ دراصل ہمیں آپ کو جوائن کیے ایک ہفتے سے زیادہ ہو گیا ہے لیکن ابھی تک میں نے آپ کی مسکراہٹ نہیں دیکھی۔ تو میں یہی جاننا چاہتی تھی کہ آپ کی مسکراہٹ کیسی ہے۔۔ اس لئے میں مسکرائی تاکہ آپ بھی مسکرائیں۔" طوبی نے فوراً وضاحت دی۔ حاشر پل بھر کو خاموشی سے

اس کی جانب دیکھا پھر سر جھٹک کر کچن کی جانب بڑھ گیا۔ طوبیٰ نے گردن آگے کرتے اسے راہداری سے گزر کر کچن کی طرف جاتے دیکھا۔

"مسکراتو دیتے۔۔" طوبیٰ بڑبڑائی اور اپنی فائلیں کھول کر قلم سنبھالا۔

"کمانڈر؟ کیا یہ فائل مزید دو دن کے لئے نہیں مل سکتیں مجھے؟" طوبیٰ با آواز پوچھ رہی تھی۔

"مل سکتی ہے۔" حاشر نے جواب دیا۔

طوبیٰ یک دم حیران ہوئی پھر خوشی سے بند مٹھی ہوا میں لہرائی اور پین پھینک کر کچن کی جانب بڑھی۔ وہ کافی بنا رہا تھا۔

"کیا میرے لئے بھی کافی بنا رہے ہیں؟" وہ کچن میں داخل ہو کر بولی۔

"مجھے لگا کام کریں گی۔"

"جی لیکن آپ نے فائل لے جانے کی اجازت دے دی ہے میں سارے فارمولے کاپی کر سکتی ہوں نا؟" طوبی نے پھر تائید چاہی۔

حاشر نے اثبات میں گردن ہلادی۔

"پہلی بار دیکھا ہے کسی کو اپنی محنت کسی اور کو یوں دیتے ہوئے۔" وہ واقعاً حیران تھی۔

"ہم ایک ہی ٹیم میں ہیں اور میرے لئے اتنا کافی ہے کہ ان سے میرے ہی ملک کے لئے کام ہو گا۔"

"اور اگر میں ٹیم میمبر نہ ہوتی؟"

"تو آپ کو دیکھنے بھی اجازت نہ ملتی۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔ طوبی نے کاندھے اچکائے۔

"آپ مجھے کافی بنانے کا کہہ دیتے۔" طوبی خوش دلی سے بولی

"آپ اچھی کافی نہیں بناتیں۔" حاشر نے پھر صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے
طوبیٰ کو حیران کر دیا۔ وہ لب چبا کر رہ گئی۔

"آپ کہاں جارہے ہیں ویسے؟ فیملی سے ملنے؟"

حاشر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"گھر کے سارے کام آپ خود کرتے ہیں؟"

"جی!" حاشر کپ دھورہا تھا۔

"کپڑے بھی خود دھوتے ہیں؟" وہ حیرانی سے پوچھ رہی تھی۔

"جی۔۔"

"مجھے امید نہیں تھی کہ آپ ایسی زندگی گزارتے ہوں گے آپ کے

پاس تو کار تک نہیں ہے۔" طوبیٰ آہستگی سے بولی۔ کہیں اسے برا نہ لگ

جائے لیکن تجسس اپنی جگہ تھا۔ وہ سب جاننا چاہتی تھی اس کے بارے میں۔

"میرے پاس کار ہے۔" حاشر نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔
 "نیچے جو سوزو کی کھڑی ہے سفید۔" اس کے لب غیر محسوس مسکراہٹ میں ڈھلے۔

"وہ۔۔" طوبی کی آواز بے یقینی سے پر تھی۔
 "وہ کار؟ جو سب سے کونے میں کھڑی رہتی ہے؟ چھوٹی سی؟۔۔ معاف کیجیے گا کمانڈر لیکن مجھے لگتا تھا کسی نے اپنی پرانی کار اسکرپ کر کے وہاں چھوڑ دی ہے۔۔ اسے دیکھ کر یہی لگتا ہے۔"

"وہ اتنی بری حالت میں نہیں ہے۔" حاشر نے کپ اس کی جانب بڑھایا اور باہر نکل گیا۔ طوبی بھی اس کے پیچھے باہر نکل آئی۔

"لیکن اتنا پرانا ماڈل لینے کی کیا ضرورت تھی؟ مجھے یقین ہے آپ ایک کار تو افورڈ کر ہی سکتے ہیں؟"

"میرے پاس ایک اچھی کار اچھا گھر اور نوکر نہیں ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں افورڈ نہیں کر سکتا۔" وہ اپنی فائلیں سمیٹ رہا تھا۔
"تو پھر؟"

"مجھے لوگوں کی توجہ اپنی طرف مرکوز کرنا پسند نہیں ہے۔"
"اوہ۔" طوبی بے اختیار بولی۔

"شاید اس لئے آپ اپنی پرسنلیٹی پر بھی توجہ نہیں دیتے آپ ایک اچھا ہئیر اسٹائل رکھ سکتے ہیں لیکن ہمیشہ چھوٹے بال رکھتے ہیں۔ سادے کپڑے استعمال کرتے ہیں اور شیو بھی نہیں رکھتے۔ اگر آپ چاہیں تو ایک اچھا ہئیر اسٹائل اچھا فیس شیو اور ڈریسنگ اسٹائل رکھ سکتے ہیں

۔۔ لیکن آپ نہیں چاہتے لوگ متوجہ ہوں اس لئے آپ ایسے رہتے ہیں۔۔"

حاشر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"میرا خیال ہے باتیں بہت ہو گئی ہیں۔" حاشر نے کہا۔ طوبیٰ نے اپنی کافی کا کپ دیکھا جو ابھی بھی اسی طرح رکھا تھا۔

"آپ اپنی کافی ختم کریں۔" حاشر کہہ کر اندرونی حصے کی جانب بڑھ گیا۔

"مجھے لگا کافی بھی نہیں پینے دیں گے۔" وہ بڑبڑائی۔ اس نے ابھی ایک

گھونٹ ہی بھرا تھا جب اچانک کمرے سے کچھ گرنے کی آواز

آئی۔ طوبیٰ بے اختیار دہل کر سیدھی ہوئی اور کپ رکھ کر اندر کی جانب

دوڑھی۔ وہ کمرے میں داخل ہوتے ہی رک گئی۔

"کمانڈر آپ ٹھیک ہیں؟" طوبیٰ نے سامنے گرے دو بیگوں کی جانب دیکھا۔ ایک بیگ سے کچھ پرانا سامان نکل کر فرش پر گرا ہوا تھا۔ حاشر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"آپ کی کوئی مدد کردوں؟" طوبیٰ آگے بڑھی۔ حاشر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"یہ سامان اس بیگ میں ڈال دیں۔" وہ بولا اور دوسرا بیگ اٹھا کر اسٹور روم کی جانب بڑھ گیا۔ زمین پر خون کی بوند گری تھی۔ ایک کانچ کی بوتل تھی جو ٹوٹی تھی۔ اس کے آس پاس کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تھے جنہیں لپیٹ کر بھوری ڈوری سے باندھا گیا تھا۔ طوبیٰ کا ہاتھ ایک بھاری سی پرانی ڈائری پر پڑا اس نے اٹھا کر بیگ میں ڈالنا چاہا لیکن بے اختیار ہی ڈائری کا ایک صفحہ کھلا اور ایک تصویر نکل کر زمین پر

گری۔ جس پر نگاہ پڑتے ہی طوبیٰ چونک گئی۔ وہ تصویر دو بچوں کی تھی جو ایک جیسی شکل کے تھے۔ ایک قد میں تھوڑا چھوٹا تھا جبکہ ایک بڑا دکھتا تھا۔ اس نے فوراً اٹھا کر تصویر کو دوبارہ ڈائری میں رکھا اور ڈائری کو بیگ میں ڈال دیا۔ پھر دیگر سامان اٹھا کر اندر ڈالنے لگی۔ حاشر واپس آیا تو انگلی پر زخم پیٹی تھی۔

"آپ کو زیادہ تو نہیں لگی؟" طوبیٰ فکر مندی سے پوچھ رہی تھی۔ حاشر نے نفی میں گردن ہلائی۔

"شکریہ!" حاشر نے سامنے رکھا بیگ اٹھایا جس میں طوبیٰ باقی کا سامان رکھ چکی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔" وہ کہہ کر اٹھی اور کمرے سے نکل آئی۔ اس کا ذہن ان الفاظ میں ہی جامد رہ گیا تھا۔ حاشر کے حوالے سے تجسس مزید بڑھ گیا تھا۔

"کیا تھا وہ سب؟ وہ سارے کاغذ جو سنبھال کر رکھے گئے ہیں۔ وہ بچے۔ وہ سطریں؟۔ کتنا پر اسرار ہے سب؟" وہ بڑبڑائی اور نیم گرم کافی کا کپ لبوں سے لگا کر گھٹا گھٹ پی گئی۔

"کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی لیکن کیوں کہ میرے کمانڈر نے بنائی تھی تو میں ضائع کرنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔" وہ بڑبڑا کر اٹھی اور مطلوبہ فائل لے کر بیگ میں ڈالنے لگی۔ اسی دوران وہ کمرے سے نکل آیا تھا۔

"گڈ بائے کمانڈر!"

"بائے۔ باسکٹ سے چھتری اٹھالیں اور راستے میں احتیاط کیجئے گا۔" حاشر نے کہا۔ طوبی مسکرا دی۔

"شکریہ کمانڈر!" وہ خوش دلی سے کہتی باہر کی جانب بڑھ گئی۔ حاشر باقی کی فائلیں اٹھا کر اپنے مخصوص کام کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ طوبی نیچے پارکنگ لاٹ تک آتے حاشر کی سوزوکی کار کی جانب آئی اور جھانک کر اندر کی جانب دیکھا۔

"میں کتنی بے وقوف تھی مجھے لگتا تھا کہ ڈارک آئی ایک بہت شاہانہ زندگی گزارتے ہوں گے لیکن ان کی کار یہ ہے۔۔۔ ان کا گھر۔۔ اس نے گردن اٹھا کر کھڑکی کی جانب دیکھا جہاں ایک کیکنٹس رکھا تھا۔ سفید پردے باہر سے ہی نظر آرہے تھے۔

"ڈارک آئی میری توقعات سے بالکل برعکس نکلے لیکن بہت پر اسراریت ہے ان میں۔۔ اچھے طریقے سے بات کرتے ہیں۔ مغرور

نہیں ہیں۔ کافی بھی اچھی بناتے ہیں۔ ان کے آس پاس رہتے ہوئے اکورڈنیس نہیں ہوتی۔۔ ریسپیکٹ فل ہیں۔ جینٹل مین ہیں۔ لیکن میں ان کے بارے میں اور جاننا چاہتی ہوں مثلاً کہاں سے آئے ہیں؟ فیملی میں کون کون ہے؟ مزید ان کے پاس اتنی ایڈوانس ریسرچ کے لئے اتنا پیسہ کہاں سے آیا؟۔۔ وہ انھی سوچوں میں گھری حاشر کی کھڑکی کو گھور رہی تھی جب اچانک ہی وہ کھڑکی پر آکھڑا ہوا۔ اس نے طوبیٰ کو یوں بے سدھ سا کھڑکی کو گھورتے دیکھا تو الجھ گیا۔ طوبیٰ حاشر کی کھڑکی پر دیکھ
بری طرح شرمندہ ہوئی۔

"کمانڈر تو مجھے اسٹاکر ہی سمجھ لیں گے۔" وہ بڑبڑا کر اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گئی۔ حاشر نے اسے کار کی جانب بڑھتے دیکھا تو کھڑکی سے ہٹ گیا۔



وہ ایک قدرے ٹوٹی پھوٹی عمارت تھی کھنڈرات میں بدلی اس عمارت کے آس پاس بھی جھاڑیاں اور اونچے درخت تھے۔ وہ خاموشی سے اندر داخل ہوا۔ اندر داخل ہونے پر سامنے کھلی چھت تھی۔ آس پاس ملبہ گرا تھا۔ وہ بائیں جانب مڑا اور نیچے سیڑھیوں پر قدم رکھ دیے۔ سیڑھیاں نیچے کی جانب جاتے جاتے بائیں جانب سے اوپر کی جانب جانے لگیں۔ وہ جیسے پہلے ہی اس عمارت کے نقشے سے واقف تھا۔ اوپر کی جانب بڑھ گیا۔ کچھ آگے جا کر ایک سیڑھی آگے کی جانب راہداری میں بڑھتی دکھائی دی جبکہ پیچھے کی جانب لوہے کا بھاری گیٹ تھا۔ شیر نے گیٹ کے قریب

جا کر بائیں جانب لگے ایک ٹوٹے پھوٹے میل باکس میں ہاتھ ڈال کر بٹن دبایا۔ وہ دروازہ بغیر آواز کے کھل گیا۔ شیر اندر داخل ہوا۔ سامنے ایک اور راہداری تھی۔ شیر آگے بڑھتا رہا۔ کئی منٹ چلنے اور چھوٹی بڑی راہداریوں سے گزرتے وہ ایک اور گیٹ تک آیا اور گیٹ کے قریب لگے الیکٹرک تھمب مشین پر انگھوٹا رکھ دیا۔ گیٹ فوراً کھلا۔ شیر نے کوٹ کی آستین سے اپنے فنگر پرنٹ صاف کیے اور اندر داخل ہوا۔ اس کے اندر جاتے ہی گیٹ بند ہو گیا۔

"کمانڈر!"

"مرحبا کمانڈر!"

"مرحبا اُخ"

وہاں درجن بھر مختلف عمر اور قد کے لڑکے تھے۔ سامنے قالین بچھا تھا۔ ایک جانب صوفے جبکہ دوسری طرف کرسیاں اور میزیں تھیں۔

"کیسے ہو سب؟"

"ہم سب ٹھیک ہیں۔ آپ کو اتنے وقت بعد یہاں دیکھ کر خوشی ہوئی۔" ایک سرخ و سفید رنگت کا خوش شکل نوجوان مسکراتے ہوئے بولا۔ شیر نے بیگ اتار کر ایک لڑکے کی طرف بڑھایا۔

"مجھ سے ملنے میں کیا مسئلہ تھا؟ کیا یقین نہیں ہے؟" اسی پل ایک جانب سے ایک اور شخص نکلا۔ وہ سر پر پی کیپ پہنے کھڑا تھا۔ سرخ و سفید رنگت اور سبز آنکھیں۔ وہ سنجیدگی سے شیر کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"یقین کی بات تم مت کرو تم جانتے ہو مسئلہ کیا تھا؟" شیر نے اس کا کاندھا تھپتھپایا لیکن وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر اس کے گلے سے الگا۔ باقی

کے لڑکے ایک ایک کر کے ہال سے نکلنے لگے۔ شیر کے اعصاب ڈھیلے پڑے۔

"لڑکیوں کی طرح رونے مت لگ جایا کرو۔" شیر نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے خود سے دور کیا۔

"میں یاد کرتا رہا آپ کو۔ آپ مجھ سے ملنے نہیں آتے میں شارجہ بھی آیا تھا۔ روس بھی۔"

"ہزار دفعہ کہا ہے ایسے ملکوں میں گھسنے کی ضرورت نہیں دور دور رہا کرو۔" شیر سختی سے بولا۔

"لیکن بھائی۔"

"ہاں ہاں جانتا ہوں یاد کرتے ہو مجھے۔ میری محبوبہ سے زیادہ روتے ہو

میری یاد میں۔ لیکن سب سے زیادہ ضروری کیا ہے؟" شیر نے سنجیدگی

سے سوال کیا۔ وہ منہ بسورتا کرسی پر جا بیٹھا۔ اسی پل ایک لڑکا ایک باؤل میں آسکریم لے آیا۔

"بھائی! آپ کی محبوبہ کون ہے؟"

"یہ بھی پوچھنا تھا؟" شیر نے اسے گھورا۔ وہ دانت نکالنے لگا۔

"اچھا میرنا کیسی ہے؟" وہ پرجوش ہوتا شیر کے قریب آیا۔

"اس سے کسی قسم کی امید مت لگاؤ۔ غازی!"

"لیکن۔۔" غازی نے کچھ کہنا چاہا۔

"شش۔۔!"

"ٹھیک ہے۔" غازی خاموشی سے سر جھکا گیا۔

"اردن کب جارہے ہو؟"

"پرسوں۔۔"

"سامان مل گیا سارا؟"

"ہاں۔۔"

"خیال سے جانا۔" شیر نے آسکریم کا چچ منہ میں ڈالتے کہا۔ غازی خاموشی سے شیر کی جانب دیکھتا رہا۔

"شکریہ بھائی!" غازی نم آنکھوں سے مسکرایا۔ شیر نے اس کا کاندھا تھپتھپایا اور باؤل رکھ کر اٹھ گیا۔

"مجھے کام ہے کچھ۔۔ اس لئے فوراً نکلنے کی تیاری کروں گا۔" شیر کہتے ہوئے سامنے کی جانب بڑھا۔ غازی غضنفر بھی اس کے پیچھے چلنے لگا۔ وہ دونوں ایک ساتھ چلتے نیچے آئے جہاں ایک تاریک اور تنگ سی راہداری تھی۔ راہداری سے گزر کر وہ لوہے کے بھاری گیٹ تک آئے اور اسے

اندر کی جانب دھکیلا۔ گیٹ کھلتے ہی سامنے کھڑے لڑکے احترام سے جھکے اور ایک طرف ہو گئے۔

کمرے میں کئی بڑے چھوٹے کمپیوٹر اور دیگر جدید قسم کی مشینیں تھیں۔
 "میں نیا سرور انسٹال کر رہا ہوں بس دھیان رہے اس میں کسی قسم کا وائرس نہ آئے اس بار! اور پرانا سوفٹ ویئر اپ ڈیٹ کرنے کی بھی ضرورت ہے شاید۔" شیر اپنا بیگ کھولنے لگا۔ وہ سب اس کی بات بغور سنتے قریب آئے۔ شیر نے کرسی سنبھالی اور تیزی سے کی پیڈ پر انگلیاں چلانے لگا۔ وہ سب خاموشی اور توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ان سب کی آنکھوں میں شیر کے لئے عزت اور متاثر زدہ تاثرات تھے۔ غازی بھی محبت بھری نرم نگاہوں سے شیر کو دیکھنے میں محو تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوشی تھی۔ جیسے کئی سال بعد کسی اپنے کو پا کر زندگی میں بہار سی آگئی

ہو۔ وہ کام جو لڑکوں سے تین دن میں نہ ہوا شیر نے پچیس سے بیس منٹ میں مکمل کر کے جگہ چھوڑ دی۔ شیر اپنا بیگ پیک کر رہا تھا۔

"بھائی کھانا کھا کر جائیں۔" غازی اسے جانے کی تیاری کرتا تیزی سے بولا۔

"نہیں۔۔ اتنا وقت نہیں ہے۔ تم بھی جلد سے جلد جگہ چھوڑ دو۔ تین دن سے پہلے پہلے اردن پہنچ جاؤ اور ایسا بھی ہو سکتا ہے ہمیں میرینا کا کام تمام کرنا پڑے۔"

غازی کے چہرے پر بے یقینی اور دکھ کے تاثرات ابھرے وہ تیزی سے اس کے قریب آیا۔

"لیکن کیوں بھائی؟ وہ۔ وہ۔"

"ہمارے ساتھ مخلص نہیں رہی ہے وہ۔ اس سے پہلے کے وہ ہمیں

نقصان پہنچائے ہمیں اسے خاموش کروانا پڑے گا۔" شیر جیکٹ پہنتے بولا۔

"اور تم اپنا فیصلہ کر لو تمہارے لئے سب سے زیادہ اہم کیا ہے؟ تمہارے جذبات یا؟"

"بھاڑ میں جائیں جذبات۔۔ اگر مخلص نہیں ہے تو ایک لمحہ لگائے بغیر ختم کر دیں اسے۔۔" وہ سرخ چہرے لئے بولا۔ اس کی آنکھیں دکھ اور افسوس کا نشان تھیں۔ شیر نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"حمود اصفہانی سے رابطہ ہوا؟" شیر کا رخ اب باہر کی جانب تھا۔
"وہ پاکستان میں ہے۔" غازی نے اطلاع دی۔

"پاکستان میں کتنے لوگ ہیں ابھی اپنے؟"

"پورا پاکستان ہی اپنا ہے۔" غازی مسکرایا۔

"کسی پر بھروسہ کرنے کی ضرورت نہیں۔۔ جب بات مال اور جان پر آتی ہے تو جذبات کہیں نظر نہیں آتے سمجھ گئے؟"

"لیکن وہ اچھے دوست ہیں۔ آزمائے ہوئے۔"

"ہزار بار بھی آزمالو لیکن بھروسہ نہیں کرنا۔"

"جیسا آپ کہیں۔" غازی نے سر جھکا دیا۔

"میں چلتا ہوں۔" شیر نے اس کا کاندھا تھپتھپایا۔

"آپ کب آئیں گے؟" غازی اس کے سینے سے لگ کر پوچھنے لگا۔

"میں شاید کبھی نہ آسکوں۔ سب کو میرا سلام دینا۔"

"آپ ہماری جان ہیں۔" غازی کی آواز بھرا گئی تھی۔ شیر نے اس کا کاندھا

تھپتھپایا اور اسے دور کرتا باہر کی جانب بڑھ گیا۔ غازی اپنی سبز چمکتی نم

آنکھوں سے اسے نظروں سے اوجھل ہوتا دیکھتا رہا۔



"اب جو موت سے دوستی چاہتا ہے۔ زندگی کی دوستی آزما کر آیا ہوگا۔"

طوبیٰ نے اریب کے کان میں سرگوشی کی۔

"کیا سچ میں؟ تم نے کمانڈر کی ڈائری میں یہ لکھا دیکھا؟"

"ہاں میں نے دیکھا۔ وہاں ایک تصویر تھی جس میں دو بچے تھے۔"

"تمہیں ان کی ذاتی چیزوں میں یوں ہاتھ نہیں ڈالنا چاہیے تھا۔" اریب نے

اسے گھورا۔

"کیا میں تمہیں اتنی بد اخلاق اور بد تمیز لڑکی لگتی ہوں؟ وہ ڈائری ان کے

بیگ سے گری میں اٹھانے لگی تو تصویر نکل آئی تصویر کو دوبارہ اندر رکھ

رہی تھی تب وہ شعر دکھا۔ اس میں میرا قصور ہے؟" وہ تپ کر

بولی۔ اریب نے نفی میں گردن ہلائی۔

"کیا وہ دوسرا بچہ کمانڈر کا بھائی ہو سکتا ہے؟"

"مجھے نہیں پتا۔" اریب نے کہا۔

"میں بہت متجسس ہوں۔" طوبی بڑبڑائی۔

"کیوں؟" اسی پل حاشر نرمی سے سوال کرتا ہال میں داخل ہوا۔ طوبی اور اریب بوکھلا کر سیدھے ہوئے۔

"ہیلو کمانڈر!" اریب فوراً خوش دلی سے بولا۔ طوبی سر جھکائے میز کو گھورتی رہی۔

"کمانڈر طوبی نے غلطی سے آپ کی ذاتی ڈائر۔"

"چھوٹا بھائی تھا میرا۔ پندرہ سال پہلے اس دنیا سے چلا گیا۔" حاشر نے جس لہجے میں کہا۔ اریب اور طوبی ساکت رہ گئے۔ حاشر کی سرخ آنکھیں دیکھ طوبی کا دل دکھا تھا۔ اریب بھی افسردگی سے حاشر کو دیکھنے لگا۔ جو اپنے بیگ میں سامان ڈال رہا تھا۔

"کیسے ہوئی تھی آپ کے بھائی کی وفات؟" طوبیٰ نے آہستگی سے سوال کیا۔ حاشر نے ٹھنڈی سانس بھرتے بیگ کی زپ بند کی اور سیدھا ہوا۔
 "یہ تو میں بھی نہیں جانتا۔" حاشر نے سر جھٹک کر کہا اور پیشانی مسلتا ان کے قریب آیا۔

"کیپٹن حنین اور منان نہیں آئے؟ آپ میں سے کسی کا ان سے رابطہ ہوا ہے؟" وہ فالتیں سمیٹتا سیدھا ہوا اور اسی پل اس کے ہاتھ سے فالتیں چھوٹ کر زمین پر گریں اریب اور طوبیٰ نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا پھر حاشر کو لیکن وہ شرمندہ ہوئے بغیر فالتیں اٹھانے لگا۔ طوبیٰ کی نظر حاشر کے ہاتھ کی زخم پٹی پر پڑی۔
 "اب آپ کا ہاتھ ٹھیک ہے کمانڈر؟"

"زیادہ گہرا نہیں تھا زخم۔" وہ کہہ کر اندر کی جانب بڑھ گیا۔ طوبی نے گردن گھما کر اسے اندر جاتے دیکھا پھر اریب کی طرف دیکھنے لگی۔ اریب نے الجھن آمیز انداز میں کاندھے آچکائے اور سامنے کی جانب کاؤنٹر پر رکھی چھوٹی کیاریوں کو دیکھا۔

"کیا واقعی کمانڈر ان پلانٹس کو ساتھ لے کر جائیں گے؟"

"جیسا کہ وہ کچھ دیر پہلے کہہ چکے ہیں۔" طوبی دھیمی آواز میں بولی۔

اریب ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے پھر پودوں کو گھورنے لگا۔

"کیا واقعی کمانڈر نے کہا یہ ان کے سب سے اچھے دوست ہیں؟ پودے؟" اریب کو ہنوز شک تھا۔

"جیسا کہ تم سن چکے ہو۔" طوبی نے اثبات میں گردن ہلائی اور خود بھی سامنے رکھی چھوٹی کیاریوں کو دیکھنے لگی۔

"کیا واقعی کمانڈر نے کہا کہ وہ دن میں چار گھنٹے اپنے پودوں کو دیتے ہیں؟" اریب کا انداز طوبیٰ کو ہنسنے پر مجبور کر گیا۔

"ہاں ایسا ہی کہا۔"

"تبھی کہوں کمانڈر کے گھراتے پودے کیوں ہیں۔ شاید انھیں پودے کچھ زیادہ ہی پسند ہیں۔" اریب نے بالا آخر صوفے کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

"ہاں ایسا ہی ہے۔" طوبیٰ نے نگاہیں گھما کر آس پاس دیکھا۔ میز پر کھڑکیوں پر کتابوں کی ریک پر کچن کی طرف جانے والی راہداری پر۔ ہر جگہ ہی کوئی نہ کوئی ایسی قسم کا پودا ضرور تھا جسے طوبیٰ نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ کچھ دیر قبل نرمی سے انھیں اپنے پودوں کے بارے میں بتا رہا

تھا کہ کیسے کون سا پودا مثبت تبدیلی کی نشانی ہے اور کس پودے کے کیا فائدے ہیں۔ طوبیٰ کے چہرے پر نرم سی مسکراہٹ چمکی۔

"کیا آپ لوگ پودوں کے بارے میں نہیں جانتے؟" اس کا کچھ خفا کچھ حیران اور کچھ الجھا سا انداز طوبیٰ کے تصور میں ابھرا تو وہ آہستگی سے ہنس دی۔

"باقی سب باتوں کا تو نہیں پتا لیکن ان کے بڑے بڑے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے پودے کتنے پیارے لگ رہے تھے۔" وہ بڑبڑائی۔



دھوپ نے پارک میں ہر جانب سنہری روشنی پھیلا رکھی تھی۔ سرد موسم میں اس دھوپ نے مزاج خوشگوار کر رکھے تھے بالٹیمور کے رہائشی پارک میں آ جمع ہوئے تھے۔ آس پاس بچے کھیل کود میں مگن تھے۔ ٹریک پر

ہر عمر کے لوگ دوڑتے نظر آرہے تھے۔ کوئی ورزش میں مگن تھا۔ جنت ٹریک سے کچھ فاصلے پر لگی سنگ مرمر کی بینچ پر بیٹھی تھی۔ سرمئی ہڈ پیچھے گرا رکھی تھی۔ بال اونچی پونی میں مقید تھے۔ کانوں میں ہیڈفون لگائے وہ ایلپی سے بات کر رہی تھی۔ چہرے پر الجھن آمیز تاثرات تھے۔

"تمہیں ایک پل کے لئے وہ شیر لگا؟ وہ شارجہ میں ہے ساری کمیونٹی جانتی ہے اور تو اور کل دوپہر کو مجھے ڈینیل دکھا۔"

"ڈینیل؟ کہاں کب کیا کر رہا تھا؟ کیا شیر بھی تھا ساتھ؟" جنت چیخ پڑی۔ اس کا دل یک دم تیزی سے دھڑک اٹھا تھا۔

"کیا تمہیں لگتا ہے اسٹیڈیم روڈ والے ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر قہوہ پی سکتا ہے؟" ایلپا نے اس کی بے صبری اور چیخ پر منہ بنا کر سوال کیا۔

"نہیں۔۔" جنت نے منہ بسورا

"تو پھر چیخنا بند کرو۔" ایلیا نے اسے ڈپٹ دیا۔

"ٹھیک ہے۔۔" جنت بے دلی سے بولی۔ اس کے قریب ہی اس کی بھورے کور والی دو ڈائریاں رکھی تھیں۔ جن کے قریب اس کا سلور پین تھا۔ کچھ ہی فاصلے پر وہ سیاہ کیپ اور سیاہ سادہ ماسک لگائے سفید ٹروازر اور سفید ٹی شرٹ پہنے کھڑا خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے یہاں کھڑے پچیس منٹ گزر چکے تھے۔ اس کے ہاتھ میں جامنی پھولوں کا گلدستہ تھا جو اس نے قریبی اسٹال سے خریدا تھا۔ وہ اس کی توجہ حاصل کیے بغیر چار چکر ٹریک کے لگا چکا تھا اور چھ مختلف زاویوں پر کھڑا ہو کر اس کی کئی تصاویر بنا چکا تھا لیکن ہنوز اس کا دل نہیں مان رہا تھا کہ وہ یہاں سے جائے جبکہ ایک دو گھنٹے بعد اس کی فلائٹ تھی۔ مزید پانچ منٹ گزر گئے۔ جنت ہنوز کانوں میں ہینڈ فری لگائے کسی سے باتوں میں

مگن تھی۔ وہ کسی کون تھا شیر یہ بھی جانتا تھا۔ آخر ایک ٹھنڈی سانس بھرتے اس نے قدم اس کی جانب بڑھا دیے۔ وہ جوں جوں قدم آگے بڑھا رہا تھا۔ اس کی دھڑکنیں رفتار پکڑتی جا رہی ہیں۔

"اس دنیا میں واحد ہستی یہ چھوٹی چڑیل جو کہ اب بڑی ہو گئی ہے میرے دل کو مجھ سے زیادہ عزیز ہے۔ مجال ہے جو اس کی قربت میں یہ سخت دل اپنی سختی برقرار رکھنے میں کامیاب ہوا ہو۔ لیکن خیر سامنے جنت ہو تو پھر کیسی سودے بازی اور کیسا نفع نقصان۔" وہ بڑبڑاتا ہوا اس سے چند قدم دور جا کر پھر ایک گہری سانس بھر کر تیزی سے اس کی جانب بڑھا اور عقب سے جا کر گلدستہ رکھتے دونوں ڈائریاں اٹھالیں۔ جنت نے فوراً پیچھے مڑنا چاہا لیکن ساکت رہ گئی۔ وہ سر جھکا گیا تھا۔

"ت۔۔ تم۔"

"شکریہ اپنے محافظوں کو دوبارہ ڈاج دے کر مجھے میری جنت سے ملنے کا ایک اور موقع دینے کے لئے۔" وہ مسکراتے لہجے میں بولا اور اس کی ٹھوڑی پکڑ سامنے کی جانب کی۔ اس پاس کچھ لوگ متوجہ تھے لیکن دیکھنے پر یہ منظر ایک خوبصورت جوڑے کا معلوم ہو رہا تھا اس لئے کوئی بھی یہ جان نہیں سکتا تھا کہ صورتحال کیا ہے۔

"میری ڈائری مجھے واپس کرو۔" وہ غصیلے لہجے میں بولی۔
 "نہیں یہ میرا تحفہ ہے۔ تمہارا بہت شکریہ یہ تحفہ دینے کے لئے۔ مجھے یقین ہے اس میں لکھی تحریریں تمہارے محبوب شیر کے لئے ہیں لیکن انہیں پڑھتے ہوئے میں خود کو شیر تصور کر لوں گا۔" شیر مسکراتے ہوئے بولا۔

"تم ایسا نہیں کر سکتے میری ڈائری واپس کرو۔" وہ دبے دبے لہجے میں غرائی۔

"تم ہر وقت یوں ہی چیر پھاڑ کھانے پر کیوں اتری رہتی ہو؟ پرسکون ہو کر بھی ہم بات کر سکتے ہیں۔"

"تب جب مجھے معلوم ہو کہ تم ہو کون۔"

"پسند آگئی تھیں تم مجھے۔ پسند ہو۔ اب اس سے زیادہ اور کیا کہوں۔ تمہیں ملنے کو بے چین رہتا ہوں تو چلا آتا ہوں۔"

جنت اسے چبھتی نگاہوں سے گھورتی رہی۔

"تو پھر اپنا چہرہ کیوں ظاہر نہیں کرتے؟"

"میں ظاہر نہیں کر سکتا۔" وہ اس کے برابر میں آبیٹھا۔

"وجہ جان سکتی ہوں؟" جنت نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں! کیوں کہ میں ایک شہزادہ ہوں۔۔" شیر نے کہا۔ جنت نے بے یقینی سے گردن گھما کر اسے دیکھا۔

"شہزادے ہو؟" وہ کہہ کر ہنس پڑی۔

"میں ایسی گھسی پٹی کہانیوں پر یقین نہیں کرتی۔۔"

"تب ہی تو تمہیں نہیں بتاتا۔ میں یہ ڈائریاں لے کر جا رہا ہوں۔۔" وہ کہہ کر تیزی سے اٹھا اور ایک طرف بڑھنے لگا جنت کا منہ کھلا رہ گیا۔ وہ یک دم بوکھلا کر اس کے پیچھے لپکی۔

"میری ڈائری واپس کرو۔۔" وہ اس کے پیچھے تیزی سے دوڑی تھی۔ لیکن وہ تیز رفتاری سے لوہے جنگہ پار کرتا دوسری طرف سڑک پر اترا اور اگلے ہی پل چلتی گاڑیوں کے بیچ سے بچا کر نکلتا نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ جنت بے یقینی اور غصیلے تاثرات لیے وہاں کھڑی رہی۔ اسے اب

بھی یقین نہ آرہا تھا کہ کچھ لمحے قبل اتنی تیزی سے یہ واقعہ ہوا تھا اور اب وہ اپنی ڈائریوں سے محروم ہو چکی ہے۔



"میری ڈائریاں۔۔" وہ مایوسی سے بڑبڑاتی بیچ کی جانب لپکی۔ بیچ کے قریب پہنچتے وہ دنگ رہ گئی۔ برگر۔۔ جوسز۔۔ چاکلیٹس۔۔ کینڈیز۔۔ نئی ڈائریز۔۔ کلبس۔۔ کاٹن کینڈی۔۔ ٹیڈی بئیرز۔۔ کھلونے۔۔ پین۔۔ پھولوں کے گلدستے۔۔ وہ گھوم کر بیچ کے سامنے آئی۔ یہ سب کون رکھ گیا؟ اس نے آس پاس دیکھا۔

"یقیناً اسے ہنس شخص نے کسی کو یہ کام سونپا ہو گا۔"

اس نے قریب رکھے پھول اٹھا کر گھاس پر پٹخ دیے تب ہی اس میں سے ایک کارڈ نکل کر گرا۔ اس نے آگے بڑھ کر وہ کارڈ اٹھایا۔

"Yours one and only!"

جنت کو حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا۔ اس رائٹنگ کو وہ پہچانتی تھی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"Yours one and only" ..

وہ بڑبڑائی۔

"شیر ہو تم؟" اس نے دل ہی دل میں کہا۔

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" پھر اپنے آپ سے سوال کیا۔ اس کے دل میں پہلا خیال جس شخص کا آیا وہ شیر ہی تھا۔ لیکن ذہن نے ہمیشہ کی طرح دل کی پکار پر انکار میں گردن ہلا دی تھی۔ دماغ کے انکار پر جنت نے بھی یہی عمل دہراتے نفی میں گردن ہلا دی اور کیا خبر وہ واقعی کوئی شہزادہ ہو۔

"آہ جنت! یہ فضول شخص تمہیں پاگل بنا رہا ہے۔ ضروری نہیں دنیا میں صرف اسی کی ایسی ہینڈ رائٹنگ ہو۔ اور کہاں کا شہزادہ! " وہ بڑبڑاتے ہوئے اپنا بیگ لیے وہاں سے جانے لگی باقی کا سامان وہیں پڑا رہا۔ اسے ان فضول چیزوں کی قطعی ضرورت نہ تھی۔



وہ اپنے کمرے میں موجود تھا۔ ایک جانب اس کا بیگ تھا۔ جبکہ پلنگ پر دونوں ڈائریاں رکھی تھیں۔ وہ بغیر شرٹ کے صوفے پر بیٹھا فائلیں دیکھ رہا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ گلے میں لٹکے پینڈنٹ پر تھا۔ دونوں ٹانگیں میز پر رکھیں تھیں۔ بال پیشانی پر بکھرے تھے۔

اس نے فائلیں بند کر کے میز پر پھینکتے اپنا مائکروفون کان سے لگایا۔
"ڈینیل! آؤسکریم۔"

"او کے ماسٹر!" دوسری جانب سے آواز آئی۔ وہ انگڑائی لیتا صوفے سے اٹھا اور پلنگ کے قریب آکر دونوں ڈائریاں اٹھالیں۔ ایک ڈائری جو قدرے پرانی تھی۔ اس نے کھول کر صفحے پلٹے اس کے لبوں پر مسکراہٹ ابھری۔

"میری ڈائری مجھے واپس کرو۔"

شیر کو اس کا غرانا یاد آیا۔

"شیرنی۔" وہ ہنس دیا اور ڈائریاں بند کرتا ڈریسنگ روم کی جانب بڑھا۔ اندر ایک جانب ہینگر پر میرون رنگ کا قیمتی ٹیکسٹو لٹکا تھا۔ سیاہ لانگ کوٹ اور قریب ہی اس کی پاکٹ وچ رکھی تھی۔ ایک جانب لمبی قطار میں درجنوں مشہور برانڈ کے چشمے اور مختلف قسم کے سیاہ چمڑے کے دستانے تھے۔ بائیں جانب شیشے کی الماری تھی جہاں کئی پرفیوم کی بوتلیں

تھیں گو کہ وہ ایسے مقامات پر فقط چند دنوں یا کچھ ہفتوں کے لیے آیا کرتا تھا لیکن ہر وہ جگہ جہاں وہ قیام کرتا مکمل طور پر اس کے معیار کے مطابق سچی رہتی تھیں اور اس کی ذاتی استعمال کی تمام چیزوں کی زمی داری کچھ مخصوص افراد پر تھی۔ وہ نہا کر نکلا اور تولیہ لپیٹے کمرے میں آیا تو ڈینیل اس کی آنسکریم لیے کھڑا تھا۔

"How was your secret date master"!

ڈینیل نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"کیا یہ وہ پہلا سوال ہے جو تمہیں پوچھنا چاہیے؟" شیر نے آنسکریم کا باؤل لیتے اسے گھوری سے نوازا۔

"I am sorry master! How are You"?

ڈینیل کھسیا گیا۔

"What a fool!"

شیر نے تاسف سے گردن ہلاتے آنسکریم کا چیخ منہ میں ڈالا۔ ڈینیل کو ڈریسنگ روم سے اپنے کپڑے لانے کا اشارہ کیا۔ ڈینیل فوراً اندر کی جانب بڑھا اور چند پل بعد اسٹینڈ گھسیٹتا کمرے میں داخل ہوا۔

"کیا میں اس رنگ پر سیاہ لانگ کوٹ پہنوں گا؟" شیر نے الجھن بھرے لہجے میں سوال کیا۔

"کزان میں بھی آپ نے اس رنگ پر سیاہ لانگ کوٹ پہنا تھا۔" ڈینیل نے یاد دلایا۔

"کزان اور شارجہ دو مختلف شہر ہیں۔" شیر نے سنجیدگی سے کہا۔

"معذرت چاہتا ہوں ماسٹر مجھے یاد رکھنا چاہیے کہ ہر جگہ کا فیشن اسٹینڈرڈ مختلف ہوتا ہے۔"

"بالکل تمہیں یاد رکھنا چاہیے تھا۔" شیر نے منہ بنا کر فائلیں لانے کا اشارہ کیا۔ ڈینیل میز سے فائلیں اٹھالایا۔

"یہاں کا شیڈول کون سا ہے؟"

"یہ والا ان تمام تاجروں سے میٹنگ ہے۔۔۔"

"کیا تم فیصلہ کرو گے کس کس سے ملنا ہے مجھے؟ اچھی طرح جانتے ہو میں کس سے ملوں گا اس کا فیصلہ مجھے کرنا ہے۔" شیر نے شارجہ کا شیڈول ہوا میں اچھالتے کہا۔

"یہ سب VIP international community"۔۔۔۔

"لیکن میں جاپان جا رہا ہوں۔ ان لوگوں کو ہیزیل ڈیل کرے گی۔ اور اسے کہہ دینا مجھے کوئی غلطی نہیں چاہیے جتنا دھیان اپنے حسن پر دیتی

ہے اتنا ہی ان تمام میٹنگز میں دینا ہے میں تفصیلی رپورٹ لوں گا اس سے۔۔" شیر نے آسکریم باؤل ایک طرف رکھتے کہا۔

"معذرت خواہ ہوں سر لیکن آپ کو کیسے پتا کہ میڈم ہیزیل عرب امارات میں ہیں؟"

"میں جہنم بھی چلا جاؤں وہاں بھی آ پہنچے گی۔۔" وہ مسکرایا۔ ڈینیل کے بھی دانت نکل آئے۔

"اب آ ہی گئی ہے تو کیوں نہ کام لیا جائے اس سے۔۔" شیر نے لطف اندوز لہجے میں کہتے دوسری فائل اٹھائی۔

"اسے پتا نہیں چلنا چاہیے کہ آج شام ہی میں جاپان جا رہا ہوں۔" اس کے چہرے پر شرارت تھی۔ ڈینیل مسلسل مسکرا رہا تھا۔

"اور میٹنگز دس دن تک لمبی کر دو۔ ہماری روسی شہزادی ایک دن میں دو سے زیادہ میٹنگز اٹینڈ نہیں کر سکتی اور خیال رہے یہ میٹنگ ہیزیل کے علاوہ اور کوئی ڈیل نہیں کرے گا۔" شیر نے حکم دیتے اسے باہر جانے کا اشارہ کیا۔ ڈینیل سر ہلاتا باہر کی جانب بڑھ گیا۔

"بالکل درست کہتی ہے وہ پوائزن کوئن۔"

"He Is an unbelievable abnormal creature" ..

اس کی بڑبڑاہٹ میں لطف تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے کمرے سے نکل گیا تھا۔



"میں آج رات تک ابو ظہبی پہنچ جاؤں گا۔ کیپٹن طوبیٰ اور اریب آپ لوگ کل رات کی فلائٹ لیں گے شارجہ کے لیے۔ کیپٹن منان اور

حنین آپ لوگ پرسوں کی فلائٹ سے شارجہ پہنچیں گے لیکن دونوں کی فلائٹ کا وقت مختلف ہوگا۔"

ان سب نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"میں ابو ظہبی جا کر ہمارے کارڈز اسلحہ لے کر آؤں گا شارجہ میں اپارٹمنٹ ہے میرا ہم وہیں رہیں گے۔ وہاں تین کمرے ہیں ایک کمرہ کیپٹن طوبی استعمال کریں گی ایک کمرہ میں اور کیپٹن اریب شیر کریں گے تیسرا کیپٹن حنین اور منان! کسی کو اعتراض ہے؟" اس نے باری باری سب کی جانب دیکھا۔ ان سب نے انکار میں گردن ہلا دی۔

"وہاں ہمیں کسی کو بھی اپنے درمیان کا رشتہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ لوگوں سے میل جول کی ضرورت ہی نہیں۔ وہاں کے سرکاری اداروں سے دور رہنا ہے۔ وہاں موجود پاکستانی اداروں کے لوگوں سے بھی۔ اگلا

مسئلہ کھانا پینا ہے تو ہم پانچوں ایک ایک دن کھانا بنائیں گے۔ اور جس دن جس کی ڈیوٹی ہے کھانا اسی کی مرضی کا بنے گا کسی میمبر کو کوئی مسئلہ ہو تو اسے اجازت ہے کہ باہر جا کر کھانا کھالے۔ اپنی کافی یا چائے خود بنائیں گے ہاں اگر اپنی مرضی سے کوئی بنادے تو کوئی مسئلہ نہیں لیکن کوئی کسی کو کافی یا چائے بنانے کا نہیں کہے گا۔ اپنے کپڑے خود دھونے ہیں۔ اپنے کمرے کی صفائی سب خود کریں گے کمرہ شیر کرنے والے دونوں ٹیم ممبر باری باری کمرہ صاف کریں گے۔ لیونگ روم اور کچن کی صفائی بھی پانچوں باری باری کریں گے۔ ہم نہیں جانتے ہمارا قیام وہاں کتنا عرصہ ہوگا۔ لیکن ہمیں کبھی بھی کسی بھی وقت روس، امریکا، برطانیہ کا سفر کرنا پڑ سکتا ہے یہ چار ملک ہمارے مین ٹارگٹ ہیں۔ میں نے آپ سب کو تمام سڑکوں کے نقشے اور باقی تفصیلات فراہم کر دی ہیں؟"

"جی کمانڈر!" وہ چاروں یک زبان ہو کر بولے۔ حاشر نے سر خم دیا۔

"کسی کو کوئی سوال کا کوئی الجھن ہے؟"

"مجھے ایک سوال کل رات سے تنگ کر رہا ہے کمانڈر! کیا میں پوچھ

لوں؟" طوبیٰ نے حاشر کی جانب دیکھتے سوال کیا۔ حاشر نے اثبات میں

گردن ہلائی۔

"آپ کی یہ ساری ریسرچ سے ہم کچھ دن میں ہی ان لوگوں کو پکڑ سکتے

ہیں جو ڈرگ سپلائے کر رہے ہیں اور اغوا کر رہے ہیں۔ پھر یہ اتنا سب

کیوں؟" طوبیٰ نے الجھن آمیز انداز میں سوال کیا۔

"یہ وہ تمام لوگ نہیں ہیں جنہیں پکڑنا ہے۔ یہ صرف مہرے ہیں ہمیں

ان کے ذریعے بڑی مچھلیوں پر جال ڈالنا ہے۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا

ہوں کہ ہمارا اہم ٹارگٹ یہ نہیں ہے جو ہمیں بریگیڈیئر نے کہا ہے۔"

"لیکن ہمیں تو بریگیڈیئر کے حکم کے مطابق کام کرنا ہے نا؟ ہم آپ کے مطابق کیوں چلیں گے؟" طوبیٰ نے آہستگی سے سوال کیا۔ باقی تینوں نے چونک کر طوبیٰ کی جانب دیکھا۔ حاشر چند پل خاموش رہا پھر اثبات میں گردن ہلائی۔ اس کے سکون اور اطمینان میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ جبکہ ان چاروں کو اس کے طرف سے سخت رد عمل کی توقع تھی۔

"آپ کا سوال اہم ہے۔ میں سمجھتا ہوں آپ کیا سوچ رہی ہیں بالکل ٹھیک سوچ رہی ہیں آپ لوگوں کو مجھ سے زیادہ بریگیڈیئر کے حکم کے مطابق کام کرنا چاہیے اصولاً۔ اور ان کے مطابق جو رپورٹ ہمیں پیش کی گئی ہے اس میں جو مسائل ہے ہیں۔ مثلاً منشیات کا بڑھتا ہجوم؟ اغواکاری؟ یہی نا؟

لیکن ہم انڈر کور مشن پر ہیں۔"

باقی چاروں نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔
 "مجھے یقین ہے یہ آپ چاروں کا پہلا انٹرنیشنل انڈر کور مشن ہے۔" حاشر
 اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

"ایسا ہی ہے۔" کیپٹن اریب بولا۔

"جیسا کہ ہم جانتے ہیں کچھ آپریشنز کے متعلق صرف وہی لوگ جانتے
 ہیں جو لوگ اسے آپریٹ کر رہے ہوں۔ ہمارے یونٹ میٹس اور
 کمانڈرز۔۔ فرق نہیں پڑتا ہم کتنے وقت تک ان کے زیر سایہ ڈیوٹی دیتے
 رہے ہوں اس کے متعلق ہم بات نہیں کرتے۔۔ یہ بالکل حساس معاملہ
 ہے اگر بریگیڈیئر نے آپ لوگوں کو چند ایک تفصیلات کے ساتھ میرے
 ماتحت بھیجا ہے تو آپ لوگوں کو میرے مطابق میرے ساتھ کام کرنا
 ہے۔ آپ لوگ میرے حکم اور ہدایات سے منہ نہیں پھیر سکتے۔ ہاں اگر

آپ میں سے کسی کو لگے میرا کوئی قدم ملکی سلامتی کے خلاف ہے آپ لوگ منہ بھی پھیر سکتے ہیں اور بریگیڈیئر کو رپورٹ بھی کر سکتے ہیں۔" اس نے نرمی سے وضاحت کی۔ طوبیٰ کے چہرے پر دبی دبی مسکراہٹ ابھری۔ وہ خاموشی سے حاشر کی جانب دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں وہی چمک تھی۔ نرم سی لو دیتی چمک۔ باقی سب اپنا سامان سمیٹنے لگے۔ اریب نے اسے کہنی سے ٹھوکا دیتے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ طوبیٰ نے اسے گھورا۔

"اپنا خیال رکھیے گا سب!" حاشر نے سب کی جانب دیکھتے کہا اور باری باری کیپٹن منان حنین اور اریب کا کاندھا تھپتھپایا اور اریب کے برابر کھڑی طوبیٰ کا سر تھپتھپایا۔

"مجھے یقین ہے آپ چاروں مجھے مایوس نہیں کریں گے۔ کیپٹن طوبی اچھا لگا آپ کو ایسے سوال کرتے دیکھ۔ مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں جو سوال یا الجھن ہو بغیر میری ناراضگی اور غصے کا خیال کیے فوراً پوچھ لیا کریں۔" اس کے دوستانہ نرم لہجے پر طوبی کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ وہ تینوں بھی اثبات میں گردن ہلاتے باہر کی جانب بڑھے طوبی بھی حاشر کی جانب دیکھ کر مسکراہٹ اچھالتی باہر کی جانب بڑھ گئی۔ حاشر کمر پر ہاتھ رکھے انھیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ ایک ایک کر کے اپارٹمنٹ سے نکل گئے۔

"تمہیں نہیں لگتا کہ کمانڈر ہمیں بچوں کی طرح ٹریٹ کر رہے ہیں؟" منان نے حنین کی جانب دیکھتے کہا۔

"کوئی نہیں۔۔" طوبی یک دم تیزی سے بولی۔

منان نے اسے گھورا۔

"کیوں نہیں؟"

"مجھے تو کوئی مسئلہ نہیں میں مطمئن ہوں جو کمانڈر کہیں گے میں کروں

گا۔" اریب نے دونوں ہاتھ اٹھالیے۔

"وہ تمہارا مسئلہ ہے بتاؤ طوبیٰ تمہیں کیوں ایسا نہیں لگتا کہ وہ ہمیں بچوں

کی طرح ٹریٹ کر رہے ہیں؟" منان نے سوال کیا۔

"بس مجھے نہیں لگتا تو نہیں لگتا۔ وہ پروفیشنل ہیں۔"

"ہم نے کب کہا نہیں ہیں۔ لیکن جیسا کہ ہمیں نہیں پتا کہ یہ کیسا کیس

ہے؟"

"وہ ساری معلومات اور تفصیلات دے چکے ہیں۔" طوبیٰ نے پھر حاشر کی

طرف داری کی۔

"لیکن ہم سب نئے نئے پروموٹ ہوئے ہیں کیپٹن کے عہدے پر۔ اگر یہ کیس اتنا پیچیدہ اور بڑا ہے تو انھیں کمانڈر کے لیول کے بڑے آفیسر کو ان کے ساتھ کام کرنے دینا چاہیے تھا۔ ہمیں تو کچھ معلوم ہی نہیں ہے کون گولڈن فاکس ہے کون سی زائنوسٹ لابی ہے کون لوگ ہیں کیسے لوگ ہیں؟ ہاں مانا ہمیں بتا دیا گیا ہے لیکن ہم پہلے سے نہیں جانتے تھے ہمارے پاس کوئی تجربہ نہیں ہے؟ ہم کام کریں گے یا کمانڈر کی معلومات اور ریسرچ کے پیچھے ٹریکنگ؟۔" کیپٹن منان نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"اچھا ایسی بات ہے؟" طوبیٰ نے ٹھوڑی پر ہاتھ رکھتے پرسوج انداز اپنایا۔ اریب اور حنین بھی خاموش تھے۔ جیسے کہ منان کی بات پر اتفاق ہو۔

"تمہارا پوائنٹ اہم ہے؟ چلو واپس۔۔" طوبیٰ پر جوشی سے بولی۔

"کیا مطلب؟" منان نے اسے گھورا۔

"ہمیں ساتھ کام کرنا ہے کیپٹن منان ہاشمی صاحب.. اس کے لئے ہمیں کمانڈر پر بھروسہ کرنا ہے اور اپنی تمام ان سکیورٹیز کو دور کرنا ہے۔ ایسے کام نہیں کر سکتے ہم۔۔" جوں ہی لفٹ کی طوبیٰ نے اسے دوبارہ اوپر سیٹ کیا۔ لفٹ میں خاموشی تھی۔ کچھ منٹ بعد وہ دوبارہ حاشر کے اپارٹمنٹ کے باہر کھڑے بیل بج رہے تھے۔ منان کے چہرے پر گھبراہٹ تھی۔ حنین بھی اسی طرح گھبراہٹ کا شکار تھا۔ جبکہ اریب دل ہی دل میں طوبیٰ پر بڑبڑا رہا تھا۔ چند منٹ بعد دروازہ کھلا۔ حاشر نے چاروں کو کھڑا دیکھ کوئی حیرت ظاہر کیے بغیر سامنے سے ہٹ کر انھیں اندر آنے کا

راستہ دیا۔ طوبی انھیں اشارہ کرتی اندر بڑھی وہ تینوں بھی اندر داخل ہوئے۔

"معذرت کمانڈر لیکن منان کچھ کہنا چاہتا تھا تو ہمیں واپس آنا پڑا۔" طوبی نے منان کی جانب دیکھتے کہا۔ منان پل بھر کو ہچکچایا۔
آہاں۔۔ کوئی بات نہیں۔ بیٹھیں۔۔" حاشر نے انھیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ہاتھ سے ربڑ کے دستانے اتارتے کہا۔

"کیا آپ ضروری کام کر رہے تھے؟" منان نے دستانے دیکھتے کہا۔
"بس پودوں کے ساتھ تھا۔ بعد میں کرلوں گا۔" وہ سامنے ہی بیٹھ گیا۔ طوبی صوفے سے ٹیک لگائے خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔

"بات صرف اتنی تھی کہ تمہیں کمانڈر کو دوبارہ دیکھنے کا موقع مل گیا۔ کیا یہ بات کل نہیں ڈسکس کی جاسکتی تھی؟" اریب نے دل کی بھڑاس نکالی۔

"ششش۔۔" طوبیٰ نے اس کی ران پر ناخن چبھاتے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"وہ دراصل میں کہنا چاہتا تھا کہ۔۔" منان ہچکچاہتے ہوئے بولنے لگا۔

"دراصل ہمیں تو پتا ہی نہیں کہ اصل معاملہ کیا ہے۔۔ اور۔۔ طوبیٰ تمہیں سمجھ آگئی تھی نا کمانڈر سے کہہ دو۔" منان نے منت آمیز لہجے میں کہا۔ طوبیٰ فوراً سر ہلاتی سیدھی ہوئی۔ حاشر طوبیٰ کی جانب دیکھنے لگا۔

"ہم سب نئے نئے پروموٹ ہوئے ہیں کیپٹن کے عہدے پر۔ اگر یہ کیس اتنا پیچیدہ اور بڑا ہے تو انھیں کمانڈر کے لیول کے بڑے آفیسر کو ان کے ساتھ کام کرنے دینا چاہیے تھا۔ ہمیں تو کچھ معلوم ہی نہیں ہے کون گولڈن فاکس ہے کون سی زائنوسٹ لابی ہے کون لوگ ہیں کیسے لوگ ہیں؟ ہمیں بتا دیا گیا ہے لیکن ہم پہلے سے نہیں جانتے تھے ہمارے

پاس کوئی تجربہ نہیں ہے؟ ہم کام کریں گے یا کمانڈر کی معلومات اور ریسرچ کے پیچھے ٹریکنگ؟۔۔ "طوبیٰ نے رٹو طوطے کی مانند منان کی بات دہرا دی۔ منان سمیت حنین اور اریب بھی حیرت سے طوبیٰ کی جانب دیکھنے لگے۔ حاشر نے کچھ پل خاموش رہ کر بات کو سمجھتے اثبات میں گردن ہلائی۔ عادت کے مطابق اس نے اپنی زبان کو دائیں جانب منہ میں گال کے اندر حرکت دی اور پھر لب بھیج کر آہستگی سے گردن ہلائی۔ اس کے چہرے پر غیر محسوس سی مسکراہٹ ابھری وہی ایک ہونٹ کا دائیں جانب پھیلاؤ۔ چہرے پر محظوظ کن تاثرات ابھرے تھے۔ وہ چاروں بغور اس کا چہرہ دیکھتے رہے۔ طوبیٰ دلچسپی سے اس کے تاثرات دیکھتی لطف اندوز ہو رہی تھی۔

"دراصل ایک طرح سے بالکل ٹھیک سوچ رہے ہیں آپ کیسٹن۔۔"

"اس نے یہ بھی کہا تھا کہ آپ ہم سب کو بچوں کی طرح ٹریٹ کر رہے ہیں۔" طوبیٰ نے منان کی جانب دیکھ کر دانت نکالے۔ منان نے اسے گھورا جبکہ حنین اور اریب مسکرا دیے تھے۔

"مس طوبیٰ!" حاشر نے بمشکل مسکراہٹ ضبط کرتے اسے پکارا۔
"جی کمانڈر؟" وہ فوراً متوجہ ہوئی۔

"پہلی والی بات اہم تھی کیپٹن کی بات کو واضح کیا ویلڈن۔ دوسری بات کافی بچکانہ تھی۔ ایسی باتیں رپورٹ نہیں کرتے۔" اس کا انداز مسکراتا ہوا تھا جیسے وہ اس کی حرکت سے لطف اندوز ہوا ہو۔
"سوری۔" طوبیٰ شرمندگی سے بولی۔

"خیر عمر میں آپ سب مجھ سے چھوٹے ہیں مس طوبیٰ آپ چھبیس کی ہیں اریب ستائیس آپ دونوں اٹھائیس۔ کیا مسئلہ ہے اگر میں بچوں کی طرح ٹریٹ کروں؟"

"آپ کتنے کے ہیں کمانڈر؟" طوبیٰ نے متجسس ہو کر پوچھا۔ اریب کا دل چاہا سرپیٹ لے اپنا۔

"میں بتیس کا ہوں۔" حاشر نے چاروں کی طرف دیکھتے کہا۔

"اور آپ سب میرے چھوٹے بھائیوں بہنوں کی طرح ہیں۔"

حنین اور اریب کی بے اختیار ہنسی چھوٹی دونوں نے بے اختیار طوبیٰ کی جانب دیکھا جو شکایتی نگاہوں سے حاشر کی جانب دیکھ رہی تھی۔ حاشر نے ان کے ہنسنے پر سوالیہ انداز میں دونوں کی جانب دیکھا۔ دونوں نے فوراً نفی میں گردن ہلا دی۔

"بات بالکل بجا ہے آپ کی منان۔ کہ آپ لوگ نئے عہدوں پر ہیں لیکن کبھی تو ایسے میدان میں اترنا ہی تھا نا؟ اور یہ سب سے بہترین موقع ہے اپنی قابلیت منوانے کا۔"

"میں یہی سوچ رہا تھا کمانڈر تبھی میں نے کہا جو آپ کہیں گے میں کروں گا۔ مجھے آپ پر یقین ہے۔"

"بات یقین کی نہیں ہے ایسی الجھنیں کوئی مشکل تو نہیں جو الجھن ہو جو مسئلہ ہو مس طوبیٰ کی طرح پوچھ لیا کریں۔ کہہ لیا کریں۔" حاشیہ نے کہا۔

"مزید آپ کو اس چیز میں ملوث کرنا جس کے بارے میں آپ پہلے نہیں جانتے تھے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ میں نے بریگیڈیئر سے کہا تھا مجھے نئے ایجنٹ چاہیے پرانے لوگوں پر میں اس حساس معاملے پر بھروسہ

نہیں کرنا چاہتا گو کہ اکثر کے ساتھ بہت سے آپریشنز کرچکا ہوں لیکن آپ چاروں کا انتخاب میں نے آپ کی پروفائل اور تجربے کی بنیاد پر کیا ہے اور مجھے بھروسہ ہے آپ سب پر۔۔ اب بھی کوئی شک شبہ۔۔"

"شک نہیں بس الجھن تھی کمانڈر۔۔" منان نے فوراً وضاحت کی۔

"چلیں ہوتا ہے کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ کافی پیسے گے؟"

"جی۔۔" طوبی بولی۔

"نہیں۔۔" جبکہ باقی تینوں نے یک زبان ہو کر انکار کیا تھا۔ طوبی نے ان تینوں کو خونخوار نگاہوں سے دیکھتے حاشر کی جانب کھیسائے انداز میں دیکھا۔

"جی نہیں کمانڈر۔۔ ہم پہلے ہی آپ کا کافی وقت لے چکیں ہیں۔ بہت شکریہ۔" وہ بیگ لیے فوراً اٹھ گئی۔ وہ تینوں بھی اٹھ گئے تھے۔ حاشر جو ان

کے تمام اشارے اور تاثرات بخوبی سمجھتا تھا ہمیشہ کی طرح خود کو انجان ظاہر کرتا خود بھی اپنے دستانے اور کینچی لیے اٹھ گیا۔

"تم تینوں کی بیویاں شادی سے بھاگ جائیں۔" طوبی اپارٹمنٹ سے نکلتے ہی غرائی۔

"پہلے مل تو جائیں بیویاں شادی سے بھاگنے والا اسٹیپ بعد میں آئے گا۔" منان مسکرایا۔ طوبی کو تین دفعہ شرمندہ ہوتے دیکھ اس کے شکوے ختم ہو چکے تھے۔

"اور مجھے یہ شادی سے بھاگنے والا ایڈونچر ویسے ہی پسند ہے۔۔۔ انجوائے کروں گا۔"

"لعنت ہو۔۔۔" وہ بڑبڑائی اور ایک مکا اریب کی پسلی پر رسید کیا۔ اریب دہرا ہو کر نیچے جھکا۔

"موٹی۔۔"

"کیا کہا موٹی؟" طوبیٰ نے اسے ایک لات رسید کی اریب اب کے راہداری میں سیدھا لیٹ گیا تھا۔

"بچوں کی طرح لڑنا بند کرو تم دونوں۔۔ سرکس کے جوکر لگ رہے ہو۔" حنین نے ان کو ڈپٹے ہوئے کہا۔

"تو اس کو سمجھاؤ بکواس کم کیا کرے۔"

"اور تم بھی کمانڈر کو متاثر کرنے کی کوششیں کم کیا کرو۔ ویسے ہی اب سے وہ تمہارے بھائی ہیں۔" اریب اٹھ کر آگے کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔

"کہہ دینے سے کوئی بھائی نہیں ہو جاتا۔ دیکھنا کیسے کمانڈر کو مجھ سے پیار۔" اس کے بات مکمل کرنے سے قبل ہی منان اور اریب قہقہہ

لگا کر ہنس دیے تھے۔ جبکہ منان نے تاسف سے گردن جھٹک کر لفٹ کا بٹن دبایا۔

"کہیں سے نہیں لگ رہے تم لوگ فوجی۔۔ کہیں سے بھی نہیں۔۔"

"یہ تو اور اچھی بات ہے ہم انڈر کور ایجنٹ ہیں روپ بدل کر رہتے ہیں۔" اریب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کمانڈر کے سامنے تو منہ میں گوند ڈل جاتا ہے۔"

"کمانڈر بھی تو دیکھو کون ہے۔" طوبی نے اترا کر کہا۔ اس کے انداز پر اریب نے اسے پھر گھورا تھا۔ منان اور حنین بھی مسکراتے ہوئے طوبی کی جانب دیکھ رہے تھے۔



رات کا آخری پہر تھا۔ بالٹیمور کی ہواؤں نے برف اوڑھ رکھی تھی۔ جس جانب چلتی لوگ تھر تھرا جاتے تھے۔ جنت بالکنی کے فرش پر جھکی سوکھے پتے سمیٹ رہی تھی۔ درخت اس کے کمرے کی بالکنی کے ساتھ ہی تھا۔ ہوا کے دوش پر سوکھے پتے آکر سیدھا اس کی بالکنی میں گرتے تھے جنہیں وہ سنبھال لیتی تھی۔ پتوں کو ہاتھوں میں بھرے وہ کمرے میں داخل ہوئی اور انھیں پلنگ پر رکھ کر بالکنی کا دروازہ بند کیا۔ اور دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں مسل کر گرم کرنا چاہا۔ صوفے پر وہ سارا سامان پڑا تھا جو شیر اس کے لئے چھوڑ گیا تھا۔ ناچاہتے ہوئے بھی وہ سب اٹھا کر ہوٹل لے آئی تھی۔

"میں ایک شہزادہ ہوں۔۔"

آواز نے جنت کو پھر جھنجھوڑا۔

"کیا واقعی میرے ساتھ ایسا ہوا تھا یا میں کوئی خواب دیکھ رہی تھی؟ ایسا کیسے ممکن ہے؟ شیر تو شارجہ۔۔ آہ۔۔ میں پاگل ہو جاؤں گی۔" وہ بے زاری سے بڑبڑائی۔

"شیر ہے تو ایسا کیوں کر رہا ہے؟ اگر شیر نہیں ہے تو کون ہے؟" اس نے پھر بڑبڑاتے کنپٹی کو مسلا۔

"ایسی حرکتیں شیر ہی کر سکتا ہے۔" وہ پلنگ پر گرتے ہوئے خود سے بولی۔

8437"bbrkhan..@

یہی تو تھا اس کا ای میل۔ کیا پتا اب بھی یہی ہو؟" وہ بڑبڑائی اور اٹھ کر اپنا لیپ ٹاپ اٹھایا اور تیزی سے لاگ ان کیا۔

"Hy!"

اس نے لکھ کر ای میل کیا۔ ای میل چلی گئی تھی۔ مطلب یہ ای میل ایڈریس وہ اب تک استعمال کرتا تھا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکا۔ وہ کئی منٹ ساکت بیٹھی لیپ ٹاپ اسکرین کو گھورتی رہی پھر ٹھنڈی سانس بھر کر لیپ ٹاپ پلنگ پر رکھ دیا۔ اگلے ہی پل بپ بجی۔ جنت نے جھٹکے سے لیپ ٹاپ اٹھایا۔ ای میل کا جواب آگیا تھا۔ جنت کا دل یک دم دھڑکنا بھول گیا کئی پل وہ سانس روکے اس نوٹیفکیشن کو دیکھتی رہی پھر زور زور سے پلکیں جھپک کر آس پاس دیکھا۔ کہیں یہ خواب تو نہیں۔۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے بٹن دبا کر آنکھیں زور سے میچ لیں۔ پھر آہستہ آہستہ کھولیں۔

"Hey"!

"بس؟ یہی جواب؟" وہ بڑبڑائی اور لب دانتوں میں دبا کر تیزی سے دھڑکتے دل کو سہلایا۔

"مجھے تو لگ رہا ہے ابھی چھلانگ لگا کر باہر ہی آجائے گا۔ بد تمیز۔" اس نے دل کو ڈپٹ کر لیپ ٹاپ گود میں لیا۔

"How are you"؟

ٹائپ کرتے اس نے فوراً دوبارہ مٹایا۔

"یہ ٹھیک نہیں ہے۔" وہ بڑبڑائی اور دوبارہ ٹائپ کرنے لگی۔

"Who are You"؟

اس نے لکھ کر بھیج دیا۔

"You supposed to know that.. right? you mailed me first" ..

جنت کئی پل اس کے موصول ہونے والے میل کو دیکھتی رہی۔

"کیا یہ شیر ہے؟" وہ بڑبڑائی۔ کیا واقعی اس کے پاس اتنا وقت ہوتا ہوگا کہ انجان اکاؤنٹ سے یوں باتیں کرے؟ "جنت نے بے دلی سے بڑبڑاتے فون لیپ ٹاپ بند کیا اور پلنگ پر لیٹ کر آنکھیں موند لیں۔



جاپان کے مصروف اور اہم ترین شہر ٹوکیو میں یہ "SR palace" کا اسپیشل سوٹ تھا۔ عمارت کی چھتیسویں منزل پر قائم یہ عالیشان اپارٹمنٹ شیر کی رہائش کے لئے تھا۔ اس وقت وہ اندرونی کمرے میں کنگ سائز پلنگ پر نیم دراز تھا۔ پلنگ کی پشت سے ٹیک لگائے پیٹ پر لیپ ٹاپ رکھے وہ کینڈی کھا رہا تھا۔ اس کی شرٹ قریب ہی پڑی تھی۔ عادت کے مطابق وہ بغیر شرٹ کے تھا سینے پر اس کا پینڈنٹ پڑا تھا۔

"چھوٹی چڑیل کہاں غائب ہو گئی؟" وہ اسکرین پر کھلی میل کو بغور دیکھتے بڑبڑایا اور قریب رکھے باؤل سے ایک اور کینڈی اٹھا کر منہ میں ڈالی پھر لیپ ٹاپ ایک طرف رکھتا اٹھ گیا۔ سائیڈ ٹیبل سے مائکروفون اٹھا کر کان سے لگاتے اس نے ڈینیل کو پکارا۔

"آئسکریم!"

"اوکے ماسٹر! ڈیوڈ میکرون کے ساتھ میٹنگ؟"

"میٹنگ؟ نہیں۔۔ وہ اکیلا میرے اپارٹمنٹ میں آکر کھے جو کہنا ہے اسے۔۔ اور یاد رہے میرے روم میں صرف ایک ہی شخص داخل ہو سکتا ہے اس کی ٹیم اور اسسٹنٹ باہر رہیں گے۔"

"No mobile phones.. No hidden cameras" ...

شیر نے ہدایت دی۔

"او کے سر!"

"تمہیں میں نے کیمرہ ڈسکٹر دیا تھا۔ ہے نا؟" شیر نے سوال کیا۔

"جی ماسٹر میرے پاس ہی ہے۔" ڈینیل پر جوشی سے بولا۔

"Good!"

شیر نے کہہ کر مائکروفون میز پر پھینکا اور گلاس وال کے پاس آیا۔ گلاس وال کے پار کا منظر ہمیشہ سے اس کے لئے الجھن کا باعث تھا۔ ٹوکیو اس کے لئے ناپسندیدہ ترین شہر تھا۔ یہاں کی حد سے زیادہ بھیڑ اسے کوفت میں مبتلا کرتی تھی۔ نیچے سڑک پر سیکڑوں لوگ مشینوں کی مانند تیزی سے چل پھر رہے تھے۔ گاڑیوں کا ہجوم بڑی بڑی عمارتیں۔ شیر نے اکتا کر پردے گرائے اور پلٹ گیا۔



ڈینیل اپارٹمنٹ کے باہر راہداری میں کھڑا خوشگوار موڈ میں نظر آ رہا تھا۔ بڑے بڑے لوگوں کو شیر کی ہدایت پر یوں ذلیل کرنا اس کے لئے ہمیشہ ہی لطف کا باعث رہا ہے ابھی بھی وہ بے وجہ ہی مسکرائے جا رہا تھا۔

"سر میں چیک کر کے ہی بھیجوں گا آپ اندر جاسکتے ہیں۔" جاپانی نقوش کا مالک نوجوان لڑکا بولا۔ وہ شاید اس بلڈنگ کے اسٹاف میں سے ایک تھا۔

"ہمیں پہلے سے ہی ماسٹر کے آنے کی اطلاع کر دی گئی ہے سکیورٹی ٹائٹ ہی ہے۔" اس نے پھر وضاحت کی۔ کہیں مینجر اسے قصور وار نہ ٹھہرا دے۔

"سیکیورٹی کی بات نہیں ہے دراصل ان سے ملنے سے پہلے مجھ سے ملنا ضروری ہوتا ہے۔"

"ج۔جی میں جانتا ہوں آپ ان کے ذاتی اسسٹنٹ ہیں لیکن یقین کیجئے اس کی ضرورت نہیں۔" وہ یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ضرورت ہے۔۔ تم جا کر کاؤنٹر پر کھڑے ہو جاؤ یہاں میں خود سنبھال لوں گا۔" وہ کوٹ سے شیر کا بنایا کیمرہ ڈسٹکٹر نکالتا ہوا بولا۔ وہ ملازم سر ہلا کر پلٹ گیا۔ کچھ ہی پل بعد تین لوگ آتے دکھائی دیے۔ ان میں سے ایک نامزد چیئر مین تھا۔ ڈیوڈ میکرون۔ دوسرے شاید اس کے اسسٹنٹ یا ملازم تھے۔ کاؤنٹر پر کھڑے لڑکے نے ان کا سامان چیک کیا جبکہ ڈیوڈ چیکنگ کرائے بغیر ڈینیل کی جانب لپکا۔

"ہوہو۔۔ تو ڈینیل ابھی تک ماسٹر ایس آر کے ساتھ رہتا ہے۔" وہ طنزیہ انداز میں بولا۔

"جی بالکل ڈائریکٹر صاحب۔ مبارک ہو آپ کو جاپان کی "جی ایف ایس آر" کا چیئرمین نامزد کیا گیا ہے؟" ڈینیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ دل ہی دل میں کوسنے جاری تھے۔

"بہت شکریہ! ترقی تو کرنی ہی ہوتی ہے۔ ورنہ زندگی ہی کیا ہے سالوں تک ایک ہی ڈیوٹی کرتے رہنا۔ کیا مل جاتا ہے چوبیس گھنٹے ایک ہی انسان کے ساتھ چپکے رہنے پر؟"

"آپ جیسے بڑے بڑے لوگوں سے ملنے کا موقع۔" وہ بظاہر مسکراتے ہوئے بولا۔

"ساتھ ساتھ ذلیل کرنے کا بھی۔" دل میں بڑبڑاتے اس نے ہاتھ بڑھایا۔ ڈیوڈ میکرون نے نا سمجھی سے اس کی جانب دیکھا۔

"آپ کا موبائل فون! یہ مائیکروفون بھی۔ یہ گھڑی۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ الجھا۔

"دراصل اندر کچھ بھی لے جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

"میں یہاں گولڈن کی سفارش پر آیا ہوں تم مجھ سے اس طرح پیش نہیں آسکتے۔"

"معاف کیجئے ڈائریکٹر! ہمیں ماسٹر کی جانب سے یہی آرڈر ہے۔ برائے

کرم تعاون کریں ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں۔ ماسٹر کی اور میٹنگز بھی

ہیں۔" ڈینیل چہرے پر مسکراہٹ سجائے پیشہ وارانہ انداز میں بولا لیکن

اندر ہی اندر اس کا سیروں خون بڑھ چکا تھا۔

"میں ابھی گولڈن سے رابطہ کرتا ہوں۔"

"جی ضرور!" ڈینیل نے سر جھکاتے کہا اور پیچھے ہو گیا۔ لبوں پر وہی مخصوص مسکراہٹ تھی۔ سامنے کھڑا ڈائریکٹر مسلسل فون ملاتا رہا۔

"ڈائریکٹر صاحب ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں۔"

"تمہیں میں دیکھ لوں گا۔"

"کیا یہ آپ ماسٹر ایس آر۔"

"شٹ اپ میں نے تمہیں کہا ہے۔"

"لیکن میں ان کے حکم پر یہ سب کر رہا ہوں تو اس کا تو یہی مطلب ہوا

آپ نے ماسٹر ایس آر کو دھمکی دی ہے۔ تو کیا میں ان تک آپ کا پیغام

پہنچا دوں؟ مہربانی فرما کر۔"

"دیکھو میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ یہ لو پکڑو۔" وہ گھبرا کر جلدی سے گھڑی اتارنے لگا۔ پھر فون نکال کر میز پر رکھا۔ ڈینیل نے مسکراہٹ دباتے مشین لے کر اس کی تلاشی لی پھر کان پر لگا مائکروفون نکال کر میز پر رکھا اور کارڈ نکال کر اپارٹمنٹ کا گیٹ کھول دیا۔ ڈائریکٹر اسے سخت نظروں سے گھورتا اندر داخل ہو گیا۔ ڈینیل نے اس کے جاتے ہی دانت نکالے اور منہ پر ہاتھ رکھتا کھکھلا کر ہنس دیا۔



شیر شرٹ کے بغیر ہی پلنگ پر نیم دراز سامنے بیٹھے ڈیوڈ میکرون کو دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر کوئی تاثر کوئی رنگ نہیں تھا یہاں تک کہ آنکھیں بھی بے تاثر تھیں۔

"میٹنگ یوں بھی کچھ گھنٹوں میں شروع ہونے والی ہے اس سے پہلے ملنے کی کوئی خاص وجہ ہے؟" شیر نے ٹانگ پر ٹانگ رکھتے سوال کیا۔ ڈیوڈ جو پہلی دفعہ براہ راست شیر سے مل رہا تھا اسے یوں بے زار اور بغیر کپڑوں کے دیکھ الجھ سا گیا تھا۔

"گولڈن نے بتایا تو ہوگا آپ کو۔ میں اور وہ ساتھ ہوتے ہیں۔"

"نہیں اس نے یہ نہیں بتایا بس یہی کہا کہ میں پانچ منٹ تمہیں دوں۔ جس میں سے ایک منٹ گزر چکا ہے۔" شیر نے قریب رکھی پاکٹ وائچ پر نگاہ ڈالتے عام سے لہجے میں کہا۔ اس کی آنکھوں میں عجب سی تپش تھی جو سامنے بیٹھے ڈیوڈ کو مزید بے چین کر رہی تھی۔

"میری چار کمپنیاں جی ایف ایس آر کے زیر سایہ کام کر رہی ہیں پچھلے سال میرا ٹرن اوور سب سے زیادہ تھا امریکہ میں۔"

"مبارک ہو۔ مزید محنت کرو۔ ہمارے نام کو مزید اونچا کرو۔ ویلڈن!"

"شکریہ!" وہ مسکرایا۔ شیر نے مسکرائے بغیر لیپ ٹاپ اٹھا کر گود میں رکھا۔

"آج آپ چیئرمین کا انتخاب کریں گے تو گولڈن فاکس سمیت آرگنائزیشن کے باقی ممبران کا بھی یہی خیال ہے کہ جاپان میں ہماری کمپنیوں۔"

"تمہاری؟"

"میرا مطلب جی ایف ایس آر کے ہولڈرز کا میں سربراہ بنوں۔"

"پھر امریکہ کا کام؟"

"وہاں مزید لوگ بھی ہیں میرے تمام کے تمام قابل لوگ ہیں۔"

"اچھا! تم چئیرمین کی کرسی کے لئے خود چل کر میرے پاس آئے ہو
گولڈن کی سفارش پر؟" شیر نے ٹھنڈے لہجے میں کہہ کر اس کی جانب
دیکھا۔

"جی۔ وہ یہی کہنا۔"
"تم سے مل کر اچھا لگا میٹنگ میں ملاقات ہوگی۔" شیر نے اسے اٹھنے کا
اشارہ کیا۔

"تو پھر میں کیا سمجھوں؟"
"کیا سمجھنا ہے؟ کچھ سمجھنا بھی تھا مجھے؟" شیر نے اطمینان سے سوال
کیا۔ ڈیوڈ الجھے ہوئے تاثرات لیے اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔
"میری درخواست؟"

"سن لی ہے میں نے۔" شیر نے مسکرا کر اسے باہر کا راستہ دکھایا۔ ڈیوڈ
کھسیا کر پلٹ گیا۔ شیر نے ایک ابرو اچکا کر استہزاء انداز اپنایا۔
"میری درخواست!" اونچا بڑبڑایا۔

"F... YOU"! ..

اونچی آواز میں گالی دے کر زور سے لیپ ٹاپ بند کر دیا۔
ڈیوڈ جو ابھی دروازے تک ہی پہنچا تھا شیر کی گالی اور لیپ ٹاپ بند ہونے
کی زوردار آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ اس نے ایک لمحے کو ساکت
ہو کر گردن گھما کر کمرے کے دروازے کو دیکھا اور سرخ چہرہ لیے آگے
بڑھ گیا۔



جنت لیپ ٹاپ گود میں رکھے بیٹھی اسی میل کو دیکھ رہی تھی۔ لب مسلسل دانتوں تلے دبے تھے۔ کبھی میل کا جواب دینے لگتی تو کبھی لکھ کر مٹا دیتی۔

"Hello"!

جنت نے پھر لکھا اور آنکھیں مضبوطی سے میچ کر سینڈ کر دیا۔ دل کی دھڑکن تیز تھی۔ کئی منٹ ساکت سی وہ اسکرین کو دیکھتی رہی اس بار پچھلی بار کی طرح فوراً جواب نہیں آیا۔ جنت نے بے دلی سے اسکرین بند کی اور اٹھ کر کچھ کھانے کو تلاش کرنے لگی۔



"پھر تم کب واپس آؤ گے شیری؟" عظمیٰ حاشر کا چہرہ سہلائی سادگی سے سوال کر رہی تھی۔

"میں جلد واپس آؤں گا مام!۔" حاشر نے عظمیٰ کا ہاتھ آنکھوں سے لگا کر چوما۔

"سرعبید آپ سے ملنے آتے رہیں گے وعدہ کریں اپنا بہت خیال رکھیں گی۔۔ وقت پر کھانا وقت پر دوائی۔" حاشر نے ان کا ہاتھ ہاتھوں میں لیتے وعدہ لینا چاہا۔

"ٹھیک ہے۔ وعدہ۔ پھر جلدی آجانا۔" عظمیٰ نے منہ بسور کر کہا۔
"ان شاء اللہ۔" حاشر نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے انھیں سینے سے لگا کر آنکھیں موند لیں۔



شیر آسکریم کا چچ میں بھرتا لطف اندوزی سے مسکرایا۔ ڈینیل قریب ہی صوفے پر بیٹھا پر جوشی سے کہہ رہا تھا۔

"یقین نہیں آرہا میں نے ڈیوڈ میکرون کی دھلائی کی ہے۔ ماسٹر آپ کو یاد ہے میں نے بتایا تھا اس نے مجھے کمپنی سے نکالا تھا؟ چھوٹی سی غلطی پر۔ اس کے بعد میں ماسکو شفٹ ہوا تھا۔ عمش سر نے دوبارہ اپائنٹ کر لیا تھا مجھے۔"

"ہاں سو دفعہ تو سنا چکے ہو مجھے تم یہ کہانی۔" شیر نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔
 "میں نے موبائل۔ گھڑی۔ مائکروفون۔ اور جب میں نے کہا نا میں ماسٹر کو بتاؤں گا۔ گھبرا گیا تھا۔" وہ کہتے ہی قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ شیر بھی ہنس دیا۔

"اور آپ نے کیا کہا ماسٹر؟" ڈینیل کی پر جوشی میں مزید اضافہ ہوا۔

"F.. You" ..

شیر نے کہہ کر قہقہہ لگایا۔ اس کے قہقہہ کی گونج میں عجب سا لطف تھا
ڈینیل کا منہ بے یقینی سے کھلا۔

"Wow...amazing" ..

"مجھے پتا تھا میرا بدلہ لیں گے آپ۔۔" اس نے کہتے دانت نکالے۔
"تم نے اپنا بدلہ خود لیا ہے میں نے تو اپنا بدلہ لیا تمہارا بدلہ میں کیوں
لوں گا موقع دیا کافی نہیں؟" شیر نے اسے گھورا۔ ڈینیل منہ بسور کر رہ
گیا۔ پھر یک دم چونکا۔
"آپ کا کیا بدلہ؟"
"ان کے گروہ کا ہر ایک میمبر میرا دشمن ہے۔" شیر نے سرد مہری سے
کہہ کر آئسکریم کا چمچ منہ میں ڈالا۔

"واقعی؟ مجھے بھی سب کے سب برے لگتے ہیں خاص طور پر۔"

"بس بس پتا ہے مجھے۔ نہانے جارہا ہوں اوہ ایک منٹ " Toshiro

Hayashi "یہی نام ہے چئیرمین کا؟"

"جی ماسٹر! یہ خاندان کئی سالوں سے ان ہوٹلز اور ریسٹورنٹس کو سنبھال

رہا ہے۔ لیکن اچانک چئیرمین نے ریٹائرمنٹ کا فیصلہ کر لیا ہے اور ان کا

اکلوتا بیٹا ابھی تعلیم سے فارغ ہوا ہے۔"

"کیا نام ہے؟ عمر کیا ہے؟ میں جب تک نہا کر آرہا ہوں چئیرمین کے بیٹے

کی معلومات لا کر دو اور ہاں اس بات کو یقینی بناؤ کہ وہ میٹنگ میں شرکت

کرے۔ چاہے میٹنگ کا وقت بڑھانا پڑے۔" شیر نے حکم دیا اور ڈریسنگ

روم کی جانب بڑھ گیا۔

"اوہ۔ بندہ ڈھونڈوں یا سیدھا چئیرمین کے بیٹے کو؟ کیا کروں۔۔ دو گھنٹے بعد میٹنگ ہے۔۔" ڈینیل نے پیشانی کھجاتے اپنا فون نکالا اور تیزی سے باہر کی جانب دوڑا۔



کانفرنس ہال کے باہر کی راہداری میں جگہ جگہ سیاہ وردی میں ملبوس جاپانی سکیورٹی گارڈز کھڑے تھے۔ وہ چاک و چوبند نظر آتے تھے۔ کانفرنس ہال کے باہر بھی دو گارڈز اسلحہ لیے کھڑے تھے۔

میٹنگ مقررہ وقت سے دو گھنٹے لیٹ تھی۔ دفعتاً لفٹ کا دروازہ کھلا شیر اپنا خاکی لانگ کوٹ درست کرتا راہداری میں ظاہر ہوا۔ ڈینیل اس کے ساتھ ہی فائلیں تھامے چل رہا تھا۔ دفعتاً ایک جانب سے سیاہ پینٹ کوٹ پہنے ایک شخص برآمد ہوا۔ چہرے پر گھنی ڈارھی تھی۔ وہ مسکراتا ہوا شیر کی

جانب لپکا۔ ڈینیل فوراً سے آگے بڑھا اور اسے شیر کے قریب آنے سے روکا۔ شیر اسے نظر انداز کرتا آگے بڑھنے لگا۔

"مجھے صرف چند منٹ چاہیے ماسٹر! میرا نام محمد خالد ہے۔" وہ اونچی آواز میں بولا۔ شیر یک دم رکا اور گردن گھما کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ اسے رکتا دیکھ تیزی سے اس کی جانب آیا۔

"مجھے ضروری بات کرنی ہے۔ پلیز صرف چند منٹ۔"

شیر سر ہلاتا ایک کمرے کی جانب لپکا۔ ڈینیل بھی فوراً اس کے پیچھے لپکا۔ شیر کو آتا دیکھ سکیورٹی گارڈ کمرے کے بل جھکا اور گیٹ کھولا۔

شیر نے ماسک اتارنے کی زحمت کیے بغیر سامنے رکھے صوفے کی جانب قدم بڑھائے اور ہاتھ کے اشارے سے شخص کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"میں نے سنا ہے آپ بھی مسلمان ہیں۔" وہ شخص چمکتی آنکھوں سے شیر کی سیاہ آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ شیر کوئی تاثر اور جواب دیے بغیر اسے دیکھتا رہا۔

"میرا نام خالد ہے۔ میں عربی ہوں۔ عجمان کے ریزارٹ میں میرے۔۔"

"پہچان گیا میں۔۔"

"جانتے ہیں آپ مجھے؟" وہ یک دم پر جوش ہوا۔

"نہیں! عجمان کا بزنس عجمانی عرب سنبھالتے ہیں سب جانتے ہیں۔" شیر نے پاکٹ وائچ پر نگاہ ڈالتے سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے دراصل آپ کی مدد چاہیے۔" شخص ذرا ہچکچایا۔

شیر نے سوالیہ انداز میں ایک ابرو اچکائی۔

"آج کی چیئر من شپ میٹنگ میں ایک امیدوار میں بھی ہوں تو۔۔"

"تمہیں کیوں لگتا ہے کہ تمہیں چیئر مین ہونا چاہیے؟" شیر نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"میں مسلمان ہوں اور آپ تو جانتے ہی ہوں گے مسلمانوں کی ایمانداری۔۔۔ اور ذہانت۔۔۔"

"ہنہ!" شیر نے زوردار انداز میں طنزیہ ہنکارا بھرا۔

"اور میں سیکرٹ آرگنائزیشن میں بھی اہم میمبر ہوں میں۔۔۔"

شیر کی آنکھوں کی سردی میں اضافہ ہوا۔

"اچھا تو یوں کہو نہ کہ شیطانی پیادے ہو۔۔۔" شیر مسکرایا۔

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔"

شیر کی آنکھیں سرخ پڑنے لگیں وہ جھٹکے سے اٹھا۔ وہ شخص بھی اپنی جگہ سے اٹھا۔

"میں دین کے سوداگروں کے منہ نہیں لگتا۔" وہ کر خنگی سے کہتا جانے لگا۔

"معذرت درپیش ہے جناب لیکن آپ کے منہ سے۔۔ میرا مطلب سب جانتے ہیں آپ بھی کیسے مسلمان ہیں۔ آرگنائزیشن کا سب سے اہم نمائندہ تو آپ کا سرپرست ہے۔۔"

ڈینیل نے حیرت سے اس شخص کو دیکھا اور پھر شیر کو جو سرد نگاہوں سے اس شخص کو گھور رہا تھا۔

"میں آرگنائزیشن میں ہوں اور مجھے آپ ایسے نظر انداز نہیں کر سکتے۔۔"

"میں نظر انداز کیا قتل بھی کر سکتا ہوں یہاں تمہیں۔۔ مجھ سے کوئی سوال نہیں کرے گا۔ یہاں تک کہ آرگنائزیشن کا خاص نمائندہ گولڈن بھی نہیں۔۔ تم جیسے شیطان کے چیلے صرف استعمال ہونے کے لئے

ہوتے ہیں ان کی موت پر کسی کے کان پر جوں تک نہیں ریگنتی۔۔ اور رہی بات دین کی تو۔۔ میں تم سے بہتر ہوں۔۔ تمہاری یہ چار انچ کی داڑھی تمہارا دین نہیں ہے۔ تمہارا دبئی میں۔ سعودیہ میں یہاں جاپان میں مسجدیں تعمیر کروانا تمہارے کردار اور دین کی نمائندگی نہیں کرتا۔ جہاں تک میں اسلام کو جانتا ہوں تو یہ ایمان، نیت اور عقیدے کی بنیاد پر ہے۔ آئندہ یہ امید مت رکھنا کہ میں دین کے نام پر تمہاری مدد کروں گا۔ میرا پہلا اصول ہے کہ دین کو درمیان میں مت لاؤ۔ اگر لارہے ہو تو دین کے اچھے نمائندے بن کر میرے پاس آؤ۔ چاہے تم یہودی ہو، عیسائی ہو یا مسلم۔۔"

وہ شخص اس کے سرد لہجے پر دنگ کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ اور یہی سوچ رہا تھا کہ کیسے جانتا ہے مسجدوں کی تعمیر کے بارے میں؟

"میں نماز نہیں پڑھتا۔ روزے نہیں رکھتا۔ قرآن نہیں پڑھتا۔ لیکن میں پھر بھی تم سے بہتر ہوں۔ کیوں کہ میں دین کے نام پر بکتا نہیں ہوں۔ دین کے نام پر اپنے کالے اعمال نہیں چھپاتا۔ میں تمہاری طرح منافق نہیں ہوں اپنے گناہوں اور کالے کرتوتوں کے لئے دین کا مذاق بنانا چھوڑ دو۔ تم جیسے لوگوں کی وجہ سے لوگ دین اسلام سے بدزن ہوتے ہیں۔ آئینہ میرے پاس دین کی پرچی لے کر مت آنا ورنہ زندہ واپس نہیں جاؤ گے۔" وہ کہہ کر باہر نکل گیا۔ ڈینیل نے بھی نکلنے سے قبل ایک ناپسندیدہ نگاہ اس پر ڈالی تھی۔



شیر کے کانفرنس روم میں داخل ہوتے ہی تمام حاضرین اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور کمر کے بل جھک کر اسے خوش آمدید کہا۔

"Good to see you everyone!"

شیر نے کہتے ماسک اپنا اتار کر ڈینیل کو پکڑایا ڈینیل نے آگے بڑھ کر اس کا کوٹ اتارا وہ اپنی ٹائی سیدھی کرتا سربراہی کرسی پر بیٹھا۔ اس کے بیٹھتے ہی تمام لوگ اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ شیر نے سب سے پہلے چیئرمین "توشیر و حایاشی" کی جانب دیکھا جو عمر میں کافی بڑا دکھ رہا تھا۔

"Thank you so much chairman Hayashi! You worked so hard.. A big round of applause for you and your team!"

شیر نے باآدب لہجے میں کہتے تالیاں بجائیں۔ اس کے ہاتھ ہی کانفرنس روم تالیوں سے گونج اٹھا۔ چیئرمین تشکرانہ تاثرات کے ساتھ مسکرائے۔ جاپانی نقوش کی خوبصورت مسکراہٹ میں ایک ملال تھا جس کی وجہ شیر جانتا تھا۔ شیر کی اگلی نگاہ چیئرمین امیدواروں کی طرف گئی۔ ڈیوڈ

میکرون سر جھکائے بیٹھا تھا۔ جبکہ محمد خالد نامی شخص شیر کی جانب متوجہ تھا۔

"آج ہمارے یہاں آنے کا مقصد جاپان میں کام کرنے والے ہمارے تمام اداروں کو ایک نیا چیئرمین فراہم کرنا ہے لیکن امیدواروں کی فائل اور ریکارڈ دیکھتے مجھے خاصی حیرت ہوئی ہے۔" شیر نے تمام کی جانب دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔ تمام لوگ بری طرح چونکے۔ چیئرمین بذات خود بھی سیدھے ہو بیٹھے۔

"جی ایف ایس آر کا ڈائریکٹر ہونے کے ناطے میری پہلی ترجیح ہمارے اداروں کو بہترین ماحول اور بہترین سربراہ فراہم کرنا ہے لیکن مسٹر ڈیوڈ آپ کا ان اداروں میں کوئی تجربہ نہیں۔ آپ گھریلو استعمال کی اشیاء کی کمپنیوں کو ڈیل کرتے آئے ہیں۔ مسٹر خالد آپ پچھلے تین سال سے

فیلڈ پر نہیں ہیں۔ کاروبار آپ کے ماتحت چلاتے ہیں جبکہ مسٹر حیاشی نے دن رات ان اداروں کی نگرانی کی ہے۔ ایک اچھے خاصے قابل اور تجربہ کار چیئر مین کے ہاتھ سے ایک ناتجربہ کار شخص کے ہاتھ میں اداروں کی بھاگ دوڑ نہیں دی جاسکتی۔ "ڈینیل نے شیر کے سامنے رکھیں دونوں فائلیں اٹھالیں اور تیسری فائل اس کے سامنے رکھی کانفرس روم میں گہرا سکوت طاری تھا۔ چیئر مین حیاشی بے یقینی سے شیر کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ چیئر مین شپ آج ایک غیر متعلقہ لیکن اثرورسوخ والے شخص کے سامنے پیش کردی جائے گی لیکن یہ معاملہ مختلف لگ رہا تھا۔

"ان اداروں کی ذمہ داری ایک ایسے انسان کے ہاتھ میں ہی دی جاسکتی ہے جو سالوں سے ان معاملات کے درمیان رہا ہے۔ یوں ہی امریکہ اور

دبئی سے اٹھ کر ہم کسی بھی دوسرے ملک کے اداروں پر قابض نہیں ہو سکتے۔۔۔ اسے بزنس نہیں کہتے۔۔۔ یہ قبضہ اور سیاست ہے جو آپ کرنا چاہ رہے ہیں۔ آپ لوگوں کے شیرز اپنی جگہ لیکن بزنس کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔ اور میں اصولوں کا پابند ہوں۔" شیر نے بغیر کسی تاثر کے فائل کھولی۔

"مسٹر ڈی سوکی حیاشی۔ بزنس ایڈمنسٹریشن کے قابل طالب علم رہے ہیں دوران تعلیم جاپان کے مختلف حصوں میں ہمارے اداروں کو وقت دیا ہے ان سے بہتر ان معاملات کو کوئی ڈیل نہیں کر سکتا۔" چیئرمین اور باقی مقامی لوگوں کے چہرے یک دم خوشی سے چمکے۔ چیئرمین کا جوان بیٹا ڈی سوکی حیاشی بھی بے یقینی سے کبھی باپ کو تو کبھی سامنے بیٹھے شیر کو دیکھنے لگتا۔

"تمام لوگ ان کاغذات پر دستخط کر دیں۔" شیر نے کہتے کاغذ اٹھا کر سب کو دکھایا۔ سب تیزی سے سامنے پڑے کاغذات میں مطلوبہ کاغذ ڈھونڈنے لگے۔ ڈیوڈ میکرون اور محمد خالد حیرت اور غصے میں بھرے آس پاس بیٹھے مختلف لوگوں کے تاثرات کو دیکھ رہے تھے۔

"مبارک ہو آپ کو چیئر مین ڈی سوکی حیاشی!" شیر نے وہیں بیٹھے اسے مبارک باد پیش کی۔ باپ کے اشارے پر جاپانی نقوش کا حامل نوجوان چیئر مین تیز قدموں سے چلتا شیر کے قریب آیا۔

"Thank you so much Master! I will not let you down..

Thank you so much for your trust!"

وہ جذباتی انداز میں بار بار کمر کے بل جھک کر شیر کو تعظیم پیش کر رہا تھا۔ شیر نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کا کاندھا تھپتھپایا اور ڈینیل کو اشارہ

کیا۔ اس کے کھڑے ہوتے ہی تمام لوگ اٹھے اور اسے تعظیم پیش کی وہ سب کو اشارے سے بیٹھنے کا کہہ کر باہر کی جانب بڑھ گیا۔ کانفرنس روم میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔



"لیکن شارجہ کیوں؟ ہمیں تو کزان جانا تھا؟"

"نہیں۔۔ شارجہ۔۔ میں کچھ سامان چھوڑ آیا ہوں وہاں۔" شیر اونی ٹوپی سر پر پہنتا بولا۔

"تو میں منگوا لیتا ہوں۔" ڈینیل نے کہا۔

"نہیں۔۔ میں خود جاؤں گا۔" شیر پاکٹ وائچ جیکٹ میں ڈالتا بولا۔

"جیٹ ریڈی ہے لیکن ہوائی حکام کو میں نے روس کا بتایا ہے میں فوراً انھیں روٹ کی تبدیلی کا کہہ دیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" شیر بولا اور قریب رکھا اپنا لیپ ٹاپ اٹھا کر پلنگ پر بیٹھا۔ اسکرین آن کرتے ہی اس کی نگاہ نوٹیفکیشن پر گئی۔

"Lostedone!"

"کیسا نام رکھا ہے یہ لٹل وچ۔" وہ بڑبڑایا اور مسکراتے ہوئے ٹائپ کرنے لگا۔

"You again? Miss losted one!"

اس نے میل بھیجتے اس کی پروفائل زوم کی۔ پروفائل پر ایک خوبصورت مچھلی تھی جو شیشے کے باؤل میں تیرتی دکھائی دے رہی تھی۔ شیر کے چہرے پر دلکش مسکراہٹ در آئی۔ وہ کئی لمحے اس پروفائل اور اس کی ای میل کو دیکھتا رہا پھر ٹھنڈی سانس بھر کر لیپ ٹاپ بند کر دیا۔



شارجہ کے متوسط طبقے میں واقع یہ وہیں عمارتیں تھیں جن میں ایک میں کبھی شیر بابر خان کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ یہ قدرے کونے کی عمارت تھی۔ تمام عمارتوں میں سب سے اونچی عمارت تھی۔ ان عمارتوں کی ساخت میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی لیکن پارکنگ لاٹ اب باہر کی جانب بنے تھے۔ سوسائٹی کے وسطی حصے میں چھوٹا پارک تھا۔ وہ تمام لوگ وہاں پہنچ چکے تھے۔ طوبی اپنے کمرے کا جائزہ لے رہی تھی جسے حاشران کی آمد سے قبل ہی صاف کرچکا تھا۔ کمرے میں ایک چھوٹی سی لکڑی کی الماری تھی جس پر درخت اور پھول بنے ہوئے تھے۔ کھڑکی کے پاس ایک میز تھی قریب ہی کرسی تھی۔ میز پر ایک ٹیبل لیپ تھا۔ دوسری طرف سنگل بیڈ تھا جس پر سلیقے سے بیڈ شیٹ بچھائی گئی تھی۔ طوبی بیگ وہیں چھوڑ کر باہر آئی جہاں وسط میں صوفے

اور کرسیاں تھیں۔ دیواروں پر چند پینٹنگز تھیں۔ اریب بھی وہیں موجود تھا۔ جبکہ حنین کچن کا جائزہ لینے میں مگن تھا۔

"باقی کے کمرے خالی ہیں نا؟" طوبیٰ نے سامنے کی جانب قدم بڑھاتے پوچھا۔

"خوش فہمی کا شکار مت ہو۔ کمانڈر نے سارے کمرے سیٹ کیے ہیں۔" اریب نے اسے چھیڑا۔ حنین نے تاسف بھرے انداز میں اریب کو دیکھ کر سر جھٹکا۔

"مجھے پتا ہے وہ سب کو برابر اہمیت دیتے ہیں میں صرف دیکھنا چاہتی تھی۔" طوبیٰ نے اریب کو گھورتے ہوئے کہا۔

"اسلام و علیکم!" اسی پل حاشر لیونگ روم میں داخل ہوا۔

"وعلیکم اسلام!"

"خوش آمدید کمانڈر!" طوبی حاشر کی جانب دیکھ کر بولی۔

"شکریہ!" وہ کہتا صوفے کی جانب آیا۔

حنین پانی کی بوتل لیے اس تک آیا۔

"یہ لیں کمانڈر!"

"شکریہ!" حاشر نے بوتل اٹھا کر کھولی۔

"منان نہیں نظر آرہا؟"

"نہارہا ہے وہ۔" حنین نے کہا۔

"اچھا یہ آپ لوگوں کے ہیں۔ اسی میں کارڈز وغیرہ موجود ہیں۔ ایک پرچی

ہے اس پر میں نے اپارٹمنٹ کے گیٹ کا پاسورڈ لکھ دیا ہے۔" حاشر نے

کہتے ہوئے اپنے سر پر ہاتھ پھیر کر بال پیچھے کی جانب سمیٹے اور اپنا بیگ

لے کر اٹھ گیا۔ وہ سب اپنے آئی ڈی کارڈز اور دیگر سامان چیک کر رہے تھے۔

"میں تھوڑی دیر میں ضروری کام سے نکل رہا ہوں اپارٹمنٹ کے نیچے ایک گھنٹے میں ایک ڈیلیوری آئے گی آپ لوگ وصول کر لیجیے گا۔" حاشر نے ہدایت کی۔

"کمانڈر آپ کے لئے کچھ بنادوں؟" طوبی نے سوال کیا۔
 "جی کینٹ میں انسٹنٹ نوڈلز ہیں وہ بنالیں آپ سب نے کچھ کھایا؟" حاشر نے ان سب کی جانب دیکھتے سوال کیا۔
 "جی قریبی مارکیٹ سے برگرز لایا تھا منان!" اریب نے بتایا۔ حاشر سر ہلا کر اپنے اور اریب کے مشترکہ کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

طوبی کچن میں جا گھسی تاکہ اس کے لئے فوراً کچھ کھانے کا انتظام کر سکے۔



"فی الحال کچھ دن آپ سب آس پاس کے علاقوں کو جان پہچان لیں ماحول میں ایڈجسٹ ہو جائیں تب تک ہمارے ٹارگٹس بھی آس پاس جمع ہوتے رہیں گے۔ دراصل ہمارا سامان اور اسلحہ بندرگاہ کے ذریعے منگوانے کا مقصد ہی یہی تھا کہ ہمارا دشمن چوکنا ہو جائے۔" حاشر کانٹے میں نوڈلز گھماتا پرسکون سا کہہ رہا تھا۔

"مطلب ہم نے انھیں اپنی موجودگی سے آگاہ کر دیا ہے۔" اریب نے چائے کا گھونٹ بھرتے کہا۔

"بالکل ہمیں یہی کرنا تھا کیوں کہ اس طرح ہم جلد ان تک پہنچ جائیں گے۔ ہمیں نہیں پتا اس وقت ہمارا ٹارگٹ کون ہے لیکن زیادہ دن نہیں لگتے چوہوں کو بل سے نکلنے میں۔" حاشر نے کہا۔

"آپ لوگ آرام کریں۔ پھر رات میں ہم اگلے پلان پر بات کریں گے۔" حاشر نے کہہ کر باؤل اٹھایا جو خالی ہو چکا تھا۔

"میں تھوڑی واک کرنا چاہتی ہوں۔" طوبی اپنے جوتوں کے تسمے باندھتی باہر کی جانب بڑھی۔ جاتے جاتے اس کی نگاہ حاشر کے سیاہ جوتوں اور پینٹ کے پائچے تک آئی تھی۔ جہاں یقیناً کوئی ہتھیار چھپا تھا۔

"چھتری لے لیں بارش کا موسم ہے۔" حاشر کچن میں کھڑا باؤل دھورہا تھا۔ طوبی اسٹنڈ پر رکھی چھتری لیے باہر نکلی۔ اس نے پینٹ پر ہاتھ پھیرتے اپنی لیڈی پسٹل کی نال پر ہاتھ رکھا اور جیکٹ کی زپ بند کردی۔ لفٹ کی طرف بڑھتے اس کے چہرے پر اعتماد کی جھلک تھی۔ وہ پارکنگ لاٹ کے باہر ایک درخت کی آڑ میں کھڑی تھی۔ جب دفعتاً اسے حاشر آتا دکھائی دیا۔ وہ سیاہ پینٹ سیاہ بھاری جوتوں اور سیاہ

برساتی جیکٹ میں ملبوس تھا۔ اس کے برساتی جیکٹ کی ہڈ پشت پر گری تھی۔ اس کے قدموں کی رفتار تیز تھی۔ طوبیٰ اس کے قریب آنے تک دوسری جانب دیکھتی رہی کہیں وہ اس کی نگاہیں محسوس نہ کر لے۔ حاشر کے سامنے جاتے ہی وہ درخت کی آڑ سے نکل آئی۔ حاشر کا رخ ٹیکسی اسٹینڈ کی جانب تھا۔ طوبیٰ نے ایک ہاتھ جیکٹ کی جیب میں اڑس لیا اور چھتری قریب ہی رکھ کر آگے بڑھنے لگی۔

"کیا کرنے جا رہی ہوں میں؟" اس نے سوال کیا۔

"Nothing... Just curious" ..

خود ہی جواب دے کر قدموں کی رفتار بڑھالی۔ حاشر نے ٹیکسی لی اور اسی

پل طوبیٰ بھی قریبی ٹیکسی میں سوار ہوئی

ٹیکسی ڈرائیور شکل سے پاکستانی لگتا تھا۔

"اس ٹیکسی کا پیچھا کرنا ہے۔" طوبیٰ نے تیزی سے کہا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے گردن گھما کر اس کی جانب چونک کر دیکھا۔

"جلدی کرو۔ میرا شوہر ہے اس میں۔" طوبیٰ مصنوعی غصے سے چلائی۔ ٹیکسی ڈرائیور ہڑبڑا کر سیدھا ہوا اور جلدی سے ٹیکسی اسٹارٹ کی۔

"میں بھی تو دیکھوں ایسی کون سی حور پری ہے جس کے لئے وہ مجھے دھوکہ دے رہا ہے۔ ذلیل انسان۔" وہ اونچا بڑبڑائی۔

"آہ طوبیٰ۔ لعنت ہو۔ تم کیسے کمانڈر کے لئے ایسے الفاظ استعمال کر سکتی ہو؟" دل ہی دل میں خود کو ڈپٹ کر اس نے سامنے والی ٹیکسی کو دیکھا۔ تقریباً پچیس منٹ بعد مختلف سڑکوں پر گھومتے گھومتے ایک جگہ ٹیکسی رکی۔ طوبیٰ نے جیکٹ سے کئی ریاں نکال کر ٹیکسی ڈرائیور کو پکڑائے۔

"باجی یہ زیادہ ہے۔۔"

"رکھ لو۔۔ رکھو لو۔۔" طوبیٰ تیزی سے کہتی باہر نکل گئی۔ وہ تیزی سے بھاگتی قریب کھڑی گاڑیوں کے عقب میں آچھپی۔ پھر آہستگی سے گردن نکال کر حاشر کو ڈھونڈنا چاہا وہ ایک جانب بنی پتلی سڑک کی جانب جارہا تھا۔ طوبیٰ بھی فاصلہ رکھ کر اس جانب بڑھنے لگی۔ وہ کئی منٹ تک مختلف گلیوں اور سڑکوں سے ہوتی ایک کھلے میدان میں نکل آئی تھی۔ جہاں فاصلے پر درخت بنے تھا۔ علاقہ سنسان تھا۔ بڑی بڑی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ طوبیٰ ایک پل کو گھبرائی لیکن ہڈ سے چہرہ چھپائے سیاہ ماسک پہنے حاشر کو اس جانب بڑھتے دیکھا تو خود بھی اس جانب چل دی۔ دفعتاً ایک نو تعمیراتی عمارتوں کا ڈھیر دکھائی دیا۔ جگہ یک دم سنسان تھی۔ طوبیٰ ایک بڑے سے ٹرک کے عقب میں کھڑی تھی جب اس نے حاشر کو کار کی

چھت پر چڑھ کر زور دار اونچی چھلانگ لگاتے دیکھا وہ ایک ہی جست میں پہلی منزل کی کھڑکی پر جا پہنچا۔ طوبیٰ کی آنکھیں بے یقینی سے کھلی رہ گئیں۔

"Finally live dark eye's stunt" ..

وہ حیرت سے بڑبڑائی ابھی وہ پہلے جھٹکے سے نہیں سنبھلی تھی جب اس نے حاشر کو کسی کو گریبان سے پکڑتے دوسری منزل سے چھلانگ لگاتے دیکھا۔ وہ شخص حاشر سمیت کار کی چھت پر آکر گرا تھا۔ طوبیٰ کی چیخ نکلتی اس سے قبل ہی اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"Wow.. Woww" ...

طوبیٰ کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ جھکے جھکے ٹرک سے پیچھے سے نکل کر گھٹنوں کے بل سامنے کی جانب رکھے بڑے سے کنٹینر کی جانب بڑھنے لگی۔ ایک جانب سے گھوم کر وہ دوسری جانب آئی جہاں سیمنٹ کی کئی بوریاں تھیں۔ سامنے کا منظر اب پوری طرح واضح تھا۔

"کہا تھا نا میں واپس آؤں گا؟" حاشر کی آواز میں موت کی سی سردی اور عجب سی دہشت تھی۔ طوبیٰ کو اپنی ریڈھ کی ہڈی میں سنسناہٹ محسوس ہوئی۔ اس کی آنکھیں یک دم نم ہوئی تھیں۔ دل کی دھڑکنیں تیزی سے بڑھی تھیں۔

"تجھے کیا لگا تو سات گولیاں میرے جسم میں اتار کر مجھ سے جان چھڑالے گا؟" اس کی آواز میں طنز واضح تھا۔ طوبیٰ کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں۔

"سات گولیاں؟"

"کیا مجھ سے چھپنے کے لئے یہاں آیا تھا؟"

"مجھے۔۔م۔۔ع۔۔ف۔۔"

"ششش۔۔!" حاشر نے باقاعدہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر سرد مہری سے

کہا۔ طوبی سانس روکے سب دیکھ اور سن رہی تھی۔

"تجھے کیا لگتا ہے؟ میرے تین ساتھیوں کو شہید کرنے کے بعد میرے

ملک کے سیکڑوں معصوم لوگوں کا سودا کرنے کے بعد تو مجھ سے معافی

مانگے گا؟ اور میں معاف کردوں گا؟" حاشر نے پینٹ کا پائچا اٹھاتے اپنا

مخصوص خنجر نکالا۔

"مجھے ایک موقع دو!" وہ گڑ گڑایا اور رو دیا۔

"چھوڑو یہ باتیں نہیں کرتے ہم! کوئی آخری خواہش ہے؟ وعدہ نہیں کر رہا لیکن کبھی وقت ملا تو پوری کروں گا۔"

اس نے اپنا ہڈ ہٹالیا تھا۔ لیکن چہرہ ہنوز سیاہ ماسک میں تھا۔ اس کی سیاہ آنکھیں جو گہرائی میں یکتا تھیں۔ گھنی پلکیں جو اس وقت اس ملعون چہرے پر جھکی تھیں۔ ان آنکھوں میں کوئی تاثر نہیں تھا۔ اس کی آنکھیں دکھنے میں ہی سفاک لگ رہی تھیں۔ اس وقت کوئی اس سے رحم کی امید کیسے کر سکتا تھا؟ وہ اس وقت حاشر نہیں تھا۔ وہ اپنے ملک کا غرور اور مان تھا۔

اس نے خنجر بلند کیا اور اگلے پل ہی اس کے سینے میں اتار دیا۔ ایک درد ناک چیخ فضا سے ٹکرائی تھی۔ طوبیٰ نے بے اختیار آنکھیں موند کر ٹھنڈی سانس خارج کی۔ حاشر نے خنجر جسم سے نکل کر اسی کے کپڑوں سے

صاف کر کے دوبارہ جوتوں میں اڑس کر اس کی لاش اٹھائی اور ایک جانب بنے کھلے ٹینک میں ڈال دی۔ اس کی آنکھیں اس دوران یک دم ساکت اور بے تاثر تھیں۔ طوبی یوں ہی آنکھیں بند کیے بیٹھی رہی۔ اس کی سانسوں کی رفتار تیز تھی۔ کئی پل گزر گئے۔

"بہت ماہر ہیں آپ تعاقب میں۔" حاشر کی آواز سنتے ہی اس نے جھٹکے سے آنکھیں کھولیں اور فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ ماسک کے پیچھے سے غصیلی آنکھیں طوبی کو گھور رہی تھیں۔ اس نے بے اختیار نظریں چرائیں تھیں۔

"کون تھا یہ؟"

"ایک غدار! اور میرے کئی ساتھیوں کا قاتل!" وہ مخالف سمت میں آگے بڑھا۔

"آپ کو سات بلٹس کب لگی تھیں؟"

حاشر جواب دیے بغیر آگے بڑھتا رہا۔ طوبی لب دانتوں میں دبائے اس کے عقب میں چلتی رہی۔ پھر کچھ یاد آنے پر تیزی سے اس کے برابر آئی۔

"آپ کو کیسے پتا چلا میں یہاں ہوں؟" طوبی نے اگلا سوال کیا۔
 "جب واک کا کہہ کر سوسائٹی کے بیرونی حصے پر درختوں کے پیچھے چھپی تھیں۔" وہ ناگواری سے بولا۔
 "لیکن آپ نے ایک دفعہ بھی ایسا ظاہر نہیں کیا کہ آپ کو میرے تعاقب کا معلوم ہے۔" وہ الجھ کر بولی۔
 "ضرورت محسوس نہیں کی لیکن۔۔" وہ یک دم رکا اور اسے گھورنے لگا۔ طوبی پھر گھبرا کر گردن جھکا گئی۔

"کیا کہیں گی آپ؟ کیا وضاحت ہے اس کے لئے آپ کے پاس؟" اس کے لہجے میں ناگواری اور آنکھوں میں غصہ تھا لیکن انداز ہمیشہ کی طرح پر سکون۔

"کیا آپ پھر مجھ سے معافی کی توقع کر رہے ہیں کمانڈر؟" طوبیٰ سراٹھائے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ جو ماسک کے پیچھے چھپا تھا۔ آنکھیں اسی پر ٹکی تھیں۔ طوبیٰ یک ٹک ان میں دیکھتی رہی۔ چمک بڑھی تھی۔

"مانگنی تو چاہیے۔ بات اتنی چھوٹی نہیں کہ

نظر انداز کی جائے۔ کیا یوں کسی کا تعاقب کرنا اچھی عادت ہے؟" اس کا انداز ڈانٹنے جیسا تھا۔ نگاہیں ہنوز اس کے چہرے پر تھیں۔ طوبیٰ کے پھولے گال سرد ہواؤں کے باعث سرخ پڑ رہے تھے۔

"دراصل میں خود کو روک نہیں پائی۔ مجھے معاف کر دیں۔ میں متجسس تھی۔ اس لئے میں آپ کے پیچھے چلی آئی۔ ویسے بھی مجھے یقین

تھا آپ کے ساتھ ہوں تو کوئی بڑا نقصان نہیں پہنچے گا مجھے "طوبیٰ" مسکراہٹ دباتے ہوئے بولی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اور اشتیاق تھا۔ حاشر اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ نہیں دیکھتا تھا۔ وہ کسی کی آنکھوں میں کم ہی جھانک پاتا تھا۔ یہ عادت تھی شاید یا وہ دانستہ طور پر انسانوں کی آنکھوں میں کم ہی جھانکتا تھا۔ اس کی آنکھوں کے تاثرات میں پل بھر کے لئے تبدیلی آئی تھی اور اگلے پل ہی آنکھیں بے تاثر تھیں۔

"اس اندھے یقین کی کوئی وجہ یا وضاحت ہونی چاہیے آپ کے پاس!"

"کوئی وجہ نہیں ہے بس یقین ہے مجھے آپ پر۔۔۔ ویسے ایک بات کہوں؟
ڈارک آئی کے روپ میں آپ بہت کول تھے۔ ایک دم کمال!" وہ بے
اختیار پرجوشی سے کہہ کر کھکھلائی تھی۔ حاشر نے ایک سرسری نگاہ اس
کے پرجوش تاثرات پر ڈالتے قدم آگے بڑھا دیے تھے۔

"قدموں میں تیزی لائیں۔ رات گہری ہو رہی ہے۔" اس نے دونوں ہاتھ
پینٹ کی جیبوں میں اڑس لیے تھے۔ طوبی عقب میں مسکراتے ہوئے
دھیمے قدموں سے چل رہی تھی۔



"کیا مطلب ہے "یو اگین "کا؟" جنت بدمزہ سی بڑبڑائی۔ لیپ ٹاپ گود
میں رکھے ایک ہاتھ میں کافی کا کپ پکڑے وہ منہ بنائے اسکرین کو
گھور رہی تھی۔

"تم شیر ہو؟" اس نے کئی منٹ ہچکچانے کے بعد لکھ کر بھیجا۔
 "نہیں!" جواب جلدی آگیا تھا۔ جنت نے الجھ کر اسکرین کی جانب دیکھا۔
 "کون ہے شیر؟" اسی پل ایک اور ای میل آئی۔
 "تم واقعی شیر نہیں ہو؟" جنت نے مایوسی سے لکھ کر بھیجا۔
 "کون ہے شیر؟ آپ کا دھوکے باز محبوب؟ مس لوسٹڈ ون؟"
 جنت کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ آنکھوں میں ناگواری ابھری۔
 "تمہیں تو میں ابھی بتاتی ہوں خبیث انسان!" وہ جبراً بھینچے غرائی۔
 "میرا نام لوسٹڈ ون نہیں ہے۔ اور اپنی بکواس بند رکھو۔" اس نے بھیج کر
 زوردار انداز میں لیپ ٹاپ بند کر دیا۔



شیر صوفے کی پشت پر گردن گرائے قہقہے لگا رہا تھا۔ اس کی گود میں اس کا سیاہ لیپ ٹاپ رکھا تھا۔ ڈینیل آنکھوں میں الجھن لئے شیر کو نا سمجھی سے گھور رہا تھا۔ وہ پچھلے کئی منٹ سے اسکرین کو دیکھتا مسکرائے جا رہا تھا اور اب بھی قہقہہ لگا رہا تھا۔

"ماسٹر؟" ڈینیل چند قدم آگے آیا۔

"ہا۔۔۔ بولو ڈینیل!" اس نے ہنسی کو قابو کرتے ڈینیل کی جانب دیکھا۔ "بگ باس لائیو کال کرنا چاہتے ہیں۔" ڈینیل نے دوسری میز پر رکھے سفید لیپ ٹاپ کی جانب اشارہ کیا۔

"انتظار کرنے کا کہو۔" شیر نے دوبارہ کی پیڈ سنبھالتے لاپرواہی سے کہا۔ "تین دفعہ کہہ چکا ہوں۔" ڈینیل نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"چوتھی دفعہ بھی کہہ دو۔" وہ بے نیازی سے کہتا مسکراتے ہوئے کچھ ٹائپ کرنے لگا۔ ڈینیل اس کی لاپرواہی اور بے نیازی پر اسے دیکھتا رہ گیا۔ شیر نے اسے کھڑے خود کو گھورتے دیکھا تو ایک ابرو اچکا کر گھورا۔

"کیا ہے؟"

"آئسکریم لادوں؟"

"لادو۔" شیر نے اثبات میں گردن ہلادی۔ ڈینیل جاتے جاتے پلٹا۔

"مس ہیزیل بھی دو دفعہ کال کر چکی ہیں۔" ڈینیل نے کہا۔ شیر نے نگاہیں اٹھا کر ٹھنڈی سانس بھرتے سختی سے آنکھیں میچ کر کھولیں۔

"یہ دونوں باپ بیٹی کیا چاہتے ہیں مجھ سے!" وہ اکتائے انداز میں بولا۔

"کہہ دو میں آفس کے ضروری کام میں مصروف ہوں اور مجھے کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔" اس نے اسے حکم دے کر جانے کا اشارہ کیا۔ ڈینیل خاموشی سے باہر نکل گیا۔

شیر نے لیپ ٹاپ ایک طرف رکھا اور اٹھ کر وارڈروب کی جانب آکر گھٹنوں کے بل بیٹھا اور سیاہ چمڑے کا بیگ نکالا اندر ایک سیاہ فیلڈ فون تھا۔ اس نے نکالا اور جیب سے پاکٹ وائچ نکال کر اس کا پچھلا حصہ کھولا اور ایک سم نکال کر فون میں ڈالی۔ کچھ پل گزر گئے۔ اس نے پاکٹ وائچ مین وقت دیکھتے ایک نمبر ملایا۔

"GTS"

شیر نے کہا

"سلام انخ" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"دب بنی!" شیر نے نرمی سے فقط ان حروف استعمال کیا۔

دوسری طرف سے کہا گیا۔ شیر پل بھر کو خاموش رہا۔

"دب بنی؟" (بھورا بھالو) شیر نے کچھ لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔

"ڈیلیوری پہنچنے والی ہے۔"

"ٹھیک ہے!" دوسری طرف سے کہا گیا اور فون بند ہو گیا۔ شیر نے فون

بند کرتے سم نکال لی۔ چہرے پر اطمینان نظر آ رہا تھا۔



طوبی اریب کے برابر میں بیٹھی

سرگوشیوں میں باتیں کر رہی تھی۔ منان اور حنین چائے کے کپ لیے

بیٹھے تھے۔ ان کی توجہ حاشر پر تھی جو کارٹن کھول رہا تھا۔ یہ وہی کارٹن

تھے جن کی ڈلیوری کا حاشر کہہ کر گیا تھا۔ منان اور حنین تجسس سے کاغذ کے بڑے بڑے ڈبوں کو دیکھ رہے تھے۔

دفعۃً حاشر نے ایک ڈبے سے تین کیاریاں نکالیں۔ منان اور حنین چونک کر اپنی جگہ سے اٹھے۔

"یہ کیا ہے کمانڈر؟"

طوبیٰ اور اریب بھی اٹھ کر ڈبوں کے پاس چلے آئے وہ کئی ڈبے تھے۔ مختلف سائز کے مختلف پیکنگ کے۔ ان سب سے کیاریاں ہی نکل رہی تھیں۔ طوبیٰ سمیت باقی تین بھی الجھن آمیز نگاہوں سے ان ڈبوں سے نکلیں کیاریوں کو دیکھ رہے تھے۔

"ان میں اسلحہ ہے ہمارا!" شیر نے ایک کیاری میں نرمی سے مٹی کھود کر احتیاط سے پودا نکال کر ایک طرف رکھا اور پھر کیاری کو الٹ دیا۔ اندر

سے مٹی میں بھری پستول زمین پر گری۔ پستول ایک پلاسٹک میں لپیٹی تھی۔ طوبیٰ نے تیزی سے اٹھا کر پلاسٹک کی تھیلی اتاری۔ وہ جدید قسم کی پستول تھی۔

"Amazing" ...

اریب نے لپک کر دوسری کیاری اٹھائی۔

"آہاں۔۔ نہیں۔۔ ایسے نہیں اریب۔۔ میرے پودوں کی جڑیں ٹوٹ سکتی ہیں۔" حاشر یک دم تیزی سے کہتا اریب کو خبردار کر گیا اور آہستہ آہستہ اپنی کیاریوں سے پودے نکالنے لگا۔ وہ سب دم سادھے حاشر کو پودے نکالتے دیکھ رہے تھے۔

"اب ایسے بت بنے رہیں گے سب میں پودے نکال رہا ہوں آپ لوگ اسلحہ نکالو یار!" وہ تنک کر بولا۔ غالباً ان کی نظروں نے اسے زچ کیا تھا۔

"آہ۔۔ سوری۔" طوبیٰ ہنس دی۔ اریب بھی مسکراتے ہوئے کیاریوں سے مختلف قسم کا اسلحہ نکالنے لگا۔ حنین اور منان مٹی سمیٹ کر دوبارہ کیاریوں میں ڈال رہے تھے۔

"کمانڈر! آپ کا انداز بہت دلچسپ ہے۔" اریب ستائشی انداز میں بولا۔
 "سب سمجھ رہے تھے ہم فرنیچر شفٹ کر رہے ہیں۔ کسی کے وہم و گماں میں بھی نہیں تھا مقامی ٹرک میں ایسے ڈبوں میں یہ سب ڈیلیور ہوگا۔" منان مسکراتے ہوئے بولا۔

"ابھی تو شروعات ہے۔۔ فیلڈ میں باہر کام کرتے ہوئے ایسے طریقے عام ہوتے ہیں۔ لیکن ہمیشہ نئے نئے طریقوں کا استعمال کرنا چاہیے۔ تاکہ ہم پر توجہ نہ پڑے کسی کی بھی۔" وہ انھیں سمجھا رہا تھا۔ وہ بغور سنتے تائید میں گردن ہلا رہے تھے۔



طوبی خاموشی سے صوفے پر بیٹھی حاشر کو کچن میں کام کرتا دیکھ رہی تھی۔ وہ کافی دیر سے کچن میں تھا۔ جبکہ طوبی کچھ دیر قبل ہی اپنے کمرے سے نکل کر آئی تھی۔ کچن کے سامنے ہی لیونگ روم تھا فاصلہ بھی کم تھا۔ صوفے پر ہی حاشر کا سرمئی لانگ کوٹ رکھا تھا۔ ایک چھوٹا بھورا بیگ تھا۔

"کمانڈر!" طوبی نے اسے پکارا۔

اس نے گردن گھما کر طوبی کی جانب دیکھا اور سوالیہ انداز میں گردن ہلائی۔

"کہیں جارہے ہیں آپ؟"

"جی!" حاشر تو لیے سے ہاتھ صاف کرتا لیونگ روم میں آیا۔

"میں ابو ظہبی جارہا ہوں آج رات یا کل تک کے لئے۔۔ میرے علم میں آیا ہے کہ ایس آر نے کل وہاں میں لینڈ کیا ہے۔ میں نے حنین کو وہ لسٹ دی ہے جس میں ان تمام گلبرز کے نام ہیں جہاں ایس آر جاچکا ہے۔ وہ گلبرز اور سیون اسٹارز میں عورتوں سے ملاقاتوں کا عادی ہے ایسا سننے میں آیا ہے۔"

"مطلب رنگین مزاج ہے یہ شخص؟" طوبیٰ سنجیدگی سے کہتی سیدھی ہوئی اور اپنی نوٹ بک سنبھال لی جو اس کے قریب ہی رکھی تھی۔ حاشر ایک پل کو رکا۔ طوبیٰ نے تیزی سے ہاتھ چلاتے نوٹ بک پر کچھ لکھا۔

"اس بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے عورتوں سے ملاقاتوں کی وجہ کچھ اور بھی ہو سکتی ہے۔ کوئی غیر قانونی کام یا وہ عناصر جن کی ہمیں تلاش ہے۔۔" حاشر نے کہتے ہوئے اپنا لانگ کوٹ اٹھایا۔

"اس سے ملنے والی عورتوں کی عمریں بیس سے تیس کے درمیان ہوتی ہیں۔۔"

"پھر تو لڑکیاں کہیں نا کمانڈر! "طوبیٰ نے ناک چڑھا کر کہتے ڈائری پر لکھا۔ وہ حاشر کی جانب نہیں دیکھ رہی تھی ورنہ اس کے محظوظ کن تاثرات ضرور دیکھ لیتی۔

"اس کے علاوہ؟"

"اس کے علاوہ فی الحال کچھ واضح نہیں ہے لیکن اطلاعات کے مطابق گولڈن کی بیٹی بھی ان دنوں یہیں ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے باقی کے اہم لوگ بھی آنے والے کچھ دنوں میں یہاں کا چکر لگائیں گے کیوں کہ ان کے غیر قانونی کاروبار کی منڈی یہیں سے شروع ہوئی تھی۔ مجھے شک ہے منشیات کی فیکٹریاں بھی یہیں ہیں۔" حاشر نے کہا۔

"کیا گولڈن کی بیٹی وہی روسی شہزادی ہے؟ جو دی گلیمرس کی اوزر ہے؟" طوبی نے کان کی لو کھجاتے سوال کیا۔

"لینڈین، لیمبرن، گلیمرس تینوں کمپنیاں اسی کی ہیں اور وہ ایسٹ کی فیشن انڈسٹری میں کافی زیادہ مشہور ہے۔"

"تو کیا وہ ہمارا آسان ٹارگٹ نہیں ہو سکتی؟" طوبی نے پرجوشی سے کہا۔

"نہیں وہ آسان ٹارگٹ نہیں ہے۔ اس کے نام کے نیچے کئی غیر قانونی کمپنیاں ہیں لیکن ان کے بارے میں کوئی نہیں جانتا وہ ان چند چالبازوں کے درمیان ایک خطرناک مہرہ ہے جو اپنے غیر معمولی حسن اور اداؤں کی بدولت بڑے سے بڑے اور خطرناک لوگوں کو بے وقوف بنالیتی ہے۔" حاشر سنجیدگی سے کہہ رہا تھا جبکہ طوبی غصے سے حاشر کی جانب دیکھ رہی تھی۔ ہاتھ میں پکڑے پین پر گرفت بھی سخت تھی۔ حاشر کی

نگاہ اس پر پڑی تو اسے یوں خود کو گھورتے دیکھ وہ پل بھر کو الجھا پھر دماغ لڑاتے اپنے کہے الفاظ پر غور کیا۔

"مس طوبی؟" اسے ہنوز اس کی تاثرات کی وجہ سمجھ نہ آئی تو اسے سوالیہ انداز میں پکارا۔

"جی کمانڈر؟" طوبی نے خفگی بھرے انداز میں پین کو نوٹ پیڈ پر چلانے لگی۔

"آپ نے ضروری باتیں نوٹ کر لی ہیں؟"

"جی کر لی ہیں غیر ضروری بھی کر لیں ہیں۔ غیر معمولی حسن والی کے حوالے سے۔" وہ با آواز بڑبڑاتی نوٹ پیڈ اور ڈائری اٹھائے اپنی جگہ سے اٹھی۔ حاشریک دم حیران ہوتے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

"اپنا خیال رکھیے گا۔ میں اریب لوگوں کو جگادیتی ہوں۔" وہ بچھے لہجے میں کہتی اندر کی جانب بڑھ گئی۔ حاشریوں ہی پیشانی پر بل سجائے کھڑا تھا۔ اسے طوبی کے رویے نے بری طرح زچ کیا تھا لیکن وہ اظہار نہیں کرپایا یہی بات مزید زچ کردینے والی تھی۔

"عجیب بے وقوف لڑکی ہے۔" وہ بڑبڑایا اور بیگ اٹھائے باہر کی جانب بڑھ گیا۔



کمرے میں نیم تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ وہ میز پر کہنی کے بل جھکا ڈائری کی ورق گردانی میں اس قدر مگن تھا کہ اسے اپنے آس پاس کا کوئی ہوش نہ تھا۔ اس کے سرپر ایک ٹیبل لیمپ جل رہا تھا جس کی روشنی سے اس کے بھورے بال جو پیشانی پر بکھرے تھے خوبصورتی سے چمک رہے

تھے۔ اس کی گھنیری پلکوں کا سایہ اس کے گالوں پر پڑ رہا تھا۔ لبوں پر دھیمی مسکراہٹ تھی۔ دفعتاً اس کے سوٹ کا دروازہ جھٹکے سے کھلا وہ چونک کر سیدھا ہوا اور پلٹ کر باہر کی جانب دیکھا جب کسی کے قدموں کی آہٹ اندر آتی محسوس ہوئی۔ شیر کے تاثرات ناگواری میں بدلے تھے۔

"کس خبیث کی ہمت ہوئی کہ میری اجازت کے بغیر میرے کمرے میں داخل ہو۔" وہ بڑی طرح غرایا تھا۔ اس کی آواز میں عجیب سی دہشت تھی۔

"اس پوری عمارت میں واحد خبیث تم خود ہو۔" اسی پل وہ کہتا اندر داخل ہوا۔ وہ عمش تھا۔ اس کی ظاہری حالت میں خاطر خواہ تبدیلی نہیں

آئی تھی فقط کنپٹی کے بالوں پر سفیدی چھائی تھی۔ آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگا ہوا تھا۔

"قتل مت ہو جانا میرے ہاتھوں۔۔ منخوس شکل لے کر واپس آ ہی گئے تم افریقہ سے؟ خوش آمدید ملعون انسان۔۔ میرا موڈ خراب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" شیر نے چہرے پر مسکراہٹ سجاتے اسے سرد نگاہوں سے گھورتے کہا۔ عمش اس کی جانب متوجہ نہیں تھا ورنہ ضرور اس کی بات کا کوئی سخت جواب دیتا وہ جھپٹنے کے انداز میں میز کی جانب دوڑا اور وہاں رکھی ڈائریاں اٹھائیں اور بے یقینی سے شیر کی جانب دیکھا۔ شیر نے ضبط سے گہری سانس لی۔

"ارکھو واپس! کیا تم مرنا چاہتے ہو؟ ڈینیل!" شیر غصے سے بری طرح چلایا۔ عمش نے دونوں ڈائریاں میز پر پٹخ دیں اور شیر کی جانب لپکا۔

"یہ تمہارے پاس کیا کر رہی ہیں؟" وہ غرّایا۔ اس کی غصیلی نگاہیں شیر پر جبکہ دہشت بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔
"گیٹ لاسٹ!" شیر غرّایا۔

"یہ ڈائریاں تمہارے پاس کیا کر رہی ہیں؟"
"میں تمہیں جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔" شیر نے اسے پیچھے دھکیلا۔ عمش لڑکھڑاتا پیچھے جاگرا۔ عمش کی آنکھیں بے یقینی اور غصے سے پھیلیں وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھا۔
"تمہاری اتنی ہمت۔۔"

"ڈینیل!" شیر پھر دروازے کی جانب دیکھتے دھاڑا تھا۔ اسی پل کچھ محافظ دوڑتے اندر آئے۔

"ماسٹر ڈینیل سر باہر ہیں کسی کام سے۔۔"

"مسٹر عمش کو گیٹ تک چھوڑ دو۔" شیر نے غصے پر قابو پاتے سنجیدگی سے کہا۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھیں۔ آنکھوں میں غصہ اور چہرہ بری طرح سرخ ہو رہا تھا۔ عمش ہنوز نفرت انگیز نگاہوں سے شیر کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"یہ معاملہ یہاں ختم نہیں ہوا۔ میں تمہیں دیکھ لوں گا۔" عمش سرد مہری سے کہتا باہر کی جانب بڑھا۔

"I will kill you.. Don't ever try to make me angry again..
you Bastard" ..

شیر نے غصے سے بولا۔

"یہ میرے آس پاس نظر آیا تو تم سب کی بھی خیر نہیں۔" محافظوں کی جانب دیکھتے شیر نے سرد مہری سے کہا تھا۔ وہ سب معذرت کرتے باہر نکل گئے۔



گولڈن فاکس کاؤچ پر ٹانگیں چڑھائے بیٹھا پیشانی مسل رہا تھا۔ قریب ہی عمش کھڑا نظر آرہا تھا۔ چہرے پر بلا کا غصہ اور پریشانی تھی۔

"ضرورت ہی کیا تھی تمہیں یوں اس کے سر پر جانے کی؟" گولڈن ناگواری سے بولا۔

"میں اور کیا کرتا باس؟ دیکھا نہیں اس نے آرگنائزیشن کے منتخب کردہ لوگوں کو کیسے جاپان میں بے عزت کر کے واپس بھیجا ہے؟ خالد تو منہ کو

آرہا تھا۔ قتل کی دھمکی دے دی ہے ماسٹر نے اسے۔۔۔" عمش نے دے دے لہجے میں کہا۔

"جانتا ہوں میں۔۔ کیا میں نہیں جانتا؟ ڈیوڈ کی مثال بھی تو سامنے ہے تمہارے۔۔" گولڈن نے گہری سانس بھرتے کہا۔

"اس کے اصولوں سے اس کی دوستی بہت پکی ہے ایسی ہی کسی چیز کی امید تھی مجھے۔۔ تبھی میں نے اسے جاپان جانے کا کہا ہی نہیں۔۔" گولڈن بولا۔ عمش نے سر جھٹک کر گولڈن کی جانب دیکھا جیسے کہہ رہا ہو "جیسے آپ کی مرضی سے ہی تو وہ ہر جگہ آتا جاتا ہے۔"

"Good day handsome gentlemen"!

اسی پل ہیزیل ہشاش بشاش انداز میں کہتی اندر آئی اور عمش کی جانب دیکھ کر ہاتھ ہلایا پھر باپ کی جانب بڑھی اور اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر باپ کا گال چوما۔ ہیزیل کی گہری سرخ لپ اسٹک نے گولڈن کے بائیں گال کر نشان چھوڑا تھا۔ اپنی سیاہ چست اسکرٹ سیدھی کرتی وہ صوفے پر ہی بیٹھ گئی۔ وہ معمول سے ہٹ کر تیار تھی۔ عمش گولڈن سے اشارتاً اجازت لیتا باہر کی جانب بڑھ گیا۔

"کیسی لگ رہی ہوں میں ڈیڈ؟" ہیزیل نے سنہری آنکھیں مٹکاتے ایک ادا سے پوچھا تھا۔

"معمول سے زیادہ حسین لگ رہی ہو۔ لیکن شیر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ اس کا ذرا مزاج بگڑا ہوا ہے آج۔" گولڈن نے نرمی سے کہتے سگار نکالا۔ ہیزیل نے خفگی سے باپ کی جانب دیکھا۔

"کیا ہوا اسے؟"

"عمش سے منہ ماری ہوئی ہے۔" وہ سگار سلگاتے ہوئے بولا۔ اس کے چہرے پر ہنوز کوئی جھری نہیں تھی وہی سیاہ پیدائشی نشان اور سنہری آنکھیں جن میں وہی تیزی اور مکاری تھی جو آج سے پندرہ سال پہلے دکھائی دیتی تھی۔ اس کے بال بھی پہلے ہی کی طرح تھے فرق آیا تھا تو اس کی شخصیت کے رعب میں۔ پہلے جیسی سختی نہیں رہی تھی۔ جیسے ساری فکروں سے جان چھڑالی ہو۔ ایسا ہونا بھی تھا۔ شیر سے جو امیدیں اس نے لگائیں تھیں وہ اس کی توقع سے بڑھ کر پوری ہوئی تھیں اور ہو رہی تھیں۔ اس نے شیر کی تعلیم مکمل ہونے سے قبل اس کے اٹھارہ سال کے ہوتے ہی ماسکو کے ہیڈ کوارٹر کا ڈائریکٹر بنایا تھا اور پھر شیر نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا تعلیم کے ساتھ ساتھ ہی وہ آہستہ آہستہ اپنا اثر قائم

کرتا رہا کمپنیوں پر اپنے نام کی مہر لگاتا گیا اور آج وہ نہ صرف ساری دنیا میں پھیلی GFSR کا ڈائریکٹر تھا بلکہ پوری کاروبار میں پچاس فیصد کا مالک تھا۔ ایک بین الاقومی اندازے کے مطابق وہ دنیا کا سب سے کم عمر اور سب سے دولت مند شخص تھا جو نہ صرف روس بلکہ دیگر ممالک کی جی ڈی پی میں حصہ دار تھا۔ دنیا اسے گولڈن فاکس کے بیٹے کے طور پر جانتی تھی۔



حنین اور منان طوبیٰ کے دائیں بائیں کھڑے کمپیوٹر اسکرین کو گھور رہے تھے۔ دونوں کے چہرے پر حیرانی تھی۔ اریب نوٹ بک پر کچھ لکھ رہا تھا۔ "مجھے اندازہ نہیں تھا شارجہ جیسے شہر میں بھی اتنے نائٹ کلب ہوں گے۔ یار کوئی ایسا کلب ہے جس میں وہ دو دفعہ آیا ہو؟"

"میرا نہیں خیال!" طوٹی کی انگلیاں تیزی سے کی بورڈ پر چل رہی تھیں۔

"کمانڈر نے بتایا نہیں کہ وہ کب تک واپس آرہے ہیں؟"

"نہیں۔۔" وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی پھر یک دم گردن گھما کر

ان تینوں کو دیکھا۔

"میں شکل سے عرب لگتی ہوں؟"

"کیا مطلب؟" وہ تینوں اسے نا سمجھی سے دیکھنے لگے۔

"بتاؤ نا!"

"نہیں۔۔" اریب نے گردن انکار میں ہلادی۔

"عرب لوگ بھی عام طور پر ہماری طرح ہی ہوتے ہیں بس عربی زبان

آنی چاہیے۔" حنین بولا۔

"لیکن تم کرنا کیا چاہ رہی ہو؟ دیکھو ابھی ہمیں آئے زیادہ وقت نہیں ہوا
ایسی ویسی کوئی حرکت۔۔"

"یار کچھ تو کرنا پڑے گا نا؟ ہمیں باہر جانا ہے تو ظاہر ہے ہمیں پتا ہے کن
لوگوں کے گرد جانا ہے بس اس لئے پوچھ رہی ہوں۔" طوبی نے ناک
چڑھا کر دوبارہ اسکرین سنبھال لی۔

اریب نے نوٹ بک رکھتے ہوئے زوردار انگریزی لی۔
"یہ تو ہو گئے پورے۔۔ اب ہمیں ان ہوٹلز کا پتا کرنا ہے جو جی ایف ایس
آر کے ہیں۔۔" طوبی بولی۔

"حنین تم نام لکھتے جاؤ۔۔ ساتھ ساتھ ایڈریس بھی نوٹ کر لینا۔" طوبی
بولی۔

"میں چائے بنالاتا ہوں سب کے لئے۔"

"اوکے۔۔ لیکن مجھے مزہ نہیں آرہا۔ کمانڈر کے بغیر۔۔" طوبیٰ یک دم منہ بنا کر بولی۔

"آجائیں گے تمہارے کمانڈر چلو کام کرو شاباش!" منان نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

"تم نہیں جانتے میں کتنے سالوں سے ان سے ملنا چاہتی تھی۔۔"

"اب پھر شروع مت ہو جانا ہمیں پتا ہے تمہارا کتنا پرانا کرش ہے کمانڈر پر!" اریب نے کچن سے ہانک لگائی۔

"کمانڈر آئیں گے انھیں بتاؤں گی ان کے پودوں کا بہت خیال رکھا ہے میں نے۔" وہ مزے سے مسکراتی تیزی سے کی پیڈ پر انگلیاں چلا رہی تھی۔

"اور کہوں گی کہ بہت یاد کیا میں نے انھیں۔۔"

منان اسکرین پر نظر آتے نام اور لوکیشنز حنین کو بتا رہا تھا۔



وہ شارجہ کا پوش علاقہ تھا۔ صاف ستھری سڑک پر فقط قیمتی گاڑیاں ہی دوڑتی دکھائی دیتی تھی۔ وہ فٹ پاتھ پر بیگ کاندھوں پر ڈالے سست قدموں سے چل رہا تھا۔ سر پر رومال کے بجائے سیاہ پی کیپ تھی۔ جسم پر سیاہ شرٹ تھی۔ پیروں میں وہی بھاری جوتے تھے۔ دفعتاً اس کے کان پر لگے آلے میں جنبش ہوئی اس نے ہاتھ لگا کر کال ریسیو کی۔

"کمانڈر!" دوسری طرف طوبی تھی۔

"جی!" وہ نرمی سے بولا۔

"کیسی ہیں آپ؟ باقی تینوں کہاں ہیں؟ کیا ہو رہا ہے؟" وہ اسی رفتار سے چل رہا تھا۔

"سب ٹھیک ہیں میں بھی ٹھیک ہوں۔ ہم نے تمام کام کر لیے ہیں۔ باہر جانا چاہتے ہیں۔" طوبیٰ کال پر احتیاط برت رہی تھی۔ حاشر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"ٹھیک ہے۔ خیال رکھیے گا سب۔۔ میں رات تک پہنچوں گا۔" حاشر نے کہا۔

"آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا۔ کمانڈر؟"

حاشر جو فون بند کرنے لگا تھا رک گیا۔

"جی!" لہجہ معمول کے مطابق نرم تھا۔

Umm ...nothing" !

دوسری طرف سے طوبیٰ کا جملہ سنتے حاشر کے چہرے پر الجھن کے تاثرات ابھرے قدم مزید سست ہوئے وہ کان پر ہاتھ رکھے کئی پل

الجھارہا پھر سر جھٹک کر فون کاٹ دیا اور تاثرات معمول پر لاتا آگے بڑھتا گیا وہ کئی منٹ چلنے کے بعد دائیں جانب مڑا۔ اندھیرا بڑھنے لگا تھا۔ وہ کچھ دور جانے پر رک گیا اور جیب سے ایک دوسرا فون نکال کر اسکرین آن کی ایک میسج آیا ہوا تھا۔ سینڈر کا نام "Black out" تھا۔ وہ کسی ہوٹل کا پتہ تھا۔ اس نے ایڈریس نوٹ کرتے فون دوبارہ رکھ دیا اور قدموں کی رفتار بڑھادی۔



وہ ریزارٹ کے سوئمنگ پول کے قریب شارٹ پہنے تیرنے کے لئے تیار کھڑا تھا۔ ذرا سے فاصلے پر ہی ڈینیل منہ لٹکائے کھڑا تھا۔ یقیناً شیر کے بگڑے مزاج کی بدولت اسے سخت ڈانٹ کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس وقت شیر پر سکون نظر آرہا تھا۔ بالوں کو دونوں ہاتھوں سے پیچھے کی طرف

پھینکتے ایک تیز چھلانگ لگا کر وہ پانی میں کودا تھا۔ سوئمنگ پول سے پانی کی ایک بڑی مقدار بڑے بڑے چھینٹوں کی صورت میں قریبی فرش کے سفید ماربل پر آکر گری تھی۔ وہ کسی تیز رفتار مچلی کی مانند وسیع سوئمنگ پول میں تیرتا نظر آ رہا تھا۔ اس کے تیرنے کا انداز عام تیراکوں سے مختلف تھا۔ دونوں ہاتھ سیدھے کیے پیروں کو آپس میں ملائے وہ کسی چھلاوے کی مانند پانی کی لہروں سے لڑتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی بھاری کسرتی جسامت اور بازو کی رگیں بھی تیزی سے حرکت کر رہی تھیں۔ ڈینیل کسی ہونق کی طرح منہ کھولے تیزی سے نگاہیں گھمائے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بھی حیرت سے کھلی ہوئی تھیں۔ اس نے کئی بار پلکیں جھپکا کر دیکھا منظر وہی تھا۔

"How can I forgot about this.. He is abnormal creature ..

"

وہ بڑبڑایا لیکن نگاہیں ہنوز اسی پر تھیں۔

"ماسٹر کیا میں آپ کو ریکارڈ کر سکتا ہوں۔" وہ خود کو روک نہیں پایا تو وہیں سے چلا کر سوال کیا۔

"کرلو اگر مرنا چاہتے ہو۔" وہ ذرا سی گردن باہر نکالے بولا اور اپنا رخ بدل دیا۔ ڈینیل کا چہرہ بجھ کر رہ گیا۔ کئی منٹ پانی میں رہنے کے بعد وہ باہر نکل آیا اور بال جھٹک کر چہرہ صاف کیا۔ ڈینیل تولیہ لیے اس کی جانب دوڑا۔ اس نے جھپٹنے کے انداز میں اس سے تولیہ لیا۔

"ماسٹر میرا کیا قصور ہے؟ آپ مجھ سے کیوں ناراض ہیں۔"

"شکر مناؤ قتل نہیں کیا تمہیں۔" اس نے تولیہ اس کے سینے پر مارتے جھک کر گاؤں اٹھایا اور پہنتے ہوئے آگے بڑھتا گیا۔ سامنے طویل راہداری تھی۔

"آئسکریم منگوالو۔" وہ گیلے بالوں کو سیٹ کرتا بولا۔
 "سردی کا موسم ہے اس پر آپ نے سوئمنگ کی ہے اب آئسکریم۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ۔۔"
 "میں نے آئسکریم مانگی ہے مشورہ نہیں۔" وہ چڑ کر بولا اور دائیں جانب مڑ گیا۔ ڈینیل ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔ نگاہیں اسی جانب تھی جس جانب وہ بڑھ رہا تھا۔

"کس عورت نے پیدا کیا ہوگا اس مخلوق کو؟" وہ تنک کر بڑبڑایا اور پلٹ گیا۔



"Hello lady losted one? What about a sweet date"?

وہ مسکراتے ہوئے ٹائپ کر رہا تھا۔ ٹائپ کرتے اس نے میسج بھیجا اور شرٹ کے بٹن بند کرنے لگا۔ اس نے ہلکے بھورے رنگ کی کاٹن پینٹ پہن رکھی تھی اور جسم پتلی سی سفید شرٹ تھی جس سے اس کا جسم جھانک رہا تھا۔ قریب ہی سلک کا نائٹ گاؤن تھا۔ مزید ایک سفید لیپ ٹاپ اور فائلوں کا ڈھیر پڑا تھا۔

"What do you mean by a sweet date? Who are you? My boyfriend or something"?.

میل پڑھتے ہی اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"Give me a chance baby! I can be your boyfriend"..

شیر نے لکھ کر ایک آنکھ دباتا ایموجی ڈالا اور بھیج دیا۔ اگلے پل ہی جواب آگیا تھا۔

"You need a gun shot definately"!

میل پڑھتے ہی شیر گردن تکیے پر پھینک کر ہنس دیا۔ ہنستے ہنستے اس نے دوسرا لیپ ٹاپ اٹھا کر قریب کیا۔ چہرہ یک دم سنجیدہ ہوا وہ جھٹکے سے اٹھا اور گلاس وال کے قریب چلا آیا۔ گلاس وال کے قریب آتے اس نے گردن گھما کر ریزارٹ کی دوسری عمارت کی جانب دیکھا۔ وہ اسی ریزارٹ کا حصہ تھی لیکن دونوں عمارتیں جدا جدا تھیں۔ سوائے نیچے کی منزلوں کے جہاں سے دونوں کے بیچ راستے بنے تھے۔ شیر کئی پل جانچتی نگاہوں سے اس جانب دیکھتا رہا پھر کچھ سوچ کر واپس آکر میز پر رکھا اپنا ماسک اٹھایا اور وارڈوب سے ایک جیکٹ نکالی اور ہڈ سر پر گرا لیا۔



حاشر کیپ نیچے کی جانب کیے جیکٹ کی زپ بند کرتا راہداری میں آگے بڑھنے لگا۔ اس کے قدموں کی رفتار سست تھی۔ رات کا پہر تھا یہ محافظ کی ڈیوٹی کے تبادلے کا وقت تھا۔ اس نے اسی پل پورے ریزارٹ کے کیمرے بند کر دیے تھے۔ اس کا رخ شیر کے کمرے کے سوٹ کی جانب تھا۔ ابھی وہ اس راہداری میں داخل ہی ہوا تھا جب وہ اپنے سوٹ سے نکل کر اسی جانب آتا دکھائی دیا اس کے قدموں کی رفتار تیز تھی۔ حاشر نے بھی اپنی رفتار تیز کر دی۔ وہ دونوں تیز رفتاری سے ایک دوسرے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ایک مخصوص فاصلے پر آکر وہ دونوں رک گئے۔

"کون ہو تم!" شیر نے سختی سے سوال کیا۔

"اپنا تعارف کروانے یہاں نہیں آیا میں۔۔" حاشر کی نگاہیں اسی پر تھیں۔ وہ مزید چند قدم چلا

"اوہ! تو تم آگئے۔۔" شیر بڑبڑایا۔

"تمہاری جان جاسکتی وہیں رک جاؤ۔" شیر نے خبردار کیا۔

"یہ اتنا آسان نہیں۔۔" حاشر نے جست لگا کر شیر کی جانب قدم بڑھائے

تھے۔ شیر بھی چیتے کی مانند اس پر جھپٹا شیر جو اسے دھکیلنے کا ادارہ رکھتا

تھا۔ حاشر کی طاقت پر حیران ہوتا یک دم ایک زوردار جھٹکا دیا۔ حاشر

سمیت وہ خود بھی کئی قدم پیچھے ہٹتا چلا گیا۔

"تمہیں مجھ پر یقین کیوں نہیں ہے۔۔" شیر کی آواز میں حیرت کے

ساتھ غصہ بھی اتر آیا۔ حاشر نے اس کا جواب دیے بغیر اس پر دوسری

جست لگائی شیر نے لات بلند کرتے اس کے سینے پر ماری۔ حاشر ایک

قدم پیچھے ہٹا۔ اس کی آنکھیں بھی حیرت میں ڈوبی تھیں۔ شیر جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور غصے سے اس کی جانب دیکھتا رہا۔

"میں نے تمہیں خبردار کیا تھا۔ دفعہ ہو جاؤ۔" شیر نے تلخی سے کہا اور مخالف سمت میں آگے بڑھا۔ حاشر بھی کچھ کہے بغیر اس کے پیچھے لپکا شیر جو تیز قدموں سے چلتا اپنے عقب میں اس کے قدموں کی آہٹ سن رہا تھا ایک دم باہر کی جانب کود گیا۔ حاشر نے بھی ایک لمحہ ضائع کیے بغیر باہر کود گیا تھا۔ وہ دونوں اونچائی پر عمارت کی کھڑکیوں اور پائپوں سے لٹکے نیچے کی جانب جارہے تھے۔ ایک پل کو، شیر نے رک کر اوپر دیکھا اس کی آنکھوں میں مزید غصہ اتر ا

۔ حاشر تیزی سے اس کے پیچھے اسی کا طریقہ اپنائے نیچے اتر رہا تھا۔ شیر نے اپنی رفتار بڑھادی دوسری منزل تک آتے شیر نے چھلانگ لگادی یہی

عمل حاشر نے دہرایا اور اس کے پیچھے کود گیا۔ حاشر کے یوں کودنے پر شیر یک دم تک کر چلایا۔

"تمہیں میں آج سبق سکھاؤں گا۔"

حاشر نے جواب دیے بغیر اس کے پیچھے دوڑ لگادی۔ شیر تیزی سے باہر کی جانب دوڑنے لگا۔ حاشر کی رفتار بھی اتنی ہی تیز تھی وہ باہر کی جانب تیزی سے دوڑا تھا۔ آس پاس کے محافظ اور دیگر افراد جو اس صورتحال سے یک دم لاعلم تھے حیرت سے اس منظر کو دیکھتے رہ گئے تھے وہ دونوں دیوار پھلانگ کر ریزارٹ سے باہر نکل گئے تھے۔ شیر جتنی رفتار سے بھاگ سکتا تھا بھاگ رہا تھا۔ وہ گاہے بگاہے پیچھے مڑ کر دیکھتا تو اسے خود سے چند قدم پیچھے دیکھ حیران رہ جاتا یہی حال حاشر کا تھا وہ بھی سب کچھ بھلائے فقط اسے پکڑنے کی چاہ میں اپنی پوری رفتار سے دوڑ رہا تھا وہ

جس کی رفتار کا مقابلہ کرنا آج تک کسی کے بس کی بات نہیں رہی تھی۔ وہ جس کا شکار کبھی اس سے چھوٹ نہیں پاتا تھا آج اسی کی رفتار سے اس کے آگے پچھلے کئی منٹ سے بھاگ رہا تھا۔ وہ بھاگتے بھاگتے جانے کہاں نکل آئے تھے۔ دونوں نے جیسے نہ رکنے کی قسم کھالی تھی۔

"میں پھر پوچھ رہا ہوں تم چاہتے کیا ہو؟" شیر درختوں کی گھنی آڑ میں پہنچ کر رک گیا۔

"یہی سوال میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں۔" حاشر نے جواب دیتے اپنے قدم بھی روک لیے۔ ان دونوں کی سانسیں پھولی ہوئی تھیں۔

"تمہیں اس طرح ریزارٹ میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"مجھے مت بتاؤ کہ کیا کرنا ہے کیا نہیں۔ میں صرف اپنا کام کر رہا ہوں۔"

۔۔ "وہ درشتی سے بولا۔"

"توجہ کھینچنے آئے تھے تم! لیکن میں تمہیں اپنی طرف سے مطمئن کرنا چاہتا ہوں بشرطیکہ تم مجھ پر یقین کرو۔"

"تم پر کیسے یقین کروں۔۔ تم سب سے زیادہ مشکوک ہو۔" حاشر سرد مہری سے کہہ رہا تھا۔

"جس شے کے پیچھے تم ہو۔ اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔"

"اور یہ بات تم گولڈن فاکس کی سرپرستی میں رہ کر کہہ رہے ہو؟" حاشر طنزیہ ہنس دیا۔

"خیر میں جلد ہی تمہیں دبوچ لوں گا۔"

"بلی کے خواب میں چھپچھڑے؟" شیراب کے ہنس دیا اور جانے کو پلٹا۔

"یہ وقت ہی بتائے گا۔" حاشر نے عقب سے کہا تھا۔ شیراب ہاتھ جھلاتا

وہاں سے چلا گیا۔ حاشر گہری نگاہوں سے اس کی پشت کو گھورتا رہا۔



ریزارٹ کا ایمر جنسی الارم تیزی سے بج رہا تھا۔ محافظوں نے ریزارٹ کا کونہ کونہ گھیر رکھا تھا۔ ڈینیل فکر مندی سے رہداری میں ایک جگہ سے دوسری جگہ چکر کاٹ رہا تھا۔

"کیمرے کیسے ایک ساتھ بلیک آؤٹ کر گئے؟" عمش ایک جانب کھڑا سیکیورٹی ہیڈ پر گرم ہو رہا تھا۔

"کیا کسی نے نہیں دیکھا؟"

"سر وہ باہر کی جانب دیوار سے۔"

"اس کی بات نہیں کر رہا میں وہ تماشہ تو سب نے دیکھا ہے۔" عمش

تک کر بولا۔ اسی پل ہیزیل تیز قدموں سے چلتی اسی جانب آتی دکھائی دی۔

"کیا وہ واپس آگیا؟ کیا اس کے پیچھے گیا کوئی؟" وہ ڈینیل سے سوال کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر فکر مندی تھی۔ ڈینیل نے نفی میں گردن ہلادی۔ کچھ ہی منٹ بعد گولڈن بھی سیاہ لانگ کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس جانب آتا دکھائی دیا۔ ڈینیل اور دیگر ملازمین یک دم سیدھے ہوتے گولڈن کے سامنے ذرا سا جھکے اور کچھ قدم پیچھے ہٹ گئے۔

"ڈیڈ!" ہیزیل فوراً باپ کی جانب لپکی۔

"فکر مت کرو۔ وہ شیر ہے کوئی بلی کا بچہ نہیں جسے کوئی اٹھا کر لے جائے گا۔" گولڈن نے ہیزیل کے منمنانے پر اسے تنبیہی انداز میں سنجیدگی سے کہا۔

"کیا رپورٹ ہے؟" اس نے عمش کی جانب دیکھتے سوال کیا۔

"کیمرے چار منٹ کے لئے بند ہوئے تھے۔ ہیکنگ سسٹم تھا کوئی یا شاید کوئی بگ تھا جسے ماسٹر شیر نے دیکھا ہو اور وہ سوئٹ سے نکلے۔ یہاں سے دو لوگوں کو کودتے دیکھا ہے لوگوں نے دونوں کھڑکیوں اور دیواروں سے لٹکتے نیچے اترے اور دیکھتے ہی دیکھتے ریزارٹ کے باہر نکل گئے۔ بظاہر کسی نے ماسٹر شیر پر اٹیک کرنے کی کوشش کی جسے وہ اپنی عادت اور مزاج کے مطابق اپنی مرضی اور خواہش سے حل کرنے نکل گئے۔" اس کا انداز خفا سا تھا۔ گولڈن نے اثبات میں گردن ہلادی۔

"I m getting sick of this" ...

ہیزیل بے چینی سے کہتی پلٹ گئی۔

"جیسے ہی وہ آئے مجھے فوراً بتایا جائے۔"

Such a childish act of him.. Unbelievable" ..

وہ با آواز بڑبڑاتی ہیل بجاتی وہاں سے چلی گئی۔ گولڈن وہیں کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ٹہل رہا تھا۔ اس کے چہرے پر فکر مندی تھی۔
"کیا یہ وہی ہے؟" وہ دل ہی دل میں بڑبڑایا۔

"Dark Eye"?



وہ ایک قدرے پرہجوم جگہ تھی۔ ایک سڑک کنارے بنا ہوٹل تھا جس کے باہر بان کی کرسیاں اور لکڑی کی میزیں رکھیں تھیں۔ وہاں موجود لوگوں میں مردوں کی تعداد زیادہ تھی۔ طوبیٰ نے سیاہ ماسک منہ پر ڈالتے کیپ نیچے کیا اور اندر ایک میز کا انتخاب کرتی وہاں جا بیٹھی۔ اسی پل ایک بیرا وہاں چلا آیا۔

"What do you want"?

"لگتا ہے مجھے فارنر سمجھ رہا ہے۔" وہ بڑبڑائی اور جیب میں ہاتھ ڈال کر چند نوٹ نکالے۔

"Tea...milk tea" ...

اس نے جواب دیا اور اپنا بیگ نکال کر میز پر رکھا۔

"Anything else"?

بیرا جو پرانا لیکن صاف ستھرا سا ایپرن باندھے ہوئے تھا، ادب سے پوچھنے لگا۔

"Do you have cup cakes"?

طوبیٰ نے کچھ سوچتے سوال کیا۔

"Yes" ..

"Okey some cup cakes with tea" ..

طوبیٰ کا لہجہ امریکی تھا وہ باآسانی کسی کو بھی اپنے لب و لہجے سے بے وقوف بنا سکتی تھی۔ بیراگردن ہلائے پلٹ گیا۔ طوبیٰ نے اپنا کیمرہ نکال کر میز پر رکھ دیا۔ اس کی نظریں آس پاس کے لوگوں پر تھیں۔ وہ گہرائی سے چہروں کا مشاہدہ کرنے میں ماہر تھی۔ وہ سب کی جانب کچھ پل دیکھتی پھر کسی دوسرے چہرے کی جانب متوجہ ہو جاتی۔ وہ لوگوں کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھے کسی کو محسوس کروائے بغیر اپنا کام کر رہی تھی۔



چھوٹے سے اپارٹمنٹ کی رونق معمول سے ہٹ کر تھی۔ حاشر صوفے پر بیٹھا جوتے اتار رہا تھا۔ طوبیٰ کچن میں تیزی سے ہاتھ چلا رہی تھی۔ وہ چائے چڑھائے کیبنٹ سے کپ کیک نکال رہی تھی جو کل ہی وہ مارکیٹ سے لے کر آئی تھی۔ اس کی آنکھیں یک دم ہی چمک اٹھیں

تھیں۔ نگاہیں اٹھا کر گاہے بگاہے اسے دیکھ لیتی۔ وہ تھکا ہوا نہیں لگ رہا تھا۔ اریب نے سامنے حاشر کے جوتے اٹھا کر ایک طرف رکھے۔

"کیسا چل رہا ہے سب؟" حاشر نے سب کی جانب دیکھتے نرمی سے سوال کیا تھا۔

"جی کمانڈر! بس طوبیٰ مس کر رہی تھی آپ کو۔" اریب مسکراتے ہوئے بولا۔ حاشر نے اریب کو گھورا

"میرا مطلب آپ کی لیڈر شپ کو۔" اریب نے تیزی سے کہا۔ حاشر جواب دیے بغیر اپنا بیگ اٹھا کر سامان نکالنے لگا۔

"آپ کا ٹرپ کیسا رہا کمانڈر؟" طوبیٰ اسی پل ٹرے میں کپ ڈالے باہر آئی۔

"امید کے مطابق اچھا تھا۔ بلکہ بہترین تھا۔" اس نے نرمی سے جواب دیا۔

"اور تم کیا کہہ رہے تھے ابھی؟" اس نے اریب کو گھورتے سوال کیا۔ حاشر خود کو انجان ظاہر کرتا بیگ سے سامان نکالتا رہا۔

"کلبز کی ساری ڈیٹیلز نکالیں؟"

"جی وہ تو ہو گیا تھا۔ آپ کس حوالے سے گئے تھے؟" حنین نے سوال کیا۔

"میں ایس آر کے پیچھے گیا تھا۔" حاشر نے اپنا لیپ ٹاپ کھولتے ان کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ وہ سارے جست لگاتے اس کے آس پاس جمع ہوئے۔ دائیں جانب اریب اور طوبی بائیں جانب منان اور حنین بیٹھے تھے۔

"میں نے ان کی توجہ کھینچ لی ہے اب وہ ہمارے پیچھے آئیں گے۔" حاشر نے کہا۔

"کیا مطلب کمانڈر؟ کیسے؟" طوبیٰ یک دم پر جوش ہوئی۔

"میں اس ریزارٹ میں گیا تھا۔۔"

"واہ۔۔" اریب کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"کیا واقعی؟ کیسے؟" طوبیٰ کی آواز میں پر جوشی تھی۔ ایک پل کو حاشر نے رک کر طوبیٰ کی چمکتی آنکھوں میں دیکھا پھر لیپ ٹاپ کی جانب دیکھنے لگا۔

"بالکل!"

"تفصیل سے بتائیں نا۔" حنین دلچسپی سے بولا۔ حاشر سر اثبات میں ہلاتا تفصیلی طور پر انھیں بتانے لگا۔ وہ سب دلچسپی سے سن رہے تھے۔ اس کے چپ ہوتے ہی طوبیٰ یک دم چلا اٹھی۔

"ہمارے کمانڈر بیسٹ ہیں۔ واؤ۔۔ وہ ایس آر تو ایک دم دنگ رہ گیا ہوگا۔۔۔" طوبیٰ پر اشتیاق سی قالین پر دو زانو ہوئی۔ حاشر نے ایک گہری سانس بھرتے اثبات میں سر ہلایا۔

"واقعی یہ تو کمال ہو گیا۔۔۔" منان بھی متاثر سے حاشر کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"اور اب آپ لوگ بتائیں میری غیر موجودگی میں کیا کام کیا؟" حاشر صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے پوچھنے لگا۔



"اگر وہ شیر نہیں ہے تو تم اسے جواب ہی کیوں دے رہی ہو؟" ایلیا کی بات سنتے جنت یک دم ہنس دی تھی۔ اس کی آنکھیں موتیوں کی مانند چمک رہی تھیں۔ وہ اس سڑک پر سست قدموں سے چلتی کانوں میں

ہینڈ فری ڈالے ایلیا سے باتوں میں مگن تھی۔ ہاتھ میں ہاٹ چاکلیٹ کا گلاس تھا۔ کاندھوں پر بیگ ڈالے وہ ساری دنیا سے بے خبر چل رہی تھی۔

"ای میل ایڈریس اس کا ہے لیکن مجھے نہیں پتا وہ مان کیوں نہیں رہا اس بات کو؟" جنت مسکراتی کہہ رہی تھی۔

"کہ وہ شیر ہے؟" ایلیا نے پوچھا۔

"ہاں وہی ہے۔ سو فیصد وہی ہے۔ میرا دل کہتا ہے۔" اس نے ایک بڑا سا گھونٹ بھرتے کہا۔

"ساری باتیں چھوڑو کیا تم جانتی ہو کمیونٹی میں آگ لگی ہوئی ہے کل سے۔" ایلیا نے اسے اطلاع دی۔

"آگ؟ کیسی آگ؟" جنت چونکی۔

"تمہارے ڈیڈ افریقہ سے واپس آگئے ہیں جانتی ہو؟ سب شارجہ میں ہیں۔۔ ایس آر، ہیزیل یہاں تک کہ جنرل ڈائریکٹر بھی۔۔" ایلیا کی بات سنتے جنت کے قدم یک دم ساکت ہوئے۔ مسکراہٹ نے دم توڑ دیا۔ چہرہ بجھ سا گیا تھا۔

"ڈیڈ نے کال تک نہیں کیا۔۔" وہ آہستگی سے بولی۔
"کرلیں گے تم فوراً وکٹم مت بن جایا کرو۔" ایلیا چڑ کر بولی۔
"لیکن۔۔۔"

"پوری بات سنو۔ اصل خبر تو تمہیں اب سناؤں گی۔"
"کیا مطلب؟" جنت الجھی۔

"کل رات ایس آر پر اٹیک کیا گیا۔"

"ک۔۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟ ش۔۔ شیر میرے شیر پر؟" جنت یک دم لڑکھڑا کر سڑک پر بیٹھی۔ اس کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ کر نیچے گرا تھا۔ اسے لگا اس کا سر بری طرح چکرایا تھا۔

"وہ بالکل ٹھیک ہے۔ کوئی اتنا بڑا ٹیک نہیں تھا لیکن کمیونٹی میں آگ سی لگی ہوئی ہے۔۔ جانتی ہو حملہ کرنے والا صرف ایک تھا۔ یار صرف ایک اکیلا شخص ریزارٹ میں اتنے اوپر والے فلورز پر کیسے پہنچا کوئی نہیں جانتا۔۔ ایس آر اور وہ دونوں اوپر سے کود گئے اور منٹوں کے اندر غائب ہو گئے۔ ڈیڈ بتا رہے تھے سب حیرت میں ہیں اور ابھی تک اندازہ نہیں لگایا جاسکا کہ وہ کون تھا۔" ایلیا پر جوشی سے کہہ رہی تھی۔

جنت سن سی سڑک پر بیٹھی سن رہی تھی۔ آس پاس سے گزرتے لوگ اس حسین گڑیا کی مانند لڑکی کو یوں سڑک پر بیٹھے تعجب کا شکار ہو رہے تھے۔

"تم سچ کہہ رہی ہو؟ وہ بالکل ٹھیک ہے؟" جنت نے بجھے لہجے میں سوال کیا۔

"جنت تم کبھی کبھی کسی ڈرے ہوئے چوزے کی طرح در عمل دیتی ہو مجھے یقین ہی نہیں آتا کہ تم اسکول کالج اور یونیورسٹی میں لوگوں کو مار مار کر ادھ موا کر دیتی تھی۔"

"لوگوں کو مار مار کر ادھ موا میں اب بھی بہت اچھے طریقے سے کرتی ہوں لیکن جب بات شیر کی آتی ہے تو میرا دل کسی چھوٹے کمزور

چوزے کی طرح ہو جاتا ہے۔ مجھے خوف آتا ہے اس کے نہ ہونے کے خیال سے۔۔" وہ ٹھنڈی آہ بھرتی بولی۔

"آہ۔ تم نے مجھے جذباتی کر دیا میں کیوں بھول جاتی ہوں کہ وہ شیر ہے۔" وہ منہ بنا کر آنکھوں کی نمی پونچھتی اٹھی۔ الٹا گلاس اٹھا کر قریبی کوڑے دان میں ڈالا اور دوبارہ چلنے لگی۔

"میں تو صرف تمہیں بتا رہی تھی تم خود ہی خود کو کسی کلاسک فلم کی ہیروئن سمجھنے لگ گئی۔" مجھے خوف آتا ہے اس کے نہ ہونے کے خیال سے۔ "جیسے وہ تمہارے ساتھ ہی تو ہو۔" ایلیا منہ بگاڑ کر بولی۔

"شٹ اپ! جنت ہنس دی۔"

"آج نہیں تو کل اسے لوٹ کر میرے پاس ہی آنا ہے اب تو مجھے یقین ہے وہ ماسک مین بھی شیر ہی ہے۔" جنت پر یقین سی بولی۔

"پچھلے کئی عرصے سے تمہارا دل یہی کہہ رہا ہے اب میں کیا کہوں تمہاری اس فینٹسی کا اینڈ کیسا ہو؟"

"فینٹسی نہیں حقیقت میں وہ میرا ہے۔"

"ہیزیل فاکس۔"

"بھاڑ میں گئی وہ ڈائن!" جنت نے تنک کر کہا۔

"بہت باتیں ہو گئیں جا کر کام کرو اب اپنا میں ایک چہل قدمی کرنے نکلی تھی۔ بائے۔" جنت نے کہہ کر فون بند کر دیا اور سیدھی سڑک پر چلتی گئی۔ قدموں کی رفتار سست تھی اور چہرے پر گہری سوچ کا سایہ تھا۔



"دراصل ان دنوں میرا مزاج بہت اچھا ہے اس لئے وہ جو بھی تھا بخشتا گیا۔" شیر دونوں ٹانگیں ہلاتے ہوئے مزاحیہ لہجہ میں بولا۔ ڈینیل حیرت

زده سا اسے گھور رہا تھا جبکہ گولڈن فاکس صوفے پر بیٹھا شیر کو گھورنے میں مگن تھا۔ لیکن شیر کو ذرا جو پروا ہو۔ وہ اپنی دنیا میں مگن اوپر چھت پر نظریں ٹکائے ہوئے تھا۔

"میں تفصیل چاہتا ہوں شیر!" گولڈن نے کہتے ہوئے ڈینیل کو رخصت ہونے کا اشارہ کیا۔ ڈینیل نے سوالیہ انداز میں شیر کی جانب دیکھا شیر نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ڈینیل سر جھکائے باہر کی جانب بڑھ گیا۔

"کون تھا وہ؟"

"An abnormal creature like me!"

شیر کی آنکھیں یک دم عجب انداز میں چمکی تھیں۔

"یہ تو میں جانتا ہوں۔ مجھے وہ بتاؤ جو میں نہیں جانتا؟ کیا کرنے آیا تھا وہ

"؟"

"یار ایک تو تم ہر بات کا مطلب پوچھتے ہو۔" شیر پلنگ پر اٹھ بیٹھ گیا۔ گولڈن کے تاثرات بدلے وہ بے اختیار مسکرایا۔

"کبھی ایسی بات بھی کیا کرو جس کا مطلب پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے مجھے۔" وہ نرمی سے بولا۔

"مجھے نہیں پتا کون تھا لیکن جو بھی تھا کمال تھا۔ میں خود جاننا چاہتا ہوں وہ کون تھا۔ کون تھا جو میرے پیچھے اتنی اونچائی سے کود گیا۔ میں بھی جاننا چاہتا ہوں کون تھا وہ جو مجھ سے ایک قدم پیچھا تھا۔ زندگی میں پہلی دفعہ مجھے میرے مقابلے کا کوئی انسان ملا ہے۔ کیا تمہیں لگتا ہے میں متجسس نہیں ہوں؟" شیر کی آنکھوں میں عجب سی آگ اتری تھی اس پل۔ لیکن گولڈن جانتا تھا کہ یہ سچ نہیں ہے۔

"کیا بات ہوئی تمہاری اس سے؟ کیا کہا اس نے؟"

"اس نے کہا وہ اعلان جنگ کرنے آیا ہے۔" شیر نے سنجیدگی سے کہا۔
"کیسی جنگ؟"

"پوچھنا بھول گیا میں۔" شیر نے بیزاری سے کہا۔ گولڈن نے گہری سانس لی اور ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر قریب رکھا شراب کا گلاس لے کر لبوں سے لگایا۔

"جاپان کیوں گئے تھے؟" گولڈن نے موضوع تبدیل کر دیا۔
"دل چاہ رہا تھا میرا۔" شیر نے بالوں کو سمیٹ کر پیچھے کیا۔ گولڈن نے ضبط کی کوشش کرتے ٹھنڈی سانس خارج کی۔
"میرے فون کیوں نہیں ریسیو کیے؟"

"مصروف تھا میں۔" شیر کی بے نیازی عروج پر تھی۔
"کیسی مصروفیات؟"

"تم افریقہ کیوں گئے تھے؟" شیر نے جواب دینے کے بجائے سوال کیا۔
 "کام کے سلسلے میں گیا تھا تم جانتے ہو سب!" گولڈن نے سنجیدگی سے کہا
 اور صوفے سے اٹھ گیا۔

"جیسے کہ تم نہیں جانتے میں نے جاپان میں کیا کیا؟ کہاں رہا؟ کس سے
 ملا؟ ایسے ظاہر مت کیا کرو تم کچھ نہیں جانتے میرے بارے
 میں۔ تمہیں کیا لگتا ہے میں نہیں جانتا کون تمہارا جاسوس ہے میرے
 پیچھے؟" شیر نے پرسکون لہجے میں سوال کیا۔ گولڈن نے سختی سے
 آنکھیں میچ لیں۔

"میں تمہاری جاسوسی کیوں کروں گا؟" گولڈن چڑ کر بولا۔ وہ پلنگ کے
 قریب ہی ٹھل رہا تھا۔ بے چینی سے۔۔ جیسے بہت کچھ کہنا چاہتا ہو لیکن
 کہہ نہ سکتا ہو۔

"تم ہیزیل کی جاسوسی کر سکتے ہو تو میری بھی کر سکتے ہو۔" شیر منہ بنا کر بولا۔

"کیا تم نے ہیزیل سے اس بات کا ذکر کیا ہے؟" گولڈن یک دم حیران ہوتا اس کے قریب آیا۔

"تم باپ بیٹی کے معاملات سے میرا کوئی تعلق نہیں۔" شیر نے لاپرواہی سے کہا۔

گولڈن نے سر اوپر کی جانب اٹھا کر پھر ٹھنڈی سانس لی اور شیر کی جانب متوجہ ہوا۔

"دو دن تک تم امارات میں نہیں تھے۔"

"ہاں میں اپنی ذاتی زندگی میں مصروف تھا۔ اب مزید کوئی اور سوال مت کرنا۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"سب مجھ سے سوال کرتے ہیں۔۔۔" گولڈن فاکس خفگی سے بولا۔ وہ
بری طرح زچ ہو کر بولا۔

"اب ذمہ داری ہے نا تمہاری جواب دو۔۔۔ سب کو تم ہی کہتے ہو نا تمہارا
بیٹا ہوں میں؟" شیر نے شرارتی انداز اپنایا۔ گولڈن نے ضبط کرتے پیشانی
مسلی۔

"کس نے کہا تھا مجھے گود لو؟" شیر نے منہ بنا کر کہا۔
"میرے صبر کا امتحان مت لو شیر۔۔۔ دل تو چاہتا یہ تمہاری زبان کاٹ
دوں۔۔۔ مجال ہے جو کبھی تمہاری زبان رکی ہو۔۔۔ ہر سوال کا
جواب موجود ہے تمہارے پاس۔۔۔ ہر ایک سوال کا۔۔۔" گولڈن اب کے
برس پڑا تھا۔

"اور لوگ کہتے ہیں میں لاڈلا ہوں تمہارا۔ یہ زبان کاٹنے کی حسرتیں دیکھو۔۔۔ واہ۔۔۔ ایسے باپ ہوتے ہیں؟" شیر ہنوز شرارتوں میں مگن تھا۔

"اٹھو شکل گم کرو اپنی۔" گولڈن تنک کر بولا۔

"کیا؟ میرا کمرہ ہے۔ تم نکلو۔ ڈینیل میرے ڈیڈی کے لئے گیٹ کھولو۔" اس نے فوراً مائکروفون پر ہاتھ رکھتے کہا۔ گولڈن فاکس تاسف سے گردن ہلاتا لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔ شیر نے ٹھنڈی آہ بھر کر اپنا لیپ ٹاپ اٹھایا اور میل باکس کھولنے لگا۔ وہ کسی کو کوئی ای میل بھیج رہا تھا۔ چہرے پر سنجیدہ تاثرات اٹھ آئے تھے۔ میل بھیج کر اس نے لیپ ٹاپ بند کر دیا اور مائکروفون پر ڈینیل کو آؤسکریم لانے کا حکم دیتے قریب رکھی ٹی شرٹ اٹھا کر پہنی اور بال سنوارتا وارڈروب کی جانب آیا اندر سے

ایک وائرلیس فون نکال کر دوبارہ پلنگ کے قریب چلا آیا۔ ابھی وہ بیٹھا ہی تھا جب فون ارتعاش کرنے لگا۔

"بھائی! خیریت ہے؟" دوسری جانب فکر مندی سے پوچھا گیا۔
"ہاں!"

"کس نے حملہ کیا۔ کہیں وہ آپ کا۔"

"تمہیں کس نے بتایا؟ کہاں ہو تم؟" شیر نے اسے ڈپٹ دیا۔
"میں کزان۔"

"بے وقوف انسان تم وہاں کیا کر رہے ہو؟"

"میں بچہ نہیں ہوں بھائی! مانتا ہوں آپ جتنا طاقتور اور ذہین انسان نہیں ہوں لیکن مجھے پکڑنا اتنا آسان بھی نہیں۔"

"بس بس! سمجھ گیا میں۔ میرینا سے ملنے آئے ہو؟"

دوسری طرف پل بھر کو خاموشی چھائی رہی۔

"میں صرف اسے دیکھنا چاہتا تھا دور سے۔ میں نہیں ملا بھائی اس سے۔" غازی کی آواز مرجھائی ہوئی تھی۔

"اگر تم اس سے ملنے گئے تو میں کسی اور کے پکڑنے سے پہلے خود تمہیں پکڑ کر جہنم واصل کر دوں گا غازی!" شیر کی آواز میں غصہ تھا۔

"میں شرمندہ ہوں۔"

"تمہاری شرمندگی کا اچار نہیں ڈالنا مجھے۔" وہ غرایا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ پڑ رہا تھا۔

"آپ خود غرض ہیں بھائی! آپ کے اندر جذبات ہی نہیں ہیں تبھی آپ میرے احساسات سمجھ۔"

"بکو اس نہ کر احساسات کا بچہ!" شیر نے اس کی بات مکمل ہونے سے قبل

اسے جھڑک دیا۔ غازی کی جانب یک دم خاموشی سی چھا گئی

تھی۔ شیر نے فون کاٹ دیا اور ماتھا مسلتے پلنگ پر بیٹھ کر لیپ ٹاپ اٹھایا

اور ایک اور میسج ٹائپ کرنے لگا۔ میل بھیجنے کے بعد وہ فون قریبی میز پر

رکھے کمرے کے چکر کاٹنے لگا۔

"آپ خود غرض ہیں بھائی! آپ کے اندر جذبات ہی نہیں ہیں تبھی آپ

میرے احساسات۔۔"

"اونہ۔۔۔" شیر نے طنزیہ ہنکارا بھرا۔ اگلے پل وائر لیس فون پر ارتعاش

ہوا۔ شیر نے جھک کر فون اٹھایا۔

"سلام کمانڈر!"

"کہاں ہو تم؟" شیر نے چھوٹے ہی سوال کیا۔

"میں تاجکستان میں ہوں۔"

"کزان جاؤ۔ غازی وہاں ہے۔ اس کا خیال رکھنا۔ میرینا سے دور رہے وہ۔ وہ لڑکی ہماری نہیں رہی ہے اب۔ غازی کو کچھ ہونے کی صورت میں تمہاری خیر نہیں۔"

"لیکن میر۔"

"سارے کام چھوڑ دو۔ کزان جاؤ۔ غازی کی حفاظت کرو وہ وہاں اکیلا ہے۔ کیا مجھے میری بات دہرانے کی ضرورت ہے؟" وہ غرایا۔ اس کی غراہٹ میں عجیب سی وحشت تھی۔ اس کا لہجہ خطرناک تھا۔ جو کسی بھی دہلانے کے لیے کافی تھا۔

"ج۔ جی کمانڈر!" دوسری طرف سے کہتے ہی شیر نے رابطہ منقطع کر دیا۔



شارجہ کا موسم معمول کے خلاف بلا کی سردی لیے ہوئے تھا۔ فضا میں دھند کی گہری تہہ تھی۔ سرد ہوائیں مسلسل چل رہی تھیں۔ شام گہری ہوتی جا رہی تھی۔ حاشر اور منان اس پر ہجوم سڑک پر ایک دوسرے سے ذرا فاصلے پر موجود تھے۔ حاشر آگے تھا۔ منان اس سے چند قدم پیچھے چل رہا تھا۔ حاشر نے سیاہ لانگ کوٹ پہن رکھا تھا۔ چہرے پر سیاہ ماسک تھا۔ اوئی ٹوپی نے کان چھپا رکھے تھے جس کے باعث اس کے کان میں لگا ایئر بڈ دکھائی نہیں دیتا تھا۔

"مجھے ڈر ہے کہ ہمیں وہ دوبارہ نہیں ملیں گے۔" تبھی اس کے کان میں طوپی کی شرمندہ سی آواز گونجی۔

"تمہیں کنفرم کرنا چاہیے تھا" اریب کی آواز آئی۔

"تم دونوں کس اسٹریٹ پر ہو؟" حاشر نے مخصوص انداز میں سوال کیا۔

"ہم الا عظم سپر اسٹور والی گلی میں ہیں کمانڈر!"

"ہتھیار ہیں تم دونوں کے پاس؟"

"میرے پاس میری لیڈی پسٹل ہے۔" طوبیٰ کی آواز آئی۔

"ہتھیار استعمال نہیں کریں گے۔ یہ علاقہ پرہجوم ہے صرف تعاقب

کریں۔ کیا وہ آدمی پھر نظر آیا؟"

"نہیں۔ وہ یہاں نہیں ہے کیا وہاں بھی نہیں ہے؟" اریب نے سوال کیا۔

"ابھی تک نظر نہیں آرہا۔" حاشر کے بجائے منان نے جواب دیا۔

وہ چاروں ایک دوسرے کے ساتھ رابطے میں تھے۔ حاشر کی نگاہیں تیزی سے آس پاس گھوم رہی تھیں۔

"اریب تم لڑکیوں کو گھورنے کے بجائے ٹارگٹ کو ڈھونڈو۔"

"شٹ اپ! لڑکی نہیں دیکھ رہا میں۔ وہ مشکوک لگ رہی ہے۔" اریب نے طوبیٰ کو جھڑک دیا۔

"کمانڈر اس کا لہجہ دیکھ رہے ہیں آپ؟" طوبیٰ نے اسی پل شکایت کی۔ حاشر کے چہرے پر لمحاتی مسکراہٹ اتری اگلے پل ہی سنجیدہ ہوتے اس نے اریب کو مخاطب کیا۔

"جو عورت تمہیں مشکوک لگ رہی ہے اس کا تعاقب کرو۔ طوبیٰ آپ ٹارگٹ پر دھیان دیں۔" حاشر نے دونوں کو ہدایت کی۔ اس کے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیب میں تھے۔

"کمانڈر وہ نیلا کوٹ دیکھ رہے ہیں۔ کیا یہ وہی نہیں ہے جس کا ذکر طوبیٰ نے کیا تھا۔" منان کی آواز پر حاشر نے غیر محسوس انداز میں گردن گھمائی اور ایک اسٹریٹ فوڈ کے اسٹال پر اس کی نگاہیں جا ٹھہریں۔ وہ

شخص اسٹال میں باہر کے بجائے اندر کی جانب کھڑا تھا۔ سیاہ شاپنگ بیگ رکھتے اس نے آس پاس دیکھا۔ اسی پل حاشر انجان ہو کر گردن گھما گیا۔

"ہاں یہ وہی ہے۔ ہوشیار ہو جاؤ۔ اریب تم اس عورت کے پاس رہو۔ طوبیٰ آپ یہاں آجائیں۔" حاشر نے ہدایت دیتے قدم آگے بڑھائے۔ وہ شخص سیاہ شاپنگ بیگ وہیں چھوڑے ایک اور شاپنگ بیگ اٹھائے آگے کی جانب بڑھنے لگا۔

"کمانڈر کیا میں کچھ دیر یہیں رک جاؤں۔ اس روز یہ شخص دونوں گلیوں میں آیا تھا۔ کیا پتا آج بھی وہ اس گلی کا چکر لگائے۔ کنفرم ہو جائے گا کہ یہ وہی شخص ہے یا مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔"

"ٹھیک ہے آپ وہیں رک جائیں۔" حاشر نے کہا اور غیر محسوس انداز میں اس کا تعاقب کرنے لگا۔ منان بھی حاشر سے کچھ قدم پیچھے تھا۔



رات کے اس پہر وہ اسٹیشنری سائیکل چلا رہا تھا۔ پسینے میں شرابور شرٹ کے بغیر تھا۔ گھٹنوں سے اونچی شارٹ پہنے وہ ساری دنیا سے بے نیاز تھا۔ ڈینیل قریب ہی اسٹیل بیٹی بال کے ساتھ ورزش کم کھیل زیادہ رہا تھا۔ "ماسٹر آپ کو اس کی ضرورت ہے؟" ڈینیل کافی دیر تک بال سے کھیل کر بور ہو چکا تھا۔ اب زمین پر بیٹھا شیر کو دیکھ رہا تھا۔ "ہاں! مجھے بھاگنے کی رفتار بڑھانی چاہیے وہ مجھ سے ایک قدم پیچھے تھا۔ اگر وہ مجھے پکڑ لیتا تو ساری زندگی میں آئینہ دیکھنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔" شیر شرارتی انداز میں بولا۔ "آئینہ دیکھنے کی؟" ڈینیل الجھا۔

"ہاں کیسے کرتا اپنا سامنا۔ اپنے آپ سے نظریں ملانے کے قابل رہتا
میں؟" وہ منہ بنائے بولا۔

"لیکن آپ کی رفتار پہلے ہی تیز ہے۔" ڈینیل نے اعتراض اٹھایا۔

"مزید تیزی درکار ہے۔ خیر کیا کیا باتیں ہو رہی تھیں آج؟"

"یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ حملہ آور آپ سے زیادہ تیز تھا۔ پھر کیا تھا
ایسی کلاس لی میں نے اسٹاف کی۔ کیسے وہ میرے ماسٹر کا مقابلہ کسی ایرے
غیرے سے کر سکتے ہیں؟ میرے ماسٹر کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔" وہ
خفگی سے بولا۔ شیر قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"اس طرح جگہ جگہ اپنے ماسٹر کی صفائیاں دوگے تو لوگ سمجھیں گے
واقعی تمہارے ماسٹر کے مقابلے کے انسان بستے ہیں اس دنیا میں۔!" شیر
کے چہرے پر مسکراہٹ تھی لیکن اسے مسکراہٹ کہنا مسکراہٹ کی

توہین تھی۔ اس کی آنکھیں خطرناک تاثرات سے لبریز تھیں۔ چہرے پر معصوم مسکراہٹ کی جگہ ایک مصنوعی مسکراہٹ تھی جس میں عجیب سی شیطانی چمک تھی۔

"ماسٹر؟ کیا سوچ رہے ہیں؟" ڈینیل اس کے ان تاثرات کو پہچانتا تھا ٹھٹک کر پوچھنے لگا۔

"ڈینیل! میرا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ اس دنیا میں میرے مقابلے کے انسان بستے ہیں۔" اس نے سائیکل کو بریک دیتے اپنا رخ ڈینیل کی جانب موڑا۔ ڈینیل سیدھا ہوا۔

"بس وہ میرے مقابلے پر نہ آئیں۔ اس لئے نہیں کہ میں مقابلہ نہیں کر سکتا۔" شیر سائیکل سے اتر آیا اور قریب رکھا تولیہ اٹھا کر پسینہ پونچنے لگا۔

"پھر؟" ڈینیل نے الجھ کر سوال کیا۔

"بس اس لئے کہ میں مقابلہ نہیں کرنا چاہتا۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔ میری مصروفیات سات خطوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ میرے پاس ان چھوٹے موٹے مقابلوں کا وقت نہیں ہے۔" اس نے تولیہ ایک طرف اچھالا اور میز پر رکھی جیکٹ اٹھا کر پہنی اور کیپ سر پر پہنتا جم سے نکل آیا۔ ڈینیل تیزی سے اس کے پیچھے لپکا تھا۔ وہ اس کے بڑے قدموں کا مقابلہ کبھی نہیں کر پاتا تھا۔ اس کے لئے اسے تیز تیز چلنا پڑتا تھا۔ لفٹ کے قریب پہنچتے شیر نے ایک نگاہ راہداری پر ڈالی اور لفٹ میں داخل ہو گیا۔

"مجھے بھوک لگی ہے۔"

"کیا کھائیں گے ماسٹر؟" وہ لفٹ میں داخل ہونے کے بجائے وہیں رک گیا۔

"شورما لے کر آؤ۔ بطخ کے گوشت کا۔ ہوٹل سے نہیں۔۔ باہر سے لاؤ۔" اس نے کہہ کر لفٹ بند کر دی۔ ڈینیل باہر کھڑا الجھن آمیز میں اس کی انوکھی فرمائش پر حیران رہ گیا۔

"بطخ کے گوشت کا شورما۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔
 "تم کیا منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہے ہو؟" دفعتاً ایک جانب سے ہیزیل آتی دکھائی دی۔

"یہ لڑکی پتا نہیں میرے کس گناہ کی سزا ہے۔" وہ ناگواری سے بڑبڑایا اور ایک مصنوعی مسکراہٹ چہرے پر سجالی۔

"خوش آمدید میڈم!"

"مجھے تمہاری مصنوعی مسکراہٹ اور ان فضول رسمی کلمات کی ضرورت نہیں۔۔۔ ایس آر کہاں ہے؟" ہیزیل نے آنکھیں گھماتے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"اپنے اپارٹمنٹ میں ہیں۔" ڈینیل نے مسکراہٹ سمیٹ کر ادب سے جواب دیا اور ایک طرف ہو گیا۔ ہیزیل نے ایک سلگتی نگاہ اس پر ڈالی اور لفٹ کھولنے کا اشارہ کیا۔ ڈینیل نے فوراً اس کے لئے لفٹ کھولی تھی اس کی نگاہ ہیزیل کے ہاتھ میں پکڑے شاپنگ بیگ کو دیکھا۔

"میڈم! کیا آپ جانتی ہیں بطخ کے گوشت کا شوارما کہاں ملتا ہے؟" اس نے اچانک ہی سوال کیا تھا۔ ہیزیل جو لفٹ میں سوار ہو چکی تھی رک کر اسے عجیب نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"بطخ کے گوشت کا شوارما؟ تم مجھ سے بطخ کے گوشت کا شوارما پوچھ رہے ہو؟ میں کوئی خانسماں ہوں؟" ہیزیل تنک کر بولی۔

"Ahh..sorry never mind!forget it!"

ڈینیل فوراً سے کہہ کر راہداری میں آگے بڑھ گیا۔
 "بطخ کے گوشت کا شوارما؟" وہ پھر بڑبڑایا۔ اس کی ساری توجہ اور فکر بطخ کے گوشت پر مرکوز ہو چکی تھی۔
 "ماسٹر کے دماغ میں ایسی عجیب عجیب چیزیں کہاں سے آتی ہیں؟ شوارما؟
 بطخ کے گوشت کا۔ آہ ان سے کوئی بعید نہیں۔ کسی دن پینگوئن کا گوشت ہی نہ مانگ لیں۔"

"He is abnormal creature for a reason... Ah"

وہ کنپٹی کھجاتا لفٹ میں سوار ہو گیا۔



وہ ابھی ابھی نہا کر نکلا تھا۔ بال بھگے ہوئے تھے جنہیں وہ تولیے سے رگڑ رہا تھا۔ ہاتھ گاؤن اتارنے ہی لگا تھا جب دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ تولیہ پھینکتا باہر آیا بڑے سے ہال سے گزر کر راہداری پار کرتا وہ مین گیٹ پر آیا اور اسکرین پر ہاتھ رکھ کر آنے والے کا چہرہ دیکھا۔ سامنے ہیزیل تھی۔ شیر نے اسکرین بند کرتے گہری سانس لیتے گیٹ کھولا اور پلٹ گیا۔ ہیزیل نے قدم اندر رکھتے ہی جست لگا کر اپنے بازو اس کی گردن میں جمائل کرتی اس کے کاندھے پر لٹک گئی تھی۔

"My angrybird! I missed you soo much" ..

"نیچے اترو۔" شیر نے چڑ کر اپنی مٹھی بند کر کے اس کے سر پر ماری۔

"آہ۔" ہیزیل جست لگا کر اتری اور سر سہلاتی اندر کی جانب بڑھ گئی۔

"سنا ہے کسی چیتے نے میرے شیر پر حملہ کر دیا تھا؟" ہیزیل کاؤچ پر گرنے کے انداز میں بیٹھی اور تقریباً نیم دراز ہو گئی۔ شیر نے ناپسندیدہ نگاہ اس پر ڈالی اور پلنگ کی جانب بڑھ گیا۔

"سنا ہے تم بے چینی سے پورے ریزارٹ کے چکر کاٹ رہی تھیں؟" شیر مسکرایا۔ ہیزیل نے خفگی سے اس کی جانب دیکھا۔

"میں فکر مند تھی۔"

"بہت شکریہ شہزادی ہیزیل!" شیر کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ چہرے پر معصومیت پھیل گئی تھی۔ وہ معصومیت جس کا اس کی شخصیت سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں تھا۔

"جتنی معصومیت تمہاری آنکھوں اور چہرے پر ہے اتنی تمہاری شخصیت میں بھی ہوتی تو کیا ہی بات تھی۔" وہ اس کے دلکش چہرے کو دیکھتے مسکرا رہی تھی۔

"اس سسٹم سروائیو کرنے کے لئے جتنے کمینے بن سکتے ہو بن جاؤ۔ یہی اصول ہے۔" شیر نے قریب رکھی ڈائری اٹھالی۔

"میٹنگز کی رپورٹ لینے والے تھے ناتم مجھ سے۔"

"ضرورت نہیں مجھے معلوم ہے تم نے اچھے سے ہینڈل کیا ہو گا۔" شیر نے لاپرواہی سے کہا۔ ہیزیل مسکراہٹ دباتی اپنی جگہ سے اٹھی۔

"میرے پاس مت آنا تمہارا پرفیوم بہت اسٹرونگ ہے۔" شیر نے خبردار

کیا لیکن سامنے ہیزیل تھی اس کی بات نظر انداز کرتی وہ اس کے قریب چلی آئی اور شاپنگ بیگ اس کے سامنے لہرایا۔

"میرے پیارے شیر کے لئے ایک پیارا سا تحفہ!"

شیر نے اس کے ہاتھ میں پکڑے شاپنگ بیگ کو دیکھا اور پھر سر جھٹک کر ہنس دیا۔

"نہ کرو یار! اتنے پیارے تحفے دوگی میں تو فدا ہی ہو جاؤں گا تم پر۔" اس نے اس کے ہاتھ سے شاپنگ بیگ لیا اور تحفہ دیکھنے لگا۔
"طنز مت کرو۔" وہ بسور کر بولی۔ اس کی محبت بھری نگاہیں تحفہ کھولتے شیر پر تھیں۔

"اب اتنے پیارے تحفے کے بدلے چھوٹا سا طنز تو بنتا ہے نا ڈار لنگ۔" وہ اس کی جانب دیکھ کر شرارتی انداز میں مسکرایا۔ اندر ایک سرخ رنگ کا پرفیوم تھا۔

"Heziel's Sher"!

شیر نے منہ بگاڑ کر ہیزیل کی جانب دیکھا۔

"پسند نہیں آیا؟ یہ میری لاؤنچ کا پہلا پروڈکٹ ہے جو کہ لمیٹڈ پروڈکٹ ہے۔۔ پہلا پرفیوم تمہارے لئے بنوایا ہے۔" وہ خفگی سے بولی۔

"مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں تمہارے باپ کی پروپرٹی ہوں۔" شیر نے بوتل ایک طرف رکھتے ڈائری اٹھالی۔ ہیزیل کی آنکھوں میں فوراً غصہ اتر آیا۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ پڑیں۔

"اونہ۔۔ کبھی نہیں بدلو گے تم۔۔"

"Abnormal creature" ..

وہ غصے میں غراتی باہر کی جانب بڑھ گئی۔

"یہ روسی شہزادی بھی بڑا اوکھا ٹیمپر لے کر گھومتی ہے۔" وہ بڑبڑایا اور ڈائری کے صفحات پلٹنے لگا۔



"اس وین کو میں نے وہیں کھڑا دیکھا ہے اکثر یعنی اس عمارت کے باہر۔۔ تو اس وین پر چپ لگا کر ہی آیا ہوں۔" حنین رپورٹ دے رہا تھا۔

حاشر نے اثبات میں گردن ہلاتے منان کی جانب دیکھا۔

"وہ عمارت جس میں ہمارا آج کا ٹارگٹ داخل ہوا ہے اور وہ عمارت جس

کے باہر حنین پہرہ دے کر آیا ہے۔ دونوں میں ہونے والی سرگرمیاں

منشیات فروشوں سے جڑی ہیں۔ ہم نے ایسے گیارہ گروہ کو پوائنٹ آؤٹ

کیا ہے جو اس وقت شارجہ کے بڑے اور بااثر گروہ میں شمار ہوتی ہیں اب

ان میں سے کچھ کا تعلق یقیناً جی ایف ایس آر کے لوگوں سے ہوگا اور

ہمیں اسی میں سے ان کو ڈھونڈنا ہے ہمیں تین ویرہاؤس ملے ہیں دو یہ

عمارتیں ہیں اور یہ گروپ جو فی الوقت یہاں سرگرم ہیں ہمیں ان پر

کڑی نظر رکھنی ہے۔ مس طوبیٰ آپ کو جو سوٹ وئیر آن کر کے دیا ہے آپ اس پر کام کریں گی مجھے جلد از جلد رزلٹ چاہیے۔ یہ تمام چہرے جو ہماری نظر میں ہیں انھیں ہم ان ڈیوائسز کے ذریعے فلو کریں گے۔"

"اوکے کمانڈر!" طوبیٰ سنجیدگی سے بولی۔

"باقی ہم سب فی الحال ان مختلف جگہوں پر نظر رکھیں گے خاص طور پر ہماری توجہ شہر سے باہر آنے جانے والے راستوں اور بندرگاہوں پر ہوگی جیسے ہی کوئی سراہاتھ لگے ہمیں اس پر فوری اور بھرپور توجہ دینی ہے ساتھ ہی ساتھ ہم بڑے مگر مچھوں پر بھی نظر رکھیں گے۔" حاشر بورڈ پر مارکر سے نشان لگاتا کہہ رہا تھا۔ وہ سب توجہ سے اسے سن رہے تھے۔

"اریب تم نے کسی ایونٹ کا کہا تھا؟"

"جی کمانڈر دبئی میں برج خلیفہ میں ایک بہت اہم ایونٹ ہونے جا رہا ہے اور اس ایونٹ کو آرگنائز کرنے والی کمپنی کی مالکن گولڈن فاکس کی بیٹی ہے۔"

"ہیزیل فاکس!" حاشر نے اثبات میں گردن ہلاتے بورڈ پر اس کا نام لکھا۔ طوبی کے تاثرات تبدیل ہوئے۔ اس نے بے اختیار ہی لب دانتوں تلے دبایا۔

"لگے ہاتھوں میں اس لڑکی کے حوالے سے بھی بریف کر دوں۔"

"باقی سب عورتیں ہیں یہ لڑکی ہے۔ واہ۔" طوبی بے اختیار بڑبڑائی۔ حنین، منان اور اریب نے جھٹکے سے گردن گھما کر طوبی کی جانب دیکھا۔

"معاف کیجیے گا؟" حاشر نے سنجیدگی سے طوبی کی جانب دیکھتے سوال کیا۔

"میں پہلے سے ہی سوری کر لیتی ہوں کمانڈر اگر آپ کو میری بات بے مقصد لگے۔ لیکن کیا آپ بتانا پسند کریں گے عمر کے کس حصے کی خواتین کو آپ عورت اور لڑکی کے سیکشنز میں جگہ دیتے ہیں؟ میں یہ بات صرف اپنی معلومات میں اضافے کے طور پر پوچھ رہی ہوں۔" وہ سنجیدہ تھی۔ حاشر الجھن آمیز نگاہوں سے کبھی اسے تو کبھی باقی تین ہونق بنے ٹیم میمبرز کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا کہنا چاہتی ہیں؟" آخر کنپٹی کھجاتے اس نے سوال کیا۔

"She is jealous commander" ..

اریب نے حاشر کی الجھن تمام کرنے کی کوشش کی ساتھ ہی اپنے صاف گو ہونے کا ثبوت دے کر طوبیٰ کو پہلو بدلنے پر مجبور کیا۔

"I m not jealous at all I m just asking a simple question

"why other woman are ladies and she is a girl" ..

طوبیٰ نے اپنی بات کی وضاحت کرنا چاہی۔

"کیا فرق ہے عورت اور لڑکی میں؟ کیا اس وقت یہ مسئلہ اتنا اہم ہے کہ ہم اس پر بحث کریں؟" حاشر نے سادگی سے سوال کیا۔ طوبیٰ کا منہ کھلا رہ گیا۔ اریب نے بمشکل ہنسی دبائی۔ منان نے دل کھول کر ہنسنے کو ترجیح دی۔ حنین مسکراتی نگاہوں سے طوبیٰ کی جانب دیکھ رہا تھا۔ حاشر ہنوز خاموش اور سادگی سے ان چاروں کی جانب دیکھ رہا تھا جیسے اس بحث اور بحث کے مقصد کو جاننا چاہتا ہو۔

"خیر آگے بڑھتے ہیں میرا مقصد آپ کو الجھانا ہر گز نہیں تھا۔ معذرت کمانڈر۔" طوبیٰ نے سنجیدہ ہوتے کہا۔ حاشر نے اثبات میں گردن ہلاتے

اپنا رخ بورڈ کی طرف موڑا۔ اس وقت اس کے چہرے پر ہلکی مسکراہٹ تھی جسے اس نے لمحے بھر میں سمیٹ لیا تھا۔

"چلیں پھر آگے بڑھتے ہیں۔" حاشر نے کہتے ہوئے پر کچھ لکھنا شروع کیا۔



شارجہ کا موسم معمول کے خلاف حد سے زیادہ سرد تھا۔ چاند بادلوں کی اوٹ میں چھپا سرد بریلی ہواؤں کی اٹھکیلیاں دیکھنے میں مگن تھا۔ شیر اس سرد موسم کا لطف لینے کی غرض سے اپنے اپارٹمنٹ کے عقب میں بنے وسیع ٹیرس میں اسٹول پر بیٹھا تھا۔ سامنے لیپ ٹاپ کھلا پڑا تھا۔ میز پر ہی مائیکروفون رکھا تھا۔ اس کا فون اور دوسرا لیپ ٹاپ بھی وہیں رکھا تھا۔ وہ ایک ہاتھ گال پر جمائے ایک ہاتھ سے میل ٹائپ کر رہا تھا۔

"Losted one! do you have a crush on SR"?

میل لکھتے ہی اس نے اینٹر کا بٹن دبایا۔ سامنے ریلنگ کے پاس کئی کاریاں تھیں۔ بڑی، چھوٹی کچھ انتہا کی بڑی اور کچھ حد سے زیادہ چھوٹی عقبی دیوار پر بھی ایسی ہی پھولوں کی بیللیں لٹکی تھیں۔ شیر اپنے نائٹ گاؤن کا بیلٹ باندھتا ریلنگ کے قریب آیا اور نیچے جھانکنے لگا۔ اس پاس کی عمارتوں میں سب سے اونچی عمارت یہی تھی۔ عام دنوں میں یہ ریزارٹ دنیا بھر سے آئے کاروباری افراد اور سیاحوں کے ٹھہرنے کی پسندیدہ جگہ تھی لیکن جب شیر یہاں ہوتا تو عام افراد کا داخلہ ممنوع رہتا۔ شیر کے چہرے پر اس وقت کوئی تاثر نہیں تھا لیکن اس کی آنکھیں۔۔ ان میں کئی سوال تھے۔ سوال تھے یا الجھنیں کہنا مشکل تھا لیکن یہ طے تھا کہ اس وقت اس کھلی چھت پر موجود شیر اس وقت اپنی ذات سے دور بھاگنے کی تگ

و دو میں تھا۔ اس کی نگاہیں کبھی آسمان کی طرف اٹھ جاتیں تو کبھی اس پاس کی عمارتوں پر بھٹکنے لگتیں۔

"اسے مجھ پر یقین ہی نہیں۔۔ اسے لگتا ہے میں کوئی قاتل ہوں یا کوئی دہشت گرد۔ کوئی شیطان کا پیروکار۔۔ اور وہ خود کیا ہے۔۔ قومی ہیرو؟۔۔ وہ مطمئن لگتا تھا۔۔ اونہہ۔۔ کتنے سکون سے اعلان جنگ کر گیا۔ اور یہ میری کھوئی ہوئی محبوبہ۔ اس کا جواب آیا یا نہیں۔۔" وہ سوچتے ہوئے لیپ ٹاپ کی جانب آیا۔ نوٹیفکیشن دیکھ وہ مسکرایا۔

"Stop pretending sher! I know it's you" ..

شیر کا دل یک دم رکا۔ آنکھوں میں مسکراہٹ اتری۔

"اور اگر میں وہ نہیں جو تم سمجھ رہی ہو؟"

"میں نے کہا مجھے بے وقوف بنانا بند کر دو اب میں اس ڈرامے سے بیزار
آچکی ہوں۔ بزدلوں کی طرح چھپنا بند کرو اور میرے سامنے آؤ۔" اس کا
میل پڑھتے ہی شیر کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ شیر نے ٹھنڈی سانس
خارج کی۔

"جادوئی آنکھوں والی خوبصورت لڑکی! کبھی کبھار میں اپنے آپ میں راز ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میری شخصیت کو تم جانو۔ لیکن میں تمہیں بتانا نہیں چاہتا۔ میں نہیں جانتا کہ میں تمہیں چاہتا ہوں یا نہیں۔ میں ابھی نہیں چاہتا کہ تمہیں پالوں۔ میں تمہیں اپنی زندگی نہیں بنانا

چاہتا۔۔ میں تمہیں اپنے پاس نہیں دیکھنا چاہتا۔۔ میں نہیں جانتا میں ایسا کب چاہوں گا۔۔ لیکن ابھی تم میری تمناؤں میں شامل نہیں ہو تم فقط دل کی ضرورت ہو یا شاید روح کی۔۔ لیکن میں ان کی نہیں سنتا۔۔ میری ذات میں سوالوں اور الجھنوں کا ڈھیر ہے۔۔ میرے آس پاس اسرار کا جال ہے۔۔ میں تمہیں ان جالوں میں نہیں دیکھنا چاہتا۔۔ اس لئے غیر معینہ عرصہ تک تم میری تمنا نہیں ہو۔۔ میں نے ابھی فیصلہ نہیں کیا کہ تم میری زندگی کا حصہ بنو گی یا نہیں۔۔ اور ابھی میں یہ فیصلہ نہیں کرنا چاہتا۔ آزاد رہو۔۔ خوش رہو۔۔ بے فکر رہو۔۔ میں تمہیں اپنی طرح زندان ذات میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔۔ زندان ذات۔۔ یہ میری شخصیت ہے۔۔ راز ہے۔۔ یا ایسی کتاب ہے جسے سب پڑھ تو رہے ہیں لیکن سمجھنے کی امید سب سے نہیں رکھتا میں۔۔ تم سے بھی نہیں رکھنا چاہتا۔۔ اس

لئے تم اور میں دریا کے دو کنارے بن کر رہتے ہیں۔۔ زمین آسمان بن کر۔۔ یا صبح و شام۔۔ قریب ہو کر بھی دور۔۔ "شیر کے ہاتھ لیپ ٹاپ پر ساکت ہو گئے۔ وہ کئی پل اپنے لکھے الفاظ کو دیکھتا رہا۔ پھر انھیں پڑھنے لگا۔

"Why the hell I m trying to be Khalil jibran.. What I am a philosopher" ...?

اس نے منہ بنا کر اپنے لکھے لفظوں کو دیکھا پھر مٹا کر لیپ ٹاپ کی اسکرین بند کر دی۔



بالکونی قدرے وسیع تھی جہاں کرسیاں اور میز رکھی تھی۔ ایک جانب کئیاں رکھی تھیں۔ طوبیٰ ہاتھ میں قلم لیے ڈائری میں شاعری تحریر

کر رہی تھی۔ وہ چند لمحے قبل ہی کمرے سے نکل کر ہال کے سامنے بنی بالکونی میں آئی تھی۔ اس کے بال جو کاندھوں تک کٹے تھے اس وقت گیلے ہو رہے تھے۔ شاید وہ کچھ منٹ قبل نہائی تھی۔ وہ ارد گرد سے بے نیاز لکھ رہی تھی۔ ساتھ ساتھ شعر پڑھتی بھی جا رہی تھی۔

بیٹھیں گے ساتھ ہاتھ پہ چہرہ ڈکائیں گے
جو کہہ نہ سکے آج تک وہ سب بتائیں گے

تُو دسترس میں نہ سہی دل کے قریب ہے
تُو دستیاب ہو گیا پلکیں بچھائیں گے

دیکھا کریں گے تجھ کو یوں جیسے کہ فرض ہو
مانیں گے تیری اپنی نہ اک بھی منائیں گے

جس روز حق سے پہلو میں بیٹھو گے آ کے تم
اس روز ہم بھی چاند کا یوں دل جلائیں گے

تُو مل گیا جو یوں ہمیں صدقے دعاؤں کے
ہم کس طرح سے پھر ترے صدقے نہ جائیں گے

رہنا ہمارے سامنے آئینے کی طرح
او جھل نہ ہونا آنکھ سے، آنسو بہائیں گے۔

حاشر کمرے سے نکل کر لیونگ روم میں آیا تو اس کی نگاہ بالکنی کی جلتی بتی پر پڑی۔ وہ کچھ قدم آگے آیا تو اسے طوبیٰ وہاں بیٹھی دکھائی دی۔ اس نے اس کے گیلے بالوں کو دیکھتے تاسف سے سر جھٹکا اور پلٹ کر واپس اندر گیا۔ چند لمحوں بعد واپسی پر اس کے ہاتھ میں بھوری شال تھی۔ وہ شال لیے بالکنی کی جانب بڑھا۔

"For my love"!

طوبیٰ نے انگریزی میں لکھا ہی تھا جب اسے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی اس نے پیچھے دیکھے بغیر جھٹ سے اپنی ڈائری بند کی اور گردن گھمائی۔ حاشر کو دیکھتے ایک پل کو اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ حاشر نے شال اس کے سر پر ڈالتے خفگی بھری نگاہ اس پر ڈالی۔

"لاپروائی سے گریز کریں اتنے سرد موسم میں گیلے بالوں کے ساتھ سرد ہوا کے سامنے بیٹھی ہیں۔" اس کے لہجے سے برہمی کا اظہار ہو رہا تھا۔ طوبیٰ کئی پل تک ساکت رہی پھر تیزی سے شال سنبھال کر سر پر اوڑھی جو حاشر نے اس کے سر پر ڈال کر اس کا چہرہ تک چھپا دیا تھا۔

"سوری کمانڈر!" کچھ نہ سوچا تو وہ بمشکل خوش فہمی کے جھولے جھولتے دل کو سنبھالتی بولی۔

"آج کا دن سب کے لئے تھکادینے والا تھا۔ آپ کو جلدی سونے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ تھکن اتر سکے۔ اگلے آنے والے دن کے لئے بھی آپ کا ذہن اور جسم تازہ دم رہے گا۔ آپ نے بھی آج متاثر کن کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے شاباش! آگے بھی ایسے ہی کام کرنا ہے۔"

"جی کمانڈر! میں آپ کو مایوس نہیں کروں گی۔" طوبیٰ پر جوشی سے کہتی ڈائری اور قلم سنبھالتی اٹھی۔ حاشر اثبات میں گردن ہلاتا ایک جانب ہوا تاکہ وہ بالکنی کے راستے سے گزر سکے۔ طوبیٰ نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا۔

"گڈ نائٹ کمانڈر!"

"گڈ نائٹ!" حاشر نے نرمی سے کہتے بالکنی کی بتی بجھا کر گیٹ بند کیا۔ طوبیٰ جو پلٹ کر دیکھ رہی تھی اپنی لاپرواہی اور اس کی ذمہ داری پر شرمندہ سی ہو کر اپنے سر پر چپت لگاتی کمرے میں داخل ہو گئی۔



کزان کے پوش علاقے میں واقع یہ فلک بوس عمارت اس خوبصورت علاقے کے حسن کو چار چاند لگاتی تھی۔ رات کے اس پہر وہ خود کو ایک

گاڑی کی آڑ میں چھپائے کھڑا سامنے عمارت کی بارہویں منزل کی ایک کھڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ برف باری رک چکی تھی لیکن برف نے ہر منظر کو خود میں چھپا رکھا تھا۔ وہ یک ٹک خاموش اور اداس سا کھڑا تھا۔ اس کی سفید رنگت سردی کے باعث سرخ پڑ رہی تھی۔ آنکھیں الگ خون کی مانند سرخی اپنے اندر سموئے ہوئے تھیں۔ اس نے کچھ سوچ کر جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنا فون نکالا اور لرزتے ہاتھوں سے ایک نمبر ملایا۔ کئی بار فون نظر انداز ہونے کے بعد آخر کار فون اٹھالیا گیا۔

"کون؟"

"غازی!" اس نے آہستگی سے کہا۔ دوسری طرف دیک دم خاموشی چھا گئی۔ فقط سانسوں کی آواز تھی جو غازی کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ ایک جہاں تھا الفاظ کا جو اس کے اندر آباد تھا۔ دل

میں درد کی شدت اتنی تھی کہ سانس لینا محال تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لی اس کے منہ سے دھوئیں کا مرغولہ خارج ہوا۔

"کیا تم مجھے معاف نہیں کر سکتے غازی؟"

"کر سکتا ہوں تمہیں میں سب کچھ معاف کر سکتا ہوں۔ سوچو تو خیال آتا ہے تم پر فرض تو نہیں تھا ہمارے ساتھ مخلص رہنا۔ تمہاری زندگی ہے جسے تم اپنی مرضی سے جینے کا پورا حق رکھتی ہو۔ ساتھ نہیں دینا چاہتی کوئی بات نہیں۔" غازی نے مضبوط لہجہ رکھتے کہا۔

"لیکن کمانڈر کے ساتھ غداری نہیں کرنی تھی میرینا۔ اس کی وحشت سے تمہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔ ابھی بھی وقت ہے اپنی جان بچا کر کہیں دور چلی جاؤ۔ میں صرف تمہیں مشورہ دینا چاہتا تھا۔"

"ہمارے بارے میں کچھ نہیں کہو گے؟" میرینا نے آنکھیں ضبط سے میچ لی تھیں۔

"ہمارے بارے میں صرف یہی کہوں گا کہ جو وقت ساتھ گزارا تھا وہ انمول تھا اور میری آخری سانس تک تمہاری دی ہوئی محبت میرے لئے خاص رہے گی۔ غازی تمہیں اپنی محبت کے بوجھ سے آزاد کرتا ہے۔ میرے لئے پچھتانے کی ضرورت نہیں ہے ہماری زندگیاں ایسے ہی در بدر گزرتی ہیں اور ہماری زندگی میں آنے والا ہر شخص ایک مسافر سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر کہہ رہا تھا۔ اسے میرینا کی سسکی سنائی دی۔

"تم میری زندگی میں آنے والے ہر شخص سے زیادہ خوبصورت اور قیمتی ہو غازی! میں تمہاری محبت کبھی نہیں بھول پاؤں گی" وہ بھرائے لہجے میں بولی۔

"شکریہ! اپنا خیال رکھنا۔ کیا تم کھڑکی پر آسکتی ہو؟ صرف ایک منٹ کے لئے؟" غازی کا دل درد کی شدت سے پھٹنے کے قریب تھا لیکن وہ ضبط کیے کھڑا رہا بے شک ان جیسوں کے دلوں جتنے مضبوط دل ہر کسی کے پاس نہیں ہوتے۔ وہ فون کان سے لگائے اس کھڑکی کو گھورتا رہا۔ فون بند ہو چکا تھا۔ چند منٹ بعد دفعتاً ایک جانب سے ایک وجود لڑکھڑاتے قدموں سے اس کی جانب دوڑتا دکھائی دیا۔ غازی نے ضبط سے آنکھیں میچ کر سر جھکا دیا تھا۔ میرینا بے اختیار دوڑتی اس تک آئی تھی اور کچھ کہے بغیر روتے ہوئے اس کے سینے سے آ لگی تھی۔

"میں ایسا نہیں کرنا چاہتی تھی۔۔ کبھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔۔" وہ بری طرح ہڑک رہی تھی۔ غازی ساکت کھڑا اس کا سر سہلاتا رہا۔

"تم کرچکی ہو۔ لیکن مجھے تم سے شکایت نہیں۔۔" غازی نے نرمی سے کہتے اسے خود سے دور کرتے اس کے گالوں پر بہتے آنسو صاف کیے۔

"میرے سارے خواب ٹوٹ گئے۔ میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتی تھی لیکن میری بد قسمتی دیکھو میں چار سال بعد تم سے مل رہی ہوں اور مجھے لگتا ہے یہ آخری دفعہ ہے۔ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی تھی لیکن میں ڈر گئی تھی وہ جان گئے ہیں میرے بارے میں۔ وہ میری ماں کے حوالے سے مجھے دھمکاتے ہیں پلیز کمانڈر سے کہو میری مدد کریں۔" وہ ہچکیاں لیتی رو رہی تھی۔ غازی کئی پل خاموشی سے کھڑا رہا۔

"میرے ساتھ چلنا چاہتی ہو؟" غازی نے اچانک ہی سوال کیا تھا۔ میرینا نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

"کیا سب مجھے معاف کر دیں گے؟" وہ جھجھکی۔

"ہمارا سینہ بہت بڑا ہوتا ہے میری! ہم سالوں سے غداروں کو اپنے دلوں میں جگہ دیتے آرہے ہیں۔ ہماری دنیا اور ہمارے اصول دوسروں سے مختلف ہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"میں ج۔"

"تم مجبور نہیں تھیں تم لالچ میں آگئی تھیں۔ تم نے ہمارے بارے میں لوگوں کو بتا کر ہمارے سات لوگ قتل کر دئیے وہ سب ہمارے لئے بھائیوں سے بڑھ کر تھے۔ لیکن ایسا مت سوچو کہ وہ تمہیں چھوڑ دیں گے

یا تمہیں دولت سے بھر دیں گے تم ایک قربانی کے بکرے سے زیادہ کچھ نہیں ہو۔" اس کے لہجے میں دکھ تھا۔ میرنا کئی پل کچھ نہ کہہ سکی۔

"ا۔ ایسا نہیں ہے۔۔" وہ لڑکھڑاتے لہجے میں کہتی غازی کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن ناکام رہی۔

"تم میری طرف کیوں نہیں دیکھ رہے؟ کچھ کہہ کیوں نہیں رہے؟"

"میں تمہاری آنکھوں میں نہیں دیکھنا چاہتا اور کہنے کے لئے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ میں صرف آخری بار تمہیں دیکھنے آیا تھا۔ یہ ایک الگ کہانی ہے کہ مجھے یہاں داخل ہونے کے لئے کیا کیا نہیں کرنا پڑا۔ تم سے نہ ملنے کا وعدہ کیا تھا لیکن میں جانتا تھا مجھے وعدہ توڑنا پڑے گا۔ مجھے کمانڈر کا غصہ بھی برداشت کرنا ہے لیکن یہ سب تو چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔۔ سب سے بڑی اور روح نچوڑنے والی بات یہ ہے کہ ہماری دس

سالہ محبت کا انجام اتنا دردناک ہے۔ اپنا خیال رکھنا وہ جلد یا بدیر تمہیں قتل کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"تمہیں کمانڈر نے مجھے قتل کرنے نہیں بھیجا؟" میرینا کا سوال غازی کے چہرے پر ایک دردناک مسکراہٹ دے گیا۔

"وہ شاید جانتا تھا میں تمہیں قتل نہیں کرپاؤں گا۔" غازی نے اس کے حسین چہرے پر جھولتی لٹ کو کان کے پیچھے اڑتے آہستگی سے کہا اور اس کا گال تھپتھپا کر پلٹنے لگا۔ میرینا نے اس کی کلائی کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ غازی نے ضبط سے آنکھیں میچ لیں۔

"اگر مجھے دوسری زندگی ملتی تو میں دعا کرتی کہ تم مجھے دوبارہ ملو۔ لیکن ایسے نہیں جیسے اس زندگی میں ملے۔"

غازی کی بند آنکھوں سے آنسو نکل کر گال پر پھسلے اس نے گہری سانس
بھر کر ہوا میں چھوڑی۔ فضا میں پھر دھواں اٹھا تھا۔

"میں تمہارا ساتھ دینا چاہتی تھی۔"

"تم نہیں دے پائیں۔" غازی نے کہہ کر تکلیف سے لب دانتوں میں
دبایا۔

"یہ آسان نہیں تھا۔"

"تمہیں سب سے زیادہ آسانی دی گئی تھی۔" غازی نے جتلیا۔ میرینا نے
سر جھکا کر اس کی کلائی چھوڑ دی۔

"مجھے معاف کر دینا۔" وہ رو دی تھی۔

"مجھے تم سے شکایت نہیں۔۔ بس دل میں یہی سوال اٹھ رہا ہے کہ تم خود کو معاف کر پاؤ گی؟" غازی ایک تکلیف دہ مسکراہٹ اس کی طرف اچھال کر بولا۔

"ہم جیسوں کا ساتھ دینا واقعی آسان نہیں ہوتا لیکن تم وہ آخری ہستی تھی جس سے میں دھوکے کی امید رکھتا تھا۔ اپنا خیال رکھنا تمہاری طرف آنے والی موت ہماری دی ہوئی سزا نہیں ہو گی تمہیں تمہارے چنے ہوئے راستے سے خطرہ ہے۔ اللہ حافظ!" وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا تھا۔ میرینا برف پر ڈھے سی گئی تھی۔ گھٹنوں کے بل سر جھکائے سسکیاں بھرتی وہ اپنے آپ سے شرمندہ تھی۔ غازی اپنے سیاہ جوتوں کے نشان برف پر چھوڑتا دور ہوتا گیا۔



"کیا آپ واقعی اس ایونٹ میں جانا چاہتے ہیں ماسٹر؟" ڈینیل الجھا کھڑا تھا۔ شیر لیپ ٹاپ کھول رہا تھا۔ ساتھ ہی سر ہلا کر اس نے ڈینیل کو اثبات میں جواب دیا۔

"Please let her go!"

غازی کی جانب سے میل دیکھ کر تلخی سے سر جھٹکا اور لیپ ٹاپ بند کر دیا۔

"وہاں میڈیا ہوگی!"

"میں مین ایونٹ میں نہیں جا رہا۔ آفٹر پارٹی اٹینڈ کروں گا صرف!" شیر نے جواب دیا۔

"وہاں بھی لوگ ہوں گے۔"

"تم میرے جانے کے انتظام کرو اگر اپنی گردن نہیں تڑوانا چاہتے تو۔" شیر چڑ کر بولا۔

"ٹھیک ہے ماسٹر!" ڈینیل نے فوراً اثبات میں گردن ہلائی اور کمرے سے نکل گیا۔ شیر نے دوبارہ لیپ ٹاپ کھولا اور ای میل اکاؤنٹ کھولا۔

"کیا اس شخص کے بارے میں کچھ پتا چلا؟"

شیر نے ٹائپ کر کے بھیجا ساتھ ہی جنت کی میل کو پڑھنے لگا۔ وہ ای میل کل رات سے یوں ہی پڑی تھی۔ شیر نے جواب نہیں دیا تھا۔

"ابھی نہیں! ہم پتا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" جواب پڑھ کر شیر نے ٹھنڈی سانس لے کر نگاہیں سامنے پڑی فہرست پر ڈالی۔ وہ ایونٹ میں شرکت کرنے والے مہمانوں کے نام تھے۔ شیر کی نگاہ دو ناموں پر ٹکی تھی۔

"Elyen Daboos اور Sahiba Soofiya"

"صاحبہ صوفیہ۔۔" شیر بڑبڑایا۔ وہ زیر لب کئی دفعہ اس نام کو دہراتا رہا اور

پھر سفاکانہ تاثرات چہرے پر سجائے اپنی جگہ سے اٹھ گیا اس

کارخ غسل خانے کی جانب تھا۔



"خاموش اور تشدد زدہ۔

نظر انداز کیا گیا۔

بھلا دیا گیا۔

میں اسلام کا بیٹا ہوں۔

میں غیر ضروری ہوں۔

میں غیر متعلقہ ہوں۔

تم پلٹتے ہو تو مڑ کر نہیں دیکھتے۔

تم رکتے ہو لیکن کچھ نہیں کرتے۔

تم میرے دوست نہیں ہو۔

میں اسلام کا بیٹا ہوں۔

تم مجھے تڑپتا ہوا دیکھتے ہو۔

لیکن تم میرا درد محسوس نہیں کرتے۔

تم میری سسکیاں سنتے ہو۔

سارا جہاں میری سسکیاں سنتا ہے۔

کیوں کہ میں اسلام کا بیٹا ہوں۔

میں قید میں ہوں۔

میری ہڈیاں چٹخنی ہوئی ہیں۔"

وہ برف پر دو زانوں بیٹھا سسک رہا تھا اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔ اس کے لب کانپ رہے تھے۔ جامنی پڑچکے تھے۔ اس کی آنکھوں سے گرم لاوا بہہ کر اس کے گالوں پر ہی جم رہا تھا۔

"میں سہم جاتا ہوں۔"

جب میرے اپنے مجھے دغا دیتے ہیں۔

جب وہ میری جڑیں کمزور کرتے ہیں۔

میں گر جاتا ہوں۔ میں تھک جاتا ہوں۔

وہ ہچکیوں کے درمیان کہہ رہا تھا۔

"میں غازی غضنفر۔ اسلام کا بیٹا ہوں۔"

"میرے پاس اسلحہ نہیں۔"

"میرے پاس بارود نہیں۔"

"میں انسانیت کا دشمن نہیں ہوں۔"

میں اسلام کا بیٹا ہوں۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رودیا تھا۔ سفید پڑتی ہتھیلیوں میں چہرہ چھپائے وہ بری طرح رو رہا تھا۔ اس کی چیخیں اس بریلے جنگل کو ہلارہی تھیں۔ کزان کا یہ گھنا جنگل تاریخ کے دردناک مناظر دیکھ رہا تھا۔ ایک خوبصورت نوجوان کی دردناک چیخیں جنگل کو ہلارہی تھیں۔

"میرے قابو میں نہیں ہے کچھ۔۔۔" وہ پھر ہچکیوں کے درمیان چلایا تھا۔ کچھ فاصلے پر کھڑا عثمان البدر بھی بے آواز رو رہا تھا۔ وہ یہاں اس کی حفاظت کے لئے کھڑا تھا۔ لیکن اس وقت وہ الفاظ اس کا سینہ چیر رہے تھے۔

"میں قاتل نہیں ہوں۔۔۔ مقتول ہوں۔"

صرف اس لئے کہ میں اسلام کا بیٹا ہوں۔۔

مجھے میرے ناکردہ گناہوں کا بار اٹھانا ہے۔۔"

وہ پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ عثمان نے چند قدم اس کی جانب بڑھائے
لیکن رک گیا۔ جانے کتنے سالوں کا بوجھ تھا جو آج وہ جنگل کی نذر کرنے
آیا تھا۔ عثمان نے اسے رونے دیا۔

"میں قابض نہیں ہوں۔۔ مقبوضہ ہوں۔۔"

وہ پھر حلق کے بل چلا دیا۔ عثمان نے کرب کے مارے آنکھیں میچ
لیں۔ اسے لگا آج غازی کا دل پھٹ جائے گا۔
"میں اسلام کا بیٹا ہوں۔۔" وہ پھر چلا دیا۔

"کتنے ظلم کرو گے؟"

"کیا چھینو گے؟ میرا گھر۔۔ میرا خاندان۔۔؟"

"میرا وطن؟ ہاں؟" وہ لرزتے لہجے میں کہتا ہنس دیا۔ درد ناک ہنسی۔

عثمان نے سسکتے سر درخت سے ٹکا دیا۔

"کیا چھین سکتے ہو اور؟"

"میرا ایمان؟"

وہ سسکا۔ عثمان نے بھی سسکی روکتے آنکھیں صاف کیں۔

"کیا چھین سکتے ہو تم میرا ایمان؟"

"تم سب کو تمہاری اصل اوقات نہیں دکھادی۔ تو میرا نام بھی غازی

نہیں۔" وہ پھر رو دیا تھا۔

"تو پھر میں بھی اسلام کا بیٹا نہیں۔" وہ زمین پر سجدہ ریز ہو کر پھر رو دیا

تھا۔ اس خون جمادینے والی سردی کا بھی اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا

تھا۔ اس کا جسم ہچکیوں کی زد میں تھا۔ عثمان وہیں گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا

تھا۔ جانے کیوں اس پل اس میں غازی کے پاس جانے کی ہمت نہیں تھی۔



وہ سپاٹ چہرہ لیے دیوار کو گھور رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے تاثر کو لفظوں کی زبان دینا مشکل تھا۔ آنکھوں کی سطح پر سرخ رگیں اس قدر ابھری ہوئی تھیں جیسے لگتا تھا ابھی پھٹ کر زمین پر آگریں گی۔ مٹھی میں بند وائرلیس فون پر اس کی گرفت سخت پڑتی جا رہی تھی۔ لب آپس میں پیوستہ تھے۔ جبراً بھینچا ہوا تھا۔ دفعتاً ٹھک کی آواز کے ساتھ وائرلیس فون ٹکڑوں میں ٹوٹ کر فرش پر بکھر گیا لیکن اس کی نگاہیں یوں ہی دیوار کو تکتیں رہیں۔ مائیکروفون میں ارتعاش پیدا ہوا۔

"ماسٹر!"

"بولو!" شیر نے ہاتھ میں بچے باقی ٹکڑے بھی جھٹک دیے۔ اس کی ہتھیلی سرخ پڑھ چکی تھی۔

"میں اندر آجاؤں؟"

"نہیں! جب میں تیار ہو جاؤں گا تو تمہیں رنگ کروں گا۔" وہ بے زاری سے بولا۔

"بگ باس بھی ملنا چاہتے۔" ڈینیل کی بات مکمل ہونے سے قبل شیر نے مائیکروفون کان سے نکال کر ایک جانب پٹخ دیا۔ پھر تیزی سے اپنے لیپ ٹاپ کی جانب بڑھا۔ نوٹیفکیشن میں ایک میل جنت کی تھی جسے نظر انداز کرتے اس نے عثمان کی میل کھولی۔

"ہم ابھی نہیں نکل سکتے تاتارستان سے۔ کیا کریں کمانڈر؟"

شیر نے سراٹھاتے پیشانی مسلی اور گہری سانس بھرتے وارڈوب کی جانب بڑھا اور اسے تیزی سے کھول کر نیچے جھکا۔ اندر چمڑے کا سیاہ بیگ نکالا۔ اس میں کئی فون تھے۔ شیر نے ایک وائرلیس نکالا اور نمبر ڈائل کرنے لگا۔ تقریباً دو منٹ بعد فون اٹھالیا گیا۔

"سلام کمانڈر!"

"حمود تم کہاں ہو؟" اس نے ٹہلتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔

"میں کشمیر میں ہوں۔"

"وہاں کیا کر رہے ہو؟" شیر نے پوچھا۔

"رقم لے کر آیا تھا اور ایک خط۔"

"خط؟" شیر چونکا۔ اس کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔

"جی!"

شیر پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ خط کہاں سے لایا ہے لیکن وہ نہیں پوچھ سکا۔

"تاشقند میں ہمارا کوئی آدمی ہے کیا؟"

"کل ہی تو ظفر تاجکستان سے نکلا ہے وہ تاشقند سے آیا تھا۔"

"اچھا، ماسکو میں؟" شیر نے لب بھینچ لیے۔

"نہیں! ہمارے لوگ نہیں ہیں وہاں۔۔ لیکن۔۔" وہ چپ ہو گیا۔

"لیکن کیا جلدی کہو؟"

"پاکستان کے کچھ لوگ ہیں وہاں۔۔ اگر کوئی بہت اہم کام ہے تو بتادیں۔"

"پاکستان۔۔" شیر نے زیر لب بڑبڑاتے آنکھیں میچ لیں تھیں۔ پتا نہیں

کیوں اسے پاکستان کے نام پر کچھ ہوتا تھا۔ جیسے اسے یقین نہ ہو وہاں کے

لوگوں پر۔۔ یا جیسے۔۔"

"کیا سوچ رہے ہیں کمانڈر؟"

"کیا وہاں کے لوگ مددگار ثابت ہوں گے؟" شیر نے لمبی سانس کھینچتے سوال کیا۔

"جی کمانڈر! وہ اپنے لوگ ہیں۔"

"کوئی اپنا نہیں ہوتا۔ مجھے نہیں ہے بھروسہ ان لوگوں پر۔ خیر۔ کوشش کرو۔ میرے دو لڑکے کزان میں پھنسے ہوئے ہیں میں انھیں اپنی طرف نہیں بھیج سکتا۔ کہیں وہ کسی کی نظر میں نہ آجائیں۔ انھیں جلد از جلد کسی محفوظ مقام پر منتقل کرنا ہے۔"

"لیکن کزان تو ہمارے لئے خطرہ نہیں۔"

"کزان بھی اب ہمارے لئے خطرہ ہے۔ یہ بات آگے بھی کہہ دینا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ کون کون ہے وہاں؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"غازی ہے اور البدر!۔ دیکھو یہ دونوں میرے لئے بہت خاص ہیں ان کی حفاظت اپنی جان سے بڑھ کر کی جائے۔ بات کر کے مجھے اطلاع کرو تاکہ میں انہیں خبردار کروں۔" شیر نے کہا۔

"ٹھیک ہے آپ بے فکر ہو جائیں۔ میں۔۔"

اچانک سوٹ کا دروازہ بجنے لگا۔ شیر نے گردن گھما کر کمرے کے دروازے کی جانب دیکھا اور فون بند کر کے وارڈوب کے اندر رکھے چمڑے کے بیگ میں ڈال دیا اور گیٹ کھولنے باہر آیا۔ سامنے گولڈن فاکس کو دیکھ اس نے "ہیلو!" کہا اور پلٹ گیا گولڈن اپنے لانگ کوٹ سے ہاتھ نکالتا اندر آیا۔ شیر خاموش اور سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔ گولڈن نے صوفے پر بیٹھتے بغور اس کا چہرہ دیکھا اور دیکھتا ہی

چلا گیا۔

"تم ٹھیک نہیں لگ رہے؟ کچھ ہوا ہے کیا؟" گولڈن نے سوال کیا۔ نرم انداز اور فکر مند چہرہ۔ شیر نے نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔ گہری اندر تک اترتی خاموش نگاہ۔ وہ کئی پل خاموش اور بے تاثر چہرہ لیے اسے دیکھتا رہا۔

"میں پندرہ سولہ سالوں سے تمہارے ساتھ رہ رہا ہوں گولڈن!" شیر نے سنجیدگی سے کہا گولڈن نے چونک کر سوالیہ انداز میں اس کی جانب دیکھا۔

"میں نے تمہیں اربوں ڈالرز کما کر دیے۔ میرے آنے کے بعد تم نے خود سے کوئی کام نہیں کیا۔ صاف گوئی کا مظاہرہ کروں تو ہڈ حرام ہو گئے تم! کہیں تم یہ تو نہیں سوچتے کہ میں سچ میں تمہارا بیٹا بن گیا ہوں؟ یا

تمہارے بڑھاپے کا سہارا بنوں گا؟" وہ کتنی صاف گوئی سے اس کے سامنے کھڑا سوال کر رہا تھا۔ گولڈن کی آنکھوں میں مسکراہٹ اتر آئی۔

"میں جانتا ہوں تم مجھ پر بھروسہ نہیں کرتے میں بھی تم پر نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ تم جنرل ڈائریکٹر ہو۔ معاملات پر نظر ڈالتے ہو۔ لیکن میں جانتا ہوں تمہیں یقین ہے کہ میں کبھی تمہیں دھوکہ نہیں دوں گا۔ لیکن میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں میں کہ میں دے سکتا ہوں۔"

گولڈن اس کی بات پر مسکرا دیا۔

"مزید میں تم سے محبت بھی نہیں کرتا نا مجھے تم سے کوئی مانوسیت محسوس ہوتی ہے۔ میں جانتا ہوں ہوں تمہیں اس بات سے فرق نہیں

پڑتا لیکن تم سوچتے ہو کہ تم نے یہ ساری دولت اور طاقت مجھے دی ہے
تو میں تمہارا شکر گزار ہوں۔۔ نہیں میں نہیں ہوں۔۔"

گولڈن کے نرم اور مسکراتے تاثرات سنجیدہ ہوئے۔

"کیوں کہ تمہارے ساتھ رہنے کا فیصلہ میرا اپنا تھا میری خواہش کے بغیر
تم مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے تھے۔ میں نے تمہیں آج سے پندرہ
سال قبل کہا تھا کہ "تمہارے پاس صرف دولت ہے۔ اور اگر میں چاہوں
تو تم جتنی دولت کچھ دن میں ہی جمع کر لوں۔۔" میں نے ایسا کیا اور آج
بھی میں اپنی اس بات پر قائم ہوں۔ اسے میرا بچپن یا نادانی کا غرور مت
سمجھ لینا۔" شیر کا لہجہ اجنبیت سے بھرپور تھا۔

گولڈن سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا۔

"تم نے مجھے تین سال تک یہودیت پڑھائی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تمہارے مذہب میں دلچسپی رکھتا ہوں یا اس پر یقین رکھتا ہوں۔۔ نہیں میں نہیں رکھتا۔۔ یہ بات میں تم کئی دفعہ کہہ چکا ہوں لیکن میں تم سے بار بار کہوں گا تاکہ تم بھول نہ جاؤ۔" شیر پلنگ پر جا بیٹھا۔

"تم یہ سب کیوں کہہ رہے ہو؟" گولڈن کا سوال بے ساختہ تھا۔

"تاکہ تم ذہنی فتور کا شکار نہ ہو جاؤ میرے حوالے سے۔" وہ اٹھ گیا اور قریب رکھا کوٹ اٹھا کر پہننے لگا۔ گولڈن خاموش رہا۔ شیر کا رخ باہر کی جانب تھا۔

"میری بیٹی خوش ہے۔ آج کے دن اس کا خیال رکھنا۔" گولڈن نے کہا۔ شیر نے رک کر گولڈن کی جانب دیکھا اور دیکھتا رہا پھر سر جھٹک کر باہر نکل گیا۔ گولڈن کے چہرے پر مسکراہٹ اتری تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا

آج کے دن وہ اس کا خیال رکھے گا۔ وہ کسی حد تک تو اسے سمجھ ہی گیا تھا لیکن اس کا انداز اور باتیں۔۔ کیا غلطی ہوئی تھی اس سے؟ اس نے اپنی حالی سرگرمیوں کو سوچنے لگا۔ دفعتاً اس کی نگاہ سامنے رکھے لیپ ٹاپ پر پڑی۔ وہ دو تھے۔ ایک سیاہ ایک سفید۔۔ گولڈن نے گیٹ کی جانب دیکھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر لیپ ٹاپ کی جانب لپکا۔ سفید لیپ ٹاپ کھولتے ہی اسکرین کھل گئی۔ سامنے کئی فائلیں تھیں۔ گولڈن نے سرسری نگاہ ڈالتے سر جھٹک کر بند کر دیا۔ وہ ساری کاروباری فائلیں تھیں۔ اب کے اس نے سیاہ لیپ ٹاپ اٹھایا۔ لیپ ٹاپ کھلتے ہی کی پیڈ سے روشنی کی زرد شعائیں نکلنے لگیں۔ اسکرین سیاہ پڑی تھی۔ گولڈن نے اسے کھولنے کی کوشش کی۔ پاس ورڈ لکھنے کا فیچر ظاہر نہ ہوا لیکن سامنے ایک وال پیپر تھا۔ وہ ایک نہایت خوبصورت جگہ تھی۔ شاید کسی وادی کا منظر تھا۔ وادی

چیری بلاسم کے درختوں سے لدی ہوئی تھی۔ اسکرین کے ایک طرف نیچے ایک سطر تھی۔ جسے گولڈن نے آنکھیں سکیڑ کر دیکھا تھا۔

"I have a sacred dream!"

"Sacred"?

گولڈن بڑبڑایا اور اسکرین بند کر دی وہ جان گیا تھا اس لیپ ٹاپ کو وہ کھول نہیں پائے گا۔ وہ کبھی اسے کھول نہیں پایا تھا۔ یہ وہی لیپ ٹاپ تھا جو اس نے پہلی دفعہ ملنے پر شیر کو دیا تھا۔ ان سالوں میں اس لیپ ٹاپ کو وقتاً فوقتاً کھول کر شیر مختلف مشینوں اور آئی سیز کو اپنی بنائی آئی سیز کے ساتھ تبدیل کیا کرتا تھا۔ گولڈن نے ٹھنڈی سانس لی۔ وہ اس لیپ ٹاپ کو کبھی ہیک نہیں کر پایا تھا۔ وہ اس لیپ ٹاپ کے اندرونی سسٹم پر کبھی ایکس حاصل نہیں کر پایا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ کسی خاص مقصد

کے لئے اس لیپ ٹاپ کو کھولنا چاہتا تھا لیکن وہ متجسس تھا۔ اس نے شیر کو کئی بار اس لیپ ٹاپ کو مارکیٹ میں لانچ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ گولڈن جانتا تھا اگر وہ ایسے لیپ ٹاپ لانچ کریں گے تو دیگر شعبوں کی طرح ٹیکنالوجی کی دنیا میں بھی جی ایف ایس آر کا راج ہوگا لیکن شیر نہیں مانا تھا۔ جانے کب کیسے شیر نے اپنی صلاحیتوں کو قابو کرنا سیکھ لیا تھا۔ وہ اب پندرہ سال پہلے کی طرح اپنی خوبیوں کو بیان نہیں کرتا تھا۔ جبکہ گولڈن چاہتا تھا وہ بیان کرے وہ جانتا چاہتا تھا کہ ان گزرے سالوں میں اس نے کیا مزید سیکھ لیا تھا۔ اس کی صلاحیتوں میں کس قدر اضافہ ہوا تھا لیکن ایسا ابھی تک ممکن نہ ہو سکا تھا۔ شیر کو ساتھ رکھنے کے فیصلے پر وہ کبھی نہیں پچھتایا تھا لیکن ایک خلش تھی دل میں۔۔۔ وہ جانتا تھا اس کے پاس موجود اسی فیصد دولت شیر کی بدولت آئی تھی۔ اس کے باوجود کہ شیر

آج اس سے زیادہ کا مالک تھا وہ کبھی نہیں پچھتایا تھا۔ سات خطوں میں پھیلا کاروبار شیر کے نام سے چلتا تھا اسے کوئی افسوس نہیں تھا لیکن اس کے باوجود ایک خلش تھی کہ وہ اسے کبھی اپنے مطابق چلا نہیں پایا گو کہ وہ اپنے طریقے اور اصولوں پر رہتے بھی آج تک اس کے لئے مصیبت نہیں بنا تھا لیکن وہ جو خواہش اس نے کی تھی اسے اپنا بنانے کی۔ اپنے طرز پر چلانے کی۔۔ وہ کبھی پوری نہیں ہوئی تھی۔ شاید نہ کبھی ہو سکتی تھی۔



"کمانڈر مجھے ایکس مل گیا۔۔۔" طوبیٰ کی پر جوش آواز پر حاشر سمیت وہ تینوں بھی اس جانب لپکے۔

"کیا تم برج کے سکیورٹی سسٹم میں داخل ہو گئی۔۔ واقعی؟ کیا اتنا ہلکا سسٹم ہے ان کا؟" اریب حیرت سے بولا۔

"ان کا سسٹم ہلکا نہیں ہے میری قابلیت بھاری ہے۔" وہ فخریہ انداز میں بولی۔

"کمال کر دیا۔" حنین نے ستائشی انداز میں کہا۔ جبکہ حاشر اسکرین پر نظریں جمائے تیزی سے کی پیڈ پر انگلیاں چلا رہا تھا۔ اس کی ساری توجہ اسی جانب تھی۔ طوبی دوبارہ اپنی جگہ پر واپس آئی اور الجھی نگاہوں سے حاشر کی جانب دیکھا۔ جو اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ کچھ منٹ بعد وہ گہری سانس لیتے پیچھے ہوا۔

"مجھے یہ لسٹ بھی مل گئی ہے مہمانوں کی۔ لیکن یہ سیکیورٹی پلان آفٹر پارٹی کے لئے اتنا ہائی الرٹ ہے جیسے کوئی بہت خاص شخصیت شرکت کرنے والی ہے۔" منان نے کہا۔

"کیا مطلب؟ کیا ایونٹ اور آفٹر پارٹی کے مہمان مختلف ہیں؟" طوبی نے سوال کیا۔

"کچھ کہہ نہیں سکتے۔ لیکن آفٹر پارٹی میں ہم کیسے داخل ہوں گے؟" میں نے وہاں جانے کا بندوبست کر لیا ہے۔ منان دیکھ کر بتاؤ کیا صاحبہ صوفیہ دونوں تقاریب میں آرہی ہے؟"

"ہاں کمانڈر! اس کا ہمارے پاس ایک ہائی پروفائل ہے۔ کیا یہ بھی ہمارے خاص ٹارگٹس میں سے ایک ہے؟"

"ہاں جی ایف ایس آر کے بعد ہمارا سب سے خاص ٹارگٹ یہی ہے۔" حاشی کی آنکھیں یک دم سرخ پڑی تھیں۔ طوبیٰ نے اس کے لہجے کی تبدیلی پر اسے چونک کر دیکھا تھا۔ اس کا جبرہ بھینچا ہوا تھا۔ کان کی لونیں سرخ پڑیں تھیں۔ طوبیٰ یک ٹک اسے دیکھتی رہی۔ حاشی نے خود پر اس کی نگاہوں کا ارتکاز محسوس کیا اور اس کے برابر سے اٹھ گیا۔ طوبیٰ کی نگاہوں کا ارتکاز ٹوٹا تو اس کی پہلی نگاہ اسکرین پر پڑی۔ صفحہ سرخ سطروں سے پر تھا۔ اسکرین پر بڑا سا وارننگ لکھا آ رہا تھا۔

"اوہ۔۔۔ یہ۔۔۔ کیسے۔۔۔ کمانڈر! ایکس ختم کیسے ہوا۔ میں نے تین گھنٹے لگائے تھے۔ یہ کیسے ہوا۔؟" وہ یک دم گھبرا سی گئی۔ منان اور اریب نے الجھ کر طوبیٰ کی بوکھلاہٹ دیکھی پھر اسکرین پر جھکے۔

"فکر مت کریں۔ میں نے مستقل بنیادوں پر اس سسٹم میں وائرس ڈال

دیا ہے۔۔ جو ہمارے لیجنٹ کے طور پر اس سسٹم میں رہے گا۔"

"کیا آپ وائرس بنا سکتے ہیں؟" طوبیٰ یک دم حیرت سے چلا اٹھی۔ اس کی

آواز کپکپائی تھی۔ بے یقینی اور حیرت سے۔۔ منان، حنین اور اریب کا منہ

بھی حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"وائرس ہر سسٹم میں پہلے سے ہی موجود رہتے ہیں جیسے کہ ہماری باڈی

میں لیکن وہ ہمارے لئے نقصان کا باعث نہیں بنتے۔ بالکل

اسی طرح لیکن باہر سے ہمارے جسم میں کوئی وائرس آجائے تو یہ

ہمارے جسم کی حفاظت کرتے ہیں باہر سے آئے وائرس سے لڑتے

ہیں۔۔ کچھ وائرس ایسے ہوتے ہیں جو باہر سے آتے ہیں لیکن ہمارے

جسم کے لئے نقصان کا باعث نہیں بنتے لیکن ایسا نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ

کارگر ہی ثابت ہوں گے۔۔ یہ وائرس بھی ایسے ہی کام کرے گا۔۔ ان کے سسٹم میں رہے گا۔۔ لیکن ان کے سسٹم کے باقی وائرسز کی طرح کام کرے گا لیکن کیوں کہ اسے ہم نے بھیجا ہے تو ہم جب چاہیں اس سے کام لے سکتے ہیں۔ اگر آسان الفاظ میں کہوں تو ان کے سسٹم میں ہمارا جاسوس ہے ایک۔۔ "وہ نرم اور دھیمے لہجے میں سمجھا رہا تھا۔

طوبی کی آنکھیں اور منہ حیرت سے کھلا ہوا تھا۔

"کیا آپ آئی ٹی اسپیشلسٹ ہیں؟" اریب نے سوال کیا۔

"نہیں میں آئی ٹی انوینٹر ہوں۔ پاکستان نیشنل آئی ٹی بورڈ کا اسپیشل ایڈوائزر۔۔" وہ نرمی سے مسکرایا۔

"لیکن ڈیڈ نے تو کہا تھا آپ نیوکلیر انجینئر ہیں جیسے ڈاکٹر عبدالقدیر خان

۔۔" طوبی یک دم خاموش ہوئی اور شرمندگی سے لب دانتوں میں دبائے

رکھا۔ اس کا چہرہ یک دم سرخ پڑا۔ حاشر نے ایک مسکراتی نگاہ اس پر ڈال کر سر جھٹکا اور اندر کی جانب بڑھ گیا۔

"میں نے تو کچھ اور سنا تھا۔" منان الجھسا بولا۔

"کیا سنا تھا تم نے؟" طوبی، حنین اور اریب یک زبان ہوتے منان کی جانب لپکے۔ منان نے ان کے چیخنے پر دونوں ہاتھ کانوں پر رکھتے انھیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"میرے بابا نے کہا تھا کہ وہ آرٹیفیشل انٹیلیجنس میں ڈیڈ کے ساتھ کام کرتے رہے ہیں۔"

"ہمارے کمانڈر؟" طوبی یک دم چلائی۔

"اوئے۔۔ آرام سے۔۔ تم کتنا چلاتی ہو۔" اریب نے اسے جھڑکا۔

"I can't breathe" ...

طوبیٰ گھرے گھرے سانس لیتی اپنی جگہ سے اٹھی۔

"میں نے بھی کچھ سنا تھا۔" اریب نے کان کھجاتے ان کی جانب دیکھا۔

"تم نے کیا سنا تھا؟"

"یہی کہ کمانڈر برین ڈیڈ سروائیور ہیں۔"

آپریشن در کفر میں انھیں دماغ میں گولی لگی تھی جس کے بعد گورنمنٹ

نے انھیں اسپیشل ٹریمنٹ کے لئے باہر منتقل کر دیا تھا اس آپریشن میں

ان کے بچنے کے چانسز ایک فیصد بھی نہیں تھے۔ اس کے بعد نیٹ جیو

سے ان کے لئے اسپیشل سروائیول ڈاکومنٹری کی آفر تھی جو انھوں نے

ریجیکٹ کر دی تھی۔"

طوبیٰ نم آنکھوں سے اریب کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"میں بھی ایک ایسی بات جانتا ہوں جو تم میں سے کوئی نہیں جانتا۔" حنین نے بھی زبان کھولنے کا فیصلہ کیا۔

"ایسی کیا بات ہے؟" منان متحسّس ہوا۔ اریب بھی اس کی جانب دیکھنے لگا۔ جبکہ طوبی اریب کی بتائی گئی باتوں میں ہی کھوئی رہی

"ضروری نہیں ہر بات سچ ہو۔ میں ایک ایڈوائزر ہوں اور ہر فیلڈ میں تھوڑی بہت معلومات رکھتا ہوں اسی بنیاد پر کچھ کام کر دیے تھے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں ہر فیلڈ کا جیسٹیس ہوں۔ اور یہ برین ڈیڈ والی بات بھی جھوٹ ہے۔ برین ڈیڈ نہیں تھا میں۔ صرف گولی کھوپڑی کو چھو کر گزری تھی۔" حاشر نے وضاحت کرتے ان سب کی طرف دیکھا۔ وہ سب خاموش سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ وہ جو کوئی فائل بھول گیا تھا اسے لے کر واپس پلٹ گیا۔

"کتنی تکالیف سہی ہیں انھوں نے۔۔" وہ دل ہی دل میں دکھ سے بڑبڑائی۔

"میں رونا چاہتی ہوں۔۔ لیکن یہ سب میرا مذاق اڑائیں گے۔۔" وہ آنکھیں رگڑتے بڑبڑائی اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔



وہ کمرے سے کافی دیر بعد باہر نکلی تھی۔ لیونگ روم کے صوفوں پر وہ چاروں بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ حاشر کے قریب ہی ایک بیگ رکھا تھا۔ بھورے لیدر کا چھوٹا سا بیگ تھا۔ حاشر کے بال پہلے کی نسبت تھوڑے بڑھ گئے تھے۔ اس کی شیو بھی بڑھی ہوئی تھی۔ پیشانی پر گرے بال جو ذرا سے گیلے دکھائی دے رہے تھے۔ ذہانت سے چمکتی سیاہ گہری آنکھیں اس پل مسکرا رہی تھیں۔ وہ ان تینوں سے کافی حد تک بے

تکلف ہو چکا تھا۔ کسی بات پر ہلکا سا مسکرایا تھا۔ طوبیٰ بھی دھیمے انداز میں مسکرائی۔

"ان کی مسکراہٹ مختلف ہے۔۔ ان کے چہرے پر یہ مسکراہٹ ایک عجیب سا احساس دلاتی ہے۔۔ منفی سا عکس۔۔ لیکن اس کے باوجود ان کا مسکرانا اچھا لگتا ہے۔۔"

"Innocent face with devilish smile"!

وہ آہستگی سے بڑبڑائی اور دوبارہ اندر کی جانب بڑھی۔ وہ کل ہی اس کے لئے وہ مفلر لے کر آئی تھی۔ ہلکا بھورا مفلر۔۔ وہ اکثر راتوں کو دیر سے واپس آتا تھا۔ طوبیٰ کو محسوس ہوتا تھا کہ وہ ریگستانی علاقوں کے قریب جاتا ہے تبھی واپسی پر اس کے جوتے اور کپڑے گرد سے اٹے ہوتے تھے۔ اندر سے مفلر لئے وہ لیونگ روم میں آئی۔

"آپ جارہے ہیں؟"

"جی! میں نے حنین کو کام سمجھا دیا ہے۔ محتاط رہیں گے سب! خیال رکھیں گے سب اپنا۔" اس نے چاروں کی جانب دیکھتے اپنا بیگ اٹھایا۔ ان سب نے اثبات میں گردن ہلائی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ طوبیٰ نے بے اختیار مفلر پیچھے چھپایا۔ طوبیٰ اسے دیکھتی رہی۔ وہ اللہ حافظ کہتا باہر کی جانب بڑھا۔ طوبیٰ منہ ہی منہ میں کچھ پڑھتی رہی پھر باہر کی جانب بڑھی۔ اریب نے اس کی پشت کو دیکھا تھا پھر مسکراہٹ دباتا حنین اور منان کی جانب متوجہ ہوا۔

وہ گیٹ تک پہنچا ہی تھا جب اسے آہٹ محسوس ہوئی۔ وہ رک کر پلٹا اور سوالیہ انداز میں اس کی جانب دیکھا۔ طوبیٰ نے اپنا مفلر والا ہاتھ آگے کیا۔ حاشر نے اس کے ہاتھ میں پکڑا مفلر دیکھا۔

"یہ آپ کے لئے ہے۔" طوبیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کا پسندیدہ رنگ جامنی نہیں تھا؟ ویسے بہت شکریہ!" حاشر نے نرمی سے کہتے مفلر اس کے ہاتھ سے لے کر اپنی گردن کے گرد لپیٹ لیا۔

طوبیٰ بے اختیار مسکرا دی۔ اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ حاشر نے جھک کر جوتے پہننے لگا۔ طوبیٰ اسے دیکھتی رہی۔ نرم اور چمکتی نگاہوں سے۔ اس نے جوتے پہنتے گیٹ کھولا۔

"کمانڈر!" طوبیٰ نے اسے پکارا۔ حاشر نے گردن گھما کر اس کی جانب دیکھا۔

"اپنا خیال رکھیے گا۔" وہ آہستگی سے بولی۔ حاشر نے اثبات میں گردن ہلائی اور باہر نکل کر گیٹ بند کر دیا۔ طوبیٰ نے ایک گہری سانس لی اور مسکراتے ہوئے پلٹ گئی۔



وہ دبئی میں برج الخلیفہ سے چند میل دور کھڑا تھا۔ اس کی نگاہیں برج الخلیفہ پر تھیں۔ وہ سیاہ ٹیکسٹو میں ملبوس تھا۔ بال جدید انداز میں بنے تھے۔ ہاتھ میں سیاہ چمڑے کے دستانے جن پر کلائی کی جانب پتلی سی بیلٹ تھی۔ اس کی اندرونی شرٹ کے دو اوپری بٹن کھول رکھے تھے۔ اس نے ٹائی بھی نہیں باندھی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اس کا انداز عجیب نہیں لگ رہا تھا۔ وہ سانس روک لینے کی حد تک وجہیہ دکھائی دے رہا تھا۔ عموماً وہ ایسی وضع قطع اختیار نہیں کرتا تھا اس لئے اسے ٹائی باندھنا اور اوپر تک بٹن بند کرنا عجیب الجھن میں مبتلا کرتا تھا۔ اس کے قریب ہی سیاہ رینج اوور کھڑی تھی۔ کچھ فاصلے پر ایک شخص ڈرائیور کی وردی پہنے کھڑا تھا۔ دفعتاً اس کی جیب میں رکھا فون بجنے لگا۔

"ہاں!"

"اسٹائلٹ بتا رہی تھی تو نے اس کی نہیں سنی۔"

"عادت نہیں ہے مجھے ٹائی کی۔ ویسے میں اتنا عجیب نہیں لگ رہا۔۔۔" حاشر نے کنپٹی کھجاتے کہا۔

"واہ ٹیکسیڈو کے بٹن کھلے۔۔۔ ٹائی بھی نہیں۔"

"کوئی نہیں۔۔۔ لوگ سمجھیں گے فیشن ہے نیا۔"

"دیکھ تو نے بس ایک وزٹ کا کہہ کر میری پروفائل لی ہے لڑکے خبردار اگر میری ساکھ کو کوئی نقصان پہنچایا اور اب تجھے میری بھی مدد کرنی ہے۔"

"تم اچھی طرح جانتے ہو میں وعدہ خلافی نہیں کرتا۔" حاشر نے کہا۔

"جانتا ہوں میں۔۔۔ نام یاد ہے نامیرا ایلیس پیٹر۔"

"میں کچھ بھولتا ہوں؟" حاشر نے چڑ کر کہا۔

"نہیں بھئی میں ہی بھول جاتا ہوں کہ تو غیر انسانی مخلوق ہے۔۔۔ قسم سے اللہ کا پسندیدہ انسان ہے تو۔۔۔ ایک ہم عام انسان ہیں جنہیں ہر چیز کے لئے سالوں محنت کرنی پڑتی ہے۔۔۔" وہ کچھ اور بھی کہہ رہا تھا لیکن حاشر کا دل رک گیا تھا۔ اس کے پہلے جملوں میں ہی اس کا دل رک گیا تھا۔ ساکت و جامد۔۔۔



فیشن شو شروع ہونے میں چند منٹ باقی تھے۔ وہ وسیع جگہ تھی۔ بے حد روشن ہال تھا جس کے وسط میں خوبصورت ریمپ تیار کی گئی تھی۔ اس پاس سفید رنگ کے صوفے اور میزیں تھیں۔ میزوں پر نیلے پھول تھے۔ وہاں موجود تمام لوگ ہی دنیا کی بڑی بڑی برانڈز سے تعلق رکھتے تھے۔ قیمتی ملبوسات اور جدید قسم کے فیشن کو اپنائے ہر کوئی اپنے آپ

میں ایک الگ ماحول پیدا کر رہا تھا۔ ہیزیل بھی سامنے کی جانب صوفے پر بیٹھی تھی۔ کریم کلر کے چمڑے سے مشابہت رکھتے کپڑے کا ہائی نیک کالر والا طویل گاؤن پہنے گلے میں سفید موتیوں والا خوبصورت نیکیس تھا۔ کانوں میں خوبصورت آویزے۔ خوبصورتی سے کیا میک اپ۔ وہ پورے ماحول پر چھائی ہوئی تھی۔ چہرے پر مغرور سا تاثر سجائے وہ اپنی جگہ پر ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ قریب ہی اس کی پرسنل اسٹنٹ ریچل بیٹھی تھی۔ کچھ فاصلے پر کچھ گارڈز اور اس کا ذاتی اسٹاف موجود تھا۔ بائیں جانب سے دوسری رو میں حاشر بیٹھا تھا۔ وہ اس ماحول کا نہ ہوتے ہوئے بھی اس قدر پرسکون اور بے نیازی سے بیٹھا تھا جیسے اسے سالوں سے اس کی عادت ہو۔ ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگائے وہ

پوری طرح سے اس ماحول کا حصہ لگ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں آس پاس احتیاط سے گردش کر رہی تھیں۔

کچھ دیر گزرنے کے بعد اس نے سر جھکالیا۔

"قسم سے اللہ کا پسندیدہ انسان ہے تو۔ ایک ہم عام انسان ہیں جنہیں ہر چیز کے لئے سالوں محنت کرنی پڑتی ہے۔۔" حذیفہ کی آواز نے اس کی سماعت پر دستک دی۔ وہ سر جھٹک کر ہلکا سا ہنس دیا۔

"یہ جملا کتنا آسان تھا نا حذیفہ کے لئے۔۔ کتنا آسان ہوتا ہے کہہ دینا کہ تم خوش نصیب ہو۔۔ تمہیں سب آسانی سے مل جاتا ہے۔۔ یہ آسانی اور خوش نصیبی بعض اوقات کتنی مہنگی پڑتی ہے کاش یہ کہنے والے جان سکتے۔۔ اس خوش بختی کی کتنی بڑی قیمت چکانی پڑتی ہے کاش خود کو عام کہنے والے لوگ یہ سمجھ پائیں۔۔ کاش ہمیں خاص سمجھنے والے ہمارے

اندر جھانک کر دیکھیں کہ اس خوش بختی کے دیے زخم کتنے گہرے ہوتے ہیں۔۔"

ہیزیل جو کسی کام کے لئے اپنی جگہ سے اٹھی تھی اپنا گاؤن درست کرنے ذرا سا جھکی جوں ہی اس نے گردن اٹھائی اس کی نگاہ سیدھا سامنے جارکی۔ ایک پل کو وہ بری طرح چونکی۔ آنکھیں سکیڑ کر غور کرنا چاہا۔

"Abnormal creature"?...

"میڈم اس طرف۔۔" ریچل نے اس کی توجہ بھٹکی دیکھ اسے خبردار کیا لیکن وہ یوں ہی سامنے دیکھتی رہی۔

"شیر یہاں کیا کر رہا ہے؟ وہ بھی بغیر ماسک کے؟" وہ بڑبڑائی۔ بڑبڑاہٹ قدرے اونچی تھی۔ ریچل نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا تھا۔ حاشر نے خود پر ہیزیل کی حیرت زدہ نگاہیں محسوس کیں تو وہ قدرے چونکا اور

اگلے ہی پل اسے نظر انداز کرتا وہاں سے اٹھ کر مخالف سمت کی جانب بڑھ گیا۔ ہیزیل الجھن زدہ سی دائیں جانب بڑھ گئی۔



وہ سیاہ رنگ کا شیشے کا ایک بڑا گیٹ تھا جس کے انٹرنس پر فنکر پرنٹ سینسر تھا۔ وہ کافی دیر آس پاس گھوم کر یہاں آیا تھا۔ اسے یقین تھا تقریب کا آغاز ہو چکا ہو گا۔ اس کے بال ہنوز اسی طرح بنے تھے۔ چشمہ اس نے نکال کر شرٹ کے پیچ لٹکا دیا تھا۔ فنکر پرنٹ سینسر کو دیکھتے اس نے اپنے کوٹ کی جیب سے حذیفہ کے نقلی فنکر پرنٹس نکال کر سینسر پر لگائے۔ اسے لگاتے وہ دانستہ طور پر تھوڑا قریب ہوا تھا تاکہ نظروں میں نہ آ سکے۔ کلک کی آواز کے ساتھ گلاس ڈور کھلا تھا اس نے سر جھکایا اور اندر داخل ہو گیا۔



ہال نیم اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ فضا میں شراب اور مختلف قسم کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ نیلی روشنیاں ہلکی تھیں جو ہال کو پوری طرح روشن کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہی تھیں۔ وہ اندر داخل ہوا اور آس پاس ایک سرسری نگاہ ڈالی۔ اسے ماحول کا مشاہدہ کرنے میں ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت لگا۔ وہ ایک طویل میز کے قریب سے گزرتا جوس کا گلاس اٹھاتا ستون کی آر میں ٹیک لگا کر جوس پینے لگا۔

شیر ہال کے دوسرے حصے میں کھڑا تھا۔ اس نے میرون شرٹ پر سفید کوٹ پہن رکھا تھا۔ جو اس کے کسرتی جسم پر خوب بیچ رہا تھا۔ جدید انداز میں بنے بال جن میں سے ایک لٹ پیشانی پر گری تھی۔ میرون رنگ کا ماسک اس کے چہرے پر تھا جس کے ایک طرف ایس آر کندھا ہوا

تھا۔ اس کی آنکھیں سیاہ نہیں دکھائی دے رہیں تھی اس نے ہلکے سنہرے لینز ڈال رکھے تھے۔ وہ وہاں موجود تمام لوگوں میں دراز قد تھا۔ ہیزیل بھی اس کے قریب ہی اس کا بازو تھامے کھڑی تھی۔ اب کے اس کا لباس تبدیل تھا۔ میرون اور سفید رنگ کی میکسی جو آگے سے گھٹنوں سے کافی اونچی اور پشت سے فرش پر گری تھی۔ پچھلا حصہ میرون تھا جس پر سفید موتی لگے ہوئے تھے۔ آستینیں سرے سے موجود ہی نہیں تھیں گلا بھی قدرے گہرا تھا۔ سنہرے اور چاندی رنگ کے بالوں کا امتزاج تھا جنہیں اس نے اونچی پونی میں قید کر رکھا تھا۔ سرخ و سفید چہرے پر گہرے رنگ کی لپ اسٹک نے اس کے حسن کو قیامت خیز بنا دیا تھا۔ اس کے روسی حسن سے نظریں ہٹانا ممکن نہ تھا۔ وہ وہاں موجود تمام نگاہوں کا مرکز تھے۔

"آج کی رات صرف ہماری ہے۔ دیکھو سب کس قدر شوق سے ہماری طرف دیکھ رہے ہیں۔" ہیزیل کی آواز میں پرجوشی کے ساتھ عجیب سی کھنک تھی لیکن شیر اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اس کی نگاہیں ستون کے دوسری جانب میز کے قریب کھڑے دراز قد اور بھاری جسامت کے اس شخص پر تھیں۔ اس نے پل بھر کو نگاہیں گھما کر ہال میں کسی کو تلاش اور پھر ایک وجود کے گرد اس کی نگاہیں آر کیں۔

"وہ خوبصورت عورت کون ہے ہیزیل؟" شیر کی نے بمشکل لہجے پر قابو پایا تھا۔ اس کی دھڑکن تیز تھی۔ ساتھ ہی اس نے ستون کی آڑ میں کھڑے اس شخص کی جانب دیکھا۔

"تمہارا دھیان میری طرف ہونا چاہیے ناشیر؟" ہیزیل نے تنک کر کہا۔

"اچھے پارٹنر کی طرح بی ہیو کرو۔ میرے سامنے بچی کیوں بن جاتی ہو۔" شیر نے تنک کر کہا۔ اس کا انداز سرگوشی جیسا تھا۔

"جیسے کہ تم مجھے کرتے ہو بچی کی طرح ٹریٹ۔" ہیزیل کا لہجہ اور انداز غصیلا تھا لیکن چہرے پر دلکش مسکراہٹ تھی۔ شیر کی نگاہ ہنوز ستون کی آڑ میں کھڑے اس شخص پر تھی۔ جانے کیوں اس کی لمبی گردن اسے اس رات کی یاد دلارہی تھی جب وہ اپنے جیسے ایک انسان سے ملا تھا۔ اسے وہ ملاقات یاد آئی۔ وہ پل بھر کو پرجوش سا ہوا تھا۔

"میں تمہیں لوگوں سے ملوانا چاہتی ہوں۔" ہیزیل نے اس کا بازو ہلاتے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ شیر نے جواب دیے بغیر سامنے کھڑی اس عورت کو دیکھا جو اسی جانب دیکھ رہی تھی۔

"ہیزیل وہ عورت۔۔ میرا اس سے تعارف کرواؤ۔" شیر نے پھر ہیزیل کی جانب دیکھا۔ ہیزیل چونکی پھر الجھ کر سامنے دیکھا۔ وہ عورت اسی جانب متوجہ تھی۔ ہیزیل نے غصے سے شیر کی طرف دیکھا۔

"کیا تم یہاں عورتیں دیکھنے آئے ہو۔۔"

"جیسا کہ تم جانتی ہو حسین عورتیں میری کمزوری ہیں۔" شیر نے اس کی جانب دیکھا اس کی آنکھیں شرارت سے مسکرا رہی تھیں۔ ہیزیل نے اس کی پسلی میں کہنی رسید کی جس کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ دفعتاً دروازہ ایک طرف ہوا اور عیش اندر داخل ہوا۔

"یہ ذلیل شخص یہاں کیا کر رہا ہے؟" شیر نے بے زاری سے تبصرہ کیا۔

"کم آن! ریلیکس رہو۔۔" ہیزیل نے اس کے بازو پر اپنی گرفت مضبوط کی۔



وہ اسی طرح ستون کی آڑ میں جوس لیے کھڑا تھا۔ جب اس کی نگاہ اندر داخل ہوتے عمش پر پڑی۔ اس نے اپنا رخ ذرا سا موڑ لیا۔ وہ اس پر نظر رکھنے والا تھا۔ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اسے دیکھے۔ اس نے جوس کا گھونٹ بھرتے رخ دوسری طرف موڑا اور نگاہ سامنے کھڑی اس عورت پر ڈالی۔ جو سیاہ رنگ کی میکسی میں ملبوس تھی۔ اس کی آنکھوں میں اس پل آگ کے شعلے بھڑکتے دکھائی دیے۔

"میری زندگی کی پرانی اور اولین خواہشات میں سے ایک خواہش ایک عورت کا قتل تھا۔ آہ۔۔ وہ عورت آج میرے سامنے کھڑی ہے لیکن میں اسے قتل نہیں کر سکتا۔" وہ نفرت انگیز لہجے میں بڑبڑایا۔ اسی پل اس کی نگاہوں کی تپش محسوس کرتی وہ عورت اس کی طرف متوجہ ہوئی

تھی۔ وہ عورت ایک پل کو اپنی جگہ لڑکھڑائی تھی۔ وہ صاحبہ صوفیہ تھی۔ عرب امارات کی مشہور ترین اور بااثر خاتون۔۔ وہ بااثر ضرور تھی لیکن بادب اور عزت دار ہر گز نہ تھی۔ اس عورت نے قریب کھڑے لوگوں سے جان چھڑائی اور تیز قدموں سے اس جانب لپکی تھی۔

"مجھے یقین تھا تم مجھے پہچان لو گی۔ مجھے یقین تھا۔ صاحبہ صوفیہ عرف صوفی۔۔۔" حاشر طنزیہ ہنس دیا۔

اس نے جگہ بدلنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ وہ وہیں کھڑا رہا تھا۔ سرد نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتا رہا تھا۔ وہ اس کے قریب چند قدم کے فاصلے پر آرکی تھی۔ چند گہری سانسیں لے کر خود کو کمپوز کرتی وہ مزید قریب آئی تھی۔ وہ لگ بھگ پچاس کے لگتی تھی۔ لیکن حسین اور جوان دکھائی دیتی تھی۔ سنہرے بال شانوں تک آرہے تھے۔ آنکھیں

بڑی بڑی اور سنہرے رنگ کی تھیں۔ جن میں اس پل بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

"مرحبا!" اس نے بمشکل لہجہ معتدل رکھا۔

"Hello!"

حاشر نے اجنبیت سے کہا۔

"مجھے یقین ہے تم نے مجھے پہچان لیا ہو گا تم بابر خان کے بیٹے ہو؟"

"کیا کسی اجنبی سے ملتے وقت اولین کلمات یہ ہوتے ہیں؟" وہ آہستگی سے ہنسا۔

"خیر میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں لیکن لہجہ بالکل عام سا تھا۔ اس عورت نے بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا جیسے اس کی بات پر یقین نہ آیا ہو۔

"تم کافی دیر سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔"

"حسین عورتوں پر نگاہیں پڑ ہی جاتیں ہیں۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرایا۔ اس عورت کا چہرہ یک دم پھیکا پڑا تھا۔

"کیا تم بابر خان کو نہیں جانتے؟" اس کا لہجہ ناگوار ہوا تھا۔

"نہیں۔۔ میں نہیں جانتا۔ کافی کچھ سنا تھا آپ کے بارے میں۔۔ لیکن آپ نے کافی مایوس کیا مجھے۔۔ ایسے ہر نئے ملنے والے شخص سے ایسے ہی عجیب سوالات کرتی ہیں آپ؟ میں فیشن بزنس کے حوالے سے کسی اچھی گفتگو کی توقع کر رہا تھا۔۔ خیر معذرت۔۔" وہ مغرور انداز میں کہتا ایک طرف سے ہو کر آگے بڑھ گیا۔ وہ عورت بے یقین اور لاجواب سی کھڑی رہ گئی۔ اگلے ہی پل اس کا چہرہ احساسِ اہانت سے سرخ پڑا۔



"تم دونوں موڈ میں نہیں لگ رہے۔" عمش نے شیر کی جانب دیکھتے ہیئزیل سے سوال کیا تھا۔ ہیئزیل نے فقط کاندھے اچکا کر جواب دیا اور پھر شیر کی جانب دیکھا جو پاکٹ وائچ نکالے وقت دیکھ رہا تھا۔

"کیا تم یہ کہنے یہاں آئے ہو؟" شیر نے سرد مہری سے سوال کیا۔ ہیئزیل بے اختیار ہنس دی تھی۔

"نہیں میں تو یہاں اپنی گرل فرینڈ۔"

"گرل تو نہیں ہے وہ۔" شیر نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر اسے تپایا۔

"خیر بوائے تو عمش خود بھی نہیں ہے۔۔۔" ہیئزیل نے شرارتی انداز اپنا کر عمش کی جانب دیکھا۔ عمش نے مصنوعی خفگی کا مظاہرہ کرتے ہیئزیل کو گھورا۔ اور یہی وہ پل تھا جب شیر کی نگاہ ستون کی آڑ سے نکل کر اندرونی حصے کی جانب بڑھتے اس شخص پر پڑی تھی۔ اس کے آس

پاس موجود ہر ایک شے ساکت ہوئی تھیں یہاں تک کہ اس کی دھڑکنیں بھی دھڑکنا بھول گئیں تھیں کچھ لمحوں کی بات تھی وہ اندر کہیں او جھل ہوا تو شیر کو آس پاس کی آوازیں آنا محسوس ہوئیں۔ دل یک دم تیزی سے دھڑکا تھا۔

"یہ یہاں کیا کر رہا ہے؟"

وہ ناگواری سے بڑبڑایا تھا۔

"آہ حاشر!" اس کے اندر یہ جملہ گونجا تھا۔

"چلو نا۔ کہاں گم ہو؟ اب تو عمش بھی ساتھ ہے کیا تم نہیں ملنا چاہتے

تھے اس سے۔۔" ہیزیل نے ہنستے ہوئے اس کا بازو ہلایا۔

"ہاں میں ملنا چاہتا تھا۔ عمر ایک طرف لیکن وہ حسین بہت ہے۔۔" شیر

نے عمش کی جانب دیکھتے طنز کیا۔

"کیا یہ صاحبہ کی بات کر رہا ہے؟" عمش نے کرختگی سے پوچھا۔

"ہاں میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔ ویسے میں نے تو نہیں سنا کہ تم دونوں آفیشلی ریلیشن شپ میں ہو۔ ٹرائے کرنے میں کوئی ہرج نہیں۔"

"کیا تمہارا دماغ خراب ہے۔" عمش اور ہیزیل یک زبانی سے بولے اور دونوں ہی خونی نگاہوں سے اسے گھورنے لگے۔

"نہیں۔ میری نیت خراب ہے بقول تم دونوں کے۔ چلو نا تعارف نہیں کرواؤ گے میرا؟ وہ خود بھی مجھے گھور رہی تھی۔ کافی بدنیت قسم کی عورت لگ رہی ہے۔ مطلب میرے ٹائپ کی۔" وہ لاپرواہی اور بے نیازی سے کہتا آگے بڑھا تھا۔ ہیزیل اور عمش تیزی سے اس کے پیچھے لپکے تھے۔

"دیکھو شیر اگر تم نے کوئی فضول بکواس کی نا اس کے سامنے تو۔"

"کیا تم مجھے دھمکارہی ہو؟" شیر نے اس پر سرد نگاہ ڈالتے سوال کیا۔ ہیزیل یک دم چپ ہوئی۔
"وہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔۔۔"

"کیا تم بھی مجھے دھمکارہے ہو؟ کیا تم دونوں مرنا چاہتے ہو؟" وہ خطرناک حد تک سفاکیت سے بولا تھا۔ عمش نے جواباً غصیلی نگاہ اس پر ڈالی حقیقتاً وہ مرنا نہیں چاہتا تھا۔

"کاش کہ میں تم پر لعنت بھیج سکتی۔۔۔" ہیزیل نے لب بھینچتے کہا۔
"کوشش کر کے دیکھو۔۔۔ تمہیں جہنم نہ بھیجا تو میرا نام بھی شیر نہیں۔۔۔ ویسے بھی یہودیوں کو جنت نہیں ملتی۔۔۔" شیر نے جواباً اسے گھورا۔
"تم جیسے مسلمانوں کو بھی نہیں ملتی۔۔۔" عمش نے اسے لتاڑنا چاہا۔

"تم مسلمان ہو اور مجھے اتنا تو معلوم ہے ایک مسلمان کو جہنم جانے کی اور جنت نہ جانے کی بشارت نہیں دی جاسکتی۔۔ اس کا فیصلہ اللہ کرتا ہے۔۔ لیکن صرف تمہارے دلی سکون کی خاطر کہہ رہا ہوں۔ ایک جنت پہلے ہی میرے پاس موجود ہے۔۔" شیر نے کہتے ہی قدم تیز کر دیے۔ اس کی آنکھوں میں چمکتی شرارت آگے بڑھتے ہی ماند پڑی تھی۔ نگاہوں نے اسے تلاشنا شروع کیا۔ جبکہ ہیزیل اور عمش ہکا بکا چہرہ لیے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔



شیر اسی جانب آیا تھا جہاں اس نے حاشر کو جاتے دیکھا تھا۔ وہ ارد گرد دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اس طرف کیوں جا رہا تھا یا اس کا پیچھا کیوں کر رہا تھا۔ لیکن وہ اسے دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کے دل میں

اس وقت صرف یہی ایک خواہش تھی وہ اس چہرے کو دوبارہ دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کے دل میں اتنی شدید خواہش کبھی نہیں ابھری تھی وہ راہدای طویل نہیں تھی لیکن کافی چوڑی تھی۔ اس پاس کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ابھی وہ مزید آگے جانے کی سوچ ہی رہا تھا جب اسے وہ ریسٹ روم سے نکلتا دکھائی دیا۔ ٹشو پیپر سے منہ صاف کرتے اس نے قریبی ڈسٹ بن میں ٹشو اچھالا اور سامنے کی جانب دیکھا۔

"تمہیں الجھن نہیں ہوتی یوں ہر وقت چہرہ چھپائے رکھنے سے؟ یا کچھ زیادہ ہی پراسراریت سے متاثر ہو۔" حاشر نے کہتے دونوں ہاتھ جیب میں اڑس لیے۔ شیر نے جواب نہیں دیا فقط ایک گہری اندر تک اترتی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ وہ اس سے ایک یا دو سینٹی میٹر قد میں چھوٹا تھا لیکن جسامت شیر سے زیادہ تھی۔ اس کا رنگ شیر کی نسبت زیادہ چمکتا ہوا

تھا۔ اس کے بال شیر کی نسبت چھوٹے تھے۔ پیچھے کی طرف بنے بال اور گردن کے قریب دو نشان یقیناً وہ گولیوں کے تھے۔

"ہر ایرا غیر امیرا چہرہ دیکھ سکے اتنا عام نہیں ہوں میں۔۔" وہ یک دم چڑ کر بولا تھا۔

"کیا خاصیت ہے تم میں؟ کیا تم نے خود کو اس دنیا میں خود اتارا ہے؟" وہ اس سے چند قدم دور کھڑا عام سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اس کا پرسکون اور بے نیاز نرم لہجہ شیر کے لئے بے چینی کا باعث تھا۔

"تم نے جنگ کا اعلان کیا تھا۔ اب ایسے بات کر رہے ہو جیسے دوستی کی تمنا ہو۔" شیر نے اس کے نرم انداز پر چوٹ کی۔ حاشر ہنس دیا۔ اس کی ہنسی میں طنز نہیں تھا۔ لیکن طنز ہوتا تو شیر کو اتنا برا نہ لگتا لیکن اس پل اس کا دل بری طرح تڑپا تھا۔

"تم دونوں میں ایک فرق ہے۔۔" بابر کی آواز گونجی تھی اس کے کانوں میں۔۔

"ایسا نہیں ہے کہ مجھے میرا بڑا بیٹا پیارا نہیں۔۔" شیر نے یک دم سر جھٹکا اور اس کی جانب دیکھا گہری سیاہ اندر تک اترتی نگاہیں شیر پر ٹکیں تھیں۔ شیر نے گہری سانس اندر کھینچی۔

"تمہیں معلوم ہے تم ہستے ہوئے شیطان لگتے ہو۔" شیر نے طنز کیا۔ وہ پھر ہنس دیا اس بار بھی ہنسی طنزیہ نہیں تھی۔

"ہاں مردوں کو میری ہنسی پسند نہیں ہے انھیں میری شیطانی ہنسی سے ڈر لگتا ہے۔ کیا تمہیں بھی؟"

"کیا مجھے ڈرنا چاہیے؟" شیر نے بے ساختہ سوال کیا۔

"تم مجھ سے سوال کر رہے ہو؟ یا کوئی مشورہ مانگ رہے ہو؟ اگر مشورہ مانگ رہے ہو تو میری ایک نصیحت ہے۔۔ ہاں ڈرنا چاہیے۔۔ تمہیں مجھ سے ضرور ڈرنا چاہیے تمہاری یہ ٹولیاں بس کچھ وقت کی مہمان ہیں۔۔"

اب کی بار شیر ہنسا تھا۔ اس کا قہقہہ جاندار تھا۔ وہ یوں ہی خاموش ہو کر اسے دیکھتا رہا۔ ایک پل کو دل نے خواہش کی کہ ماسک چہرے سے ہٹے اور وہ اس کا چہرہ دیکھے۔

"تم یہاں میرے پیچھے آئے ہو۔؟ تم جانتے ہو میں جی ایف ایس آر کا ڈائریکٹر ہوں تم جانتے تھے کہ آج کے دن یہاں کیا ہونے والا ہے۔۔ کون کون آنے والا ہے۔۔ یہاں داخل کیسے ہونا ہے۔۔ یقیناً تم جو شناخت استعمال کر کے یہاں داخل ہوئے ہو بھی نقلی ہے۔۔ اتنا کچھ

جانتے ہو۔ اچھے خاصے ذہین ہو۔ لیکن اس کے باوجود تم یہ نہیں جانتے کہ تمہارا اصل دشمن کون ہے؟"

"میں نے کب کہا تم میرے دشمن ہو؟ اور کس کتاب میں لکھا ہے جنگ صرف دشمنوں سے کی جاتی ہے۔" وہ اطمینان سے بولا۔

"یقیناً تم کہو گے جنگ خود سے بھی لڑی جاتی ہے۔ یا پھر۔"

"معذرت ڈائریکٹر صاحب یہاں میں سقراط بن کر نہیں آیا۔"

"پھر کیا بن کر آئے ہو؟" شیر نے مسکراتی نگاہوں سے سوال کیا۔

"Dark eye"!

وہ لہجے کو پراسرار بنا کر کہتا آگے بڑھنے لگا۔ شیر نے اس کے پیچھے قدم بڑھائے۔

"مزید میرا پیچھا کرنے کے بجائے جا کر تقریب جاری رکھو۔" اس نے مخصوص انداز میں کہا تھا۔

"اتنا حسین چہرہ لے کر گھوم رہے ہو اس امید کے ساتھ کہ کوئی پیچھا نہیں کرے گا۔" وہ شرارتی انداز میں بولا تھا۔ حاشر یک دم رکا اور پلٹ کر گہری نگاہ اس پر ڈال کر ہنس دیا۔

"کیسا ہوگا اگر سب جان جائیں۔۔ کہ جی ایف ایس آر کا ڈائریکٹر ایک مرد کے پیچھے ہاتھ روم جا کر اس پر ڈورے ڈال رہا تھا۔"

شیر کی یک دم ہنسی چھوٹی۔

"چیلنج کر رہا ہوں ایسا کر کے تو دکھاؤ۔ میں بھی تو دیکھوں کیا چیز ہے ڈارک آئی۔۔ مستی کی مستی ہو جائے گی اور ادراک کا ادراک۔۔"

"مستی؟ کیا ہم کنڈر گارڈن میں ہیں؟" حاشر نے سوال کیا۔

"مجھے لگا تم ادراک کا پوچھو گے.."

"تمہیں ایسا کیوں لگا؟ کیا ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟ یا تم مجھے باقی

لوگوں کی طرح ایک آسان کھیل سمجھ رہے ہو۔"

"میں تمہیں آسان سمجھ رہا تھا پر تم نہیں ہو۔ تم دلچسپ ہو۔"

"اتنی دلچسپی نہ لے لینا۔ مشکلیں کبھی بھی بڑھ سکتی ہیں۔" حاشر نے

خبردار کیا۔

"کس کی میری یا تمہاری؟"

"کیا اس سوال کی ضرورت تھی؟"

"ہاں تھی۔ کیا تم مجھے آسان کھیل سمجھ رہے ہو؟" شیر کی نگاہوں میں

سلگتا سا احساس جاگا۔

"تم کوشش کر رہے ہو کہ میں تمہیں ایک آسان کھیل سمجھوں لیکن تم کتنے شاطر ہو میں جانتا ہوں۔ یقیناً ہم دونوں جانتے ہیں ہمارا مقابلہ کیسا ہوگا۔" حاشر نے سنجیدگی سے کہا۔

"تمہارا یہ لہجہ زیادہ ہاٹ ہے۔۔ نہیں کول کہنا بہتر رہے گا۔۔ لیکن مسٹر ڈارک آئی۔۔ اب سامنے آ ہی رہے ہیں تو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ میری شاطری کا مقابلہ کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔۔"

"اور میں "ہر کسی" نہیں۔۔" حاشر کا جواب بے ساختہ تھا۔

"یہ تو وقت ہی بتائے گا لیکن میں لینے پر آمنا ہوں تو مقابل کے پاس کچھ نہیں بچتا۔۔"

"اور اگر مقابل کے پاس پہلے سے ہی کچھ نہ ہو۔ پھر کیا لیتے ہو؟ ہم۔ کیا چھین سکتے ہو تم؟"

شیر کے پاس دینے کو کوئی جواب نہیں تھا۔ حاشر کا وہی پرسکون بے نیاز سا انداز۔

"لیکن تمہارے پاس کھونے کو بہت کچھ ہے۔" حاشر نے جیسے اس کی معلومات میں اضافہ کیا ہو۔ شیر نے طنزیہ ہنکارا بھرا۔

"زیادہ سے زیادہ کیا چھین لو گے مجھ سے تم؟" شیر نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"کوشش کروں گا اس کا جواب تمہیں جلد از جلد دے سکوں۔" وہ کہہ کر آگے نہیں بڑھا تھا بلکہ مخالف سمت کی جانب چل دیا۔ شیر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں گہری سوچ پروان چڑھتی دکھائی دی۔



رات اپنے عروج پر آپہنچی تھی۔ سردی میں بھی اضافہ ہوا تھا۔ ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ حاشر نے گاڑی ڈرائیور سمیت واپس بھیج دی تھی۔ اس نے کپڑے تبدیل نہیں کیے تھے۔ ہاتھ میں بیگ تھا وہ ناک کی سیدھ میں چل رہا تھا۔ وہ راستوں سے واقف لگتا تھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ کچھ دیر قبل شیر سے ہونے والے ٹاکرے نے اس کا ذہن الجھا دیا تھا۔ ہر چیز ایک ایک کر کے اس کے ذہن میں ابھرتی معدوم ہو رہی تھی۔ پرانے منظر نئے نئے زاویے سے ابھر کر اسے بے چین کر رہے تھے۔

"ایسا کیسے ممکن ہے کہ ایک عورت آپ کے ساتھ کھیلتی رہے اور آپ کھلونا بنے رہیں؟ کیا آپ کا اس میں کوئی کردار نہیں تھا؟"

سب جانتے ہوئے بھی جانے کیوں چبھن کیوں اٹھتی تھی۔ سب سمجھ کر بھی دل نہیں سمجھنا چاہتا تھا۔ شکوے رہ رہ کر سر اٹھاتے تھے۔

"تھا شاید! کردار تھا تبھی تو اس قدر برباد ہوا میں۔ کیا تھا میرا کردار میری بربادی میں؟ کیا میں چاہتا تھا کسی ہوس پرست عورت کے ساتھ کوئی تعلق رکھوں؟ وہ کوئی عام عورت تو نہیں تھی جس سے میں۔۔۔"

"کتنی خطرناک ہو سکتی ہے وہ عورت؟ کیا کر سکتی تھی وہ؟ منع کر دیتے نا آپ۔۔۔" حاشر کو اپنا تلخ لہجہ یاد آیا۔

"مجھے تو یاد بھی نہیں تھا ایسا کب ہوا کیسے ہوا۔ شاید تم بھی اپنی ماں کی طرح کبھی نہ سمجھ پاؤ۔ میں تمہیں تمہاری ماں کی طرح زبردستی خود پر یقین کرنے کا نہیں کہوں گا بیٹے۔ خیال رکھنا اپنا اور اپنی ماں کا۔" حاشر

نے گہری سانس لیتے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتے فون نکالا اور کانٹیکٹ لسٹ کھولی اور ایک نمبر ڈھونڈا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"بابا!" وہ زیر لب بڑبڑایا۔ انگوٹھا اسکرین کو چھونے کے قریب تھا۔ کانپ رہا تھا۔ اس کے دل کی طرح! یہ خود ساختہ جلاوطنی کا نتیجہ تھا وہ جلاوطنی جو ہم رشتوں سے کاٹتے ہیں۔ خود کو الگ کر کے جدا کر کے۔ ہمارے فیصلے ہمارے مزاج جب ان رشتوں کو دور کرنے کی ٹھانتے ہیں تو ایسی ہی جلاوطنی اختیار کر لیتے ہیں پھر زندگی کے کسی موڑ پر دل پلٹنے کا سوچے تو ہماری روح ایسے ہی کانپ اٹھتی ہے۔ رد ہو جانے کے خوف سے۔ یا شاید اس خوف سے کہ مقابل نے اس جلاوطنی کو قبول کر لیا ہو گا۔ ہمارا باب اپنی زندگی کی کتاب سے پھاڑ کر الگ کر دیا ہو گا۔ وہ سانس روکے اسکرین کو دیکھے گیا۔ اس نے یاد کرنے کی کوشش کی آخری دفعہ باپ

سے بات کب کی تھی؟ دس سال پہلے؟ نہیں شاید بارہ سال پہلے۔۔ اس نے گہری سانس لی۔ بارہ سال قبل والی گفتگو بھی کتنی دل چیرنے والی تھی۔

"آپ تو بہت سینہ تان کر میرے بھائی کو اپنے ساتھ لے کر گئے تھے نا؟ کہاں ہے اب وہ؟" نفرت بھرا تلخ لہجہ جو مقابل کی روح تک کو چیر کر رکھ دے۔ اس نے کئی دن تک خود سے سوال کیا تھا۔ اتنے سال بعد باپ سے بات کرتے ہوئے پہلا جملہ یہ ہونا چاہیے تھا؟ لہجہ یہ ہونا چاہیے تھا؟ لیکن اپنے دکھ کبھی اتنے بھاری لگتے ہیں کہ باقی ساری دنیا ہلکی لگتی ہے۔

بابر نے کوئی جواب نہیں دیا تھا لیکن اس کی ہلکی سی سسکی سنائی ضرور دی تھی حاشر کو۔

"بولیں! خیال کیوں نہیں رکھا اس کا؟ کہاں ہے میرا بھائی؟" اس کے لہجے میں زہر تھا۔ دنیا کا سب سے خطرناک زہر جو روحوں کو ختم کرتا ہے۔

"کوشش تو بہت کی تھی بیٹے!" ٹوٹا ہوا دردناک لہجہ تھا۔ حاشر نے تلخ ہنکارا بھرا تھا۔

"اگر آپ جیسے ہی والدین ہونے تھے تو کاش میں کبھی پیدا نہ ہوا ہوتا مجھے آپ دونوں سے شدید قسم کی نفرت ہے۔ آپ دونوں ہی خود غرض اور دنیا کے گھٹیا ترین لوگ ہیں۔ آپ کا بہانہ وہ صاحبہ صوفیہ ہے اور مام کا بہانہ ان کا سو کالڈ مستقبل۔ جس کی مجھے ذرا بھی پروا نہیں میں اپنا خیال خود رکھ سکتا ہوں میں خوش ہوں کہ میں نے آپ دونوں کو نہیں چنا ورنہ آج میں بھی اپنے بھائی کی طرح مر چکا ہوتا۔ وہ نہیں مرا اسے آپ نے اور مام نے مل کر مارا ہے اور اس کے لئے میں آپ لوگوں کو قیامت

تک معاف نہیں کروں گا۔ میرا مشورہ ہے آپ دونوں کو بھی مرجانا چاہیے۔" وہ حلق کے بل اتنی تیزی سے چلا رہا تھا کہ آس پاس کے لوگ حیرت و تعجب سے رک کر اسے دیکھ رہے تھے۔

"بیٹے میرا کوئی قصور۔۔۔"

"بس کریں۔ ایسا کیسے ممکن ہے کہ ایک عورت آپ کے ساتھ کھیلتی رہے اور آپ کھلونا بنے رہیں؟ کیا آپ کا اس میں کوئی کردار نہیں تھا؟"

حاشر نے اسکرین بند کر دی اور چہرہ آسمان کی طرف کرتے آنکھیں بند کر دیں۔ آہ کتنا مشکل ہے یہ۔۔۔ وہ ایک طرف بنے چبوترے پر جا بیٹھا۔ آس پاس دیکھا تو سڑک خالی تھی۔ گھڑی رات کے سوا تین بج رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے صوفیہ کا چہرہ آیا۔ دل میں نفرت کی شدید آگ نے دہکنا شروع کر دیا۔

"آہ۔ زندگی تو بھی کمال کرتی ہے۔" ٹھنڈی سانس بھرتے وہ بڑبڑایا اور زمین کو گھورنے لگا۔ کچھ منٹ گزرتے ہی اس کا فون بجنے لگا اس نے چونک کر اسکرین کو دیکھا۔

"Captain Tooba" اسکرین پر جھلملا رہا تھا۔ اس نے فون یس کر کے کان سے لگایا۔
"مس طوبی؟"
"ٹھیک ہیں آپ کمانڈر؟"

"جی میں ٹھیک ہوں کیا ہوا؟ خیریت آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں؟" اس نے نرمی سے سوال کیا۔ اس کے لہجے میں وہی سکون اور وہی نرمی تھی جو اس کی شخصیت کا خاصہ تھا۔

"میں مس کر رہی تھی آپ کو۔ مجھے نیند بھی نہیں آرہی تھی۔ سوچا

آپ کو کال کر لوں۔ کہاں ہیں آپ؟ واپس کب تک آئیں گے؟"

"نیند کیوں نہیں آرہی تھی آپ کو؟ طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟" اس

نے اسی لہجے میں دریافت کیا۔ چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں

آئی تھی۔ نہ آنکھوں میں کوئی احساس اترتا تھا۔

"جی طبیعت تو ٹھیک ہے میری۔"

"تو پھر ایسا کریں اپنا لپ ٹاپ اٹھائیں اور جو لسٹ میں نے آپ کو کل

بھیجی تھی اسے ذرا تاریخوں کے مطابق سیٹ کر کے دوبارہ تشکیل دیں

میں چار گھنٹے میں آپ سے آکر رپورٹ لوں گا۔ ٹھیک ہے؟ کر لیں گی

نا؟" وہ بیگ لیے وہاں سے اٹھ گیا۔

"جی کمانڈر! اپنا خیال رکھیے گا۔" طوبیٰ نے منہ بنایا تھا۔ اس کے لہجے کی خفگی کو حاشر نے محسوس کرتے سر جھٹکا اور فون بند کرتا جیب میں ڈالے آگے بڑھتا گیا۔ اس کے چہرے پر ہنوز کوئی تاثر نہیں تھا لیکن آنکھوں کی سطح پر رگیں ابھری ہوئی اور سرخ پڑ رہی تھیں۔



وہ کاؤچ سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ گود میں آنسکریم کا باؤل تھا۔ چہرہ بے تاثر تھا۔ کمرے میں اس کے علاوہ ہیزیل موجود تھی جو بے چینی سے کمرے کے گرد چکر کاٹ رہی تھی۔ چہرے پر گھبراہٹ کے آثار تھے۔

"اچانک کیا ہو گیا ہے تمہیں شیر؟"

"آنسکریم نہ کھاؤں میں؟" اس نے نگاہیں اٹھا کر ہیزیل کی جانب دیکھا۔

"لیکن سب انتظار کر رہے ہیں تمہارا۔"

"کرنے دو۔" وہ لاپرواہی سے بولا۔ ہیزیل نے ضبط سے گہری سانس لی اور اس کے قریب چلی آئی۔

"بتاؤ مجھے۔۔ میری طرف دیکھو۔" ہیزیل نے اس کی ٹھوڑی پکڑتے اس کا رخ اپنی جانب کیا۔ شیر اس کی جانب دیکھنے لگا۔ خاموش اور بے تاثر آنکھیں ہیزیل کے چہرے پر ٹکی تھیں۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟" ہیزیل اس کے دیکھنے پر الجھی اور نا سمجھی سے سوال کیا۔

"تم نے کہا میری طرف دیکھو۔" شیر بے نیازی سے کہہ کر دوبارہ آنسکریم کی جانب متوجہ ہوا۔ ہیزیل نے آنکھیں میچ کر سر صوفے کی پشت سے ٹکادیا۔

"Abnormal creature.... Huh" ..

ویسے تم نے مجھے بتایا نہیں تم ایونٹ ہال میں کیا کر رہے تھے؟"
 "ریمپ پر واک کرتی خوبصورت پریاں دیکھنے آیا تھا۔" شیر نے فوراً جواب
 دیا تھا۔

"ماسک کے بغیر؟"

"میں چاہتا تھا خوبصورت لڑکیاں بھی مجھے دیکھیں۔" شیر نے آسکریم کا
 چچ زبان پر پھیرتے کہا اور ہیزیل کی جانب دیکھا۔ چہرہ اور آنکھیں ہنوز
 بے تاثر تھیں۔

"آہ۔۔۔ تم۔۔۔ شیر۔۔۔" ہیزیل بری طرح زچ ہو رہی تھی۔ وہ ہمیشہ یہی
 کرتا تھا۔

"تم اس لیڈی سے ملنے کے لیے اتنے بے تاب تھے لیکن اسے نظر انداز
 کرتے ریسٹ روم کی جانب چلے گئے۔۔۔ درجنوں لوگ تم سے ملنے کے

منتظر باہر کھڑے ہیں ان سب نے اس تقریب میں شرکت کے لئے بڑی بڑی سفارشیں کروائیں ہیں شیر! رات گزرتی جا رہی ہے۔ باہر بین الاقوامی میڈیا تمہاری ایک جھلک کے لئے کھڑا ہے۔ تم یہاں بیٹھے آسکریم کھا رہے ہو؟ کیا ایک گلوبل ٹائیکون کا یہ رویہ ہوتا ہے؟

"تم مجھے تنگ کر رہے ہو۔۔۔"

وہ تنگ ہو کر دبے دبے لہجے میں چلائی تھی۔ شیر نے جیسے اس کی باتیں سنی ہی نہ ہوں۔ پرسکون اور بے نیاز انداز اپنائے آسکریم کا باؤل ایک طرف رکھا۔

"یہ آسکریم بہت لذیذ۔ کیا ایک اور باؤل مل سکتا ہے؟" اس نے چیخ میز پر بجاتے معصومیت سے سوال کیا تھا۔ ہیزیل ساکت بیٹھی اسے

دیکھتی رہی۔ شیر کے چہرے پر بلا کی معصومیت تھی اس پل۔۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بے ساختہ مسکرا دی۔

"Get me more ice cream please"!

وہ بھی مسکرایا۔ وہی معصومانہ دنیا کو بے وقوف بنادینے والی مسکراہٹ۔ ہیزیل نے گہری سانس لی اور اس کا بازو پکڑ کر اسے کھینچا لیکن بے سود۔۔ وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"Don't act like a little pup"!

ہیزیل نے اس دوبارہ اس کا بازو کھینچا۔
"تم میری ناک کٹواؤ گے۔۔" ہیزیل نے دوبارہ منت کی۔

"تم نے مجھے میرے گرے کی یاد دلادی ہے۔ مجھے روس جانا ہے۔" شیر
یک دم چہک کر بولا۔

"گرے کوئی پی نہیں ہے۔۔ شیر جتنا تو اس کا قد ہے۔۔"

"چپ کرو۔ میرا بچہ ہے وہ۔۔" شیر نے اسے غصے سے گھورا۔ ہیزیل اس کے دلکش تاثرات دیکھتی پھر ہنس دی۔

"اچھا نا اٹھو چلو باہر۔۔" ہیزیل نے کسی بچے کی مانند اسے پچکارا تھا۔

"میں صرف اس حسین عورت سے ملوں گا۔" شیر کہتے ہوئے اٹھا اور میز سے اپنا ماسک اٹھا کر چہرے پر لگایا۔ وہ ایک سیاہ رنگ کا چمڑے کا ماسک تھا جس کے ایک سرے پر پلائینیم سے ایس آر لکھا گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک پل کو دہکتی آگ دکھائی دی تھی۔ ہیزیل کے کہنی مارنے پر اس نے ٹھنڈی سانس بھرتے خود کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کی اور ہاتھوں سے بال ٹھیک کرتا باہر کی جانب بڑھنے لگا۔ ہیزیل تیزی سے قدم بڑھاتی اس کے ہمقدم ہوئی اور اس کا بازو تھام لیا۔



"تو آخر کار ہماری ملاقات ہو ہی گئی۔" صاحبہ صوفیہ متاثر نگاہوں سے اس کے دراز قد اور مغرور آنکھوں کو دیکھ رہی تھی۔ شیر کی لینس لگی آنکھیں اسی پر جمی تھیں۔

"میرے ساتھیوں نے بتایا مجھے۔۔۔ آپ تعارف کروانا چاہتی ہیں اپنا۔" شیر بے نیازی سے بولا۔ ہیزیل نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔ عمش نے بھی طنزیہ انداز میں گردن جھٹکی تھی۔

"ایسا ہی ہے، خطے کے کاروباری حلقوں میں ان دنوں آپ کا نام ہی چلتا ہے۔ لیکن کافی حیرت کی بات ہے ایک اہم صنعت آپ کی توجہ سے محروم ہے گوکہ آپ خود بھی کسی فیشن آئیڈیول سے کم نہیں ہیں۔" وہ

خوبصورتی سے مسکرا رہی تھی۔ ماسک کے پیچھے شیر کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

"ہم سوچ ہی رہے ہیں اس پر۔۔ میں نے کہا تھا نا تم سے۔۔" عمش نے مسکراتے ہوئے صاحبہ کی جانب دیکھا۔ وہ بھی عمش کی جانب دیکھ کر مسکرائی تھی۔

"بالکل! میں اس پر غور کروں گا۔ لیکن مس ہیزیل ہی یہ بزنس مہارت سے سنبھال سکتی ہیں۔ کیوں ہیزیل؟" شیر نے ہیزیل، کی جانب دیکھا۔

"لیکن مس صوفیہ جی ایف ایس آر کے انڈر کسی کمپنی کی بنیاد رکھنے کا کہہ رہی ہیں۔"

"اچھا؟ ایسا ہے؟" شیر نے سرخم دیتے سوالیہ انداز اپنایا۔

"YA dazhe ne dam tebe pustuyu chashku svojego morozhenogo. Nazvaniye kompanii – veshch' dalekaya"

(میں تمہیں اپنی آئس کریم کا خالی کپ بھی نہ دوں۔۔ کمپنی کا نام تو دور کی بات ہے)

وہ مسکراتے ہوئے روسی زبان میں بولا تھا۔ ہیزیل اور عیش نے جھٹکے سے گردن گھما کر اس کی جانب دیکھا۔ ہیزیل نے اس کا بازو دبایا تھا۔

"sorry"?

صوفیہ نے نا سمجھی سے شیر کی جانب دیکھا۔

"کچھ نہیں! مزید کیا کرتی ہیں آپ فیشن انڈسٹری کے علاوہ؟ میں نے سنا

ہے انسانی اسمگلنگ میں آپ کا نام ہے میٹرو پولیٹن پولیس کی لسٹ

میں؟"

عمش کی آنکھیں حیرت اور غصے سے پھیلی تھیں۔ ہیزیل فوراً کھنکھاری۔ صوفیہ کی آنکھیں غصے اور توہین سے سرخ ہوئیں۔

"شیر۔۔ بس کرو۔۔ اسے مذاق کی عادت ہے۔۔" ہیزیل نے فوراً مسکراتے ہوئے وضاحت دی۔

"لیکن میں ہر ایرے غیرے سے مذاق نہیں کرتا۔" شیر نے فوراً ہیزیل کو تنبیہی نگاہوں سے دیکھا جیسے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر رہا ہو۔

"چلو میں تمہیں دوسرے مہمانوں سے ملواتا ہوں۔" عمش کا لہجہ دبا دبا غصہ لیے ہوئے تھا۔ وہ غصے سے بری طرح تپ رہا تھا لیکن وہ لوگوں کے درمیان شیر کے اندر کے جانور کو جگانا نہیں چاہتا تھا۔

"لیکن ابھی ہماری بات ختم نہیں ہوئی؟ کیا میں کچھ دیر اور اس حسین خاتون سے باتیں نہیں کر سکتا؟" اس نے معصومیت سے سوال کیا تھا۔ ہیزیل نے لب بھینچتے عمش کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ عمش نے بمشکل اپنا غصہ ضبط کیا تھا۔

"خیر مزید کیا اسمگل کرتی ہیں آپ؟" شیر کا لہجہ قدرے نرم لیکن سلگتا ہوا تھا۔

"مجھے نہیں معلوم آپ کس بارے میں بات کر رہے ہیں۔" وہ بمشکل لہجے کو معتدل رکھتی بولی۔

"میں آپ کے بارے میں بات کر رہا ہوں لیڈی صوفیہ! ویسے سنا ہے پاکستانی مرد جنون کی حد تک پسند ہیں آپ کو؟ دراصل میرے والد کا تعلق بھی پاکستان سے ہے۔۔ اور وہ ہیں بھی سنگل۔۔" شیر ہلکا سا ہنسا تھا۔

عمش کی آنکھیں پل پل غصے اور شرمندگی سے سرخ پڑ رہی تھیں۔ ہیزیل خفت زدہ چہرہ لیے کھڑی تھی۔

"پلس پوائنٹ یہ ہے کہ عمش سے زیادہ ہینڈ سم ہیں میرے والد۔" آخری جملا ادا کرتے وہ دانستہ طور پر صوفیہ کے قریب ہوا اور سرگوشی کرتے پھر ہنس دیا۔

"مجھے چلنا چاہیے۔" وہ سفید پڑتا چہرہ لیے بولی اس کا لہجہ کیکپاہٹ کا شکار تھا۔ شیر کی آنکھوں میں سفاکیت کی جھلک لیے کمینی سی مسکراہٹ تھی۔ جیسے وہ جی بھر کر محفوظ ہو رہا ہو۔

"آپ کمپنی میں انویسٹمنٹ کی بات کر رہی تھیں؟" شیر نے پھر سوال کیا۔ وہ کچھ نہ بولی فقط خاموشی سے اس کی جانب دیکھتی رہی۔ شیر بھی خاموش سا اسے دیکھتا اس کے جواب کا منتظر تھا۔

"ضرور آپ نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ خیر اچھا کیا ہے۔ دراصل میری کمپنی میں تھرڈ کلاس عورتوں کی جگہ۔"

"شیر۔۔۔" عمش اب کے غرایا۔

"تمہاری ہمت کیسے۔۔۔"

"شششش۔۔۔" شیر درمیان کا فاصلہ ختم کرتے اس کے بالکل قریب ہوتا جھکا تھا۔

"سکون کی زندگی گزارنا چاہتی ہو تو بھول کر بھی کبھی میرے یا میری کمپنی کے آس پاس آنے کی سوچنا بھی مت۔۔۔ زمین سے ستر فٹ نیچے لے جا کر دفن کروں گا صدیوں تک کوئی تمہاری ہڈیاں تک دریافت نہیں کر پائے گا! ضرور بابر خان کے بڑے بیٹے نے تمہارے سوال کا جواب نہیں دیا ہو گا۔۔۔ لیکن میں ہمیشہ سے کہنا چاہتا تھا۔ میں شریم بابر

خان ہوں جسے دنیا شیر روح سیاہ کے نام سے جانتی ہے۔ روح سیاہ۔ "خطرناک حد تک سرد لہجے میں کہتا وہ پیچھے ہٹا اور پلٹ گیا۔ صوفیہ پتھر کا بت بنے کھڑی تھی۔ عمش اور ہیزیل عجیب شش و پنج میں گھرے تھے۔



پہلے کی نسبت شیر اب بالکل پرسکون نظر آرہا تھا۔ بالوں کے ہاتھ سے سمیٹتا وہ ایک جانب صوفے پر بیٹھا تھا۔ دفعتاً ایک قد آور شخص اس کی جانب آیا۔ وہ تیس کے لگ بھگ کا سانولی رنگت اور پرکشش نقوش کا حامل تھا۔

"ایلن دبوس!"

"ایس آر!" شیر کا لہجہ نرم تھا۔ وہ شیر کے سامنے والے صوفے پر بیٹھا اور آہستگی سے مسکرایا۔ شیر کی آنکھیں بھی مسکرائی تھیں۔

"میں کافی دیر سے انتظار کر رہا تھا۔"

"مجھے اندازہ ہے۔" شیر نرمی سے بولا۔

"مجھے آپ سے ملنے کا کہا گیا تھا۔" وہ ذرا ہچکچایا تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" شیر نے سوال کیا۔

اس نے آس پاس دیکھتے کنپٹی کھجائی اور مزید قریب ہوا۔

"نور الاسد!"

"تمہارا نام بہت خوبصورت ہے۔"

"شکریہ کمانڈر!" وہ جھینپ کر مسکرایا۔

"کب سے کام کر رہے ہو؟"

"میں چار سال سے۔۔ آپ؟"

"پندرہ سال سے۔۔" شیر نے کہا۔

ایلن بری طرح چونکا۔

"پندرہ سال؟"

"حیران کیوں ہو؟" شیر آہستگی سے ہنستا اپنے دستانے اتارنے لگا۔

"مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ مسلمان ہیں۔ میں آپ سے پچھلے چار

سالوں سے ملنا چاہتا تھا۔ لیکن مجھے اجازت نہیں مل رہی تھی۔ میں صرف

اتنا جانتا تھا کہ آپ دنیا کے مشہور بزنس مین ہیں مجھے کچھ عرصہ قبل ہی

معلوم ہوا کہ آپ کمانڈر ہیں۔ کیا آپ کبھی سائبیریا آئے ہیں؟ میں

سائبیریا سے ہوں بارہ سال کی عمر میں ایک گینگ کے ہتھے چڑھ کر دبئی

لایا گیا تھا۔ مجھے کبھی بھی امید نہیں تھی کہ میری زندگی کبھی ایسا موڑ

لے گی۔۔ میں آغاز میں کافی ڈرا ہوا تھا مجھے لگا میں مارا جاؤں گا۔۔" وہ جذباتی انداز میں کہتا چپ ہوا اور پھر یک دم شرمندہ ہوا۔
 "اوہ میں کیا باتیں لے۔۔"

"نہیں۔۔ نہیں بولو۔۔ میں سن رہا ہوں۔" شیر مسکرایا۔
 "کیا آپ کو کبھی ڈر نہیں لگا؟ آپ تو ایک بہت بڑی شخصیت ہیں۔ جتنا سنا تھا اس سے زیادہ پر اثر ہیں آپ۔۔ یہاں سب ہی آپ کے متعلق باتیں کر رہے ہیں اور ہر کوئی آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔" وہ متاثر تھا۔
 شیر آہستگی سے ہنس دیا۔
 "مجھے ڈر کیوں لگے گا؟"

"میرا مطلب آپ کا تعلق تو دنیا مختلف لوگوں سے ہے۔۔ اور آپ کا بزنس۔۔"

"فرق نہیں پڑتا۔ تمہارا بزنس کیا ہے؟"

"میری ہوٹلز کی چین ہیں عرب امارات میں۔ مجھے آپ سے ملنے کا کہا گیا تھا۔"

"میں تمہارے کاروبار میں سرمایہ کاری کروں گا۔" شیر نے جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنا کارڈ نکالا اور اس کی جانب بڑھایا۔ اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں۔

"واقعی؟ کوئی ڈیلیوری وغیرہ۔ میرا مطلب۔"

"نہیں! ہم بزنس کریں گے باقی کی باتیں کسی بزنس میٹنگ میں۔" شیر اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کا کاندھا تھپتھپایا۔

"اس کارڈ کی پشت پر میرا ذاتی نمبر ہے۔ مجھ سے پہلے اس پر رابطہ کرنا۔"

"شکریہ کمانڈر!"

"لیکن یاد رہے بزنس ذاتی مفادات کے لئے نہیں ہوگا۔"

"جی جی۔ کمانڈر میں سمجھتا ہوں۔"

ایلن بھی فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور جھک کر اس سے ہاتھ ملایا۔ شیر جو اپنے دستانے پہن رہا تھا اس سے ہاتھ ملا کر آگے بڑھ گیا۔



اس نے اندر داخل ہوتے اپنا بیگ وہیں رکھا اور جھک کر جوتے اتارنے لگا۔ اسی پل طوبی لیونگ روم سے ہوتی گیٹ کے پاس آئی۔ حاشر پر نگاہ پڑتے وہ ٹھٹکی تھی اور فوراً ہی زیر لب ماشاء اللہ کہتی دے لہجے میں مسکرائی اور اس کے ہاتھ سے شاپر لیا۔

"کیسی ہیں؟" جوتے اتارتا بیگ لئے وہ اندر کی جانب بڑھا۔

"ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں کمانڈر! طوبیٰ نے آنکھیں موند کر اس کے وجود سے اٹھتی خوشبو اندر اتاری اور لب بھینچتی اس کے پیچھے اندر آئی۔

"یہ کیا ہے؟" طوبیٰ نے شاپر کھولتے پوچھا۔

"مجھے لگا ہی تھا کہ آپ جاگ رہی ہوں گی۔ کافی اور کوکیز ہیں۔۔ باقی سب سو رہے ہیں؟" حاشر کہتے اپنا کوٹ اتارنے لگا۔

"کمانڈر ایک منٹ پلیز۔ کیا میں آپ کی ایک پکچر لے سکتی ہوں؟" وہ نچلا دب دانتوں میں دبائے شرمندہ انداز میں بولی۔

"جی؟" حاشر نے الجھ کر سوال کیا۔

"پکچر؟ آپ کی؟"

"کیوں؟" اس نے کوٹ نہ اتارا وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔

"پہلے پکچر لے لوں؟" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ حاشر نے اثبات میں گردن ہلائی طوبی تیزی سے اندر کی جانب بھاگی۔ حاشر نے آہستگی سے سر جھٹکا اور کافی کا ایک ڈسپوزل گلاس نکال کر لبوں سے لگایا۔



"کیا اتنا بھی پیارا ہوتا ہے کوئی اللہ!" طوبی پر جوشی سے بڑبڑاتی اپنے بیگ سے کیمرہ نکال رہی تھی۔

"میں صدقے۔۔" طوبی پر اشتیاق سی حاشر کو تصور میں لائے خوشی سے چہک رہی تھی۔

"اف۔۔ کہیں ان کا موڈ نہ بدل جائے۔۔ ویسے کمانڈر بھی جانے کیا سوچتے ہوں گے؟ لیکن فی الحال اگر میں یہ سوچنے لگتی تو مجھے کمانڈر کی ایسی تصویر پھر کبھی نہ ملتی۔۔ آخر کار میرے پاس کوئی انتخاب نہیں

تھا۔ "وہ اپنے آپ سے باتیں کرتی باہر لیونگ روم میں آئی جہاں وہ کافی پیتا فرش کو گھور رہا تھا۔

"Ah.. Let it be a random click" ..

طوبیٰ نے آگے بڑھنے کی بجائے وہی رک کر کیمرہ سیٹ کیا اور حاشر کی تصویر بنائی۔ فلیش پر حاشر چونکا۔

"بنالی؟ میں فریش ہو جاتا ہوں۔" وہ اپنے مخصوص نرم انداز میں کہتا کافی کاکپ لیے اٹھنے لگا۔

"دیکھیں گے نہیں کہ کیسی آئی ہے؟" طوبیٰ نے مسکراہٹ چھپاتے پوچھا۔ حاشر جواب دیے بغیر کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ طوبیٰ نے اختیار مسکراتی صوفے پر اچھلی تھی۔

"کاش میں بھی ایک ان کے ساتھ لے لیتی۔ لیکن وہ اور عجیب لگتا۔" طوبیٰ یک دم اداس ہوئی پھر فوراً ہی آنکھیں چمک اٹھیں اس نے کیمرے میں لی گئی حاشر کی دونوں تصویریں باری باری دیکھیں پھر مسکراتے کافی کاکپ نکالنے لگی۔

"پتا نہیں کتنی لڑکیوں نے انھیں دیکھا ہوگا۔ وہاں وہ رشین بیوٹی کوئن بھی تھی۔ اس نے بھی دیکھا ہوگا۔ میرے کمانڈر ہیں ہی اتنے شاندار کوئی چاہ کر بھی نظر انداز نہیں کر پایا ہوگا۔" وہ منہ بسورے بڑبڑا رہی تھی۔

"یقیناً وہاں موجود تمام مردوں میں سب سے زیادہ کلاسی میرے کمانڈر تھے۔" وہ پھر پر جوش ہوئی۔ وہ اپنے آپ سے باتیں کرتی مسکراتی تو کبھی منہ بسورے ہوتی بڑبڑانے لگتی لیکن اس کے پھولے گالوں کی سرخی اور

بڑی بڑی آنکھوں کی نایاب سی چمک اسے اس پل دنیا کا سب سے انوکھا اور خوبصورت رنگ دے رہی تھی۔ اس کے بھورے شانوں تک کٹے بال اس کے چہرے پر تھے جنہیں وہ عادتاً بار بار کانوں کے پیچھے اڑتی تھی۔



برج الخلیفہ کے آس پاس دور دور تک سخت سیکیورٹی نافذ کر دی گئی تھی۔ متعین کردہ حدود تک صحافیوں کا جم غفیر تھا۔ ایسا دن سالوں میں آتا تھا۔ براہ راست شیر ایسی تقاریب میں صحافیوں کے سامنے بہت کم آتا تھا۔

"جی باس! نہیں سیکیورٹی سخت ہی ہے۔" عیش گھبرا یا ہوا لگ رہا تھا۔
"کس نے کہا تھا پبلک میں نکلنے کا اسے۔"

"کہاں سنتے ہیں ماسٹر میری۔" عمش نے دل ہی دل میں شیر کو گالیوں سے نوازتے بظاہر بے بسی سے کہا۔ نگاہیں باہر ہر طرف پھیلے جی ایف ایس آر کے گارڈز پر تھی۔ تب ہی ایک جانب سے ڈینیل دوڑتا آیا۔ کان میں مائیکروفون لگا تھا۔

"ماسٹر میں اندر آؤں؟"

"ہاں اندر آجاؤ۔"

"کہاں جارہے ہو؟" عمش نے اس سے سوال کیا۔

"ماسٹر کو کمپنی دینے۔ پورے چار سال بعد وہ میڈیا کا سامنے کرنے والے ہیں۔ اور آپ کو تو پتا ہے نا ان کو کیمرے کے سامنے میرے جیسے ہینڈسم بندے کی کمپنی چاہیے۔"

"تم بھی اپنے ماسٹر کی طرح خود پسند ہو۔"

"ان کے جیسا نہ ہوتا تو ان کے ساتھ کیوں ہوتا۔" اس نے دانت دکھاتے کہا۔

"چلو اندر جاؤ۔۔ روسی بیرے۔۔"

"او کے جاتا ہوں۔۔ عربی اندھے گھوڑے۔۔" وہ آنکھ دباتا اندر کی جانب بڑھا۔ عمش بے اختیار ہنسا۔ ڈینیل اپنا کوٹ درست کرتا اندر کی جانب بڑھا۔

اندر ایک ہال میں شیر کھڑا نظر آرہا تھا۔ قریب ہی ہیزیل کھڑی تھی۔
"میں آگیا ماسٹر!"

"اچھا کیا!" شیر گہری سانس لیتے کہا۔

"ڈیڈ تمہارے فیصلے سے ہرگز خوش نہیں ہیں۔ لیکن میں ایکسائیٹڈ ہوں۔ ہمارے رشتے پر دوبارہ اچھی کاروباری دوست والا بیان مت دینا۔" ہیزیل نے اسے خبردار کیا۔

"اچھا!"

"تمہارا اچھا مشکوک ہے ایس آر۔"

"میں بھی مشکوک ہوں۔ میں تمہارا منہ بولا بھائی ہوں۔"

"بکواس مت کرو۔" ہیزیل نے اس کی پسلی میں کہنی رسید کی۔ شیر نے اسے گھورتے اپنا موبائل جیب میں ڈالا۔

"ڈیڈ کی کال آرہی ہے دوبارہ!"

"تمہارے باپ کو سکون نہیں ہے۔" شیر نے منہ بنایا۔

"لگتا ہے کمپنی کی پوری سیکیورٹی فارسز کو یہیں بھیج دیا ہے۔" شیر نے گلاس وال سے باہر جھانکا۔

"جی ڈیڈ! میں نے تو نہیں کہا تھا۔"

"جھوٹ بول رہی ہے یہ۔ اسی نے شو آف کرنے کے لئے میڈیا زرائع کو اطلاع دی ہے۔" شیر بلند آواز میں بولا۔ ہیزیل نے ساکت ہو کر اسے دیکھا اور زیر لب اسے ایک گالی سے نوازا۔

"وہ کوئی کھلونا نہیں ہے ہیزیل! جانتی ہو تم اسے کتنی سیکیورٹی تھریٹس ہیں۔" گولڈن سخت لہجے میں کہہ رہا تھا۔
"لیکن ڈیڈ۔"

"تم سے میں اس بارے میں بات کروں گا۔ لڑکے کو فون دو۔ وہ میرا فون کیوں نہیں اٹھا رہا۔" گولڈن نے خفگی سے کہا۔

"ڈیڈ بات کرنا چاہتے ہیں۔" ہیزیل نے کٹیلے لہجے میں کہہ کر اپنا فون اس کی جانب بڑھایا۔

"Shut it! I don't wanna talk right now!"

شیر نے فون پیچھے کرتے کہا۔
"پہلے ہی ان کا موڈ آف ہے۔" ہیزیل نے دوبارہ فون اس کی جانب بڑھایا۔

"As if I care" ..

شیر نے سر جھٹک کر رخ پھیر لیا۔
"سر سکیورٹی کلیرنس ہو چکی ہے اب آپ لوگ آسکتے ہیں" اسی پل سکیورٹی ہیڈ نے آکر ڈینیل سے کہا۔ شیر نے ہیزیل کو اشارہ کیا اور باہر کی جانب بڑھنے لگا۔ ہیزیل نے ٹھنڈی سانس لی اور تیزی سے اس کے

ہمقدم ہوئی اور اس کے بازو میں ہاتھ ڈال لیا۔ ان کے باہر نکلتے ہی گارڈز نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا۔ لاتعداد کیمروں کی روشنیاں ان پر پڑ رہی تھیں۔ شیر نے سیدھے ہاتھ سے اپنے پیشانی سے بال سنوارتے ہاتھ اٹھا کر جیت کا نشان بنا کر کیمروں کی جانب دیکھ کر ہاتھ ہلایا ہیزیل نے بھی کیمروں کی جانب دیکھ کر مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا تھا۔ کچھ آگے جانے پر میڈیا کے بڑے بڑے نام سامنے آئے تھے۔

"مسٹر ایس آر اس میڈیا پرسیٹوئس کی کوئی خاص وجہ؟"

"کافی عرصے بعد ملاقات پر ہال چال پوچھا جاتا ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

اس کے جواب پر بے اختیار قہقہے گونجنے لگے۔

"اس بار آپ کس نئی صنعت پر سرمایہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

"جہاں مجھے لگے گا جی ایف ایس آر کو ہونا چاہیے میں اسے وہاں لے کر جاؤں گا۔ اگلا ارادہ فضاؤں میں اس نام کو لے جانے کا ہے۔"

"مس ہیزیل آپ کا نام بھی فیشن انڈسٹری میں دن رات اونچائی کی جانب بڑھ رہا ہے۔ حال ہی میں آپ نے کاسمیٹکس کی جانب قدم بڑھایا ہے۔ جی ایف ایس آر کے مین بزنس سے دست برداری کا ارادہ ہے۔"

"ہاہا۔ نہیں۔۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ تیسری چوتھی منزل پر پہنچ کر عمارت کی نچلی منزلیں توڑ دی جاتی ہیں؟"

"مسٹر ایس آر آپ اور مس ہیزیل کی جوڑی کو بزنس ورلڈ میں کافی پسند کیا جاتا ہے اس بارے میں کیا کہیں گے۔"

"ہم اچھے بزنس فرینڈز ہیں۔۔ میں دوستیاں رکھنا پسند کرتا ہوں۔"

ہیزیل نے بمشکل تاثرات معتدل رکھے دل ہی دل میں شیر کو خوب گالیوں سے نوازا جا رہا تھا۔

"سنا ہے آپ کو کلبنگ کا بھی شوق ہے پر مشہور ہے آپ شراب نوشی نہیں کرتے۔"

"ہاں میں شراب نوشی پسند نہیں کرتا۔"

"تو پھر کلبز؟" ایک صحافی نے ہنستے ہوئے سوال کیا۔

"وہاں میں خوبصورت لڑکیاں دیکھنے جاتا ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے

بولا۔ ایک بار پھر ہنسی کا طوفان اٹھا تھا۔ ہیزیل نے بھی مصنوعی قہقہہ لگایا تھا۔

"سر آپ اپنا چہرہ دکھانا کب پسند کریں گے؟"

"مجھے آپ کا چہرہ یاد ہے چار سال پہلے بھی آپ نے یہی سوال کیا تھا۔ چار، سال گزر گئے ہیں ضرور آپ میرا جواب بھول چکے ہوں گے۔۔ دراصل بات یہ ہے کہ میں نہیں چاہتا میری غیر معمولی خوبصورتی دیکھ کر کوئی احساس کمتری کا شکار ہو جائے۔" اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ سب پھر ہنس دیے تھے۔

"آپ کے حوالے سے مشہور ہے آپ غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل انسان ہیں؟"

"نہیں نہیں میں سانس لیتے ہوئے آگ نہیں اگلتا۔ نہ آنکھوں کے اشاروں سے لوگوں کو پتھر بناتا ہوں۔" شیر نے مسکراتے لہجے میں کہا تھا۔

ڈینیل نے بمشکل تاثرات سنجیدہ رکھے ہوئے تھے ورنہ اسے اس وقت زور سے ہنسی آرہی تھی۔

"آپ کے اڈاپٹنگ فادر گولڈن فاکس کے حوالے سے مشہور ہے کہ وہ زائنوسٹ لابی میں انویسٹنگ کرتے ہیں۔"

"میں پہلے دفعہ آپ کے منہ سے سن رہا ہوں۔ میں سخت کاروباری اصولوں کا پابند ہوں ایسے معاملات پر توجہ نہیں دیتا۔ لیکن ذاتی طور پر شدت پسند تنظیموں کے خلاف ہوں۔"

"آپ خود بھی یہودی کاروباری شخصیات سے تعلقات اچھے رکھنے میں دلچسپی نہیں رکھتے۔ کیا یہ سچ ہے۔"

"میرا پرسنل اسسٹنٹ ڈینیل بھی یہودی ہے۔"

"Denial say hi"!

شیر نے ڈینیل کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ ڈینیل نے مسکراتے ہوئے
واقعتاً "hi" کہا۔ مجمع ایک بار پھر قہقہوں سے گونج اٹھا۔

"ضرور یہ بیان ڈیوڈ میکرون اور خالد عرب نے دیا ہے۔ لگتا ہے وہ سفارش
رد ہونے پر خفا ہو گئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟ کیا آپ ڈیوڈ میکرون اور محمد خالد کی سفارشیوں رد کر چکے
ہیں؟"

"نہیں میرا مطلب یہ ہے کہ میں سفارشیوں قبول نہیں کرتا۔ کاروبار اپنے
بل بوتے پر کیا جاتا ہے۔ سفارشوں کی بنیاد پر نہیں۔ میرے تمام
حریفوں اور حامیوں کو میری نیک تمنائیں۔۔۔ آج کے لئے بس اتنا
ہی۔۔۔" شیر نے ڈینیل کو اشارہ کیا۔ راستہ خالی ہوتا گیا۔ شیر مضبوط چال

چلتا آگے بڑھتا گیا۔ ہیزیل بھی اس کے ساتھ ہی آگے بڑھی تھی۔ وہ ہنوز کیمرے کی روشنیوں کی زد میں تھے۔ شیر ماسک کے پیچھے مسکرایا۔ "کیا تمہیں ان دونوں کے نام لینا ضروری تھا؟" ہیزیل نے خفگی سے کہا۔ "ہاں! جاپان والے ٹرپ پر خالد نے مجھ سے بد تمیزی کی تھی۔ ڈیوڈ نے ڈینیل سے بد تمیزی کی تھی۔ کیا تمہارے ساتھ بھی کسی نے مس بی ہیو کیا ہے؟"

Let me know! I will kick them out from bussiness world" ..

شیر نے آنکھ دباتے کہا۔ ہیزیل نے تھکن زدہ سانس خارج کرتے سر سیٹ کی پشت سے لگا دیا۔

"تمہارے ساتھ گزارہ کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔"

"اس کے باوجود تم سال میں بارہ سو مرتبہ مجھے پروپوز کرتی ہو ہیزیل!"
شیر نے بے ساختہ جواب دیا۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا ڈینیل اب کی بار اپنا
قہقہہ نہیں روک پایا۔

"ڈینیل کیا تم مرنا چاہتے ہو؟" ہیزیل دھاڑی۔

"I m sorry madam!"

ڈینیل فوراً شرمندہ ہوا۔ شیر نے بھی سیٹ کی پشت سے ٹیک
لگالیا۔ ہیزیل پیشانی پر کئی بل لیے بیٹھی تھی۔



حاشر پروجیکٹر کے سامنے کھڑا تھا۔ بال پیچھے کی طرف کئے سفید ہائی نیک
اور خاکی رنگ کی ڈھیلی پتلون پہنا ہوا تھا۔ طوبی کی ساری توجہ پروجیکٹر پر
نظر آنے والی فائل کی پروفائل پر تھی۔ جہاں "حاشر بابر خان" انگریزی

حروف میں لکھا دکھائی دے رہا تھا۔ صوفوں پر ٹیم کے باقی ارکان بھی بیٹھے نظر آرہے تھے۔

"جیسا کہ مجھے امید تھی اللہ کے کرم سے ویسا ہی ہوا پہلے ہم ایس آر کی بات کریں گے۔ اس نے پندرہ سالوں میں فقط چھ دفعہ صحافیوں کا سامنا کیا ہے۔ کل رات ساتویں دفعہ اس نے میڈیا پر بیان دیا ہے۔ یہ سنیں۔"

حاشر نے شیر کا بیان چلایا۔

"اس کے جوابات نوٹ کر لیں سب!" حاشر نے کہا۔ ان سب نے اپنی اپنی نوٹ بک سنبھال لی۔

حاشر لپ ٹاپ میں کچھ دیکھنے لگا۔

"یہ تین منٹ کی گفتگو ہے اب آپ سب اس بیان پر اپنا اپنا نظریہ پیش کریں۔" حاشر قریبی اسٹول کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"مجھے ایک بات سمجھ نہیں آئی۔ ڈیوڈ میکرون اور خالد عرب تو اس کی اپنی کمپنی کے لوگ نہیں ہیں؟ کیا اس نے اپنا نقصان نہیں کیا انھیں میڈیا کے سامنے یوں ظاہر کر کے۔" اریب نے کہا۔

"اس وقت جی ایف ایس آر دنیا کی سب سے بڑی پرائیویٹ لمیٹڈ ہے۔ دنیا بھر کے کئی ممالک اس سے فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔ اور ڈیوڈ میکرون جیسے ٹانکوں بھی ایس آر کے سامنے زرہ برابر ہیں ان کے نہ ہونے سے صرف انھیں ہی فرق پڑے گا۔ جی ایف ایس آر کے لوگ اب شیر کی ناپسندیدگی دیکھتے ان سے تعلقات توڑنے لگیں گے اور جی

ایف ایس آر کے نکلے کاروباری دنیا میں بھٹکتے رہیں گے انھیں کوئی نہیں پوچھے گا۔" حاشر نے وضاحت کی۔

"اور یہ ایس آر کا اپنا طریقہ ہے اپنی بھڑاس نکالنے کا۔" طوبی نے نوٹ بک پر کچھ لکھتے ہوئے کہا۔

"بالکل ایسا ہی ہے، یہ اصولوں کا پکا لیکن ایک چالاک قسم کا شخص ہے۔"

"عورتوں کا شوقین بھی لگتا ہے۔" اریب نے نقطہ اٹھایا۔

"یہ اہم نہیں ہے لیکن اسے بھی لکھ لیں۔ میری اس سے کافی سے زیادہ طویل گفتگو ہوئی ہے۔ اس کی انگریزی میں روسی اور عربی زبان کی جھلک ہے۔ وہ ذہن بھٹکانے میں ماہر ہے۔ چرب زبان ہے۔۔۔ میری زندگی

میں آنے والے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ تیز اور شاطر ہے انسان

ہے یہ۔۔ اس کا قد چھ فٹ چھ انچ ہے۔ وہ عربی خوشبوؤں کا استعمال کرتا ہے۔۔ اس کی آنکھوں میں جدید قسم کی چپ والے لینسز لگے تھے۔ اس نے میری طرح تقریب کے تمام چہروں کو ریکارڈ کیا ہے۔۔ اس کے کان چھیدے ہوئے ہیں۔۔ اس کے ہاتھ اور ٹانگیں لمبی ہیں اس کے پیر بھی ایک عام انسان سے زیادہ بڑے ہیں۔"

طوبی کی نگاہیں اس کے ہاتھوں سے ہوتیں اس کے پیروں پر گئی تھیں۔ اس کے ہاتھ پیر بھی عام لوگوں کی نسبت بڑے تھے۔
"اس کی پلکیں دراز ہیں لیکن اس نے آنکھوں کی سرجری کرا کر اپنی آنکھوں کی ساخت تبدیل کی ہے۔"

طوبی سمیت اس باقی تینوں کا منہ بھی حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"لیکن کبھی وہ بڑی آنکھوں کا مالک رہا ہوگا لیکن اب اس کی آنکھوں کی ساخت لمبائی میں جاتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی بائیں آنکھ کے عین نیچے ایک نشان ہے جیسے کوئی نوکیلی چیز لگی ہو۔ شاید اسی وجہ سے اس نے ایسی سرجری کروا رکھی ہے۔ یہ ایک ممکنہ خیال ہے۔ جس قدر وہ فیشن کا دلدادہ ہے ہو سکتا ہے اس نے اپنی پسند سے آنکھوں کی ساخت تبدیل کی ہو۔"

"اس کی پوری کوشش تھی کہ میں اس کی شخصیت کی پر تیں نہ پلٹ سکوں نہ وہ ظاہری طور پر اپنی ظاہری شخصیت ظاہر کرنے کا حامی ہے اس لئے وہ ایسی چیزوں کا استعمال کرتا ہے کہ جو اسے دیکھے وہ فقط اس کے جسم پر موجود قیمتی اور نایاب چیزوں کو ہی دیکھ سکے۔ جیسے کہ اس کی

پرفیوم۔۔ اس کے اعلیٰ میٹرل کا لباس اصلی چمڑے کے جوتے اس کا وہ ماسک۔۔ جس پر سفید سونے سے اس کا نام لکھا ہے۔۔"

"آپ اپنی شخصیت کو چھپانے کے لئے عام چیزوں کا استعمال کرتے ہیں بالکل اسی طرح وہ بھی اپنی اصل شخصیت کو چھپانے کے لئے قیمتی سازو سامان سے اپنی شخصیت کو سجالیتا ہے تاکہ دیکھنے والا اس کی چمک دمک میں ہی الجھ جائے اس کی ذات کی گہرائیوں میں جانے کی کوشش نہ کرے۔۔"

"گریٹ بالکل ایسا ہی ہے۔۔" حاشر نے ستائشی انداز اپناتے طوہی کے مشاہدے کو سراہا۔ اریب نے مسکراہٹ دبا کر حنین کی جانب دیکھا۔ حنین نے آنکھوں کی آنکھوں میں اسے خبردار کیا۔ منان خاموشی سے ان کی گفتگو سنتا سارے اہم نکات نوٹ کر رہا تھا۔

"آپ نے اسے اپنی طرف متوجہ کیسے کیا؟" طوبیٰ نے سوال کیا۔

"مشکوک بن کر۔ مجھے یقین تھا وہ مجھے پہچان لے گا۔ میں نے بار بار اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے اس پر اپنی نظریں جمائے رکھیں اور اپنی توجہ تقریب سے بالکل ہٹالی اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو سکیورٹی کو الرٹ کرتا لیکن وہ خود میرے پاس چلا آیا اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ خطرناک حد تک نڈر ہے۔ اس کی حسیں بھی بہت تیز ہیں۔ وہ تاثرات چھپانے میں ماہر ہے۔ وہ بے وقوف بنانے کا عادی ہے۔"

"یہ تو بہت خطرناک قسم کا شخص ہے کمانڈر! کیا ہمارے لئے انھیں جاننا آسان ہوگا؟"

"کسی انسان کو قابو کرنے کے لئے سب سے پہلے اس کی طاقت کا اندازہ لگاؤ۔ پھر اس کی کمزوریاں جانو۔ اور پھر اس کی طاقت اور کمزوریوں کو آپس میں الجھا کر اسے دبوچ لو۔ ہم اس کی طاقت کا اندازہ لگا چکے ہیں۔"

"ضرور اس کی کمزوری اس کا کاروبار ہے۔" اریب نے خیال ظاہر کیا۔
"ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے تعلقات۔ اس کے راز۔ اس کی کوئی کمی بھی ہو سکتی ہے۔"

"آپ کی کیا کمزوری ہے کمانڈر؟" طوبیٰ نے بے ساختہ سوال کیا۔ حاشر
یک دم چپ ہوا اور طوبیٰ کی جانب دیکھا۔ منان، حنین اور اریب نے
اسے یوں دیکھا جیسے اس کی ذہنی حالت پر شک ہو۔

"میرا اس کے ساتھ موازنہ مت کریں۔۔چند باتیں یکساں ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ہماری طاقت اور کمزوریاں بھی یکساں ہوں۔۔لیکن آپ کی تسلی کے لیے میں بتاتا چلوں کہ کوئی بھی اپنی کمزوری ظاہر نہیں کرتا لیکن طاقت ظاہر کرنے کا کوئی موقع جانے نہیں دیتے۔۔بے وقوف ہوتے ہیں ایسے لوگ جو سوچتے ہیں کہ ان کی طاقت کو جان کر لوگ ان کی کمزوریوں کا اندازہ نہیں لگا سکیں گے۔۔یہ آپ لوگوں کے لئے ایک ٹپ ہے اسے ہمیشہ یاد رکھیں کسی کی طاقت جان کر اس کی کمزوریاں جاننا بہت آسان ہو جاتا ہے۔۔اگر کسی کی طاقت کا اندازہ لگالیا تو سمجھ لیں پہلا لیول پار ہو گیا ہے۔۔ہمیں ایس آر کی ساری طاقت کا اندازہ نہیں ہوا ابھی۔۔لیکن جتنا جانتے ہیں اسی کی بنیاد پر آگے بڑھیں گے۔۔"

"کمانڈر آپ کی کمزوری بتاؤں میں؟" طوبی پھر بولی۔ حاشر چونکا اور اثبات میں گردن ہلادی۔

"یہ نوٹ کرنے کی ضرورت نہیں میں صرف ایک اندازہ لگا رہی ہوں تاکہ ایس آر اور باقی لوگوں کے معاملے میں بھی ایسے ہوا میں تیر چلا کر ہم کچھ پروگریس حاصل کر سکیں۔"

ان سب نے اثبات میں گردن ہلادی۔

"کمانڈر آپ کی کوئی اہم کمزوری نہیں ہے۔ آپ کو اپنی کمزوریوں پر اور اپنی ذات پر بہت زیادہ قابو ہے۔ آپ کی ذہنی اور جذباتی طاقت آپ کی جسمانی طاقت سے کئی زیادہ ہے۔ آپ کو انسانی نفسیات پر کافی زیادہ معلومات حاصل ہیں آپ پر حملہ کرنا اور آپ کو بے وقوف بنانا مشکل ہے۔ آپ جب یہ ظاہر کرتے ہیں کہ آپ نے کچھ نہیں سنا آپ تب

بھی سب کچھ سن رہے ہوتے ہیں اور جب ظاہر کرتے ہیں کہ آپ نے کچھ نہیں دیکھا تب بھی آپ سب کچھ دیکھ رہے ہوتے ہیں۔۔" وہ چپ ہوئی۔ حاشر نے آنکھیں سکیڑ کر طوبیٰ کی جانب بغور دیکھا۔ یہ پہلی دفعہ تھا۔ طوبیٰ کا دل تیزی سے دھڑکا وہ فوراً جذب ہوئی۔

"مس طوبیٰ آپ ایک خطرناک شاہد بنیں گی آگے جا کر۔۔ گریٹ اسی طرح کام کرتی رہیں۔۔"

"لیکن یہ مشاہدے نہیں ہیں۔۔ مشاہدے غلط ہو سکتے ہیں میں نے یقینی بیان دیا ہے اور مجھے یقین ہے میری تمام باتیں درست

ہیں۔" وہ تنک کر بولی۔ حاشر نے مسکراہٹ روکنے کو اپنی زبان اندر ہی اندر حرکت دی اور اپنا رخ پروجیکٹر کی جانب موڑا۔

"اب تقریب میں آنے والے مہمانوں کی جانب بڑھتے ہیں۔۔"

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا کمانڈر!" طوبیٰ باقاعدہ احتجاج پر اتر آئی تھی۔ حاشر نے اب کی بار مسکراہٹ نہیں دبائی۔

"آگے بڑھیں۔۔ یہ لسٹ ہے تمام مہمانوں کی۔۔"

"میں آپ سے اس کا جواب لوں گی۔" وہ چڑکر بڑبڑائی اور نوٹ بک سنبھال لی۔ ان سب کے چہرے پر مسکراہٹ تھی سوائے طوبیٰ کے۔



جنت بیگ پیک کمر پر ڈالے ہاتھ کانوں میں ہیڈفون لگائے دونوں ہاتھ جیکٹ کی جیب میں اڑسے اس خالی سنسان سڑک پر ناک کی سیدھ میں چل رہی تھی۔ وہ دو دن قبل واشنگٹن چلی آئی تھی۔ اور آج وہ اس علاقے کی طرف آئی تھی۔ سڑک وہی تھی جس کے دونوں اطراف گھنے جنگل تھے۔ سڑک پر درختوں سے گرے سوکھے پتوں کا انبار تھا جو اس کے

جوتوں تلے آکر چر مر رہے تھے۔ کافی دیر چلنے کے بعد وہ ایک طرف آرکی اور نگاہیں اٹھا کر سیدھے ہاتھ کی طرف لگے درخت کو دیکھا۔ یہ وہی مضبوط شاخوں والا درخت تھا جس پر کبھی اس نے اور شیر نے تصاویر بنوائی تھیں۔ شیر کو یہ درخت پسند تھا۔ اس کے پتوں کی ساخت اسے پسند تھی۔ وہ اکثر اسکول سے واپسی پر یہاں سے پتے لیا کرتا تھا۔ اس نے بھی جھک کر کچھ پتے چن لیے۔

"کتنا خوش اور مطمئن تھا وہ!"

جنت بڑبڑائی۔

"آواز بدل کر مجھ سے ملتے ہو؟ یا آواز بدل کر دنیا کے سامنے آتے ہو؟ خیر جو بھی ہے۔" اس نے گہری سانس لی اور قدم تیز کر دیے۔ شیر نے اس کی ای میل کا جواب نہیں دیا تھا۔ کم از کم اب اسے یقین تھا کہ

وہ شیر ہے۔ خیالوں کا ہجوم منتشر کرتی وہ سامنے کی جانب دیکھتی آگے بڑھ رہی تھی۔ پرائیویٹ پروپرٹی کا بورڈ قریب آ پہنچا تھا۔ کچھ آگے جا کر دو اہلکار دکھائی دیے۔ جنت نے جیکٹ کی جیب سے اپنا آئی ڈی کارڈ نکال کر سامنے کیا۔

"Welcome miss"!

اہلکاروں نے ادب سے کہا۔ جنت سر ہلا کر آگے بڑھ گئی۔ اسے دور ہی سے گرین مینشن دکھائی دے رہا تھا۔ جوں جوں وہ آگے بڑھ رہی تھی اس کے قدموں کی لرزش بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ کئی منٹ چلنے کے بعد وہ آخر کار گیٹ کے قریب آ پہنچی اور نگاہیں گھما کر آس پاس دیکھا۔ کبھی یہاں نرم اور قیمتی گھاس بچھائی جاتی تھی اب کھارادر خودرو جھاڑیوں اور جنگلی گھاس کا راج تھا۔ گرین مینشن کا بیرونی احاطہ ہنوز کھارادر تاروں

سے گھرا تھا۔ وہ گیٹ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ فضا میں گیٹ کی تیز گھڑ
گھڑ کرتی آواز گونجی تھی۔ لان کا بھی یہی حال تھا۔ گھاس گھٹنوں سے بھی
اونچی تھی۔ وہ آہستگی سے مسکراتی اس تالاب تک آئی جہاں کبھی
خوبصورت نایاب مچھلیاں تیرتی

پائی جاتی تھیں۔ اس نے اپنا بیگ کھولا اور کیمرہ نکال کر تصاویر بنانے لگی۔

"No photography"

کا بورڈ سامنے لگا منہ چڑا رہا تھا۔ وہ تالاب سے ہوتی اندر کی جانب بڑھی ہی
تھی جب اس کا فون بجنے لگا۔

"ہیلو ڈیڈ!"

"گرین مینشن میں کیا کر رہی ہو تم جنت!"

"سیر سپاٹے کرنے آئی ہوں۔" عمش کے سخت لہجے کا جواب اس نے اسی سختی سے دیا تھا۔

"تمہیں واشنگٹن آنے کا کس نے کہا تھا؟"

"میرے دل نے۔" وہ لاپرواہی سے کہتی اندر داخل ہوئی۔

"کس سے پوچھ کر تم نے آرٹ پبلیس میں ایگزیکشن بک کروائی ہے؟"

"مجھے تو ڈر ہے ڈیڈ کسی دن مجھے سانس لینے کے لئے بھی آپ کی اجازت

درکار ہوگی۔ چھبیس سال کی پڑھی لکھی باختیار لڑکی ہوں میں۔ کوئی

گیارہ سال نا سمجھ بچی نہیں جسے آپ چابی والی گڑیا کی طرح ٹریٹ کریں

گے تو وہ خود کو گڑیا سمجھنے لگے گی۔" وہ سرد مہری سے بولی۔

"جنت۔۔"

"میری بات ختم نہیں ہوئی ہے۔ آپ کو کیا لگتا ہے میرا کریڈٹ کارڈ اور بینک اکاؤنٹ قابو کرنے سے میں بھی قابو ہو جاؤں گی؟ اب مزید میں اپنا کام دنیا سے چھپا کر خود کو ضائع نہیں کر سکتی۔ مجھے میری مرضی سے رہنے دیں یا یہ سمجھ لیں کہ بیوی کے ساتھ بیٹی بھی مر چکی ہے۔"

"تمہاری جان کو خطرہ۔"

"بھاڑ میں گیا خطرہ۔ خطرہ ہوتا تو ہیزیل کو ہوتا وہ جی ایف ایس آر کے جنرل ڈائریکٹر کی بیٹی ہے۔ اگر گولڈن فاکس کی بیٹی کو کوئی کچھ نہیں کر رہا تو عمش البانی جو ساری عمر گولڈن فاکس کے تلوے چاٹتا رہا ہے اس کی بیٹی کون ہے؟ کیا کرتی ہے کسے پروا ہوگی؟ مجھے بے وقوف بنانا بند کریں۔" اس نے غرا کر کہتے فون بند کر دیا۔ فون دوبارہ بجنے لگا لیکن جنت

نے بجنے دیا لاپرواہی سے مینشن میں ٹہلتی وہ تصاویر بناتی رہی۔۔ وہ قدرے پرسکون اور مطمئن دکھائی دے رہی تھی۔



شیر کاؤچ پر اوندھے منہ لیٹا ہوا تھا۔ سامنے ویڈیو کال چل رہی تھی۔
 "شرٹ پہنو اپنی مجھے زہر لگتا ہے تمہارا یہ کافرانہ نشان۔"
 "جلیں مت۔" شیر نے منہ بنا کر کہا اور اپنے سینے پر بنے ٹیٹو پر ہاتھ پھیرا۔

"میڈیا پر کیوں آئے تھے؟ سارا گلوبل میڈیا تمہاری تصاویر سے بھرا پڑا ہے۔" بابر خان ناپسندیدگی سے بولا۔

"آپ کو تو خوش ہونا چاہیے بابا!"

"Adopted son of golden fox.sher Roohsiya Appeared on media after four years..

اونہہ یہودی باپ کا مسلمان بیٹا جس کا باپ ابھی زندہ ہے۔۔ مرا نہیں ہے۔۔"

"بکواس نہ کریں۔۔"

"چھوڑو سب کچھ آجاؤ میرے پاس اب۔۔ اور کتنی دولت چاہیے پچھلے پانچ سالوں سے تم دنیا کے امیر ترین شخصیات کی فہرست میں پہلے نمبر پر ہو مجھے یقین ہے یہ سب چھوڑنے کے بعد بھی تم پہلے نمبر پر رہو گے مگر میں مزید تمہیں اس یہودی لائسنسٹ کے ساتھ نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"تو کون سا میں اس کے ساتھ فیملی فوٹوز بنواتا ہوں مہینوں میں ملاقات ہوتی ہے۔ ایک تو میرے اصلی اور نقلی باپ کی ایک دوسرے سے جیلیسی ختم نہیں ہوتی۔"

"کیا کہا؟ کیا کہا تم نے؟ جیلیسی؟ میں اس یہودی شدت پسند کمینے سے جلوں گا؟" بابر خان تپ اٹھے۔

"فون کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی ہے پورے تین ماہ بعد؟" بابر سنجیدہ ہوتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"حاشر سے ملا میں۔۔۔" شیر نے بے نیازی سے کہا۔ ایک پل کو بابر خان کے چہرے کا سارا خون نچڑ کر رہ گیا۔ وہ یک دم ساکت ہوا تھا۔

"ک۔۔ کیا؟ حاشر؟"

"صدمہ ہی لگ گیا ہے آپ کو۔ اصل خبر تو سنائی بھی نہیں ہے
ابھی۔۔ لیڈی صوفیہ سے بھی ملا میں۔۔"

03335586927

بھی بیس پچیس سے زیادہ کی نہیں لگتی۔ "وہ شرارتی انداز اپنائے کہہ رہا تھا۔

"وہی ہے یہ عورت جس نے آپ کے ساتھ زبردستی کے تعلقات رکھے اور پھر مجھے پیدا کر کے چھوڑ دیا۔" شیر بالکل عام سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"کس حوالے سے ملے ہو تم اس سے؟" بابر کا لہجہ لڑکھڑایا۔
"کمپنی کے ڈائریکٹر کے طور پر ملا اور کس حوالے سے ملوں گا؟ اور اگر میں چاہوں تو آپ کے بیٹے کے حوالے سے بھی مل سکتا ہوں
مجھے آپ کا بیٹا ہونے پر کوئی احساس کمتری یا شرمندگی نہیں ہے نہ مجھے یا آپ کو اس حوالے پر شرمندہ ہونے کی ضرورت ہے۔ یہ ایک کھرا سچ ہے کہ اس عورت نے آپ کو جنسی طور پر ہراساں کرنے کے ساتھ

ساتھ آپ کے ساتھ زیادتی کی اور اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں تھا۔"

"لیکن شیر۔۔" بابر خان کا چہرہ سرخ پڑا تھا۔

"کم آن بابا! یہ اکیسویں صدی ہے اور آج بھی مردوں کے لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ انھیں کسی عورت نے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ یہ سننے میں عجیب لگتا ہو لیکن ایسے سیکڑوں مرد پائے جاتے ہیں آپ کو بھی اس بات کا اعتراف کرنے میں ہچکچانے کی ضرورت نہیں۔ آپ وکٹم ہیں۔۔ مجھے اس پر کوئی شرمندگی نہیں ہے۔۔ نہ اس پر کہ میں ایک ناجائز اولاد ہوں۔۔"

"تم نے مجھ سے کبھی نہیں پوچھا کہ آخر ایک عورت ایسا کیسے کر سکتی ہے۔۔"

"کیوں کہ مجھے یقین تھا آپ پر۔ آپ نے حاشر کی ماں کو جو صفائیاں دی تھیں ان پر ان دونوں نے یقین کیا ہو یا نہیں لیکن مجھے یقین تھا۔ مجھے اس وقت وہ سمجھ نہیں آیا تھا بہت چھوٹا تھا میں۔ لیکن مجھے یاد ہے آپ کا ایک ایک حرف اور اس پر یقین بھی ہے۔"

"خیر حاشر کے بارے میں فکر مند ہو رہا ہوں میں۔ مدھو مکھیوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال رہا ہے۔ چاہتا کیا ہے آخر" اس نے آخر میں بے نیازی سے سوال کیا۔

"تم کیوں اتنی دلچسپی لے رہے ہو؟" بابر نے آہستگی سے سوال کیا۔

"بھائی ہے میرا! کیا نہیں ہے؟"

"بیس سال بعد تمہیں بھائی یاد آرہا ہے۔"

"کل مل کر آرہا ہوں یاد! فکر مند ہونا بنتا ہے۔۔ بقول اس کے وہ ہماری جیسی خواری والی زندگی نہیں گزارنا چاہتا تھا۔ کل انجانی تقریب میں اسے یوں اٹھکیا کرتے دیکھ مجھے تجسس ہو رہا ہے۔۔ ہمارے بغیر رہنے کا فیصلہ کتنا درست تھا اس کا؟"

"اپنے کام سے کام رکھو۔ وہ ایک سمجھدار اور ذہین انسان ہے۔ تمہاری طرح لالچی ندیدہ۔۔ پیسے کا پجاری۔۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔۔ میں سمجھ گیا وہ آپ کو زیادہ پسند ہے۔۔ مزید تعریف کرنے کی ضرورت نہیں ہے میری۔۔" شیر چڑ کر بولا۔

"ہمارے ساتھ نہ رہنے کا فیصلہ اس نے اپنی ماں کے لئے کیا تھا ہر ذمہ دار اور سمجھدار انسان یہی کرتا حالانکہ وہ بہت چھوٹا سا تھا لیکن بہت ہی

پیارا اور نیک بچہ ہے وہ میرا۔۔ خبردار آج کے بعد میرے بیٹے کے لئے
ایسا لہجہ استعمال کیا۔۔"

"غصہ مت دلائیں بابا! جان بوجھ کر اس کی تعریف کر رہے ہیں تاکہ میں
سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آپ کے چرنوں میں آکر بیٹھ جاؤں اور آپ کی
نظروں میں ایک نیک اور سمجھدار بچہ بن جاؤں۔ لیکن یہ کھیل میرے
ساتھ نہیں چلیں گے میں ندیدہ پیسے کا پجاری اور لالچی ہی ٹھیک
ہوں۔" شیر نے منہ بنا کر کہا۔

"کبھی مت سدھرنا تم!"
"ٹھیک ہے بابا!" شیر معصومیت سے مسکرایا۔ بابر نے اسے سختی سے گھورا۔
"خبردار اگر بے وجہ ادھر ادھر ناک گھسائی۔۔"

"صاف صاف بولیں نا کہ آپ کے بڑے پیارے، نیک، سمجھدار اور لاڈلے بیٹے سے دور رہوں۔ لیکن آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میں نہیں وہ نہادھو کر میرے پیچھے پڑا ہے۔ اچھا ہے ویسے بڑا مزہ آرہا ہے۔"

"شیر میں تمہیں خبردار کر رہا ہوں۔"

"اسے کریں نا بتا تو رہا ہوں وہ میرے پیچھے پڑا ہے۔ پہلے میرے ہوٹل میں گھس کر مجھ پر حملہ کیا کل پھر کسی اکھاڑے کا ارادہ کر کے آیا تھا وہ تو میں نے ہی زیادہ بات نہیں بڑھائی۔"

"شیر میں تمہیں خبردار کر رہا ہوں۔"

"اپنے لاڈلے کو کریں۔" وہ ناگواری سے بولا۔

"تم دونوں لڑے ہو؟ کیا وہ تمہیں پہچان گیا تھا؟"

"آپ تو جانتے ہیں میرا چہرہ ہر ایرا غیرہ نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن ظاہر ہے پہچانتا ہی ہے"

"وہ کوئی ایرا غیرہ نہیں ہے۔"

"ہاں ہاں جانتا ہوں۔ لاڈلا سمجھ دار نیک بچہ ہے آپ کا۔ لیکن میں ہر بار آپ کا لحاظ نہیں کروں گا بتا رہا ہوں۔" شیراب کے سنجیدہ ہوا۔
 "یہی دھمکی دینے کے لئے فون کیا تھا؟" بابر ناگواری سے بولا۔
 "ظاہر ہے۔۔ ورنہ مجھے لالچ ندیدے پن اور دولت کو پوجنے سے فرصت ملے گی تو یاد کروں گا نا آپ کو۔" شیر نے ناک چڑھا کر لیپ ٹاپ کھٹاک سے بند کر دیا۔ اب کے چہرہ بے تاثر تھا۔ نگاہیں بھی خاموشی میں لپٹی تھیں۔ وہ چھت کو گھورنے لگا۔



اس کی کار ایک تین منزلہ عمارت کے نزدیک رکی۔ اس نے نگاہیں گھما کر آس پاس دیکھا اور پھر پرس سے کارڈ نکال کر ایڈریس دیکھا۔ یہ وہی عمارت تھی جس کے عین اوپر "فن و حسام" خوبصورتی سے لکھا تھا۔ جنت نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور باہر نکل آئی۔ ڈرائیور بھی ساتھ ہی باہر نکلا تھا۔

"میڈم کیا میں یہیں رک جاؤں؟"

جنت سر ہلاتی اندر کی جانب بڑھی۔ اس کی چال میں پراعتمادی تھی۔ جسم پر سرمئی رنگ کی شرٹ تھی جس پر اس نے سفید لانگ کوٹ پہن رکھا تھا سیاہ مفلر گردن کے گرد لپیٹے بالوں کو جوڑے میں قید کیے وہ دلکش لگ رہی تھی۔ اس کی سبز آنکھیں کاجل، اور لائٹ سے سچی تھیں۔ پلکیں یوں ہی دراز تھیں شاید تبھی مسکارے کا تکلف نہیں کیا گیا تھا۔ ہونٹوں

پر ہلکی لپ اسٹک اور گال گلابی مائل سے ہو رہے تھے۔ ایک لٹ کان کے پیچھے اڑس رکھی تھی دوسری چہرے پر پڑی تھی۔ وہ مضبوط چال چلتی اندر کی جانب انٹرنیس پر پہلے ہی ایک شخص کھڑا اس کا منتظر تھا۔

"مس جنت؟"

"جی!"

"مہربانی فرما کر میرے ساتھ آئیے۔" وہ ادب سے کہتا ایک لفٹ کی جانب بڑھا۔ جنت نے آس پاس سرسری نگاہ ڈالی اور اس کے پیچھے چل دی۔ لفٹ میں سوار ہوتے ہی اسے حسام بن محمد سے اپنی پہلی ملاقات یاد آئی وہ اس سے تین سال پہلے ملی تھی۔ سومالیہ کے چھوٹے سے گاؤں میں ایک فلاحی تقریب میں اسے حسام نے مخاطب کیا تھا۔

"معذرت خواہ ہوں لیکن کیا آپ کا نام جان سکتا ہوں؟" وہ ایک صاف رنگت کا عربی نقوش کا حامل خوشکل نوجوان تھا۔

"جنت البانی!" جنت نے سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔

"کیا آپ ہی سبز محل والی پینٹنگ کی آرٹسٹ ہیں؟"

"جی!" جنت نے جواب دیا تھا۔

"کس آرٹ گروپ کے ساتھ آئی ہیں؟"

"میں اکیلی آئی ہوں ٹورسٹ ہوں۔ وہ پینٹنگ صرف ایک تحفہ ہے یہاں کے لوگوں کے لئے۔" جنت نے اس کے تجسس کو دور کرتے کہا۔

"میرا نام حسام بن محمد ہے۔ مصر سے تعلق ہے میرا۔"

"آپ سے مل کر اچھا لگا۔ میں نے سنا ہے آپ اس آرٹ کنسرٹ کے آرگنائزر ہیں۔ اللہ آپ کو آپ کے اچھے اعمال کا اجر دے۔" وہ کہہ کر جانے لگی تھی۔

"کیا ہم اس ایونٹ کے بعد ایک کپ کافی پی سکتے ہیں؟"

"نہیں میں اجنبیوں کے ساتھ زیادہ وقت گزارنا پسند نہیں کرتی۔" وہ نرم لیکن دو ٹوک لہجے میں بولی۔ حسام بے ساختہ مسکرا دیا تھا اور فوراً کوٹ کی جیب سے ایک کارڈ نکال کر اس کی جانب بڑھایا۔

"میں آپ کے ساتھ کام کرنا چاہوں گا۔" حسام نے اس کے ہاتھ پر زبردستی کارڈ رکھ دیا تھا۔

آج تین سال بعد وہ یہاں موجود تھی۔ اور کام کرنے کی متمنی تھی۔ وہ یہاں آنے سے قبل ہی اسے فون کر چکی تھی۔ کچھ لمحوں بعد لفٹ رکی تو

وہ اسے باہر ہی کھڑا ملا۔ چہرے پر دلکش مسکراہٹ سجائے وہ پہلی نظر میں ہی متاثر کرنی کی صلاحیت رکھتا تھا۔ سیاہ سوٹ پر گہرے رنگ کی ٹائی لگا رکھی تھی۔

"آپ کو یہاں دیکھ کر واقعاً خوشی ہوئی۔ میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔ کیسی ہیں آپ؟"

"شکریہ! میں بالکل ٹھیک ہوں۔" جنت ہلکے سے مسکرائی تھی۔ وہ تینوں دائیں جانب جاتی راہداری میں مڑ گئے تھے۔



"اتنی جلدی کس بات کی ہے کچھ دن رک جاؤ" ہیزیل شیر کی جانب دیکھتے بولی۔ لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا اس کی ساری توجہ اپنے سامان پر تھی۔ اس برقیلے موسم میں بھی وہ بغیر شرٹ کے تھا۔ جسم پر

فقط سیاہ جینز تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ بالکل بے نیاز اور لاپرواہ نظر آ رہا تھا۔

"شیر میں کچھ کہہ رہی ہوں تم سے۔۔"

"مت کہو۔" آہستگی سے کہتا وہ اپنا لیپ ٹاپ پیک کرنے لگا۔

"یہ کام تم ڈینیل سے کیوں نہیں کہہ دیتے۔" ہیزیل نے پھر کہا۔ لیکن

وہ جواب دیے بغیر دوبارہ وارڈروب کی جانب آیا اور چند ڈائریاں نکالیں۔

"یہ ڈائری کس کی ہے؟ یہ تو لیڈیز ڈائری ہے۔" ہیزیل فوراً اپنی جگہ سے

اٹھ کر اس کی جانب آئی۔ شیر نے فقط ایک خاموش اور گہری نگاہ اس پر

ڈالی۔ ہیزیل دل مسوس کر رہ دوبارہ اپنی جگہ جا بیٹھی۔

"کیا تمہیں اور کوئی کام نہیں ہے؟" شیر نے سوال کیا۔

"مجھے پتا ہے میں بہت زیادہ ہینڈ سم ہوں لیکن یہ سیدھی سیدھی ہراسمنٹ ہے۔" شیر نے ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالتے کہا۔

"بھاڑ میں جاؤ۔" ہیزیل چڑ کر کہتی اٹھ گئی۔ شیر نے سر جھٹکا اور دوبارہ وارڈروب کی جانب آیا اور ایک وائیر لیس فون نکالا۔

"میں روس کی طرف جارہا ہوں۔۔ یہاں کے معاملات تم پر چھوڑ رہا ہوں۔۔ جو تصاویر تمہیں بھیجی ہیں ان کا سارا ڈیٹا مجھے دو دن کے اندر اندر چاہیے۔" شیر نے کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔



یہ منظر شارجہ کی رہائشی سوسائٹی میں واقع اس عمارت میں واقع اپارٹمنٹ کا تھا۔ ہال میں حنین اور منان بیٹھے دکھائی دے رہے تھے ان کی نگاہیں لیپ ٹاپ اسکرین پر تھیں جہاں ایک ویڈیو کلپ چل رہی تھی۔

"اسے یہاں روکو۔ دیکھو اس گاڑی کا نمبر۔۔ یہ وہی پلیٹ ہے جو ہم ایک دوسری گاڑی پر بھی دیکھ چکے ہیں ایک ہی نمبر دو مختلف گاڑیوں پر۔۔ اسے نوٹ کرو۔" منان نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور یہ ڈرائیور اسے بھی ہم اس بازار میں دیکھ چکے ہیں۔" حنین نے کہا۔
 "نوٹ کرو۔"
 "آگے بڑھتے ہیں۔۔"

"پتا نہیں کیوں مجھے لگ رہا ہے کہ ہم ٹارگٹ کے قریب ہیں یہ تمام عمارتیں ہی کافی سے زیادہ مشکوک ہیں یہاں آنے جانے والے لوگ بھی مشکوک ہیں کیوں نہ ہم کمانڈر سے ڈسکس کریں اور کاروائی آگے بڑھائیں؟"

"نہیں ہمیں جلد بازی نہیں کرنی۔۔ تب تک دشمن کے قریب نہیں جانا جب تک ہم اسے پوری طرح جان نہ لیں۔۔"



شام گہری ہوتی جا رہی تھی۔ حاشر اریب اور طوبیٰ سے ایک قدم آگے چل رہا تھا۔ وہ محتاط تھا۔ ان تینوں کے کانوں میں مائکروفون تھے۔ حاشر سیاہ جیکٹ سیاہ کیپ اور سیاہ ماسک لگائے ہوئے تھا۔ اریب نے بھی چہرہ چھپا رکھا تھا۔ طوبیٰ نے بھورے مفلر سے منہ ڈھانپا ہوا تھا۔

"منان اور حنین کو رابطے میں لیں۔" حاشر ایک طرف بڑھتا بولا۔ اریب نے فوراً اس کی ہدایت پر عمل کیا۔

"کیا ہم ایکشن کرنے جا رہے ہیں؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتے۔۔ ہمیں اس کنٹینر تک پہنچنا ہے۔۔ کسی بھی کاروائی کے لیے تیار رہیں۔" حاشر نے اپنی گن نکالتے ہوئے انھیں رکنے کا اشارہ کیا۔ یہ زیر تعمیر عمارت کا پارکنگ ایریا تھا جہاں نیم تاریکی تھی۔

"کیا ہم لوکیشن ٹریس کر کے آپ کے پاس آئیں؟"

"نہیں۔۔ یہاں زیادہ لوگ نہیں ہوں گے۔" حاشر نے پستول میں گولیاں بھرتے کہا۔ طوبیٰ اور اریب نے بھی اپنی اپنی بندوقیں سنبھال لیں۔

"طوبیٰ آپ یہی رہیں گی۔" حاشر نے اریب کو ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔

"کمانڈر!" طوبیٰ نے اسے ہچکچاتے ہوئے پکارا۔ حاشر نے اس کی جانب دیکھا۔

"کیا مجھے یہیں رکنا ہے؟" طوبیٰ نے سوال کیا۔ جیسے وہ حاشر سے فیصلہ بدلنے کی امید رکھتی ہو۔

"جی طوبی آپ کو یہیں رکنا ہے۔ کوئی شخص اوپر آنے نہ پائے۔۔ چھپ جائیں یہی کہیں۔۔" حاشر نے قطعی لہجے میں کہا۔

"اوکے۔ اللہ کی امان میں۔۔" وہ لرزتے دل سے بولی۔ اریب نے اس کا کاندھا تھپتھپایا اور وہ حاشر کے عقب میں قدم بڑھا دیے۔ طوبی نے اپنی پستول نکالی اور ایک معقول مقام کا انتخاب کیا اور وہاں جا چھپی۔ اس کے کانوں میں اریب اور حاشر کے بھاری جوتوں کی آوازیں آرہی تھیں۔



وہ ایک شراب اور مختلف قسم کے منشیات کی بو سے بھری چوڑی نیم تاریک راہداری تھی۔ اریب اور حاشر اب کے آہٹ پیدا کیے بغیر آگے آرہے تھے۔ کمرے کئی تھے لیکن دروازہ کوئی نہیں۔ کچھ کے آگے پردے پڑے تھے۔ اریب نے گردن گھما کر ایک کمرے میں جھانکتے پستول تانی

اور مزید آگے آیا۔ حاشر بھی احتیاط سے قدم آگے بڑھاتا ایک دم رکا اور ہاتھ اٹھا کر اریب کو رکنے کا اشارہ کیا اور کچھ سننے کی کوشش کی۔

"وہ تیسرے کمرے میں ہیں۔۔" آہستگی سے کہا۔ اریب اس کے قریب آیا۔

"تم یہی رکو۔" حاشر نے اسے کہا۔
"لیکن کمانڈر!"

"مجھ پر بھروسہ رکھو۔ جب میں آواز دوں تب ہی آنال۔" حاشر نے قدم آگے بڑھائے۔

"پلیز اریب ساتھ جاؤ کمانڈر کے۔" طوبی کی فکر مند آواز پر حاشر اور اریب نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ حاشر نے گردن نفی میں ہلاتے اریب کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور آگے بڑھ گیا۔ کمرے میں داخل ہوتے

ہی اس نے بندوق تھام لی۔ سامنے تین افراد تھے۔ یک دم چونکے۔ ایک نے بندوق اٹھانے کی کوشش کی اسی پل حاشر نے اس کے ہاتھ پر فائیر کیا۔ وہ یک دم سہم کر سیدھا ہوا۔

"Hands up! lay down!"

"کون ہو تم؟" ان میں سے ایک نے دھاڑتے ہوئے پوچھا۔

"One! Two...three" ..

ایک اور فائیر مارا۔

"اگلی بار تین گن کر کھوپڑیاں کھلیں گی۔۔۔ جلدی۔۔" حاشر کی سرد آواز پر وہ تینوں نے ہاتھ اٹھالیے۔

"اندر آؤ۔" اس نے کہا۔ باہر کھڑا اریب فوراً اندر کی جانب بڑھا۔

"تلاشی لے کر اسلحہ قبضے میں کرلو۔" حاشر نے کہا۔ اریب فوراً قریب کمرے میں بکھری چیزیں کھنگالنے لگا۔ فوراً ہی اسے بندوقیں مل گئیں۔

"آگے چلو۔ مس آپ گاڑی اسٹارٹ کریں۔" اس نے طوبی کا نام لینے سے گریز کیا۔ کچھ منٹ بعد ہی وہ انھیں گاڑی میں ڈالتے دکھائی دیے۔ طوبی ڈرائیونگ سیٹ پر سوار تھی۔ حاشر نے ان کی آنکھوں پر سیاہ کپڑے باندھ لیے تھے۔



"کیا ہم یہاں رک رہے ہیں کمانڈر؟ کیا یہ جگہ محفوظ ہے انھیں یہاں رکھنے کے لئے؟" طوبی کمرے سے نکلتے ہوئی۔ وہ ایک انجان زیر زمین جگہ تھی۔ جہاں چند وسیع کمرے دکھائی دے رہے تھے۔

"جگہ ویسے کس کی ہے؟"

"میری ذاتی!" حاشر نے کہا۔ اریب اور طوبی نے الجھے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"شارجہ جیسے شہر میں ایسی جگہ آپ کی ذاتی ہے؟"
"کیوں نہیں ہو سکتی؟" حاشر نے نرمی سے دونوں کی جانب دیکھا اور باہر کی جانب بڑھنے لگا۔

"کیا ہم میں سے کوئی یہاں رک رہا ہے؟" طوبی نے اگلا سوال کیا۔
"آپ دونوں یہیں رکیں گے۔ منان اور حنین سے رابطے میں رہیں گے
میں وہیں واپس جاؤں گا۔ پوچھ گچھ جاری رکھیں۔"
"آپ کا اکیلے وہاں جانا محفوظ ہوگا؟"

"یہ زیادہ ضروری نہیں ہے مس طوبی ہماری ڈیوٹی میں محتاط رہا جاسکتا ہے
محفوظ نہیں۔ ہمارے لئے ہر قدم پر ہر آہٹ پر خطرہ ہے۔ اس لئے

خود کو ہر چیز کے لئے تیار رکھیں۔" وہ مخصوص نرم انداز میں کہہ کر وہاں سے باہر نکل گیا۔ طوبیٰ جواب دیے بغیر اس کو نظروں سے اوجھل ہونے تک دیکھتی رہی۔



امریکا کے دار الحکومت واشنگٹن میں واقع یہ ایک پوش علاقہ تھا جہاں قائم عمارتیں مختلف قسم کی آرٹ گیلریوں کی تھیں۔ ان عمارتوں میں سے ایک عمارت وہ تھی جس کا مالک حسام بن محمد تھا۔ یہ ایک وسیع حال تھا۔ جہاں ایک طرف طویل میز کے گرد جنت بیٹھی دکھائی دے رہی تھی۔ نیلے رنگ کا کوٹ اور اندر سفید شرٹ تھی۔ بال اونچی پونی میں قید تھے۔ چہرے پر میک اپ کے نام پر آئی لائنز اور لپ اسٹک لگی تھی۔

اس نمائش کا مرکزی خیال کیا ہے؟ "حسام بن محمد نے نرمی سے سوال کیا تھا۔

"اس نمائش کا نام "eternal vibe" ہے یہ ایک ایسی لڑکی کی زندگی کو بیان کرے گا جس نے کچھ وقت زندگی کو جیا ہے پھر اسے دھکیلا ہے۔" جنت نے سامنے رکھی پیٹنگ پر ہاتھ پھیرتے کہا۔

"اور یہ لڑکا کون ہے؟" حسام نے پیٹنگ کی جانب دیکھتے سوال کیا۔

"یہ وہ ہے جس کے ساتھ اس لڑکی نے کچھ وقت جیا تھا۔ اور یہ سارے پل جیے تھے۔" اس نے ہال میں لگیں پیٹنگز کی جانب دیکھا۔

"دلچسپ! یہ صرف آپ کا تخیل ہے نا بنت عمش؟" حسام کا لہجہ کچھ الجھا

کچھ بے چین سا ہوا تھا۔ اس کی نگاہیں ان تصاویر پر تھیں جنہیں جنت نے بنایا تھا۔

"ہاں مجھے تو یہی لگتا ہے یہ میرا تخیل ہے۔"

حسام کے تنے اعصاب یک دم ڈھیلے پڑے۔ وہ مسکرایا۔

"مجھے یقین ہے آپ اپنے پہلے شو میں ہی آرٹ کی دنیا میں تباہی مچا دیں گی۔ آپ کا آرٹ سانس لیتا ہے۔" حسام کی نگاہوں میں احترام کے ساتھ ایک نرم لو دیتا جذبہ تھا۔ جس سے جنت یک دم لا پرواہ اور بے نیاز نظر آتی تھی۔ اس کی نگاہیں سامنے ہال میں لگائی جانے والی پینٹنگز پر تھیں۔

"مجھے یقین نہیں تھا کہ چار سال گزرنے پر آپ کو میں یاد آؤں گا۔"

"یاد آنے کا سوال نہیں آپ ایک مشہور آرٹسٹ ہیں حسام!" وہ دھیمے انداز میں مسکرائی۔

"تو کیا میں صرف ایک مشہور آرٹسٹ ہوں؟"

"جی آپ صرف ایک مشہور آرٹسٹ ہیں جو اب میرے ساتھ پیشہ ورانہ تعلق میں جڑ گئے ہیں۔" جنت صاف گوئی سے بولی۔ حسام کی آنکھوں میں چمک ماند پڑی تھی لیکن فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔

"آپ کا یہ طرز گفتگو ایک الگ ہی کشش کا حامل ہے۔ جب ہم پہلی دفعہ ملے تھے تب بھی آپ نے میرے ساتھ یہی کیا تھا اور تب مجھے برا نہیں لگا تھا۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ جنت نے نگاہیں اس کے چہرے پر جماتے سر ہلایا لیکن خاموش رہی۔

"لیکن اب کم از کم ہم دوست تو بن ہی سکتے ہیں؟" حسام نے سوال کیا۔
 "دوستی کیا ہے آپ کی نظر میں؟" جنت نے جواب دینے کے بجائے سوال کر ڈالا تھا۔

"دنیا کا سب سے بہترین رشتہ جسے کسی خونی حوالے کی ضرورت نہیں ہوتی۔۔ جسے بیان کرنے کے لئے دلیلیں وضاحتیں درکار نہیں ہوتیں۔ بس اتنا کہہ دینا کافی ہوتا ہے کہ ہم دوست ہیں۔ اور۔۔"

"ہم دوست نہیں ہیں حسام! میں خود دوست نہیں بناتی یہ وقت پر منحصر ہے کہ وہ کسے میرا دوست بنائے۔ ہو سکتا ہے اگلے پل ہم دوست ہوں یہ بھی ممکن ہے سالوں گزرنے کے بعد بھی فقط واقف کار رہیں۔۔ مجھے چلنا چاہیے۔" جنت مسکرا کر کہتی اٹھ گئی۔ حسام خاموش سا بیٹھا اس ساحرہ کو منظر سے اوجھل ہونے تک دیکھتا رہا۔ اس کی نگاہوں میں پختے احساس کو بیان کرنا آسان نہیں تھا۔



روس کے دار الحکومت ماسکو میں یہ شیر کے گھر کا منظر تھا۔ گھر کا لان وسیع باغات اور ان گنت گھنے درختوں سے مزین تھا۔ وساعت اس قدر تھی کہ اسی جگہ پر چھوٹا سا شہر آباد کیا جاسکتا تھا لیکن قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ یہ گھر سال میں بمشکل ہی چند دن شیر کی توجہ کا مرکز بن پاتا تھا جیسے آج کئی ہفتوں بعد وہ گھر آیا تھا۔ اس وقت وہ سیاہ کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے گرے ہاؤس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ گرے ہاؤس اس کے پالتو کتے کے لئے بنایا گیا گھر تھا۔ اس کے کان میں مائکروفون لگا تھا اور چہرہ حد سے زیادہ سنجیدہ تھا۔

"ڈینیل کیا تم مجھے سن رہے ہو؟"

"نہیں۔۔ میرا مطلب جی ماسٹر لیکن میں سچ کہہ رہا ہوں ہم سے کسی آرٹسٹ نے اسپانسر شپ نہیں مانگی۔"

"اچھا! لیکن واشنگٹن میں ایک ایگزیکشن ہے ہماری پروڈکٹس ہیں ساتھ۔۔"

"ہماری کمپنی کے ماتحت ہزاروں پروڈکٹس ہیں یہ پروڈکشن کمپنیز کے اپنے فیصلے ہوتے ہیں ہمارا بورڈ تو اس میں کبھی مداخلت نہیں کرتا۔" ڈینیل نے کہا۔ شیر نے اثبات میں گردن ہلاتے گرے ہاؤس کے احاطے میں قدم رکھے۔ اس کی خوشبو پاتے ہی ایک دراز قد اور بڑی جسامت کا سائبیرین ہسکی دوڑتا ہوا شیر کے سینے پر چڑھا تھا جسے اس نے بغیر کسی مشکل کے اٹھالیا تھا اور اس کی پیٹ سہلانے لگا۔

"ماسٹر؟"

"میں تم سے بعد میں بات کروں گا۔" شیر نے کہتے رابطہ ختم کر دیا۔

"Did you missed me gray"?

شیر نے اپنا چہرہ گرے کے چہرے سے رگڑتے ہوئے سوال کیا۔ گرے نامی اس کا پالتو کتا ہڑکنے لگا تھا۔ وہ شیر کی موجودگی میں پرجوش اور خوش نظر آرہا تھا۔ شیر کے چہرے پر بھی مسکراہٹ اتری ہوئی تھی۔



حاشر اس عمارت میں عقب سے داخل ہوا۔ داخل ہوتے ہی اس نے اس منزل کا رخ کیا جہاں سے کچھ گھنٹے قبل وہ دو لوگ اٹھا کر لے گئے تھے۔ وہ احتیاط سے چلتا اسی کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا جہاں وہ لوگ تھے۔ اس پاس کوئی نہ تھا۔ وہ خاموشی سے اندر آیا اور دونوں فون آن کرتے کمرے کے وسط میں رکھے اور قریب بیٹھ گیا۔ ابھی چند لمحے ہی

گزرے تھے جب فون ایک موبائل پر کال آنے لگی۔ حاشر نے موبائل اٹھا لیا۔

"کیا ہوا؟" اس نے عربی لہجے میں کہا اس کی آواز اور لہجہ یکسر تبدیل تھا۔

"تم دونوں کے نمبر کیوں بند ہیں کیا تم لوگوں کو نہیں پتا آج ڈیلیوری کرنی ہے۔"

"نیٹ ورک کا مسئلہ تھا شاید۔ تم بتاؤ جگہ تبدیل نہیں ہوئی؟ وہیں سے ڈیلیوری ہوگی؟"

"جگہ کیوں تبدیل ہوگی؟"

"سنا نہیں تم نے؟ چار لوگ پکڑے گئے ہیں؟"

"ہمارا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔۔ تم یہ کیسی باتیں کر رہے ہو۔۔ فوراً لوکیشن پر آؤ۔۔"

"دراصل میں نے پی ہوئی تھی رات کو۔۔ مجھے لوکیشن دوبارہ بھیج دو۔۔" حاشر نے قریب پڑھی شراب کی ان گنت بوتلوں کی جانب دیکھتے کہا۔

"لنت ہو تم پر۔۔ جلدی پورٹ پر پہنچو۔۔ شرابی کی نسل۔۔" دوسری طرف کہہ کر فون بند کر دیا گیا۔

حاشر نے تیزی سے اپنا مائکروفون آن کیا۔
"جلدی دیکھ کر بتاؤ آج کون کون سی بندرگاہوں پر پاکستان بنگلہ دیش اور ہندوستان سے مال بردار جہاز آرہے ہیں۔۔"

"ابھی دیکھتا ہوں کمانڈر؟ ہمیں مزید کیا کرنا ہے؟" منان نے سوال کیا۔

"خود کو تیار رکھو اور ہاں رابطے میں رہو۔" حاشر نے کہہ کر رابطہ منقطع کیا۔ اگلی کال اریب کو کی۔

"ہوش آیا انہیں؟"

"جی لیکن غنودگی میں ہیں۔ اتنا تیز اثر تو نہیں ہونا چاہیے تھا۔" اریب کھسیائے انداز میں بولا۔

"یہ شرابی اور منشیات کے عادی ہیں ان کا سارا نظام ہی کمزور ہوا کرتا ہے۔"

"مس کیا کر رہی ہیں؟ ان سے کہیں مجھے آکر جوائن کریں۔" حاشر نے کہا۔

"میں بھیج دیتا ہوں اسے۔" اریب نے کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔ حاشر اسی کمرے میں ٹہل رہا تھا۔



شیر نے لفٹ میں داخل ہوتے ہی لفٹ کا دروازہ بند کیا اور لفٹ کا بٹن دبایا۔ لفٹ اوپر جانے کے بجائے نیچے جارہی تھی۔ جبکہ وہ پہلی منزل پر لفٹ میں سوار ہوا تھا۔ اگلے چند سیکنڈ میں لفٹ رک گئی۔ وہ باہر نکلا اور راہداری میں آگے بڑھتا گیا۔ راہداری خالی تھی جیسے وہاں کوئی نہ ہو۔ شیر کافی دیر چلنے کے بعد ایک دیوار کی جانب آیا جہاں سامنے ہی ایک سرکٹ بورڈ لگا تھا۔ اس نے ہاتھ ڈال کر ایک سرکٹ نیچے کیا اگلے ہی پل ہلکی سی آواز سے دیوار نیچ سے کھل گئی۔ جہاں کچھ لمحے قبل شفاف دیوار تھی اب وہاں ایک راستہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اندر داخل ہوا راستہ بھی بند ہو گیا تھا۔ وہ آگے آکر ایک دروازے کے قریب رکا اور دستک دی۔ اگلے ہی پل گیٹ کھلا۔ سامنے غازی کھڑا تھا۔ شیر پر نگاہ پڑتے ہی

اس کے چہرے پر چمک اتری تھی پر اگلے ہی پل اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا تھا۔

"ہٹو آگے سے۔" شیر نے اسے جھڑک کر ایک طرف کیا۔ غازی کے چہرے پر فوراً رونق بحال ہوئی۔

"بھائی!"

"بکو اس بند رکھو۔"

"بھائی پلیز۔" وہ جست لگا کر شیر کے کاندھے سے چمٹ گیا تھا۔

"غازی نیچے اترو تمہیں اٹھا کر پٹخ دوں گا۔" شیر غرایا۔

"پٹخ دیں۔" غازی نے کہتے اس کے گال پر بوسہ دید۔ جس پر شیر نے اس کے سر پر کہنی رسید کی تھی۔

"اترو نیچے۔"

"کیا مسئلہ ہے رہنے دیں نا۔۔ کبھی کبھی تو ایسی شاندار سواری ملتی ہے۔۔" غازی چہکتے ہوئے بولا۔ شیر جواب دیے بغیر آگے بڑھتا رہا۔

"مجھے پتا تھا آپ آئیں گے۔"

"تمہیں سب پتا ہوتا ہے اس کے باوجود تمہارے کام اٹے ہیں۔۔ کیوں گئے اس غدار سے ملنے۔۔"

"مجھے یقین ہے دشمنوں کو میری مخبری اس نے نہیں کی۔"

"لیکن وہ ہر وقت نظروں میں رہتی ہے بے وقوف۔۔" شیر نے اب کے اسے پیچھے دھکیلا۔ غازی چھلانگ لگا کر اس کے کاندھے سے اترا۔

"معاف کر دیں نا۔۔"

"معافی کا بچہ!" شیر نے تنک کر کہا اور صوفے پر جا کر نیم دراز ہوا۔

"دوسرا کہاں ہے؟"

"سورہا ہے۔۔" غازی نے جواب دیا۔

"آسکریم لے کر آؤں؟"

"اس سوال کی بھی ضرورت تھی؟" شیر نے ایک ابرو اچکا کر سردمہری

سے پوچھا۔ غازی دانت نکالتا باہر کی جانب بڑھا۔ شیر کے تنے اعصاب

ڈھیلے پڑے۔ چہرے کے تاثرات اب کے نرم تھے۔

کچھ لمحوں بعد ہی غازی آسکریم لیے واپس آیا۔

"اب کچھ عرصے تک تم میرے آس پاس ہی رہو گے۔"

"مطلب؟ سچ میں پگئی بات ہے؟ آپ کے ساتھ؟" غازی پر جوشی سے

کہتا قریب آیا۔

"میرے ساتھ نہیں غازی میرے آس پاس۔۔" شیر نے ٹھہر ٹھہر کر

الفاظ ادا کیے۔

"پھر فائدہ وہ تو ویسے بھی میں جب موقع ملتا ہے آپ کے آس پاس آجاتا ہوں۔۔ ساتھ کب رہیں گے ہم؟" وہ یک دم اداس ہوا تھا۔

"شاید کبھی نہیں۔۔ خواب دیکھنا چھوڑ دو غازی۔۔ صرف ایک ہی خواب ہے ہمارا اور اس میں ہماری ذات نہیں ہے۔" شیر نے اسے باور کروایا۔

"کیا آپ بھی کبھی خواب نہیں دیکھتے؟"

"مجھے ضرورت ہے؟"

"کیوں ہوگی؟ آپ تو دنیا کے سب سے امیر آدمی ہیں ہزاروں لاکھوں

لوگ آپ کے ماتحت کام کرتے ہیں۔۔ آپ کا کیا خواب ہوگا۔"

شیر ہنس دیا۔ اس کی ہنسی بے ساختہ تھی۔ غازی نے گردن اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔

"کیا آگے سے آرڈر آیا ہے؟"

"نہیں یہ میرا فیصلہ ہے اب تم میرے آس پاس رہو گے۔"

"کچھ نہیں کروں گا کیا؟"

"اتنا بھی اچھا نہیں ہوں میں۔" شیر نے آسکریم کا چیخ منہ میں رکھتے کہا۔

"اللہ کے بعد میری ساری کائنات آپ ہیں۔"

"اس کے باوجود ایک لڑکی سے دور تک نہیں رہ سکے۔"

"پسند تھی مجھے بہت۔" اس کا لہجہ بجھا۔

"پر آپ کی تو بات الگ ہے نا۔ میں بہت اداس تھا۔ اچھا ہوا آپ آگئے

نئی زندگی مل گئی ہے۔" غازی کی آنکھیں چمک اٹھیں تھیں۔

"تمہارا ریپچارج سسٹم کب تک مجھ سے جڑا رہے گا؟" شیر نے اسے

گھورا۔

"مضبوط بنو۔"

"آپ کی طرح نہیں بن سکتا۔" غازی نے منہ بنا کر کہا۔

"کبھی مت بنا۔" شیر نے اسے ڈپٹا۔

"غازی! مستقبل قریب بہت مشکل ہو سکتا ہے ہمارے لئے۔۔ میرے

لئے خاص طور پر۔ میں ایران کے ساتھ معاہدہ کرنے جا رہا ہوں لیکن وہ

معاہدہ ایران کے ساتھ نہیں ہے۔"

"کیسا معاہدہ؟" غازی پوری طرح سنجیدہ ہوا۔

"کیا میں گفتگو کا حصہ بن سکتا ہوں؟" اسی پل عثمان ظاہر ہوا۔

"آؤ۔۔ کیسے ہو؟"

"ٹھیک ہوں کمانڈر! آپ کو یہاں دیکھ کر بہت اچھا لگا۔" عثمان نے

مسکرا کر کہا۔ شیر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"میں کچھ گھنٹے قبل ہی ماسکو پہنچا ہوں۔۔"

"آپ کا گھر انتہائی حسین ہے۔۔ اور خاص کر اس میں بنے یہ خفیہ

کاٹیج؟ کیا ایسے ہی دنوں کے لئے بنائے گئے ہیں؟"

"ہاں! اس بارے میں میرا کوئی ملازم نہیں جانتا۔ انھیں میں نے خود

ڈیزائن کیا ہے۔ بیسمنٹ کے اندر ایسے چار کاٹیج ہیں جو گھر کے مختلف

حصوں میں موجود ہیں۔"

"تو باقی سب صرف یہی جانتے ہیں کہ گھر میں چار بیسمنٹ ہیں؟" عثمان

حیران ہوا۔

"ہاں یہ کوئی نہیں جانتا کہ ان چار بیسمنٹس کے اندر ایسے سیکریٹ کاٹیجز

بھی ہیں۔" شیر نے آہستگی سے کہا۔ وہ مطمئن نظر آرہا تھا۔

"کیا یہ گھر آپ نے خود ڈیزائن کیا ہے؟"

"ہاں یہاں لگے ایک ایک درخت کی لوکیشن تک۔۔" شیر مسکرایا۔
 "میں یہاں کے ایک ایک سٹم سے واقف ہوں۔۔" غازی نے دانت نکالے۔

"ہاں کام ہی ایسے کرتے ہو ہر بار تمہیں یہاں چھپانا پڑتا ہے۔۔ میں چاہتا تو تم لوگوں کو مہمان بنا کر مرکزی حصے میں رکھتا لیکن میں کسی پر بھروسہ نہیں کر سکتا اس معاملے میں۔۔ ایسا نہیں ہے کہ میں تم لوگوں کی حفاظت نہیں کر سکتا بلکہ ہمارے معاملے میں بے احتیاطی کی گنجائش نہیں ہے۔۔ ذرا سی بھی لاپرواہی ہمیں بڑے نقصان سے ملا سکتی ہے۔" شیر نے کہا۔ عثمان اور غازی توجہ سے اس کی بات سن رہے تھے۔



حاشر کو یہاں رکے کئی منٹ گزر چکے تھے جب اچانک ایک آہٹ نے اس کی سماعت کو متوجہ کیا۔ وہ فوراً چوکس ہوا اور بے آواز قدموں سے کمرے کے داخلی دروازے کے پاس آرکا۔ دفعتاً ایک شخص کمرے میں داخل ہوا اور اسی پل حاشر نے اسے گردن سے دبوچ کر دیوار سے لگایا اور ناک پر کہنی رسید کی وہ شخص اسی پل زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اسے کراہنے تک کا موقع بھی نہیں مل سکا تھا۔ کچھ ہی لمحوں بعد چند مزید قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ قریب رکھی لکڑی کی مضبوط ڈال اٹھا کر وہ دوبارہ گیٹ تک آیا اور اندر داخل ہونے والے نفوس پر کو ایک ہی وار میں چت کر دیا۔ وہ تین لوگ تھے۔ دو اسی پل ڈھیر ہوئے تیسرا قدرے مضبوط جسامت کا تھا اپنا بچاؤ کرتا حاشر پر چڑھ دوڑا حاشر نے پوری طاقت لگا کر اسے زمین پر پٹخ دیا اور اس کی گردن دبوچ لی۔

"ک۔۔ کون ہو تم کیا چاہتے ہو؟" وہ بمشکل بول سکا تھا۔ حاشر نے اس کی کنپٹی پر مکارسید کرتے اسے بھی ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیا۔ اسی پل اس کے کان میں لگے آلے نے ارتعاش کیا۔

"کمانڈر میں پہنچ گئی ہوں۔"

"یہاں چار لوگ ہیں پچھلے حصے پر گاڑی روکیں اور میرا انتظار کریں۔" حاشر نے کہتے ان کی تیزی سے تلاشی لے کر اسلحہ اور دیگر سامان قبضے میں کر لیا اور دو کو ایک ساتھ اٹھا کر کاندھوں پر ڈالا اور باہر کی جانب بڑھ گیا۔ اس کی چال سے نہیں لگ رہا تھا کہ اس نے دو توانا مردوں کو یوں اٹھا رکھا تھا۔ یوں محسوس ہوتا جیسے ہوا کے جتنا وزن لے رکھا ہو۔ وہ نیچے آیا تو طوبی گاڑی کا پچھلا حصہ کھولے کھڑی تھی۔ اسے

یوں آسانی سے دو لوگ اٹھائے دیکھ ایک پل کو وہ حیران سی ہوئی پھر
سر جھٹک دیا۔

"ان کے ہاتھ پیر باندھ دیں میں واپس آ رہا ہوں۔" طوبیٰ کو ہدایت دے
کر وہ پلٹ گیا تھا۔ طوبیٰ نے گردن ہلا کر فوراً اس کی ہدایت پر عمل شروع
کیا تھا۔



"عثمان کے سامنے میں تم سے زیادہ بات نہیں کر سکا لیکن اگلے ایک ہفتے
میں تم میرے ساتھ ہی یہاں سے نکل کر ایشیائی حصے کی طرف جارہے
ہو۔ اس لڑکی کو میں نے صرف تمہاری خاطر یہاں سے نکال لیا
ہے۔ لیکن آئندہ کے لئے کم از کم تمہارے لئے وہ مر چکی ہے۔" شیر
نے سنجیدگی سے کہا۔

"وہ سلامت رہے یہ ہی کافی ہے مجھے ویسے بھی اب اس سے کوئی رابطہ نہیں رکھنا۔" غازی آہستگی سے بولا تھا۔

"گڈ! تمہارے لئے میں نے یہ رعایت دے تو دی ہے لیکن تم اچھی طرح جانتے ہو میں اپنے اصولوں سے زیادہ کسی چیز پر یقین نہیں رکھتا۔ مجھے ہزاروں کام ہوتے ہیں میں بار بار تمہارے پیچھے نہیں آؤں گا غازی۔ اپنی حفاظت کرنا سیکھو۔"

"آپ کو میں جب جب بلاؤں گا آپ آئیں گے۔" غازی نے یقین سے پر لہجے میں کہا۔

"مجھ سے امید نہ ہی رکھو تو اچھا ہے۔ آج تک نہیں ٹوٹی لیکن اس کی گارنٹی نہیں ہے کہ آئندہ بھی نہیں ٹوٹے گی۔" شیر نے باور کرایا۔

"جب تک سانس چل رہی ہوگی تب تک تو آپ میرے پیچھے ضرور آئیں گے چاہے ساتھ آسمان ہی کیوں نہ پار کرنے پڑیں۔۔" غازی وہیں رک گیا تھا۔ لہجے میں چٹان سی مضبوطی اور یقین تھا۔ شیر قدم آگے بڑھاتا گیا۔

"میں غصے میں کہتا ہوں آپ بے حس ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ آپ کا دل دنیا کا سب سے حساس دل ہے۔"

شیر جواب دیے بغیر آگے بڑھتا گیا۔ چہرہ بے تاثر تھا۔ "بھائی اپنا خیال رکھیے گا۔ غازی آپ سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ اس پوری کائنات میں سب سے زیادہ۔۔" غازی کا لہجہ بھرا گیا تھا۔ شیر کے لبوں کے کنارے ذرا سے پھیلے تھے لیکن آنکھیں یوں ہی بے تاثر رہیں

وہ ایک بار پلٹے بغیر دروازہ پار کر گیا تھا۔ غازی ہتھیلی کی پشت سے آنسو رگڑتا پلٹ اندر کی جانب پلٹ گیا۔



شارجہ کے قدرے کم آبادی والے نو تعمیراتی علاقے میں یہ سب سے کونے والی عمارت تھی۔ تاریکی میں ڈوبی جیسے سالوں سے ویران پڑی ہو۔ آس پاس بجری اور سیمنٹ کی بوریاں تھیں جو شاید سالوں سے پڑیں تھیں۔ ان مٹی کے بڑے بڑے پہاڑوں کے عقب میں وہ وین کھڑی تھی۔ اندر کی جانب جاتے راستے پر ایک طرف سیڑھیاں تھیں دوسری طرف نیچے کو جاتا راستہ تھا۔ نیچے کی طرف جاتا راستہ یک دم تاریک تھا۔ منان اس پل اسی راستے میں داخل ہو رہا تھا۔ اندر قدم رکھتے ہی وہ رکا۔

"کمانڈر آپ کی بتائی لوکیشن پر ہوں۔"

"اندر آجاؤ۔ ٹارچ جلا کر۔" مائیکروفون پر حاشر کی آواز سنتے ہی وہ اندر

کی جانب بڑھا۔ سامنے وسیع میدان نما جگہ تھی۔ وہاں بھی لکڑیاں زنگ

آلود لوہے۔۔ سیمنٹ اور بجری پھیلی ہوئی تھی۔

"کس طرف کمانڈر۔۔؟"

"دائیں جانب آتے جاؤ۔ میں یہی کھڑا ہوں۔"

منان نے گردن گھما کر دیکھا تو اسے کافی دور ایک سایہ نظر آیا۔ منان اسی

جانب بڑھ گیا۔ حاشر کے قریب پہنچ کر وہ رکا۔

"یہ کیسی جگہ ہے کمانڈر؟" اس کی ہمراہی میں چلتے منان نے سوال کیا۔

"محفوظ جگہ ہے۔ کسی کی نظر میں نہیں آئے گی۔" ایک جگہ ذرا سی

اونچائی پر چڑھ کر اس نے ٹوٹی ہوئی دیوار پار کی سامنے ہی ریگستانی علاقہ

تھا۔ منان الجھا سا ساتھ چلتا رہا۔ دفعتاً ایک مقام پر وہ رکا اور جھک کر ہاتھوں سے ریت ہٹانے لگا۔ منان نے بھی اس کا عمل دہرایا کچھ ہی لمحوں بعد ایک لوہے کا گیٹ دکھا۔ جس کے ایک سرے پر چھوٹا سا خانہ تھا جسے کھول کر حاشر نے تیزی سے پن کوڈ ڈالا اگلے ہی پل ہلکی سی آواز کے ساتھ وہ گیٹ سرکا۔ اندر کو سیڑھیاں جارہی تھیں۔ منان حیرت زدہ رہ گیا۔ حاشر نے اسے اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ منان اندر داخل ہوا۔ حاشر کے اندر داخل ہوتے گیٹ بند ہو گیا۔

"یہ آپ نے کب کیا؟"

"سالوں سے کر رہا ہوں۔۔ بس وقت کے ساتھ ساتھ جدیدیت بڑھادیتا ہوں۔۔"

"تمام لوگ اندر ہیں۔۔ میں مس طوبیٰ اور حنین کو لے کر نکل رہا ہوں بندرگاہ کی طرف۔۔ ہمارے ساتھ کچھ مددگار ہوں گے اس لئے فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔۔" حاشر نے کہا۔ منان نے گردن اثبات میں ہلا دی۔

"ان سے مزید معلومات حاصل کرنے کا سلسلہ جاری رکھنا ہے۔۔" مس طوبیٰ آجائیں آپ۔۔" حاشر کہہ کر وہیں رک گیا۔ جبکہ منان اندر نظر آتے داخلی راستے کی جانب بڑھ گیا۔



جنت اسی آرٹ گیلری کے مہمان خانے میں رکی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے تمام کام کی نگرانی بذات خود کی تھی۔ وہ اپنے کام کو لے کر بے انتہا حساس تھی۔ انتہائی احتیاط کے ساتھ ہر پینٹنگ کو رکھوانا جگہیں تبدیل

کروانا ہر کام کا زمہ اس نے خود لے رکھا تھا۔ رات کے پہلے پہر جی گھبرانے پر وہ اپنا لپ ٹاپ اور سامان لیے گیلری سے باہر جانے والے راستے پر چلی آئی۔ اس کا ارادہ باہر جا کر تھوڑی دیر چہل قدمی کا تھا۔ ابھی وہ دوسری منزل پر ہی پہنچی تھی جب اچانک اس کی نگاہ گلاس وال کے پار نظر آتے کانفرنس روم پر گئی۔ اسے حسام کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھا دکھائی دیا۔ وہ رکی نہیں سیدھی نکل گئی۔ جبکہ اندر بیٹھا حسام کچھ چونکا تھا۔ چند منٹ میں ہی ساتھ بیٹھے لوگوں کو انتظار کا کہہ کر باہر کو نکلا اور اسی سمت بڑھنے لگا۔ اسے پارکنگ لاٹ میں ہی جنت نظر آگئی تھی۔ جنت کو بھی وہ اپنی طرف متوجہ دکھا تو وہ گاڑی کا دروازہ کھولنے کے بجائے وہیں ٹھہر گئی۔ حسام مسکرایا اور اس کی جانب چلا آیا۔

"گڈ ایوننگ۔۔ مجھے دیکھ کر رکنا اچھا لگا مجھے۔۔"

"اخلاقیات۔۔"جنت آہستگی سے مسکرائی۔

حسام ہنس دیا۔

"اس وقت کہاں جا رہی ہیں؟ پوچھ سکتا ہوں؟"

"نہیں۔۔"جنت نے قطعیت سے کہا۔

"آپ اپنی میٹنگ چھوڑ کر میرے پیچھے آئے ہیں؟"

"جی ایسا ہی ہے۔ کوئی مدد کی ضرورت تو نہیں؟"

"کیا یہ سوال کرنے آئے ہیں؟"

"جی۔۔"حسام نے جواب دیا۔

"بہت شکریہ! میں تازہ ہوا کے لئے کچھ دیر باہر کی طرف جا رہی ہوں

آپ اپنی میٹنگ کنٹینیو کریں۔۔"

"آپ چاہیں تو جوائن کر سکتی ہیں کچھ اسپانسرز ہیں۔۔"

"ایونٹ سے ایک دن قبل کون سی اسپانسر شپ میٹنگ ہوتی ہے؟" جنت نے الجھ کر سوال کیا۔

"خیر آپ ریلیکس رہیں میں مینیج کر لوں گا۔" وہ مسکرایا۔ جنت سر ہلاتی کار کا دروازہ کھولنے لگی۔ حسام اسے نگاہوں کے حصار میں لیے تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔ جنت نے دوبارہ اس کی جانب نہیں دیکھا۔ بے نیازی سے گاڑی نکالنے لگی۔ حسام وہیں کھڑا رہا یہاں تک کہ جنت کی کار پارکنگ لاٹ سے نکل گئی۔ حسام گہری سانس بھرتا جیکٹ کی جیب سے لائیٹر اور سگریٹ نکالنے لگا۔

"اگر یہ کمپنی مس جنت افسوس سے معاہدے جاری رکھے گی تو ہماری کمپنی اس ایونٹ کو اسپانسر نہیں کرے گی۔" حسام کی سماعت میں یہ جملے گونجے۔

"آخر جی ایف ایس آر کی جنت سے کیا دشمنی ہے؟ تمام اسپانسرز کا یہی مطالبہ ہے۔۔ میں جنت کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا۔ نہیں کرنا چاہتا۔۔ میں اسے ناراض نہیں کر سکتا۔ مجھے جلد از جلد کچھ کرنا پڑے گا۔ کم از کم کل والا ایونٹ تو میں برباد نہیں کرنا چاہتا جنت کا پہلا ایگزیکشن ہے۔۔" وہ اپنے آپ سے کہہ کر اندر کی جانب بڑھ گیا۔



"کیا تم جانتے ہو تم کہاں ہو؟" اریب ایک جانب کرسی پر ٹانگیں پھیلائے سکون سے بیٹھا تھا۔ سامنے ہی ایک شخص کرسی پر بندھا ہوا تھا۔ چہرے پر زخم کے نشان اور آنکھوں میں وحشت تھی۔

"کیا تم جانتے ہو کہ میرا تعلق کس سے ہے؟"

"نہیں جانتا تم بتاؤ کیا پتا میں ڈر کے مارے تمہیں فوراً آزاد کردوں بلکہ ساتھ معافی بھی مانگ لوں۔۔" اریب مسکرایا۔

"تمہیں معافی مانگنے کا موقع تک نہیں ملے گا میں وہ تمہارا ایسا حال کریں گے۔۔"

"کم از کم ایسا تو نہیں کریں گے جیسا ہم نے کیا ہے؟ اندازہ ہی لگالو کہ تم کہاں ہو؟ نہیں لگا سکتے؟ جانتا ہوں۔۔ اب اسی طرح ہفتوں یہاں بھوکا رکھوں گا تمہیں میں۔۔ اگر تمہاری کسی ساتھی نے زبان کھول لی تو پھر تمہارا یہاں رہنا بھی ہمارے لئے بوجھ سے کم نہیں ہوگا۔۔ مارے جاؤ گے۔۔ اس لئے منہ کھولو جان بچاؤ۔"

"جان سے مار دو۔۔"

"الحاظ تو نہیں کروں گا۔" اریب لاپرواہ سا نظر آرہا تھا۔ اسی طرح منان بھی ایک الگ کوٹھری میں کرسی کے قریب ہی بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں سرکٹ پکڑے وہ اس کے منہ کھولنے کا منتظر تھا۔

"کس کس کے لئے کیا کیا کام کرتے ہو؟" اس نے سوال کرتے ہی وہ مشین اس کی ران پر رکھی تھی کرنٹ کا ایک شدید جھٹکا اسے لگا تھا۔ لمحاتی عمل تھا لیکن اس کی زبان کھولنے کو کافی رہا۔
"صوفی اینڈ کو۔" وہ ہکلا کر بولا تھا۔

"میں صرف ایک معمولی سا ملازم ہوں میرا کام صرف آرڈرز ماننا ہے میں تو صرف ایک آلہ کار ہوں پلیز مجھے جانے دو مجھے تو ابھی ایک سال بھی نہیں ہوا کمپنی جوائن کیے۔ مجھ سے اوپر کے پیسے کی بات کی گئی تھی۔۔ ہم اسمگلنگ کرتے ہیں۔۔" وہ چپ ہو کر رو دیا۔

"کیسی اسمگلنگ کہاں سے کرتے ہو؟ کہاں کہاں کرتے ہو؟"

"لڑکیوں کی۔۔ بچوں کی۔۔ پاکستان۔۔ انڈیا۔۔ افغانستان۔۔ ایران۔۔ سری لنکا
بنگلہ دیش۔۔"

"کیا کیا جاتا ہے ان بچوں اور لڑکیوں کا۔۔"

"کچھ کے اعضاء نکالے جاتے ہیں۔۔ ہسپتالوں میں بیچے جاتے ہیں۔۔ کچھ
بیچ دیے جاتے ہیں۔۔ ان کی نیلامی ہوتی ہے۔۔ بولی لگتی ہے لڑکیوں
کی۔۔ جو زیادہ پیسہ دیتا ہے اس کو دے دی جاتی ہیں۔۔ پھر چاہے وہ کچھ
بھی کرے یا کروائے ان سے۔۔"

"خریدنے والے کون ہوتے ہیں؟"

"یہ میں نہیں جانتا۔۔" وہ مسلسل خوف سے کانپتا اور رویا جا رہا تھا۔

"تو پھر کسی ایسے شخص کے بارے میں بتاؤ جو جانتا ہو۔" منان کی سرد آواز اسے اندر تک اترتی محسوس ہوئی وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"کون ہیں آپ لوگ؟"

"یہ جان کر تو تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ تو کیوں نہ اسی چیز پر دھیان دو جس سے تمہاری تھوڑی بچت ہو جائے۔"

"وہ بہت اثرورسوخ والے لوگ ہوتے ہیں ان کے بارے میں ہر کوئی نہیں جانتا۔ صرف قریبی ساتھی جانتے ہیں۔ یہ ایک منزل سے ہو کر دوسری منزل تک کے کام ہیں۔ اور ان سب کو آپس میں ملنے کی اجازت بھی نہیں ہوتی ہے۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ میں جن سے ملتا ہوں وہ کون ہیں ہمیں اجازت نہیں۔ اس کی بھی الگ سزا ہوتی ہے۔ کوئی بھی ڈیلیوری کرنے کے بعد پیچھے مڑ کر دیکھنا یا کوئی بھی رابطہ

وغیرہ کرنا منع ہوتا ہے۔۔ دراصل رابطے کے وہ ذریعے بھی ختم کر دیے جاتے ہیں۔۔ یہ سب بہت صفائی سے کیا جاتا ہے۔۔ میں واقعی نہیں جانتا کہ میں اب تک کس کس سے ملا ہوں اور وہ کیا کیا کام کرتے ہیں۔۔ پلیز مجھے جانے دو۔۔" وہ پھر رونے لگا۔ منان نے پانی کی بوتل اس کے سامنے رکھ کر اس کا ایک ہاتھ کھولا اور ریکارڈر بند کر دیا۔

"سوچ اور سمجھ کر۔۔ یاد کر کے مجھے ہر وہ کام کی بات بتاؤ جس، سے ہم دونوں کا فائدہ ہو سکے۔۔" منان نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ بے صبری سے پانی پینے لگا۔ پانی پیتے ہی منان نے اس کے ہاتھ دوبارہ باندھ دیے اور کمرے سے نکل گیا۔



وہ شارجہ کی خور فخن بندرگاہ کا منظر تھا۔ ایک طرف چھوٹی بڑی گھاٹیاں تھیں۔ دوسری جانب سیاحتی مرکز تھا جبکہ ایک جانب کاروبار زندگی رواں دواں تھا۔ یہ بندرگاہ چوبیس گھنٹے دن کا منظر پیش کرتی تھی۔ یہاں خاموشی کھانے کے اوقات میں یا ڈیوٹی کے تبادلے کے دوران ہوا کرتی تھی۔ بندرگاہ پر سیکیورٹی نہ ہونے کے برابر تھی۔ حاشر ایک جانب بڑے بڑے پتھروں کے درمیان ایک جدید قسم کا سیاہ چشمہ لگائے کھڑا تھا جس کی مدد سے وہ تمام مناظر قدرے بہتر دیکھ سکتا تھا۔ طوبیٰ اور حنین کسی اور جگہ تھے۔ وہ تینوں اسلحے سے لیس تھے۔

"ہمیں انتظار کرنا ہے یہاں تک کہ ایک سیاہ کنٹینر جس کے چار دروازے ہوں پورٹ پر نہ اتارا جائے۔"

"چار دروازے؟"

"ہاں! چار دروازے سبز رنگ کے چار دروازے۔" حاشر نے کہا۔

"کیا ہمارا ٹارگٹ وہ سیاہ کنٹینر ہے؟" حنین کی آواز آئی۔

"ہاں! اس میں بچے اور بچیاں ہیں۔ ہمیں ریسکیو کرنا ہے انہیں۔ اور یہاں کی اتھارٹیز کو بے خبر رکھنا ہے۔ وہ ہمارے کسی کام نہیں آئیں گے۔" حاشر نے کہا۔

"اوکے میں تیار ہوں۔" طوبیٰ نے پرجوشی سے کہا۔

"میں بھی تیار ہوں۔" حنین نے کہا۔

وہ کافی دیر تک ایک ہی جگہ ساکت بیٹھے رہے یہاں تک کہ ایک درمیانے سائز کا جہاز بندرگاہ کے قریب آتا دکھائی دیا۔

"کیا ہم اٹیک کریں گے؟"

"نہیں ہم اٹیک نہیں کریں گے ہمیں صرف اس کنٹینر پر نظر رکھنی ہے اور اس کی پلیسمنٹ دیکھنی ہے۔" حاشر نے کہا اور باہر کی جانب بڑھا۔

"کیا پوزیشن چھوڑ دیں؟"

"نہیں۔۔ کڑی نگاہ رکھیں میں ایک کام سے جارہا ہوں۔۔"

"اوکے۔۔" حنین نے کہا۔ حاشر مفکر کو ذرا اوپر تک کرتے گردن پر لپیٹا

کیپ آگے کی جانب جھکاتا آگے بڑھنے لگا۔

اس کی آنکھوں پر ہلکا سیاہ چشمہ لگا تھا جس کے اندر نینو کیمرے لگے تھے۔ وہ اس جہاز پر آنے والے تمام لوگوں کی واضح تصاویر بنانا چاہتا تھا۔ وہ یوں ہی آگے بڑھتا رہا۔

"کیا تمہیں سیاہ کنٹینر نظر آرہا ہے حنین؟"

"نہیں۔۔ مجھے نظر نہیں آرہا فی الحال۔۔"

"جہاز رک چکا ہے۔۔ ابھی فوراً وہ لوگ سامان نہیں اتاریں گے۔۔ انہیں وقت لگے گا۔" حاشر نے کہا اور کچھ مزید آگے جا کر رک گیا۔ وہ ایک چھوٹی سی کشتی تھی جس کے قریب آ کر وہ رکا تھا۔ گردن اٹھا کر سامنے کی جانب دیکھ کر چشمے کے سرے پر ہاتھ رک کر منظر کو زوم کرنا چاہا۔

"پرفیکٹ۔۔" زیر لب بڑبڑاتا وہ وہیں کشتی پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔

"کیا آپ پر کوئی شک نہیں کرے گا کمانڈر؟"

"دنیا کے ہر کونے سے ہر سال کڑوڑوں لوگ ان ریاستوں میں سیاحت کے لئے آتے ہیں یہاں کی معاشی ترقی میں ایک بڑا حصہ سیاحت سے آتا ہے اور یہاں سیاحوں کو چھیڑنا اپنے پیٹ پر لات مارنے کے مترادف ہے اور میں ایک عام سیاح ہوں جو تھوڑی دیر کے لئے بندر گاہ پر بیٹھ

سکتا ہے۔۔ "وہ عام سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ طوبیٰ کے لبوں پر مسکراہٹ اتری تھی۔

"عام سیاح!" وہ زیر لب بڑبڑائی۔



واشنگٹن میں صبح کی آمد کے ساتھ ہی چہل پہل اپنے عروج پر جا پہنچی تھی۔ موسم میں قدرے خنکی تھی۔ سورج معمول کے مطابق بادلوں کی اوٹ سے تانکا جھانکی میں مصروف تھا۔ آرٹ گیلری میں ہر جانب ورکرز اور آرٹسٹ تھے جو تیزی سے اپنے اپنے کاموں کو جلد سے جلد نمٹانے کی دھن میں تھے۔ کسی کے ہاتھ میں کوئی لسٹ تھی تو کوئی مختلف سامان اٹھائے دوسری طرف جارہا تھا۔ اس پر ہجوم ہال میں صرف جنت تھی جو پرسکون بیٹھی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ آج کے ایونٹ کی تمام

اسپانسرشپ کینسل ہو چکی تھیں۔ کچھ گھنٹے قبل ہی اس نے ہیروں کا ہار لے جا کر خریدتے وقت موصول ہوئی رسید سمیت لے جا کر حسام کے سامنے رکھ دیا تھا۔

"یہ کیا کر رہی ہیں آپ جنت؟"

"جنت؟" جنت کی آنکھوں میں خفگی کا تاثر مزید بڑھا تھا جس نے حسام کو بے اختیار گڑبڑانے پر مجبور کیا۔

"مس جنت۔۔ آئی ایم سوری لیکن میں یہ نہیں لے سکتا اس ایونٹ کا ذمہ مجھ پر ہے آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"یہ ہمارا معاندہ ہے تو اس کے ذمہ دار ہم دونوں ہیں حسام! اور میں احسانات کی عادی نہیں ہوں۔۔ یہ ایک بوجھ کی مانند ہوتے ہیں جو ہمیں کسی غلام کی طرح قید کر لیتے ہیں۔ آئندہ میرے علم میں لائے بغیر کوئی

فیصلہ کرنے کی سزا یہ ہوگی کہ آئندہ کے لئے کبھی بھی ہم ایک دوسرے کا چہرہ نہیں دیکھ پائیں گے۔ "جنت سختی سے کہہ کر اس کے آفس سے نکل آئی تھی۔

حسام ساکت سا ہنوز اپنے آفس میں بیٹھا اس قیمتی ہار کو دیکھ رہا تھا۔ یہ کڑوڑوں ڈالرز کی قیمت کا ہار اس کے سامنے یوں پڑا تھا جیسے کوئی بیکار چیز ہو۔ ایسے ہی تو جنت اسے یہاں پٹخ کر گئی تھی۔ اس اکلوتے ہار کی بدولت وہ ساری زندگی عیش و آرام کے ساتھ گزار سکتی تھی پھر وہ ایسی گمنام زندگی کیوں جی رہی تھی؟

"کون ہے یہ لڑکی؟" وہ سوچے بغیر نہ رہ سکا۔



"کیا تم سنجیدہ ہو اس وقت ڈینیل؟"

"میں سنجیدہ ہوں ماسٹر۔" دوسری جانب سے ڈینیل کی آواز آئی۔ شیر کی پیشانی پر سلوٹیں تھیں۔ لاتعداد۔۔

"کیا وہ خود کو کمپنی کا مالک سمجھ رہا ہے؟" اس کی آواز میں سرد مہری نے جنم لیا۔

"اصولوں کے مطابق وہ اپنے حصے کے خود مختار ہیں ماسٹر؟ مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

"اصول میرے بنائے ہوئے ہیں اور ان اصولوں میں ہی ایک اصول یہ ہے کہ تمام معاملات پر میری نگرانی رہے گی اور میں جب چاہوں کسی کو ایک ہی جھٹکے میں بغیر وجہ بتائے کمپنی سے نکال سکتا ہوں۔ یہ اصول جانتے ہو ڈینیل میں نے کیوں بنایا تھا؟" شیر غصیلے لہجے میں کہہ سوال کرنے لگا۔

"میں نہیں جانتا ماسٹر!" ڈینیل خود بھی پریشان لگ رہا تھا۔

"میں بتاتا ہوں۔۔ جب کبھی ایسے دو ٹکے کے لوگ اپنی ذاتی مفادات یا کسی کوتاہی کو چھپانے کی خاطر کمپنی کو استعمال کرنا چاہیں تو میں اس اصول کو استعمال کر سکوں۔"

"میں سمجھ گیا۔ لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس آرٹ گیلری کا مالک آپ کا دوست ہے؟"

"ہاں وہ میرا دوست ہے اس کا میری ذات پر سب سے بڑا احسان ہے جب بچپن میں میری ماں نے میرے باپ سے لڑ کر ہمیں گھر سے نکال دیا تھا تو میں شارجہ کی کچرا کنڈی پر کھانا تلاش کر رہا تھا تاکہ اپنا پیٹ بھر سکوں اور حسام بن محمد میرا وہ جگری دوست ہے جس نے مجھے اس وقت کھانا کھلایا تھا۔ اب مجھے یقین ہے تم اس راز کو راز ہی رکھو گے کسی کو پتا

نہیں چلنے دوگے کہ تمہارا ماسٹر جو آج دنیا کا امیر ترین شخص ہے کبھی کچرا کنڈی میں کھانا تلاش کرتا تھا۔۔۔" شیر چہرے سے بالکل سنجیدہ اور سچا لگ رہا تھا۔ تبھی ڈینیل متاثر ہوتا نم آنکھوں کے ساتھ سر ہلانے لگا۔

"ماسٹر آپ فکر مت کریں میں اس آرٹ گیلری کو ایسے اکیلا نہیں چھوڑوں گا وہ عرب شخص میرے لیے بھی اب ایک خاص انسان ہے۔"

"بس بس زیادہ جذباتی نہ ہونا۔ پتا چلا تم جا کر سر عام اسے گلے لگا لو۔ اگر اسے پتا چلا کہ میں ایسے اس کی مدد کر رہا ہوں تو وہ کبھی قبول نہیں کرے گا۔" شیر اب کے ہلکا سا مسکرایا تھا۔

"میں بے وقوف نظر آتا ہوں کیا ماسٹر؟"

"نہیں تم بے وقوف نہیں نظر آتے ڈینیل! چلو شاباش اب یہ مسئلہ تم پر چھوڑ رہا ہوں سب سے اچھی والی پروڈکٹس کو جاکر اس آرٹ گیلری کے ساتھ ملا لو۔" شیر نے ہدایت کی۔

"جی ماسٹر!"

شیر نے رابطہ منقطع کر دیا اور اپنی سیاہ جیکٹ کا ہڈ سر پر گرائے راہداری میں آگے بڑھنے لگا۔ اس کا رخ باہر کی جانب تھا۔ ماسک جو گردن پر تھا اس نے چہرے پر لگا لیا۔ آنکھوں میں اس وقت سنہرے لینس تھے۔ ہاتھ پر کسی قسم کا ٹیڈیا دستانے نہیں تھے۔ وہ عام سے حلیے میں تھا۔ وہ باہر آکر پیدل ہی ایک جانب چل پڑا۔ اسی دوران اس کے کان پر لگے مائیکروفون پر ارتعاش ہوا اس نے رابطہ

بحال کیا۔

"بھائی آپ کدھر جا رہے ہیں۔"

"میٹنگ میں۔۔ اور اس آلے کو کم استعمال کیا کرو۔"

"لیکن یہ تو آپ نے بنایا ہے۔ بالکل محفوظ ہے؟ کیا نہیں ہے۔"

"احتیاط لازم ہے۔ اور باہر جھانکنا بند کرو جا کر آرام کرو صبح ہمیں نکلنا ہے۔" شیر نے کہہ کر ایک نگاہ کچھ فاصلے پر لگے درخت کی جانب دیکھا۔

"دیکھ ہی رہے ہیں تو ایک ہوائی بوسہ بھی دے دیں۔" غازی ہنستے ہوئے بولا۔ شیر نے سر جھٹکتے رابطہ منقطع کر دیا اور دھیمی مسکراہٹ سے دوبارہ اس درخت کی جانب ایک مخصوص مقام کو دیکھا۔ اندر بیسمنٹ کے کنٹرول روم میں بیٹھا غازی بھی مسکرایا تھا۔ اس کی نگاہیں اسکرین پر نظر آتے شیر پر تھیں جو آگے بڑھتا دکھائی دے رہا تھا۔



گہری ہو چکی تھی۔ جہاز پر سے کنٹینرز اتار دیے گئے تھے۔ کچھ فاصلے پر ہی مال بردار ٹرک کھڑے تھے۔

"اگر ہم اس کنٹینر تک نہ پہنچ سکے تو ہمیں پلان بی پر عمل کرنا ہے۔"

"کمانڈر وہاں تمام لوگ اسلحہ بردار ہیں کیا ہمیں پلان بدلنے کی ضرورت نہیں؟" طوبیٰ نے کہا۔

"آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں؟"

"میں اس ٹرک کا کنٹرول سنبھال لوں؟"

"ہمیں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہیے۔ یہ گاڑی مونیٹر ہو سکتی ہے۔"

"تو میں اس ٹرک کا سسٹم ہیک کر لوں؟ یہ ایسے بھی ہمارے قابو میں

آجائے گا۔"

"آپ کیا کہتے ہیں؟ N890؟" حاشر نے حنین کو اس کے کوڈ نیم سے پکار کر سوال کیا۔

"میرا خیال ہے ہمیں تھوڑی دیر رک کر مزید حالات کا مشاہدہ کرنا چاہیے۔" حنین نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ B907 (اریب) اور N098 (منان) سے رابطہ کریں۔" حاشر نے کہا۔

اگلے دو منٹ وہ سب آپس میں رابطے میں تھے۔

"کنٹینر بندرگاہ پر اتار دیا گیا ہے۔۔۔۔" حاشر یک دم چپ ہوا۔ اس نے غیر محسوس انداز میں نگاہ آس پاس گھمائی۔

"Operation cancel!"

اس کے کہتے طوبیٰ اور حنین چونکے اور الجھن آمیز انداز میں آس پاس دیکھا۔

"آپ لوگوں پر نظر رکھی جا رہی ہے۔"

"اور آپ۔۔"

"میں عام سیاح ہی ہوں۔ آپ لوگ ہوشیار رہیں۔" حاشیہ نے عام سے لہجے

میں کہا اور مخالف سمت میں بڑھنے لگا۔ طوبیٰ نے گہری سانس لی۔

"جتنی جلدی ہو سکے ہوشیاری سے یہ جگہ چھوڑ دیں۔"

"اور کچھ دور جا کر انتظار کریں۔ یہاں سے چھ راستے ہیں ان چھ راستوں

کے نام میں آپ کو بتا رہا ہوں انھیں مونیٹر کریں۔" حاشیہ کی ہدایات

جاری تھیں جنہیں وہ بغور سن رہے تھے۔



وہ ایک قدرے خالی اور تنگ سی سڑک تھی۔ اس جانب ہوٹل اور مارکیٹیں نہیں تھیں۔ سوائے صنعتی عمارتوں کے اس علاقے کی آبادی بھی کم تھی۔ حاشر یہی موجود تھا۔ ایک بڑے سے پتھر کے قریب بیٹھا گود میں لیپ ٹاپ تھا۔ کان میں ایر بڈ اور سر پر سیاہ ہڈ تھی۔ ہاتھ بھی دستانوں میں چھپے تھے۔

"کیا آپ لوگ سب تیار ہیں۔"

"جی وہ کنٹیر آپ کی لوکیشن کے قریب پہنچنے کو ہے لیکن ہم کہہ نہیں سکتے کس سڑک پر جائے گی۔" منان کی آواز آئی۔

"میں دیکھ رہا ہوں اور مجھے لگتا ہے وہ اسی طرف آئے گی۔"

"ٹیم بی! آپ لوگوں کی کیا پوزیشن ہے؟" حاشر نے اریب اور طوبی سے دریافت کیا جو اس سڑک کے پیچھے والی شاہراہ پر تھے۔

"ہم اپنی پوزیشن پر ہیں۔ ان کے قریب آتے ہی میں کنٹرول سنبھالنے کی کوشش کروں گی۔"

"گڈ!" حاشر نے کہا۔

کچھ دیر قبل ہی ٹرک سڑک پر نمودار ہوا۔ حاشر نے فوراً جدید ٹیکنالوجی سے تیار کیا چشمہ لگا کر تصدیق کی۔

"ٹیم اے روڈ سی پر آئیں۔ ٹیم بی ٹرک کا کنٹرول سنبھال لیں۔" حاشر نے تیزی سے کہا اور اپنی چھوٹی پوسٹل نکال کر ٹرک کے اندرونی پہیے کا نشانہ باندھ کر دو فائر کیے۔ ٹرک ایک پل کو لرزا اور فوراً اندر سے فائر کیے گئے۔ حاشر نیچے کو جھکتا تیزی سے سڑک پر آیا دوسری جانب سے فائر جاری تھے لیکن حاشر کی تیز رفتاری نشانے ضائع کر رہی تھی۔ اس نے رک کر دوبارہ ٹرک کے شیشے پر فائر کیے۔ اور اگلے چند لمحوں میں ہی وہ

ٹرک کے سامنے والے حصے سے لیٹا دکھائی دے رہا تھا۔ دو اشخاص بوکھلائے انداز میں عربی زبان میں کچھ کہہ رہے تھے۔ کچھ لمحے گزرنے پر ٹرک بھی رک چکا تھا۔

"ڈرائیور سیٹ پر رہے دوسرا میمبر باہر آجائے۔ ٹیم بی آپریٹر وہیں رہے دوسرا میمبر یہاں آجائے۔" حاشر نے ہدایت کرتے جست لگائی اور فرنٹ سیٹ والے شخص کا پستول والا ہاتھ دبوج کر اسے باہر کھینچ لیا۔ وہ خوفناک چیخ مار کر نیچے آکر گرا تھا۔ حاشر کے عمل میں غیر معمولی اور غیر انسانی تیزی تھی جسے فوراً سمجھنا عام لوگوں کے لئے کبھی آسان نہیں رہا تھا۔ حنین نے پیچھے سے آتے ہی ڈرائیور کو

دبوج کر نیچے اتارا اور اسے زمین پر پٹخ کر اس کی گردن پر گھٹنا رکھا۔
"چابی دو کنٹینر کی۔" اس نے سفاک لہجے میں کہا۔

"ک۔۔ کون ہو تم؟"

حنین نے اس کی ناک پر مکا رسید کرتے دوبارہ چابی مانگی۔ اسی پل حاشر اس کی جانب آیا۔

"بے ہوش کر دو اسے۔" حاشر کہہ کر پیچھے کنٹینر تک آیا اور جست لگا کر اوپر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی راڈ تھی۔

"میں آگیا سب ٹھیک ہے؟" اریب اسی پل بانیک سے اترتا اس جانب لپکا۔ طوبی بھی ساتھ تھی۔ وہ بھی قریب آئی تھی۔

"جلد سے جلد انھیں اس وین میں منتقل کرنا ہے میں پیچھے کی جانب جارہا ہوں۔" حاشر نے تالا توڑا اور مخالف سمت میں بڑھ گیا۔ طوبی نیچے کھڑی رہی۔ اس کا سانس پھول رہا تھا۔

کنٹینر کا دروازہ کھولتے ہی اریب ششدر رہ گیا۔ اندر درجنوں لڑکیاں اور بچے تھے۔ اریب کو دیکھ کچھ ایک دوسرے کی آڑ میں ہوئے تو کچھ با آواز رو کر رحم کی اپیل کرنے لگے۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں آپ سب محفوظ ہیں۔"

"ک۔۔ کون ہیں آپ؟" ان میں سے ایک لڑکی لرزتے لہجے میں سوال کر رہی تھی۔

"مجھے اپنا بڑا بھائی سمجھیں۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔۔ آجائیں۔۔" اریب نے نرمی سے کہتے ایک بچے کی جانب ہاتھ بڑھایا۔ جسے فوراً تھام لیا۔ اریب انھیں سہارا دے کر نیچے اتارنے لگا۔ طوبیٰ بھی فوراً مدد کو اوپر آئی تھی۔



"اس بات سے کیا مطلب ہے تمہارا کیسی بکواس بات کر رہے ہو تم؟" عمش حلق کے بل چلایا تھا۔ سامنے کھڑے کئی ملازم یک دم پیچھے ہٹے تھے۔ کمرے میں تناؤ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

"میں صوفیہ کو کیا جواب دوں گا خالد؟ بتاؤ مجھے؟ اور مسٹر فاکس؟ وہ اس غلطی پر مجھے جان سے ہی مار دیں گے۔ کیا تم نہیں جانتے وہ چھ آدمی کہاں گئے؟ ایسا ہمارے ساتھ کون کر سکتا ہے؟"

"ان چھ لوگوں سے زیادہ ضروری وہ شپمنٹ ہے عمش۔" ہیزیل نے اسی پل کمرے میں قدم رکھا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی پریشانی ظاہر تھی۔

"صوفیہ نے ہم پر بھروسہ کیا تھا۔ تمہارے ذاتی رشتے کے علاوہ میرا ذاتی کاروبار بھی بڑے نقصان سے دوچار ہو گا۔" ہیزیل کمرے میں بے چینی

سے ٹہل رہی تھی۔ عمش اس کی جانب متوجہ نہیں تھا اس کا سارا دھیان اپنے موبائل پر تھا وہ کسی سے رابطے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کہاں ہو تم؟ اگلے دس منٹ میں ریزارٹ پہنچو ورنہ میں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔" عمش سختی سے بولا اور فون بند کر دیا۔

"شیر سے رابطہ کر۔"

"اس کا اس معاملے سے کیا تعلق ہے؟" عمش نے بمشکل لہجے کو متعادل رکھا تھا۔

"تو پھر جس کا بھی تعلق ہے اسے سامنے لے کر آنا ہے۔۔ یہ معاملہ چھوٹا نہیں ہے۔۔" ہیزیل برفیلے لہجے میں کہہ کر وہیں صوفے پر جا بیٹھی۔



یہ وہی مقام تھا جہاں حاشر کی زیر زمین عمارت واقع تھی۔ یہ اندرونی منظر تھا۔ بڑے سے کھلے صحن میں وہ پانچوں موجود تھے۔ ان کے چہرے خوشی اور اطمینان کا مظہر تھے۔

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ ہم نے یہ آپریشن بخیریت ختم کر لیا ہے۔"

"اور مجھے یقین تھا کہ یہ ہم کر لیں گے۔" حاشر اطمینان سے بولا۔

"ایسے ہی تو دنیا کی سب سے تیز اور قابل خفیہ ایجنسی کے قابل ترین ایجنٹ "ڈارک آئی" نہیں بن گئے ہیں نا۔" طوبی نے کافی کا گھونٹ بھرتے کہا۔

"آپ کو کیسے پتا چلا کہ کس سڑک کو استعمال کریں گے وہ؟"

"میں ان کے مقام تک آکر ان کی ذہنیت سے سوچ رہا تھا کہ گوکہ انہیں کسی کا ڈر نہیں ہوتا لیکن وہ لوگ کوشش کرتے ہیں کہ ایسے

راستوں کا استعمال کریں جہاں ٹریفک کم ہو۔ اور میں جانتا ہوں شارجہ کی کون سی سڑک کس وقت کتنے ٹریفک میں ہوتی ہے اور کس طرف کتنی سیکورٹی فورسز ہوتی ہیں۔۔"

"آپ نے اس شہر کی سڑک کی تفصیل لکھ رکھی ہے۔"

"ہاں! ایسا ہی ہے۔" حاشر بولا۔

"ان بچیوں اور بچوں کو تسلی دیتی رہیں۔ مجھے بریگیڈیئر فاروق سے رابطہ کرنا ہے ہمیں جلد سے جلد ان کو بحفاظت واپس بھیجنے کی کوشش کرنی ہے۔"

"سرکاری طور پر؟"

"نہیں۔۔ غیر سرکاری۔۔ یہ راز ہی رہے گا اس مشن کے دوران ہر آپریشن راز رہے گا۔"

"مطلب کہ ہمیں کوئی شاباشی نہیں ملے گی۔" طوبیٰ نے منہ بسورا۔
 "تمہیں شاباشی کی پڑی ہے؟" اریب نے منہ بنا کر کہا۔ حاشر جو کچھ نہ بولا
 تھا آہستگی سے مسکرایا۔ طوبیٰ اسی کو دیکھ رہی تھی اس کے مسکرانے پر
 پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوئی۔
 "آپ کیوں مسکرا رہے ہیں کمانڈر؟" طوبیٰ نے سوال کیا۔ وہ خود کو روک
 نہیں پائی۔ اس کی بات پر باقی تینوں بھی حاشر کی جانب دیکھنے
 لگے۔

"آپ نے آج قابل تعریف کام کیا ہے۔ آپ کی حاضر دماغی نے ہمیں
 مشکلات سے بچایا ہے۔ ایسے ہی کام کرتے رہیں۔ حنین تمہاری سنجیدگی اور
 لگن کی ہمیں ہر وقت ضرورت رہے گی۔ اریب تمہاری تیزی اور مشاہدہ
 ہمارے لئے قدم قدم پر مددگار رہے گا۔ منان ذہانت کا اسی طرح

استعمال کر کے ہمیں وقت پر اپ ڈیٹ کرتے رہنا۔ اسی طرح کام کرتے رہے تو بہت جلد اپنا ہدف پالیں گے۔"

"GOOD Work All!"

"شکریہ کمانڈر!" طوبی کی آنکھیں یک دم چمک اٹھیں تھیں۔
"آپ کا لیڈنگ رول ہی ہمارا حوصلہ ہے اگر آپ نہ ہوتے تو ہم کبھی یہ سب اکیلے نہ کر پاتے۔ اس طرح پردیس میں رہ کر بغیر کسی سرکاری مدد اور فوجی طاقت کے اس طرح کام کرنے کا کبھی نہیں سوچا تھا۔" طوبی مسکراتے ہوئے بولی تھی۔
"بالکل آپ کے بغیر یہ بالکل ناممکن تھا۔" حنین نے کہا۔
"اور خوشی کی بات یہ ہے کہ ہمیں مزید مدد کی ضرورت نہیں پڑی۔" اریب نے کہا۔

"امید ہے آگے بھی ہم بغیر کسی کی مدد لئے بغیر خود ہی ہر قدم پر کامیابی حاصل کرتے رہیں گے۔"

"ان شاء اللہ!" حاشر بولا۔



ماحول میں ایک غیر مانوس سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ یہ ایک قدرے سنسان علاقے میں واقع چھوٹا سا گھر تھا۔ کمرے میں ایک جانب رکھے بھورے صوفے پر ایک تاتاری نقوش کا حامل بوڑھا بیٹھا تھا جس کے ہاتھ میں کوئی مشروب تھا۔ سامنے ہی ایک میز تھی جس کے گرد وہ آٹھ سے دس افراد بیٹھے تھے۔ کرسیاں کم ہونے کے باعث کچھ لوگ اسٹول پر تو کچھ ٹین کی رنگ برنگی بالٹیاں الٹی کیے بیٹھے تھے۔ ان سب کی شکلیں ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے ان سب کا تعلق دنیا کے

مختلف حصوں سے ہو۔ شیر بھی چہرے کو ماسک میں چھپائے ایک جانب کرسی پر بیٹھا تھا۔

"تم ہمیشہ دیر سے آتے ہو عربی لڑکے۔"

تاتاری بوڑھا جس کے چہرے پر بے شمار جھریاں تھیں۔ لیکن لہجہ میں بلا کی سردی اور رعب تھا۔

شیر نے جواب نہیں دیا فقط سر اثبات میں ہلادیا۔ جیسے اپنی دیری پر شرمندہ ہو لیکن حقیقتاً وہ شرمندہ نہیں تھا یہ اس کی آنکھیں صاف کہہ رہی تھیں۔

"کیا میں بھی کبھی آپ کو تاتاری بوڑھا کہہ کر مخاطب کر سکتا ہوں؟" اگلے ہی پل اس نے نرمی سے سوال کیا تھا۔ ان میں سے کچھ حیران ہوئے اور کچھ مسکرا دیے۔ جو مسکرائے تھے وہ اس کے بارے میں

جانتے تھے جو حیران تھے وہ پہلی دفعہ والے لوگ تھے اور یقیناً اگلی چند ملاقاتوں میں وہ بھی اسے جاننے والے تھے۔

"تم ہر دفعہ ایسا کرتے ہو۔" تاتاری بوڑھا "اوضغر ابی" تھا جو اس بار ناپسندیدگی سے بولا۔

"تم بھی تو سالوں سے مجھے جانتے ہو پر عربی لڑکا کہہ کر بلاتے ہو۔" کتنے افسوس کی بات ہے۔ خیر میٹنگ کا آغاز کرتے ہیں۔ "شیر بے نیازی سے بولا۔

"تم اس وقت دنیا کی سب سے بڑی کمپنی کے مالک نہیں ہو نہ ہی دنیا کے امیر ترین شخص ہو۔ اس لیے تمہاری مرضی سے کچھ نہیں ہونے والا ابھی ہم ایک اور ساتھی کے منتظر ہیں۔"

"اوہ۔ گریٹ۔ مجھے خوشی ہوتی اگر یہ آخری جملہ تم میری تعریف کی تمہید باندھے بغیر ادا کرتے۔ میرے امیر اور طاقت ور ہونے کا غم تمہارے دل سے کبھی نہیں اترے گا۔ بد مزاج اور بداخلاق تاتاری بوڑھے۔" شیر تنک کر بولا اور آخر میں ماسک کے پیچھے سے مسکرایا۔

"اونہ۔" اوضغر ابی نے با آواز طنزیہ ہنکارا بھرا۔ شیر خاموش رہا۔

"اسلام و علیکم!"

چند منٹ بعد ہی ایک نوجوان اندر داخل ہوا۔ گہرے سبز رنگ کا کوٹ پہنے پیروں میں بھاری جوتے تھے۔ سر پر سیاہ اونی ٹوپی۔ وہ بمشکل اٹھارہ سال کا تھا۔ سرخ و سفید خوبصورت چہرہ اور سبز آنکھوں میں گہرائی کے ساتھ انوکھی سی چمک تھی۔

"وعلیکم اسلام! کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کس وقت آنا ہے؟" اوضغر آبی نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ وہ یک دم چونکا پھر الجھ کر اوضغر آبی کی جانب دیکھا اور پھر سامنے بیٹھے لوگوں کے چہرے۔۔

"اندر آجاؤ!" شیر نے نرمی سے کہا۔ شیر کے کہنے پر وہ شیر کی جانب دیکھنے لگا پھر سر ہلا کر اسی کے برابر والی چھوٹی اسٹول پر آ بیٹھا۔

"میرا نام احمد غازی ہے میں۔۔"

"ششش!" شیر نے اسے ٹوکا۔

"یہاں کسی کو جاننے میں دلچسپی نہیں کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ تم یہاں آئے ہو تو اس کا مطلب ہے سب تمہیں جانتے ہیں۔" شیر نے اس کا کاندھا تھپتھپایا۔ وہ سر ہلانے لگا۔

"خدا یہاں بیٹھے ہر شخص کو غازی رکھے۔ ہم یہاں جس مقصد سے اکھٹے ہوئے ہیں اس کی تفصیل میں جانا میں ضروری نہیں سمجھتا۔ ہمارا ایک ساتھی اور بھی آنے والا تھا لیکن کسی وجہ سے وہ شارجہ میں ہی رہ گیا۔ اس لئے آج وہ ہمارے ساتھ نہیں ہے۔ عربی لڑکے؟ وہ کاغذات کہاں ہیں؟"

"میں نہیں لایا لیکن معاہدہ طے پا چکا ہے۔"

"کیا ایران بخوشی راضی ہوا؟"

"اسے ہونا ہی تھا۔" شیر اطمینان سے بولا

"پاکستان سے بھی۔"

"وہ میرا مسئلہ نہیں۔"

"تم پاکستان سے اتنی نفرت کیوں کرتے ہو؟" اسی پل ایک جوان شخص تک کر پوچھ اٹھا۔

"اوہ تم بھی یہی ہو۔۔ معاف کرنا میری جان میں تمہیں دیکھ نہیں سکا۔" شیر نے معذرت کی۔ جھوٹی معذرت۔

"عربی لڑکے۔۔"

"اچھا۔ اچھا۔ آگے بڑھیں۔"

"پاکستان کے کئی لوگ ہیں جو مختلف مقامات پر ہیں اور ہم سے رابطے میں ہیں ہمیں ایران سے اس معاہدے کو پورا کرنے کے لئے پاکستانی ساتھیوں کی ضرورت پڑے گی گوکہ ہمارے لئے افغانستان کی مدد زیادہ آسان پڑے گی لیکن ہم ایسا نہیں کر سکتے کیوں کہ امریکا ہنوز اپنی توجہ اس پر کیے ہوئے ہے۔ ہمیں اردن تک جانے کے لئے ایران اور پاکستان

کی پوری مدد چاہیے۔ ہم امیر عربیوں پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔۔۔" وہ آخر میں شیر کی جانب سرد نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولے۔
شیر قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" کہہ کر فوراً ہی سنجیدہ ہوا۔
"کیا ہم عرب امارات اور دوسری ریاستوں سے مدد نہیں لیں گے؟"
ان میں سے ایک نے سوال کیا۔

"نہیں وہ سارے یہودیوں کے غلام ہیں۔ ایک زندہ جاوید مثال یہودی کی لے پالک اولاد کی صورت یہاں پہلے ہی موجود ہے۔ جس دن تم نے ہمیں دھوکہ دیا اس دن میں تمہاری ساری سلطنت اجاڑ دوں گا مجھے تمہاری ضرورت ہے میں تم پر بھروسہ نہیں کرتا۔" اوصغر ابی نے ناپسندیدگی سے کہا۔

"کیا تم ٹھیک ہو؟" اسی پل شیر کے برابر بیٹھے اس نوجوان لڑکے نے ہمدردی سے سوال کیا پھر اوصغر ابی کی جانب دیکھا۔

"بھروسہ نہیں کرتے تو پھر استعمال بھی مت کرو اسے۔۔ کتنے بد لحاظ ہو تم تاتاری بوڑھے۔" غصیلے لہجے میں کہتا وہ سرخ آنکھیں لیے اسے گھورنے لگا۔ شیر نے گردن گھما کر مسکراتی نگاہوں سے احمد غازی کی جانب دیکھا۔

"لو تمہیں ایک اور غازی مل گیا۔ آہ اللہ مجھے صبر دے۔" تاتاری بوڑھا زور سے ہنس دیا۔ اس کے ساتھ باقی سب بھی بے اختیار ہنسنے لگے۔ نوجوان الجھا۔

"کیوں ہنس رہے ہیں یہ سب؟" اس نے سرگوشی کرتے شیر سے پوچھا۔

"یہ سارے پاگل ہیں۔" شیر نے بھی آہستگی سے سرگوشی کرتے جواب دیا۔

"مجھے پہلے ہی شک تھا۔"

"یقین کرو۔" شیر نے آنکھ دبائی۔ وہ مسکرا دیا۔

"سنجیدگی اختیار کریں سب۔" تاتاری بوڑھا سنجیدہ ہوا۔

"یہاں اس وقت کشمیری، پاکستانی، ایرانی، مصری، عربی، تاتاری، ترک پٹھان سب موجود ہیں سب کا مقصد ایک ہی ہے اور وہ سب اپنی ذاتیات دنیا کے کسی اور کونے میں چھوڑ کر اس دہلیز پر قدم رکھتے ہیں میں سالوں سے روس کی سرزمین پر اس پرانے گھر کا دروازہ ہر نئے مجاہد کے لئے کھلا رکھے بیٹھا ہوں۔ یہاں پر سیکڑوں غازی ہو کر نکلے سیکڑوں نکل کر شہید ہوئے لیکن ہمارے مقصد پر دھول نہیں پڑی۔ ہمیں اپنے بچاؤ کے لیے

اپنی سربلندی کے لیے قطرہ قطرہ ہو کر نکلنا پڑتا ہے پر ہم نکلتے ہیں دنیا کے مختلف کونوں سے نکلتے ہیں اور دین کے نام پر آکر ایک ہوتے ہیں۔ گو کہ ہماری تعداد بہت کم ہے لیکن ہمارا ایمان اور ہماری جرأت ان پہاڑ جتنے زور والے منافقین اور دشمنوں سے بہت زیادہ ہے۔ ہمیں کوئی نہیں پہچانتا ہماری کوئی پہچان نہیں پر ہم جانتے ہیں کہ ہم کون ہیں اور یہی اہم ہے۔ ہمارے ساتھ ہزاروں پہچان والے ساتھی ہیں لیکن ہماری خود کی کوئی پہچان نہیں ہم اس مقام پر آکر صرف تکبیر اور کلمہ کو اپنی پہچان بناتے ہیں۔ ہماری جان مال خاندان سب قربان ہے؟

"قربان ہے۔" وہ سب یک زبان ہوئے تھے۔

"ہماری پہلی ترجیح؟"

"اسلام!"

"ہماری سرزمیں؟"

"اسلام!"

"ہمارا نام؟"

"اسلام!"

"یہ اپنے اپنے پرچے اٹھا لو۔" تاتاری بوڑھے نے ایک لکڑی کا چھوٹا ڈبا

لا کر میز پر رکھا۔

وہ سب اپنے اپنے نام کی پرچی اٹھانے لگے جن پر ان کا کام لکھا تھا۔ یہ

سب آپس میں ایک دوسرے کو ملا کام نہیں جانتے تھے۔ وہ سب ایک

ایک کر کے نکلنے لگے۔ شیر اور احمد بیٹھے رہے۔

"عربی لڑکے؟ تم کیوں رکے ہو؟"

"میں اسے اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔" شیر نے اس کی احمد کی جانب اشارہ کیا۔ احمد نے چونک کر شیر کی جانب دیکھا۔

"ضروری ہے؟"

"میں لے جانا چاہتا ہوں امید ہے اسے بھی برا نہیں لگے گا۔" شیر نے اس کا کاندھا تھپتھپایا۔

"تو جا کر باہر انتظار کرو مجھے اس سے ضروری بات کرنی ہے۔" وہ ناگواری سے بولے۔ شیر کاندھے اچکا کر باہر کی جانب بڑھ گیا۔ احمد خاموش کھڑا تھا۔



شیر اس چھوٹے سے لکڑی کے کاٹیج کے سامنے بنے جھاڑیوں سے بھرے لان میں کھڑا تھا۔ اس علاقے کو عجیب کہنا غلط نہ ہو گا۔ وہاں دور

دور تک آبادی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ درخت تھے جو کچھ سوکھے ہوئے تھے۔ کچھ میں زندگی کی رمق باقی تھی۔ زمین پر گھٹنوں تک آتی گھاس تھی۔ ایک کنواں تھا جس میں پانی کی بوند تک نہ تھی۔ کچھ لکڑیاں تھیں کٹی ہوئیں کچھ کو کاٹنا باقی تھا۔ شیر نے کلہاڑی کی طرف نگاہ کی اور اسی جانب بڑھ کر کلہاڑی کو ہاتھ میں اٹھا کر لکڑیاں کاٹنے لگا۔

"گوکہ میں تمہیں پسند نہیں کرتا تاتاری بوڑھے! جیسا کہ تم بھی نہیں کرتے لیکن میں اس وقت بور ہو رہا ہوں۔" وہ زیر لب بڑبڑایا اور ایک اور لکڑی اٹھا کر کلہاڑی اٹھائی پھر رک کر آس پاس دیکھا

"اس کھنڈر میں کون دیکھے گا مجھے۔" اس نے بڑبڑا کر دونوں ہاتھ اوپر کیے اور لکڑی کو مخصوص انداز میں لات رسید کی۔ وہ موٹی لکڑی ٹوٹ کر دو ٹکروں میں بٹی تھی۔

"یاربی۔۔" اسی پل ایک حیرت زدہ آواز سنائی دی۔ شیر نے گردن گھمائی
احمد کھڑا تھا۔

"تم سے کس نے کہا لکڑیاں کاٹنے کو؟"

"میرے دل نے۔۔" اس نے اوصغر ابی کو جواب دیا اور احمد کو ساتھ چلنے
کا اشارہ کیا۔ احمد تیزی سے اس کی جانب لپکا۔ تاتاری بوڑھا وہیں کھڑا
انہیں جاتا دیکھتا رہا۔ پھر گہری سانس بھر کر پلٹ گیا۔



"آپ نے وہ لکڑی کیسے توڑی تھی۔ کیا میں آپ کا چہرہ دیکھ سکتا
ہوں؟ کون ہیں آپ؟ تاتاری بوڑھا آپ کو پسند کیوں نہیں کرتا؟
اوہ۔۔ میرا مطلب اوصغر ابی۔" احمد غازی آخری جملے پر گڑبڑایا۔

شیر شرارتی انداز میں ہنسا تھا۔

"کیا تم نہیں جانتے میں کون ہوں؟"

"نہیں پر آپ بہت دلچسپ ہیں۔ کیا آپ ہی شیر ہیں؟ میں نے سنا ہے

شیر نامی کمانڈر کے بارے میں۔ وہ شاطر طاقت ور اور بہت مشہور ہے

دور دور تک۔ کیا آپ وہی ہیں؟ کیوں کہ اوصغر آبی نے کہا آپ کسی

یہودی کی لے پالک اولاد ہیں کیا آپ ہی گولڈن کے منہ بولے بیٹے

ہیں؟" احمد چلتے ہوئے مسلسل بول رہا تھا۔ شیر نے کوئی جواب نہ دیا۔ فقط

جیبوں میں ہاتھ ڈالے چلتا رہا۔

"ویسے آپ کیوں چاہتے تھے کہ میں آپ کے ساتھ چلوں؟" احمد نے

متجسس ہو کر پوچھا۔

"مجھے راستے میں تنہائی کا احساس نہ ہو اس لئے سوچا تمہارے ساتھ

نکلوں۔ کب آئے ہو تم روس؟ کہاں سے آئے ہو۔ بہت چھوٹے ہو

تم تو ابھی۔۔ "شیر نے اس کی جانب دیکھا۔ وہ شیر کی جانب دیکھ کر مسکرایا۔ سبز آنکھوں میں کچھ تھا جسے شیر پہچانتا تھا۔

"حیفہ سے ہوں۔۔" اس کی آواز میں رنج تھا۔ ملال تھا۔

"حیفہ کا دلیر غازی!" شیر نے اس کا کاندھا تھپتھپایا۔

"آپ کو کیسے پتا میں دلیر ہوں؟"

"تمہارا میرے ساتھ یہاں ہونا اس بات کی دلیل ہے۔"

"مجبور بھی تو ہو سکتا ہوں۔"

"مجاہد کبھی مجبور نہیں ہوتا۔" شیر نے کہا۔

"کیا آپ نے کبھی اپنی سر زمین پر ہی سر سے آسمان اور پیروں تلے زمین کا کھسکنا محسوس کیا ہے؟ کیا آپ نے کبھی گھر کا چھن جانا سہا ہے؟"

"نہیں۔۔" شیر نے فقط بے تاثر سا نہیں کیا تھا۔

"کب سے یہ کر رہے ہو؟" شیر نے سوال کیا۔

"نو سال کا تھا تب سے۔۔" وہ آہستگی سے بولا۔ وہ اب جنگلی راستے سے

نکل کر کچی سڑک پر آگئے تھے۔ تیز ہوائیں چل رہی تھیں پتے فضا میں

تیر رہے تھے جو وقفے سے آکر ان کے جسموں سے ٹکرا جاتے

تھے۔ شیر چونکا تھا پھر گردن گھما کر اس کی جانب دیکھا۔

"میں اسرائیلی فوجیوں کی فائل میں ایک نو عمر دہشت گرد کی حیثیت سے

محفوظ ہوں۔ کیوں کہ میں آٹھ سال کی عمر میں ایک فوجی سے اپنی بہن

کا بدلہ لینے نکل پڑا تھا اور میں نے پتھر اٹھا کر اس کا سر پھاڑ ڈالا تھا۔ مجھے

گرفتار کر لیا گیا تھا میں قیدی تھا دس سال کی عمر میں مجھے کسی نے بتایا کہ

میرے ماں باپ بھی ایک حملہ میں مارے گئے ہیں۔۔" وہ کہہ کر چپ

ہوا۔ فضا میں بوجھل سی خاموشی چھا گئی۔ ان کے جوتوں اور سرسراتے پتوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"جیل میں مجھے کمانڈر انس ملے تھے انھوں نے مجھے وہاں سے ساتھ رہائی دلوائی۔۔ میری تربیت مرکزی غاروں میں ہوئی ہے۔۔ مجھے پھر تعلیم کے لئے اردن بھیجا گیا تھا۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ میں اپنے کام بھی کرتا رہتا تھا۔ میری تعلیم مکمل نہیں ہوئی ہے لیکن میں واپس آ گیا تھا۔ تمام کے مشترکہ فیصلوں سے مجھے اوصغر آبی کے حصے میں بھیج دیا گیا ہے۔۔ آپ وہاں بھی بہت مشہور ہیں۔۔ آپ ہمارے لئے بہت زیادہ پیسہ خرچ کرتے ہیں۔ آپ وہاں سب کے ہیرو ہیں۔۔ آپ کو وہاں بیت المقدس کا اسد کہا جاتا ہے اور میں نے سنا ہے آپ کے اصلی نام کا مطلب بھی یہی ہے۔۔"

"ہاں میرے نام کا مطلب بھی یہی ہے۔"

"مجھے لگتا ہے تاتاری بوڑھا آپ سے جلتا ہے۔ شاید تبھی وہ آپ کو بار

بار ڈانٹتا ہے۔"

"وہ مجھے پسند نہیں کرتا۔" شیر ہنسا۔

"لیکن کیوں؟ آپ کو برا نہیں لگتا؟ آپ اتنے پر سکون کیوں تھے؟"

"تم کہو تو اگلی بار اسے الٹا لٹکا دوں؟"

"آپ کو ڈر نہیں لگتا؟"

"مجھے ڈرنے کی ضرورت ہے؟"

"نہیں۔۔ پر آپ ہماری مدد کیوں کرتے ہیں؟ کیا صرف اس لئے کہ آپ

مسلمان ہیں؟ آپ کا تعلق تو کسی جنگ زدہ یا مقبوضہ علاقے سے نہیں

ہے۔ میں جانتا ہوں آپ دنیا کے سب سے بڑے تاجر ہیں کیوں کرتے ہیں ایسا؟

"کیوں کہ میرے پاس کرنے کو اور کچھ اچھا اور نیا نہیں تھا۔ ہاں ایسا ہی ہے کوئی مقصد نہیں تھا۔"

"یہ مذاق ہے۔" احمد ہنسا۔

"میں سنجیدہ ہوں۔" شیر بھی ہنس دیا۔

"کیا میں آپ کو اُخ کہہ سکتا ہوں؟" غازی یک دم رکا اور سوال کیا۔

"تم میرے بھائی کیوں بننا چاہتے ہو؟ کیا اس لئے کہ میں امیر اور طاقت ور ہوں؟" شیر نے عام سے انداز میں پوچھا جس پر احمد غازی کی بھنوائیں سکڑیں۔

"نہیں آپ اپنے سے لگے تبھی کہا، دولت اور طاقت اتنی بڑی دلیل نہیں جس کی بنیاد پر میں کسی کو اپنا بھائی بنانا چاہوں۔۔۔ خیر جانیں دیں۔" احمد غازی کا لہجہ پر سکون تھا اور وہ مطمئن تھا۔ خفگی اور ناراضگی کا کوئی اظہار نہ تھا۔ شیر ماسک کے پیچھے سے مسکرایا تھا۔



واشنگٹن کے گرین مینشن میں وہ آج پھر موجود تھی۔ موسم انتہا کی سردی لیے ہوئے تھا۔ رات کے چار بج رہے تھے۔ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ہوا کی تیزی درختوں کو پوری قوت سے لہراتی تو ایک عجیب سی آواز پیدا ہوتی جو مزاج پر گراں گزرتی تھی۔ پیروں کے نیچے سوکھے پتوں کی چرچراہٹ تھی۔

سر پر اونی ٹوپی پہنے گھرے سیاہ جیکٹ اور بھاری جوتوں میں پیروں کو قید کیے وہ اس وسیع لیکن اجڑے ہوئے لان میں گھوم رہی تھی۔ بے وجہ بے مقصد سا بوجھل پن اس کے حواس پر چھایا ہوا تھا۔ اس کا پہلا ایگزیشن اس کی سوچ سے زیادہ کامیاب ہوا تھا۔ وہ بین الاقوامی میڈیا سے لے کر مقامی میڈیا کی توجہ سمیٹنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ آٹے میں نمک کے برابر لوگ ہی جانتے تھے کہ عمش البانی کی بیوی کے علاوہ ایک بچی بھی تھی۔ وہ بچی کہاں تھی کیسی تھی۔ نام کیا تھا وہ فقط چند لوگ ہی جانتے تھے لیکن اتنا عرصہ بے نامی میں رہنے کے بعد لوگوں کا یہی خیال تھا کہ اس کی ماں سمیت بچی بھی مر گئی تھی۔ اس وقت اخبارات میں یہی خبر چھپی تھی اب بھی اس کی شناخت سوالیہ نشان تھی۔ اس کے پس منظر کوئی نہیں جانتا تھا۔ میڈیا کے لئے وہ ایک دولت مند تاجر کی

آرٹسٹ بیٹی تھی۔ وہ دولت مند تاجر عمش البانی ہو سکتا ہے کسی کے وہم و گماں میں نہیں تھا۔

"کچھ لوگ ہیں جو آپ سے رابطہ کرنا چاہتے ہیں۔" اسے حسام کی بات یاد آئی۔

"آپ بہت حسین ہیں میڈم!" ایک دولت مند آرٹ کے شوقین ادھیڑ عمر تاجر کا تبصرہ اسے یاد آیا۔ وہ طنزیہ ہنس دی۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہا مس جنت کہ اس کمپنی کے لوگوں کا مسئلہ کیا ہے؟ کچھ لوگ ایک دن آکر ساری اسپانسر شپ واپس لے لیتے ہیں اگلے دن پہلے برانڈز سے زیادہ مشہور برانڈز لا کر ہمیں اسپانسر شپ کی آفر کرتے ہیں۔" حسام کی ابھی آواز یاد آئی۔

"تو تم نہیں چاہتے کہ میں اپنی زندگی کو اس طرح جینا شروع کروں؟" جنت ہلکی آواز میں بڑبڑائی۔ اس کی آنکھوں میں افسوس اور غصہ چھلک رہا تھا۔

"تو تم بھی مجھے اپنے قابو میں رکھنے کی کوشش میں ہو؟ تم بھی چاہتے ہو میں دنیا کے کسی کونے میں چھپی رہوں کسی کو نظر نہ آؤں میری کوئی زندگی نہ ہو۔" وہ بڑبڑائی۔ قدموں کا رخ فوارے کی جانب تھا۔ جو اب ایک کھنڈر سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ وہ اس کے چبوترے پر آبیٹھی بیگ سے لیپ ٹاپ نکالا اور ای میل کھولی۔ اس کی اس ای میل کی زوم اکاؤنٹ پر پڑی جس پر نیلی بتی روشن تھی۔ کچھ سوچتے اس نے کال ملائی۔ اس کا دل بری طرح ڈھرک رہا تھا۔ آنکھیں اس جاتی کال پر تھی جس کے نہ اٹھائے جانے کا اسے پورا یقین تھا۔ لیکن کال اٹھالی گئی

تھی۔ جنت سانس لینا بھول گئی۔ اس کے آس پاس کی دنیا ٹھہر گئی
تھی۔۔۔۔



شیر نے کال اٹھاتے ہی اپنا کیمرہ بند کر دیا تھا لیکن وہ دوسری طرف کی
خاموشی کو سن رہا تھا۔

"مس لوسٹ ون؟" اس نے نرم لہجہ اپنایا تھا۔ انتہائی نرم اور شائستہ انداز کو
اس کا خاصہ نہیں تھا۔

"شریم۔۔ شیر؟" آواز کپکپائی تھی۔

"سن رہا ہوں۔۔۔" شیر کے چہرے پر اسی پل مسکراہٹ اتری۔ اعصاب
ڈھیلے پڑے تھے۔

"میں جنت ہوں!"

"جانتا ہوں۔۔" شیر کا لہجہ مسکرایا۔

"وہ تم ہی تھے نا؟" جنت کی آواز ہنوز ہلکی کو لہجہ کیکپاہٹ کا شکار تھا۔

شیر ایک پل کو خاموش رہا۔ وہ ہر لمحہ جو اس سے جڑا تھا اپنے ذہن میں

دہرایا مسکراہٹ گہری ہوئی آنکھوں کی چمک میں اضافہ ہوا۔

"کوئی شک تھا بھی تو اسے دور کرلو میں ہی تھا۔" وہ پرسکون سا بولا۔

"جانتی تھی میں۔۔ تم ہی تھے۔ تمہارے علاوہ اور کوئی ہو ہی نہیں

سکتا۔ اور کون چاہے گا کہ میں دنیا سے الگ ہو کر رہوں۔ کسی کو نظر نہ

آؤں میری زندگی میں کوئی عام لمحہ نہ آئے۔ میں ہمیشہ ایک غیر معمولی

صورتحال میں گہری رہوں۔۔۔" اس کا سانس پھولا تھا۔ غصہ پل پل بڑھتا

جارہا تھا۔

شیر ایک پل کو الجھا گلے ہی پل اس کی پیشانی پر بل پڑا۔ تیوری چڑھ گئی۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟ ایسا نہیں ہے کہ میں تمہاری باتوں کا مطلب نہیں سمجھ رہا۔ لیکن تمہیں ایک موقع دے رہا ہوں الفاظ تول لو۔" شیر نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"تول لوں؟ الفاظ تول لوں؟ تم سمجھتے کیا ہو خود کو؟ تمہارے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے الفاظ واپس لوں اور تمہاری منشاء کے مطابق زندگی جیوں تم سے تمہارے کرموں کا سوال نہ کروں؟ تمہیں کچھ زیادہ ہی لت نہیں لگ گئی ہے دنیا کو اپنی مرضی سے قابو کرنے کی۔" جنت کی آواز اور لہجہ دونوں بلند اور سخت تھے۔ شیر نے ضبط کی گہری سانس لی اور کنپٹی کو دو انگلیوں سے مسلا۔

"میری راہ میں رکاوٹ بننا بند کرو شریم! اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو جیسا کہ تم کئی سال پہلے کر چکے ہو۔ اب ضروری نہیں کہ میں تمہاری موجودگی کی خواہاں ہوں یا تمہارا میری زندگی میں دخل انداز ہونا مجھے اب بھی پسند ہو گا۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ مجھے تمہاری یہ برساتی مینڈکوں والی آمد سے نہ کوئی سروکار ہے نہ مجھے فرق پڑتا ہے۔" وہ اب بھی خاموش نہ ہوتی اگر اس کی سانس نہ پھول گئی ہوتی۔ شیر کے چہرے کا رنگ بدل چکا تھا۔ آنکھوں میں پہلے والے رنگ ناپید تھے۔

میں وہ شخص نہیں جو تمہارا راستہ روکے گا۔ تمہیں ایک بڑی غلط فہمی ہوئی ہے بنت عمش اپنا دماغ درست کرو اور لوگوں کو اپنی محدود سوچ کی بنا پر بج کرنا چھوڑ دو۔ تمہاری راہ میں کانٹے بچھانے کے علاوہ بھی شیر کے پاس کڑوڑوں کام ہیں۔" وہ بے رخی اور سختی سے بولا تھا۔ دوسری

طرف جنت کو کئی پل اس کے الفاظ کی سختی سہنے میں لگے تھے اور اسے احساس ہوا کہ وہ کمزور ترین ہے۔

"ت۔۔ تم۔۔ شیر۔۔"

"بچپن کے اس ایک سال سے نکل آؤ۔ میری دنیا اس دقیانوسی فلسفے سے بہت آگے ہے۔ میں ماسٹر ایس آر ہوں۔ کوئی تیرہ سال جذباتی بچہ نہیں۔۔ پر تمہاری حرکتیں دس سالہ بے وقوف بچی جیسی ہیں۔" اس نے حقارت سے کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا تھا اور جنت عرش سے منہ کے بل آکر فرش پر گری تھی۔ وہ بے حس و حرکت لیپ ٹاپ کی اسکرین کو گھور رہی تھی۔ اس نے آہستگی سے کانوں پر لگے آلے نکال لیے۔ اب کی بار دل میں اٹھتا احساس زیادہ تکلیف دہ تھا۔ احساس بدل گیا تھا۔ تکلیف بڑھ گئی تھی۔ اس کا دل چاہا زمین پھٹ جائے تاکہ وہ اس میں سما

سکے۔۔ اس کا اگلا خیال عمش پر گیا تھا اور وہ تڑپ اور ذلت کی انتہا تھی۔ اس کو غصے کی شدید لہر نے اپنی لپیٹ میں لیا تھا اس نے بہتی آنکھوں کو رگڑ کر اپنا فون نکالا اور باپ کو فون ملانے لگی۔ کئی گھنٹیاں بجنے کے بعد فون اٹھالیا گیا تھا۔ اور رابطہ ملتے ہی جنت پھٹ پڑی۔

"وہ آپ تھے نا؟"

وہ حلق کے بل اتنی شدت سے چلائی کہ اس کی آواز اسپیکر سے باہر دور تک سنی گئی۔ عمش کو لگا جنت نے اپنا حلق پھاڑ ڈالا ہو۔

"جنت۔۔"

"Just shat up!"

وہ بھرائی ہوئی آواز میں پھر چلائی۔ اس کی آواز بیٹھ چکی تھی۔

"کاش میں آپ کی بیٹی نہ ہوتی۔ کاش کہ آپ سے میرا کوئی رشتہ نہ ہوتا۔ آپ اس دنیا کے سب سے گھٹیا ترین شوہر اور غلیظ ترین باپ ہیں۔ مجھے نفرت ہے آپ سے۔ سنا آپ نے؟"

عمش کی دنیا ایک پل کے لئے لڑکھرائی۔ اسے لگا وہ اسی پل زمین بوس ہو جائے گا۔

"یہ تم کس لہجے میں مجھ۔"

"آپ اسی لائق ہیں۔" جنت نے باپ کو جملہ مکمل تک نہ کرنے دیا۔
 "آپ نے میری ایگزیکشن کے موقع پر اسپانسرز کو منع کر دیا کہ وہ اس گیلری سے الگ ہو جائیں کیوں کہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ میں دنیا کے سامنے اپنی ایک نئی پہچان رکھ سکوں۔ اپنے لیے کچھ کر سکوں؟"

"جنت! میرا مقصد یہ نہیں۔"

"شٹ اپ! جسٹ شٹ اپ!"

"کاش کہ میں اپنی رگ رگ سے آپ کا خون نچوڑ کر الگ کر سکتی۔۔" وہ نفرت سے کہہ کر فون بند کر گئی۔ عمش کا چہرہ اسی پل بے رنگ ہوا۔ موبائل کو کان سے ہٹا کر ایک طرف رکھتے اس نے سر جھٹکا اور گہری سانس بھرتا کمرے میں ٹہلنے لگا۔



روس کا دار الحکومت ماسکو تھا۔ انتہا کی بر فیلی ہوائیں فضاؤں پر راج کرتی پھر رہی تھیں۔ ایک پر ہجوم کیفے پر وسطی میز پر شیر براجمان تھا۔ آنکھوں پر سنہرے لینس تھے۔ ہڈ سر پر تھی۔ آج سیاہ کے بجائے اس ہڈ کا رنگ سرمئی تھا۔ ہتھیلی ٹھوڑھی پر جمائے وہ سامنے بیٹھے احمد غازی کی جانب متوجہ تھا۔

"کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" شیر نے اپنا کپ ہونٹوں سے لگاتے کہا۔
 "پتا ہے مجھے میں ٹھنڈی کافی پیتا ہوں۔" احمد نے اپنے لیپ ٹاپ سے
 نگاہیں ہٹا کر اس کی جانب دیکھا۔

"تمہارے سامنے دنیا کا سب سے امیر اور مشہور انسان بیٹھا ہے اور تم
 لیپ ٹاپ میں مگن ہو۔" شیر نے عام سے انداز میں کہا۔
 "نارسسٹ بھی۔" احمد غازی نے دانت دکھائے۔ شیر ہنس دیا۔
 "منہ پھٹ کہیں کے۔"

"مانا کہ آپ بہت زیادہ خوبصورت ہیں اور آپ کو دیکھنے کے بعد کافی دیر
 تک آپ کے چہرے سے نظریں ہٹانا مشکل ہوتا ہے لیکن میں ابھی آپ
 سے بھی زیادہ حسین اور دلچسپ کچھ دیکھ رہا ہوں۔" میرے دوستوں نے
 جب مجھے بتایا تو میں نے زیادہ دھیان نہیں دیا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں

میں فوراً متاثر نہیں ہو جاتا۔ "احمد ہلکی مسکراہٹ لیے کہہ رہا تھا۔ وہ بولتے ہوئے پیارا لگتا تھا اس لئے شیر اسے بولتے ہوئے نہیں ٹوکتا تھا۔ وہ اسے سنتا تھا۔ اب بھی سن رہا تھا۔

"لیکن یہ واقعی بہت زیادہ متاثر کن ہے۔۔ خیر آپ مجھے یہ بتائیں مجھ سے زیادہ کیا اتنا امپورٹنٹ تھا جس کی وجہ سے پچھلے دو دن مسلسل میری کال اگنور کرتے رہے اور مجھ سے ملنے نہیں آئے۔"

"میں ہر کسی سے یوں ہی منہ اٹھا کر ملنے نہیں چلا جاتا۔" شیر نے کہا۔

"جانتا ہوں لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ میں ہر کسی نہیں ہوں۔" جواب فوراً آیا تھا۔

"آپ کو میں پہلی نظر میں پسند آگیا تھا اس لئے آپ نے مجھے اپنے برابر میں بٹھایا تھا مجھ سے بات کی تھی میرا باہر انتظار کیا تھا اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کمانڈر شیر ہر کسی سے نہیں مل لیتا۔۔"

شیر پھر مسکرایا۔

"آپ کی مسکراہٹ حسین ہے۔ کتنی لڑکیاں ڈاؤن کی ہیں؟"

"کتنی لڑکیوں سے کیا مراد ہے تمہاری میں تمہیں پلے بوائے نظر آتا ہوں؟"

"کیا نہیں ہیں؟ کہیں آپ ہم جنس پرست تو نہیں۔۔۔"

"بکو اس نہ کرو۔" شیر ہنس دیا۔

"اچھا شکر۔۔ ویسے آج کل اس کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے کیا کہیں گے آپ

اس بارے میں؟"

"قدرت کے نظام میں گڑبڑ کر کے اپنے ذاتی نظریات اور ذاتی خیالات تخلیق کرنے والے مجھے پسند نہیں لیکن میں یوں کسی کو جج بھی نہیں کرتا وہ ان کا اور خدا کا معاملہ ہے۔ ہم انھیں غلط سمجھ سکتے ہیں ہمیں معلوم ہے غلط ہے لیکن انھیں سرعام یوں بار بار اپنی ذاتی گفتگو میں زیر بحث لانے کا مقصد صرف ہماری گوسپ کا چسکا ہو سکتا ہے ہم انھیں برا بھلا کہہ کر کوئی ثواب نہیں کما رہے ہوتے۔ اس لئے اپنی گفتگو کے دائرے کا آمد اور اچھی چیزوں تک ہی محدود رکھنے چاہیے۔ ایک مہذب انسان کو ایسا ہی کرنا چاہیے۔"

"کیا آپ خود کو مہذب کہہ رہے ہیں؟" احمد نے مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کرتے کہا۔ شیر نے آنکھیں سیڑ کر اسے بغور دیکھا۔

"میں تمہاری مدد کرنے آیا ہوں تمہیں میری مدد درکار تھی چھوٹے لڑکے۔۔ اب چار کپ کیس اور دو کپ کافی پینے کے بعد بھی تم صرف اپنی لیپ ٹاپ اسکرین کو گھور رہے ہو کیا تمہیں میرا وقت بے کار لگتا ہے؟ مجھے لاکھوں کام ہیں۔" شیر نے ناگواری سے کہا۔ احمد ایک سیکنڈ کو رکا نگاہیں اٹھا کر شیر کی جانب دیکھا پھر معذرتی انداز میں گردن ہلا کر "سوری" کہا۔

"اب بھی تمہارا دھیان میری طرف نہیں تم کیا دیکھ رہے ہو اتنی غور سے۔۔؟" شیر نے تنبیہی انداز میں کہتے اس کا لیپ ٹاپ اپنی طرف گھمایا۔ احمد اس کی تیزی پر بونچکا رہ گیا۔ شیر کی نگاہ جوں اسکرین پر پڑی وہ ایک پل کو ساکت ہوا۔

"دیکھا رہ گئے نا حیران بات ہی کچھ ایسی ہے۔۔" احمد اس کے تاثرات پر
پر جوش ہوا۔

"میں حیران ہوں کہ تم کام کے بجائے یہاں بیٹھے عورتیں دیکھ رہے
ہو۔" شیر نے لیپ ٹاپ پر کھلا پیج بند کرتے ناگواری سے کہا اور لیپ
ٹاپ پیچھے کھسکایا۔

"عورت؟ کیا مذاق ہے یہ بکواس قسم کا۔ اتنی حسین لڑکی کو عورت کہہ
دیا بھائی! حد ہو گئی۔" احمد غازی کی پر جوشی غصے میں بدلی۔ وہ تپ کر
بولا۔ شیر کا چہرہ اب بے تاثر تھا۔

"ٹھیک ہے عورت ہونا کوئی بری بات نہیں لیکن لڑکی اور عورت میں
فرق ہوتا ہے بھائی! اور یہ آنکھیں دیکھیں۔۔ کتنی حسین اور معصوم
ہیں۔۔ قربان ہونے کا دل کرتا ہے۔۔ ایک تو بلا کی حسین ہے۔۔ پھر

عرب بھی ہے۔۔ ہائے پھر کمال کی آرٹسٹ ہے۔۔ نام جنت ہے۔۔ اتنی حسین ہے جنت ہی ہے۔ میں تو ان دنوں اسی پر فدا ہوں۔۔ میں کیا پورا سوشل میڈیا اس پر فدا ہے۔۔ "احمد پھر سے پرجوش تھا۔

"بند کرو اپنی زبان! کتنا بولتے ہو؟ کیا تم چاہتے ہو میں تمہاری ناک توڑ دوں؟" شیر نے اسے گھورتے ہوئے جھڑک دیا۔

"اچھا نا! اتنا غصہ ہونے کی ضرورت نہیں کام کی بات کرتے ہیں لگتا ہے آپ کو لڑکیاں پسند نہیں۔۔ کافی خود پسند واقع ہوئے ہیں۔۔ self obsessed.. خیر بنتا بھی ہے آپ کا۔۔"

شیر نے اکتا کر سر جھٹکا اور بیگ سے اپنا لیپ ٹاپ نکالنے لگا۔ میل باک کھولتے اس کی پہلی میل ڈینیل کی طرف سے تھی۔

"Missed You master" ...

شیر نے تیزی سے کی پیڈ پر انگلیاں چلائی۔

"Call me later" ...

لکھ کر دوسری میل کھولی جس کی پہلی سطر بولڈ لیٹرز میں تھی۔

HASHIR BABAR KHAN (Pak)

"آہ۔۔ پاکستان آہ۔۔" شیر زیر لب بڑبڑایا۔

☆☆☆☆☆

جنت واپس ہوٹل آگئی تھی۔ باپ پر سارا غصہ اتارنے کے بعد اس کا دل کچھ ہلکا ہوا تھا۔ شیر کی بدسلوکی کے بارے میں وہ اس وقت نہیں سوچ رہی تھی۔ اس کے لیپ ٹاپ پر پیغامات کا انبار تھا جنہیں کھولنے کی اس نے زحمت نہیں کی تھی۔ کمرے میں پہنچتے ہی اس نے بستر کا رخ کیا تھا۔ کافی دنوں سے اس کی نیند پوری نہیں تھی اور اس وقت وہ سونا

چاہتی تھی۔ پلنگ پر کئی منٹ کروٹیں بدلنے کے بعد وہ سو گئی تھی۔ دوپہر کے وقت سوئی تو سارا دن ساری شام نیند میں رہتے آدھی رات کو آنکھ کھلی۔ اٹھتے ہی اسے بھوک کا احساس ہوا۔ کھانا آرڈر کرنے کے لئے اس نے فون اٹھایا تو حسام کی ان گنت کالیں اور پیغامات تھے۔ وہ فکر مند تھا۔ اس نے کچھ سوچتے اسے کال بیک کی۔

"آپ ٹھیک ہیں مس جنت؟ کوئی رابطہ نہیں کوئی جواب نہیں؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟"

"اب ٹھیک ہوں۔" وہ نرمی سے بولا۔ جنت کچھ پل خاموش رہی جیسے اس

کے پاس اس بات کا جواب نہ ہو۔

"میں فکر مند تھا۔"

"شکریہ! لیکن میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں حسام میں کوئی چھوٹی بچی تو نہیں ہوں۔" جنت آہستگی سے ہنس کر بولی۔

"لیکن۔۔ خیر کیا کر رہی ہیں آپ؟ اس وقت جاگ رہی ہیں؟"

"ہاں! آپ نے اتنی کالز اور میسجز کیے کوئی ضروری بات تھی؟"

"نہیں۔۔ اتنی زیادہ تو نہیں۔۔ بس خیریت جاننا چاہ رہا تھا۔ آپ کل گیلری آرہی ہیں؟"

"میں وعدہ نہیں کر رہی۔۔" جنت نے کہا۔

"میں انتظار کروں گا۔" وہ نرمی سے بولا۔ جنت نے کچھ کہے بغیر رابطہ منقطع کر دیا۔ اس نے کئی دن سے ایلیا سے بھی رابطہ نہیں ہوا تھا۔ وہ اس کی عزیز از جان سہیلی نہیں تھی لیکن وہ اچھی دوست تھی۔ مخلص دوست جسے وہ پسند کرتی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس دنیا میں اس کا عزیز از

جان رشتہ کون سا تھا۔ شاید کوئی نہیں۔۔۔ وہ کبھی کہہ نہیں سکی کہ کوئی ہے جو اسے جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے یا کوئی ایسا جسے وہ عزیز از جان کہہ سکتی۔ شیر؟ وہ کیا تھا؟ صرف ایک ایسا رشتہ جو مل کر کھو گیا تھا جسے وہ ڈھونڈنے کی چاہ میں تھی۔ جسے وہ قریب لانا چاہتی تھی لیکن اب وہ رشتہ بھی اسے فقط ایک سراب لگتا تھا۔ جس کے حوالے سے اب اسے کوئی امید نہیں رہی تھی۔

"تم لوگوں کو کیا لگتا ہے؟ کیا میں کمزور ہوں؟ نہیں۔۔۔ اگر طاقت کا استعمال کروں تو تم سب کی بنیادیں ہلا سکتی ہوں۔۔۔ خود غرض انسانوں۔۔۔" وہ بڑبڑائی۔



"حاشر بابر خان! جسے دنیا ڈارک آئی کے نام سے جانتی ہے۔ پاکستان کی خفیہ ایجنسی کا خطرناک ترین ایجنٹ ہے۔" شیر کا لہجہ بے تاثر تھا۔

"نڈر ہے۔ موت کے خوف سے آزاد۔۔ سنگ دل۔۔ کسی بھی لحاظ سے عاری۔ دشمن کی گردن پر پیر رکھے تو توڑے بغیر پیچھے نہیں ہٹاتا۔" لیپ ٹاپ کی اسکرین سیاہ تھی لیکن دوسری طرف سے ایک آواز تھی جو شیر کو سنائی دے رہی تھی۔

"اس کی یہی ایک تصویر ہے جسے حاصل کر سکا ہوں میں۔"

شیر نے اپنے دوسرے لیپ ٹاپ پر نظر آتی تصویر کو دیکھا۔ سیاہ ماسک میں چھپا چہرہ اور گہری سیاہ آنکھیں جن پر گھنی اور لمبی پلکوں کا سایہ تھا۔ اس کی بھنویں گھنی اور گہری سیاہ تھیں جو کسی کمان کی مانند تنی ہوئی تھی۔ کشادہ پیشانی پر سیاہ بالوں کی ایک لٹ تھی۔ اس کے کان چھوٹے

تھے۔ شیر کا ہاتھ اپنے کانوں پر گیا۔ وہ دراز قد تھا۔ چوڑے شانے اور لمبی گردن تھی۔ شیر کا ہاتھ اب کے اپنی گردن پر گیا تھا۔ شیر کی گردن شفاف تھی۔ سفید و بے داغ۔ اس نے تصویر کو زوم کیا۔ اسکرین پر نظر آنے والی شخص کی گردن کے دائیں

جانب نشان تھا۔ گولی کا نشان۔ شیر نے اسکرین بند کر دی۔

"سنا ہے یہ ایک لیبارٹری کا مالک بھی ہے۔"

"کیا کہا؟ لیبارٹری؟ کیسی لیبارٹری؟ کیا کرتا ہے یہ مزید؟" شیر یک دم ساکت ہوا تھا۔ اس کا سانس رکا تھا۔ اس کی کائنات اس پل کو تھم سی گئی تھی۔

"نیوکلیر سائنسٹ ہے یہ۔" دوسری جانب سے آواز آئی۔ شیر یک دم لڑکھڑا کر سیدھا ہوا۔ اس کا ہاتھ نے اختیار پیشانی پر گیا تھا۔ اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔

"Who the hell you think you are"

وہ با آواز بڑبڑایا۔

"کمانڈر؟ مجھ سے کہہ رہے ہیں؟"

"نہیں یار!" شیر نے بیزاری سے کہا۔

"اور کچھ؟" شیر نے گہری سانس بھرتے سوال کیا۔

"انفارمیشن ٹیکنالوجی میں بھی کام کیا ہے اس نے۔ آئی ٹی انوینٹر

ہے۔ پاکستان کی چند خاص آفیشل پرنسلیٹیز میں اس کا شمار ہوتا ہے۔"

"مزید؟" شیر چاہ کر بھی لہجے کی بے چینی چھپا نہیں سکا۔

"اس کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا۔ لیکن سنا ہے کہ باپ بچپن میں ہی چھوڑ گیا تھا اور ماں چند سال ہی زندہ رہ سکی۔ شادی شدہ ہے یا نہیں کوئی نہیں جانتا۔ اس کی کوئی آفیشل پروفائل بھی نہیں ہے یہ ساری معلومات حاصل کرنے کے لئے بہت محنت کرنی پڑی ہے کمانڈر۔ اور جو جان سکے ہیں اس کے مطابق یہ ہمارے فائدے یا نقصان میں نہیں آتا۔"

"کیا میں جی ایف ایس آر کا مالک نہیں۔ اس نے مجھ پر ہاتھ ڈالا ہے۔"

"ہمیں کوئی خطرہ تو نہیں نا۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"تم پر کوئی آنچ بھی نہیں آئے گی۔ فکر مت کرو۔ میں رابطہ ختم کر رہا ہوں۔ غازی ایک دو دن میں امارات پہنچ جائے گا میں واشنگٹن کا چکر لگا کر

آؤں گاتب تک کے لئے ان لوگوں کو ڈھونڈو ان پر نظر رکھو۔" شیر
نے ہدایت دے کر فون لیپ ٹاپ بند کر دیا۔



شارجہ کے علاقے میں واقع اس چھوٹے اور پرسکون اپارٹمنٹ میں اس
وقت وہ پانچوں موجود تھے۔ لیونگ روم کے پردے گرے ہوئے
تھے۔ صوفوں کے عین سامنے چھوٹا سا پروجیکٹر تھا۔ حاشر وہیں کھڑا
تھا۔ سیاہ ہائی نیک کی آستینیں کہنیوں تک چڑھی ہوئی تھیں۔ اس کے بال
بڑے ہوئے تھے۔ بال کشادہ پیشانی کو گھیرے ہوئے تھے۔

"جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہم اپنے ٹارگٹس کو اپنی جانب متوجہ کر چکے
ہیں اب وہ جو بھی ہیں ہماری تلاش میں ہیں۔ اس بات کو ہمیں ہر پل

اپنے ذہن میں رکھنا ہے۔ "حاشر نے ان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ان سب نے اثبات میں گردن ہلائی۔ منان کا ہاتھ چائے کے کپ تک گیا۔

"میں نے وہاں رپورٹ دے دی ہے کل تک مغوی ہمارے پاس رہیں گے کل رات ہوتے ہی ہمیں انھیں اپنی ذمہ داری پر بندرگاہ پہنچانا ہے۔"

"کیا ہم سب ایک ساتھ یہ کام کریں گے؟" طوبی نے سوال کیا۔

"نہیں ہم ساتھ نہیں ہوں گے۔ منان اور حنین اور مس طوبی آپ تین یہ کام کریں گے۔ میں اور اریب آپ لوگوں کی نگرانی کریں گے۔" حاشر نے کہتے کنپٹی کو دو انگلیوں سے مسلتے دوسرے ہاتھ پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھا۔

"اب آپ لوگ آرام کریں آج کے لئے اتنا کافی ہے ہم کل صبح پھر شروع کریں گے۔" حاشر نے کہا۔

"اوکے باس! میں تو واقعی بری طرح تھک گیا ہوں۔" اریب نے انگڑائی لی تو اس کی ہڈیوں سے چٹخنے کی آواز آئی۔

"اپنی تھکن ظاہر کرنے کے چکر میں اپنی ہڈیاں ہی نہ توڑ ڈالنا۔" طوبی نے اس کے کاندھے پر دھپ لگاتے ہنستے ہوئے کہا۔ حاشر خاموشی سے پروجیکٹر سمیٹتا رہا۔ منان اور حنین اس کی بات پر ہنس دیے تھے۔ اریب منہ بناتا کمرے کی جانب چل دیا۔ طوبی نے کچن سے چھوٹے سائز کا واٹر اسپرے لیا اور پودوں کو پانی دینے لگی۔

"میں کرلیتا۔" حاشر نے اس کی جانب دیکھتے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" طوبی مسکرائی۔

"شکریہ!" حاشر نے سامان اٹھایا اور اندر کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ طوبیٰ کی نگاہوں نے اس کا پیچھا کیا تھا پھر سر جھٹک کر پودوں کو پانی دینے لگی۔ وہ جانتی تھی وہ نہا کر واپس آئے گا اور ایک کپ کافی بنا کر پیے گا پھر رات دیر تک کام کرتا رہے گا۔ وہ ان سب سے زیادہ کام کرتا تھا اور ان کو محسوس تک نہیں ہونے دیتا تھا کہ تھکا ہوا ہے یا ان سے زیادہ کام کر رہا ہے۔ وہ جتانے اور دکھانے جیسے عمل سے ناواقف لگتا تھا۔ طوبیٰ کے چہرے پر دھیمی مسکراہٹ تھی۔ لیونگ روم خالی ہو چکا تھا۔ اس نے اسپرے اپنی جگہ پر رکھا اور اس کے لئے چائے بنانے لگی۔ کیبنٹ کھول کر الاچی کا پیکٹ نکالا جو آج شام ہی وہ بازار سے لائی تھی۔

"آج کمانڈر صاحب کو میں اپنے ہاتھ کی اسپیشل چائے پلاؤں گی۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔ جب تک چائے تیار ہوئی وہ کمرے سے معمول کے

مطابق نکل آیا۔ اریب کی نیند خراب ہونے کا خیال کر کے وہ باہر لیونگ روم میں یا لیونگ روم کے سامنے بنی چھوٹی سی بالکنی میں کام کرتا تھا۔

"آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں۔ سونا نہیں ہے؟" حاشر نے اس کی جانب دیکھتے سوال کیا۔ طوبی ہلکا سا مسکرائی۔

"یہ چائے بنائی ہے میں نے آپ کے لئے مجھے پتا ہے آپ کافی زیادہ پسند کرتے ہیں لیکن ٹرسٹ می! یہ اب تک کہ بہترین لاپچی والی چائے ہوگی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی اور کپ لیے بالکنی کی جانب چلی آئی۔ حاشر ایک پل کو وہاں رکا کچھ سوچتا رہا پھر سر جھٹک کر اپنا لیپ ٹاپ لیے اس کے پیچھے چل دیا۔

"یہ پین کلر بھی ساتھ لیں۔" طوبی نے اپنی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلائی۔

"پین کلر کیوں؟" حاشر کر سی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"کیوں کہ آپ کے سر میں درد ہے شاید!" طوبی بھی بیٹھ گئی۔ حاشر نے گردن اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔ ایک پل کو ان کی نظریں ملیں اگلے پل ہی حاشر نے اس کے ہاتھ سے پین کلر لے کر لیپ ٹاپ کھول لیا۔ طوبی نے پانی کی بوتل اس کی جانب بڑھائی۔ حاشر پھر رکا اس کی جانب دیکھنے سے گریز کیا لیکن پانی کی بوتل تھام لی۔ ایک مقدس خاموشی ان کے درمیان حائل تھی۔ طوبی کی آنکھوں میں فکر وہ ایک نظر میں دیکھ چکا تھا۔ دوبارہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ طوبی نے نگاہوں کا رخ باہر کرتے کپ لبوں سے لگایا۔

"آپ ہر وقت کام کرتے رہتے ہیں۔ کبھی بھی خود کو بریک نہیں دیتے۔"

"میرے حصے کا بریک میں پودوں کے ساتھ لیتا ہوں پر آج وہ ڈیوٹی آپ نے کر لی۔ میرے لئے کافی یا چائے بنانے کا شکریہ لیکن پودوں کو پانی دینے کی ذمہ داری مجھ پر ہی چھوڑ دیں وہ میرا پسندیدہ وقت اور کام ہوتا ہے۔ میری تھکن زائل ہوتی ہے اس سے۔" حاشر کا لہجہ پر سکون اور نرم تھا۔ طوبی مسکرائی اور گردن گھما کر اس کی جانب دیکھا۔

"ٹھیک ہے آئندہ خیال رکھوں گی۔" وہ کہہ کر اسے دیکھتی رہی۔ حاشر کے بالوں میں اب بھی پانی کے ننھے قطرے چمک رہے تھے۔ سیاہ ڈھیلی شرٹ اور ٹراؤزر پہنے وہ اب پہلے کی نسبت آرام دہ حلیے میں تھا۔ طوبی نے گہری سانس لی اور دوبارہ باہر کی جانب دیکھنے لگی۔

"نظارہ بہت ہی خوبصورت اور پرسکون ہے لیکن افسوس کہ کچھ منظر ہم مسلسل نگاہوں کی قید میں نہیں رکھ سکتے۔" اس نے کہہ کر اچھٹی نگاہ پھر حاشر پر ڈالی اور غیر محسوس انداز میں مسکرائی۔

"دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں جسے انسان کسی بھی طرح قید کر سکے۔ ایک زرہ بھی ایسا نہیں۔ اگر ہم ایسی چاہ اور امید رکھتے ہیں تو بے وقوف ہیں۔" حاشر اس کی جانب متوجہ نہیں لگا تھا اسے لیکن اس کے الفاظ نے طوبیٰ کو ایک پل کے لئے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ وہ سر جھٹک کر مسکرا دی۔

"آپ ہمیشہ ہی اتنے پرسکون اور مطمئن رہتے ہیں؟" طوبیٰ نے سوال کیا۔
 "شاید!" حاشر چائے کا گھونٹ بھر کر دوبارہ لیپ ٹاپ کی جانب متوجہ ہوا۔

"شاید!" طوبیٰ زیر لب بڑبڑائی تھی۔

"میں یہاں اراداً آپ کے کام میں مغل ہونے آئی تھی۔ یہ سوچ کر کہ

آپ کو مسلسل کام کے سوا کچھ کرتے نہیں دیکھا۔ آپ کام

کے بہت زیادہ عادی ہیں۔ کبھی خود کو وقت دیا کریں۔ مجھے معلوم ہے

آپ بہت زیادہ مضبوط اور پختہ شخصیت کے انسان ہیں آپ پر سکون

رہتے ہیں۔ مطمئن رہتے ہیں پر اگر میں آپ کی ذات کو گہرائی میں جا کر

دیکھوں تو مجھے ایک ذات اپنے آپ میں قید نظر آتی ہے۔"

اس پر حاشیہ نے گردن اٹھا کر ایک سنجیدہ اور گہری نگاہ طوبیٰ پر ڈالی۔ جسے

محسوس کرتے طوبیٰ کی آواز دھیمی ہوئی۔

"آپ اپنا کام پوری ایمانداری اور محنت سے کرتی ہیں ورنہ میں ضرور کہتا

کہ اتنی توجہ آپ کسی کی ذات کی گہرائیوں کو ناپنے کے بجائے کام پر

لگائیں۔ "حاشر کے لہجے میں ناگواری کا عنصر بھی نرمی اور سکون کے ہالے میں قید تھا۔ طوبیٰ کو ذرا بھی برانہ لگا۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"میں معذرت خواہ ہوں۔" طوبیٰ نے کہا۔

"آپ کی مسکراہٹ سے نہیں لگ رہا۔" حاشر نے کہتے اس پر اچھتی نگاہ ڈالی۔

"میں معذرت خواہ ہوں کیوں کہ یہ اخلاقیات کا تقاضا ہے ذاتی طور پر شرمندہ نہیں ہوں۔ ضروری نہیں جو بات آپ کو بری لگے اس کے لئے میرا شرمندہ ہونا لازمی ہے۔ میری اپنی سوچ اور نظریات ہیں۔" اب کے اس کے لہجے میں بھی خفگی اتری تھی۔

"منفرد سوچ اور نظریات ہونا اچھی بات ہے لیکن اس کے ساتھ ہی دوسروں کی زندگی اور سوچ کے علاوہ ان کے نظریات اور احساسات کو

جانے بغیر اپنے نظریات اور سوچ کو ظاہر کرنا میرے نزدیک بد اخلاقی ہے آپ کسی کی اجازت کے بغیر ان کی ذاتی زندگی کے حوالے سے مشاہدے اور نظریے قائم نہیں کر سکتے۔۔ "حاشر ایک پل کو رکا اور اپنا رخ طوبیٰ کی جانب موڑا۔

"چاہے ہمارا مقصد اور نیت کتنی ہی مثبت کیوں نہ ہو۔" اس نے مکمل اطمینان اور سکون سے بات مکمل کی اور چائے کا آخری گھونٹ بھر کر کپ رکھا۔

"چائے کے لئے ضرور شکریہ کہتا لیکن کیوں کہ آپ نے مجھے کام کرنے نہیں دیا اس لئے میں نہیں کہوں گا۔ اب اس کے لئے تو آپ کا شرمندہ ہونا بنتا ہے۔"

وہ اسے اپنا لپ ٹاپ بند کرتے عام سے نرم لہجے میں کہتا سیدھا اس کے دل میں اترتا حد سے زیادہ پیارا لگا۔ وہ بمشکل مسکراہٹ روکے اسے دیکھتی رہی۔ حاشر نے بالکنی سے جاتے ایک نگاہ اس پر ڈالی اور اندر کی جانب بڑھ گیا۔ اس کے لبوں کے کنارے پر غیر محسوس سی مسکراہٹ ابھر کا معدوم ہوئی تھی۔

"Why the hell he is like this.. I can't... Ohh.. Allah please save me.. Form this extraordinary handsome man....he is tooooo cute with this attitude" ..

طوبیٰ اپنی جگہ سے اٹھ کر پیر پٹختے ہوئے دے دے انداز میں چلائی۔
 "جا کر سو جائیں اب کل کا دن تھکا دینے والا ہے۔" حاشر نے کمرے میں جانے سے پہلے ذرا بلند آواز میں کہا۔

"جی کمانڈر!" وہ اپنا کپ اٹھائے اندر آئی۔

"میں صرف آپ کو ایک اچھی کمپنی دینا چاہتی تھی اور مجھے یقین ہے آپ نے کام مکمل کر لیا ہے۔ مجھے شرمندہ کرنے کے لئے جھوٹ بول رہے ہیں کہ میں نے کام کرنے نہیں دیا۔ میں ذرا بھی شرمندہ نہیں ہوں۔" وہ خفگی سے کہتی کپ کچن میں رکھتی اپنے کمرے کی جانب بڑھی۔ حاشر نے گردن گھما کر اسے کمرے میں جاتے دیکھا پھر سر جھٹک کر خود بھی کمرے میں داخل ہو گیا۔



واشنگٹن کی فضاؤں میں ہلکی بر فباری ہو رہی تھی۔ شام ہونے میں وقت تھا لیکن آسمان گہرے رنگ میں ڈھلا ہوا تھا۔ کاروبار زندگی معمول کے مطابق اپنے بہاؤ پر چل رہا تھا۔ شیر نے خاکی رنگ کا لانگ کوٹ پہن

رکھا تھا۔ سر پر اونی ٹوپی جو ذرا سی پیچھے کو ڈھلکی ہوئی تھی۔ چہرے پر سادہ سیاہ ماسک تھا۔ آنکھوں پر آج لینسز نہیں تھے۔ وہی سیاہ گہری بولتی ہوئی آنکھیں تھیں جو آس پاس کے نظاروں کو آنکھوں میں قید کر رہی تھیں۔ اس کے پیروں میں قیمتی بھاری جوتے تھے۔ وہ پیدل چل رہا تھا۔ دفعتاً ایک جگہ اس کی نگاہ ایک چھوٹے سے کیفے پر پڑی وہ اس جانب چل دیا۔ اندر کاؤنٹر پر کھڑی لڑکی کو اس نے آرڈر دیا اور خود آس پاس کا جائزہ لینے لگا۔ وہ کسی مقصد سے نہیں آیا تھا لیکن اس کی نگاہوں کا آس پاس گھومنا اب اس کی عادت بن چکا تھا۔

What would you like to order"?

لڑکی اس کی آنکھوں کو گھورتے ہوئے سوال کر رہی تھی۔

A latte... And veg sandwich!

شیر نے اچھٹی نگاہ اس پر ڈالتے کوٹ میں ہاتھ ڈال کر والٹ نکالا۔
 - شیر نے کافی کاکپ اور اپنا چیز سینڈویچ اٹھایا اور کئی ڈالرز کاؤنٹر پر رکھے
 باہر نکل گیا۔ لڑکی اچنبھے سے سامنے پڑے ان ڈالرز کو دیکھنے لگی جو اس
 کے خریدے گئے سامان کی قیمت سے دس گنا زیادہ تھے۔ جوں اس نے
 سامنے دیکھا وہ غائب تھا۔ وہ اپنا بل بنوائے اور لیے بغیر ہی واپس جاچکا
 تھا۔

"Strange!"

الجھن آمیز بڑبڑاہٹ کے ساتھ اس نے ڈالرز اٹھا کر ایک طرف رکھ
 دیے۔

باہر وہ اب قدرے سنسان سڑک پر آچکا تھا۔ ماسک نیچے تھا۔ ایک ہاتھ
 سے سینڈویچ کھاتا ساتھ کافی کے گھونٹ بھرتا وہ سست روی سے چل رہا

تھا۔ وہ ایک اہم میٹنگ کی سربراہی کرنے واشنگٹن آیا تھا۔ ڈینیل ہوٹل میں اس کے سوٹ کے باہر شاید اسی انتظار میں تھا کہ وہ کچھ دیر میں تازہ دم ہو کر باہر آئے گا لیکن وہ اپنی عادت کے مطابق بغیر کسی کو خبر دیے نکل آیا تھا اور اب سڑکوں پر گشت کر رہا تھا۔ کافی اور سینڈویچ کو ختم کرتے اس نے قریبی کوڑے دان میں کچرا ڈالا اور ماسک اوپر کرتا راستہ بدلنے لگا تقریباً دس منٹ بعد وہ فن حسام میں موجود تھا۔ آرٹ گیلری میں کوئی خاص نمائش نہیں تھی اس لئے لوگ اکا دکا تھے۔ وہ مرکزی ہال میں تھا جہاں سامنے کی دیوار پر "the eternal vibe" کی سنہری تختی تھی۔ نیچے جنت کا نام لکھا تھا۔ شیر نے قدم آگے بڑھائے۔ ایک بڑا سا فن پارہ تھا۔ جس پر ایک لڑکے کو بنایا گیا تھا۔

"تو میں پندرہ سال پہلے بھی اتنا متاثر کن دکھتا تھا۔" وہ آہستگی سے بڑبڑایا۔ تصویر میں اس کی آنکھوں کو واضح طور پر بنایا گیا تھا۔ گہرائی، سیاہی اور بے نیازی کا عنصر نمایاں تھا۔

The dark eyed Boy with innocent smile" ..

اس نے موبائل نکالا یہ جانتے ہوئے کہ تصاویر بنانے کی اجازت نہیں
"۔

Excuse me! No photography please" ..

اس نے گردن گھما کر دیکھا ساتھ ہی تصویر اتار لی۔ ہیل کی ٹک ٹک قریب آتے آتے سست پڑی۔ شیر اسے فوراً پہچان گیا تھا جبکہ وہ اس کی آنکھوں کو گھور رہی تھی۔ شیر نے اس کے سراپے کا جائزہ لیا۔ سلیقے سے

کیا گیا ایشیائی انداز میں میک اپ اور سرخ ٹخنوں تک آتی سلک میکسی پہنے وہ اسے کسی خاص مقصد کے لئے تیار ہوئی نظر آئی۔

"Breathtaking" ...

شیر ستاشی انداز میں بڑبڑایا۔ بڑبڑاہٹ اونچی تھی۔ جنت کا سانس جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ حلق خشک ہوا۔ نگاہیں ان آنکھوں پر اور سماعت اس کی آواز پر ٹھہر گئی تھی۔ وہ چند قدم آگے چلا۔ جنت نے میکانیکی انداز میں گردن گھمائی۔

"مس جنت آپ ہی ہیں نا؟ کیا آپ مجھے اپنے آرٹ کے بارے میں گائیڈ کرنا پسند کریں گی؟" شیر نے مہذب انداز میں کہا۔ جنت کو حقیقت کا ادراک ہوا۔ اگلے ہی پل اس نے دل کی بے خودی کو بے دردی سے جھنجھوڑ کر حواس بحال کئے اور اعتماد سے چلتی اس کے نزدیک آئی۔

"اپنا موبائل فون اندر رکھ دیجئے۔" اب کے بولی تو انداز پیشہ ورانہ تھا۔ شیر نے اس کی بات پر عمل کرتے اپنا فون اندر رکھ لیا۔ جنت کی نگاہ اس کے ہاتھوں پر گئی۔ لمبی انگلیوں، شفاف ناخن اور گلابی پوروں والے خوبصورت ہاتھ جن کی پشت پر بے شمار نازک رگیں ابھری دکھائی دیتی تھیں۔ وہ ٹیٹو کی تلاش میں تھی لیکن اسے نظر نہیں آیا۔

"The lonely pond"...

"تنہا تالاب!" شیر نے اس پینٹنگ کو دیکھا۔ یہ گرین مینشن کا وہی فوارہ تھا۔ جسے تنہا تالاب کا نام دیا گیا تھا۔
"یہ تالاب تو نہیں ہے۔۔"

"تالاب جتنا بڑا ہے اور بے شمار مچھلیاں ہیں اس لئے اسے تالاب کہا ہے۔" جنت اعتماد سے بولی۔

"یہ لڑکا کون ہے؟" شیر نے سوال کیا۔

"ایک کردار ہے تخیل سے تخلیق کیا گیا۔" جنت بولی۔ شیر نے نگاہیں

گھما کر جنت کی جانب دیکھا۔ جنت کو اپنا اعتماد جاتا محسوس ہوا

لیکن اگلے ہی پل اس نے اس کی نگاہوں سے خود کے بے نیاز ظاہر کیا

اور قدم آگے بڑھائے۔ شیر ماسک کے پیچھے سے مسکرایا۔

"یہ ایک ہی کردار ہے جو قدرتی طور پر عام انسانوں سے مختلف ہے۔"

"ایک سانپ سے لڑتا ہوا غیر معمولی لڑکا!" شیر نے دلچسپی سے اس

تصویر کو اٹھیں۔

"آپ کی یادداشت بہت اچھی ہے۔ تفصیلی طور پر ہر چیز کو بیان کیا ہے

آپ نے۔۔ مس جنت!" شیر کہہ کر آگے بڑھا۔ جنت کی آنکھیں جل

اٹھیں۔

"Excuse me"!

شیر نے پلٹ کر سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔ جنت بمشکل ضبط کیے کھڑی تھی۔

"مس جنت!" اسی پل حسام وہاں آیا تھا۔ شیر نے ایک گہری نگاہ حسام پر ڈالی۔ اب کے حسام نے اس کی جانب دیکھا۔

"Hassam bin Mohammad" ..

"No need to introduce yourself Mr hassam"!

شیر مسکراتے لہجے میں بولا۔

"آپ کو کون نہیں جانتا۔ میں غازی غازان۔۔" شیر نے سینے کے بل جھکتے کہا۔ حسام جو ہاتھ بڑھائے کھڑا تھا مسکرا کر ہاتھ پیچھے کیا۔

"یہ مس جنت ہیں ہماری گیلری کی سب سے قابل احترام اور بہترین آرٹسٹ ہیں۔"

"ان سے میرا تعارف ہو چکا۔ مل کر بہت اچھا لگا بے شک یہ بہترین آرٹسٹ ہیں۔" شیر نے خوشدلی سے کہا۔ جنت کو لگا جیسے یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کو جانتے ہوں وہ خاموشی سے ان کو دیکھتی رہی۔

"آپ کے ایمپلائے سے میری بات ہوئی تھی پر مجھے اندازہ نہیں تھا آپ غیر متوقع طور پر بذات خود تشریف لائیں گے۔ آئیے اندر گیسٹ روم میں چل کر بیٹھتے ہیں۔"

"فی الحال تو میں صرف ایک چھوٹے سے وزٹ پر نکلا تھا۔ جلد تفصیلی ملاقات ہوگی آپ سے۔ مس جنت آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ میں کچھ دن یہیں واشنگٹن میں ہوں امید ہے پھر ملاقات ہوگی۔"

"ان شاء اللہ!" حسام مسکرایا اور اسے رخصت کرنے کے لئے آگے بڑھا اور جنت کو بھی ساتھ چلنے کا اشارہ کیا لیکن اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں یوں ہی خاموشی سے انھیں جاتا دیکھتی رہی۔ اس کے دل کی حالت غیر تھی۔ چہرے پر ایک سٹا اتر ا ہوا تھا۔



شارجہ میں واقع یہ فلک بوس ریزارٹ کے اندر بنے مرکزی کانفرنس روم کا منظر تھا۔ گولڈن فاکس، عمش اور ہیزیل سمیت جی ایف ایس آر کے مزید چند اہم لوگ بھی موجود تھے۔

"ہم ابھی تک یہ جاننے سے قاصر ہیں کہ ہمارے لوگوں کو آسمان نے اٹھالیا یا زمین نکل گئی۔"

"ہم ابھی تک اس کنٹینر کا مال بھی ٹریس نہیں کر سکے۔"

"دس بیس کلو کی منشیات ہو تو سمجھ بھی آئے یہاں درجنوں انسانوں کی بات ہو رہی ہے کیا ہماری گرفت اتنی کم ہے اس شہر میں؟ کیا ایک ایک شخص ہمارے نام سے واقف نہیں یہاں؟" گولڈن کا لہجہ برف کی مانند ٹھنڈا تھا۔

"ماسٹر ایس آر بھی پوری طرح ہر معاملے سے غافل ہیں۔"

"تم اچھی طرح جانتے ہو شیر ان معاملات میں نہیں ہے۔" گولڈن نے رکھائی سے کہا۔

"جن معاملات میں ہیں وہاں بھی توجہ نہیں ہے۔" اب کے عمش نے کہا۔

"ہم یہاں موجودہ حالات کے حل کے لئے آئے ہیں جمع ہیں یا شیر کے خلاف کسی مہم کے لئے؟" ہیزیل نے سرد مہری سے ان کی جانب

دیکھتے سوال کیا۔ ایک پل کو خاموشی چھائی تھی۔ اگلے ہی پل گولڈن نے اپنا فون نکال کر شیر کا نمبر ملایا۔ معمول کے خلاف فون فوراً اٹھا لیا گیا تھا۔

"کیسے ہو تم؟" گولڈن نے فون اسپیکر پر ڈالتے میز پر رکھ دیا۔

"پیارا ہوں۔" پر سکون اور بے نیاز سی آواز ہال میں گونجی۔

ان سب نے یک دم سانس روک لیا تھا۔ چہرے سفید پڑ چکے تھے۔ عمش کے چہرے پر بھی ناپسندیدگی چھائی تھی۔

"کیا کر رہے ہو؟"

"ریڈی ہو رہا ہوں۔" شیر کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے وہ واقعی مصروف ہو۔

"کوئی ڈیٹ ہے تمہاری؟" گولڈن کا لہجہ عام سا تھا۔

"ہاں! امریکا کے شیر ہولڈرز کے ساتھ۔ تمہیں اچانک میری یاد کیوں

آگئی؟" شیر کا لہجہ بھی عام سا تھا۔

"شارجہ کب پہنچو گے؟"

"جب دل چاہے گا۔" شیر نے جواب دیا۔

"کل؟"

"نہیں۔"

"پرسوں؟"

"نہیں۔"

"پرسوں کے بعد کسی دن؟"

"ابھی مجھے کیڑوں کی بڑھتی مقدار سے خاصی الجھن ہو رہی ہے۔ صفائی

وغیرہ کرنا چاہ رہا ہوں۔"

"میں تم سے کیا پوچھ رہا ہوں تم کیا جواب دے رہے ہو۔" گولڈن اب کہ تنک کر بولا۔

"مجھے تم سے کیا امید تھی اور تم کیا کر رہے ہو۔ خیر ملیں گے، وقت ملا تو۔" شیر نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ گولڈن نے حاضرین پر نگاہ ڈالی اور خود بھی اٹھ گیا۔

"مجھے یہ گند صاف چاہیے۔ ورنہ تم سب کی طبیعت اچھے سے صاف کروں گا میں۔" شہادت کی انگلی سے ان سب کو خبردار کرتا وہ باہر نکل گیا تھا۔ عمش نے سر پکڑ لیا۔



"آپ کا رویہ کچھ دن سے بہت مختلف ہے ماسٹر!" ڈینیل فائلوں کے ڈھیر سے کچھ ڈھونڈتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ شیر جو اپنی ٹائی ٹھیک کر رہا تھا رک کر اسے ایک نظر دیکھا۔

"کبھی کبھی مختلف رویے اختیار کرنے چاہیے۔ کبھی کبھی لوگوں کی توقعات سے انحراف بھی لازمی ہے۔ ذاتی حد بندی اچھی چیز ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"سمجھدار سمجھتا ہوں میں تمہیں۔ میری باتیں سمجھا کرو۔" شیر نے اسے گھوری سے نوازا اور اپنا لانگ کوٹ اٹھایا جو سانپ کی کھال کی مانند لگتا تھا۔

"آپ یہ کوٹ کیوں پہن رہے ہیں؟" ڈینیل نے اس قیمتی کوٹ کی جانب دیکھا۔ وہ عموماً دفتری معاملات حل کرتے ایسے ملبوسات کا استعمال نہیں کرتا تھا۔

"جانتے ہو یہ کون سے سانپ کی کھال سے بنا ہے؟"

"نہیں۔۔"

"Black mamba"!

"اسے بنوانے کے لئے مجھے خاص محنت کرنی پڑی ہے۔"

"کیوں؟"

"کیوں کہ یہ دنیا کے زہریلے ترین سانپوں کا سردار ہے۔ جو چند منٹ کے اندر انسان کی جان لے لیتا ہے۔" شیر مسکرایا۔

"یہ اصل سانپ کی کھال سے بنا ہے۔" ڈینیل کا منہ کھلا رہ گیا۔

"کیا تمہیں تمہارا ماسٹر کسی نقلی چیز کا استعمال کرنے والا لگتا ہے؟" شیر نے منہ بنایا۔ ڈینیل نے فوراً گردن نفی میں ہلا دی۔

"میں نے یہ کوٹ پہنا ہے تاکہ مجھے یاد رہے کہ بلیک مامبا کی کھال ہے وہ بلیک مامبا جو زہریلا ترین ہے۔۔ آج میں نے بھی اتنا ہی زہریلا بننے کا ارادہ کیا ہے۔" وہ آخر میں شرارت سے ہنس دیا۔

ڈینیل جو کچھ بھی سمجھ نہیں پایا تھا فائلیں بریف کیس میں ڈالنے لگا۔ شیر نے ہاتھ میں دستانے پہن لیے۔



جنت آرٹ گیلری میں اپنے لئے مخصوص کئے گئے کمرے کی بالکنی میں موجود تھی۔ برف باری نہیں ہو رہی تھی لیکن فضا برفیلی ہواؤں کی لپیٹ میں تھی۔ جنت ہاتھ میں بھاپ اڑاتی کافی کا کپ لئے کھڑی باہر کے

مناظر ازبر کر رہی تھی۔ دفعتاً اس کا فون بجا اس نے بیزاری سے نگاہیں اٹھا کر قریب رکھے فون کی اسکرین کو دیکھا۔ کال کرنے والی ایلیا تھی۔ جنت نے فون اٹھا کر کان سے لگالیا۔

"کیسی ہو ایلی!"

"ٹھیک ہوں تم کیسی ہو؟ کہاں ہو؟ بہت مس کر رہی تھی تمہیں لیکن نہیں کرپائی۔ تمہاری ایگزیکشن نے تو کمال کر دیا ہے۔ مسٹر آرنلڈ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔" ایلیا نے عادت کے مطابق تیزی سے کہا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" جنت فقط اتنا ہی کہہ پائی۔

"اتنی سست کیوں ہو؟" ایلیا نے اس کے مختصر جواب کو شدت سے محسوس کیا۔

"کچھ نہیں بس ذہن میں کچھ چیزیں ہیں۔ کیا ہم بعد میں بات کریں؟" جنت نے نرمی سے سوال کیا۔

"اچھا۔ کوئی پریشا۔" مزید کچھ سننے سے قبل ہی اس نے فون کاٹ دیا۔ اس کا ذہن اس وقت کسی سے بات کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ اکیلے رہنا چاہتی تھی۔ ایلیا نے کافی دن بعد فون کیا تھا لیکن اس کے باوجود جنت نے اس سے ٹھیک سے بات نہیں کی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ رشتے برتنے اور تعلقات نبھانے میں کوری تھی۔ لیکن اس وقت وہ ایسی ذہنی الجھن کا شکار تھی جو کسی تعلق اور رشتے کی ڈور میں الجھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس پل انسان کو فقط اپنی ضرورت ہوتی ہے۔ اپنے خیالات کو سلجھانے کی خود کو سمجھانے کی خود کو دلاسا دینے کی خود سے ایماندار ہونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر چاہے بعد میں چاہے کسی سے بھی جا کر

کہہ دے۔ غم بانٹ دے لیکن سب سے پہلے تسلی خود کو خود دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارے اندر اللہ نے ایسے سینسز دیے ہیں جو ہماری بھلائی برائی دنیا کے کسی بھی انسان سے زیادہ جانتے ہیں۔

اس کا فون پھر بجا۔ اس نے ٹھنڈی سانس بھری اور فون اٹھایا۔

"جی حسام کہیے؟"

"کیا میں آپ سے مل سکتا ہوں؟ مجھے بہت ضروری بات کرنی ہے اور وہ ڈاکومنٹ بھی آگیا ہے۔" حسام نے کہا۔

"میں دس منٹ میں پارکنگ لاٹ پہنچ رہی ہوں۔" جنت نے کہہ کر فون بند کر دیا اور شیشے کے سامنے آئی۔ اس کی آنکھیں سرخ لگتی تھیں۔ اس نے جھک کر مسکارا اٹھایا۔

"کم از کم مجھے تو اپنے ساتھ بہترین سلوک کرنا چاہیے۔" وہ بڑبڑائی۔

"مجھے جھکانے اور گرانے کے لیے دنیا ہے۔ مجھے خود کو اونچائی پر لانے کی بلندی پر پہنچانے پر دھیان چاہیے۔" اس نے سرخ لپ اسٹک اٹھا کر لبوں پر لگائی۔

"میرا کام سراٹھا کر چلنا ہے ناکہ چھپ کر بیٹھ جانا۔" اس نے بلش آن اٹھا کر گالوں پر لگایا۔

"کیا اتنا آسان ہونا چاہیے ہمیں گرانا۔ ہرانا؟ بالکل نہیں۔۔۔" اس نے بالوں کو سمیٹ کر اونچی پونی میں قید کیا اور شیشے کی جانب دیکھ کر مسکرائی۔ مسکراہٹ میں ایک عزم تھا۔ اس نے اپنا پرس اٹھایا اور اعتماد سے چلتی باہر نکل گئی۔



ڈینیل برف کیس تھامے شیر کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ چہرے پر اطمینان اور فخر تھا۔ شیر کی سیاہ آنکھیں بے تاثر تھیں۔ فقط آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ چہرے پر اس کا مخصوص ماسک تھا جس پر ایس آر لکھا دکھائی دے رہا تھا۔

"میں تو تیار ہوں ہی لیکن تم کس خوشی میں اتنا چمک رہے ہو ڈینی۔" شیر نے ذرا سی گردن گھمائی۔

"آپ کا میٹنگ کے بعد کیا پلان ہے؟" ڈینیل نے دانت نکالتے سوال کیا۔

"کیا میں نے پہلے سوال نہیں پوچھا؟"

"میرا جواب آپ کے جواب کے مطابق ہو گا نا۔" ڈینیل کھسیا کر بولا۔

"میری ایک ڈیٹ ہے۔"

"سیریلی؟ میری بھی ایک بلاسٹنڈ ڈیٹ ہے۔ کیا ہم ڈبل ڈیٹ پلان کریں؟"

"ضرورت نہیں۔" شیر نے کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی ویسے ہی پہلی ڈیٹ ہے۔ سنگل ہی رہے تو بہتر ہے۔ کیا میں پیارا لگ رہا ہوں ماسٹر؟"

"ظاہر ہے اسٹنٹ کس کے ہو؟" شیر نے آنکھ دبائی۔ ڈینیل کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔ وہ جھینپ سا گیا تھا۔

"تمہاری بلاسٹنڈ ڈیٹ کا کیا سین ہے؟"

"میں نے کسی کے کہنے پر ایک ڈیٹنگ ایپ انسٹال کی ہے۔" ڈینیل نے وی آئی پی لفٹ کے قریب پہنچ کر بٹن دبایا۔

"اب مجھے تو معلوم ہی نہیں ہوتا جب آپ کا دل چاہتا ہے آپ مجھے کسی بھی جگہ چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ میں اکیلا ہوتا ہوں میرے پاس کوئی پلانز نہیں ہوتے۔ مجھے اس جگہ کا پتا نہیں ہوتا۔ میں بور ہو جاتا ہوں اس لیے یہ ایپ انسٹال کر لی ہے یہاں دنیا کے ہر کونے کی لڑکیاں مل جاتی ہیں۔"

"یہ کام اچھا کیا ہے تم نے۔ مجھے بھی سکھاؤ۔" شیر نے سنجیدگی سے کہا۔ ڈینیل نے گردن پوری گھما کر حیرت سے شیر کی جانب دیکھا اور پھر قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ شیر بھی ہنسنے لگا۔ لفٹ رکی تو وہ دونوں ایک ساتھ باہر آئے اسی پل سامنے سے حسام اور جنت آتے دکھائی دیے۔ جنت کی نگاہ شیر پر پڑی جبکہ حسام اس پل جنت کی جانب متوجہ تھا۔ شیر نے جنت کی جانب دیکھا اسی پل جنت نے ایک سرد نگاہ سے اسے نوازا اور

خود بھی حسام کی جانب متوجہ ہو گئی۔ شیر نے نگاہیں سامنے کی جانب پھیر لیں۔

"کتنا پیارا کپل ہے نا۔ پتا نہیں ہمیں کب۔۔"

"یہ کوئی ڈٹنگ اسپاٹ ہے؟ بزنس فرینڈز بھی ہو سکتے ہیں۔۔" شیر نے اس کی جانب دیکھے بغیر کہا۔

"یہ تو ضروری نہیں۔ کیا کپل ساتھ بزنس نہیں کرتا؟"

"Whatever" ...

شیر نے بیزاری سے کہا۔

"ویسے یہ مس جنت لگ رہی تھیں۔ کیا کر رہی تھیں یہ یہاں؟ ہماری

پروڈکٹس کے ساتھ جو تعاون کیا ہے اس پروجیکٹ نے کافی دھوم

مچا رکھی ہے آج کل۔۔"

"اچھا۔ بعد میں بات کریں گے اس پر۔" شیر نے کانفرنس روم کے پاس قدم سست کر دیے۔ ڈینیل تیزی سے آگے بڑھا اور کانفرنس روم کا گیٹ کھول دیا۔ شیر اندر داخل ہوا۔ اس کے اندر داخل ہوتے ہی سب اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔

"گڈ ایوننگ!" شیر نے نرم لہجہ اختیار کرتے کہا۔ اور سربراہی کرسی کی جانب بڑھا اور عادت کے مطابق ایک تفصیلی نگاہ حاضرین پر ڈالی۔ یہ اس کی عادت تھی وہ سب کے تاثرات جانچنے کو باری باری سب کے چہرے دیکھتا تھا۔ اس وقت بھی اس نے یہی کیا اور سب کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔



"یہ وہی غازان غازی نہیں لگا آپ کو؟"

"غازان غازی؟ نہیں۔ یہ ایس آر تھا۔" حسام نے نرمی سے کہا۔

"آپ جانتی ہوں گی۔ کافی مشہور شخصیت ہے۔" حسام نے کہتے اس کے لئے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ جنت نے گردن اٹھا کر اوپر کی جانب دیکھا۔ وہ بلڈنگ کی تفصیلوں سے واقف تھی۔ اسے معلوم تھا وہ اس وقت کس جگہ تھا۔ اس نے ساتویں منزل پر گلاس وال کی جانب دیکھا۔ یہی پل تھا جب شیر کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑائیچے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ جنت طنزیہ انداز میں مسکرائی اور اندر بیٹھ گئی۔

"بچپن کے ایک سال میں قید ہوں میں۔۔ ہاہا۔۔" وہ بڑبڑا کر زور سے ہنس دی۔



"جی ایف ایس آر کا حصہ ہونے کی حیثیت سے ہم نے کچھ معاملات پر مشاورت کی ہے جن پر ہمیں آپ کی رائے اور جواب درکار ہے۔۔"

اسٹیفن اسمتھ نے بات کا آغاز کیا۔ وہ امریکا کی جی ایف ایس آر کمیونٹی کے نمائندوں میں سے ایک تھا۔

باقی سب نے اس کی تائید میں گردنیں ہلائیں۔ شیر نے اثبات میں گردن ہلاتے ہاتھ کے اشارے سے اسے بات جاری رکھنے کی ہدایت کی۔

"ہماری کمپنیاں شراکت داری میں ہیں۔ ہمارے ملازمین جی ایف ایس آر کے زیر سایہ ہیں۔ لیکن بین الاقوامی سطح پر کمپنی جو معائدے

کر رہی ہے اس سے ہمیں بے خبر رکھا جا رہا ہے۔ جی ایف ایس آر فنڈز دیتی ہے جنہیں دیتی ہے ان سے ہمیں بے خبر رکھا جاتا ہے۔۔۔ ہمیں

آؤٹ سائیڈرز آکر بتاتے ہیں کہ فلاں جگہ ہمارا پیسہ لگ رہا ہے فلاں جگہ جا رہا ہے۔۔۔ کچھ نئے اصولوں کو تشکیل دینے کی ضرورت ہے اور ہم نہیں

چاہتے کہ ہماری کمپنیاں جنگ زدہ علاقوں کی فلاحی تنظیمیں بن کر رہ جائیں۔" وہ کہہ کر چپ ہوا۔

شیر کئی لمحے خاموش رہا۔

"یہ یہاں بیٹھے ہر شخص کی زبان ہے؟" شیر نے سوال کیا۔

"جی یہاں سب ایک دوسرے کے حامی ہیں۔"

"میرا موڈ نہیں تھا آج ان معاملات پر آنے کا۔ لیکن معاملہ اٹھا ہے تو اس کی گہرائی میں چلتے ہیں۔ گو کہ میرے اصولوں میں اپنے کام کی وضاحت دینا شامل نہیں تھا لیکن خیر۔۔۔۔۔ بات بہت سیدھی ہے اسے سمجھ لینا بہتر ہے۔"

"ہم صرف ایک چھوٹی یا بڑی تنظیم کا حصہ نہیں ہیں۔ صرف ایک کمپنی کا حصہ نہیں ہیں دنیا کے ہر ملک میں ہمارا سسٹم چل رہا ہے۔ کوئی دو سو

تین سو نہیں۔۔ ہزاروں لاکھوں لوگ اس سسٹم کا حصہ ہیں۔۔ جی ایف ایس آر زندگی کے ہر شعبے میں کام کر رہا ہے۔ ہر کام کر رہا ہے۔۔ اس جال کو پھیلانے میں یہاں بیٹھے تیس چالیس لوگوں کا کام نہیں تھا۔ اسے یوں ساری دنیا میں آپ لوگوں نے نہیں پھیلایا۔ اس پر میرا دماغ اور میری محنت ہے اس پر سب سے زیادہ جس کا حق اور مرضی چلے گی شخص میں ہوں۔۔ "شیر نے ٹھہر ٹھہر کر کہتے سب کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھیں بے تاثر تھیں

"اس پر کوئی دو رائے نہیں ہے۔ اگر کوئی پچاس ہزار ڈالر کا انویسٹر یہاں آتا ہے تو اگلے چھ ماں میں پچاس لاکھ بھی کمالیتا ہے۔۔ ساری دنیا کام کر رہی ہے خود بھی کما رہی ہے ہمارے کام بھی آرہی ہے۔۔ اور اس کمپنی کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں کہ وہ کمپنی کس کس جگہ کس کس

ملک سے کیا کیا معاہدے کر رہی ہے کیوں کہ وہ اپنا فائدہ اٹھائے۔۔ اگر ان کا حق اور مال لیا جا رہا ہے تو بولنے کا حق ہے۔۔ اس کے سوا کسی معاملے میں بولنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔۔ "شیر نے آسان الفاظ میں بات سامنے رکھی۔ کانفرنس روم میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔

"گو کہ یہ بات بہت آسان اور سادہ ہے۔ سب کو اس کا علم ہے لیکن انسان کی لالچ اور بغض اسے ناشکری تک لے ہی آتی ہے جیسے کہ یہاں سب ابھی ایک سوچی سمجھی اسکیم لے کر بیٹھے ہیں مجھ پر پریشر ڈالنے کے لئے کہ چالیس پچاس بڑی کمپنیاں ہیں جو میرے منصوبوں اور کاموں سے اتفاق نہیں کرتی۔ کیا مجھے فرق پڑتا ہے؟" شیر نے سب کی جانب دیکھ کر سوال کیا۔

"مطلب ہماری کمپنیاں اہمیت نہیں رکھتیں؟" ان میں سے ایک یہودی شخص اٹھا۔

"کھڑے رہو تم!" شیر نے اسے کہا۔ وہ شخص ایک پل کو گڑبڑایا لیکن کھڑا رہا۔

"تمہیں ضرور کمپنی کے ایران سے ہوئے معاہدے پر مسئلہ ہے۔"

"جس ملک میں ہمارا سسٹم اتنا چھوٹا ہے اس ملک سے اتنا بڑا معاہدہ وہ بھی اسلحے کے حوالے سے۔ ایک بہت متنازعہ معاملہ ہے۔"

"ایسا کیوں؟" شیر نے سادگی سے سوال کیا۔

"ایک مسلم ملک۔"

"There is no Muslim or jewish thing.. I am talking about business" ..

"میں نہیں مانتا کہ آپ مسلمان اور یہودیوں کا فرق بھول جاتے ہیں جب بات بزنس پر آتی ہے۔"

"تم مانو یا نہ مانو میرا کام تمہیں وضاحتیں یا ثبوت دینا نہیں ہے۔ اگر تمہارا سوال یہ ہے کہ میں نے کسی یورپی ملک سے اسلحہ والا معاہدہ نہیں کیا بجائے ایک ایشیائی مسلمان ملک کے؟ تو میرا سوال یہ ہے کہ تمہارا سوال تب کہاں تھا جب ہم سالوں سے یورپی ممالک کے ساتھ مختلف قسم کے معاہدے کر رہے تھے؟" شیر نے سکون سے پوچھا اور ان سب کے چہرے دیکھے۔ سب خاموش اور لاجواب تھے۔

"بات مسلم ملک کی نہیں ہے ماسٹر! ہم نے ترکی امارات کے ساتھ بھی تو کام کیا ہے۔۔ بات یہ ہے کہ ایران جیسا ملک ہمارے فائدے کا نہیں ہے۔۔"

"صاف سیدھی اور دوٹوک بات کرو کہ وہ ہماری غلامی میں نہیں آتا۔۔ اور جو لوگ ہماری غلامی میں نہیں آنا چاہتے انھیں ہم کوئی فائدہ یا کوئی سہولت دینے کے حق میں نہیں ہیں۔"

"کہیں سے نہیں لگ رہا کہ ہم بزنس کی بات کر رہے ہیں۔۔ ذات پات تک بات آرہی ہے۔۔"

"کیوں کہ تم لوگوں کے اعتراضات اسی بنیاد پر ہیں اگر میرے سامنے کوئی مسلم بیٹھا یہودیوں کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتا تو میں تمہاری جگہ پر آکر تمہاری حمایت کرتا۔" شیر نے ایک بار پھر انھیں لاجواب کیا۔

"اگر میری غلطی ایران سے معاہدہ ہے تو میں اپنی اس غلطی کو اون کر رہا ہوں اور اسے سدھارنے کی کوشش بھی نہیں کروں گا۔ اور اگر میں کسی جگہ پر چمیریٹی کر رہا ہوں اور وہ لوگ تمہارے ناپسندیدہ ہیں تو تب بھی

میں اس کو اون کروں گا مجھے تم میں سے کسی کے آگے اپنے کسی بھی عمل کی وضاحت اور درستگی کرنے کی ضرورت ہے نہ خواہش۔۔"

"یہ ہٹ دھرمی کہلائے گی ماسٹر معذرت کے ساتھ۔۔" اسٹیفن اسمتھ دے دے لہجے میں بولا۔

"خود کو درست سمجھتے ہو تو اپنا لہجہ اور آواز بلند اور پر اعتماد رکھو۔ حق پر ہو تو معذرت کرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے ایسا محسوس نہ ہو کہ شیر چوہوں کے بل میں گھس آیا ہے۔ چوہوں کی طرح چوں چوں چھوڑ کر ڈنکے کی چوٹ پر بات کریں میں یہاں کسی کو اپنا غلام یا ماتحت نہیں سمجھتا سب اپنے اپنے حصے کا کام کرتے ہیں۔۔۔ یہ بات میں کڑوڑوں دفعہ سمجھا چکا ہوں۔۔ خیر آگے بڑھتے ہیں کیا کہہ رہے تھے تم؟ یہ ہٹ

دھرمی ہے؟ ایسا ہے تو میں ہٹ دھرم ہوں۔۔" شیر نے کہتے ہوئے دونوں کہنیاں میز پر رکھ دیں۔ فضا میں تناؤ کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔

"لیبیا، عراق، شام، بوسنیا، فلسطین ایسے ممالک میں لاکھوں ڈالر کی چٹیریٹی ہوتی ہے بغیر کسی حساب کتاب کے۔۔ بغیر کسی فائدے کے۔" ان میں سے ایک بولا۔

"نقصان کیا ہو رہا ہے اس امر سے؟"

"ہمیں کیا پتا کیسی کیسی تنظیمیں یورپی ممالک کے خلاف ہمارے ہی پیسے سے پھل پھول رہی ہیں۔" اسٹیفن اسمتھ بولا۔

شیر قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ اس کی ہنسی میں لطف اندوزی تھی۔ طنز تھا۔

"کبھی کسی نے کہیں پڑھا ہے لیبیا نے برطانیہ پر جنگی میزائل داغ دیا ہے؟ یا عراقی فوج نے امریکا کی حدود میں گھس کر تباہی مچادی ہے۔۔ یا فلسطینیوں نے سویزرلینڈ کی آبی حدود میں اپنے جہاز چھوڑ دیے ہیں؟

"They hardly afford a piece of bread... Stupid" ..

شیر کا لہجہ آخر میں تلخ ہوا تھا۔

By the way.. I don't have much time for this stupid campaign against me" ...

شیر نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے جھولنا شروع کر دیا۔

"خیر یہ حالات جن سے آدھی مسلم دنیا گزر رہی ہے تم جیسے لوگوں کی وجہ سے ہے یہ میری ذاتی رائے ہے۔۔"

"آپ یوں اس طرح ذاتی تبصروں پر نہیں اتر سکتے۔۔"

"آہ۔۔ میں تو یہ کرچکا؟ کیا کرو گے مجھے گولی مارو گے؟ ٹینک سے اڑاؤ گے؟

بارودی سرنگ میں دبا دو گے مجھے؟" شیر نے ہنستے ہوئے سوال کیا۔

"یہ بد لحاظی اور بداخلاقی ہے۔۔" ایک شخص بولا۔

"ہاں ہے۔۔ میں کر رہا ہوں بد لحاظی بداخلاقی۔۔ کوئی مسئلہ ہے؟ کل کے

میگزینز میں اب یہ خبر لازمی چھپنی چاہیے۔۔ ماسٹر ایس آر نے اپنی طاقت

کے زعم میں معصوم امریکی تاجروں سے بد لحاظی کی بد تمیزی کی

۔۔ دہشت گردی کی۔۔ دھمکیاں دیں۔۔"

وہ سب لب بھینچے چہروں پر غصہ اور بے بسی لیے بیٹھے تھے۔

"بزنس کی کوئی بات نہیں ہوئی۔ بین الاقوامی سیاست پر بات

کی۔۔ مسلمانوں کی حمایت کی۔۔ امریکیوں کو گالیاں دی۔۔ یہودیوں کو

گالیاں دیں۔۔"

ڈینیل کا چہرہ الجھن و پریشانی کی تصویر بنا کبھی شیر کو دیکھتا تو کبھی دیگر افراد کو۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے کیا ہونے جا رہا ہے۔ شیر ایسا کیوں کر رہا تھا؟

"یہ بہت غلط ہے آپ غلطی کر رہے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ہمیں آپ کی منشا سمجھ نہیں آرہی۔"

"ہم انسانوں کا ایک بڑا مسئلہ یہ بھی ہے کہ ہم کبھی خود کو کسی بھی چیز کے لئے قصور وار ٹھہرانے کے حق میں نہیں ہوتے۔ ہمارے پاس اپنے لئے ہمیشہ دلیل و وضاحتوں کا انبار ہوتا ہے۔ ہماری آخری درجے تک کوشش ہوتی ہے کوئی ایسا پہلو نکل آئے جس سے ہم سیف زون میں آسکیں۔۔۔ پر میں ایسا نہیں ہوں۔ مجھ میں اپنی غلطیوں کو برائیوں کو ماننے اور ان کو ٹھیک کرنے کا حوصلہ اور ہمت ہے۔۔۔ اور میں بغیر کسی ہچکچاہٹ

کے کہتا ہوں میں دنیا کا غلیظ ترین انسان بھی سمجھا جاؤں تو وجہ ہوگی۔۔ کیا پتا میں ہوں۔۔ میں جو بھی سمجھا جاؤں میری ہزاروں غلطیاں سامنے آجائیں میں وضاحت نہیں دوں گا۔ ہاں یہ غلطی ہوئی ہے تو ہوگئی۔۔ سدھارنا چاہوں گا تو سدھاروں گا کون ہے اس دنیا میں ایسا جو مجھے میری غلطیوں اور گناہوں کی سزا دے سکے؟ یہ مجھے خدا سے ڈرانے والے لوگ مجھے جانے بغیر میری آخرت اور دنیا کے فیصلے سنانے والوں کو میری طرف سے نو سگنل۔۔۔

Whatever I do.. I will face it myself.. I really don't need anyone to understand me.. I know who I am...I m, who I am... That's it..you all need to fix your ass in your own business... Or go to deep down in hell ...

وہ کہہ کر اپنا کوٹ درست کرتے ہوئے کرسی سے اٹھا اور کانفرنس روم سے نکل گیا تھا۔ کانفرنس روم میں بیٹھے امریکا مشہور و معروف ترین تاجر شخصیات کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ اس میٹنگ کو ادھورا چھوڑ کر واپس گھر جایا جائے اور پھر شیر کے مزاج اور مرضی کا انتظار کیا جائے جب تک وہ دوبارہ کسی میٹنگ کا اعلان نہ کر دے۔ ان میں سے کوئی نہیں جانتا تھا آگے کیا ہونے والا ہے۔۔۔

"Meeting is over.. Thank You" .

ڈینیل تیزی سے کہہ کر بریف کیس لئے خود بھی باہر نکل گیا۔



"مجھے لگتا تھا آرٹسٹ لوگ بڑے معصوم اور سادے ہوتے ہیں۔" حسام کے چہرے پر مسکراہٹ تھی وہ جنت کی جانب دیکھ رہا تھا جو کرسی پر بیٹھی اپنی کافی میں چبچ ہلا رہی تھی۔

"اچھا!" جنت فقط اتنا ہی بولی۔ وہ پرسکون اور مطمئن دکھتی تھی۔

"میں آپ کو ان معاملات میں لانا نہیں چاہتا تھا لیکن آپ نے میرا بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا سچ کہوں تو میں اپنی گیلری سے کسی قسم کے پروفٹ کی توقع نہیں کر رہا تھا خیر مجھے ضرورت بھی نہیں تھی۔"

"ضرورت ہونا ہو۔۔۔ پیسے کی قدر کرنی چاہیے لیکن اسے خود کو قابو کرنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔" جنت بولی۔

"آپ پیسے کی قدر بھی کرتی ہیں اور اسے خود کو قابو کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتیں۔" حسام نرمی سے مسکرایا۔

"ایسا ہی ہے۔" جنت نے سامنے رکھے کیک سے ایک چمچ لیا۔

"لاوا کیک بہت لذیذ ہے۔" جنت نے اسے بھی کھانے کا اشارہ کیا۔

"آپ خوش لگ رہی ہیں۔" حسام نرمی سے بولا۔

"جب میں کوئی اچھا کام کرتی ہوں تو مجھے خوشی ہوتی ہے۔ ہم نے اپنی فنڈنگ سیو کی اور اپنا پروفٹ فگر بڑھایا۔ گیلری کو فائدہ پہنچے گا مجھے یقین نہیں آرہا کہ آپ اتنے بے وقوف اور سادہ انسان ہیں۔ میں آپ کو تجربہ کار اور ذہین سمجھتی تھی۔"

"اپنے تجربے اور ذہانت کا استعمال کبھی اس طرح نہیں کیا میں نے۔ میں حیران ہوں آپ نے کیسے انھیں بلیک میل بھی کر لیا اور۔"

"اسے بلیک میلنگ نہیں بزنس ڈیلنگ کہتے ہیں آپ نے گیلری کو صرف آرٹ کا گھر سمجھا ہوا تھا میں آپ کو بتانا چاہتی تھی اگر لوگ آپ

کی گیلری کے ذریعے کما سکتے ہیں تو پہلا حق آپ کا بھی بنتا ہے۔" جنت نے کیک کا ایک اور چمچ منہ میں رکھتے ہوئے کہا اور مسکرا دی۔ حسام دلچسپی سے اسے دیکھتا رہا۔

"خیر آپ کو غازی غازان کے بارے میں کیا جاننا تھا؟" حسام نے پوچھا۔
"کون ہے یہ غازی غازان؟"

"یہ ایک بہت بڑی چئیرمنٹی فاؤنڈیشن کا فاؤنڈر ہے۔ آپ واقعی نہیں جانتیں؟"

"آپ پر سنلی جانتے ہیں؟ کوئی کون آرٹسٹ تو نہیں؟"
"نہیں رجسٹرڈ فاؤنڈیشن ہے دیکھیں۔" اس نے اپنا لیپ ٹاپ فوراً آن کیا اور اس کی جانب کھسکایا۔

جنت نے لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نظر آتی ویب سائٹ کو اسکرول کیا۔

"غازی فاؤنڈیشن" وہ بڑبڑائی اور آنکھیں سکیڑ کر تفصیلات پڑھنے لگی۔

"آپ پہلے ملے ہیں؟"

"ہاں ان کے نمائندے سے ملا ہوں ساتھ چٹیریٹی پروجیکٹ بھی کیا

تھا۔ اسکندریہ میں ملے تھے ہم۔ اسکندریہ وہ شہر ہے جہاں میں پیدا ہوا

ہوں۔"

"پھر بھی فوراً ہی ہر پروجیکٹ پر حامی نہیں بھر لینی چاہیے۔ ہر پروپوزل

کی اچھی چھان بین کر لینی چاہیے۔"

"آپ کسی بڑے تاجر خاندان سے تعلق رکھتی ہیں؟ کیا آپ کا کوئی تعلق

جی ایف ایس آر سے تو نہیں؟"

"ایسی خوفناک باتیں نہیں کریں میرا کوئی تعلق نہیں ان خون چوسوں

سے۔"

"آپ ایسا سوچتی ہیں؟"

"ہاں!" جنت نے بے نیازی سے کہا۔ حسام کچھ نہ بولا فقط نرم نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔



شیر نے اپنی گاڑی میں ہی اپنا کوٹ اتار دیا اور ساتھ لگی کیبنٹ سے ایک چھوٹی ڈبی نکال کر سنہرے لینس آنکھوں میں ڈالے۔ ماسک اتار کر سادہ ماسک پہنا۔ بالوں کو جھٹکے سے پیچھے کیا اور اسی کیبنٹ میں ہاتھ ڈال کر جلد کی شکل کے دستانے نکالے یہ دستانے جلد کی شکل کے تھے جن پر مصنوعی رگیں ابھری ہوئی تھیں چھوٹے چھوٹے باریک بال بھی تھے۔ شیر نے وہ دستانے پہن لیے۔ اب کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ

دستانے ہیں یا اس کے حسین ہاتھ۔۔۔ ہاں دستانے پہننے کے بعد اس کے ہاتھ نہایت حسین دکھنے لگتے تھے۔ ٹیو چھپ جاتا تھا۔

شفاف اور گلابی مائل ناخن بھی کہیں سے مصنوعی نہیں لگ رہے تھے۔ اس نے اپنی ٹائی بھی اتار لی۔ اس کے سامنے ہی سیاہ پردہ تھا جسے ہٹائے بغیر اس نے ڈینیل کو آواز دی۔

"جی ماسٹر!"

"گاڑی سائیڈ پر روکو۔" اس نے کہا۔

"اوکے ماسٹر میں باہر آؤں؟"

"نہیں تم جا کر ڈیٹ انجوائے کرو۔۔۔ میں خود آجاؤں گا۔"

"گاڑی لے جاؤں؟"

"لے جاؤ۔" شیر کہہ کر گاڑی سے اتر گیا۔ آس پاس سے گزرتے لوگوں نے اس پر اثر دراز قد شخص کو مہنگی ترین کار bugatti سے اترتے دلچسپی اور تجسس سے دیکھا تھا۔ وہ ہر حلیے میں توجہ کھینچنے کی صلاحیت رکھتا تھا اس بات سے واقف تھا اور عادی بھی۔ اس لئے توجہ دیے بغیر سامنے کی جانب بڑھنے لگا۔ سامنے ہی ایک کیفے تھا جس کے گیٹ کو دھکیلتے ہی اس کی نگاہ ایک جانب بیٹھی جنت پر پڑی۔

"Damn.... Why the hell its happening to me"

وہ بے ساختہ بڑبڑایا۔

"اب اس بے وقوف خوابوں کی ملکہ کو لگے گا اس کو بلڈنگ کی ساتویں منزل سے دیکھنے کے بعد میں اس کے پیچھے یہاں تک چلا آیا ہوں۔ اتنے گھٹیا اتفاق آج ہی کے دن؟" وہ دل ہی دل میں بڑبڑاتا

کاؤنٹر کی جانب بڑھ گیا یہ جانتے ہوئے کہ وہاں موجود بیشتر کی نگاہوں کا مرکز وہی تھا۔ فرق نہیں پڑتا تھا کہ وہ ماسک لگا کر اپنا آدھا چہرہ چھپالے اس کی شخصیت ہر طرح سے مقناطیسی کشش رکھتی تھی۔ جو چیز سب سے زیادہ توجہ کھینچتی تھی وہ اس کا ڈیل ڈول اور دراز قد تھا۔ اس پر اس کی آنکھیں جو اصل رنگت چھپنے کے باوجود لوگوں کی توجہ کھینچتی تھیں۔ اب بھی بے نیاز بنا وہ کاؤنٹر پر کھڑا کافی آرڈر کر رہا تھا۔

"Flate white coffee and two black out pastry please" ..

اس نے کہہ کر اپنا والٹ نکالا۔

"Take away sir"?

"Um" ..

شیر نے نرمی سے کہا اور سامنے کی جانب دیکھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ جنت اسے دیکھے کیوں کہ وہ جانتا تھا وہ اسے مکمل طور پر پہچان چکی تھی۔ دو منٹ بعد وہ اپنا پارسل اور کافی لیے باہر کی جانب بڑھ رہا تھا۔ یہی پل تھا جب جنت قہقہہ لگا کر ہنس دی تھی۔ شیر فوراً سمجھ گیا کہ وہ اسے دیکھ چکی ہے پہچان چکی ہے اور یہ مصنوعی قہقہہ اسی کا نتیجہ تھا۔

"کتنا بڑا آلو کا پٹھا اور سستا نکما فارغ عاشق لگ رہا ہوں گا میں اس لٹل وچ کو اس وقت۔" وہ بدمزہ سا بڑبڑایا اور تیز تیز قدموں سے باہر کی جانب بڑھ گیا۔

میز پر حسام الجھن آمیز انداز میں جنت کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" وہ جھجکتے ہوئے پوچھنے لگا۔ جنت لطف اندوز انداز میں اثبات میں گردن ہلانے لگی۔



شیر اپنے ہوٹل کے آخری منزل پر واقع اپنے اپارٹمنٹ نما سوٹ میں موجود تھا۔ سیاہ سلک کا سلپنگ گاؤن پہنے ہاتھ میں آئسکریم کا باؤل لیے وہ ہال کے سامنے بنی چھت پر ریلنگ کے قریب کھڑا تھا۔ آسمان کو بادلوں نے ڈھکا ہوا تھا۔ ہوائیں سرد تھیں جو وقفے وقفے سے چل رہی تھیں۔

"ماسٹر آپ کو ٹھنڈ نہیں لگ رہی؟" ڈینیل قریب ہی صوفے پر بیٹھا تھا۔
 "آپ کہاں چلے گئے تھے؟" اس نے پھر سوال کیا۔
 "آپ نے ان اتحادیوں کے بارے میں کیا سوچا؟"

"مجھے کیا سوچنا ہے؟ وہ اتنے اہم ہیں کہ ان کے بارے میں سوچوں گا۔" وہ بے نیازی سے بولا۔

"پھر کیوں پریشان ہیں؟ آپ کی توانائی کہاں ہے آج؟"

"آوارہ گردی پر نگلی ہے۔۔ پتا کیا تم نے حسام بن محمد وہاں کیا کر رہا تھا۔۔"

"مجھے ان کو دیکھ کر لگا ہی تھا کہ وہ لڑکی جنت ہوگی۔۔ کتنی خوبصورت ہے نا؟ آج کل فیشن انڈسٹری سے لے کر آرٹ کی دنیا میں ہر جگہ اس کی خوبصورتی کے چرچے ہیں۔ سنا ہے بہت چالاک اور ذہین لڑکی ہے۔۔ ہماری کمپنی پہلے سے آرٹ گیلری کے ساتھ معاہدوں میں تھی اس لڑکی نے سارے معاہدے دوبارہ بنوائے ہیں آرٹ گیلری کا پروفٹ ریشو چالیس سے ستر کر دیا ہے اور ہمارے لوگوں کے پاس اس مطالبے کو ماننے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ ڈیوڈ انڈریو کو یہ لڑکی ذاتی طور پر پسند آئی ہے۔۔"

"کون ڈیوڈ انڈریو؟" شیر نے گردن گھما کر اس کی جانب دیکھا۔

"مارکیٹنگ مینیجر ہے واشنگٹن مانیٹرنگ ڈیسک کا۔۔"

"کیا آج کی میٹنگ میں تھا؟" شیر نے سوال کیا۔

"نہیں۔۔ وہ مارکیٹنگ مینیجر ہے شیر ہولڈرز میں سے نہیں ہے۔" ڈینیل نے کہا۔

شیر کی پیشانی پر بل پڑے اس نے یک کے بعد دیگرے کئی چچ منہ میں ڈالے اور باؤل میز پر پٹخ دیا۔

"آپ کو کیسی لگی یہ لڑکی؟ مجھے تو حسام کے ساتھ ہی اچھی لگتی ہے ان کا کپل اگر ہو تو کتنے پیارے لگیں گے نا؟"

"تم یہ جاب چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟ تمہیں میں میری بیورو کھول دیتا ہوں؟ خوب نام بناؤ گے تم۔۔۔" شیر نے ناپسندیدگی سے کہہ کر اس کی جانب دیکھا۔

"میں تو ایسے ہی جنرل بات کر رہا تھا ماسٹر۔" ڈینیل کھسیا کر بولا۔

"تم ذاتی طور پر ملے ہو جب میں نے کام کا کہا تھا۔؟"

"نہیں آپ چاہتے تھے کہ اسے پتا نہ چلے آپ کی مدد کا۔ اور اگر میں ذاتی طور پر ملتا تو اسے پتا چل جاتا کہ میں آپ کا اسٹنٹ ہوں۔ مجھے سب جانتے ہیں۔۔۔" آخر میں اس کا لہجہ فخریہ ہوا۔ شیر نے اس کی جانب دیکھا اور فقط گردن ہلادی۔



شارجہ میں فجر کی اذانیں گونج رہی تھیں۔ موسم کی خنکی اس وقت مزید بڑھ جاتی تھی۔ ہواؤں کی رفتار میں بھی تیزی آ جاتی تھی۔ یہ علاقہ بندرگاہ کے قریب تھا اس لئے یہاں دیگر علاقوں کے مقابلے زیادہ ٹھنڈ تھی۔ لیونگ روم میں جائے نماز بچھی تھی۔ حاشر پر سکون سا جائے نماز پر آنکھیں جھکائے ہاتھ باندھے نماز ادا کر رہا تھا۔ سر پر اس نے چھوٹا سفید رومال باندھ رکھا تھا۔ کچھ دیر بعد نماز مکمل کرتے اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ اب کی بار اس کے لب نہیں ہل رہے تھے پر ہاتھ یوں ہی کافی دیر اٹھائے وہ اپنی ہتھیلیوں کو گھورتا رہا پھر ہاتھ چہرے پر پھیرتا اٹھ گیا۔ جائے نماز ایک جانب میز پر رکھ کر اس نے اپنی جیکٹ پہنی اور مفلر چہرے کے گرد لپیٹتے بیگ لے کر باہر کی جانب بڑھ گیا۔ باہر ایک مقدس سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سڑکیں خالی تھیں۔ ہواؤں کی رفتار تیز تھی۔ وہ کافی

دیر چلتا ایک سڑک کنارے آیا۔ وہاں ایک سیاہ رنگ کی سپد بانیک تھی۔ ہیلیمٹ سمیت۔ اس نے کان میں ایئر بڈ لگایا۔

"شکریہ! تمہاری یہ مدد یاد رکھوں گا میں۔"

"بھول جاؤ آج ہی بس مجھے وہ ڈاکو منٹس دے دو۔" دوسری جانب سے آواز آئی۔

"ٹھیک ہے میں تمہیں آج ہی وہ ڈاکو منٹس فراہم کر دوں گا۔" حاشر نے کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا اور بانیک پر بیٹھ کر بانیک اسٹارٹ کی۔ ابھی دن کی روشنی نہیں پھیلی تھی۔ وہ ایک مصروف اور تنگ سے بازار کے قریب چلا آیا تھا۔ وہ گلیوں سے یوں گزر رہا تھا جیسے چپے چپے سے واقف ہو اور یہ حقیقت بھی تھی۔ ایک قدرے خالی گلی کے نکر پر اس نے بانیک روک دی اور نیچے اتر آیا۔ اس نے آس پاس دیکھنے کے بجائے اوپر کی

جانب دیکھا یہ ایک بوسیدہ لیکن اونچی عمارت تھی۔ اس نے کچھ پل جائزہ لیا پھر جست لگا کر ایک کھڑکی سے لٹک گیا لٹکے لٹکے اس نے قریبی پائپ کو پکڑا اور اسی کے ذریعے اوپر چڑھنے لگا۔ وہ اگلے دو منٹ میں عمارت کی آخری منزل پر تھا۔ چھت کو پار کرتا وہ دوسری جانب آیا۔ سامنے ایک اور عمارت تھی۔ وہ تیزی سے اس پر کودا اور اسی طرح اوپر نیچے کودتا گلی کے دوسرے حصے پر آپہنچا۔ اب کے اس کی نظر سامنے نظر آتی سبز عمارت پر تھی وہ کچھ دیر اس کا جائزہ لیتا رہا پھر کچھ سوچتے ہوئے بیٹھ گیا۔ بیگ کھول کر ایک دور بین نکالی اور آنکھوں کے قریب لا کر سامنے کا جائزہ لیا۔ اسے کھڑکیوں اور راہداریوں میں دو سے تین لوگ دکھائی دیے۔ اس نے چھت کا جائزہ لیا۔ فاصلے دس فٹ کے قریب تھا لیکن اس کے لئے مشکل نہیں تھی۔ وہ بیگ کاندھے پر ڈالتا

پیچھے ہٹا گیا پھر یک دم تیر کی تیزی سے بھاگتا ہوا آیا اور ایک قدرے اونچی اور ناقابل یقین چھلانگ لگائی اور عمارت کی چھت کی دیوار سے جا کر لپٹ گیا اور اگلے ہی پل اندر کود گیا۔ اس نے بیگ سے ایک قدرے بڑا اور بھاری لوہے کا ڈبا نکال کر کھولا۔ اس میں مختلف قسم کی چھوٹی بڑی مختلف قسم کے ٹائم بم تھے۔ وہ مخصوص انداز میں مسکرایا۔ اس کی گہری سیاہ آنکھیں عجیب انداز میں چمکی تھیں۔

"ایک چھوٹا سا وہ لڑکا تھا۔"

انجان بستی میں بچھڑا "وہ گنگنایا۔"

تیرتا سا گر جیسا تھا۔

نگر نگر۔۔ ڈگر ڈگر پھرتا تھا۔

"اس کی گہری گہری آنکھوں میں۔۔"

کچھ خواب تھے گہرے گہرے سے۔۔

وہ ٹائم بم کی مختلف تاروں کو چھیڑتا آس پاس کی دنیا سے بے خبر گنگنا رہا تھا۔ جیسے دنیا کا سب سے دلچسپ اور پسندیدہ ترین کام کر رہا ہو۔

"کچھ خواب انوکھے ادھورے سے۔۔"

کچھ خواب تھے چھوٹے چھوٹے سے۔۔

کچھ اونچے اونچے پہاڑوں سے۔۔"

اس نے اپنا کام ختم کر لیا تھا وہ بموں کو کھلونوں کی مانند ہاتھ میں لئے نیچے کی جانب بڑھنے لگا۔

"ایک پیارا سا وہ لڑکا تھا۔۔" اس کی آواز دھیمی ہوتی چلی گئی۔



"ایک پیارا سا وہ لڑکا تھا۔۔ ایک پیارا سا وہ لڑکا تھا۔۔ اوہ۔۔ میں یہ لوری
کیوں سنارہا ہوں۔۔ دراصل بلڈنگ میں ٹائم بم لگا کر ابھی ابھی نکلا ہوں یہ
ساؤنڈ سسٹم میرے ایکس میں ہے تو سوچا تم لوگوں کو خبردار ہی
کردوں۔۔ زیادہ وقت نہیں ہے۔"

Run guys.. As fast as you can...

...17..18...19...20

مجھے بھاگتے قدموں کی آواز نہیں آرہی۔۔ مجھے پتا تھا سب الجھ گئے ہوں
گے۔۔ یہ لو ٹریلر۔۔"

اسی کے ساتھ ہی خطرناک قسم کی آواز آئی تھی۔۔

عمش اور گولڈن سمیت اس کمرے میں موجود ہر شخص کے چہرے پر
ہوائیاں اڑی تھیں۔

"آہ۔۔۔ یہ ٹریلر تھے۔۔۔ یہ ٹائم بم بنانے والے نے تو کمال کیا ہے۔۔۔ چھوٹی سی تو ڈیوائس تھی۔۔۔ اتنی کمال آواز۔۔۔ مزہ آگیا۔۔۔ قدموں کی آواز ابھی بھی نہیں آرہی۔۔۔ اگلا ٹائمز بھی آن ہے۔۔۔ انتظار کرو۔۔۔ دس۔۔۔ نو۔۔۔ سات۔۔۔" ارے ارے سارے بھاگ رہے ہیں۔۔۔ ہاہاہاہ۔۔۔ بھاگو بھاگو جان بچاؤ۔۔۔"

اس پل عمش نے مٹھیاں بھیج لیں تھیں۔ بھاگتے قدموں کی آوازیں تھیں۔ گولڈن خاموش اور سپاٹ چہرہ لیے سامنے اسکرین پر اوپر نیچے تیرتی آواز کی لہروں کو دیکھ رہا تھا۔

"ویسے میرا ہو گیا۔۔۔ میں جارہا ہوں۔۔۔ لیکن ایک بات تو بھول گیا۔ تم لوگوں کو دس کڑوڑ ڈالر کا نقصان مبارک ہو۔۔۔" محظوظ سی مشینی آواز آنا بند ہو گئی۔

وہ سب کاٹو تو لہو نہیں کی مثال بنے ہوئے تھے۔ شارجہ میں قائم سب سے پرانا اور بڑا منشیاتی ادہ (جو دنیا کی نظر میں ایک فارما کمپنی تھی) اب راکھ کا ڈھیر بن گیا تھا اور یہاں موجود تمام لوگ کچھ نہیں کرپائے تھے۔



"نہ کرو۔۔۔ سچ کہہ رہے ہو؟ یہ کیسے ہوا؟" شیر جھٹکے سے پلنگ پر اٹھ کر بیٹھا اور ریموٹ اٹھا کر اسکرین آن کر کے فوراً نیوز چینل لگایا۔

"Horrific bomb blasts at GFCR's pharmaceutical company in sharjah" ...

As per resources an unknown man given warning before the last minute of this disaster it's a huge loss for

GFCR... Company didn't release any kind of statement yet....

(شارجہ میں جی ایف سی آر کی دوائیوں کی کمپنی میں خطرناک بم دھماکہ۔۔۔)

زرائع کے مطابق ایک اجنبی شخص نے آخری منٹ میں اس تباہی کے متعلق خبردار کیا۔ کمپنی کی جانب سے ابھی تک کسی قسم کا بیان سامنے نہیں آیا ہے۔۔۔

"میں جانتا ہوں یہ تم ہو۔۔۔" شیر بڑبڑایا اور اسکرین بند کر دی۔

"ماسٹر۔۔۔ مجھے مختلف فون آرہے ہیں میڈیا باہر جمع ہے۔۔۔ کل شام کی میٹنگ کے حوالے سے بھی اڑتی اڑتی خبریں ہیں۔۔۔ کیا کروں؟" ڈینیل کمرے میں داخل ہوا۔ وہ بوکھلایا ہوا تھا۔

"میرے لئے ایک بہترین سوٹ نکالو۔" شیر نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے سکون سے کہا۔

"ماسٹر؟ بگ باس کی بھی چھبیس فون کالز آچکی ہیں۔" ڈینیل نے اسے معاملے کی سنگینی کا احساس دلانا چاہا۔

"آئسکریم کا بڑا باؤل۔" شیر نے اسے سرد نگاہ سے گھورتے باہر جانے کا اشارہ کیا۔ ڈینیل گھبرا کر باہر بھاگا۔

"Nice timing" ...

وہ کچھ سوچتے ہوئے بڑبڑایا اور میز پر رکھا مائیکروفون کان سے لگا کر اپنا فون اٹھایا۔ دوسری جانب سے فون فوراً اٹھالیا گیا۔

"شیر۔۔"

"کیا سن رہا ہوں میں؟" شیر بری طرح غرایا۔

"کیوں چلا رہے ہو۔۔" دوسری طرف عمش اس کے انداز پر گھبرا یا۔

"میں کل شارجہ آرہا ہوں اور تم سب مجھے میرے سامنے چاہیے ہو۔۔ میری غیر موجودگی میں سور کی کھال لپیٹ کر سو جاتے ہو کیا سارے؟" وہ تلخی سے کہہ کر فون بند کر گیا اور شرارت سے مسکرایا۔ اب اگلی باری گولڈن کی تھی۔ اس نے اس کا نمبر ملایا۔

"تم میری کال کیوں نہیں اٹھا رہے تھے؟۔"

"کال اٹھانے کی پوزیشن میں چھوڑا ہے تم لوگوں نے مجھے؟ میری کمپنی میں اتنا بڑا دھماکہ کرنے پر تمہیں مبارک باد دینے کے لئے کیسے فون کرتا میں تمہیں فوراً۔۔"

"جیسے کہ میرا تو اس کمپنی سے کوئی واسطہ نہیں۔۔" گولڈن کی آواز سرد ہوئی۔

"یہ بحث میرے تمہارے کی نہیں ہے۔۔ یہ بحث دس کڑوڑ ڈالر کے نقصان کی ہے۔ کمپنی کی ساکھ کی ہے۔۔ میں تم سب سے سوال کروں گا میں اتنی محنت ان بم دھماکوں کے لئے نہیں کر رہا ہوں۔۔ سمجھ گئے۔۔" شیر نے سپاٹ لہجے میں کہہ کر فون کاٹ دیا اور فون پلنگ پر اچھال کر زور سے ہنس دیا۔

"یہ سارے سرکس میں ناچتے بندر سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔۔" وہ محفوظ سا ہنستا غسل خانے کی جانب بڑھ گیا۔



"جیٹ ریڈی رکھو۔۔ میڈیا پر فی الحال کوئی بیان نہیں دینا ہے۔ میں ایک گھنٹے میں واپس آؤں گا۔" شیر کہتے ہوئے لفٹ کی جانب جا رہا تھا۔

"لیکن ماسٹر آپ کہاں جا رہے ہیں اس وقت؟"

"ڈیٹ پر!" شیر مسکراتے لہجے میں بولا۔

"کچھ گھنٹے پہلے ہی تو۔۔"

"وہ سیلف کافی ڈیٹ تھی۔"

"سیلف ڈیٹ؟" ڈینیل الجھا۔

"ہاں! کبھی خود کو بھی ڈیٹ پر لے جایا کرتا ہوں میں۔۔ اور سنو اتنا

اسٹریس مت لو وقت سے پہلے بوڑھے ہو گئے تو۔" شیر نے کہہ کر فون

بند کیا اور لفٹ میں سوار ہو کر لفٹ بند کر دی۔



کمرے کا درجہ حرارت قدرے گرم تھا۔ فضا میں کافی کی بھینی مہک تیر

رہی تھی۔ جنت کے لمبے بال اس کی پشت پر گرے تھے۔ وہ جب انھیں

کٹوانے کا سوچتی کچھ دیر بعد ارادہ ملتوی کر دیتی۔ دفعتاً اس کا فون بجا۔ انجان نمبر تھا وہ کچھ پل ہچکچائی پھر فون اٹھا کر کان سے لگایا۔

"کہیں میں نے تمہاری نیند تو خراب نہیں کی؟"

"تم میری نیند خراب ہونے کا سوال کر رہے ہو؟" جنت طنزیہ انداز میں مسکرا دی۔

"ہاں! جاگ رہی ہو۔ نیچے آؤ۔" دوسری طرف قدرے عام سا لہجہ تھا۔ جیسے وہ بہت اچھے تعلق میں قید ہوں۔

"کس حیثیت سے؟"

"اب ہوٹل روم سے لان میں آنے کے لئے بھی تمہیں کوئی حیثیت

چاہیے؟ چلو بطور مشہور و معروف آرٹسٹ ہی آجاؤ۔" شیر نے کہہ کر

فون کاٹ دیا۔ جنت نے غصیلے انداز میں فون بیڈ پر پھینکا۔

"سمجھتا کیا ہے یہ خود کو۔۔" وہ بڑبڑائی۔

"نیچے آؤ۔ مائی فٹ۔۔ بھاڑ میں جاؤ۔" وہ بلند آواز میں چلائی یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اسے نہیں سن سکتا۔

"کیوں آیا ہے یہ یہاں؟" جنت بڑبڑائی اور اپنے فون کی جانب دیکھا۔
 "میرا نمبر اسے کیسے ملا؟ آہ یہ بھی میں سوچ رہی ہوں؟ یہ بلا کچھ بھی کر سکتی ہے میرا نمبر کیا چیز ہے۔۔" وہ منہ بنا کر بڑبڑائی۔ کافی بھاپ اڑا رہی تھی اس نے کافی کا کپ اٹھا لیا۔

"کھڑا رہے۔۔" وہ بڑبڑائی اور سلائیڈنگ ڈور کے قریب آئی دروازہ ایک طرف کھسکایا اور بالکنی میں نکل آئی۔ کچھ لمحے بعد نیچے جھانکا۔ وہ نظر نہ آیا۔ جنت نے سر جھٹکا اور کافی پینے لگی۔ جیسے وہ بالکل لاپرواہ ہو۔۔ لیکن

حقیقت اس کے برعکس تھی۔ وہ دل ہی دل میں بے کل اور متجسس تھی۔ شیر یہاں کیوں آیا تھا یہی سوچتے وہ بے چینی سے ٹھہلنے لگی۔

"کیا مجھے جانا چاہیے؟ ایک بار مل کر ساری خوش فہمیاں، غلط فہمیاں اور وہ تعلق توڑ ہی دینا چاہیے جو سالوں سے مجھے ایک سراب کے پیچھے بھگایا ہے۔" اس نے سوچا اور جی کڑا کر کافی کا کپ رکھ دیا۔ وہ سفید جرسی اور نیلی جینز میں ملبوس تھی۔ اس نے اندر آکر بال سمیٹ کر ڈھیلے جوڑے میں لپیٹے اور خاکی لانگ کوٹ بازو پر ڈالتی باہر نکل آئی۔ جیسے جیسے لفٹ نیچے کی جانب جا رہی تھی اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ وہ لفٹ سے نکل کر راہداری میں آئی پھر وسیع لابی میں۔ قدم بھاری ہوتے گئے۔ بمشکل تاثرات نارمل رکھے۔ وہ جوں ہی مرکزی گیٹ سے نکلی وہ سامنے کھڑا نظر آیا۔ جنت ایک پل کو ٹھٹھک کر رکی۔ نگاہیں سامنے

کھڑے شیر پر آٹھری۔ وہ کسی مجسمہ ساز کی بنائی گئی تخلیق لگ رہا تھا۔ منظر کو ماند کیے منظر پر حاوی سا۔

سفید شرٹ پر سیاہ لیڈر جیکٹ پہنے نیلی جینز اور سیاہ اسٹیکرز۔ بال کشادہ پیشانی پر بکھرے تھے۔ چہرے پر سادہ ماسک۔ وہ اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ جنت کی نگاہ اس کے ہاتھوں پر گئی۔ رنگ برنگے پھولوں کا گلدستہ اور ایک خاکی پارسل جو قریبی کیفے کا تھا۔ وہ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ آنکھیں اس پر ٹکیں تھیں۔ جنت کی دھڑکنیں مدھم ہوتے ہوتے پھر معمول پر آئیں اور اس نے ٹھنڈی سانس خارج کی۔ قدم اس کی جانب بڑھنے لگے۔ چہرے پر سرد مہری سجالی۔ براہ راست اس کی جانب دیکھنے سے گریز کیا اور جا کر اس کے عین سامنے کھڑی ہوئی۔ وہ دراز قد ہوتے ہوئے بھی اس کے کاندھوں تک نہیں آرہی تھی۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟" وہ لہجے کو جس قدر تلخ بنا سکتی تھی بنالیا۔ اس کی جانب اب بھی نہیں دیکھا وہ اس کے قیمتی بھاری جوتوں کو دیکھ رہی تھی۔

"گڈ مارننگ!" شیر نے دھیمے لہجے میں کہتے کافی کا ایک کپ اس کے ہاتھ میں پکڑایا۔ جنت ششدر رہ گئی۔ جب تک وہ کچھ کرپاتی کافی کا کپ اس کے ہاتھ میں پکڑا کر وہ آگے چلنے لگا۔ وہ کبھی کپ کو تو کبھی اس کی پشت کو دیکھتی۔ وہ ہمیشہ سے ہی اتنا پھرتیلا تھا۔ وہ سوچتی رہی۔ وہ چند قدم چل کر رکا۔

"کم آن۔۔" شیر کا لہجہ نرم تھا۔ وہ اس کی جانب نرمی سے دیکھ رہا تھا۔ جنت اس کے پیچھے چل دی۔ شیر نے رک کر اس کے قریب آنے کا انتظار کیا۔ جنت خاموش رہی۔ ایک مخصوص دھیمی مہک تھی جو اس کے

نختوں سے ہوتی سانسوں میں اتر رہی تھی۔ وہ تو ابھی سے ہی کمزور پڑ رہی تھی۔ من پسند شخص سے غیر متوقع ٹکراؤ۔ اور شخص بھی وہ۔۔ شیر۔۔ شیر روح سیاہ۔۔ جانے اسے یہ نام کس نے دیا تھا۔ کالی روح والا شیر؟ وہ کبھی پوچھ بھی نہیں سکی تھی۔۔ نہ اس سے نہ کسی اور سے۔۔ لیکن وہ اس کے نام کا مطلب سمجھتی تھی۔ کالی روح والا۔۔

"کیسی ہو تم؟ کیسا محسوس ہو رہا ہے پہلی نمائش کے بعد۔۔" وہ اس کے برابر چلنے لگا تھا۔ اس کے سوال پر جنت ایک دم الجھی۔ پھر ابرو اکھٹے ہوئے۔ منہ بن گیا۔

"کیا تم یہی سوال کرنے یہاں آئے ہو؟" وہ ناگواری سے پوچھ بیٹھی۔

"مجھے نہیں پتا میں یہاں کیوں آیا ہوں پر جہاں تک میری عقل ناقص کام کرتی ہے میں ہوٹل سے تازہ دم ہونے نکلا تھا۔ اچھا وقت

گزارنے۔۔ یہ تمہارے لئے۔۔ "شیر نے پھول اس کی جانب بڑھاتے
ایک گہری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی اور کافی کا گھونٹ بھرتے گاڑی کا
دروازہ کھولا۔

"Have a seat!"

شیر نے اتنی نرمی اور شائستگی سے کہا کہ جنت کو خواب کا گمان ہونے
لگا۔ وہ کچھ پل اسے دیکھتی رہی اور پھر میکاکی انداز میں گاڑی میں سوار
ہو گئی شیر نے گاڑی کا دروازہ بند کیا اور ڈرائیونگ سیٹ پر چلا آیا۔

"تمہارا دوست حسام کیسا ہے؟" شیر نے گاڑی اسٹارٹ کرتے نرمی سے
پوچھا۔ اس کے لہجے میں کسی قسم کا غصہ یا جلن شامل نہیں تھی۔ جنت
نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ جنت اسے دیکھتی
رہی۔ وہی دراز خم دار پلکیں گہری سیاہ آنکھیں۔ اس کی جلد اور پیشانی

بالکل شفاف تھی پر وہ پتلی پتلی سبز اور سرخ رگیں جو صاف دکھائی دیتی تھیں۔

شیر نے ایک نظر اس کی جانب دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے اپنا ماسک اتار دیا۔ یہ وہ پل تھا جب کی دھڑکنیں ساکت ہوئیں۔ وہ سانس لینا بھول گئی۔ وہ دم بہ خود تھی۔ اس نے اتنی آسانی سے یہ توقع نہیں کی تھی۔ وہ بے یقین سی تھی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ اس کی حالت سے بخوبی واقف وہ مسکرا رہا تھا۔ وہی معصومانہ مسکراہٹ جو ساری دنیا کو بے وقوف بناتی تھی۔ جنت اسے دیکھتی رہی۔ ناک جیسے کسی مجسمہ ساز نے تراشی ہوئی ہو۔ کھڑی اور تیکھی سی۔ مردوں کی ایسی ناک اس نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ شیوہ کی تھی۔ اس کے ہونٹ درمیانے تھے لیکن ابھرے ہوئے سرخی مائل یہی رنگ اس وقت اس کے کان کی لوؤں کا تھا۔ وہ پورے

یقین سے کہہ سکتی تھی کی ایسا حسن عام نہیں ہوتا۔ اتنی خوبصورتی ہر کسی کو نہیں ملتی۔ ایسی جلد بھی نہیں۔ ایسی شفاف جلدوں کے لئے تو لڑکیاں سارے جہاں کے جتن کر لیتی ہیں کیا اسے احساس بھی ہے کہ وہ کس قدر خوبصورت تھا۔ وہ نہیں بدلا تھا۔ ویسا ہی تھا۔ بے انتہا خوبصورت۔ جس کے چہرے سے نظریں ہٹانا کبھی بھی آسان نہیں رہا تھا۔ وہ ایک مکمل اور وجہیہ مرد تھا۔ جنت نے ناچاہتے ہوئے بھی نظریں پھیر لیں۔ اتنی بے اختیاری پر خود کو کئی لعنتیں بھیجتی وہ گاڑی کے پار دیکھنے لگی۔

"کہیں تمہیں یہ ناقابل یقین خواب تو نہیں لگ رہا؟" شیر کی شرارتی رگ پھڑکی۔

"ہاں! ایسا خواب جس کی تعبیر بے معنی اور بے مقصد ہوتی ہے چاہے حاصل ہی کیوں نہ ہو جائے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔ یہی ایک جملہ تھا جو

اس پل اس کے ذہن میں آیا تھا۔ دل میں ان گنت احساسات کے ساتھ
ایک احساس بوجھل پن اور اداسی کا بھی اٹھ آیا تھا۔

شیر بے اختیار ہنس دیا۔ جنت کچھ نہ بولی۔ یوں ہی باہر دیکھتی رہی۔ لیکن
شیر کی وہ ہنسی اس کے اندر گونجی تھی۔ دھڑکن پھر بے کل ہوئی۔ جنت
نے خود کو پھر ڈپٹ دیا۔

"گرین مینشن میں ان اسمگل زدہ سانپوں کے ساتھ بہت زیادہ وقت رہی
ہو نا تم؟"

"کیا مطلب؟" جنت نے الجھ کر اس کی جانب دیکھا۔

"زہریلی سی ہو گئی ہو۔" وہ پھر ہنس دیا۔ جنت ایک پل کو اس کے ہنستے
چہرے پر ٹھٹکی پھر منہ بنالیا۔

"تم ان کے ساتھ ایک سال ہی رہے ہو لیکن مجھ سے زیادہ زہریلے ہو۔" وہ بھی فوراً بولی۔ شیر نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔ جنت اس کے دیکھنے پر پھر بھٹکنے لگی۔ "اف جنت۔۔ اف!"

"کہاں جارہے ہیں ہم؟" خود کو سنبھالتے پھر سردمہری سے پوچھا۔

"وہ ایک سرپرانز ہے۔" شیر نرمی سے بولا۔

"ٹھنڈ لگ رہی ہے؟ ہیٹر آن کرلوں؟"

"تمہیں لگ رہی ہے تو کرلو۔" وہ کہہ کر کھڑکی کے پار دیکھنے لگی۔ بار بار

وہ اسے بھٹکانے آجاتا تھا۔ یہ نرم لہجہ۔۔ اف۔۔ وہ اپنے احساسات سمجھنے

سے قاصر تھی۔ اس کا یوں اس طرح ساتھ ہونا اسے پھر کمزور کر رہا

تھا۔ وہ سارے شکوے بھول رہی تھی۔ دل بار بار اس کے چہرے کو دیکھنے

کی ضد کر رہا تھا لیکن وہ اپنی ضد پر اڑی رہنا چاہتی تھی اسے دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

"میوزک سننا پسند کرو گی؟" شیر نے کہتے ہوئے ایک بٹن دبایا۔

"GFSR didn't release any details or statements about bomb blast at company"...

جنت نے چونک کر شیر کی جانب دیکھا۔ وہ تو پر سکون اور مطمئن تھا۔ اس نے اپنا فون نکالا اور نیوز اپ ڈیٹس چیک کیں۔ خبر پڑھتے ہی اس کی آنکھیں حیرت و بے یقینی سے پھیلیں۔ اس نے پھر شیر کی جانب دیکھا۔
"تم اتنے پر سکون کیسے ہو؟" یہ ایک واحد سوال تھا جو اس پل اسے سوچھا تھا۔

"تمہارے ساتھ ہوں نا۔" وہ عام سے لہجے میں بولا۔ جنت یک دم ساکت ہوئی۔ دل رک کر دھڑکا۔ اس نے الجھ کر اس کی جانب دیکھا۔

"کیا کر رہے ہو تم؟ کہاں لے جا رہے ہو؟ کہیں تم۔" جنت کہتے کہتے رکی۔ وہ اس کے ساتھ کوئی کھیل تو نہیں کھیل رہا۔ جنت اس کی جانب دیکھنے لگی۔ جانے کیوں وہ اس شخص پر اب کبھی مکمل یقین نہیں کر پاتی تھی۔ وہ اس سے ہر شے کی توقع رکھتی تھی۔

"کہیں میں تمہیں اغواء تو نہیں کر رہا؟ یا پھر تمہارے ساتھ کوئی گیم کرنے جا رہا ہوں؟ ایسا ہی سوچ رہی ہو یقیناً؟" وہ بغیر مسکرائے کہہ رہا تھا۔

"تم سے کسی ایسی چیز کی ہی توقع کی جاسکتی ہے۔" جنت منہ بنا کر بڑبڑائی۔ وہ بے یقین اور الجھی ہوئی تھی۔

"ضروری نہیں ہر مرد عمش البانی ہو کچھ شریم خان جیسے بھی ہوتے ہیں۔۔" شیر نے گردن گھما کر اس کی جانب دیکھا۔ جنت کو برا لگا تھا۔ بے حد برا۔

"وہ شریم خان جس کی کوئی پہچان نہیں ہے؟" وہ بے دھڑک بولی۔

"میری پہچان ہر کسی کی پہچان میں آنے کے لئے نہیں ہے۔ میری اس پہچان کو صرف کچھ لوگ ہی پہچان سکتے ہیں۔" وہ پرسکون سا بولا۔ کتنا پرسکون رہتا تھا۔ جنت چڑ کر سوچنے لگی پھر بولی تو لہجہ مزید سخت تھا۔

"اور ایس آر؟ جو دنیا کے لئے فقط ایک معمہ ہے۔۔ ایک ریڈ زون۔۔"

"تمہارے لئے ریڈ زون نہیں ہوں تم کیوں اتنی پریشان ہو۔۔" وہ ہنس دیا۔ جنت نے آنکھیں میچ کر گہری سانس لی پھر اس کی جانب جانب دیکھا۔

"کیا ہم ایک نارمل کپیل کی طرح بی ہو نہیں کر سکتے؟" شیر نے شرارتی انداز اپنایا۔

"کپیل؟" جنت نے جھٹکے سے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ وہ پہ در پہ اسے حیران کر رہا تھا۔

"فرض ہی کر لو۔ اب میں حسام بن محمد تو ہوں نہیں جس کے ساتھ تم پر امن طریقے سے کئی گھنٹے گزار لو۔" شیر نے شرارتی لہجہ اپنایا۔

"وہ تم جیسا نہیں ہے۔ وہ ایک تہذیب و تمیز والا سمجھدار اور بہترین مرد ہے۔" جنت نے چڑ کر کہا۔ اسے حسام کا ذکر برا لگا تھا۔

"کاش میرے پاس میری تعریف کے لئے بھی ایسے کچھ مہذب الفاظ ہوتے۔" شیر نے مسکراتے ہوئے گاڑی کا رخ موڑ دیا۔ اب گاڑی ایک

پتلی سڑک پر تھی جس کے ایک طرف گہری کھائی اور دوسری جانب

اونچی پہاڑیاں تھیں۔ جگہ جگہ ہلکی برف پڑی نظر آرہی تھی۔ شیر نے گاڑی کا کیبن کھول کر اندر سے سرخ مفلر اور ایک اونی ٹوپي نکال کر اس کی جانب بڑھائی۔ جنت نے فقط اس کی جانب دیکھا ہاتھ بڑھا کر پکڑے نہیں۔

شیر نے ٹھنڈی سانس بھر کر انھیں دوبارہ گود میں رکھا۔
 "تم کبھی نہیں بدلوگی۔ میرے سامنے تم ہمیشہ وہ ضدی بچی رہوگی جسے سارا غصہ ساری ضد شیر کے سامنے ظاہر کرنی ہے۔ چاہے خفا اسے سارے زمانے نے کر رکھا ہو۔"

"مجھے کسی نے خفا نے نہیں کیا۔" شیر کے اس لہجے اور اس انداز نے اس کے دل کی اداسی کو اور بڑھا دیا۔ وہ نروٹھے پن سے بولی۔

"اچھا تو یہ گستاخی صرف میں کرتا ہوں؟" معصومیت سے سوال کرتا وہ جنت کو مزید تپا گیا۔

"ڈھیٹ!" وہ اونچا بڑبڑائی۔ شیر آہستگی سے ہنس دیا اور گاڑی ایک جانب روک دی۔ اسی پل اس کا فون بجا۔ اس نے بٹن دبا کر اسپیکر آن کیا۔

"ایک گھنٹہ ہو چکا ہے ماسٹر!" ڈینیل کی آواز کار میں گونجی۔ جنت خاموشی سے شیر کی جانب دیکھ رہی تھی۔ شیر نے گود میں رکھا مفلر اٹھایا اور جنت کے گرد لپیٹا۔ جنت سانس روکے اسے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔ دل بھر آ رہا تھا۔ پر بمشکل قابو پائے وہ خود کو نارمل ظاہر کر رہی تھی۔

"کیا جیٹ ریڈی ہے؟" شیر نے پوچھتے ہوئے اونی ٹوپی اٹھا کر جنت کو پہنادی۔ جنت پتھر کا مورت بنے یک ٹک اسے دیکھتی رہی۔ اس کی سانسیں اتھل پتھل تھیں۔

"جی جیٹ ریڈی ہے۔"

"میں آج نہیں جا رہا۔ کل جاؤں گا۔ اسے واپس بھیج دو۔" شیر نے اونی ٹوپی پہنائی اور پیچھے ہٹ گیا۔ جنت ہنوز اسے دیکھ رہی تھی۔

"لیکن ماسٹر؟ آپ ہیں کہاں؟"

"ڈیٹ پر۔" شیر نے کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔ جنت یوں ہی اسے دیکھتی رہی۔ مفلر سے وہی خوشبو اٹھ رہی تھی جو ہمیشہ شیر کے وجود سے اٹھتی تھی۔ شیر نے دوسرا کیبن کھولا سیاہ اونی دستانے نکالے۔

"پہن لو انھیں باہر ٹھنڈ ہے۔" شیر نے اسے دستانے پکڑائے اور باہر نکل گیا۔ جنت کا ذہن ماؤف سا تھا۔ اس نے دستانے نہیں پہنے وہ انھیں ہاتھ میں لیے بیٹھی رہی۔ وہ کافی اونچائی پر تھے تبھی یہاں سردی زیادہ تھی۔ دفعتاً دوسری طرف سے شیر نے گاڑی کا شیشہ بجا کر اسے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ گہری سانس بھرتی باہر نکل آئی۔

"تھوڑی دور تک پیدل چلنا ہے؟ چل لوگی؟" شیر نے دریافت کیا۔ جنت نے جواب نہ دیا بلکہ اس کے آگے چلنے لگی۔ شیر آہستگی سے مسکرایا۔ وہ سڑک صاف ستھری تھی۔ دائیں جانب گہری کھائی اور اونچے سفیدی اوڑھے پہاڑ اور اونچے درخت تھے۔ بائیں جانب اوپر جاتی چڑھائی۔ ہلکی پھلکی گھاس اور مختلف رنگوں سے رنگے پتھر تھے۔

"یہ کون سی جگہ ہے؟" جنت پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔ وہ پچیس سالوں سے واشنگٹن میں رہ رہی تھی لیکن یہاں وہ کبھی نہیں آئی تھی۔ وہ ایک الگ دنیا لگ رہی تھی۔ اسے اس بات کو ماننے میں دشواری ہو رہی تھی کہ اس پل وہ کسی حقیقت میں سانس میں سانس لے رہی تھی۔

"یہ ایک ٹورسٹ اٹرکشن کا ایسا حصہ ہے جسے میں نے دریافت کیا تھا۔ پھر میں نے اسے خرید لیا۔ اگر ہم مخالف سمت میں جائیں تو مشہور سیاحتی مقام آتے ہیں۔ یہاں کوئی نہیں آتا۔ یہ غیر آباد جگہ تھی۔ میں یہاں بہت کم آتا ہوں لیکن مجھے یہ پسند ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟" جنت نے متجسس لہجے میں پوچھا۔ نگاہیں اب اس پاس بھٹک رہی تھیں۔ آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ ایسی بے یقینی جو کسی ناقابل یقین پل کو جیتے ہوئے انسان کے اندر جنم لیتی ہے۔

"تاکہ تمہیں سب سے اونچی جگہ سے دھکا دے سکوں۔" شیر بولا۔

جنت رک کر پلٹی اور ایک خفیف نگاہ اس پر ڈالی۔ شیر مسکرا دیا اور قدم تیز کرتے اس کے برابر چلا آیا۔ اس کا ہاتھ تھام لیا۔ جنت کے قدم ساکت ہوئے۔ اس نے اس کے ہاتھوں کو دیکھا اور اسے احساس ہوا وہ کچھ پہنے ہوئے تھا۔ وہ اس کا لمس محسوس نہیں کر سکتی تھی۔ یہ کیسے دستانے تھے۔ وہ الجھی سی اس کے خوبصورت ہاتھوں یا دستانوں کو دیکھ رہی تھی۔ شیر نے اس کی الجھن کو محسوس کیا۔

"کیا تمہیں میرے ہاتھ پسند آئے؟" وہ ہلکا سا ہنسا اور اس کا ہاتھ چھوڑ کر اپنے دستانے اتار کر ہاتھ اس کے سامنے پھیلائے۔ ہاتھ کی پشت پر صفائی سے بنا شیر۔۔ جنت کسی ٹرانس کی کیفیت میں اس کے ہاتھ دیکھتی رہی اسے یک دم احساس ہوا کہ اس کے اپنے ہاتھ زیادہ خوبصورت

ہیں۔ ابھری ہوئی رگیں اور سرخی مائل ہتھیلیاں۔ کیا خدا مردوں کو بھی اتنا مکمل حسن دیتا ہے۔ وہ ہمیشہ سنتی آئی تھی کہ فلاں اتنی حسین ہے جیسے خدا نے فرصت سے اسے بنایا ہو۔ ساتھ کھڑا یہ شخص اسے ایسی ہی کوئی مثال لگتا تھا۔ شیر اس کی غائب دماغی محسوس کرتا مسکرایا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" شیر نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا اور قدم آگے بڑھا دیے۔ اب کہ جنت اس کے ہاتھوں کی نرمی محسوس کر سکتی تھی۔ دل پھر بھرنے لگا۔ کاش وہ رو سکتی لیکن پہلے معلوم تو ہو جائے وہ رونا کس بات پر چاہتی تھی۔

"تمہارے ہاتھ ٹھنڈے ہو رہے ہیں گلوں پہن کیوں نہیں لیے؟" شیر نے اس کے ٹھنڈے ہاتھ پر گرفت مضبوط کرتے کہا۔ جنت کچھ کہے بنا اس کے ساتھ چلتی رہی اس احساس کے ساتھ کہ وہ اس پل اس کے ذہن

اور دل پر کوئی بوجھ نہیں، اسے زندگی سے کوئی شکوہ نہیں اگر اگلے سو سال بھی اسے اس شخص کے ساتھ اس سڑک پر چلنا پڑے تو وہ خوشی خوشی چل پڑے گی۔ سارا غصہ سارے شکوے ان خوبصورت پہاڑوں میں تحلیل ہو گیا تھا۔ وہ اس کے ہاتھ کی نرمی محسوس کرتی سوچ رہی تھی۔

"تھک تو نہیں گئی؟ بس تھوڑی دور ہے وہ جگہ۔"

"نہیں۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

"تم مجھے یہاں کیوں لے کر آئے ہو؟"

"کیوں کہ مجھے لگا تمہیں یہ جگہ دیکھنی چاہیے۔ میں جب جب یہاں آتا ہوں۔ مجھے تمہارا خیال ضرور آتا ہے۔ جنت کو دیکھ کر جنت یاد آتی

ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہہ رہا تھا۔ جنت بے یقین سی اسے دیکھنے لگی۔

"اور میں بالکل بھی فلرٹ نہیں کر رہا۔" شیر نے وضاحت کرنا ضروری سمجھا۔ وہ اس کی بے یقین سی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔ لہجے میں نرمی اپنے آپ بڑھی تھی۔

"میں نے کب کہا ایسا؟" اس نے احتجاجی لہجہ اپنایا۔
"تم سے اچھی توقع نہیں رکھ سکتا نا۔ ویسے بھی تمہیں میں دنیا کا سب سے خبیث انسان لگتا ہوں۔" وہ اب بھی نرم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ شائستگی سے خوبصورتی سے۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ تم مجھے خبیث نہیں لگتے۔ تم ہو۔" وہ خفگی سے بولی۔

"کاش میں تمہیں یہاں سے دھکا دے سکتا۔" شیر نے اسے گھورا۔ جنت
نے مسکراہٹ ضبط کی۔
"ٹل وچ۔" وہ بڑبڑایا۔



شارجہ میں واقع اس چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں پرجوشی کا سماں تھا۔
"That's pretty Cool!"
طوبی اسکرین کے سامنے قدرے آگے ہو کر بیٹھی تھی۔ اریب بھی
قریب ہی اسکرین کو دیکھ رہا تھا جہاں حاشر کا بنایا چارٹ دکھائی دے رہا
تھا۔

"پر یہ پلان کا حصہ نہیں تھا۔ آپ نے ہمیں کیوں نہیں بتایا کمانڈر؟"
اریب حاشر کے بغیر بتائے یوں جانے پر خفا تھا۔

"یہ خطرے سے خالی نہیں تھا۔" حاشر نے کہا۔ وہ مطمئن اور خوشگوار موڈ میں تھا۔

"لیکن میں بریگیڈیئر کو بریف کر کے گیا تھا۔" حاشر نے ان کے تحفظات سمجھتے ہوئے وضاحت دی۔

"لیکن کمانڈر آپ ہمیں انفارم کر دیتے۔" طوبی نے کہا۔

"میرا مطلب ہے کہ رسکی ٹاسک بغیر کسی کے علم میں لائے بغیر۔ کبھی بھی کچھ بھی ہو سکتا ہے۔" طوبی نے اپنی بات سمجھانے کی کوشش کی۔

"یہ ہمارے مشن کا حصہ تھا لیکن براہ راست نہیں۔ میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا تھا کیوں کہ ہم ایسے مقام پر ہیں جہاں ہمیں ہر

قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہے۔ گو کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر سب کرنا ہے لیکن ہم سب اپنی جانوں کے ذمہ دار خود ہیں۔" وہ اطمینان سے بولا۔

وہ سب خاموشی سے اسے دیکھتے رہے جیسے اب بھی اس کی بات سے متفق نہ ہوں۔ حاشیہ نے گہری سانس لی اور صوفے سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

"میں ایک سرٹیفائیڈ نیوکلیر سائنسدان ہوں۔ وہ لوگ جو اس شعبہ سے واقفیت نہیں رکھتے یا جو اس سے تعلق نہیں رکھتے ان کو میں کبھی بھی اس کام کے قریب نہیں لاتا۔ میں جانتا ہوں تم سب بم ڈسپوزل اور پلانٹنگ یونٹ سے ٹریننگ لے کر آئے ہو لیکن اس کے باوجود مجھ میں اور تم لوگوں میں فرق ہے۔ یہ ایک غیر ملک ہے۔ یہاں میں ایسی

صورتحال پیدا نہیں ہونے دینا چاہتا جس سے ہمارے کام پر کوئی آنچ آئے۔" حاشر نے نرمی سے بات ختم کی۔

"اور کچھ باتیں میں مزید واضح کر دینا چاہتا ہوں۔"

حاشر نے ان سب پر باری باری نگاہ ڈالی۔ وہ سب اس کی جانب متوجہ تھے۔

"ہم سب یہاں ایک دوسرے کے لئے نہیں آئے۔ ملک کے لئے آئے ہیں۔ اس لئے ذاتی معاملات کو دل کے ایک کونے میں ڈال دو۔ جہاں جائیں گے طے کر کے جائیں گے۔ کہ کر کے آنا ہے یا پھر مر کے۔" حاشر نے کچھ پل کے لئے خاموشی اختیار کی پھر کہا۔

"اور ہاں تیسرا کوئی راستہ نہیں۔ جنگ میں جیت اسی کو ملتی ہے جو موت کے خوف سے آزاد ہو کر میدان جنگ میں نکلتا ہے پھر فرق نہیں پڑتا وہ

واپس جیت کر آئے یا شہید ہو کر۔۔ "وہ نرم لیکن مضبوط لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اس کی توجہ ان پر تھی گاہے بگاہے ان کے چہروں پر تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔

"اور ایک بات ہمیشہ یاد رکھو۔ شہید ہو کر چاہے سپاہی دنیا سے چلا کیوں نہ جائے۔ لیکن نہ اس کی موت ہوتی ہے نہ اس کی ہار ہوتی ہے۔" کہتے ہوئے اس کی آنکھیں اس پل چمک اٹھیں تھیں۔ جیسے وہ ہر پل اس معتبر درجہ پر آنے کے لئے تیار ہو۔ یہ حقیقت بھی تھی۔ وہ ہر پل شہادت جیسے عظیم رتبے کے لئے تیار تھا۔

"پاکستان!" اچانک ہی اریب نے دبے دبے لہجے میں جوشیلے انداز میں کہا۔

"آباد تا قیامت!"

"زندہ باد!"

"پائندہ باد"

"ان شاء اللہ۔"

ان سب نے اپنے اپنے انداز میں عزم کا اظہار کیا اور جیت کا نشان بناتے
اپنی جگہ سے اٹھ کر اپنے اپنے کمروں کی جانب بڑھ گئے۔



شارجہ کے مہنگے ترین علاقے میں واقع یہ جی ایف ایس آر کے ریزارٹ
کا منظر تھا۔ وہ ایک وسیع کمرہ تھا۔ کمرے میں گولڈن فاکس ایک بڑے
سیاہ صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھا تھا۔ اس کی سنہری آنکھوں
میں شدید سرد مہری اور بے چینی تھی۔ چہرے کا پیدائشی نقص جس سے

وہ اس وقت توقع کے برعکس بالکل بے نیاز تھا۔ عمش بھی قریب جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔ آنکھوں میں غصیلے تاثرات تھے۔

"وہ خود کہاں ہے؟" ہیزیل نے سوال کیا۔ لہجہ قدرے سخت تھا۔

"میں نہیں جانتا میم!" سامنے ہی اسکرین پر ڈینیل ادب سے بیٹھا نظر آرہا تھا بوکھلاہٹ کو چھپانے کی بھرپور کوشش جاری تھی۔

"تو تم ہمیں نہیں بتاؤ گے کہ وہاں میٹنگ میں کیا ہوا تھا؟" عمش نے تیسری دفعہ سوال کیا تھا لہجے کی تپش پہلے سے مزید بڑھ چکی تھی۔

"معذرت چاہتا ہوں مسٹر عمش لیکن ماسٹر نے مجھے ایسی کوئی ہدایت نہیں دی ہے۔" اس نے پھر وہی جواب دیا جو وہ پہلے دو مرتبہ دے چکا

تھا۔ گولڈن نے گہری سانس بھرتے اسکرین پر نگاہ ڈالی۔ دوسری طرف ڈینیل کی ریڈھ کی ہڈی میں سنسناہٹ نے جنم لیا تھا۔

"یار ایسے نہ گھوریں میرا نازک سا دل ہے بگ باس!" وہ دل ہی دل میں جھر جھری لے کر بڑبڑایا۔ براہ راست اسکرین پر دیکھنے کے بجائے اس نے نظریں جھکالیں تھیں۔

"کیا تم نہیں جانتے تم کس کے سامنے بیٹھے ہو؟" عمش کا لہجہ اب کے سخت ہوا۔

"میں معذرت چاہتا ہوں۔ بگ باس ماسٹر گولڈن میرے لئے بے حد معزز اور باعث احترام ہیں میں ان کی دل سے عزت کرتا ہوں اور ان سے بے انتہا متاثر ہوں لیکن معذرت قبول کیجیئے میں ماسٹر شیر کی ہدایت کے بغیر کسی قسم کی بریفنگ نہیں دے سکتا اور میں نہیں جانتا وہ خود کہاں ہیں۔" وہ بیچارگی سے بولا۔

گولڈن نے با آواز ہنکارا بھرا لیکن منہ سے کچھ نہ بولا۔ وہ جانتا تھا ڈینیل کچھ نہیں بتائے گا۔

"ایسے ہی تو نہیں سیکڑوں لوگوں کے درمیان سے لڑکے نے اس کو چنا تھا۔ وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں تھی عمش۔۔۔ میں پہلے ہی جانتا تھا یہ لڑکا ایک لفظ نہیں بتائے گا۔" وہ سپاٹ لہجے میں کہتا اٹھ گیا۔ ہیزیل ماتھے پر بل لیے وہیں بیٹھی تھی۔ جبکہ عمش تیزی سے گولڈن کے پیچھے لپکا تھا۔

"اگر درمیان اسکرین نہ ہوتی تو میں تمہاری گردن پر چھری رکھ کر تمہاری نبض کاٹ دیتی۔۔۔ تم فارغ ترین انسان ہو۔ ایک نکمے اور ناقابل اعتماد انسان۔۔۔ تمہیں میں نے کتنی دفعہ کہا ہے تم مجھے ہر اپ ڈیٹ دو گے۔"

"میں اکثر کوشش کرتا ہوں۔" ڈینیل اب کے خاصا مطمئن تھا۔
"تمہاری کوششیں بھی تمہاری طرح بے کار ہوتی ہیں کہاں ہے وہ مجھے
بتاؤ۔"

"تازہ ترین اطلاعات کے مطابق وہ ایک سیکرٹ ڈیٹ پر ہیں۔ کیا میں کال
ڈسکنٹ کر دوں دراصل مجھے واش روم جانا ہے۔" ڈینیل نے چہرے پر
بے بسی سجاتے کہا۔ ہیزیل ہکا بکا سی حیران نگاہوں سے اس کی جانب
دیکھتی رہی۔

"کیا تم نے سیکریٹ ڈیٹ کہا؟"

"جی میڈم! کیا میں کال ختم کر دوں؟"

"بھاڑ میں جاؤ۔" وہ غرائی۔

"شکریہ میڈم!" ڈینیل نے کہتے کال کاٹی اور سکون کی سانس لی۔

"بھاڑ میں تم جیسے لوگ جاتے ہیں زہریلی عورت!" وہ بڑبڑایا اور صوفے پر نیم دراز ہو کر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔

"اوہ یہ برے لوگ کتنی منفی قوت رکھتے ہیں آس پاس۔۔۔ میرا تو سر چکرا رہا ہے۔۔۔" وہ پھر بڑبڑایا اور آنکھیں موند لیں۔

"بے شک یہ موت کی رسی پار کرنے جتنا مشکل تھا۔۔۔ اف گھٹیا انسان عمش مجھ پر دباؤ ڈالنے کے لئے تم نے بگ باس کو اسکرین کے سامنے بٹھادیا؟ تاکہ میں ان کے خوف سے ساری معلومات دے دوں؟ چالاک مکار شخص! آنے دو میرے ماسٹر کو۔۔۔" وہ دل ہی دل میں اب کے عمش کو کوس رہا تھا۔



پہاڑی کی چوٹی پر بنا یہ لکڑی کا کاٹیج تھا جس پر سیاہ رنگ کیا گیا تھا۔ آس پاس درخت تھے جو برف سے ڈھکے تھے۔ ہلکی ہلکی برف باری جاری تھی۔ کاٹیج کے آس پاس لکڑی کی باڑ تھی۔ کاٹیج کے سامنے ہی آگ جلائی گئی تھی جس پر کچھ پک رہا تھا۔ لوہے کے برتن میں کافی بنائی جا رہی تھی۔ وہ پنچوں کے بل بیٹھا تھا۔ اس کے عقب میں ایک لکڑی کا جھولا تھا جس پر ایک نرم و گداز کمبل تھا۔ جنت اسے کاندھوں پر ڈالے بیٹھی تھی سامنے میز پر کھانے کے لوازمات تھے۔

"ٹھنڈ لگ رہی ہے تو آگ کے پاس آجاؤ۔" شیر ذرا سی گردن گھمائے

بولے۔

"میں ٹھیک ہوں یہیں!" جنت مسکرائی۔ زندگی سے بھرپور چمکتی ہوئی مسکراہٹ۔ اس کی مسکراہٹ میں دنیا جہاں کا اطمینان و سکون تھا۔ شیر بھی مسکرا دیا۔

"مسکراتے ہوئے اچھی لگتی ہو۔ مجھے خوش فہمی تھی کہ میری مسکراہٹ دنیا کی سب سے حسین مسکراہٹ ہے۔" شیر بے نیازی سے کہتا جنت کو ہنسنے پر مجبور کر گیا۔

"تمہیں کوئی خوش فہمی نہیں یہ سچ ہے۔" جنت بولی۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ میرے بابا کہا کرتے تھے وہ جھوٹ تو نہیں کہتے ہوں گے۔" شیر بے آنکھ دبائی اور کافی اٹھائے اس کے قریب آیا۔ میز پر رکھے کپ میں کافی ڈالتا وہ جنت کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ جنت کی نگاہیں بھی اسی پر مرکوز تھیں۔

اور کیا کہتے تھے تمہارے بابا؟ "جنت نے سوال کیا۔ اس کے سوال کا مقصد اسے سننا تھا۔

"میں ایک خبیث مگر انتہا کا خوبصورت لڑکا ہوں اور میری معصوم مسکراہٹ دنیا کی دلکش ترین مسکراہٹ ہے۔" بات بات کرتے کرتے اس کے لبوں پر تبسم سا آٹھرا تھا۔ اس کے لبوں پر کھلنے والے تبسم کو جنت نے بہت غور سے دیکھا تھا۔

"کیا وہ بہت پیار کرتے تھے تم سے؟"

"نہیں" زبان کے ساتھ ساتھ اس کا سر بھی دھیرے سے نفی میں ہلا تھا۔ "میرے بھائی سے زیادہ کرتے تھے۔" بولتے بولتے وہ ایک بار پھر ہنس دیا۔

"تمہارا کوئی بھائی بھی ہے؟" جنت حیرت زدہ رہ گئی۔

"میری ناقص معلومات کے مطابق ہوگا۔ تبھی تو میرے بابا کی زبان اس کی تعریفیں کرتی نہیں تھکتی تھی۔"

"کیسا تھا وہ؟ کہاں ہے اب؟" جنت متجسس سی اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"اچھا تھا۔" شیر نے گہری سانس لے کر کافی کا گھونٹ بھرا۔ اس کا مختصر سا "اچھا تھا" نے جنت کو کچھ پل کے لئے سن کر دیا تھا۔ وہ یک ٹک اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ شیر کا لہجہ اس کی آنکھیں اس وقت جنت کو ناقابل یقین لگی تھیں۔ وہ اپنی ذات کی ایک ذرا سی جھلک جیسے اسے دکھا گیا ہو۔

"پیار کرتے ہو اس سے۔" شیر کو لگا وہ اس سے پوچھ نہیں رہی بلکہ اسے بتا رہی ہے۔۔۔ اسے اطلاع دے رہی ہو۔۔۔

"ہاں ! " اس نے بھی اعتراف کیا تھا۔ جنت مزید حیران ہوئی تھی۔ مگر اس کی اگلی بات نے اسے چپ کا چپ کروا دیا۔ "جیسا تم عمش سے کرتی ہو۔" شیر نے اس کی جانب دیکھا تھا۔ جس پر جنت نے اپنی نظروں کا زاویہ بدل لیا۔ وہ اسے کتنا لاپروا اور بے نیاز سمجھتی تھی۔ لیکن وہ نہیں تھا۔ "تمہاری زندگی کیا ہے جنت؟" شیر نے اچانک سوال کر کے جنت کو چونکنے پر مجبور کیا تھا۔ وہ نا سمجھی سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔ جیسے اس سوال کا مقصد سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"میری زندگی؟" وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔

"ہاں!"

"تم یہ سوال کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"میں ہمیشہ سے یہ سوال پوچھنا چاہتا تھا۔" شیر نے سینڈوچ توڑتے ہوئے کہا۔

"میں بھی تم سے ایک سوال پوچھنا چاہتی ہوں اور تمہارے سوال کا جواب اسی سوال کے جواب کی شرط پر ملے گا" جنت نے ایک ابرو اچکائی جیسے پوچھ رہی ہو منظور ہے۔۔۔

"ڈینیل نے ٹھیک کہا تھا۔ تم موقع پرست ہو۔۔۔ اپنے باپ پر گئی ہو۔" شیر نے کہہ کر اپنے لبوں کا کونا دانتوں میں دبا کر اپنی ہنسی روکی تو جنت اسے گھورنے لگی۔ جس پر وہ کھل کر مسکرایا اور اسے بولنے کا اشارہ کیا۔

"میری زندگی الجھنوں کا بسیرا ہے جسے سلجھانے کی کوشش کم از کم ابھی تک تو میں نے نہیں کی ایسا میں تب کروں گی جب مجھے اس بات پر

یقین ہو جائے گا کہ مجھے زندگی کو کیسے جینا ہے۔۔ "ایک گہری سانس لے کر اس نے کافی کا بڑا سا گھونٹ بھرا۔

"تو پھر آج یہ فیصلہ کر لو کہ تمہیں اس زندگی کو کیسے جینا ہے؟" شیر اطمینان سے بولا۔

"تو کیا تم اسے سلجھانے میں میری مدد کرو گے؟" جنت یک دم اشتیاق سے بولی۔

"مشورہ دوں گا۔" شیر ایک بار پھر مسکرایا۔ آج وہ بات نے بات مسکرا رہا تھا۔ کچھ پل اسے دیکھتے رہنے کے بعد جنت بھی مسکرا دی۔

"اگر مشورے کی جگہ مدد درکار ہوئی پھر؟"

ہاتھ میں پکڑے کپ کے کنارے کو اپنی انگلی کے پور سے چھوتے ہوئے اس بے پوچھا تھا۔

"کاش میں کہہ سکتا کہ جان بھی حاضر ہے۔۔۔ پر معذرت کے ساتھ تمہیں اپنی مدد خود کرنی ہوگی مجھے بیساکھی بننا پسند نہیں ہے۔" شیر نے ہری جھنڈی دکھادی۔ اس سے یہی امید کی جاسکتی تھی۔

"بد لحاظ ہو تم!" جنت کا منہ بن گیا۔

شیر نے کاندھے اچکا دیے جیسے کہ اس کے دیے لقب پر متفق ہو۔

"میں چاہتا ہوں دنیا کی مضبوط اور قابل احترام عورتوں میں تمہارا شمار ہو۔" اس کے کہنے پر جنت یک دم رک کر اسے دیکھنے لگی۔ کیا تھا وہ شخص ایک بار پھر یہ سوچ، یہ سوال اس کے ذہن کے پردے پر ابھرا تھا۔

"اور تمہیں کبھی اپنے کسی بھی مقصد کے لئے کسی کے دباؤ میں آنے کی یا کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہ پڑے۔" وہ ہنوز سینڈویچ

کھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ سکون سے۔ اطمینان سے۔۔۔ بے نیازی
۔۔۔

"تمہاری آنکھوں میں چمک اور عزم ہو ان میں کسی کا خوف نہ ہو تمہیں
کسی کی ضرورت نہ ہو کم از کم انسان کو مسکرا نے اور کھل کر جینے کے
لئے کسی دوسرے انسان کا محتاج نہیں ہونا چاہیے۔" شیر نے اب
سینڈویچ سے ہاتھ روک لیے تھے۔ جنت خاموش تھی۔ کئی پل یوں ہی
خاموش رہی۔

"میرے سوال کا جواب دو گے اب تم "جنت کچھ دیر بعد بولی۔ وہ ایک
بار سوال نہیں کر رہی تھی بلکہ بتا رہی تھی۔ اس کے انداز پر ایک جاندار
مسکراہٹ نے شیر کے لبوں کا احاطہ کیا تھا۔ جسے چھپانے کے لئے اس

نے سینڈویچ کا ایک بڑا سا نوالہ لیا تھا۔ جنت نے صبر سے اس کے بولنے کا انتظار کیا۔ نوالہ نگلتے ہی وہ بول پڑا۔

"پوچھو بھی!"

"تمہاری زندگی میں جنت کیا ہے؟"

"جنت ایک لڑکی ہے جو میری زندگی میں موجود چند زیادہ پسندیدہ لوگوں میں سے ایک ہے۔ اس کے ساتھ وقت اچھا گزرتا ہے اور میں اکثر اس لڑکی کے بارے میں سوچتا ہوں۔" وہ کتنے عام سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ وہ اتنا بے نیاز کیوں بن جاتا تھا۔

جنت خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"اور ہاں بہت خوبصورت بھی ہے۔" اسکی خاموشی محسوس کر کے شیر نے ایک جملے کا اضافہ اور کیا۔

"بہتر! شکریہ!" جنت رکھائی سے بولی۔ تو شیر نے الجھ کر اس کی جانب دیکھا۔

"کیا تمہیں میرا جواب پسند نہیں آیا؟" شیر نے اس کی جانب غور سے دیکھتے سوال کیا۔ جنت خفگی سے اس کی جانب دیکھتی رہی۔

"تمہاری زندگی کے چند خاص لوگ کون ہیں؟" اس کی بات کو نظر داز کر کے جنت نے سوال کیا۔ تاثرات ہنوز تنے ہوئے تھے۔

"It's tooo personal!"

شیر نے مسکراہٹ روکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کی مسکراہٹ جلتی پر تیل کا کام کرنے والی ہے۔

"Go to hell!"

جنت اونچا بڑبڑائی۔ شیر ہنس دیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آیا۔ اس کا ہاتھ تھام کر اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔
"کہاں؟" جنت نے سوال کیا۔

"جہنم میں!" وہ شرارت سے بولا۔ جنت نے اس کی پسلی میں کہنی رسید کی۔ شیر ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ تھامے آگے بڑھنے لگا۔ جنت اس پاس دیکھ رہی تھی۔ حسن بے پناہ تھا۔ سفید لملی پہاڑیاں کسی خواب سا منظر پیش کر رہی تھیں۔ ہلکی ہلکی برف باری ہونے لگی تھی۔ وہ کاٹیج کے عقبی حصے میں چلے آئے جس کے پار گہری کھائیاں تھیں۔ بڑے بڑے پتھر تھے۔ نیچے ایک جمی ہوئی آبشار تھی۔ جو اس وقت کسی خوبصورت کانچ کی مانند دکھائی دے رہی تھی۔ جنت کے ہونٹ محویت سے پھیلے۔ وہ آنکھیں

پھیلائے بے یقین سی آس پاس دیکھتی آگے بڑھنے لگی۔ شیر نے اسے آگے جاتے دیکھا تو دوبارہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے پیچھے کھینچ لیا۔

"اتنا آگے نہیں جانا۔ تمہیں بچانے کے چکر میں اتنی جلدی مرنے کا کوئی شوق نہیں مجھے۔ پیچھے رہو۔" شیر نے اسے کاندھوں سے تھامتے کہا۔

"یہ خواب ہے۔" جنت برف کی ننھی بوندوں کو ہتھیلیوں میں بھرتے بڑبڑائی۔ شیر کا طنز تو جیسے اس نے سنا ہی نہ ہو۔ شیر مسکرا دیا۔ خوبصورتی سے۔۔ اس کی آنکھیں اس پل چمک اٹھی تھیں۔

"میں تم سے نہیں کہوں گا کہ یہ حقیقت ہے۔" وہ آہستگی سے بولا۔ جنت نے گردن گھما کر اس کی جانب دیکھا اور اس کا ہاتھ اپنے

کاندھے سے ہٹا کر ایک گہری سانس اندر کھینچ کر دونوں ہاتھ فضا میں پھیلا دیے۔

"Its dreamy" ..

وہ خوشی سے کہتی دونوں ہاتھ پھیلانے گول گول گھومنے لگی۔ شیر مسکراتے ہوئے پیچھے ہٹا گیا۔

"Be carefull dream Girl"!

مسکراتے ہوئے کہا اور اپنا فون نکال لیا۔ وہ اس کی ویڈیو بنا رہا تھا۔ دل نے اچانک ہی ان لمحوں کو اس جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے قید کرنے کی خواہش کی تھی۔

"میری تصویریں بنا رہے ہو۔۔" جنت یوں ہی گول گھومتے ہوئے پوچھنے لگی۔ اس کی بلند آواز اس پاس گونجی تھی۔

"ہاں! اپنی رفتار ہلکی رکھو سر چکرا جائے گا۔" شیر نے ساتھ ہی ہدایت دے ڈالی۔

"چپ کرو۔۔۔" وہ یوں ہی گھومتی رہی۔

"لٹل وچ!" شیر نے تنبیہی انداز اپنایا۔

"چپ کرو۔۔۔" وہ لاپرواہی سے بولی۔ شیر نے ویڈیو روک دی اور آگے بڑھ کر اسے کہنی سے تھام کر روکا۔

"بس کرو۔۔۔" شیر نے اسے احتیاط سے پیچھے کھینچا۔ وہ شیر کی کہنی تھامے منہ بسورتی اس کے ساتھ چل دی۔

"سر نہیں چکرا رہا میرا۔"

"مزید خود کو ڈزنی پرنسس سمجھتے ہوئے یوں ہی چکراتی رہتی تو ضرور چکرا جاتا اور سیدھا نیچے جا کر گرتیں۔"

"جیسے کہ تم مجھے بچاتے ہی نہیں۔۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔
 "جیسے کہ میں تمہیں گرنے دیتا۔" وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا
 ورنہ ضرور جان جاتا کہ جنت کی مسکراہٹ اس کے جملے پر مزید گہری
 ہوئی تھی۔



شام گہری ہوتی جا رہی تھی۔ موسم کی خنکی میں بتدریج اضافہ ہو رہا
 تھا۔ واشنگٹن کی سڑکوں پر پہنچتے ہی جنت کے فون پر پیغامات کے ڈھیر
 آنے لگے۔ وہ جس جگہ تھے وہاں موبائل نیٹ ورک نہیں تھے۔ لیکن
 چہل پہل سے بھرپور علاقے میں آتے ہی معمول زندگی کے عام
 بکھیرے پھر شروع ہو گئے تھے۔ شیر خاموشی سے گاڑی چلا رہا تھا اس کے
 فون کی مسلسل بجتی پیغامی گھنٹی کو سنتے اس نے ذرا سی گردن گھمائی۔

"حسام ہے؟" شیر نے سوال کیا۔

جنت نے اس کی جانب دیکھے بغیر اثبات میں گردن ہلا دی۔

"فکر مند ہے۔" جنت نے جتنا چاہا۔

"اچھا!" شیر بے نیاز دکھائی دے رہا تھا۔ ساری توجہ سڑک پر تھی۔ چہرہ
ماسک میں چھپا تھا۔

"کمپنی میں دخل اندازی پر تم نے کوئی بات نہیں کی ابھی
تک۔۔۔" جنت کو اچانک یاد آیا تھا۔۔۔ آنکھوں میں چمک اور لبوں پر
بڑی دل فریب مسکراہٹ نے رقص کیا۔ اب وہ اسے اکسار ہی تھی۔۔۔
"کیا مجھے کرنی چاہیے؟" شیر ہنوز لاپرواہ لگ رہا تھا۔ جنت نے ٹھنڈی
سانس بھری جیسے اس کی ڈھٹائی پر افسوس کیا ہو۔

"مس جنت البانی میری کمپنی کو اپنے خرافاتی دماغ کے منصوبوں سے لوٹنا بند کرو۔ تم نے وکالت نہیں پڑھی اس کے باوجود معاندہ

توڑ مروڑ کر اس سے سارے فائدہ حاصل کر رہی ہو۔" شیر نے کچھ پل کے وقفے سے کہہ کر اسے ایک گھوری سے بھی نوازا۔

"تم نے کب دیکھا معاندہ؟" جنت نے ابرو اچکا کر اس کی جانب دیکھا۔ اسے اس کے باخبر ہونے کی توقع نہیں تھی۔

"جس دن تمہیں تمہارے بزنس پارٹنر کے ساتھ اپنی کمپنی سے نکلنے ہوئے دیکھا تھا۔" شیر نے کہا اور ایک جتنا ہی نگاہ اس پر ڈالی جیسے کہنا چاہ رہا ہو کہ وہ بے خبر ہر گز نہیں ہوتا۔

"تمہاری کمپنی کے عہدے دار میرے حسن کے آگے بالکل ہی نکلے اور اندھے ہو گئے تھے۔ اس میں میرا کیا قصور۔" جنت نے ناک چڑھائی۔ وہ

ہرگز اس کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ فقط اسے چھیڑنا مقصود تھا لیکن وہ نہیں جانتی تھی وہ واقعتاً اس گفتگو کو زیر بحث لے آئے گا۔

"میرے معصوم ملازموں کی برائیاں مت کرو نیا معاہدہ ابھی تیار نہیں ہوا ایک نظر کی مار ہے تمہاری ساری چالاکیاں۔" شیر نے اسے گھورا۔ جنت قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔ شیر کچھ کہے بغیر ڈرائیونگ کرتا رہا۔ وہ سمجھ گیا تھا جنت اس موضوع پر مزید کچھ کہنا یا سننا نہیں چاہتی۔ اس نے بھی

"کیا کرو گے اب؟"

"اپنی دنیا میں واپس لوٹ جاؤں گا۔"

"پھر کب ملیں گے؟" جنت اس سوال کو لبوں تک روک نہ سکی۔

"جب اپنی دنیا سے اکتا جاؤں گا۔" شیر نے مصروف سے انداز میں کہتے ہوئے کاٹا۔ جنت خاموش رہی۔

"تم کیا کرو گی؟"

"میرے پاس دنیا کے چند مشہور ترین تاجروں کی گرل فرینڈ بننے کی آفرز ہیں۔ چند گلوبل برانڈز کے لئے ماڈلنگ کی آفر ہے۔ ساؤتھ کوریا، جاپان، تھائی لینڈ، کی مشہور آرٹ گیلریز میں ایگزیشنز کے پروپوزل ہیں۔"

"میں سمجھ گیا۔ بیسٹ آف لک!" شیر نے کہا۔ اس کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ جنت اس کی جانب سے مزید کسی بات کی توقع کر رہی تھی لیکن وہ خاموش ہی رہا۔

"پہلی والی آفر کے لئے کچھ نہیں کہو گے؟" جنت نے خود ہی سوال کیا۔ اور منتظر نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"کیا مجھے کہنے کی ضرورت ہے؟" شیر نے سرسری نگاہ اس پر ڈال کر پوچھا۔ جنت ہنوز الجھن آمیز انداز میں اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"کیا تمہیں مجھ پر بھروسہ ہے؟" جنت نے بے اختیار سوال کیا۔ شاید یہی وجہ ہو اس کے اطمینان کی۔

"نہیں!" شیر نے اگلے ہی پل بغیر کسی جھجک کے صاف گوئی سے کہا۔ جنت کے چہرے کا رنگ اڑا وہ بے یقینی سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔ اس کی پیشانی پر سلوٹیں نمودار ہوئیں۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا؟" اس کا لہجہ بھی بدلا تھا۔ وہ سنجیدہ ہوئی تھی۔ بے حد سنجیدہ۔

"یقین تو مجھے خود پر بھی نہیں ہے جنت! ہم انسان ہیں کبھی بھی ہماری ترجیحات اور سوچیں بدل سکتی ہیں۔" شیر نے کہا۔ وہ ہنوز مطمئن تھا۔

"میں تم پر بھروسہ کرتی ہوں شیر! میں چاہتی ہوں تم بھی مجھ پر بھروسہ کرو۔" جنت سرد مہری سے بولی۔

"میں تمہاری چاہت پر نہیں چل سکتا ڈارلنگ!" اس کا انداز نرم تھا۔ اس نے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔ اس کے تاثرات دیکھتے گہری سانس بھر کر ہاتھ بڑھا کر اس کا گال تھپتھپایا۔ جنت خفگی اور غصے سے اس کو دیکھتی رہی۔

"یہ بہت چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں میں یہ سب نہیں سوچتا جنت!" شیر نے پھر نرمی سے کہا اور ایک پل کو پھر اس کی جانب دیکھا اور بات جاری رکھی۔

"میں تمہیں کسی بھی چیز سے نہیں روکوں گا۔ تم کچھ بھی کرو میں تمہیں جج نہیں کروں گا۔ تم کیا کرتی ہو یہ تمہارا سو فیصد ذاتی معاملہ ہے۔" اس نے موڑ کاٹتے ہوئے لمحاتی خاموشی اختیار کی۔

"میں رشتوں کی قید اور اس کے مطالبوں کو نہیں مانتا۔" میں تم پر بھروسہ کرتا ہوں۔" کہہ کر میں تمہیں اپنی خواہش میں قید نہیں کروں گا تمہیں خود پر بھروسہ ہونا چاہیے اتنا کافی ہے۔" شیر نے نرمی سے کہہ کر اس کا سر سہلایا۔ جنت چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ بے یقینی، بے بسی، غصہ، خفگی، الجھن کیا نہیں تھا اس کی آنکھوں میں۔ شیر نے کچھ پل اس کی آنکھوں میں دیکھا اور نگاہیں پھیر لیں۔ وہ اس کی آنکھوں میں یوں ہی دیکھتا رہتا تو یقیناً لوٹ نہ پاتا۔ اس کی آنکھیں اسے ہرانے کو ہر پل تیار رہتی تھیں۔ جنت کی آنکھیں اسے ہمیشہ امتحان میں ڈالتی تھیں

وہ مضبوط سے مضبوط چٹان سے زیادہ سخت دل اور سخت جان ہو کر بھی اندر سے چٹنے لگتا تھا۔ پگھلنے لگتا تھا۔ اس کی آنکھوں کو مسلسل دیکھنے کی چاہت ایک طرف اپنی جیت کے لئے وہ جس قدر ان آنکھوں سے فاصلہ رکھتا اتنا بہتر تھا۔ دوسری طرف جنت اب آنکھیں پھیر چکی تھی۔ رخ بدل چکی تھی۔ نگاہیں گاڑی کے شیشے کے پار ٹکیں تھیں۔ جنت سوچ رہی تھی کہ کبھی اس شخص کو تسخیر نہیں کر سکتی تھی۔ وہ ایک گہرے سمندر کی مانند تھا۔ اسے تسخیر کرنا ناممکن تھا جنت اس کی سوچ اور خیالات کو اپنے تابع کرنا چاہتی تھی تو غلط کر رہی تھی۔ اس پل جنت کو اس بات کا شدت سے احساس ہوا تھا۔ دل یک دم بو جھل ہونے لگا۔ کیا کبھی وہ اس شخص کو مکمل حاصل کر پائے گی؟



شارجہ میں صبح کے چار بجے کا وقت تھا۔ موسم میں بلا کی خنکی تھی۔ ریگستانی علاقہ قریب ہونے کے باعث ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ یہ ایک مسافر خانے کا منظر تھا جس کے باہر بوسیدہ سی میز کے گرد حاشر اور طوبی بیٹھے دکھائی دے رہے تھے۔ طوبی ذرا سی فکر مند دکھائی دے رہی تھی۔ قہوے کے پیالے کے گرد بے دھیانی میں انگلی پھیرتے وہ میز کی سطح کو گھور رہی تھی۔ حاشر اپنے فون میں مصروف تھا۔ دفعتاً اس نے نگاہیں اٹھا کر طوبی کی جانب دیکھا۔

"فکر مت کریں۔" حاشر نے نرمی سے کہا۔

طوبی نے چونک کر نظریں اٹھائیں اور اثبات میں گردن ہلائی اور مسکراتے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی۔

"مجھے گھر والے یاد آرہے ہیں۔" وہ آہستگی سے بولی۔ اس کا لہجہ بجھا ہوا تھا۔ حاشر نے ایک نظر اسے ڈالا اور اپنا فون لاک کر کے ایک جانب رکھ دیا اور پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"کیسے تعلقات ہیں آپ کے گھر والوں کے ساتھ؟" حاشر دوستانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"میں اپنی فیملی میں واحد لڑکی ہوں جو باپ اور بھائیوں سے متاثر ہو کر آرمی میں آئی ہوں اس لئے میں اپنے خاندان میں سارے چچاؤں ماماؤں تایاؤں کی لاڈلی ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ حاشر توجہ سے اس کی جانب دیکھتا رہا۔

"میری ماما چاہتی تھیں میں بزنس ایڈمنسٹریشن جوائن کروں۔۔" وہ آہستگی سے ہنس دی۔ اس کی ہنسی میں کچھ تھا جس نے حاشر کو متوجہ کیا۔ وہ کئی پل خاموش رہی۔

"خیر میں بھی یہی چاہتی تھی۔۔"

"پھر آپ یہاں تک کیسے آگئیں؟" حاشر نے سوال کیا۔

"ڈارک آئی۔۔" اس کو ہونٹوں پر دھیمی مسکراہٹ اتری اور اس نے حاشر کی جانب دیکھا۔ حاشر کے ابرو اکھٹے ہوئے اور آنکھوں میں سوال اتر۔ جیسے پوچھنا چاہتا ہو۔

"میں نے آپ کو 23 مارچ 2017 کو پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ میں اپنے ڈیڈ کے ساتھ یوم پاکستان کی تقریب میں شریک ہوئی تھی۔" وہ کہہ کر

رکی۔ ہلکی سی مسکراہٹ ہنوز اس کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔ حاشر چونکا۔

"ڈیڈ نے آپ کی بہت تعریف کی تھی۔ سب ہی آپ سے متاثر تھے۔ میں نے اس دن بہت کوشش کی کہ آپ کا چہرہ دیکھ سکوں لیکن آپ نے ماسک پہن رکھا تھا۔" اس کی مسکراہٹ اب کے گہری ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں بچوں کا سناشتیاق اڈ آیا تھا۔ حاشر کی آنکھیں لمحے بھر کو مسکرائی پھر اس نے ذرا سی دیر کو نگاہیں پھیر کر آس پاس کا جائزہ لیا اور دوبارہ اس کی جانب دیکھنے لگا۔

"مجھے نہیں پتا اس وقت مجھے یہ بتانا چاہیے یا نہیں لیکن یہ سچ ہے۔" طوبی نے سر جھٹکا۔

"میں نے آپ کی ملٹری ٹریننگ، ایس ایس جی ٹریننگ پھر آفیشل سیکرٹ سروس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا شروع کر دیا تھا اور یوں ہی میرا تجسس میرے شوق اور پھر جنون میں تبدیل ہو گیا۔ میں بھی آپ کی طرح بننا چاہتی تھی۔" وہ اب کے حاشر کی جانب دیکھنے لگی۔ حاشر بھی براہ راست اسے دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں نرمی اور چہرے پر ہلکی مسکراہٹ تھی۔

"آپ کو ہنسی نہیں آئی۔" طوبی کہہ کر خود ہی ہنس دی۔ اسے لگا حاشر جیسا بننے کی خواہش اسے ہنسنے پر مجبور کر دے گی۔ بھلا اس جیسا بن سکتا تھا کوئی؟

"مجھے اچھا لگا۔" حاشر نے کہا اور قہوے کا گھونٹ بھرا۔ واقعاً اسے خوشی ہوئی تھی کہ وہ کسی کے لئے کی خاطر اپنی جوانی وقف کرنے

کی وجہ بنا تھا۔

"لیکن میں آپ جیسی نہیں بن سکتی۔ کوئی بھی نہیں بن سکتا آپ جیسا۔" طوبی کی آنکھوں میں اترتی چمک حاشر کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ وہ آہستگی سے نظریں پھیر گیا۔ وہ کچھ نہ بولا۔



شارجہ کے اس متوسط طبقے کے لیے مخصوص علاقے کی چھوٹی مگر صاف ستھری گلی کے وسط میں قائم چائے خانے کے ماحول پر ہنوز خاموشی چھائی تھی۔ آسمان صاف تھا۔ ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ ہوا سے طوبی کے بال بار بار بکھر سے جاتے جنھیں وہ ہاتھ سے سنوار کر سمیٹ لیتی تھی۔

"کبھی بھی آسان نہیں ہوتا ایسے راستوں کو چننا جن پر چلنے کا کبھی ارادہ نہ کیا ہو۔ لیکن یوں ارادے کا بدل جانا اور پھر اس پر قائم رہ کر اتنا آگے تک چلنا بہت بڑی بات ہوتی ہے مس طوبی!" حاشر نرمی سے کہتا اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"آپ کبھی بھی اپنی اس کامیابی اور عزم کی وجہ مجھے نہ سمجھیں۔" وہ آہستگی سے مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ جو اس کے تاثرات کو یک دم تبدیل کر دیا کرتی تھی۔ طوبی نے گہری سانس بھرتے اثبات میں گردن ہلا دی۔

حاشر نے جیکٹ کی جیب سے چند نوٹ نکال کر کپ کے نیچے رکھے اور اٹھ گیا۔ طوبی بھی اٹھنے لگی۔ وہ دونوں ساتھ چلتے آگے بڑھ رہے تھے۔ طوبی قد میں اس سے کئی زیادہ چھوٹی تھی۔ وہ دراز قد اور قدرے

بھری ہوئی جسامت کا مرد تھا۔ طوبیٰ کی جسامت پہلے کی نسبت کافی کم ہو گئی تھی۔ بال بھی اب کمر تک آپہنچے تھے۔ لیکن جامنی رنگ ہنوز موجود تھا۔ گوری رنگت ماند پڑھ کر اب کچھ دب سی گئی تھی۔ شاید یہاں کی ہوا کا اثر تھا لیکن باوجود اس کے وہ پیاری لگتی تھی۔

"آپ کی ذاتی زندگی آپ کے لئے کتنی اہم ہے؟ کیا ترجیحات ہیں اس میں آپ کی؟" طوبیٰ نے آہستگی سے ہچکچاتے ہوئے سوال کیا اور گردن اٹھا کر اس کے تاثرات دیکھے۔ حاشر نے اس پر نگاہ ڈالی۔ وہ مزید گڑبڑا گئی۔

"کیا میں یہ سوال پوچھ سکتی ہوں؟" اس نے ایک اور جملے کا اضافہ کیا۔ وہ بے اختیار ہنسا تھا اور اگلے پل ہی ہنسی پر قابو پا کر اس نے سر جھٹک دیا۔ اس کے ہنسنے پر طوبیٰ کے دل کو کچھ ہوا۔ اس کی ہنسی دلکش تھی۔ وہ یوں پہلی بار اس کی کسی بات پر ہنسا تھا۔ ایک پل کے لئے ہی صحیح۔

"میری ذاتی زندگی میں قابل ذکر کچھ بھی نہیں ہے مس طوبیٰ!" وہ سرسری انداز میں بولا۔

"نا قابل ذکر بھی میں جاننا چاہوں گی۔"

طوبیٰ فوراً بولی۔ حاشر نے پھر اس پر نگاہ ڈالی۔ اس لڑکی کو اس کی ذات میں حد سے زیادہ دلچسپی تھی۔ وہ یہ سوچے بنانہ رہ سکا۔

"میں اکیلا رہتا ہوں۔ میری والدہ دوسرے شہر میں رہتی ہیں۔ میرے والد دوسرے ملک میں رہتے ہیں اس لئے دونوں سے بہت کم ملاقات ہوتی ہے۔" وہ بہت ہی عام سے لہجے میں عام سے تاثرات کے ساتھ بولا تھا۔ طوبیٰ نے خاموشی سے سر ہلادیا۔

"اور آپ کا بھائی؟ اسے کیا ہوا تھا؟"

"He got kidnapped and killed" ..

اب کی بار اس کا لہجہ بدلا تھا۔ سست پڑا تھا۔ اس کی آواز مرجھائی تھی۔ طوبیٰ کو محسوس ہوا ماں باپ سے زیادہ عزیز اسے اپنا بھائی رہا ہو گا۔
"کیا آپ بہت زیادہ محبت کرتے تھے اس سے؟" طوبیٰ نے آہستگی سے پوچھا۔

حاشر نے فقط ایک خاموش نگاہ اس پر ڈالی۔ لب آپس میں سختی سے پیوستہ تھے۔ جیسے وہ اس بات سے خوف زدہ ہو کہ الفاظ بے دردی سے پھسل کر فضاؤں کو گواہ بنالیں گے۔

"وہ میری زندگی کے اس حصے کا سب سے اہم اور قیمتی حصہ تھا۔ اس وقت اس کے علاوہ مجھے اور کوئی احساس خوش نہیں کرتا تھا۔" آخر کار کئی منٹ کی خاموشی کے بعد اس نے یہ جملہ ادا کیا تھا۔ آہستگی سے اور انتہائی

افسوس سے۔۔ طوبیٰ گلابی پڑتی آنکھوں سے زمین کو گھورتی رہی۔ اس کے پاس کوئی ایک لفظ نہیں تھا جو وہ اس وقت ادا کر پاتی۔

"میں نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں کبھی کوئی غلطی نہیں کی جتنی غلطیاں کیں ذاتی زندگی میں کیں۔ لیکن ایک غلطی ایسی ہے کہ جس کا مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا۔" اس نے سر اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھ کر گہری سانس خارج کی۔ طوبیٰ سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھتی رہی۔ لیکن وہ کچھ نہ بولا۔ ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں اڑس کر قدموں کی رفتار بڑھادی۔ طوبیٰ نے بھی وہی کیا۔ قدموں کی رفتار بڑھادی۔ اس کے اندر سوالوں کا ایک طوفان برپا تھا۔ وہ جاننا چاہتی تھی۔ لیکن جو کچھ جان گئی تھی۔ اس نے اسے مزید الجھا دیا تھا۔ آسمان کا رنگ بدلنے لگا تھا۔ پرندوں کی چہچہاہٹ نے ماحول میں ایک دلنشین سا ساز پیدا کر رکھا تھا۔ جو روح تک کو

سرشاری عطا کر رہا تھا۔ ایک سکون سا تھا جو اندر تک محسوس ہو رہا تھا۔ طوبی گہری سانس بھرتی خود سے ایک قدم آگے چلتے حاشر کی پشت کو دیکھ رہی تھی۔ نرمی سے۔ چاہت سے۔ ایک دھیمی سی مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا احاطہ کر رکھا تھا۔

"یہ میری زندگی کے اس حصے کا سب سے خوبصورت حصہ ہے۔ اس وقت مجھے اس کے علاوہ اور کوئی احساس اتنی خوشی نہیں دیتا۔" وہ دھیمی لہجے میں خود سے بولی۔ مسکراہٹ گہری ہوئی نگاہیں ہنوز حاشر پر تھیں۔ جانے کیا بات تھی کہ حاشر نے اچانک ہی گردن گھمائی اور ایک پل کو بے اختیار گڑبڑا گیا۔ طوبی کی نرم اور چاہت سے لبریز نگاہیں اور اس الوہی چمک سے بھرپور مسکراہٹ نے اسے واقعاً گڑبڑا دیا تھا۔ وہ اگلے ہی پل دوبارہ آگے دیکھنے لگا۔ طوبی بھی اس کے یوں اچانک پلٹنے پر بوکھلاہٹ

کا شکار ہوتی لب بھیج گئی تھی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ حاشر نے ہتھیلی کی پشت سے پیشانی پر چمکتا پسینہ صاف کیا اور چہرے پر پھیلی بوکھلاہٹ کو ذائل کرنے کی کوشش میں گہری سانسیں لی تھیں۔

"silly girl"!

وہ دل ہی دل میں بڑبڑایا اور کیا کرتا؟ کیا کہتا اس کو؟ وہ تو کچھ نہیں کہہ رہی تھی بس دیکھ رہی تھی۔ لیکن اس کی نظروں اور مسکراہٹ نے اسے بوکھلانے پر مجبور کر دیا تھا؟ اس نے خود دے سوال کیا۔ یہ کیسا رد عمل تھا میری طرف سے؟ حاشر نے کنپٹی کھجاتے سر جھٹک دیا۔

"Whatever" ...

سامنے مرکزی شاہراہ شروع ہو رہی تھی۔ ایک عمارت کے قریب ہی حاشر نے گاڑی پارک کی تھی۔ اس نے دوبارہ پلٹ کر طوبیٰ کی جانب نہیں دیکھا تھا۔ اس نے اسے ساتھ چلنے کا نہیں کہا تھا لیکن منع کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی وہ اس کے ساتھ چلی آئی تھی مغوی بچے اور لڑکیوں کو وہ مال بردار جہاز تک باحفاظت پہنچا چکے تھے۔ جہاز روانہ ہونے تک وہ وہیں رہے تھے۔ پھر واپسی پر اس مسافر خانے پر رکے تھے۔ حاشر نے گزرے وقت کو ذہن میں دہراتے گاڑی اسٹارٹ کی۔ طوبیٰ اسی وقت گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی۔

"ہم کہاں جارہے ہیں؟ اپارٹمنٹ یا پھر آپ کی بنائی اس۔" طوبیٰ نے توقف کیا۔ کیا نام دے اس جگہ کو؟ گھر؟ یا۔"

"hashsite"

حاشر نے گاڑی آگے بڑھاتے کہا۔

"حاشائٹ؟"

"ہاں! جب میں نے اسے بنایا تھا تب ہی اسے یہی نام دے دیا تھا۔" حاشر نے کہا۔

"دلچسپ!" طوبی مسکرائی۔ حاشر نے سرسری نگاہ اس پر ڈالی۔ وہ اب بھی تو مسکرا رہی تھی۔ پہلی والی مسکراہٹ میں کچھ تھا۔ جو اب نہیں تھا۔ وہ یوں ہی تو نہیں بوکھلایا تھا۔ وہ پھر سوچنے لگا۔



ڈینیل اس کا بریف کیس لیے ہیلی کاپٹر کے نزدیک کھڑا تھا۔ چہرے پر مسکراہٹ اور انداز میں خوشی ظاہر تھی۔ سیاہ رنگ کے فارمل سوٹ میں وہ تازہ دم لگ رہا تھا۔ جبکہ شیر اس کے برعکس سفید پولو شرٹ اور خاکی

پینٹ پہنے ہوئے تھا۔ پیروں میں سفید اسپورٹ شوز تھے۔ ماسک لگائے
 بال سلیقے سے جمائے۔ آنکھوں میں گہری سنجیدگی تھی۔ شیر کے ہیلی کاپٹر
 پر سوار ہوتے ہی انجن اسٹارٹ ہوا۔ ڈینیل بھی ہیلی کاپٹر پر سوار
 ہوا۔ ہیلی کاپٹر اگلے ہی پل اڑان بھرتا فضا میں اونچائی کی طرف جانے
 لگا۔ شیر نے ماسک اتارا اور سیٹ پر نیم دراز ہو کر ٹانگیں پھیلا لیں۔
 ڈینیل نے اپنا لیپ ٹاپ نکال لیا اور ایک سرسری نگاہ شیر پر ڈالی۔ جیسے
 اس کا مزاج جانچنا چاہ رہا ہو۔
 "کچھ کہنا ہے؟" شیر نے دیکھے بغیر ہی اس کی نگاہیں محسوس کرتے سوال
 کیا۔

"آپ بات کرنے کے موڈ میں ہیں؟" ڈینیل ہچکچایا۔ شیر جب سے آیا تھا
 خاموش تھا۔ اس لیے ڈینیل محتاط رہا۔

"نہیں۔۔ لیکن تم بولو۔۔" شیر نے آنکھیں موند لیں۔

"آپ نے جارج ہینڈرسن کو کیا کہا؟"

"میں نے ملبہ ان تمام لوگوں پر ڈال دیا ہے جو مینٹنگ میں شریک تھے۔"

ڈینیل نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

"Did You accused them"?

"No! Just a doubt" ..

شیر نے کہا۔ عام سا انداز تھا۔

"پر میرا نہیں خیال کے وہ ایسا کر سکتے ہیں۔" ڈینیل نے خیال ظاہر کیا۔

"مجھے بھی نہیں لگتا۔ ان میں اتنی ہمت نہیں۔" شیر نے کہا۔ ڈینیل الجھا

اور آنکھیں سکیڑ کر شیر کی طرف مڑا۔

"تو پھر آپ نے ایسا کیوں کہا؟"

"کچھ تو کہنا ہی تھا۔" وہ مسکرایا۔ ذرا سی آنکھیں کھول کر ڈینیل کی جانب دیکھا۔

"آپ نے ان کو سزا دینے کے لئے ان کو مشکل میں ڈال دیا یہ کہہ کر کہ اس دھماکے کا تعلق ان سے ہو سکتا ہے۔" ڈینیل نے سمجھتے ہوئے گردن ہلائی اور سر جھٹک کر ہنس دیا۔ شیر نے جواب دیے بغیر سر دوبارہ سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا۔

"لیکن حقیقتاً اس کے پیچھے کون ہو سکتا ہے؟" ڈینیل نے سوالیہ انداز میں کہا۔ شیر خاموش رہا۔ تاثرات بھی نہ خاموش اور عام سے رہے لیکن لبوں دھیمی مسکراہٹ اتر کر معدوم ہوئی تھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے؟" شیر نے سوال کیا

"Some people's from Pakistan or Iran..may be"

ڈینیل نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"پاکستان اور ایران ہی کیوں؟" شیر نے اگلے ہی پل سوال کیا۔

"Some chances you know" ...

ڈینیل نے لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے کہا۔

"اگر سچ کہوں تو میں کافی وقت سے ایسی ہی کسی چیز کی توقع کر رہا تھا
ماسٹر!"

شیر نے آنکھیں کھول کر ڈینیل کی جانب دیکھا وہ پوری طرح اس کی
طرف متوجہ تھا۔

"پہلے تم نے کبھی ایسی کسی بات کا ذکر نہیں کیا۔" شیر نے آنکھیں
سیکڑتے اسے بغور دیکھا جیسے کچھ جانچ رہا ہو۔

"کیوں کہ آپ کو ان کے بارے میں بات کرنا کبھی پسند نہیں رہا اس لئے میں اس موضوع پر نہیں بولتا تھا لیکن اس بلاسٹ کے بعد میرا پہلا خیال اسی طرف گیا تھا۔ یعنی پاکستان یا ایران۔" ڈینیل سنجیدہ تھا۔

"ان کی حالت ایسی نہیں ہے کہ وہ جی ایف ایس آر جیسی آرگنائزیشن کو چھیڑنے کی کوشش کریں۔" شیر نے سرد مہری سے کہا۔

"آپ پاکستان کی آرمی کو نہیں جانتے؟" ڈینیل نے سوالیہ انداز اپنایا۔

"جانتا ہوں لیکن اس کا تجارت سے کیا تعلق۔" شیر نے سوال کیا۔

"کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ بھارت خود جی ایف ایس آر کی سرمایہ کاری نظام

کا حصہ ہے۔ افغانستان فی الحال ایسی پوزیشن میں نہیں۔ چائنا بھی کافی حد

تک ہمارے نظام کا حصہ ہے ایک پیچھے ایران اور پاکستان بچتے

ہیں۔" ڈینیل نے لمحہ بھر توقف کیا۔ شیر کے تاثرات دیکھے کہ آیا وہ

متوجہ ہے بھی یا نہیں۔۔ شیر پوری طرح اس کی جانب متوجہ تھا۔ وہ پھر کہنے لگا۔

"دونوں گولڈن فاکس کی کھل کر مخالفت کرتے ہیں۔ یہ وہ دو واحد ملک ہیں جہاں ہمارا نظام نہ ہونے کے برابر ہے سچ کہوں تو ایک چھوٹا سا بھی ایسا ادارہ نہیں جو ہمارے زیر سایہ ہو۔" وہ چپ ہوا۔

"لیکن اس کے باوجود ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ دھماکہ ان میں سے کسی کی جانب سے ہوا ہے۔" شیر نے بے نیازی سے کہا اور پھر نیم دراز ہو گیا۔

"ماسٹر؟" ڈینیل کو اچانک ہی جیسے کچھ یاد آیا تھا۔

"بولو۔"

"آپ کو پاکستان پسند کیوں نہیں ہے؟"

"پاکستان!" شیر زیر لب بڑبڑایا پھر ایک گہری سانس لی۔

"پاکستان میرے لئے ہمیشہ سے ایک ڈارک روم رہا ہے۔ وہ ڈارک روم جس کے قریب جانے کے خیال سے ہی میرا دل خراب ہوتا ہے۔ مجھے پاکستان کو سوچ کر خیال آتا ہے کہ میں کبھی بے بس اور کمزور بھی تھا اور یہ وہ احساس ہے جس سے میں سخت نفرت کرتا ہوں۔" شیر یوں ہی نیم دراز آنکھیں بند کیے کہہ رہا تھا۔ اس کا لہجہ بے تاثر تھا۔

"آپ کب بے بس اور کمزور تھے؟" ڈینیل چونکا۔ یہ اس کے لئے بالکل نئی بات تھی۔

"جب میں دو سال کا تھا۔" شیر نے کہا۔

ڈینیل نے الجھن سے پیشانی کھجائی۔ نا سمجھی سے شیر کی بات کو دماغ میں دہرایا۔

"دو سال؟"

"ہم۔۔"

"دو سال کی عمر میں سومو ریسلر کون ہوتا ہے؟" ڈینیل نے ہنسی روکتے

ہوئے کہا۔ شیر نے آنکھیں کھول کر گردن اٹھائی اور اسے گھورا۔

"شکل گم کرو اپنی تم سے باتیں کر کے میں اپنا وقت ہی کیوں ضائع کرتا

ہوں۔۔ جاؤ آنسکریم لے کر آؤ۔" اسے یک دم غصہ آیا تھا اس نے تپے

ہوئے لہجے میں ناگواری سے کہا۔

"مجھے بھی سمجھ نہیں آتی میں آپ سے سوال ہی کیوں کرتا

ہوں۔۔ عجیب جوابوں کے لئے؟ دو سال؟" وہ اونچا بڑبڑایا اور اٹھ کر ایک

جانب بڑھنے لگا۔

"آنسکریم کھا کھا کر آپ کا دماغ جم گیا۔"

"میں تمہیں سن سکتا ہوں۔۔" شیر کی بلند آواز پر وہ گڑبڑایا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ شیر نے سر جھٹکا اور دوبارہ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔



شارجہ اسٹیڈیم کی پچھلی جانب جانے والی شاہراہ کا منظر تھا۔ صبح کے دس بج رہے تھے۔ سورج کی چمک اور دھوپ کا سنہرا پن ہر منظر پر غالب تھا۔ شاہراہ کو بائیں جانب موڑنے والی سڑک پر گاڑیوں کی تعداد قدرے کم تھی۔ وہ سڑک جی ایف ایس آر کی رہائشی سوسائٹی کی طرف جاتی تھی۔ وہ ایک مہنگا ترین علاقہ تھا۔ جہاں گھر خریدنا ہر کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ علاقہ اپنے آپ میں ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ جدید ترین سہولیات کا حامل وہ شہر ہر کسی کو اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ ایک خاص حدود تھی اس کے آگے صرف وہی لوگ جاسکتے تھے جو کسی ناکسی

حوالے سے متعلقہ تھے۔ یا جو وہاں ہونے والی کسی بھی قسم کی سرگرمی میں شامل تھے۔ اسی علاقے کے مرکزی داخلی راستے پر غازی کاندھے پر سیاہ بیگ لیے چل رہا تھا۔ خاکی کارگو پہنے، نیلی ٹی شرٹ اور پیروں میں بھاری جوتے تھے۔ چیک پوسٹ کے قریب پہنچ کر وہ رکا اور اپنی جیکٹ کی جیب سے ایک کارڈ نکالا اور چہرے کے تاثرات میں ایک پیشہ ورانہ جھلک پیدا کرتے آگے بڑھا۔ چیک پوسٹ پر بیٹھے دونوں اہلکار جی ایف ایس آر کے گارڈز تھے۔ اسلحہ سے لیس کرخت تاثرات لیے ہر نئے آنے والے کو اسکین کرتی نظروں سے گھورتے تھے۔

"Hello! Austin here! from aljazeera news agency"

غازی کا لہجہ خالص امریکیوں والا تھا۔ کہنا مشکل تھا کہ سامنے کھڑا خوب رو جوان کوئی عربی ہو سکتا ہے۔

اس نے پر اعتماد انداز میں اپنا کارڈ آگے بڑھایا جہاں اس کی تصویر کے ساتھ آسٹن اسٹیفن لکھا دکھائی دے رہا تھا۔ چیک پوسٹ پر بیٹھے ایک اہلکار نے اس کا مکمل جائزہ لیا جبکہ دوسرا لیپ ٹاپ پر کچھ ڈھونڈنے لگا۔ اگلے ہی پل اس کے لئے راستہ کھول دیا گیا۔ غازی کارڈ جیکٹ میں ڈالتا اندر داخل ہوا اور اپنا فون نکالا اور کچھ ٹائپ کرنے لگا چہرے پر دلکش دھیمی مسکراہٹ تھی۔



حاشائٹ کا منظر تھا۔ وسیع کمرہ تھا جہاں ایک طرف کرسیاں رکھی تھیں۔ سامنے کی جانب ایک بڑی اسکرین لگی تھی جس پر کسی مقام کا نقشہ ظاہر ہو رہا تھا۔ اسکرین کے قریب ہی حاشر آستینیں موڑے کھڑا تھا۔ ہاتھ میں اسکرین اسٹک تھی۔

کرسیوں پر وہ چاروں بیٹھے توجہ سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔
 "مجھے اچانک معلوم ہوا کہ کچھ دنوں میں ایک بڑی کھیپ افغانستان کی
 طرف روانہ ہو رہی ہے۔ وہ ادویات کی آڑ میں منشیات اسمگل
 کرنے لگے تھے اور اس میں کچھ بڑے بڑے نام شامل ہیں۔ اس لیے
 فوری طور پر اس عمل کو روکنے کے لیے مجھے یہ کرنا پڑا۔ اگر مجھے کچھ
 وقت پہلے معلوم ہو جاتا تو شاید میں ان لوگوں کے پیچھے جاتا لیکن فی
 الحال ممکن نہ تھا۔ اور اس دھماکے کے بعد ہم نے مزید ان کی توجہ
 حاصل کر لی ہے۔ وہ ہماری موجودگی سے واقف ہیں لیکن وہ نہیں جانتے
 ہم کون ہیں۔ وہ ہمیں ڈھونڈ رہے ہیں ہمیں ان کے آس پاس رہنا ہے
 لیکن ان کی نظروں میں نہیں آنا۔ تب تک جب تک ہم اپنا پلان مکمل
 نہیں کر لیتے۔" حاشر رکا اور ان سب کی جانب باری باری دیکھا۔

"ہمیں ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنی ہیں۔ ان کے مقاصد جاننے ہیں۔ ہمیں سیکڑوں کی تعداد میں اسمگل ہوتے پاکستانیوں اور افغانیوں کو اس آرگنائزیشن سے بچانا ہے۔" وہ اسکرین کے آگے ٹہل رہا تھا۔ چہرے پر سنجیدگی اور لہجہ ہمیشہ کی طرح پرسکون اور ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ سب نوٹ بک پکڑے ساتھ ساتھ کچھ لکھتے پھر حاشیہ کی جانب دیکھنے لگتے۔

"یہ ایک بے داغ چادر میں ایسا شیطانی کھیل ہے جس کی حقیقت جانتے ہوئے بھی بڑی بڑی طاقتیں ہاتھ باندھے دولت اور طاقت کی کشش میں آنکھوں پر پٹی باندھے گندے نالے میں اتری ہوئی ہیں۔ میں نے اس پر بہت کام کیا ہے اور مجھے یہ مشن بہت مشکل سے ملا ہے اور میں ہر صورت ان کو بے نقاب کرنا چاہتا ہوں۔ ہمیں یہ کرنا ہے۔" ہر

صورت۔۔"حاشر کے لہجے میں چٹان سی مضبوطی تھی۔ وہ عزم سے بھرپور تھا۔

"ان شاء اللہ ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔۔" اریب نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"ان شاء اللہ!" وہ سب یک زبان ہو کر بولے۔

"یہ وہ مقامات ہیں شارجہ میں جو مکمل طور پر ان کے قابو میں ہیں۔ یہ جی ایف ایس آر ریڈیڈنٹ ہے۔ جیسے کہ پاکستان میں بحریہ ٹاؤن ہے ویسے ہی عرب امارات اور دیگر ممالک میں یہ لوگ چھوٹے چھوٹے شہر آباد کرتے ہیں۔۔ کچھ بندرگاہیں ہیں یہ جو مکمل طور پر ان کے زیر سایہ ہیں۔" حاشر نے اسٹک سے ایک حصے پر دائرہ بنایا۔

"یہ شاپنگ سینٹر، ہوٹل، یہ زیر تعمیر عمارتیں یہ سب ان کے زیر سایہ ہے۔" وہ اسٹک کی مدد سے اسکرین پر دائرے بناتا کہہ رہا تھا۔

"ان ہی مقامات پر کہیں نہ کہیں یہ لوگ سیاہ دھندے جاری رکھتے ہیں۔ ہمیں کسی نہ کسی حد تک ان مقامات کو مونیٹر کرنا ہے۔ لوگ ڈھونڈنے ہیں ایسے جو اس نظام سے چوٹ کھائے ہوئے ہیں۔ ہمیں زیادہ سے زیادہ مواد جمع کرنا ہے۔ تاکہ ہم انھیں وقت آنے پر دبوچ سکیں۔" حاشر نے کچھ پل کا توقف کیا۔ اس کی آنکھیں کامیابی کی عزم سے چمک رہیں تھیں جیسے اسے یقین ہو وہ اس کامیابی کو حاصل کر لیں گے۔

"ہم اس سفر کو مزید آگے کیسے بڑھائیں گے کمانڈر؟" طوبیٰ نے سوال کیا اور نوٹ بک کا نیا صفحہ کھول لیا۔ حاشر نے گردن ہلاتے ہوئے اسکرین پر نیا صفحہ کھولا۔

"سب سے پہلے ہم جلد بازی نہیں کریں گے۔" حاشر نے ان چاروں کی طرف دیکھا۔

"پہلا ٹاسک توجہ حاصل کرنا تھا۔ ہم کامیاب رہے۔" اریب نے کہا۔
 "بالکل ایسا ہی ہے۔" حاشر نے کہہ کر قریب رکھا گلاس اٹھا کر چند گھونٹ حلق میں اتارے اور پھر ان کی جانب متوجہ ہوا۔

"ہمیں موقع کی مناسبت سے اقدام اٹھانے ہیں ہمارا ہر قدم ہمیں آگے کالائجہ عمل فراہم کرے گا۔" حاشر ٹھہر ٹھہر کر کہہ رہا تھا۔

"فی الوقت ہیزیل فاکس پر آتے ہیں۔" حاشر نے اگلا صفحہ کھولا۔

جہاں ہیزیل کی پروفائل تھی۔ ایک طرف اس کی تصویر لگی تھی۔
 "یہ فیشن انڈسٹری کا ایک بہت بڑا برانڈ ہے۔ اس کی مختلف کمپنیاں
 ہیں۔ یہ آج کل لیڈی صوفیہ کے ساتھ کاروباری معاملات میں الجھی ہوئی
 ہے اور گلوبل برانڈز کے ساتھ بھی معاملات ساتھ ساتھ جاری
 ہیں۔" حاشر کہہ کر رکا۔

"لیکن یہ وہ باتیں ہیں جو ہر دوسرا شخص ہمیں بتا سکتا ہے۔۔۔ اب آتے
 ہیں اس تاریک پہلو پر جس پر روشنی نہیں ڈالی گئی۔" حاشر نے اگلا صفحہ
 پلٹا۔ طوبی کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

"Organs trafficker"...

وہ بڑبڑائی نگاہیں اسکرین پر تھیں۔

"Prostitution bussiness"?

اریب نے دوسری سطر پڑھی۔ اس کی بھی آنکھیں پھیلیں تھیں۔
 "کچھ لوگوں کو اپنے پیدا ہونے والے بچے کی آنکھیں پسند نہیں
 ہوتیں۔ یعنی کہ رنگ۔۔ وہ انھیں تبدیل کروا لیتے ہیں۔ اس کام کے لئے
 باقاعدہ خوبصورت آنکھوں کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ یہ بہت چھوٹے پیمانے
 پر ہے۔ لیکن اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔" حاشر نے کہا۔
 "یہ رئیس تاجروں کو عمش البانی کے ساتھ مل کر خوبصورت لڑکے
 لڑکیاں فراہم کرتی ہے۔ وہ خود بھی ایک ایسی ماں کی بیٹی ہے جسے کھلونے
 کے طور پر گولڈن فاکس کو پیش کیا گیا تھا۔" حاشر نے عام سے انداز میں
 کہا۔

وہ سب ایک پل کو ساکت ہوئے۔ طوبیٰ نے بے یقینی سے حاشر کی جانب
 دیکھا۔ حاشر نے اس کی آنکھوں کی بے یقینی پڑھتے اثبات میں سر ہلایا۔

"ان کا معاملہ ایسا ہے کہ ان کے لئے اچھائی اور برائی جیسا کوئی نظریہ نہیں ہے۔ یہ ان چیزوں کو صرف دنیاوی دکھاوے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔" حاشر نے ٹھنڈی سانس بھرتے کہا۔

"لیکن اس زیادتی کا تعلق صرف عورت تک نہیں ہے۔ ان گروہوں میں ایسی عورتیں بھی پائی جاتی ہیں جو مردوں کو اپنی عیاشی کا نشانہ بناتی ہیں۔ خوبصورت اور اکیلے مردوں کو۔"

حاشر نے اضافہ کیا۔ اس پل اس کی آنکھیں یک دم ہی سرخ پڑی تھیں۔ لہجے کی تپش میں اضافہ ہوا تھا۔

"کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو ہم جنس پرست ہوتے ہیں۔ رئیس مرد اور عورتیں جنہیں خوبصورت اور نوجوان لڑکے لڑکیاں چاہیے ہوتی ہیں۔ اس

جگہ اس کٹیگری کا بزنس زیادہ ہوتا ہے۔ ایک اور بات۔۔۔ "حاشر نے ایک گہری سانس لی اور ان چاروں کی جانب دیکھا۔

"شادی شدہ مرد اور عورتیں جو ہم جنس پرست نہ بھی ہوں وہ بھی ٹرینڈ کے طور پر۔۔۔ یا ان کی زبان میں "change of taste" ہم جنس جنسی غلام رکھتے ہیں۔ جو بظاہر ان کا کوئی اسٹاف ممبر ہوتا ہے یا گھریلو ملازم یا ملازمہ لیکن دراصل بات یہ نہیں ہوتی۔ اس کام کے لئے زیادہ تر ایسے لوگوں کا استعمال کیا جاتا ہے جو کسی طور پر آواز نہ اٹھا سکے۔ جاہل ہو۔ جس کی کوئی سن نہ سکے۔ سمجھ نہ سکے۔ "حاشر ایک پل کو رکا۔

"کیا وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو دوسرے ممالک سے لائے جاتے ہیں؟" حنین کی آواز حیرت میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"بالکل! میں پچھلے دس سالوں میں ان، ممالک میں ایسے درجنوں لوگوں سے ملا ہوں۔۔ اور جانتے ہو ان میں سے نوے فیصد لوگوں کا تعلق کہاں سے ہوتا ہے؟" حاشر نے کہتے اسٹک اسکرین پر چلانا شروع کی۔

"بنگلہ دیش۔۔ سری لنکا۔۔ شام۔۔ ایران۔۔ پاکستان۔۔ افغانستان۔۔ انڈونیشیا۔۔ ملائیشیا۔۔ جنوبی افریقہ۔۔" لکھتے لکھتے بلند آواز میں دہرا رہا تھا۔

"ایک لمبی لسٹ ہے ایسے ممالک کی۔۔"

"لاکھوں کی تعداد میں بچے بچیاں اغواء ہوتے ہیں ہم نہیں جانتے اور کن کن کاموں کے لئے ان کا استعمال کیا جاتا ہے۔۔ ہمیں مزید جاننے کی ضرورت نہیں۔۔ جتنا ہم جانتے ہیں اسی کی بنیاد پر ہی ہمیں یہ سلسلہ روکنے کی کوشش کرنی ہے۔" حاشر کا چہرہ سرخ اور خطرناک حد تک سنجیدہ تھا۔



گھڑی رات کے نو بجا رہی تھی۔ واشنگٹن کی فضا میں سرد ہواؤں سے
تھر تھرا رہی تھیں۔ ہلکی برف باری جاری تھی۔ ایسے ماحول میں جنت اپنی
پسندیدہ کافی لیے پلنگ پر نیم دراز ٹانگوں پر لیپ ٹاپ رکھے تکیوں سے
ٹیک لگائے ہوئے تھی۔ دفعتاً اس کا فون بجنے لگا اس نے سرسری نگاہ
اٹھا کر اسکرین کی جانب دیکھا اور ناگواری سے آنکھیں گھما کر فون اٹھایا۔
"..Yes"

"کہاں تھیں تم سارا دن؟" عمش کی سرد آواز اس کے کانوں میں گونجی۔
"شیر کے ساتھ تھی ڈیٹ پر۔ ہم بریلے پہاڑوں پر پورا دن ساتھ
رہے۔ پھر ایک قریبی گاؤں کی سیر کی۔ کھانا کھایا۔ کافی پی۔ مووی
دیکھی۔"

"اسٹاپ اٹ!" عمش کی لرزتی آواز سے غصہ صاف ظاہر تھا۔

"تمہیں کروڑ بار سمجھا چکا ہوں جنت۔۔ اس شیطان سے دور رہو۔۔"

"وہ خود آیا ہے ڈیڈ! اور میں اسے منع نہیں کر سکتی۔" وہ مسکراتے لہجے

میں بولی۔ جنت بالکل لا پروا تھی صاف ظاہر تھا کہ وہ عمش کو تپانے کی

خاطر تفصیلی بات کر رہی تھی۔

"وہ تمہیں برباد کر دے گا۔" عمش کے لہجے میں بے بسی، غصہ، خوف کیا

کچھ نہیں تھا۔

"واقعی؟ اس سے آپ کو کیا؟ آپ نے بھی تو ماں کو ایسے ہی برباد کیا

تھا۔" جنت خود کو کہنے سے روک نہ پائی۔ لہجے میں نفرت تھی۔ عمش

ساکت ہوا۔

"کیا کہنا چاہتی ہو تم؟" عمش کی آواز لڑکھرائی۔

"وہی جو میری ماں جیتے جی مجھ سے نہیں کہہ پائی تھی۔۔" جنت کی آنکھیں سرخ تھیں۔ آنسوؤں سے تر۔ لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔

"عمش البانی عرب امارت کارنیز ترین تاجر جو گولڈن فاکس کا خاص ترین چمچہ ہے اس نے انھیں ایران سے اغوا کروایا تھا۔ کیا نہیں کیا تھا؟ پھر بیچ دیا تھا؟ کیا نہیں بیچا تھا؟ دوبارہ خریدتا ہے جب وہ جانے کس کس کے گندے عزائم کا نشانہ بن چکی تھی۔" جنت کہتے کہتے حلق کے بل چلائی۔

"بکو اس ہے یہ سب۔۔ ضرور اس شیطان نے تمہارے دماغ میں یہ سب بھرا ہے۔۔"

"بھاڑ میں جائیں آپ! آپ سے بڑا شیطان اس دنیا میں قیامت تک کوئی نہیں ہو سکتا۔" ہسٹریائی انداز میں چلاتے اس نے اپنا فون دیوار پر دے

مارا اور گہری سانسیں لیتے رودی۔ پھوٹ پھوٹ کر اونچی آواز میں روتے اس نے اپنا سر پلنگ کی پشت سے ٹکادیا تھا۔ کمرے کے باہر حسام ساکت کھڑا تھا۔ سفید اور بے یقین چہرہ لیے۔ ہاتھ پہلو میں گرے تھے۔ اس کا دماغ یہ ساری باتیں سمجھنے سے قاصر تھا لیکن دل لرز اٹھا تھا۔ وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹتا کمرے کا مرکزی گیٹ کھولتا باہر نکل گیا۔ اس کے پیر کانپ رہے تھے۔ بری طرح۔۔۔ وہ لڑکی جو کئی وقت سے دل میں آہی تھی۔ جسے ہر پل وہ آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتا تھا۔ جسے دنیا کی ہر خوشی دینا چاہتا تھا۔ وہ اس کے بھائی کے قاتل کی بیٹی تھی؟ عمش البانی کی۔۔۔ وہ تو انتقام لینے سے پہلے ہی اتنے قسمت کے اتنے بڑے مذاق کا نشانہ بن گیا تھا۔



شارجہ کے ریگستانی علاقے میں واقع یہ اسی عالیشان ریزارٹ کا منظر تھا جہاں شیر عموماً قیام کیا کرتا تھا۔ گولڈن فاکس ایک گھنٹہ قبل ہی یہاں پہنچ چکا تھا۔ ریزارٹ معمول کے مطابق عام افراد کے داخلے کے لئے بند کر دیا گیا تھا۔ لیڈی صوفیہ بھی عمش کے ساتھ یہیں موجود تھی۔ ان کی قربتوں میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا تھا۔ عمش اور صوفیہ کا تعلق اب تقریباً سب کی نظروں میں آچکا تھا۔ ان کی گہری دوستی سب کے لئے اب ایک معمول کی بات بن چکی تھی اور ایسا اس خاص تقریب کے بعد ہوا تھا۔

اوپری منزل کی راہداری کا منظر تھا۔ ہیزیل اپنے سنہرے بالوں کو کان کے پیچھے اڑستی اپنے موبائل پر کچھ دیکھتی آگے بڑھ رہی تھی۔ اس ویڈیو

میں ایک دراز قد شخص نظر آرہا تھا سیاہ لباس میں ملبوس۔۔ اندھیرے کے باعث ویڈیو زیادہ واضح نہیں تھی۔ اس نے ایک نمبر ملایا۔

"یہ کوئی ثبوت ہے؟ تم اسے ثبوت کہتے ہو؟ ایک لمبے قد کا مرد جو سر سے پیر تک سیاہ لباس میں چھپا ہوا ہے۔۔ چہرہ تک تو نظر نہیں آرہا۔" وہ ناگواری سے کہتی آگے بڑھ رہی تھی۔ سامنے سے اس کی پرسنل اسسٹنٹ ریچل ہاتھوں میں کاغذوں کا پلندہ لئے چلی آرہی تھی۔ دراز قد پتلی دہلی اور سرخ و سفید رنگت پہلی نظر میں اس کے نقوش کسی روسی ہونے کی گواہی دے رہے تھے۔ اس کی سیاہ اسکرٹ گھٹنوں تک آرہی تھی۔ سفید فارمل شرٹ اور سیاہ کوٹ پہنے بالوں کو اونچی پونی میں باندھے

وہ پیشہ ورانہ انداز میں اپنے قدم سست کرتی ہیزیل کے قریب آکر ذرا سا جھکی۔

"گڈ مارنگ میڈم!"

"مارنگ!" ہیزیل رابطہ منقطع کر چکی تھی۔

"آج کا شیڈول میں نے مختصر کر دیا ہے۔ صرف لیڈی صوفیہ کے ساتھ آپ کو ماہ کے آخر میں ہونے والے میگا ایونٹ کے حوالے سے میٹنگ کرنی ہے۔" اس نے اطلاع دی۔ وہ روسی زبان بول رہی تھی۔

"اچھا کیا! میں ابھی جا کر تیار ہوں گی کیا تم نے میرا ڈریسنگ روم ریڈی کر لیا ہے؟" ہیزیل نے اپنا فون اس کی جانب بڑھاتے ہوئے سوال کیا۔

"ایس میڈم!" ریچل نے ادب سے جواب دیا ہیزیل سر ہلاتی راہداری میں آگے بڑھتی رہی۔



حاشائٹ کے اس وسیع کمرے میں حاشر کے سوا وہ سب موجود تھے۔ طوبیٰ کرسی سے ٹیک لگائے ٹانگیں میز پر رکھے ہوئے تھی۔ حنین اور اریب زمین پر بچھے سرمئی قالین پر بیٹھے تھے۔ سامنے لیپ ٹاپ کھلے پڑے تھے۔ وہ سب اپنے اپنے کاموں میں مگن دکھائی دے رہے تھے۔ حاشائٹ کے باورچی خانے میں حاشر کاؤنٹر کے پاس کھڑا تھا۔ چولہے پر چائے پک رہی تھی۔ دوسرے چولہے پر فرائی پین تھا جس میں تیل گرم ہو رہا تھا۔ ایک باؤل میں وہ سارے مصالحے ڈالے انڈہ پھینٹ رہا تھا۔ انڈے کا آمیزہ اس نے فرائی پین میں ڈالا اور جھک کر کیبنٹ میں سے ڈبل روٹی کے پیکٹ نکالے۔ چہرے پر بے نیازی تھی لیکن آنکھیں کسی سوچ کا پتہ دے رہی تھیں جیسے وہ کچھ سوچ رہا

ہو۔ اس نے ایک ہاتھ کاؤنٹر پر رکھا اور دوسرے ہاتھ سے آملیٹ پلٹنے لگا۔ آملیٹ تیار کر کے پلٹ میں رکھتے اس نے باقی کا آمیزہ فرائی پین میں ڈالا۔

"اریب!" آواز ذرا بلند رکھی تاکہ وہ باآسانی سن سکیں۔ کچھ ہی پل میں اریب نے اندر جھانکا اور اسے ناشتہ تیار کرتے دیکھ حیران ہوا۔

"یار آپ ہاتھ روم میں نہیں تھے؟"

اریب اتنی دیر سے یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ غسل لینے گیا ہے۔

"وہ تو میں لے چکا۔ آؤ یہ اندر لے جاؤ۔ باقی میں لا رہا ہوں۔" حاشر نے اسے اشارہ کیا۔ اریب سر ہلاتا آگے آیا اور پلیٹیں اٹھانے لگا۔

"ویسے ایک بات پوچھوں۔" اریب نے مسکراہٹ دباتے سوال کیا۔

"ہاں پوچھو۔" حاشر نے چائے کی آگ کم کرتے کہا۔

"آپ لوگ اتنی دیر تک کہاں تھے میرا مطلب آپ اور طوبی۔۔ اور وہاں کچھ ہوا تھا کیا؟" اریب پوری توجہ حاشر کی جانب کیے پوچھ رہا تھا۔ حاشر نے بھنویں سکڑ کر ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی۔

"کیا کہنا چاہ رہے ہو؟ کہاں ہوں گے ہم؟" حاشر متانت سے پوچھ رہا تھا۔
 "دیر لگادی تھی نا۔ اور آپ دونوں کافی آکوردنیں کے ساتھ واپس آئے تھے۔" اریب نے دانت نکالے۔ حاشر نے اسے گھورا اور پلیٹیں اٹھاتا باہر کی جانب بڑھا۔ اریب بھی اس کے پیچھے لپکا۔

"بتائیں نا۔ میں سنجیدہ ہوں۔" اریب کے لہجے میں دلچسپی تھی۔
 "سدھر جاؤ۔ تمہارا دماغ مجھے جگہ پر نہیں لگ رہا۔"

اس کی بات سن کر اریب نے منہ بنایا اور سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔ حاشر نے بھی سر جھٹکا اور کمرے میں داخل ہوا۔

"آہاں۔۔ ناشتہ۔۔" طوبی فوراً اپنی جگہ چھوڑتی نیچے آکر بیٹھی۔

"کمانڈر بیسٹ ہیں آپ۔۔ بھوک سے پیٹ میں مڑوڑ اٹھ رہے تھے۔" حنین بھی لیپ ٹاپ ایک طرف کرتا قریب آیا۔

"صبح اپارٹمنٹ سے ناشتہ کر کے نکلنے کا کہاں تھا میں نے لیکن جتنی جلدی تم لوگ یہاں آگئے تھے میں سمجھ گیا تھا ناشتہ بنانے کی توفیق نہیں کی ہوگی تینوں میں سے کسی نے۔۔" حاشر نے ڈبل روٹی اٹھاتے انھیں خفگی سے دیکھا۔

"بھئی صاف سیدھی بات ہے کمانڈر۔۔ ناشتہ آپ کے ہاتھ کا نہ ہو تو ناشتہ نہیں لگتا اب!" منان نے آملیٹ تورٹے ہوئے ان سب کی تائید چاہی۔

"ناشتہ بھی نہیں لگتا اور دل پر بھی نہیں لگتا۔" اریب نے رغبت سے کھاتے کہا۔ طوبیٰ نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔

ناشتہ عموماً ان کے لئے حاشر ہی بنایا کرتا تھا۔ تبھی وہ اس کے بنائے ناشتہ کی عادی ہو گئے تھے۔ کسی وجہ سے اگر وہ ناشتہ نہ بنا سکے تو وہ لوگ دوپہر تک کچھ نہیں کھاتے تھے۔

"دل پر لگے نہ لگے پیٹ میں لگ رہا ہو اتنا بھی کافی ہے۔ ناشتہ نہیں چھوڑا کریں اتنی دفعہ سمجھا چکا ہوں۔" حاشر نے تنبیہی انداز میں ان چاروں پر نگاہ ڈالی لیکن وہ چاروں کان لپیٹے ناشتہ کر رہے تھے۔

"آج کون بغیر جیکٹ کے نکلا ہے اپارٹمنٹ سے؟" حاشر نے سوال کیا۔ ان سب نے گردن اٹھا کر ایک دوسرے کو سے دیکھا۔ طوبیٰ نے باری باری حنین، اریب اور منان کو دیکھا۔

"اریب!" طوبیٰ نے پر جوشی سے کہا۔

"چپ کرو۔ میں حنین کی جیکٹ پہن کر آیا ہوں حنین ٹی شرٹ میں

آیا ہے۔" اریب نے طوبیٰ کو گھورتے کہا۔

"میری جیکٹ تم پہن کر نکلے تو میں کیا کرتا۔" حنین نے کھسیانی ہنسی

ہنستے حاشر کی جانب دیکھا۔

"ٹھنڈا موسم ہے میں نے پہلے بھی سمجھایا ہے صحت کو لے کر کوئی

لاپرواہی نہیں ہوگی نکلتے ہوئے میری جیکٹ پہن کر جانا۔ موسم ٹھنڈا ہے

آج۔" حاشر نے حنین کی جانب دیکھا۔

"اور آپ؟" طوبیٰ نے براہ راست اس کی جانب دیکھ کر سوال کیا۔

"میرے کچھ کپڑے یہیں پڑے ہیں ان میں ہوگا کوئی کوٹ سویٹر

وغیرہ۔" حاشر نے اس کی جانب دیکھے بغیر جواب دیا اور اٹھ گیا۔

"میں چائے نکال رہا ہوں۔۔ چائے پی کر پھر نکلنا ہے سب کو۔۔ میں یہیں رکوں گا۔" اس نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ طوبیٰ کی نرم نگاہوں نے خاموشی سے اس کا تعاقب کیا تھا۔



واشنگٹن میں رات گہری ہوتے ہی سردی کی شدت میں انتہا کا اضافہ ہو جاتا تھا لیکن آج برف باری بھی نہیں ہو رہی تھی اور ہوا بھی بند تھی لیکن فضا میں بلا کی سردی تھی۔ ہوٹل کے باہر کی رونقیں ماند پڑ چکیں تھیں۔ فقط اکا دکا اسٹور کھلے تھے۔ ریسٹورنٹ کے آؤٹ دوڑ ایریا بھی خالی پڑے تھے لیکن بتیاں جل رہی تھیں۔ جنت ایک ہاتھ میں کافی لیے دوسرا ہاتھ لانگ کوٹ کی جیبوں میں ڈالے سڑک پر تنہا چل رہی تھی۔ چہرے پر گہری خاموشی چھائی تھی۔ آنکھوں کی سطح پر سرخ ڈورے

نمایاں تھے۔ جیسے وہ جی بھر کر روئی ہو۔ ناک اور گال بھی سرخ ہو رہے تھے۔ بھنویں اکھٹی تھیں جیسے اس کا ذہن اس وقت سو الجھنوں میں گھرا ہوا ہو۔

اس نے چند بڑے برانڈز کی طرف سے ماڈلنگ کی پیشکش کو قبول کرتے دستخط کر لیے تھے۔ اگلے چار دن اس کے مسلسل ایگزیشن کی نذر ہونے تھے۔ کل کا ایونٹ حسام کی گیلری میں تھا۔ جبکہ باقی کی تین مختلف تقاریب میں مختلف اداروں کی جانب سے منعقد کی گئی تھیں۔

"ضرور آپ کو آپ کے چاہنے والوں نے دن کے وقت ہوٹل سے باہر نکلنے کا رسک لینے کی اجازت نہیں دی ہوگی۔"

ایک قدرے نرم لیکن گہری آواز پر وہ بری طرح چونکی اور پلٹ کر بولنے والے کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اجنبیت تھی۔ وہ عربی

بول رہا تھا۔ وہ خوبصورت چہرے اور دراز قد کا مالک نوجوان لڑکا تھا۔ جس کی آنکھوں میں گہری دلچسپی اور چہرے پر درجنوں تاثرات تھے۔

"آپ کو براہ راست اپنے سامنے دیکھنے کے لیے تین دن سے خوار ہو رہا تھا۔" اس نے ہاتھ کی تین انگلیاں اٹھا کر بتایا۔ جنت نے اس کے ہاتھ دیکھے۔ سرخ ہتھیلیاں اور صاف ستھرے کٹے ہوئے ناخن۔ وہ پھر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ وہ بول رہا تھا۔

"لیکن اب محسوس ہو رہا ہے خواری بے کار نہیں تھی۔ آپ کو دیکھنے کے لئے ایک صدی بھی خوار ہونا پڑے تو۔"

"خوار ہونا بنتا ہے۔" وہ کہہ کر آخر میں

مسکرایا۔ جنت کچھ پل تک اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ کیا تھا ایسا ان تاثرات میں اس آواز میں مسکراہٹ میں جو کچھ اپنا سا، کچھ دیکھا سا اور

قدرے مانوس سا لگ رہا تھا۔ جنت بے اختیار کھکھلا کر ہنس دی۔ وہ ہنسنا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن وہ ہنسی تھی۔ کیوں؟ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ سامنے کھڑا نوجوان اس کے ہنسنے پر خود بھی ہنسا۔ گردن اٹھا کر۔ انتہا کی خوبصورت ہنسی۔ جنت کے لبوں پر مسکراہٹ آٹھری۔ وہ نوجوان بولتے ہوئے انتہا کا پیارا لگ رہا تھا۔

"یہ چکنی چپڑی باتیں کرنے کے لئے تمہیں تمہاری عمر کی لڑکی نہیں ملی؟" جنت نے بھی عربی میں جواب دیتے اس کا اوپر سے نیچے تک جائزہ لیا۔ وہ کم عمر لڑکا تھا۔ سترہ اٹھارہ کے قریب۔ سرخ و سفید رنگت کا خوبصورت نوجوان۔ جو سبز جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔ بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ مسکراتے ہوئے محویت سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں کسی قسم کی بے ہودگی نہیں تھی۔ وجود کے گرد

بھٹکنے والی نگاہیں جن سے جنت کو کوفت ہوتی تھی۔ اکثر مردوں کی نگاہیں اسی طرح کی ہوتی ہیں۔ اتنی تیزیوں لگتا ہے وجود کے آر پار ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کے وجود میں دھنستی جا رہی ہیں۔ جنت نے ایسی کتنی نظروں کا سامنا کئی بار کیا تھا۔ لیکن آج ایسا نہیں تھا۔ آج مقابل کی آنکھوں میں ایک متاثر کن چمک تھی جیسے وہ اسے دیکھ کر متاثر ہو۔ خوش ہو۔ انتہا کا پر جوش ہو۔ صاف ظاہر تھا کہ ایسا ہی ہے۔

"I Adore You so much miss jannat!"

وہ ایک قدم مزید آگے آیا اور دونوں ہاتھ فضا میں پھیلاتے گردن دائیں بائیں ہلاتے بولا۔ اس کے انداز نے پھر جنت کی مسکراہٹ کو گہرائی بخشی۔ وہ اس کے پل پل بدلتے تاثرات کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ بہت حسین ہیں۔ اور مجھے حسین لوگ اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ میں خود کو روک نہیں پاتا۔ ان سے بات کرنے سے ان سے ملنے سے۔۔۔ اور۔۔۔" وہ ایک پل کو ٹھہرا۔ اپنی خوبصورت سبز آنکھیں فضا میں الجھے لیکن پرجوش انداز میں گھمائی۔

"Umm...How should I say... I mean..I mean.. It's like a passion or something.. Can you understand"?

اس نے اب کے ذرا سا جھک کر سوالیہ انداز اپنایا۔ جنت نے سمجھتے ہوئے گردن اثبات میں ہلائی۔ نگاہیں اس جادوئی طاقت اپنے گرد لیے خوبصورتی سے بولتے اس خوبصورت نوجوان پر ٹکیں تھیں۔ ایسے کردار جگہ جگہ دیکھنے کو نہیں ملتے تھے۔ خوبصورت لوگ ہر جگہ پائے جاتے تھے۔ پرکشش انداز ہزاروں لوگوں کے ہوا کرتے تھے۔ لیکن ایسے لوگ

باآسانی نہیں مل جاتے تھے۔ جو اپنی ایک ایک جنبش سے مقابل کو تروتازہ کریں جن کی مسکراہٹ، آنکھوں کی چمک، جن کا انداز پل پل مسکرانے پر مجبور کر دے۔ وہ ایسا ہی تھا۔ مثبت شعاعیں میٹھی سی طاقت اپنے ارد گرد سمیٹے۔

اسے الفاظ کو ترتیب دینے میں بلا کی تگ و دو کرنے کی کوشش کرنی پڑ رہی تھی۔ اس کا عربی لہجہ مختلف تھا۔ وہ عرب تھا لیکن شاید اپنی زبان زیادہ نہیں بولتا تھا اس لئے اس کے پاس عربی کے ذخیرہ الفاظ کی قلت تھی۔ لیکن انگریزی وہ صفائی سے تیزی سے بول رہا تھا وہ الگ بات تھی کہ عربی زبان وہ زیادہ خوبصورتی سے بولتا تھا۔

"تو یوں مجھ سے ملنے کی بس ایک یہی وجہ تھی؟" جنت نے کافی کا خالی کپ قریبی کوڑے دان کی جانب اچھالا اور دونوں ہاتھ سینے پر باندھ

لیے۔ وہ سیدھا کوڑے دان میں جا کر گرا۔ اس نے گردن گھما کر اس کے نشانے پر وہ ستائشی انداز میں ابرو اچکائی پھر مسکرایا۔

"خیر میرا نام احمر بن انفال غازی ہے۔ آپ مجھے غازی احمر کہہ سکتی ہیں۔ اور آپ کا نام میں جانتا ہوں جنت۔۔۔ مس جنت۔۔۔" اس نے ہاتھ ملانے کے ہاتھ نہیں بڑھایا بلکہ دونوں ہاتھ پیٹھ پر باندھ کر ذرا سا جھک گیا۔ جیسے تعظیم پیش کر رہا ہو۔ جنت کچھ نہ بولی فقط مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

"خیر اتنی رات کو آپ اتنی ٹھنڈ میں واشنگٹن کی سڑک پر کیا کر رہی ہیں؟" احمر نے کہتے ہوئے نگاہیں آسمان کی جانب پھر آس پاس گھمائیں۔

"یوں ہی بس چہل قدمی۔۔۔" جنت نے مختصر جواب دیا۔ وہ ایک پل کے لئے بھی اس پر سے نگاہیں نہیں ہٹا سکی تھی۔

"مجھے آپ پریشان لگی تھیں۔ کیا آپ پریشان تھیں؟" احمر نے جیکٹ کی جیب سے ایک چاکلیٹ کینڈی نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔

"جی ایسا ہی ہے آپ پریشان تھیں۔" خود ہی جواب دیا۔ مسکراہٹ گہری ہوئی۔ ہاتھ ہنوز بڑھا ہوا تھا۔ جنت نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھا اور پھر اس کی جانب دیکھا۔ وہ اپنی چمکتی اور جادوئی آنکھیں لیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ جنت نے چاکلیٹ کینڈی پکڑ لی۔

"اسے کھا لیجئے! آپ اچھا محسوس کریں گی۔ یہ میرے لئے بہت خاص ہے۔۔ بہت خاص انسان نے دی تھی۔ میرا دل نہیں چاہ رہا تھا اسے کھانے کا۔ ایکسپائر نہیں ہے۔ ڈریں مت۔۔ کھالیں اسے۔۔ خیر میں آپ کو یہ نہیں بتاؤں گا کہ وہ خاص انسان کون تھا۔" وہ کہہ کر ہنسا پھر رک کر اس کا ہاتھ دیکھا۔

"آپ کھا نہیں رہیں؟ اوہ۔۔ کہیں آپ کو مجھ پر شک تو نہیں؟ کہ میں آپ کو کوئی نشہ آور شے کھلا کر کوئی واردات کرنے لگا ہوں۔" وہ خود ہی سوال کرتا تھا اور جواب کا انتظار کیے بغیر ہی جواب خود دے کر ایک مسکراہٹ ظاہر کرتا اور پھر لب بھینچ لیتا۔ کس قدر پیارا لڑکا تھا۔ جنت اس کے ہر انداز پر ایسا سوچنے پر مجبور سی ہو جاتی۔ جنت بھی اس کے بالکل درست اندازہ لگانے پر بے اختیار کھل کر مسکرائی تھیں۔

"اچھا میرا اندازہ ٹھیک تھا خیر واپس جا کر کھا لیجئے گا۔" جب وہ بات کرتا تھا تو یوں لگتا جیسے وہ مسکراتے ہوئے بات کر رہا ہو۔ جنت نے اس کا ایک اور اندازہ لگایا اور ہاتھ میں پکڑی کینڈی جیب میں ڈال لی۔

"خیر کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ ٹھیک ہیں؟ یا نہیں؟ ٹھیک نہیں ہیں نا؟" وہ دو قدم مزید آگے آیا اور ذرا سا جھک کر اس کی آنکھوں میں

جھانکنے لگا۔ اب کی بار اس کی آنکھوں میں ذرا سی فکر مندی جھلکی۔ جنت خاموشی سے اس کی جانب دیکھتی رہی۔ احمر کئی پل اس کی آنکھوں میں جھانکتا رہا پھر کاندھے اچکائے اور سیدھا ہوا۔

"آپ پریشان اور الجھی ہوئی ہیں۔ بتانا پسند نہیں کرتیں میری طرح؟ ہے نا؟ میں بھی کبھی بہت اکیلا محسوس کرتا ہوں اور میرا

ذہن تھکا دینے والی سوچوں سے بری طرح ابل رہا ہوتا ہے اور تب میرا دل چاہتا ہے میں بری طرح چیخوں، چلاؤں یا روؤں۔" وہ کہہ کر پل بھر کو رکا اور آسمان کی جانب نگاہیں کر کے گہری سانس خارج کی۔ فضا میں دھوئے کا مرغولہ بلند ہوا۔

"لیکن ایسا کرنے کے لئے ایسی کوئی جگہ ہی نہیں ملتی۔ جگہ جگہ ہوٹل، ریسٹ روم باتھ روم اور ڈسٹ بن تو مل جاتے ہیں۔ میں سوچتا ہوں

ایک ایسی جگہ بھی ہونی چاہیے۔ رونے چیخنے کے لئے۔۔ "وہ کہہ کر ہنسا۔ جنت یک ٹک اسے دیکھتی رہی۔ اس رنگوں کی الگ سی دنیا کو فقط دیکھنا بھی کسی تھراپی سے کم نہیں تھا۔

"ویسے میں نے ڈھونڈی ہے ایسی جگہ۔۔ جہاں آپ اپنا حلق پھاڑ کر بھی چلائیں کوئی نہیں سنے گا۔ سوائے جنگل کے درختوں کے۔۔ لیکن ایسے ہی کسی جنگل میں داخل مت ہو جائیے گا۔" وہ پھر سے مسکرایا۔ جنت کی آنکھوں میں اس وقت گہری دلچسپی، پسندیدگی، تجسس اور شوق تیرتا صاف دیکھا جاسکتا تھا۔

"لائیں مجھے اپنا نمبر دیں میں آپ کو لوکیشن سنیر کروں گا۔" اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ جنت نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ و بختنا بھی دلچسپ اور جادوئی طاقت کا حامل کیوں نہ ہو۔ سامنے بھی جنت تھی ایسے ہی اپنا فون کسی کو

نہیں پکڑا دیتی تھی۔ اسے لگا احمر اپنا فون اس کی جانب بڑھائے گا لیکن وہ پل کو رکا پھر اپنا فون نکالا لیکن اس کی جانب نہیں بڑھایا۔ کچھ پل اپنا لب دانتوں میں دبا کر اس کی جانب دیکھا۔

"اچھا نمبر رہنے دیں اپنا ای میل دیں۔ ای میل ٹھیک رہے گا؟ ہے نا؟" وہ پھر ذرا سا جھکا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے سوال کیا۔

"Jannette321@gmail.com"

اس نے ای میل بتایا اور دونوں ہاتھ کوٹ کی جیب میں ڈالے۔
 "اب مجھے چلنا چاہیے۔" جنت الوداعی نگاہ اس پر ڈالے مڑنے لگی۔ اس کا رخ اپنے ہوٹل کی جانب تھا۔ احمر غازی کچھ پل کھڑا رہا اور پھر خود بھی مڑا اور اس کے پیچھے چلنے لگا۔ جنت کو چند قدم چلتے ہی احساس ہوا کہ وہ پیچھے آرہا ہے۔

"اب میرا تعاقب مت کرو چھوٹے لڑکے۔۔ جانتے ہو مجھے پیچھے آنے والے لوگ بالکل پسند نہیں۔۔"

"آپ کا تعاقب نہیں کر رہا میں پیاری لڑکی!۔۔ مجھے بھی لڑکیوں کے پیچھے جانا پسند نہیں۔۔ میں کسی لڑکی کے پیچھے نہیں جاتا۔۔ احمر غازی کبھی کسی کے پیچھے نہیں جاتا۔۔ میرا ہوٹل بھی اسی راستے سے آتا ہے۔۔" وہ قدموں میں تیزی لاتا پھر اس کے برابر میں چلنے لگا۔

"اب تو میں پیچھے بھی نہیں آ رہا۔" اس نے کاندھے اچکائے اور آہستگی سے ہنسا۔

جنت نے ذرا سی گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ کچھ تو بات تھی اس چھوٹے سے لڑکے میں۔۔ کسی کا عکس تھا وہ۔۔ حد سے بڑھ کر پیارا۔۔ خود اعتمادی سے بھرپور۔۔ ذہین۔۔ حاضر جواب۔۔ اور اس کی مسکراہٹ۔۔ اس

کی آنکھوں کے تاثرات۔۔ ورنہ یوں پہلی ملاقات میں کسی کو اس حد بے تکلف ہونے کی اجازت تو وہ کبھی نہیں دیتی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہیں؟ کیا میں آپ کو بھی بہت پیارا لگ رہا ہوں؟ ہاہا۔۔ میں سب کو پسند آجاتا ہوں۔ میری ایک گرل فرینڈ ہے۔ وہ کہتی ہے اچھا ہے کہ میں اسکول نہیں جاتا۔ اچھا اس لئے کہ وہاں مجھ کو لے کر واشنگٹن کی لڑکیوں میں جنگ چھڑ جاتی۔۔" وہ چمکتی آنکھوں سے مسکرایا اور شرارتی انداز میں بولا۔ جنت آہستگی سے ہنس دی۔ ہاں بالکل درست سوچ رہی تھی جنت۔۔ عکس ہی تو تھا وہ کسی کا۔ جنت کا ہوٹل آچکا تھا۔ وہ الوداعی نگاہ اس پر ڈالتی دائیں جانب چل دی۔ گو کہ وہ اس دلچسپ ترین لڑکے کے ساتھ مزید وقت گزارنا چاہتی تھی لیکن رات گہری ہو رہی تھی۔

"ہم پھر ملیں گے نا؟" احمر غازی نے بلند آواز میں سوال کیا۔ جنت مڑی اور نرم نگاہ اس پر ڈالی۔ احمر نے ہاتھ ہلایا۔

"میں آپ کو ای میلز کرتا رہوں گا۔ ٹھیک ہے؟ ٹھیک ہے نا؟" وہ ہنوز کھڑا تھا۔ جنت آگے بڑھتی رہی۔ مسکراتی ہوئی۔ تروتازہ سی مسکراہٹ۔ وہ اس سے دوبارہ ضرور ملے گی۔ خود سے کہتے ہوئے۔ خود کو بتاتے ہوئے۔

"اپنا خیال رکھیے گا۔ اس دنیا میں ایسے لوگ بستے ہیں جو آپ کو تکلیف میں نہیں دیکھنا چاہتے۔ میں بھی۔" احمر پھر اونچی آواز میں بولا۔ جنت یک دم رکی اور پلٹ کر اس کی جانب دیکھا اور خوبصورتی سے مسکرا دی۔ احمر نے پھر پرجوشی سے ہاتھ ہلایا۔ اب کی بار جنت نے بھی ہلایا اور پھر آگے بڑھ گئی۔ مسکراہٹ گہری تھی۔ اس کی زندگی کے محدود خاص افراد میں آج ایک فرد کا اضافہ ہوا تھا۔ احمر غازی کا۔



شارجہ کے صحرا میں واقع اس ریزارٹ کے آس پاس کی سیکوریٹی معمول سے بڑھادی گئی تھی۔ سیاہ وردی میں ملبوس جی ایف ایس آر کے کمانڈوز آس پاس جدید اسلحہ لئے چوکس کھڑے تھے۔ ریزارٹ کی چھت پر بنے ہیلی پیڈ پر ہیلی کاپٹر کھڑا تھا۔ اس کا مطلب کہ شیر یہاں پہنچ چکا تھا۔ اوپری منزل پر بنا وسیع کانفرنس روم جی ایف ایس آر کے لوگوں سے پر تھا۔ شارجہ اور امارات میں موجود تمام بڑے عہدے دار یہاں جمع تھے جو یہاں موجود نہیں تھے وہ ویڈیو کالز کے ذریعے شامل کر دیے گئے تھے۔ کچھ دیر بعد میٹنگ کا آغاز کیا جانا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا اس میٹنگ کا مقصد کیا ہے اور ان سے کیسی نقشیش کی جانی ہے۔ وہ صرف اس لیے یہاں موجود تھے کیوں کہ یہ شیر کا حکم تھا۔ جوتوں کی آہٹ پیدا

ہوئی۔ سب کی متفکر نگاہیں کانفرنس روم کے شیشے کی دیواروں کے پار سے چل کر آتے شیر اور گولڈن فاکس پر تھیں۔ شیر کے بائیں جانب ڈینیل تھا۔ ڈینیل کے ساتھ ہی ہیزیل چل رہی تھی۔ فاکس کے برابر میں عمش تھا۔ ان کے اندر داخل ہوتے ہی وہ سب اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"گڈ آفٹرنون!"

"گڈ آفٹرنون ماسٹر!"

"گڈ آفٹرنون بگ باس!"

شیر نے شر کے اشارے سے جواب دیا اور سامنے کی جانب بنے سربراہی ڈیسک کی جانب بڑھ گیا۔ وہ ایک بڑا سا ڈیسک تھا جس کے

اوپری حصے میں دو سربراہی کرسیاں تھیں۔ شیر کی کرسی کے دستے پر شیر بنا ہوا تھا۔ گولڈن کی کرسی کی پشت پر سنہرے رنگ کی لومڑی کھدی ہوئی تھی۔ دوسرے درجے پر دو کرسیاں مزید تھیں۔ ایک کو ہیزیل نے گھیرا تو دوسرے پر عیش براجمان ہوا۔ ڈینیل شیر کے دائیں جانب آکھڑا ہوا۔

"بیٹھ جاؤ ڈینی!" شیر نے گردن گھماتے نرمی سے کہا۔ اس کا مائیک کھلا ہوا تھا۔ دھیمی نرم آواز کانفرنس روم میں گونجی۔ سب کی رکی ہوئی سانسیں بحال ہوئی لیکن وہ نہیں جانتے تھے لہجے کی نرمی اس وقت صرف ڈینیل کے لیے تھی۔

"I am good master"!

ڈینیل ذرا سا جھینپ گیا تھا۔ عیش نے ایک سرد نگاہ اس پر ڈالی تھی دوسری سرد نگاہ ہیزیل کی جانب سے آئی تھی۔ جبکہ گولڈن توقع کے مطابق شیر کی موجودگی میں بالکل پرسکون اور دل جمعی سے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے ہاتھ ٹھوڑھی پر جمائے قدرے نیم دراز سا بیٹھا تھا۔ جیسے یقین ہو شیر اب معاملے کو مکمل طور پر سنبھال لے گا۔ شیر نے ایک طاہرانہ نگاہ اس ماسٹر کانفرنس ہال پر ڈالی اور پھر حد درجہ بڑی اسکرین پر نظر آتے چہروں کو دیکھا۔

"کیسا چل رہا ہے سب؟" اس سے کھنکارتے ہوئے پہلا سوال کیا۔ ایسا سوال جس کا جواب اگر وہ سب سے باری باری سنتا تو شام آٹھہرتی۔

"امید ہے سب خیریت سے ہوں گے۔" خود ہی جواب دیتے سامنے رکھی رپورٹ پڑھنے لگا۔ پڑھنے کی رفتار تیز تھی۔ چند سیکنڈ بعد ہی گردن اٹھا کر ایک مخصوص زاویے پر بیٹھے ادھیڑ عمر عرب شخص کو دیکھا۔

"بن امین!" اس نے نام پکارا۔

"جی ماسٹر!" وہ شخص فوراً اٹھ گیا۔ ٹائی ٹھیک کرتے آس پاس دیکھا۔ چہرے پر گھبراہٹ تھی۔

"ڈیوٹی پر کتنے لوگ تھے؟"

"بیس سے پچیس ماسٹر!" جواب فوراً آیا تھا۔

"میں ان سب سے ملنا چاہوں گا۔" شیر نے اس کی جانب سرسری نگاہ ڈالتے کہا اور ایک دوسری فائل اٹھائی۔

"ابھی!" شیر کا کرخت لہجہ اور سخت نگاہ نے اگلے پل ہی بن امین کی سانسیں روک ڈالیں۔ وہ بوکھلایا اور سر ہلا کر اپنا فون جیب سے نکالتا باہر کی جانب بھاگنے کے انداز میں بڑھا۔

"فلوئیڈ جانسن!" شیر نے نام لیا اگلے پل ہی ایک چالیس کے لگ بھگ عمر کا شخص اپنی جگہ سے اٹھا۔

"تو تمہاری سراغ رساں ایجنسی جی ایف ایس آر کے بینر کو استعمال کرتی ہے؟"

"ایسا ہی ہے ماسٹر!" اس نے ادب سے جواب دیا۔ شیر نے اسے بولنے کا اشارہ کیا۔

"ہماری ٹیم کے چھ ارکان اس علاقے کے آس پاس گئے۔ ان کے مطابق استعمال کیا گیا مواد ٹریس نہیں کیا جاسکا۔ ایسی تباہی مچانے

کے لئے جس قسم کا مواد استعمال کیا جاتا ہے ایسا مواد استعمال کیے بغیر یہ تباہی مچائی گئی ہے۔ "وہ ایک پل کو رکا گہری سانس لی۔

"آس پاس کے ڈیش کیمرز اور سی سی ٹی ویز سے ریکوری نہیں ہوئی صرف ایک ویڈیو ہے جو کسی کیفے کے اندر لگے کیمرے میں ریکارڈ ہوئی ہے۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے کچھ جاننا مشکل ہے۔"

"ویڈیو؟" شیر نے سوالیہ لہجہ اپنایا اور ماسک اتار کر ایک طرف رکھ دیا۔ کچھ نے ذرا ذرا سی گردنیں گھما کر شیر کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی تو کچھ خوف کے باعث یوں ہی دوسری جانب دیکھتے رہے۔ اگلے چند سیکنڈ میں ویڈیو ٹیپ چلنے لگی۔ شیر نے آنکھیں سکیڑ لیں۔

سیاہ لباس پہنا وہ سیاہ رات کا حصہ معلوم ہو رہا تھا لیکن اسے انتہا کی تیزی سے بلڈنگ کے اوپر چڑھتے صاف دیکھا جاسکتا تھا۔ شیر کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر کر معدوم ہوئی۔

"That's nothing" ...

شیر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بند کرنے کا حکم دیا۔
 "لیکن ہم اس سے یہ جان سکتے ہیں کہ وہ جو کوئی بھی تھا بلا کا تیزی اور رفتار کا مالک تھا۔ کوئی ویل ٹرینڈ بندہ۔ مزید یہ کہ وہ کسی کی جان نہیں لینا چاہتا تھا۔ آواز اور لہجہ بھی ٹریس نہیں ہو سکا۔ وہ ویل پلینر تھا۔ وہ کیسے آیا کیسے گیا۔ اس پاس کسی سڑک کنارے، کسی گلی یا بلڈنگ کے قریب لگے کسی کیمرے میں ایک لمحے کے لئے بھی قید نہیں

ہوسکا۔" بولنے والے کا لہجہ اپنی ناچاری کا گواہ تھا۔ جیسے کچھ نہ حاصل کرنے کا افسوس بول رہا ہو۔ شیر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"اس کاروبار سے جڑے کسی شخص یا تاجر سے آپ میں سے کسی کا کوئی جھگڑا یا تنازعہ تھا؟" شیر نے سوال کیا۔ تمام کے سر نفی میں ہلے۔ اس تمام کاروائی میں لیڈی صوفیہ میز پر ہاتھ رکھے شیر کو دیکھتی رہی۔ بہت غور سے۔۔۔ ایک ٹک۔۔۔ سانس لینے کی گستاخی بھی اسے بھاری لگ رہی تھی۔ شیر نے اس پر فقط ایک سرسری نگاہ ڈالی تھی دوبارہ نہیں دیکھا تھا لیکن وہ اسی کو دیکھتی رہی۔

"ایسا کوئی شخص جو حال ہی میں ہماری آرگنائزیشن کا حصہ بنا ہو؟" شیر نے دونوں ہاتھ میز پر رکھے اور انگلیاں آپس میں ایک دوسرے سے جوڑ

لیں۔ عمش کی نگاہ صوفیہ پر گئی۔ صوفیہ نے عمش کی جانب دیکھا سوالیہ انداز تھا جیسے پوچھ رہی ہو۔

عمش نے اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ لیڈی صوفیہ کھنکار کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ شیر نے سرگھما کر ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی۔
"نام؟"

"صوفیہ غزال!" صوفیہ بے اختیار گڑبڑائی تھی۔ اس کی نگاہوں کی سردی تھی یا لہجے کی تپش۔ صوفیہ کا سکون جاتا رہا۔
"کیا بزنس ہے؟" شیر نے اگلا سوال کیا۔
"کاسمیٹکس۔" صوفیہ نے جواب دیا۔ شیر نے ایک ابرو اچکائی۔

"Kind of reality? come on lady! What is your dirty business?"

شیر کے لہجے میں کسی سخت گیر استاد جیسا طنز تھا جو اپنے شاگرد سے اس کی گستاخی کا جواب مانگ رہا ہو۔ صوفیہ کا چہرہ سرخ

پڑا۔ آنکھوں میں بے بسی اور غصہ ایک ساتھ جھلکا۔ طاقت، دولت، حسن جیسے ہتھیار سے لیس ہو کر بھی وہ ایک نادم مجرم کی مانند شیر کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ عمر میں اس سے کم از کم بھی بیس سال چھوٹا تھا۔ لیکن اس وسیع سلطنت میں ہزاروں اس جیسے طاقت ور اور دولت مند لوگ بھی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔

سامنے اونچی کرسی پر کسی بادشاہ جیسا غرور لئے وہ اس جیسے سیکڑوں طاقت ور اور دولت مند لوگوں کے منہ پر پڑنے والا زوردار طمانچہ تھا۔

"ڈرگ ڈیلنگ۔۔ آرگن ڈیلنگ۔۔ پروسٹی۔۔"

"سمجھ گیا میں!" شیر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے چپ کروایا۔ عمش کی محبوبہ ہونے کا درجہ ایک طرف وہ اس درجے پر ہو کر بھی شیر کی نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔

"Denial! I need Her background check as soon as possible!"

شیر نے ڈینیل کو ہدایت دیتے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا لیکن وہ بیٹھنے کے بجائے اپنا پرس لیے باہر کی جانب بڑھنے لگی۔

"Did she asked me before leaving the conference hall?"

شیر نے کرختگی سے ڈینیل کی جانب دیکھا۔ صوفیہ کے قدم منجمد ہوئے وہ ٹھہر سی گئی۔ اس کی ریڈھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی پیدا ہوئی۔ عمش نے اب کے دانت بھینچ کر ایک گہری سانس اندر کھینچی۔ میز پر رکھی

مٹھی کو بھینچتے اس نے دوسرے ہاتھ میں پکڑے قلم پر بھی گرفت سخت کردی۔ ہیزیل کی لطف لیتی نگاہیں صوفیہ سے ہوتیں عمش کے ہاتھوں تک آئی۔

"It's really sad! Poor sofi!"

ہیزیل بڑبڑائی جانے بغیر کہ اس کا مائیک بھی کھلا ہوا ہے۔ اس کی افسوس سے بھرپور آواز کانفرنس روم میں گونج اٹھی۔

"Keep silence" ...

شیر نے اب کے سردمہری سے ہیزیل کی جانب دیکھا۔ ہیزیل کا چہرہ سرخ پڑا۔ آنکھوں میں یک دم غصہ جھلکا اس نے احتجاجی انداز میں گردن گھما کر باپ کی جانب دیکھا لیکن وہ لاپرواہ نظر آیا۔ ہیزیل کا کھولتا

خون مزید کھولنے لگا۔ اس کی مٹھیاں بھیج گئیں۔ جبراً بھیجے وہ میز کی سطح کو گھورنے لگی۔

کمرے میں موت سانسٹا چھایا ہوا تھا۔ گولڈن سب کے اڑے رنگ دیکھتا لطف اندوز ہو رہا تھا۔ یہی وہ خوف تھا جو بیس سال قبل اس کی موجود میں لوگوں کے چہروں پر دکھائی دیتا تھا۔ اس نے فخریہ انداز میں شیر کی جانب دیکھا۔

"May I leave"?

صوفیہ نے بمشکل لہجہ معتدل رکھا تھا۔ وہ کسی کی جانب نہیں دیکھ رہی تھی۔

"No sit down"!

شیر نے آنکھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کا حکم دیا۔

"جب تک میں میٹنگ روم میں موجود ہوں کوئی کہیں نہیں جاتا۔ میری میٹنگ اٹینڈ کرنے کے کچھ اصول ہیں انھیں سیکھے بغیر ہر ایرے غیرے کو میرے ساتھ میٹنگ میں نہ شریک کیا کرو۔" شیر نے ڈینیل کو دیکھتے پھر عیش کی جانب دیکھا۔ صوفیہ کا دل چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ اتنی ذلت کا سامنا اسے اپنی پوری زندگی کبھی نہیں کرنا پڑا تھا۔ یہ وہ پل تھا جب اسے احساس ہوا کہ سامنے بیٹھے شخص سے جب بھی سامنا ہوگا اسے ایسی ہی ذلت اٹھانی پڑے گی۔ میٹنگ کے درمیان شیر مختلف عہدے داروں کی درگت بناتا رہا۔ اس کے سوال سخت ہوا کرتے تھے۔ وہ ان پہلوؤں کو ڈھونڈ لاتا تھا جن کو آسانی سے ڈھونڈنا ممکن نہ تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہاں بیٹھے کسی شخص کا کمپنی کے دھماکے سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن اس کے باوجود اس نے رپورٹ میں

موجود مواد کا سرسری جائزہ لیتے ہی ان کی بڑی بڑی کوتاہیوں کو نکال کر ان کے چہروں پر دے مارا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی۔ شیر کی رپورٹ میٹنگز میں شریک ہونے والے عہدے دار بری طرح خوف زدہ رہتے تھے۔

"ڈیوڈ اینڈریو!" اس نے اپنی پاکٹ وائچ پر نگاہ ڈالتے لسٹ میں موجود آخری نام لیا۔

"جی ماسٹر!" ڈیوڈ اینڈریو نے ادب سے کہا۔ وہ سامنے نظر آتی اسکرین میں آن لائن کال سے کنیکٹ تھا۔

"یہ میری کمپنی ہے مسٹر! تمہارے باپ دادا کی تمہارے لئے وراثت میں چھوڑی گئی جائیداد نہیں جسے تم عورتوں سے متاثر ہوتے ہوئے ایک کونے میں لگا دو۔ تمہیں ڈپارٹمنٹ کی مینجمنٹ دیکھنے کے لئے مینیجر بنایا گیا ہے۔ عورتوں کے دلوں کے مینیج کرنے کے چکر میں نہیں۔" شیر

نے کرخت لہجے میں کہتے ایک سرد نگاہ اس پر ڈالی اور اپنی جگہ سے اٹھنے لگا۔

"میں اس گیلری والے معاملے۔۔"

"Let the damn gallery alone"....

شیر نے اٹھ کر دونوں ہاتھ میز پر ٹکائے اور سرد نگاہ ڈیوڈ پر ڈالی۔
 "اس تین گھنٹے کی میٹنگ میں تم سب کو یہاں روکنے کا مقصد جانتے ہو
 تم لوگ؟" اس نے اب کے اپنے ہاتھ پیٹھ پر باندھ لئے اور سوالیہ انداز
 اپناتے اپنی جگہ سے اتر آیا اب وہ طویل میز کے گرد چکر کاٹ رہا
 تھا۔ سب کی نگاہیں اس کی جانب اٹھی ہوئی تھیں۔ آج اس نے
 Shumukh نہیں لگائی تھی۔ ایک زمینی مٹی سی، ٹھنڈی سی سفید گلابوں
 سے ملتی جلتی خوشبو تھی جو اس کے وجود کے سنگ سنگ پرواز کرتی سب

کی سانسوں میں اتر رہی تھی۔ وہ ماسک نہیں پہنا ہوا تھا۔ صوفیہ کچھ دیر قبل کی ہتک فراموش کیے اسے محویت سے تک رہی تھی۔ جانتے بوجھتے بھی دل میں ایک گہرا تیز دھارا آلہ تھا جو کھبتا جاتا تھا۔

"فرق نہیں پڑتا کتنے وکیل، کتنے سراغ رساں، کتنے مینیجر، کتنے سی ای او، کتنے فائننس افسر میری کمپنیوں کو چلاتے ہیں۔ یہ سارا نظام میرے ذہن سے چلتا ہے۔ وکیلوں کو ٹریڈیجز میں بتاتا ہوں۔ سراغ رساں میری ایما پر نقشیش کرتے ہیں۔ مینیجر، سی ای او، فائننس افسر میرے طریقوں پر حساب چلاتے ہیں یہ سارے معاملات میری نگاہوں سے میرے دماغ سے ہو کر گزرتے ہیں اور میری نظروں سے میرے حافظے سے کوئی بھی چیز ایک بار گزر جائے میں اسے نہیں بھولتا۔ یہاں کون سا شخص کس قدر گندا ہے کس قدر الجھا ہوا ہے کتنا لالچی ہے کتنا ایمان دار ہے یہ

سب جانتا ہوں میں۔۔" اس کی نگاہ اب کے عمش پر آکر ٹھہر گئی تھی۔ عمش کا دل ڈوب کر ابھرا۔ شیر نے طنزیہ مسکراہٹ اس کی جانب اچھالتے دوسری نگاہ ہیزیل پر ڈالی اب کے فاکس نے بے چینی سے پہلو بدلا اور ہیزیل کی جانب دیکھا۔

"میں سب کے گندے راز جانتا ہوں اور یہ بھی کون اپنا کالا دھن اور کالے کرتوتوں کے لئے میری کمپنی کو کس قدر استعمال کر رہا ہے۔" اب کے وہ گولڈن کی طرف مڑا۔ گولڈن کی آنکھوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ مسکرایا ہے۔ جواب میں شیر بھی مسکرا دیا۔ مخصوص معصوم سی مسکراہٹ۔ یہ وہ پل تھا جب صوفیہ کا سانس رک سا گیا۔ اس کا دل بری طرح ڈھرکا۔

"آہ بابر خان! مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا میری اس حرکت کا نتیجہ یہ غیر انسانی لڑکا ہوگا تو شاید میں اسے کبھی تمہارے حوالے نہ کرتی۔" وہ بڑبڑائی اور بے چینی سے پہلو بدلا۔ اس کے چہرے کے تاثرات تیزی سے بدل رہے تھے۔ اور یوں ہی اس کے دل کی حالت غیر تھی۔ اس نے بے اختیار پانی کی بوتل اٹھا کر لبوں سے لگائی اور پوری بوتل ایک سانس میں ختم کر دی۔ کوئی اس کی جانب کوئی متوجہ نہ تھا۔ سوائے عمش کے۔ وہ سب سانس روکے ساکت بیٹھے تھے۔ سب کی دھڑکنیں ساکت تھیں۔ شیر کا لہجہ، اس کا انداز، اس کی نظریں۔ اس کی چال، اس کی آواز کی سختی، بھاری پن اور مضبوطی، اس کی شخصیت میں رعب کا ایک جہاں آباد تھا۔ اگر اس نے کم عمری میں اتنا سب پالیا تھا تو یہ ایک سوال ہر گز

نہیں تھا۔ اس کی شخصیت ایسے سوالوں کے منہ پر طمانچے میں لپٹا ایک واضح جواب تھا۔

"اگر کسی کو ایسی خوش فہمی ہے کہ وہ جو چاہیں گل کھلائیں شیر کے پاس اتنا وقت ہی کہاں ہے کہ وہ ایسی باریکیوں میں تنگ گلیوں میں ہونے والے دھندوں پر نظر رکھے۔" وہ پیٹھ پر ہاتھ رکھے رکھے میز کی دوسری جانب آیا۔

"ایسی خوش فہمیوں کو دل و دماغ سے بے دردی سے نوچ کر جی ایف ایس آر کے احاطے سے باہر پھینک دو کیوں کہ اگر میں جس دن تم لوگوں کے سر پر آیا تو باریک سے باریک مقام اور تنگ سے تنگ گلی میں پنجا ڈال کر تم سب کی سانسیں تنگ کردوں گا۔" اب کے اس کی آواز

میں ایک قہر اتر ا تھا۔ ایسا قہر کہ اسکرین کے پیچھے بیٹھے لوگوں کا رنگ بھی سفید پڑا۔ عمش نے بے اختیار تھوک نگلا۔

"یہاں بیٹھا کوئی شخص کتنا بھی چالاک، مکار، عیار اور کمینہ کیوں نہ ہو۔۔۔ میرے معیار تک نہیں آسکتا۔ میں تم سب کی مکاریاں اور چالاکیاں تم لوگوں کے پیشاب کے ساتھ باہر نکال دوں گا اور تم لوگوں کو احساس تب ہو گا جب تمہاری پتلونیں بھیگ چکی ہوں گی۔۔۔" شیر کے چہرے کے تاثرات سخت تھے۔ آنکھیں ان سب پر تھیں۔ گولڈن فاکس کی آنکھوں میں عجیب سا غرور تیر رہا تھا۔

"آخری اور سب سے اہم بات!" شیر نے شہادت کی انگلی اٹھاتے کہا۔

"کون یہاں چالیس سال سے ہے، کون اپنی گولڈن جوبلی پوری کرنے والا ہے، کون کتنا عرصہ بگ باس کے ساتھ رہا ہے کتنا عرصہ ہیڈ کوارٹر میں

رہا ہے۔۔ اس بات سے مجھے فرق نہیں پڑتا میرے لئے جی ایف ایس آر

میں آیا کل کا ملازم اور پچاس سال پہلے کا ملازم

سب برابر ہیں مجھ سے بیس سال بڑا ہے کوئی۔۔ فرق نہیں پڑتا۔۔ تیس

سال بڑا ہے کوئی۔ فرق نہیں پڑتا۔۔"

وہ ان تمام چہروں کو گھورتے ہوئے کہہ رہا تھا جو ہر معاملے کو اپنے سینئر

ہونے کے زعم میں دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ سب نظریں چراتے

ایک دوسرے کی جانب دیکھ رہے تھے۔

عمش کے اندر کی کڑواہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

میرا واحد مسئلہ میرا کاروبار ہے۔۔ اور میرے کاروبار کا کسی کے تجربے، عمر

اور تعلقات سے کوئی لینا دینا نہیں۔۔ یہاں سب اپنے بل بوتے پر اپنے

آج کی کارگردگی کے ساتھ چلیں گے۔۔ کیوں کہ جب میں نے اس میں

قدم رکھا تھا تو میرے پاس نہ عمر تھی نہ تجربہ۔۔ اور رہا تعلق۔۔۔" وہ ایک پل کو رکا پہلی نگاہ گولڈن پر ڈالی دوسری عمش پر اور تیسری ہیزیل پر۔۔

"تعلقات گہرا ہو، پرانا ہو، خالص ہو، جھوٹا ہو، شیر کے لئے اہمیت نہیں رکھتا۔" شیر نے کہہ کر کوٹ کی جیب میں ہاٹھ ڈالے اور ڈینیل کو اشارہ کیا۔

"Meeting is over...have a Good day!"

سنجیدگی سے کہتا وہ باہر کی جانب بڑھنے لگا۔ اس نے گولڈن کا انتظار نہیں کیا تھا اور ایسا پہلی دفعہ ہوا تھا۔ تین گھنٹے سے قائم سکون یک دم برباد ہوا تھا۔ گولڈن کی آنکھوں میں الجھن، غصہ، اور بے بسی دکھائی دے رہی

تھی۔ شیر نے ساڑھے تین گھنٹے کے دوران آخری کے تین سیکنڈ میں میٹنگ میں شریک واحد پر سکون شخص کا سکون بھی غارت کر ہی دیا تھا۔



حاشائیٹ کے اس وسیع کمرے میں حاشر کے سوا وہ سب موجود تھے۔ طوبیٰ کرسی سے ٹیک لگائے ٹانگیں میز پر رکھے ہوئے تھی۔ حنین اور اریب زمین پر بچھے سرمئی قالین پر بیٹھے تھے۔ سامنے لیپ ٹاپ کھلے پڑے تھے۔ وہ سب اپنے اپنے کاموں میں مگن دکھائی دے رہے تھے۔ حاشائیٹ کے باورچی خانے میں حاشر کاؤنٹر کے پاس کھڑا تھا۔ چولہے پر چائے پک رہی تھی۔ دوسرے چولہے پر فرائی پین تھا جس میں تیل گرم ہو رہا تھا۔ ایک باؤل میں وہ سارے مصالحے ڈالے انڈہ پھینٹ رہا تھا۔ انڈے کا آمیزہ اس نے فرائی پین میں ڈالا اور جھک کر

کیبنٹ میں سے ڈبل روٹی کے پیکٹ نکالے۔ چہرے پر بے نیازی تھی لیکن آنکھیں کسی سوچ کا پتہ دے رہی تھیں جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہو۔ اس نے ایک ہاتھ کاؤنٹر پر رکھا اور دوسرے ہاتھ سے آملیٹ پلٹنے لگا۔ آملیٹ تیار کر کے پلیٹ میں رکھتے اس نے باقی کا آمیزہ فرائی پین میں ڈالا۔

"اریب!" آواز ذرا بلند رکھی تاکہ وہ باآسانی سن سکیں۔ کچھ ہی پل میں اریب نے اندر جھانکا اور اسے ناشتہ تیار کرتے دیکھ حیران ہوا۔

"یار آپ ہاتھ روم میں نہیں تھے؟"

اریب اتنی دیر سے یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ غسل لینے گیا ہے۔

"وہ تو میں لے چکا۔ آؤ یہ اندر لے جاؤ۔ باقی میں لا رہا ہوں۔" حاشر نے اسے اشارہ کیا۔ اریب سر ہلاتا آگے آیا اور پلیٹیں اٹھانے لگا۔

"ویسے ایک بات پوچھوں۔" اریب نے مسکراہٹ دباتے سوال کیا۔

"ہاں پوچھو۔" حاشر نے چائے کی آگ کم کرتے کہا۔

"آپ لوگ اتنی دیر تک کہاں تھے میرا مطلب آپ اور طوبی۔ اور وہاں

کچھ ہوا تھا کیا؟" اریب پوری توجہ حاشر کی جانب کیے پوچھ رہا تھا۔ حاشر

نے بھنوتیں سکڑ کر ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی۔

"کیا کہنا چاہ رہے ہو؟ کہاں ہوں گے ہم؟" حاشر متانت سے پوچھ رہا تھا۔

"دیر لگادی تھی نا۔ اور آپ دونوں کافی آکوردنیں کے ساتھ واپس آئے

تھے۔" اریب نے دانت نکالے۔ حاشر نے اسے گھورا اور پلیٹیں اٹھاتا باہر

کی جانب بڑھا۔ اریب بھی اس کے پیچھے لپکا۔

"بتائیں نا۔ میں سنجیدہ ہوں۔" اریب کے لہجے میں دلچسپی تھی۔

"سدھر جاؤ۔ تمہارا دماغ مجھے جگہ پر نہیں لگ رہا۔"

اس کی بات سن کر اریب نے منہ بنایا اور سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔ حاشر نے بھی سر جھٹکا اور کمرے میں داخل ہوا۔

"آہاں۔۔ ناشتہ۔۔" طوبی فوراً اپنی جگہ چھوڑتی نیچے آکر بیٹھی۔

"کمانڈر بیسٹ ہیں آپ۔۔ بھوک سے پیٹ میں مڑوڑ اٹھ رہے تھے۔" حنین بھی لیپ ٹاپ ایک طرف کرتا قریب آیا۔

"صبح اپارٹمنٹ سے ناشتہ کر کے نکلنے کا کہاں تھا میں نے لیکن جتنی جلدی تم لوگ یہاں آگئے تھے میں سمجھ گیا تھا ناشتہ بنانے کی توفیق نہیں کی ہوگی تینوں میں سے کسی نے۔۔" حاشر نے ڈبل روٹی اٹھاتے انھیں خفگی سے دیکھا۔

"بھئی صاف سیدھی بات ہے کمانڈر۔۔ ناشتہ آپ کے ہاتھ کا نہ ہو تو ناشتہ نہیں لگتا اب!" منان نے آملیٹ تورٹے ہوئے ان سب کی تائید چاہی۔

"ناشتہ بھی نہیں لگتا اور دل پر بھی نہیں لگتا۔۔" اریب نے رغبت سے کھاتے کہا۔ طوبیٰ نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔

ناشتہ عموماً ان کے لئے حاشر ہی بنایا کرتا تھا۔ تبھی وہ اس کے بنائے ناشتہ کی عادی ہو گئے تھے۔ کسی وجہ سے اگر وہ ناشتہ نہ بنا سکے تو وہ لوگ دوپہر تک کچھ نہیں کھاتے تھے۔

"دل پر لگے نہ لگے پیٹ میں لگ رہا ہو اتنا بھی کافی ہے۔۔ ناشتہ نہیں چھوڑا کریں اتنی دفعہ سمجھا چکا ہوں۔۔" حاشر نے تنبیہی انداز میں ان چاروں پر نگاہ ڈالی لیکن وہ چاروں کان لپیٹے ناشتہ کر رہے تھے۔

"آج کون بغیر جیکٹ کے نکلا ہے اپارٹمنٹ سے؟" حاشر نے سوال کیا۔ ان سب نے گردن اٹھا کر ایک دوسرے کو سے دیکھا۔ طوبیٰ نے باری باری حنین، اریب اور منان کو دیکھا۔

"اریب! طوبیٰ نے پر جوشی سے کہا۔

"چپ کرو۔ میں حنین کی جیکٹ پہن کر آیا ہوں حنین ٹی شرٹ میں آیا ہے۔" اریب نے طوبیٰ کو گھورتے کہا۔

"میری جیکٹ تم پہن کر نکلے تو میں کیا کرتا۔" حنین نے کھسیانی ہنسی ہنستے حاشر کی جانب دیکھا۔

"ٹھنڈا موسم ہے میں نے پہلے بھی سمجھایا ہے صحت کو لے کر کوئی لاپرواہی نہیں ہوگی نکلتے ہوئے میری جیکٹ پہن کر جانا۔ موسم ٹھنڈا ہے

آج۔" حاشر نے حنین کی جانب دیکھا۔

"اور آپ؟" طوبیٰ نے براہ راست اس کی جانب دیکھ کر سوال کیا۔
 "میرے کچھ کپڑے یہیں پڑے ہیں ان میں ہوگا کوئی کوٹ سوئیٹر
 وغیرہ۔" حاشر نے اس کی جانب دیکھے بغیر جواب دیا اور اٹھ گیا۔
 "میں چائے نکال رہا ہوں۔ چائے پی کر پھر نکلنا ہے میں یہیں رکوں
 گا۔" اس نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ طوبیٰ کی نرم نگاہوں نے خاموشی
 سے اس کا تعاقب کیا تھا۔



واشنگٹن میں رات گہری ہوتے ہی سردی کی شدت میں انتہا کا اضافہ
 ہو جاتا تھا لیکن آج برف باری بھی نہیں ہو رہی تھی اور ہوا بھی بند تھی
 لیکن فضا میں بلا کی سردی تھی۔ ہوٹل کے باہر کی رونقیں ماند پڑ چکیں
 تھیں۔ فقط اکا دکا اسٹور کھلے تھے۔ ریسٹورنٹ کے آؤٹ دوڑ ایریا بھی خالی

پڑے تھے لیکن بتیاں جل رہی تھیں۔ جنت ایک ہاتھ میں کافی لیے دوسرا ہاتھ لانگ کوٹ کی جیبوں میں ڈالے سڑک پر تنہا چل رہی تھی۔ چہرے پر گہری خاموشی چھائی تھی۔ آنکھوں کی سطح پر سرخ ڈورے نمایاں تھے۔ جیسے وہ جی بھر کر روئی ہو۔ ناک اور گال بھی سرخ ہو رہے تھے۔ بھنوائیں اکھٹی تھیں جیسے اس کا ذہن اس وقت سوا لجنوں میں گھرا ہوا ہو۔

اس نے چند بڑے برانڈز کی طرف سے ماڈلنگ کی پیشکش کو قبول کرتے دستخط کر لیے تھے۔ اگلے چار دن اس کے مسلسل ایگزیشن کی نذر ہونے تھے۔ کل کا ایونٹ حسام کی گیلری میں تھا۔ جبکہ باقی کی تین مختلف تقاریب میں مختلف اداروں کی جانب سے منعقد کی گئی تھیں۔

"ضرور آپ کو آپ کے چاہنے والوں نے دن کے وقت ہوٹل سے باہر نکلنے کا رسک لینے کی اجازت نہیں دی ہوگی۔"

ایک قدرے نرم لیکن گہری آواز پر وہ بری طرح چونکی اور پلٹ کر بولنے والے کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اجنبیت تھی۔ وہ عربی بول رہا تھا۔ وہ خوبصورت چہرے اور دراز قد کا مالک نوجوان لڑکا تھا۔ جس کی آنکھوں میں گہری دلچسپی اور چہرے پر درجنوں تاثرات تھے۔

"آپ کو براہ راست اپنے سامنے دیکھنے کے لیے تین دن سے خوار ہو رہا تھا۔" اس نے ہاتھ کی تین انگلیاں اٹھا کر بتایا۔ جنت نے اس کے ہاتھ دیکھے۔ سرخ ہتھیلیاں اور صاف ستھرے کٹے ہوئے ناخن۔ وہ پھر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ وہ بول رہا تھا۔

"لیکن اب محسوس ہو رہا ہے خواری بے کار نہیں تھی۔ آپ کو دیکھنے کے لئے ایک صدی بھی خوار ہونا پڑے تو۔"

"خوار ہونا بنتا ہے۔" وہ کہہ کر آخر میں مسکرایا۔ جنت کچھ پل یک ٹک

اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ کیا تھا ایسا ان تاثرات میں اس آواز میں

مسکراہٹ میں جو کچھ اپنا سا، کچھ دیکھا سا اور قدرے مانوس سا لگ رہا

تھا۔ جنت بے اختیار کھکھلا کر ہنس دی۔ وہ ہنسنا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن وہ

ہنسی تھی۔ کیوں؟ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ سامنے کھڑا نوجوان اس کے

ہنسنے پر خود بھی ہنسا۔ گردن اٹھا کر۔ انتہا کی خوبصورت ہنسی۔ جنت کے

لبوں پر مسکراہٹ آٹھری۔ وہ نوجوان بولتے ہوئے انتہا کا پیارا لگ رہا تھا۔

"یہ چکنی چپڑی باتیں کرنے کے لئے تمہیں تمہاری عمر کی لڑکی نہیں

ملی؟" جنت نے بھی عربی میں جواب دیتے اس کا اوپر سے نیچے تک جائزہ

لیا۔ وہ کم عمر لڑکا تھا۔ سترہ اٹھارہ کے قریب۔۔ سرخ و سفید رنگت کا خوبصورت نوجوان۔۔ جو سبز جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔ بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ مسکراتے ہوئے محویت سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں کسی قسم کی بے ہودگی نہیں تھی۔ وجود کے گرد بھٹکنے والی نگاہیں جن سے جنت کو کوفت ہوتی تھی۔ اکثر مردوں کی نگاہیں اسی طرح کی ہوتی ہیں۔ اتنی تیزیوں لگتا ہے وجود کے آر پار ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کے وجود میں دھنستی جا رہی ہیں۔ جنت نے ایسی کتنی نظروں کا سامنا کئی بار کیا تھا۔ لیکن آج ایسا نہیں تھا۔ آج مقابل کی آنکھوں میں ایک متاثر کن چمک تھی جیسے وہ اسے دیکھ کر متاثر ہو۔ خوش ہو۔ انتہا کا پر جوش ہو۔ صاف ظاہر تھا کہ ایسا ہی ہے۔

"I Adore You so much miss jannat"

وہ ایک قدم مزید آگے آیا اور دونوں ہاتھ فضا میں پھیلاتے گردن دائیں بائیں ہلاتے بولا۔ اس کے انداز نے پھر جنت کی مسکراہٹ کو گہرائی بخشی۔ وہ اس کے پل پل بدلتے تاثرات کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ بہت حسین ہیں۔ اور مجھے حسین لوگ اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ میں خود کو روک نہیں پاتا۔ ان سے بات کرنے سے ان سے ملنے سے۔۔۔ اور۔۔۔" وہ ایک پل کو ٹھہرا۔ اپنی خوبصورت سبز آنکھیں فضا میں الجھے لیکن پرجوش انداز میں گھمائی۔

"Umm...How should I say... I mean..I mean.. It's like a passion or something.. Can you understand"?

اس نے اب کے ذرا سا جھک کر سوالیہ انداز اپنایا۔ جنت نے سمجھتے ہوئے گردن اثبات میں ہلائی۔ نگاہیں اس جادوئی طاقت اپنے گرد لیے خوبصورتی

سے بولتے اس خوبصورت نوجوان پر ٹکیں تھیں۔ ایسے کردار جگہ جگہ دیکھنے کو نہیں ملتے تھے۔ خوبصورت لوگ ہر جگہ پائے جاتے تھے۔ پرکشش انداز ہزاروں لوگوں کے ہوا کرتے تھے۔ لیکن ایسے لوگ باآسانی نہیں مل جاتے تھے۔ جو اپنی ایک ایک جنبش سے مقابل کو تروتازہ کریں جن کی مسکراہٹ، آنکھوں کی چمک، جن کا انداز پل پل مسکرانے پر مجبور کر دے۔ وہ ایسا ہی تھا۔ مثبت شعاعیں میٹھی سی طاقت اپنے ارد گرد سمیٹے۔

اسے الفاظ کو ترتیب دینے میں بلا کی تگ و دو کرنے کی کوشش کرنی پڑ رہی تھی۔ اس کا عربی لہجہ مختلف تھا۔ وہ عرب تھا لیکن شاید اپنی زبان زیادہ نہیں بولتا تھا اس لئے اس کے پاس عربی کے ذخیرہ الفاظ کی قلت

تھی۔ لیکن انگریزی وہ صفائی سے تیزی سے بول رہا تھا وہ الگ بات تھی کہ عربی زبان وہ زیادہ خوبصورتی سے بولتا تھا۔

"تو یوں مجھ سے ملنے کی بس ایک یہی وجہ تھی؟" جنت نے کافی کا خالی کپ قریبی کوڑے دان کی جانب اچھالا اور دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے۔ وہ سیدھا کوڑے دان میں جا کر گرا۔ اس نے گردن گھما کر اس کے نشانے پر وہ ستائشی انداز میں ابرو اچکائی پھر مسکرایا۔

"خیر میرا نام احمر بن انفال غازی ہے۔ آپ مجھے غازی احمر کہہ سکتی ہیں۔ اور آپ کا نام میں جانتا ہوں جنت۔۔۔ مس جنت۔۔۔" اس نے ہاتھ ملانے کے ہاتھ نہیں بڑھایا بلکہ دونوں ہاتھ پیٹھ پر باندھ کر ذرا سا جھک گیا۔ جیسے تعظیم پیش کر رہا ہو۔ جنت کچھ نہ بولی فقط مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

"خیر اتنی رات کو آپ اتنی ٹھنڈ میں واشنگٹن کی سڑک پر کیا کر رہی ہیں؟" احمر نے کہتے ہوئے نگاہیں آسمان کی جانب پھر آس پاس گھمائیں۔

"یوں ہی بس چہل قدمی۔" جنت نے مختصر جواب دیا۔ وہ ایک پل کے لئے بھی اس پر سے نگاہیں نہیں ہٹا سکی تھی۔

"مجھے آپ پریشان لگی تھیں۔ کیا آپ پریشان تھیں؟" احمر نے جیکٹ کی جیب سے ایک چاکلیٹ کینڈی نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔

"جی ایسا ہی ہے آپ پریشان تھیں۔" خود ہی جواب دیا۔ مسکراہٹ گہری ہوئی۔ ہاتھ ہنوز بڑھا ہوا تھا۔ جنت نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھا اور پھر اس کی جانب دیکھا۔ وہ اپنی چمکتی اور جادوئی آنکھیں لیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ جنت نے چاکلیٹ کینڈی پکڑ لی۔

"اسے کھا لیجئے! آپ اچھا محسوس کریں گی۔ یہ میرے لئے بہت خاص ہے۔۔ بہت خاص انسان نے دی تھی۔ میرا دل نہیں چاہ رہا تھا اسے کھانے کا۔ ایکسپائر نہیں ہے۔ ڈریں مت۔ کھالیں اسے۔۔ خیر میں آپ کو یہ نہیں بتاؤں گا کہ وہ خاص انسان کون تھا۔۔" وہ کہہ کر ہنسا پھر رک کر اس کا ہاتھ دیکھا۔

"آپ کھا نہیں رہیں؟ اوہ۔ کہیں آپ کو مجھ پر شک تو نہیں؟ کہ میں آپ کو کوئی نشہ آور شے کھلا کر کوئی واردات کرنے لگا ہوں۔" وہ خود ہی سوال کرتا تھا اور جواب کا انتظار کیے بغیر ہی جواب خود دے کر ایک مسکراہٹ ظاہر کرتا اور پھر لب بھینچ لیتا۔ کس قدر پیارا لڑکا تھا۔ جنت اس کے ہر انداز پر ایسا سوچنے پر مجبور سی ہو جاتی۔ جنت بھی اس کے بالکل درست اندازہ لگانے پر بے اختیار کھل کر مسکرائی تھیں۔

"اچھا میرا اندازہ ٹھیک تھا خیر واپس جا کر کھالیجئے گا۔" جب وہ بات کرتا تھا تو یوں لگتا جیسے وہ مسکراتے ہوئے بات کر رہا ہو۔ جنت نے اس کا ایک اور اندازہ لگایا اور ہاتھ میں پکڑی کینڈی جیب میں ڈال لی۔

"خیر کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ ٹھیک ہیں؟ یا نہیں؟ ٹھیک نہیں ہیں نا؟" وہ دو قدم مزید آگے آیا اور ذرا سا جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ اب کی بار اس کی آنکھوں میں ذرا سی فکر مندی جھلکی۔ جنت خاموشی سے اس کی جانب دیکھتی رہی۔ احمر کئی پل اس کی آنکھوں میں جھانکتا رہا پھر کاندھے اچکائے اور سیدھا ہوا۔

"آپ پریشان اور الجھی ہوئی ہیں۔ بتانا پسند نہیں کرتیں میری طرح؟ ہے نا؟ میں بھی کبھی کبھی بہت اکیلا محسوس کرتا ہوں اور میرا ذہن تھکا

دینے والی سوچوں سے بری طرح اہل رہا ہوتا ہے اور تب میرا دل چاہتا ہے میں بری طرح چیخوں، چلاؤں یا روؤں۔۔" وہ کہہ

کر پل بھر کو رکا اور آسمان کی جانب نگاہیں کر کے گہری سانس خارج کی۔ فضا میں دھوئے کا مرغولہ بلند ہوا۔

"لیکن ایسا کرنے کے لئے ایسی کوئی جگہ ہی نہیں ملتی۔۔ جگہ جگہ ہوٹل، ریست روم ہاتھ روم اور ڈسٹ بن تو مل جاتے ہیں۔۔ میں سوچتا ہوں ایک ایسی جگہ بھی ہونی چاہیے۔۔ رونے چیخنے کے لئے۔۔" وہ کہہ کر ہنسا۔ جنت یک ٹک اسے دیکھتی رہی۔ اس رنگوں کی الگ سی دنیا کو فقط دیکھنا بھی کسی تھراپی سے کم نہیں تھا۔

"ویسے میں نے ڈھونڈی ہے ایسی جگہ۔۔ جہاں آپ اپنا حلق پھاڑ کر بھی چلائیں کوئی نہیں سنے گا۔۔ سوائے جنگل کے درختوں کے۔۔ لیکن ایسے

ہی کسی جنگل میں داخل مت ہو جائیے گا۔" وہ پھر سے مسکرایا۔ جنت کی آنکھوں میں اس وقت گہری دلچسپی، پسندیدگی، تجسس اور شوق تیرتا صاف دیکھا جاسکتا تھا۔

"لائیں مجھے اپنا نمبر دیں میں آپ کو لوکیشن شیئر کروں گا۔" اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ جنت نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ وحتنا بھی دلچسپ اور جادوئی طاقت کا حامل کیوں نہ ہو۔ سامنے بھی جنت تھی ایسے ہی اپنا فون کسی کو نہیں پکڑا دیتی تھی۔ اسے لگا احمر اپنا فون اس کی جانب بڑھائے گا لیکن وہ پل کو رکا پھر اپنا فون نکالا لیکن اس کی جانب نہیں بڑھایا۔ کچھ پل اپنا لب دانتوں میں دبا کر اس کی جانب دیکھا۔

"اچھا نمبر رہنے دیں اپنا ای میل دیں۔ ای میل ٹھیک رہے گا؟ ہے نا؟" وہ پھر ذرا سا جھکا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے سوال کیا۔

"Jannette321@gmail.com"

اس نے ای میل بتایا اور دونوں ہاتھ کوٹ کی جیب میں ڈالے۔

"اب مجھے چلنا چاہیے۔۔" جنت الوداعی نگاہ اس پر ڈالے مڑنے لگی۔ اس کا رخ اپنے ہوٹل کی جانب تھا۔ احمر غازی کچھ پل کھڑا رہا اور پھر خود بھی مڑا اور اس کے پیچھے چلنے لگا۔ جنت کو چند قدم چلتے ہی احساس ہوا کہ وہ پیچھے آرہا ہے۔

"اب میرا تعاقب مت کرو چھوٹے لڑکے۔۔ جانتے ہو مجھے پیچھے آنے والے لوگ بالکل پسند نہیں۔۔"

"آپ کا تعاقب نہیں کر رہا میں پیاری لڑکی!۔۔ مجھے بھی لڑکیوں کے پیچھے جانا پسند نہیں۔۔ میں کسی لڑکی کے پیچھے نہیں جاتا۔۔ احمر غازی کبھی کسی

کے پیچھے نہیں جاتا۔ میرا ہوٹل بھی اسی راستے سے آتا ہے۔۔" وہ قدموں میں تیزی لاتا پھر اس کے برابر میں چلنے لگا۔
 "اب تو میں پیچھے بھی نہیں آ رہا۔" اس نے کاندھے اچکائے اور آہستگی سے ہنسا۔

جنت نے ذرا سی گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ کچھ تو بات تھی اس چھوٹے سے لڑکے میں۔۔ کسی کا عکس تھا وہ۔۔ حد سے بڑھ کر پیارا۔۔ خود اعتمادی سے بھرپور۔۔ ذہین۔۔ حاضر جواب۔۔ اور اس کی مسکراہٹ۔۔ اس کی آنکھوں کے تاثرات۔۔ ورنہ یوں پہلی ملاقات میں کسی کو اس حد بے تکلف ہونے کی اجازت تو وہ کبھی نہیں دیتی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہیں؟ کیا میں آپ کو بھی بہت پیارا لگ رہا ہوں؟
 ہا ہا ہا۔۔ میں سب کو پسند آ جاتا ہوں۔ میری ایک گرل فرینڈ ہے۔ وہ

کہتی ہے اچھا ہے کہ میں اسکول نہیں جاتا۔ اچھا اس لئے کہ وہاں مجھ کو لے کر واشنگٹن کی لڑکیوں میں جنگ چھڑ جاتی۔۔۔ "وہ چمکتی آنکھوں سے مسکرایا اور شرارتی انداز میں بولا۔ جنت آہستگی سے ہنس دی۔ ہاں بالکل درست سوچ رہی تھی جنت۔۔۔ عکس ہی تو تھا وہ کسی کا۔ جنت کا ہوٹل آچکا تھا۔ وہ الوداعی نگاہ اس پر ڈالتی دائیں جانب چل دی۔ گو کہ وہ اس دلچسپ ترین لڑکے کے ساتھ مزید وقت گزارنا چاہتی تھی لیکن رات گہری ہو رہی تھی۔

"ہم پھر ملیں گے نا؟" احمر غازی نے بلند آواز میں سوال کیا۔ جنت مڑی اور نرم نگاہ اس پر ڈالی۔ احمر نے ہاتھ ہلایا۔

"میں آپ کو ای میلز کرتا رہوں گا۔ ٹھیک ہے؟ ٹھیک ہے نا؟" وہ ہنوز کھڑا تھا۔ جنت آگے بڑھتی رہی۔ مسکراتی ہوئی۔ تروتازہ سی مسکراہٹ۔ وہ اس سے دوبارہ ضرور ملے گی۔ خود سے کہتے ہوئے۔ خود کو بتاتے ہوئے۔

"اپنا خیال رکھیے گا۔ اس دنیا میں ایسے لوگ بستے ہیں جو آپ کو تکلیف میں نہیں دیکھنا چاہتے۔ میں بھی۔" احمر پھر اونچی آواز میں بولا۔ جنت یک دم رکی اور پلٹ کر اس کی جانب دیکھا اور خوبصورتی سے مسکرا دی۔ احمر نے پھر پرجوشی سے ہاتھ ہلایا۔ اب کی بار جنت نے بھی ہلایا اور پھر آگے بڑھ گئی۔ مسکراہٹ گہری تھی۔ اس کی زندگی کے محدود خاص افراد میں آج ایک فرد کا اضافہ ہوا تھا۔ احمر غازی کا۔



شارجہ کے صحرا میں واقع اس ریزارٹ کے آس پاس کی سیکوریٹی معمول سے بڑھادی گئی تھی۔ سیاہ وردی میں ملبوس جی ایف ایس آر کے کمانڈوز آس پاس جدید اسلحہ لئے چوکس کھڑے تھے۔ ریزارٹ کی چھت پر بنے ہیلی پیڈ پر ہیلی کاپٹر کھڑا تھا۔ اس کا مطلب کہ شیر یہاں پہنچ چکا تھا۔ اوپری منزل پر بنا وسیع کانفرنس روم جی ایف ایس آر کے لوگوں سے پر تھا۔ شارجہ اور امارات میں موجود تمام بڑے عہدے دار یہاں جمع تھے جو یہاں موجود نہیں تھے وہ ویڈیو کالز کے ذریعے شامل کر دیے گئے تھے۔ کچھ دیر بعد میٹنگ کا آغاز کیا جانا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا اس میٹنگ کا مقصد کیا ہے اور ان سے کیسی تقشیش کی جانی ہے۔ وہ صرف اس لیے یہاں موجود تھے کیوں کہ یہ شیر کا حکم تھا۔ جوتوں کی آہٹ پیدا ہوئی۔ سب کی متفکر نگاہیں کانفرنس روم کے شیشے کی دیواروں کے پار

سے چل کر آتے شیر اور گولڈن فاکس پر تھیں۔ شیر کے بائیں جانب ڈینیل تھا۔ ڈینیل کے ساتھ ہی ہیزیل چل رہی تھی۔ فاکس کے برابر میں عمش تھا۔ ان کے اندر داخل ہوتے ہی وہ سب اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"گڈ آفٹرنون!"

"گڈ آفٹرنون ماسٹر!"

"گڈ آفٹرنون بگ باس!"

شیر نے شر کے اشارے سے جواب دیا اور سامنے کی جانب بنے سربراہی ڈیسک کی جانب بڑھ گیا۔ وہ ایک بڑا سا ڈیسک تھا جس کے اوپری حصے میں دو سربراہی کرسیاں تھیں۔ شیر کی کرسی کے دستے پر شیر بنا ہوا تھا۔ گولڈن کی کرسی کی پشت پر سنہرے رنگ کی لومڑی کھدی ہوئی

تھی۔ دوسرے درجے پر دو کرسیاں مزید تھیں۔ ایک کو ہیزیل نے گھیرا تو دوسرے پر عمش براجمان ہوا۔ ڈینیل شیر کے دائیں جانب آکھڑا ہوا۔ "بیٹھ جاؤ ڈینی!" شیر نے گردن گھماتے نرمی سے کہا۔ اس کا مائیک کھلا ہوا تھا۔ دھیمی نرم آواز کانفرنس روم میں گونجی۔ سب کی رکی ہوئی سانسیں بحال ہوئی لیکن وہ نہیں جانتے تھے لہجے کی نرمی اس وقت صرف ڈینیل کے لیے تھی۔

"I am good master!"

ڈینیل ذرا سا جھینپ گیا تھا۔ عمش نے ایک سرد نگاہ اس پر ڈالی تھی دوسری سرد نگاہ ہیزیل کی جانب سے آئی تھی۔ جبکہ گولڈن توقع کے مطابق شیر کی موجودگی میں بالکل پرسکون اور دل جمعی سے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے ہاتھ ٹھوڑھی پر جمائے قدرے نیم دراز سا بیٹھا

تھا۔ جیسے یقین ہو شیر اب معاملے کو مکمل طور پر سنبھال لے گا۔ شیر نے ایک طاہرانہ نگاہ اس ماسٹر کانفرنس ہال پر ڈالی اور پھر حد درجہ بڑی اسکرین پر نظر آتے چہروں کو دیکھا۔

"کیسا چل رہا ہے سب؟" اس سے کھنکارتے ہوئے پہلا سوال کیا۔ ایسا سوال جس کا جواب اگر وہ سب سے باری باری سنتا تو شام آٹھہرتی۔

"امید ہے سب خیریت سے ہوں گے۔" خود ہی جواب دیتے سامنے رکھی رپورٹ پڑھنے لگا۔ پڑھنے کی رفتار تیز تھی۔ چند سیکنڈ بعد ہی گردن اٹھا کر ایک مخصوص زاویے پر بیٹھے ادھیڑ عمر عرب شخص کو دیکھا۔ "بن امین!" اس نے نام پکارا۔

"جی ماسٹر!" وہ شخص فوراً اٹھ گیا۔ ٹائی ٹھیک کرتے آس پاس دیکھا۔ چہرے پر گھبراہٹ تھی۔

"ڈیوٹی پر کتنے لوگ تھے؟"

"بیس سے پچیس ماسٹر!" جواب فوراً آیا تھا۔

"میں ان سب سے ملنا چاہوں گا۔" شیر نے اس کی جانب سرسری نگاہ

ڈالتے کہا اور ایک دوسری فائل اٹھائی۔

"ابھی!" شیر کا کرخت لہجہ اور سخت نگاہ نے اگلے پل ہی بن امین کی

سانسیں روک ڈالیں۔ وہ بوکھلایا اور سر ہلا کر اپنا فون جیب سے نکالتا باہر

کی جانب بھاگنے کے انداز میں بڑھا۔

"فلوئیڈ جانسن!" شیر نے نام لیا اگلے پل ہی ایک چالیس کے لگ بھگ

عمر کا شخص اپنی جگہ سے اٹھا۔

"تو تمہاری سراغ رساں ایجنسی جی ایف ایس آر کے بینر کو استعمال کرتی

ہے؟"

"ایسا ہی ہے ماسٹر!" اس نے ادب سے جواب دیا۔ شیر نے اسے بولنے کا اشارہ کیا۔

"ہماری ٹیم کے چھ ارکان اس علاقے کے آس پاس گئے۔ ان کے مطابق استعمال کیا گیا مواد ٹریس نہیں کیا جاسکا۔ ایسی تباہی مچانے کے لئے جس قسم کا مواد استعمال کیا جاتا ہے ایسا مواد استعمال کیے بغیر یہ تباہی مچائی گئی ہے۔" وہ ایک پل کو رکا گہری سانس لی۔

"آس پاس کے ڈیش کیمرز اور سی سی ٹی ویز سے ریکوری نہیں ہوئی صرف ایک ویڈیو ہے جو کسی کیفے کے اندر لگے کیمرے میں ریکارڈ ہوئی ہے۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے کچھ جاننا مشکل ہے۔"

"ویڈیو؟" شیر نے سوالیہ لہجہ اپنایا اور ماسک اتار کر ایک طرف رکھ دیا۔ کچھ نے ذرا ذرا سی گردنیں گھما کر شیر کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی تو

کچھ خوف کے باعث یوں ہی دوسری جانب دیکھتے رہے۔ اگلے چند سیکنڈ میں ویڈیو ٹیپ چلنے لگی۔ شیر نے آنکھیں سکیڑ لیں۔

سیاہ لباس پہنا وہ سیاہ رات کا حصہ معلوم ہو رہا تھا لیکن اسے انتہا کی تیزی سے بلڈنگ کے اوپر چڑھتے صاف دیکھا جاسکتا تھا۔ شیر کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر کر معدوم ہوئی۔

"That's nothing" ...

شیر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بند کرنے کا حکم دیا۔
 "لیکن ہم اس سے یہ جان سکتے ہیں کہ وہ جو کوئی بھی تھا بلا کا تیزی اور رفتار کا مالک تھا۔ کوئی ویل ٹرینڈ بندہ۔ مزید یہ کہ وہ کسی کی جان نہیں لینا چاہتا تھا۔ آواز اور لہجہ بھی ٹریس نہیں ہوسکا۔ وہ ویل پلینر تھا۔ وہ کیسے آیا کیسے گیا۔ اس پاس کسی سڑک کنارے، کسی گلی یا بلڈنگ کے

قریب لگے کسی کیمرے میں ایک لمحے کے لئے بھی قید نہیں ہو سکا۔ "بولنے والے کا لہجہ اپنی ناچاری کا گواہ تھا۔ جیسے کچھ نہ حاصل کرنے کا افسوس بول رہا ہو۔ شیر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"اس کاروبار سے جڑے کسی شخص یا تاجر سے آپ میں سے کسی کا کوئی جھگڑا یا تنازعہ تھا؟" شیر نے سوال کیا۔ تمام کے سر نفی میں ہلے۔ اس تمام کاروائی میں لیڈی صوفیہ میز پر ہاتھ رکھے شیر کو دیکھتی رہی۔ بہت غور سے۔۔۔ ایک ٹک۔۔۔ سانس لینے کی گستاخی بھی اسے بھاری لگ رہی تھی۔ شیر نے اس پر فقط ایک سرسری نگاہ ڈالی تھی دوبارہ نہیں دیکھا تھا لیکن وہ اسی کو دیکھتی رہی۔

"ایسا کوئی شخص جو حال ہی میں ہماری آرگنائزیشن کا حصہ بنا ہو؟" شیر نے دونوں ہاتھ میز پر رکھے اور انگلیاں آپس میں ایک دوسرے سے جوڑ

لیں۔ عمش کی نگاہ صوفیہ پر گئی۔ صوفیہ نے عمش کی جانب دیکھا سوالیہ انداز تھا جیسے پوچھ رہی ہو۔

عمش نے اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ لیڈی صوفیہ کھنکار کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ شیر نے سرگھما کر ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی۔
"نام؟"

"صوفیہ غزال!" صوفیہ بے اختیار گڑبڑائی تھی۔ اس کی نگاہوں کی سردی تھی یا لہجے کی تپش۔ صوفیہ کا سکون جاتا رہا۔
"کیا بزنس ہے؟" شیر نے اگلا سوال کیا۔
"کاسمیٹکس۔" صوفیہ نے جواب دیا۔ شیر نے ایک ابرو اچکائی۔

"Kind of reality? come on lady! What is your dirty business?"

شیر کے لہجے میں کسی سخت گیر استاد جیسا طنز تھا جو اپنے شاگرد سے اس کی گستاخی کا جواب مانگ رہا ہو۔ صوفیہ کا چہرہ سرخ پڑا۔ آنکھوں میں بے بسی اور غصہ ایک ساتھ جھلکا۔ طاقت، دولت، حسن جیسے ہتھیار سے لیس ہو کر بھی وہ ایک نادم مجرم کی مانند شیر کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ عمر میں اس سے کم از کم بھی بیس سال چھوٹا تھا۔ لیکن اس وسیع سلطنت میں ہزاروں اس جیسے طاقت ور اور دولت مند لوگ بھی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔

سامنے اونچی کرسی پر کسی بادشاہ جیسا غرور لئے وہ اس جیسے سیکڑوں طاقت ور اور دولت مند لوگوں کے منہ پر پڑنے والا زوردار طمانچہ تھا۔

"ڈرگ ڈیلنگ۔۔ آرگن ڈیلنگ۔۔ پروسٹی۔۔"

"سمجھ گیا میں!" شیر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے چپ کروایا۔ عمش کی محبوبہ ہونے کا درجہ ایک طرف وہ اس درجے پر ہو کر بھی شیر کی نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔

"Denial! I need Her background check as soon as possible!"

شیر نے ڈینیل کو ہدایت دیتے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا لیکن وہ بیٹھنے کے بجائے اپنا پرس لیے باہر کی جانب بڑھنے لگی۔

"Did she asked me before leaving the conference hall?"

شیر نے کرختگی سے ڈینیل کی جانب دیکھا۔ صوفیہ کے قدم منجمد ہوئے وہ ٹھہر سی گئی۔ اس کی ریڈھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی پیدا ہوئی۔ عمش نے اب کے دانت بھینچ کر ایک گہری سانس اندر کھینچی۔ میز پر رکھی

مٹھی کو بھینچتے اس نے دوسرے ہاتھ میں پکڑے قلم پر بھی گرفت سخت کر دی۔ ہیزیل کی لطف لیتی نگاہیں صوفیہ سے ہوتیں عمش کے ہاتھوں تک آئی۔

"It's really sad! Poor sofi!"

ہیزیل بڑبڑائی جانے بغیر کہ اس کا مائیک بھی کھلا ہوا ہے۔ اس کی افسوس سے بھرپور آواز کانفرنس روم میں گونج اٹھی۔

"Keep silence" ...

شیر نے اب کے سردمہری سے ہیزیل کی جانب دیکھا۔ ہیزیل کا چہرہ سرخ پڑا۔ آنکھوں میں یک دم غصہ جھلکا اس نے احتجاجی انداز میں گردن گھما کر باپ کی جانب دیکھا لیکن وہ لاپرواہ نظر آیا۔ ہیزیل کا کھولتا

خون مزید کھولنے لگا۔ اس کی مٹھیاں بھیج گئیں۔ جبراً بھیجے وہ میز کی سطح کو گھورنے لگی۔

کمرے میں موت سانسٹا چھایا ہوا تھا۔ گولڈن سب کے اڑے رنگ دیکھتا لطف اندوز ہو رہا تھا۔ یہی وہ خوف تھا جو بیس سال قبل اس کی موجود میں لوگوں کے چہروں پر دکھائی دیتا تھا۔ اس نے فخریہ انداز میں شیر کی جانب دیکھا۔

"May I leave"?

صوفیہ نے بمشکل لہجہ معتدل رکھا تھا۔ وہ کسی کی جانب نہیں دیکھ رہی تھی۔

"No sit down"!

شیر نے آنکھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کا حکم دیا۔

"جب تک میں میٹنگ روم میں موجود ہوں کوئی کہیں نہیں جاتا۔ میری میٹنگ اٹینڈ کرنے کے کچھ اصول ہیں انھیں سیکھے بغیر ہر ایرے غیرے کو میرے ساتھ میٹنگ میں نہ شریک کیا کرو۔" شیر نے ڈینیل کو دیکھتے پھر عیش کی جانب دیکھا۔ صوفیہ کا دل چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ اتنی ذلت کا سامنا اسے اپنی پوری زندگی کبھی نہیں کرنا پڑا تھا۔ یہ وہ پل تھا جب اسے احساس ہوا کہ سامنے بیٹھے شخص سے جب بھی سامنا ہوگا اسے ایسی ہی ذلت اٹھانی پڑے گی۔ میٹنگ کے درمیان شیر مختلف عہدے داروں کی درگت بناتا رہا۔ اس کے سوال سخت ہوا کرتے تھے۔ وہ ان پہلوؤں کو ڈھونڈ لاتا تھا جن کو آسانی سے ڈھونڈنا ممکن نہ تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہاں بیٹھے کسی شخص کا کمپنی کے دھماکے سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن اس کے باوجود اس نے رپورٹ میں

موجود مواد کا سرسری جائزہ لیتے ہی ان کی بڑی بڑی کوتاہیوں کو نکال کر ان کے چہروں پر دے مارا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی۔ شیر کی رپورٹ میٹنگز میں شریک ہونے والے عہدے دار بری طرح خوف زدہ رہتے تھے۔

"ڈیوڈ اینڈریو!" اس نے اپنی پاکٹ وچ پر نگاہ ڈالتے لسٹ میں موجود آخری نام لیا۔

"جی ماسٹر!" ڈیوڈ اینڈریو نے ادب سے کہا۔ وہ سامنے نظر آتی اسکرین میں آن لائن کال سے کنیکٹ تھا۔

"یہ میری کمپنی ہے مسٹر! تمہارے باپ دادا کی تمہارے لئے وراثت میں چھوڑی گئی جائیداد نہیں جسے تم عورتوں سے متاثر ہوتے ہوئے ایک کونے میں لگا دو۔ تمہیں ڈپارٹمنٹ کی مینجمنٹ دیکھنے کے لئے مینیجر بنایا گیا ہے۔ عورتوں کے دلوں کے مینیج کرنے کے چکر میں نہیں۔" شیر

نے کرخت لہجے میں کہتے ایک سرد نگاہ اس پر ڈالی اور اپنی جگہ سے اٹھنے لگا۔

"میں اس گیلری والے معاملے۔۔"

"Let the damn gallery alone"....

شیر نے اٹھ کر دونوں ہاتھ میز پر ٹکائے اور سرد نگاہ ڈیوڈ پر ڈالی۔
 "اس تین گھنٹے کی میٹنگ میں تم سب کو یہاں روکنے کا مقصد جانتے ہو
 تم لوگ؟" اس نے اب کے اپنے ہاتھ پیٹھ پر باندھ لئے اور سوالیہ انداز
 اپناتے اپنی جگہ سے اتر آیا اب وہ طویل میز کے گرد چکر کاٹ رہا
 تھا۔ سب کی نگاہیں اس کی جانب اٹھی ہوئی تھیں۔ آج اس نے
 Shumukh نہیں لگائی تھی۔ ایک زمینی مٹی سی، ٹھنڈی سی سفید گلابوں
 سے ملتی جلتی خوشبو تھی جو اس کے وجود کے سنگ سنگ پرواز کرتی سب

کی سانسوں میں اتر رہی تھی۔ وہ ماسک نہیں پہنا ہوا تھا۔ صوفیہ کچھ دیر قبل کی ہتک فراموش کیے اسے محویت سے تک رہی تھی۔ جانتے بوجھتے بھی دل میں ایک گہرا تیز دھارا آلہ تھا جو کھبتا جاتا تھا۔

"فرق نہیں پڑتا کتنے وکیل، کتنے سراغ رساں، کتنے مینیجر، کتنے سی ای او، کتنے فائننس افسر میری کمپنیوں کو چلاتے ہیں۔ یہ سارا نظام میرے ذہن سے چلتا ہے۔ وکیلوں کو ٹریڈیجز میں بتاتا ہوں۔ سراغ رساں میری ایما پر نقشیش کرتے ہیں۔ مینیجر، سی ای او، فائننس افسر میرے طریقوں پر حساب چلاتے ہیں یہ سارے معاملات میری نگاہوں سے میرے دماغ سے ہو کر گزرتے ہیں اور میری نظروں سے میرے حافظے سے کوئی بھی چیز ایک بار گزر جائے میں اسے نہیں بھولتا۔ یہاں کون سا شخص کس قدر گندا ہے کس قدر الجھا ہوا ہے کتنا لالچی ہے کتنا ایمان دار ہے یہ

سب جانتا ہوں میں۔۔" اس کی نگاہ اب کے عمش پر آکر ٹھہر گئی تھی۔ عمش کا دل ڈوب کر ابھرا۔ شیر نے طنزیہ مسکراہٹ اس کی جانب اچھالتے دوسری نگاہ ہیزیل پر ڈالی اب کے فاکس نے بے چینی سے پہلو بدلا اور ہیزیل کی جانب دیکھا۔

"میں سب کے گندے راز جانتا ہوں اور یہ بھی کون اپنا کالا دھن اور کالے کرتوتوں کے لئے میری کمپنی کو کس قدر استعمال کر رہا ہے۔" اب کے وہ گولڈن کی طرف مڑا۔ گولڈن کی آنکھوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ مسکرایا ہے۔ جواب میں شیر بھی مسکرا دیا۔ مخصوص معصوم سی مسکراہٹ۔ یہ وہ پل تھا جب صوفیہ کا سانس رک سا گیا۔ اس کا دل بری طرح ڈھرکا۔

"آہ بابر خان! مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا میری اس حرکت کا نتیجہ یہ غیر انسانی لڑکا ہوگا تو شاید میں اسے کبھی تمہارے حوالے نہ کرتی۔" وہ بڑبڑائی اور بے چینی سے پہلو بدلا۔ اس کے چہرے کے تاثرات تیزی سے بدل رہے تھے۔ اور یوں ہی اس کے دل کی حالت غیر تھی۔ اس نے بے اختیار پانی کی بوتل اٹھا کر لبوں سے لگائی اور پوری بوتل ایک سانس میں ختم کر دی۔ کوئی اس کی جانب کوئی متوجہ نہ تھا۔ سوائے عمش کے۔ وہ سب سانس روکے ساکت بیٹھے تھے۔ سب کی دھڑکنیں ساکت تھیں۔ شیر کا لہجہ، اس کا انداز، اس کی نظریں۔ اس کی چال، اس کی آواز کی سختی، بھاری پن اور مضبوطی، اس کی شخصیت میں رعب کا ایک جہاں آباد تھا۔ اگر اس نے کم عمری میں اتنا سب پالیا تھا تو یہ ایک سوال ہر گز

نہیں تھا۔ اس کی شخصیت ایسے سوالوں کے منہ پر طمانچے میں لپٹا ایک واضح جواب تھا۔

"اگر کسی کو ایسی خوش فہمی ہے کہ وہ جو چاہیں گل کھلائیں شیر کے پاس اتنا وقت ہی کہاں ہے کہ وہ ایسی باریکیوں میں تنگ گلیوں میں ہونے والے دھندوں پر نظر رکھے۔" وہ پیٹھ پر ہاتھ رکھے رکھے میز کی دوسری جانب آیا۔

"ایسی خوش فہمیوں کو دل و دماغ سے بے دردی سے نوچ کر جی ایف ایس آر کے احاطے سے باہر پھینک دو کیوں کہ اگر میں جس دن تم لوگوں کے سر پر آیا تو باریک سے باریک مقام اور تنگ سے تنگ گلی میں پنجا ڈال کر تم سب کی سانسیں تنگ کردوں گا۔" اب کے اس کی آواز

میں ایک قہر اتر ا تھا۔ ایسا قہر کہ اسکرین کے پیچھے بیٹھے لوگوں کا رنگ بھی سفید پڑا۔ عمش نے بے اختیار تھوک نگلا۔

"یہاں بیٹھا کوئی شخص کتنا بھی چالاک، مکار، عیار اور کمینہ کیوں نہ ہو۔۔۔ میرے معیار تک نہیں آسکتا۔ میں تم سب کی مکاریاں اور چالاکیاں تم لوگوں کے پیشاب کے ساتھ باہر نکال دوں گا اور تم لوگوں کو احساس تب ہو گا جب تمہاری پتلونیں بھیگ چکی ہوں گی۔۔۔" شیر کے چہرے کے تاثرات سخت تھے۔ آنکھیں ان سب پر تھیں۔ گولڈن فاکس کی آنکھوں میں عجیب سا غرور تیر رہا تھا۔

"آخری اور سب سے اہم بات!" شیر نے شہادت کی انگلی اٹھاتے کہا۔ "کون یہاں چالیس سال سے ہے، کون اپنی گولڈن جوبلی پوری کرنے والا ہے، کون کتنا عرصہ بگ باس کے ساتھ رہا ہے کتنا عرصہ ہیڈ کوارٹر میں

رہا ہے۔۔ اس بات سے مجھے فرق نہیں پڑتا میرے لئے جی ایف ایس آر میں آیا کل کا ملازم اور پچاس سال پہلے کا ملازم سب برابر ہیں مجھ سے بیس سال بڑا ہے کوئی۔۔ فرق نہیں پڑتا۔۔ تیس سال بڑا ہے کوئی۔ فرق نہیں پڑتا۔۔"

وہ ان تمام چہروں کو گھورتے ہوئے کہہ رہا تھا جو ہر معاملے کو اپنے سینئر ہونے کے زعم میں دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ سب نظریں چراتے ایک دوسرے کی جانب دیکھ رہے تھے۔
عمش کے اندر کی کڑواہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

میرا واحد مسئلہ میرا کاروبار ہے۔۔ اور میرے کاروبار کا کسی کے تجربے، عمر اور تعلقات سے کوئی لینا دینا نہیں۔۔ یہاں سب اپنے بل بوتے پر اپنے آج کی کارگردگی کے ساتھ چلیں گے۔۔ کیوں کہ جب میں نے اس میں

قدم رکھا تھا تو میرے پاس نہ عمر تھی نہ تجربہ۔۔ اور رہا تعلق۔۔۔" وہ ایک پل کو رکا پہلی نگاہ گولڈن پر ڈالی دوسری عمش پر اور تیسری ہیزیل پر۔۔

"تعلقات گہرا ہو، پرانا ہو، خالص ہو، جھوٹا ہو، شیر کے لئے اہمیت نہیں رکھتا۔" شیر نے کہہ کر کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے اور ڈینیل کو اشارہ کیا۔

"Meeting is over...have a Good day!"

سنجیدگی سے کہتا وہ باہر کی جانب بڑھنے لگا۔ اس نے گولڈن کا انتظار نہیں کیا تھا اور ایسا پہلی دفعہ ہوا تھا۔ تین گھنٹے سے قائم سکون یک دم برباد ہوا تھا۔ گولڈن کی آنکھوں میں الجھن، غصہ، اور بے بسی دکھائی دے رہی

تھی۔ شیر نے ساڑھے تین گھنٹے کے دوران آخری کے تین سیکنڈ میں میٹنگ میں شریک واحد پرسکون شخص کا سکون بھی غارت کر ہی دیا تھا۔



گرین مینشن کے ماحول میں خوفناک سی خاموشی چھائی تھی۔ آج کی تاریخ میں جیسے وسیع لان کے چرند پرند تک گرین مینشن کو خالی کر گئے ہوں۔ یہ وسیع مینشن اور اس کے احاطے میں لگے ان بے شمار درختوں پر اکثر درجنوں پرندے چہچہاتے دکھائی دیتے تھے۔ آج فضا جس زدہ اور ماحول پرسکوت تھا۔ محافظوں کی تعداد معمول سے زیادہ تھی۔ پورٹیکو میں قیمتی گاڑیاں کھڑی تھیں۔

درجنوں محافظ سر جھکائے کھڑے تھے لیکن جو سب سے آگے کھڑا دکھائی دے رہا تھا وہ جوزف تھا۔ ندامت اور خوف سے سر جھکائے وہ اپنی

موت کا منتظر تھا۔ وہ جانتا تھا وہ مارا جائے گا کیوں کہ گولڈن فاکس کے شاطر دماغ سے بچنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔

"عمش تم اپنی حسین بیوی کو بھی یہاں کیوں نہیں بلا لیتے؟" گولڈن فاکس نے سیاہ دستانے چڑھاتے ہوئے عمش کی جانب دیکھا۔ عمش کا سانس تھم سا گیا۔ اس نے گھبرا کر گولڈن کی جانب دیکھا۔

"عمش۔۔"

"میں اسے بلا لیتا ہوں۔" عمش تیزی سے اندر کی جانب لپکا تھا۔

"کیا تم میں سے کسی ایک کو بھی اندازہ ہے کہ شیر میرے لئے کیا ہے؟" گولڈن نے ہاتھ میں پکڑی پستول کی نال پر ہاتھ پھیرتے سوال کیا۔ اس کی آواز میں سرد مہری تھی جس سے موت جیسی درد ناک کیفیت کا گماں ہوتا تھا۔ آنکھیں غصے سے دھک رہی تھیں۔

"کیا تم نہیں جانتے تھے کہ وہ میرے لئے کتنا اہم ہے جوزف؟ کیا تمہیں لگا تھا تم بچ پاؤ گے؟" وہ اسے گھورتا رہا۔ جوزف اس کی نظروں سے ہی موت کے سرہانے پر آکھڑا ہوا تھا۔

"کیوں موت کو دعوت دی؟ کیوں موت کو منتخب کیا جوزف؟ کیا تم نہیں جانتے میں کتنا برا محسوس کرتا ہوں اپنے کسی آدمی کو قتل کرتے ہوئے؟" گولڈن کی آواز میں سفاکیت کا عنصر بڑھتا گیا۔

"مجھے ایک موقع دیں۔" وہ گڑ گڑایا۔

"کیا تم نے کہا تمہیں موقع چاہیے؟" گولڈن نے سختی سے پوچھا۔ اس کے غصے میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔

تبھی قدموں کی آہٹ پر سب چوکس ہوئے۔ گولڈن فاکس نے بھی گردن گھما کر بریرہ کی جانب دیکھا جو خاموش تھی۔

"کیا واقعی تم لوگوں کو لگتا ہے میرے زندہ ہوتے ہوئے۔۔" اس نے خود کی جانب اشارہ کیا۔

"میری سلطنت میں رہتے ہوئے؟" دوبارہ انگلی اپنی جانب اٹھائی۔

"میری دولت کو لٹاتے ہوئے تم لوگ مجھے دھوکا دے سکتے ہو؟" اب کے اس کی آواز بلند تھی۔ بریرہ نے تھوک نکل کر عمش کی جانب دیکھا۔ عمش خاموشی سے گولڈن فاکس کے عقب میں کھڑا تھا۔ وہ بے بس تھا بریرہ خود بھی جانتی تھی

"اس نایاب سانپ کو پکڑنے میں ہمیں بہت وقت لگا تھا۔ ایک قیمتی سانپ تھا وہ۔۔! اس کا زہر ہم کروڑوں میں بیچتے۔۔ اور رہا وہ لڑکا تو اس سے زیادہ قیمتی کچھ بھی نہیں ہے۔۔ وہ تو اچھا ہوا صرف سانپ مرا ہے

اگر اس لڑکے کو کچھ ہو جاتا تو لیڈی بریرہ! آپ کو بھی زندہ نہ چھوڑتا!"
اس نے درشتی سے کہا۔ بریرہ لرز اٹھی۔

"فرق نہیں پڑتا آپ میرے سب سے اہم اور وفادار آدمی کی بیوی ہیں۔ لیکن بہتر ہوگا آج آپ اپنی آنکھوں سے یہ انجام دیکھ لیں تاکہ اگلی دفعہ ایسا خیال آئے تو اس لڑکے کو قتل کرنے کے بجائے آپ خودکشی کرنا زیادہ بہتر سمجھیں۔" گولڈن فاکس نے بریرہ سے مخاطب تھا۔
گن لوڈ کرتے ہوئے اس نے جوزف کی جانب پستول کا جوزف کی جانب کر لیا۔ بریرہ خوف سے سفید پڑ رہی تھی۔ جوزف نے خوف سے آنکھیں میچ لیں وہ بری طرح کانپ رہا تھا۔ گولڈن نے پستول تانی ہی تھی جب قدموں کی آہٹ نے ان سب کو ایک جانب متوجہ کیا۔ وہ شیر تھا۔

"اگر سزا دینے کا اتنا ہی شوق ہے تو اصل مجرم کو دو ورنہ اسے بھی چھوڑ دو۔" شیر سینے پر ہاتھ باندھے اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ گولڈن نے پستول نیچے کر لی تھی۔ عمش کی آنکھیں غصے اور بے یقینی سے پھیلیں لیکن وہ کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔

"ٹھیک ہے جیسا تم کہو۔" گولڈن نے پستول کا رخ بریرہ کی جانب موڑا۔ بریرہ کی خوف سے چیخ نکلی وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے زمین بیٹھی۔ عمش بے یقین سا گولڈن فاکس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کے لب بھینچے ہوئے تھے اور نگاہیں خوف سے سر دپڑتی بریرہ پر تھیں۔

"I was kidding golden! let them go" ..

اس کی بات سن کر گولڈن فاکس ہنس دیا۔

"جانتا تھا میں یہی کہو گے۔" گولڈن نے گن کی نال کو گھمایا۔

"تم ایک اللہ کو ماننے والوں کے دل موم سے بنے ہوتے ہیں فوراً پگھل جاتے ہیں۔۔ چھوڑ دو۔۔ جانے دو۔۔ معاف کر دو۔۔ بھول جاؤ۔۔ لیکن میں ایسا نہیں ہوں لڑکے۔۔"

شیر نے آنکھیں سکیڑ کر گولڈن کو بغور دیکھا۔
 "تم میری طاقت ہو میری کمزوری بننے کی کوشش کبھی مت کرنا۔ تم میرے لئے اہم ہو لیکن کبھی یہ مت سوچنا کہ تم مجھے اپنے اشارے پر چلا سکتے ہو۔ تم دنیا کو میرے اشارے سے اپنے اشاروں پر چلاؤ گے۔ سمجھ گئے۔؟" انداز نرم اور مسکراتا ہوا تھا۔
 "میں تمہارا غلام نہیں ہوں۔" شیر نے تلخی سے کہا۔ گولڈن بے اختیار ہنس دیا۔

"میں تمہیں غلام بنانا بھی نہیں چاہتا۔ تم غلام بننے کے لئے نہیں ہو غلام بنانے کے لئے ہو۔ فی الحال آنکھیں بند کر لو۔"

گولڈن نے کہتے ہی جوزف کی طرف پستول کا رخ کرتے گولی چلا دی۔ سب نے سہم کر آنکھیں میچ لیں تھیں جبکہ شیر افسوس بھرے انداز میں جوزف کے تڑپتے وجود کو دیکھتا ایک زہر خند نگاہ گولڈن فاکس پر ڈالتا پلٹنے لگا۔

"نفرت کے قابل ہو تم!" وہ اونچی آواز میں بڑبڑاتا وہاں سے جانے لگا۔
 "جانور!" غصیلے لہجے میں پلٹ کر اسے ایک اور لقب سے نوازا۔ سب خوف اور حیرت سے کبھی شیر کو تو کبھی گولڈن فاکس کو دیکھ رہے تھے۔
 گولڈن بھی گردن گھمائے مسکراتی آنکھوں سے شیر کو دیکھ رہا تھا۔
 "وحشی!" شیر نے پلٹ کر دوبارہ اسے ایک اور لقب دیا۔

"Go ahead little boy! I m not gonna answer you" ...

وہ شیطانی قہقہے لگاتا ہنس رہا تھا

"I don't care! you monster"!

وہ تلخی سے کہتا اندر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی سب کی رکی ہوئی سانسیں بحال ہوئیں۔ جبکہ گولڈن ہنستا رہا۔

"He is interesting! So cool"!

"وہ ہنستے ہوئے سر جھٹکتا باہر کی جانب بڑھا۔ اس کے محافظ فوراً اس کے پیچھے لپکے۔ وہ جاتے جاتے ایک دم پلٹا اور ایک سرد اور جتنا ننگا عمش اور اس کی بیوی پر ڈالی اور پھر انگلی اٹھا کر لان میں پڑی جوزف کی لاش کی جانب اشارہ کرتا آگے بڑھ گیا۔ عمش اپنی بیوی کو اشارہ کرتا اندر کی جانب بڑھا تھا۔ بریرہ ساکت سی جوزف کی لاش کو دیکھ رہی تھی۔ وہ پوری

طرح ہلی ہوئی تھی۔ اس کا ذہن ماؤف ہو چکا تھا۔ اس نے آج تک گولڈن فاکس کی دہشت کے قصے فقط مختلف تقاریب اور عمش کی زبانی سنے تھے۔ آج اپنے سامنے یہ سب دیکھ وہ سن رہ گئی تھی۔ بے یقین، شرمندہ، افسوس زدہ۔۔ لیکن اس سب کا اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔ جوزف مارا جا چکا تھا۔



"تمہاری والدہ آئی تھیں۔" عبید نرمی سے بولا۔ نگاہیں حاشر کے تاثرات پر تھیں۔

"جانتا ہوں۔"

"مجھ سے ملیں۔"

"یہ بھی جانتا ہوں۔"

"وہ ایک درخواست۔۔"

"جانتا ہوں اور میرا جواب نہ ہے۔" حاشر نے بات مکمل ہونے سے قبل ہی سمجھ کر عبید کو جواب دیا۔

"وہ تمہارا بھلا چاہتی ہیں۔"

"یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ ان کو لگتا ہے کہ وہ میرا بھلا چاہتی ہیں لیکن وہ نہیں جانتی کہ کبھی کبھار اپنا بھلا صرف ہم خود جانتے ہیں۔" وہ سنجیدگی سے کہتا سامنے دیکھ رہا تھا۔

"آپ ہمیشہ مام کی درخواستیں لے کر آتے ہیں آج میری بھی درخواست سن لیں اور ان سے درخواست کریں کہ اپنی ان بے فائدہ درخواستوں کا سلسلہ بند کر دیں۔" وہ سنجیدگی سے کہتا وہاں سے اٹھ گیا۔ عبید تاسف بھری نگاہوں سے اس کی پشت کو گھورتا رہا۔



بریرہ صوفے پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور وہ مسلسل ہاتھوں کی کپکپاہٹ پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ عمش بے چینی بھرے انداز میں ارد گرد چکر کاٹ رہا تھا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ تھا۔

"تمہارے اس بے وقوفانہ منصوبے سے ہماری بچی کی جان جاسکتی تھی جانتی ہو تم؟" وہ دبے دبے لہجے میں غصے سے کہہ رہا تھا۔
 "صرف اتنا ہی نہیں۔۔ اگر وہ لڑکا بدلے میں تمہاری موت مانگتا تو گولڈن تمہیں گولی مارنے سے دریغ نہ کرتا۔"

"آخر کیا سوچھی تھی تمہیں اتنی بڑی بے وقوفی کرنے کی؟ تمہیں کیا لگا وہ ایسے ہی مرجائے گا؟ وہ کوئی عام بچہ نہیں ہے۔ اس کے پاس غیر معمولی

اور شاطر بچہ ہے۔ وہ ساری دنیا کو انگلیوں پہ نچادے گا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسے اپنی طاقت اور حیثیت کا اندازہ ہے اور یہ سب سے زیادہ خطرناک بات ہے۔ "عمش نے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"دور رہو اس سے!" عمش نے شہادت کی انگلی اٹھاتے اسے خبردار کیا تھا۔

"جنت کو بھی دور رکھو اس سے۔"

"جنت کو کیسے روکوں؟ وہ ہر وقت اس گرد منڈلاتی رہتی ہے۔" بریرہ بے بسی سے بولی۔

"میں کیوں دور رہوں شیر سے؟ میرا بیسٹ فرینڈ ہے وہ۔ میرا ہوم ورک کرواتا ہے اس کی وجہ سے میرا ٹیسٹ اچھا ہوتا ہے۔ وہ مجھے میچ کی پریکٹس کرواتا ہے۔ میں اس کے ساتھ ہی رہوں گی۔"

جنت جو کافی دیر سے ایک کونے میں کھڑی سب سن رہی تھی تھی اپنے ذکر پر باہر نکل آئی۔ اس کا لہجہ غصیلا اور آنکھوں میں ناراضی تھی۔ عمش نے پلٹ کر بیٹی کی جانب دیکھا اور نرمی سے مسکرایا۔

"پرنس یہاں آؤ۔"

"مجھے نہیں آنا۔" وہ وہیں کھڑی رہی۔ عمش نے ٹھنڈی سانس بھری اور سر جھٹک کر صوفے پر جا بیٹھا۔ جنت یوں ہی آنکھوں میں خفگی لئے باپ کو دیکھتی رہی۔ بریرہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کے لئے یہ صدمہ بہت بڑا تھا کہ اس کی وجہ سے ایک وفادار ملازم اپنی جان سے چلا گیا تھا۔ جنت منہ پھلائے پلٹ گئی تھی۔ عمش نے تھکے انداز میں سر صوفے کی پشت سے لگادیا تھا۔ یہ وہ زندگی نہیں تھی جس کی چاہ میں وہ اتنے سال سے تاریکی پر راج کر رہا تھا۔ بے پناہ دولت تو پالی تھی لیکن سکون کہاں تھا

؟ نہیں جانتا تھا۔ اس نے تھکن زدہ سانس خارج کی اور نیم دراز ہو کر لیٹ گیا۔ بریرہ بھی خاموش اور پرسوج نگاہوں سے عیش کو دیکھتی رہی۔ وہ ہر لحاظ سے مکمل تھا۔ وجہ شخصیت تھی۔ تعلیم یافتہ تھا۔ ذہین تھا لیکن تعلیم اور ذہانت کو اس نے غلط جگہ پر لگا کر زندگی کا سکون ختم کر لیا تھا۔



بریک ٹائم تھا۔ موسم انتہائی سرد اور خشک ہو رہا تھا۔ شیر باسکٹ بال کوٹ میں پریکٹس کر رہا تھا۔ اس کی گردن پر بینڈ ایڈ تھی۔ معمول سے ہٹ کر آج اس کی چال میں سستی تھی۔ شاید کل کے واقعہ کا اثر تھا۔ گولڈن فاکس نے اسے آرام کی تاکید کی تھی لیکن وہ سارا دن گھر میں نہیں رہنا چاہتا تھا اس لیے اسکول چلا آیا۔ آس پاس دیگر بچے بھی پریکٹس میں مگن تھے۔ دفعتاً جنت دوڑتی ہوئی اس کے پاس آئی۔ شیر نے بال ہاتھ میں

پکڑتے ہوئے توجہ کا رخ اسکی طرف موڑا۔ وہ رو رہی تھی۔ شیر نے بال ایک جانب پھینکی۔ وہ مسلسل سوں سوں کرتی شیر کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"کیوں رو رہی ہو؟" شیر نے اس کے بکھرے اور اجڑے بالوں کی طرف دیکھتے سوال کیا۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نے اس کے بال نوچے ہوں۔ شیر نے اس کو قریبی بیچ پر بٹھایا اور بیگ سے پانی کی بوتل نکال کر اسے پکڑائی۔ خود اس کے بالوں کی پونی کھول کر انھیں سنوارنے لگا۔

"اب بتاؤ کیا ہوا ہے؟" اس کے بالوں کی پونی بناتے اس نے سوال کیا۔ اس کے لہجے میں غصہ تھا۔ جنت نے سرخ آنکھیں اور ناک رگڑتے ہوئے اپنی گھٹنوں تک آتی اسکرٹ کی جانب اشارہ کیا۔

"ڈیزی نے میرے بال کھینچے، پرک نے مجھے دھکادیا اور میرا بیگ بھی ان کے پاس ہے۔ انھوں نے کہا جا کر شیر کو بلاؤ۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"دیکھو خون نکل رہا ہے میرے گھٹنے سے۔" وہ مسلسل رورہی تھی۔ شیر نے اس کے گھٹنے کی جانب دیکھتے اپنا بیگ اٹھایا اور بینڈ ایڈ نکالنے لگا۔ پھر بیگ اسے پکڑا کر سامنے آیا اور گھٹنوں کے بل جھک کر اس کے پیر پر بینڈ ایڈ لگانے لگا۔

"کیا تم شروع سے بس پڑتی رہی ہو بچوں سے؟" شیر نے تنک کر سوال کیا۔

"کوئی ایسا دن ہے جب تم نے کسی کی پٹائی کی ہو؟ کسی کی ہڈی توڑی ہو؟ کسی کا ناک؟" شیر سنجیدہ تھا۔ جنت نے شرمندگی سے نفی میں گردن ہلا دی۔

"میں تو چھوٹی سی بچی ہوں نا! میں کیسے۔۔"

"واہ۔۔ چھوٹی بچی کی زبان تو روشنی کی رفتار سے چلتی ہے۔ میرے سامنے تو بہت زیادہ تیز بنتی ہو باقی سب سے پٹ کر کیوں آجاتی ہو؟" شیر نے اسے گھورا۔

"تم میرے بیسٹ فرینڈ ہو نا تم سے مجھے ڈر نہیں لگتا۔"

"Such a lame excuse" ..

"شیر تم نے بے بی سٹنگ بھی شروع کر دی ہے؟" اسی پل ہیزیل دور سے کہتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ ان کے قریب آرہی تھی۔

"اسی کی کمی تھی۔" شیر بڑبڑایا۔

"کیا ہو رہا ہے؟" ہیزیل ہاتھ میں پکڑی چاکلیٹ بار کھولتے ہوئے سوال کر رہی تھی۔

"اندھی ہو؟ نظر نہیں آرہا کیا کر رہا ہوں۔" شیر نے اپنا بیگ کمر پر ڈالتے جنت کا ہاتھ پکڑا اور ایک جانب بڑھنے لگا۔ جنت نے منہ بگاڑ کر ہیزیل کو چڑایا۔ ہیزیل نے اسے کڑے تیوروں سے گھور کر دیکھا۔

"شیر یہ مجھے غصے سے دیکھ رہی۔"

"جاؤ جا کر آنکھیں نکال دو اس کی" شیر نے اسے ڈپٹا۔

"تم مارو نا اسے۔" وہ منہ بسور کر بولی۔

"ہاں میں تو ہوں ہی اس کام کے لئے نا؟ سب کو مارتا پھروں گا تمہارے کہنے پر۔"

جنت اس کے ڈانٹنے پر منمنانے لگی۔

"میں نے بتایا تھا سب کو کہ کل ہمارے لان میں۔"

شیر یک دم ساکت ہو کر رکا اور پلٹ کر اسے گھورتے ہوئے اس کا ہاتھ
چھوڑا۔

"اب یہ مت کہنا کہ تم نے انھیں سانپ والی۔"

"ہاں ہاں وہی۔۔ کیسے سپر ہیرو کی طرح تم نے اوپر سے چھلانگ لگا کر۔"

"Oh just shat up you little witch!..

How embarassing... How can you do that...

وہ پیر پٹخ کر بولا۔

"کیا میں نے کچھ غلط کیا؟" وہ اس کے غصے پر الجھ کر پوچھنے لگی۔

"No. Not at all.. You did a great job.. Very well done" ..

"Exactly. I know" .

"Shat up"!

شیر نے اسے ڈپٹا اور آگے چلنے کا اشارہ کیا۔

"ڈانٹتے ہی رہتے ہو۔" وہ منہ بگاڑ کر بولی اور اس سے آگے چلنے لگی۔ شیر

بھی ناگواری سے بڑبڑاتا اس کے پیچھے چل دیا۔ کچھ دیر بعد ہی شیر مڈل

اسکول بلاک میں جنت کی کلاس میں داخل ہوتا دکھائی دیا۔ وہاں پہلے سے

ہی وہ تین بچے موجود تھے۔ وہ جنت سے کچھ بڑے دکھائی دیتے

تھے۔ جنت نے لڑکوں کی جانب اشارہ کیا۔

"یہ روز یہاں آتے ہیں۔ اس نے مجھ سے بیگ چھینا اس نے میرے بال

کھینچے اور اس نے دھکا دیا تھا۔" جنت باری باری تینوں کی طرف اشارہ

کرتے ہوئے بولی۔

"ت۔۔ تم کون ہو؟" ان میں سے ایک شیر کے لمبے قد اور بگڑے

تاثرات سے ہی گڑبڑا گیا تھا۔

"کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میرا بیسٹ فرینڈ کتنا پاور فل ہے اب دیکھنا یہ کیسے تم سب کی پٹائی کرے گا۔"

"میں نہیں۔۔ تم۔۔ چلو شاباش جاؤ آگے۔۔" شیر نے جنت کو اشارہ کیا۔
"میں؟" جنت نے گڑبڑا کر سوال کیا۔

"ہاں تم۔۔"

"اور تم سب۔۔ آج کے بعد اس کے آس پاس نظر نہیں آؤ گے سمجھ گئے؟" شیر نے سنجیدگی سے کہتے انھیں گھورا۔

ان میں سے ایک نے جنت کا بیگ ایک جانب رکھتے اثبات میں گردن ہلائی۔ ایک کی دیکھا دیکھی دوسرے نے بھی گردن اثبات میں ہلاتے بینچوں کے پیچھے سے نکلتے ہوئے باہر کا رخ کیا۔

"کیا میں نے تم سب کو جانے کی اجازت دی ہے۔؟" شیر نے تپ کر کہا
وہ تینوں وہیں رک گئے۔ شیر نے جنت کو اشارہ کیا۔

"کیا میں ماروں گی؟" جنت نے سوال کیا۔ وہ ہچکچا رہی تھی۔

"ہاں جاؤ۔" شیر نے دیوار سے ٹیک لگاتے اسے حکم دیا۔

"یہ مجھے ماریں گے۔"

"جو کہا ہے وہ کرو۔"

وہ تینوں بچے کبھی جنت کو تو کبھی اس پر اسرار آنکھوں اور آواز والے
لڑکے کو دیکھ رہے تھے جو قد اور جسامت میں ان سے کافی بڑا تھا۔ جنت
شیر کی حمایت پاتے ہی پرجوشی سے بھاگتی ان کی طرف آئی اور ایک
لڑکے کو گھمالات رسید کی۔ دوسرے کے پیٹ میں نوچا اور لڑکی کے بال

نوجتے فخریہ انداز میں شیر کی جانب دیکھا۔ شیر نے تاسف سے گردن جھٹک کر اسے بیگ اٹھا کر چلنے کا اشارہ

کیا۔ جنت نے باری باری ان تینوں کو گھورا اور تیزی سے شیر کے پیچھے لپکی۔

"کیا ایسے مارتی ہو تم دوسروں کو؟ کیا ایسے کسی کو مارا جاتا ہے؟ چار سال کی بچی ہو؟"

"نہیں تو دس سال کی ہوں۔" وہ فوراً بولی۔

"یاربی۔" شیر با آواز بڑبڑایا۔

"مجھے چاکلیٹ دلا دو گے؟"

"نہیں۔"

"پلیز۔"

"پہلے پریکٹس ختم کرو۔"

"آج بھی پریکٹس۔۔ میرے پیر میں چوٹ ہے نا۔" وہ بڑبڑائی۔ شیر نے رک کر اس کی ٹانگ کو دیکھا۔

"دیکھنے دو کتنی جگہ سے ٹوٹی ہے؟" وہ چڑ کر بولا۔

"آج پریکٹس نہیں کروں گی۔"

"ٹھیک ہے پھر آج میتھ کی دو ایکس سائز مکمل کریں گے۔"

"نہیں۔۔ نہیں۔ پریکٹس کرتے ہیں۔ پریکٹس ہی ٹھیک ہے۔۔ میرا پاؤں

بھی بالکل ٹھیک ہے یہ دیکھو میں بھاگ سکتی ہوں۔" جنت نے فوراً پینتہرا

بدلا اور دوڑنے لگی۔ شیر کے لبوں پر لمحاتی مسکراہٹ ابھری۔ وہی معصومانہ

مسکراہٹ جو اس کے چہرے کو مزید پرکشش بناتی تھی۔



گرین مینشن کے لان میں فوارے کے قریب شیر جنت کو ایکس سائز کرنا سکھا رہا تھا۔ وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے اسے مختلف ایکس سائز کر کے دکھا رہا تھا لیکن ایک بھی ایسی ایکس سائز نہیں تھی جسے وہ آسانی سے کر پاتی۔ لیکن سامنے بھی شیر تھا۔ مجال ہے جو وہ ایک لمحے کو بھی بیزار ہوا ہو۔

"اپنے گھٹنوں کو مت موڑنا سیدھا رکھو۔ ہاں۔ اب اپنے پنجوں کی طرف ہاتھ بڑھاؤ۔ ہاں۔ تھوڑا اور آگے۔"

"درد ہو رہا ہے۔" جنت بڑبڑائی۔

"جو کہہ رہا ہوں کرو۔ ورنہ تمہاری ہائیٹ ایسی ہی رہ جائے گی۔ جب میں دس سال کا تھا تو میری ہائیٹ پانچ فٹ سات تھی اور تم صرف چار فٹ

چار کی ہو۔ تمہاری بھاگنے کی اسپیڈ کم ہے ایسے بھاگوگی تو فٹ بال کیسے کھیلوگی۔" وہ اسے ڈانٹ رہا تھا۔

"اب کتنی ہے تمہاری ہائٹ؟"

"فائیو پوائنٹ ٹین" شیر نے عام سے انداز میں کہا۔

"چلو اب دوبارہ کوشش کرو یہ۔۔ ہاں۔۔ بینڈ ہو جاؤ۔۔ پیر سیدھے رکھو۔۔ کمر سیدھی۔۔ پرفیکٹ۔۔ چلو اب اپنے پیر کے انگھوٹے کو چھونے کی کوشش کرو۔"

جنت اس کے بتائے طریقے پر عمل کرتی اسی ایکسرسائز کو دوہرا رہی تھی۔

"تیس بار کرنی ہے۔"

"کیا؟" جنت کی چیخ نکل گئی تھی۔ اس کے یوں چیخنے پر بالکنی میں کھڑی بریرہ بے اختیار ہنس دی تھی۔ اس حادثے کو دو مہینے گزر چکے تھے۔ شیر کی آمد کے بعد سے جو الجھن اور غصہ بریرہ کو تھاان دو مہینوں میں ہی ختم ہو گیا تھا۔ شیر نے بریرہ کا راز جانتے ہوئے بھی کبھی کسی کو ہوا لگنے نہیں دی تھی۔ وہ اپنی زندگی میں گم رہتا تھا۔ دوسروں کے معاملات میں نہیں پڑتا تھا۔ اسے گرین مینشن میں جنت اور اپنے پورشن کے علاوہ کسی چیز میں دلچسپی نہیں تھی۔ وہ صبح اسکول جاتا دوپہر کو ماسٹر شین کے گھر اور وہاں سے آکر باقی وقت جنت کے ساتھ مختلف سرگرمیوں میں صرف کرتا۔ وہ عام بچوں کی طرح اچھل کود کم کرتا تھا۔ وہ ہر دن نئی چیزیں سیکھتا اور جنت کو سکھاتا تھا۔ جنت کی ذہنی صحت میں قدرے تبدیلی آئی تھی۔ وہ پڑھائی میں دن بہ دن تیز ہوتی جا رہی تھی۔ ہر دن

اسکول کی کسی نئی سرگرمی میں حصہ لے کر فخریہ انداز میں شیر کو بتاتی تھی۔ بریرہ بھی مطمئن تھی۔ بریرہ کی زبانی جنت کی شخصیت کے اس مثبت بدلاؤ نے عمش کو بھی مطمئن کر دیا تھا۔ وہ اب جنت کو شیر سے دور کرنے کی ہدایات نہیں دیتا تھا۔ شاید اسے بھی سمجھ آگیا تھا کہ وہ کسی کو بے وجہ نقصان پہنچانے والا نہیں تھا۔



وہ ایک عام سا دن تھا۔ معمول کے مطابق شیر اپنی باسکٹ بال پریکٹس میں مصروف تھا۔ جب جنت روتی ہوئی آئی۔ پہلے کے مقابلے میں اب وہ کم ہی روتی ہوئی پائی جاتی تھی۔ اکثر ہی اپنے چھوٹے چھوٹے مسائل خود حل کر لیا کرتی اور پھر فخریہ انداز میں شیر کو بتاتی۔ اس کو بری طرح روتا دیکھ شیر نے بال ایک طرف پھینکی اور اس کی جانب لپکا۔

"کیا ہوا؟" شیر نے اس کا جھکا چہرہ اٹھاتے فکر مندی سے سوال کیا۔ جنت کے دونوں گال بری طرح سرخ تھے۔ جیسے کسی نے مسلسل اس کے چہرے پر تھپڑ مارے ہوں۔ اس کا گھٹنا اور کہنی بھی بری طرح چھلی ہوئی تھی۔

"کس نے کیا ہے یہ؟" شیر یک دم ہی بری طرح تپ گیا تھا۔
 "ہیزیل نے۔" وہ ہچکی لیتے ہوئے بولی۔

"آج نہیں بچے گی وہ۔" شیر نے اس کا بازو پکڑا اور تیزی سے ایک جانب بڑھنے لگا۔ جنت روتے ہوئے اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ ابھی وہ اسپورٹ ایریا سے نکلے ہی تھے جب ہیزیل ایک جانب کھڑی دکھائی دی۔ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ کھڑی کسی بات پر کھکھلا رہی تھی۔ شیر موت کے فرشتے کی مانند تیزی سے اس جانب لپکا اور ہیزیل کو زوردار

دھکا دیا۔ ہیزیل لڑکھڑاتی ہوئی دور جاگری۔ اس اچانک افتاد پر اس کے دوست سہم کر دور ہوئے تھے۔ ایک طرف سے ہیزیل کے محافظ دوڑتے ہوئے آئے۔

"کیا دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟ یو اینارمل باسٹرڈ۔" وہ اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے بری طرح چلائی۔

"ماسٹر!" ایک محافظ نے شیر کو روکنے کی کوشش کی شیر نے سرد نگاہ اس پر ڈالتے اسے دور رہنے کا اشارہ کیا۔ جنت ہنوز کہنی پکڑے رو رہی تھی۔

"تم نے اسے کیوں مارا ہے؟" اس کا لہجہ خطرناک حد تک سنجیدہ تھا۔

"یہ ہمارا آپس کا معاملہ ہے۔" وہ غصیلے انداز میں بولی۔

"ٹھیک ہے آپس کا معاملہ ہے تو اس کی طرف سے میں آیا ہوں

نہ۔ ڈیل کرو مجھے۔" شیر نے آگے بڑھ کر اسے ایک اور دھکا دیا۔

"ماسٹر پلیز۔۔" محافظ بری طرح گھبرائے ہوئے تھے۔ ہیزیل اب کے زمین پر ہی گری رہی۔ اس کا چہرہ شرمندگی اور توہین کے احساس سے سرخ اور آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

"کم آن! آؤ مقابلہ کرو۔" شیر نے اسے کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔ اس کا انداز عجیب تھا۔ آنکھیں غصے سے سرخ تھیں۔

ہیزیل جھٹکے سے اٹھی اور شیر پر حملہ کیا۔ شیر نے اس کی ٹانگ پنڈلی سے پکڑ کر دبائی ہیزیل کی دردناک چیخ برآمد ہوئی وہ دھپ کی آواز سے زمین پر آگری تھی۔

"ماسٹر۔۔ پلیز۔۔"

"ماسٹر.. ڈیرن اسی پل بھاگتا ہوا اس جانب آیا۔ شاید ہیزیل کے محافظوں نے اسے بلالیا تھا۔ ہیزیل اپنی ٹانگ پکڑے کراہ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ اور آنسوؤں سے بھری تھیں۔

ڈیرن نے شیر کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایک طرف کرنے کی کوشش کی۔
 "پلیز ہمارے لئے مشکلات مت کھڑی کریں۔ ماسٹر چلیں یہاں سے۔"
 اسی لمحے اسکول کے پرنسپل اور کچھ ٹیچرز بھی وہاں آ پہنچے تھے۔ وہ سب بھی محافظوں کی طرح بے بس تھے۔ وہ سب ہی جانتے تھے کہ یہ دونوں بچے گولڈن کی سرپرستی میں ہیں۔ ایسے معاملات کو وہ ہلکی پھلکی بات چیت سے حل کر لیا کرتے تھے۔ شیر کھڑا ہیزیل کو غصیلی نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ اس کے محافظ اسے سہارا دے کر کھڑا کر چکے تھے۔

"ڈیرن آج کے بعد یہ میرے یا جنت کے قریب آئی تو میں اسکی دونوں
ٹانگیں توڑ دوں گا۔ بتا دو اسے۔"

"میں تم دونوں کو یہاں سے نکلوا دوں گی۔"

"تمہارے باپ کا اسکول ہے کیا؟" شیر دھاڑا۔

"ہاں میرے باپ کا اسکول ہے وہ ایک اشارے پر تم دونوں کو
الٹا۔" ہیزیل چلا رہی تھی۔

"دیکھتے ہیں کون الٹا لگتا ہے۔" شیر نے اسے دیکھتے کہا۔

"Shat up you son of idiot" ..

"I swear now you are dead" ..

شیر کی آنکھوں میں غصہ کی شدت سے خون اتر آیا وہ جھٹکے سے خود کو
چھڑاتا ایک زور دار چھلانگ لگاتا اس کی جانب بڑھا اور پلک جھپکتے میں

تیزی سے اچھلتے محافظوں کے گھیرے میں کھڑی ہیزیل کے منہ پر زوردار لات رسید کرتا اسی پل تیزی سے پیچھے کو کود کیا۔ اس نے یہ عمل اتنی تیزی سے کیا کہ نہ کوئی اسے روک پایا نہ ہیزیل کو حملے سے بچا سکا۔ ہیزیل لڑکھڑا کر اپنے ہی محافظ سے اوپر گری۔

"ماسٹر۔۔" ڈیرن صدمے سے چیخ اٹھا۔

"یہ کیا کیا آپ نے۔۔"

"وہی جو یہ ڈیزرو کرتی ہے۔"

ہیزیل کا ہونٹ پھٹ گیا تھا۔ وہ بری طرح رونے لگی۔

"میں اسے پچھلے چھ مہینے سے وارن کر رہا ہوں۔ اگلی دفعہ میرے والد کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال کرو گی تو باقی کی زندگی نقلی دانتوں پر

گزارنی پڑے گی۔" وہ سفاکیت سے کہتا سہمی کھڑی جنت کا ہاتھ پکڑے
ایک جانب بڑھنے لگا۔

محافظ ہیزیل کو لیے فوراً ڈسپنسری کی جانب لپکے تھے۔
"مسٹر ڈیرن مجھے میرے آفس میں آکر ملیں۔" پرنسپل سنجیدگی سے کہتے
پلٹ گئے۔ ڈیرن نے گہری سانس لی اور ان کے پیچھے چل دیا۔ باقی سب
بھی اپنے اپنے کاموں کی طرف چل دیے۔



شیر صوفے پر لیٹا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے بھورے بال ماتھے پر
بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے پر لاپرواہی کا تاثر تھا۔ قریب ہی ڈیرن فون
پکڑے کھڑا تھا۔

"کیا تم مجھے سن رہے ہو شیر؟" فون کے اسپیکر سے گولڈن فاکس کی آواز آرہی تھی۔ جسے ڈیرن پکڑے کھڑا تھا۔

"ہاں!" شیر نے جواب دیا۔

"کیا تم نے ہیزیل پر حملہ کیا؟"

"ہاں کیا۔" شیر نے پھر جواب دیا۔ اسپیکر سے گولڈن فاکس کی ٹھنڈی آہ سنائی دی۔

"اسے زیادہ لگ سکتی تھی۔"

"مجھے اور زیادہ خوشی ہوتی۔ اگر اپنی بیٹی کی حمایت کے لئے کال کیا ہے تو میں۔۔"

"فون بند مت کرنا میں تم سے بات کر رہا ہوں نالٹرکے۔"

"نہیں کرنی مجھے۔" وہ تنک کر بولا اور ڈیرن سے فون لینے کی کوشش کی۔
ڈیرن نے التجائی انداز میں نفی میں گردن ہلاتے فون پیچھے کیا۔

"شیر۔۔ کیا تم مجھے سن رہے ہو؟"

"ہاں سن رہا ہوں بولو۔"

"پیارے لڑکے وہ تو نا سمجھ ہے تم تو سمجھدار ہو۔"

"وہ نا سمجھ نہیں ہے۔ وہ جان بوجھ کر مجھے تنگ کرتی ہے تاکہ میں اس سے لڑوں۔ چاہو تو پوچھ لو اس کے گارڈز سے۔" شیر نے صاف گوئی سے کہا۔

"میں پچھلے کئی مہینوں سے کہہ رہا ہوں اچھے دوستوں کی۔"

"وہ کبھی میری دوست نہیں بن سکتی نا میں اس کریزی وچ سے کبھی دوستی کروں گا۔" شیر نے تنک کر جواب دیا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں سمجھ گیا۔ کم از کم دور۔"

"ہاں یہی میں چاہتا ہوں اس سے کہیں میرے آس پاس نہ آیا کرے۔ اب میں ماسٹر شین کے پاس بھی نہیں جاؤں گا۔ میں اس کریزی وچ کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"اچھا موڈ ٹھیک کرو میں تمہاری ٹائمنگ۔"

"اس کی ٹائمنگ چینج کرو۔ مجھے میری روٹین نہیں بدلنی۔" شیر نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں اس کی روٹین بدل دوں گا لیکن مجھ سے وعدہ کرو آئندہ

کبھی ہیزیل پر ہاتھ نہیں اٹھاؤ گے؟" گولڈن فاکس نے نرمی سے وعدہ

چاہا۔

"میں کبھی کسی لڑکی پر ہاتھ اٹھانا پسند نہیں کرتا لیکن وہ ان لڑکیوں میں سے نہیں ہے جن کی مجھے عزت کرنی چاہیے۔ میں نے اسے کم از کم بھی بیس بار وارن کیا تھا لیکن وہ کبھی باز نہیں آتی۔ اور اب مجھے یقین ہے وہ کبھی مجھے تنگ نہیں کرے گی۔" شیر صوفے سے اٹھ بیٹھا۔

"لیکن فکر مت کرو میں نے اسے زیادہ زور سے نہیں مارا۔" شیر نے ساتھ ہی تسلی دے ڈالی۔

"ٹھیک ہے جاکر آرام کرو۔" گولڈن فاکس نرمی سے کہتا فون بند کر گیا۔ ڈیرن بھی فون بند کرتا ہال سے نکل گیا۔ شیر کچن میں آیا اور آئسکریم نکالنے لگا۔

"How can she hurt her so badly" ..

شیر بڑبڑایا۔

"I wish I could kill you crazy witch" ..

شیر سر جھٹکتا دوبارہ ہال میں آیا۔ جنت صوفے پر بیٹھی اسی کا انتظار کر رہی تھی۔

"تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟" شیر نے آسکریم کا باؤل اس کی گود میں رکھا اور قریب ہی بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں میں فکر مندی تھی۔ جنت کے گال ہنوز سرخ تھے۔

"کیا اس نے تمہیں تھپڑ مارے تھے؟" شیر نے اس کے گالوں کو جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں اس نے کہا وہ جادو دکھائی گی۔"

"جادو؟" شیر الجھا۔

"ہاں اور اس نے کہا وہ میرے ساتھ ایک ایکسپیریمینٹ کرے گی۔ فرکشن۔۔"

"Damn.. Did she rubed your cheeks with her palms?"

(کیا اس نے تمہارے گالوں کو ہتھیلیوں سے رگڑا؟)"

"ہاں!" جنت نے معصومیت سے اثبات میں گردن ہلائی۔

"اور تم نے اسے ایسا کرنے دیا۔" شیر نے اسے گھورا۔

"نہیں۔۔ مجھے ایرک اور ڈیوڈ نے پکڑ رکھا تھا میرے ہاتھ بھی۔۔"

"تم نے مجھے اس وقت کیوں نہیں بتایا میں ان دونوں کی ہڈیاں توڑ دیتا۔"

"پر تم نے تو کچھ پوچھا ہی نہیں تھا۔" وہ منہ بسور کر بولی۔ شیر نے

سر جھٹکا۔

"انہیں بھی میں کل دیکھ لوں گا۔ لیکن تم کب تک یوں روتے ہوئے میرے پاس آؤ گی؟ کیا تمہیں خود کچھ نہیں کرنا ہوتا؟"

"لیکن میں کیا کرتی وہ سب بڑے ہیں۔" وہ مزے سے آنسکریم کھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ شیر نے تاسف سے گردن ہلائی۔

"آنسکریم ختم کرو اور نیچے آؤ فوراً۔" شیر نے اسے ہدایات دی اور ہال سے نکل کر باہر کی جانب بڑھ گیا۔ جنت جلدی جلدی آنسکریم ختم کرنے لگی۔



"آج میں ماسٹر شین کے پاس نہیں جا رہا تو آج کا یہ وقت میں تم پر صرف کروں گا تاکہ اگلی دفعہ مجھے تمہاری وجہ سے کسی کا ہونٹ نہ پھاڑنا

پڑے۔ "شیر اپنے جوتے اتارتے ہوئے بولا۔ جنت بھی اس کی جانب دیکھتی اپنے جوتے اتارنے لگی۔

"Jump"!

شیر کے کہتے ہی جنت دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر ایک ہی پوزیشن پر اچھلنے لگی۔

"Fast" ...

جنت نے اپنی رفتار بڑھادی۔ شیر سینے پر ہاتھ باندھے اس تیزی سے گن رہا تھا۔

"میں تھک گئی ہوں۔"

"یہ جملہ مجھے زہر لگتا ہے۔" شیر نے تنک کر کہا۔

"اوکے بریک لو۔" شیر نے اسے اشارہ کیا۔ جنت دھپ سے لان کی گھاس پر گری اور وہیں لیٹ گئی۔

"میں نے "break" کہا ہے۔ "nap" نہیں۔ اٹھ کر بیٹھو۔"

شیر کے کہنے پر وہ منہ بنا کر اٹھ بیٹھی۔

"اپنی حفاظت خود کرنا سیکھو۔ ضروری نہیں کہ میں یا تمہارے پیرنٹس ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں۔"

وہ کسی سمجھدار آدمی کی طرح کہہ رہا تھا۔

"مجھے نہیں پتا کیسے حفاظت کرتے ہیں کیا تم سکھاؤ گے؟" وہ معصومیت سے بولی۔

"میں تمہیں کچھ اہم چیزیں اور تکنیکس بتاؤں گا اور یہ سب ہمیشہ اپنے دماغ میں رکھنا سمجھ گئیں لٹل وچ؟"

"ٹھیک ہے۔" وہ پرجوشی سے بولی۔

"نمبر ایک کسی پر بھروسہ نہیں کروگی۔ نمبر دو کبھی کسی سے ڈروگی

نہیں۔ نمبر تین کسی کے سامنے رووگی نہیں۔۔ اور سب سے اہم بات ہمارا

کوئی دوست نہیں ہوتا۔

اگر کوئی کبھی تم پر اٹیک کرے تو سب سے پہلے کوشش کرنا کہ تم اس

جگہ سے بھاگ سکو۔ بھاگنے کے تین اصول ہیں۔ پہلا جتنی تیزی سے

بھاگ سکتی ہو بھاگو۔ دوسرا بھاگتے ہوئے صرف تمہیں بھاگنے کا سوچنا ہے

یہ مت سوچنا کہ تم تھکی ہوئی ہو یا ڈری ہوئی ہو۔ تیسرا۔۔ ہمیشہ ایسے

راستے کی جانب بھاگنا جہاں بھیڑ ہو۔" سمجھ گئیں؟" وہ اس وقت تیرہ سالہ

لڑکے کے بجائے ایک تجربہ کار استاد لگ رہا تھا۔ جنت اس کی باتوں پر

مسلسل گردن ہلا رہی تھی۔

"اب میں تمہیں اٹیک کرنے کا طریقہ بتاؤں گا۔ پہلے تمہیں پتا ہونا چاہیے کہ انسان کے جسم کے کون سے حصے کتنے نازک ہیں اور دوسرا تمہیں کس قسم کی صورتحال میں کس طرح اٹیک کرنا ہے۔ کیا تم سمجھ رہی ہو؟" شیر اسے نرمی سے سمجھا رہا تھا۔

"ہاں! سمجھ رہی ہوں۔ جیسے تم نے پہلے بتایا تھا کہ جب اپنے جتنے انسان سے لڑ رہی ہوں تو زیادہ طاقت نہیں لگانی لیکن اگر کسی بڑے پر اٹیک کرنا ہے تو ڈرنا نہیں ہے بلکہ ساری طاقت لگانی ہے۔" جنت پر جوشی سے کہہ رہی تھی۔

"گڈ! اب بتاؤ انسانی جسم کے سب سے نازک حصے کون سے ہیں؟" شیر نے فوارے کے چبوترے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ناک؟" جنت نے سوال کیا۔

"گڈ۔ اور؟" شیر نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے سوال کیا۔

"کان؟"

"اور۔۔"

"آنکھیں؟"

"گڈ گرل۔ اور؟" شیر اس کے جوابات پر خوش ہو رہا تھا۔

"گردن کا یہ والا حصہ؟" جنت نے کان کے نیچے والے حصے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"That's my girl.. Go ahead" ..

شیر نے تالی بجا کر اس کی حوصلہ افزائی کی۔ جنت کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔

"پسلی؟" اس نے پسلی پر ہاتھ رکھتے تائید چاہی۔

"ویری گڈ۔۔ اور؟" شیر مسکرا رہا تھا۔

"اور؟" جنت ذہن پر زور ڈالتے ہوئے سوچنے لگی۔

"کان کا پچھلا حصہ؟ اور کان بھی تم نے کہا تھا دونوں ہاتھ یوں کانوں پر

زور سے مارنے ہیں تاکہ سامنے والا انسان کچھ منٹ کے لیے سن

ہو جائے۔" جنت خوشی سے اچھلتے ہوئے بولی۔

"کنپٹی بھی تھی۔"

"سب سے پہلے تو ہم ناک پر ہٹ کریں گے ضروری نہیں کہ تم ہاتھ

کا استعمال کرو اپنے سر کا استعمال کر سکتی ہو لیکن خیال رہے سر کا اوپری

حصہ مارو گی اپنی پیشانی نہیں۔۔ سمجھ گئی؟"

"ہاں! چھلانگ لگانی ہے۔ چھلانگ لگاتے ہوئے صرف یہی سوچنا ہے کہ چھلانگ زیادہ سے زیادہ اونچی ہو۔ ہچکچانا نہیں ہے۔ زوردار ہٹ کرنا ہے۔" جنت نے فوراً سے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے یہ۔۔۔ تمہیں یاد ہے اس کے علاوہ ان نازک حصوں پر اٹیک کیسے کرو گی؟" شیر نے سوال کیا۔

"ہاتھ سے نا؟"

"ہاتھ کا کون سا حصہ؟" شیر نے اگلا سوال کیا۔

"ہتھیلی۔۔" جنت نے جواب دیا۔

"نہیں۔۔"

لیکن تم تو ہتھیلی سے مارتے ہو مجھے۔"

"کیوں کہ ہتھیلی سے آہستہ لگتی ہے۔ تمہاری ہتھیلیاں نرم ہیں تم کسی پر ان سے اٹیک کروگی تو تمہیں ہی چوٹ لگے گی۔ اس لیے تم استعمال کروگی اپنی مٹھی کا۔" شیر نے قریب آکر اس کی مٹھی بند کی اور بیچ کی انگلی کو ذرا سا باہر نکال کر اسے سمجھانے لگا۔

"اب میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم اٹیک کیسے کروگی۔ یہ دیکھو یہ مڈل فنگر اسے تم یوں رکھوگی۔ مٹھی کو زور سے بند کرلو لیکن یہ ہڈی باہر رہے گی۔ اگر لڑائی اپنی عمر کے بچے سے ہے تو صرف ایک ہاتھ کی طاقت لگاؤ گی۔ چلو ہٹ کرو مجھے چھیٹ پر۔"

"کیا تمہیں ماروں؟" وہ معصومیت سے پوچھتی ہوئی کھسیانے انداز میں مسکرائی۔ ابھی کل ہی تو اس پر ہاتھ اٹھانے پر اسے دس چکر لان کے لگانے پڑے تھے۔

"ٹل وچ جو کہا ہے وہ کرو۔" شیر نے اسے گھورا۔

جنت نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے پوزیشن سنبھالی اور شیر کے سینے پر مکارسید کیا۔ شیر پر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔

"طاقت تب لگانا جب تم مکار مارنے لگو پوزیشن سنبھالتے ہوئے اور جمپ کرتے وقت ریلیکس رہنا ہے۔ ورنہ ہماری طاقت پہلے ہی ضائع ہو جاتی ہے۔ چلو پھر ٹرائے کرو۔ اپنی پوری طاقت لگا لو۔" شیر نے ہدایت دی۔ جنت اثبات میں گردن ہلاتی پیچھے ہوئی اور دوبارہ پوزیشن سنبھال کر چھلانگ لگاتے شیر کو مکارسید کیا اور اگلے ہی پل چیخ مارتی زمین پر بیٹھی۔

"آہ۔۔۔ مجھے زور سے لگی۔۔۔ درد ہو رہا ہے۔" وہ رونے لگی۔

"یا اللہ مجھے صبر دے۔ تم تو بالکل ہی نکمی ہو۔" شیر نے اسے گھورا۔ وہ اور زور سے رونے لگی۔

"تمہارے لئے بھی ایک پخنگ بیگ کا انتظام کرنا ہوگا۔"
 "لیکن وہ تو تمہارے پاس ہے نا۔" وہ روتے روتے چپ کر ہو کر بولی اور
 پھر رونے لگی۔

"ہاں تمہیں الگ سے چاہیے تاکہ تم دن بھر پریکٹس کر سکو۔" شیر اس
 کے رونے پر دھیان نہ دیتا اندر کی جانب بڑھ گیا۔ جنت وہیں بیٹھی اپنی
 مٹھی کو سہلا رہی تھی۔



اس عرصے کے دوران جنت اور شیر کی دوستی ایک گہرے رشتے میں بدل
 گئی تھی۔ ان کا رشتہ انتہا کی خوبصورتی لیے ہوئے تھا۔ ان کی دوستی بے
 مثال تھی۔ جنت کے لئے شیر زندگی کا سب سے اہم اور خوبصورت حصہ
 تھا۔ وہ اس کے بغیر رہنے کا تصور نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے دن کا آغاز

شیر سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو جاتا تھا۔ اس کی مانوسیت اور محبت پر کبھی کبھار بریرہ حیران رہ جاتی تھی۔ گوکہ وہ بات بات پر اس کی جھڑکیں سنتی لیکن اس کے باوجود وہ اس کے لئے جان سے زیادہ پیارا تھا۔ شیر ہر وقت اس کی ڈھال بنا رہتا تھا۔ شیر کی زندگی میں جنت اس کا واحد رشتہ تھی۔ وہ اسے ہر دن کچھ نہ کچھ سکھانے کی کوشش کرتا رہتا۔ شیر ہی تھا جس کی بدولت وہ پچھلے سال والی جنت نہیں رہی تھی۔ وہ اب ایک پر اعتماد بچی تھی۔ گوکہ وہ ہنوز معصوم سی تھی لیکن پہلے جیسی بے وقوف نہیں رہی تھی۔ پہلے جیسی غلطیاں نہیں کرتی تھی۔ اس نے شیر کے ساتھ رہنے خود کو سنبھالنا اپنا خیال رکھنا سیکھ لیا تھا۔ وہ اسکول بریک میں اور اسکول ختم ہونے کے بعد ساتھ پریکٹس کرتے۔ ایک دوسرے کے مقابلوں میں ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی

کرنے پہلی صفت میں موجود رہتے تھے۔ سالانہ امتحانات ہوتے ہی جنت چھٹے گریڈ میں چلی گئی تھی اور شیر کو گولڈن فاکس کی ایما پر کلاس جمپ کروا کر ہائی اسکول کے آخری سال میں بٹھادیا گیا تھا۔ سترہ اٹھارہ سال کی عمر کے لڑکوں میں وہ ساڑھے تیرہ سال کا ہو کر بھی قد اور جسامت میں باقی سب سے نمایاں تھا۔ اس کے گریڈز ہمیشہ ٹاپ پر رہتے تھے۔ اسکول میں وہ پاور بوائے کے نام سے مشہور تھا۔ اسکول کی نو عمر لڑکیاں اسے خطوط بھیجتی جنہیں وہ جنت کے ساتھ بیٹھ کر پڑھتا اور دونوں بیٹھ کر خوب ہنستے۔ چھوٹی بچیاں اکثر اس کو چاکلیٹس اور مختلف چیزیں لا کر دیتیں اور جنت خوشی سے پھولے نہ سماتی کیوں کہ اس نے خود ہی فرض کر لیا تھا کہ شیر کی ہر چیز پر صرف اسی کا حق ہے۔ شیر کی ہر چیز کو وہ دھڑلے سے اپنے قبضے میں لے لیتی تھی۔

وہ ایک عام سا ہی دن تھا جب اسکول ختم ہونے کے بعد شیر اپنا بیگ لیے اسپورٹ ایریا میں چلا آیا۔ کافی دیر گزرنے کے بعد بھی جنت نہ آئی تو وہ بیگ وہیں رکھے مڈل سیکشن کی جانب بڑھ گیا۔ اس کی کلاس کے قریب کھڑے بچوں سے اس نے جنت کے متعلق دریافت کیا۔

"وہ سر جیمز کے ساتھ آرٹ کی کلاس لینے گئی ہے۔" ایک لڑکی نے کہا۔

"لیکن آج تو کوئی آرٹ کی کلاس نہیں ہے۔" شیر جو اپنے ساتھ ساتھ اس کا ٹائم ٹیبل بھی رٹ کر رکھتا تھا الجھن آمیز انداز میں بڑبڑایا اور دوڑتا ہوا اسٹاف روم کے باہر لگے ٹائم ٹیبل کو چیک کیا۔ آج کوئی کلاس نہیں تھی۔ شیر کی چھٹی حس نے گھنٹی بجائی وہ دوڑتا ہوا کمپیوٹر کلاس میں آیا جہاں اکثر سر جیمز پائے جاتے تھے۔ کلاس روم خالی تھا۔ شیر کا ماتھا

ٹھنکا۔ وہ دوڑتا ہوا ایک ایک کلاس میں جھانکتا جنت کو ڈھونڈ رہا تھا۔ اچانک ہی اس کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

"No" ...

وہ بے اختیار بڑبڑایا اور بیک یارڈ کی جانب دوڑ لگادی ابھی وہ لان میں بڑے درختوں کی جانب پہنچا ہی تھا جب اسے کیاریوں والے پرانے کلاس روم سے جنت کی گھٹی گھٹی چیخیں سنائی دی۔

"جنت!" شیر نے اسے با آواز پکارا اور بند دروازے پر دستک دی۔ اگلے ہی پل قدم پیچھے ہٹاتے اس نے تیزی سے آگے کی طرف اچھل کر دروازے پر لات رسید کی۔

"شیری۔۔۔" جنت بری طرح چلا رہی تھی۔

"Let me.. Go. 'Help.. Sher" ..

جنت کی چیخ و پکار نے شیر کو دہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس نے دوبارہ چھلانگ لگا دروازے کو جھٹکا دیا۔ دروازہ ٹوٹ کر دو ٹکروں میں بٹ کر زمین پر گرا۔ اندر کا منظر شیر کو ہلا گیا تھا۔ جنت سر جیمز کی گرفت میں مچل کر خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ شیر تیر کی تیزی سے اس کی جانب دوڑا اور سر جیمز کو ایک طرف دھکیلا۔

"چھوڑو اسے۔۔ یہ کیا کر رہے ہو تم۔" شیر نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان چیختے ہوئے کہا۔ سر جیمز ایک پل کو بوکھلایا اور اگلے ہی پل شیر پر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن شیر نے تیزی سے اپنا بچاؤ کرتے قریب رکھی سنگ مرمر کی ٹوٹی ہوئی بیچ اٹھا کر اسے دے ماری۔ جنت کی گھٹی گھٹی سسکیاں بتا رہی تھیں کہ وہ کس قدر خوف زدہ ہے۔ جیمز نامی آرٹ ٹیچر کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ

بری طرح کراہ رہا تھا۔ شیر نے تیزی سے جنت کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر اس کلاس سے باہر نکل آیا۔ اس کی شرٹ پھٹ چکی تھی۔

"تمہاری جیکٹ کہاں ہے؟"

"پ۔۔ پتا نہیں۔۔ م۔۔ میں نے اٹ۔۔ ٹیک ک۔۔ کیا تھا۔ م۔۔ مجھے۔۔ آئی ایم س۔۔ سوری میں ڈر گئی تھی۔"

"اُس اوکے۔ مجھے پتا ہے تم نے اٹیک کیا تھا۔ لیکن کبھی کبھی ہم ڈر جاتے ہیں کوئی بات نہیں۔" شیر نے اس کے آنسو صاف کیے اور اپنی جیکٹ اتار کر اسے پہنا کر زپ بند کی۔

"تم اس جگہ چھپ جاؤ یہاں سے باہر مت نکلنا میں بیگ لے کر آرہا ہوں۔" شیر نے اسے قریب رکھے تختے کے پیچھے بٹھایا اور دوڑتا ہوا وہاں سے نکلا۔ کچھ لمحوں قبل اس پر طاری ہونے والی بوکھلاہٹ اور الجھن ختم

ہوگئی تھی۔ وہ فوراً جذبات اور حالات پر قابو پانے میں کامیاب ہو جاتا تھا۔ اب بھی یہی ہوا۔ اس کے چہرے سے کچھ بھی ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اپنے اور جنت کے بیگ لے کر واپس آیا اپنی اسکول شرٹ کو ٹکڑوں میں پھاڑ دیا۔ جنت کو وہاں سے لے کر اسکول سے باہر نکل آیا۔ جنت کو گاڑی میں بٹھانے کے بعد اس نے گاڑی کے قریب کھڑے ڈیرن کو بتایا۔

"کیا مطلب ماسٹر۔"

"دکھ نہیں رہا؟ کہہ رہا ہوں نا اس نے میرے ساتھ غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تھی۔" شیر نے غصیلے لہجے میں کہتے اپنی پھٹی شرٹ کی جانب اشارہ کیا۔ ڈیرن سمجھ کر فوراً فون نکالتا اسکول کے اندر کی جانب دوڑا۔ شیر کچھ پل وہیں کھڑا رہا پھر گاڑی میں سوار ہو گیا۔ جنت خوف زدہ سی شیر کی

جانب دیکھ رہی تھی۔ شیر بالکل پرسکون نظر آرہا تھا۔ شیر نے نگاہیں گھما کر جنت کی جانب دیکھا۔

"آنکھیں بند کرلو سو جاؤ۔ گھر آجائے گا تو میں اٹھا دوں گا۔" شیر نے اس کا سر سہلاتے ہوئے کہا۔ جنت یقیناً اس وقت سو نہیں سکتی تھی۔ وہ صدمے اور خوف سے کانپ رہی تھی۔ شیر خاموشی اور فکر مندی سے اس کی جانب دیکھتا رہا اور پھر نظریں گھمالیں۔



"مام گھر پر نہیں ہیں۔" جنت روتے ہوئے بولی۔ شیر جو کچھ منٹ قبل اسے اس کے پورشن میں چھوڑ کر گھر آیا تھا۔ اسے اپنی جیکٹ پہنے اپنے پورشن میں کھڑا دیکھا تو چیل پہن کر اس کے ساتھ ہی باہر چلا آیا۔ "سروٹس کہاں ہیں؟" شیر نے آس پاس دیکھتے پوچھا۔

"کوئی بھی نہیں ہے۔"

چلو آؤ میرے ساتھ "شیر اسے لئے اس کے کمرے میں آیا اور الماری سے کپڑے نکال کر اس کی جانب بڑھائے۔

"فریش ہو کر باہر آجانا۔" شیر کہہ کر باہر نکل آیا۔ وہ خاموشی سے چلتا راہداری میں آیا۔ کچھ دیر بعد جنت بھی وہاں آئی۔ اسے بڑی سخت چپ لگی ہوئی تھی۔ چہرہ سفید پڑا ہوا تھا۔ وہ خوف زدہ تھی۔

"میری طرف دیکھو۔ کسی کو کچھ نہیں کہو گی تم؟ جو ہوا میرے ساتھ ہوا۔۔ تمہارے ساتھ نہیں۔۔ ٹھیک ہے؟"

"مطلب؟" وہ معصومیت سے بولی۔

"کسی کو بھی مت بتانا کہ ٹیچر نے وہ سب تمہارے ساتھ کرنے کی کوشش کی۔"

"کیوں؟"

"بس جو کہا ہے وہ کرو۔" شیر نے نرمی سے کہا۔ اسی پل بریرہ کی کار پورچ میں داخل ہوتی دکھائی دی۔

"مام؟" جنت نے گردن اٹھائے سوال کیا۔
"کسی کو بھی نہیں۔ اب جاؤ اندر۔" شیر نے کہا اور اپنے پورشن کی راہداری میں آگے بڑھ گیا۔ جنت خاموش کھڑی تھی۔



"کیا ہوا تھا مجھے تفصیل سے بتاؤ۔" عمش سمیت کئی لوگ اس کے سر پر کھڑے تھے۔ گولڈن فاکس اس کے قریب بیٹھا نرمی سے سوال کر رہا تھا۔ شیر صوفے پر خاموشی سے بیٹھا میز کو گھور رہا تھا۔

"کوئی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا پاور بوائے تمہارا سرپرست میں ہوں۔ میری طرف دیکھو اور بتاؤ۔" گولڈن فاکس نے دوبارہ اس سے پوچھا۔

"جانتے ہو میری کتنی اہم میٹنگ تھی ماسکو میں؟ لیکن میں فوراً یہاں چلا آیا۔ میں فکر مند ہوں مجھے بتاؤ۔" گولڈن فاکس کم از کم دس منٹ قبل یہاں پہنچا تھا۔ ایک بچے کے ہاتھوں امریکی استاد کے قتل پر پورے شہر کو دھچکا لگا تھا۔ گولڈن فاکس بھی سب چھوڑ کر یہاں چلا آیا تھا۔

"کیا وہ مر گیا؟"

"بتاؤ اسے ڈیرن۔" گولڈن نے ڈیرن کی جانب اشارہ کیا۔

"ہاں ایک گھنٹہ پہلے۔ مرنے سے پہلے جو اسٹیٹمنٹ دی ہے اس میں ماسٹر کا نام لیا ہے اس نے۔"

"بے شرم انسان۔۔ ذلیل۔ کتا۔۔ یہ نہیں بتایا کہ خود کیا کرنے لگا تھا۔" شیر نے غصہ سے میز کو لات رسید کی۔

"تم بتادو میری جان کیا ہوا تھا؟"

"He sexually harassed me.. Tried to rape me" ..

"What"?

گولڈن بری طرح چونکا۔

"ہاں میں سچ کہہ رہا ہوں اور پھر میں کیا کرتا؟ مجھے مارنا پڑا۔" شیر لاپرواہی سے بولا۔ عمش خاموشی سے کھڑا شیر کا چہرہ دیکھتا رہا۔

"تم ٹھیک ہو؟" گولڈن فاکس نے فکر مندی سے اس کا چہرہ ہتھیلیوں میں بھرتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں!" شیر نے اس کے ہاتھ ہٹائے اور صوفے پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس پاس محافظ اور دیگر لوگ گولڈن کے اگلے حکم کے منتظر تھے جبکہ گولڈن کسی گہری سوچ میں گم نظر آ رہا تھا۔



میٹنگ ختم ہونے کے ٹھیک ایک گھنٹے بعد گولڈن فاکس کے اپارٹمنٹ میں ایک اور میٹنگ رکھی گئی تھی جس میں ہیزیل اور عمش شریک تھے۔

"It's just beyond the limit dad! It's too much" ..

اس کی سنہری آنکھوں کی ڈوریاں غصے کی شدت کے باعث ابھر گئیں تھیں۔ سفید گردن کی سرخ و سبز رگیں ابھر کر پھڑپھڑا رہی تھیں۔ اس کی آواز بلند تھی۔

"میں بالکل ایمانداری سے کہوں گا۔ فرق نہیں پڑتا وہ ماہانہ کتنے کڑوڑ ڈالرز ہمارے اکاونٹس میں ڈلوا رہا ہے۔ اس کی اسٹریٹجیز ہمیں کتنا فائدہ دے رہی ہیں۔ ہم کتنی دولت جمع کر چکے ہیں کس مقام پر ہیں۔۔ اس سب کے باوجود وہ یہاں ہے۔" اس نے دایاں ہاتھ اپنے سر تک اٹھا لیا۔

"اور ہم سب یہاں۔۔" عمش کا بایاں ہاتھ اس کے پیٹ تک تھا۔

"بالکل ایسا ہی ہے۔ اور یہ ایک فیکٹ ہے کہ وہ کبھی ہمیں اپنے برابر نہیں لائے گا نہ وہ ہمیں کچھ سمجھے گا۔" ہیزیل نے دونوں ہاتھ پھیلاتے گردن کو غصے سے جھٹکا اور اٹھ کر ٹھلنے لگی۔ وہ غصے کی حالت میں یا پریشانی کی حالت میں کبھی سکون سے نہیں بیٹھ پاتی تھی۔

"کیوں آنا چاہتے ہو تم لوگ میرے برابر؟" اسی پل شیر اپنے ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اندر داخل ہوا۔ ہیزیل کرنٹ کھا کر پلٹی۔ عمش بھی

بوکھلا سا گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے بسی وہ پہلا احساس تھا جو شیر کو دیکھنے کے بعد اتر۔ وہ کیسی بلا تھی؟ کیسا شیطان تھا وہ۔ کیوں ہر وقت سانسیں روک دینے کو تیار رہتا تھا۔

گولڈن نے اپنے پیدائشی سیاہ نشاہ پر ہاتھ پھیرتے شیر کی طرف دیکھا۔
"میٹنگ سے نکلتے ہوئے تم نے میرا انتظار نہیں کیا۔ ضرور اس کے پیچھے کوئی خاص وجہ ہوگی۔ میں وہ جاننا چاہتا ہوں۔" گولڈن فاکس نے اپنے مخصوص شیر کے لئے مختص نرم لہجے میں سوال کیا۔ وہ لہجہ وہ انداز فقط اسی کے لئے تھا۔ ہیزیل نے غصیلی نگاہ شیر پر ڈالی۔

"ہم میں سے کسی نے تمہیں یہاں آنے کی دعوت نہیں دی تھی۔"

ہیزیل نے غصے سے کہا۔ اسے جانے کیوں اس پر غصہ آرہا تھا۔ شدید قسم کا غصہ!

"میرے ریزارٹ میں کھڑی ہو کر تم یہ بات نہیں کہہ سکتی۔" شیر مسکرایا لیکن آنکھوں میں سنجیدگی تھی۔ ہیزیل اسے گھورتی رہی ابھی اس نے مزید کچھ کہنے کو لب کھولے ہی تھے جب گولڈن نے اسے ٹوک دیا۔

"ہیزیل! میں بات کر رہا ہوں اس سے۔" اس نے سرد مہری سے ہیزیل کو جھڑک دیا۔ شیر نے طنزیہ نگاہ ہیزیل پر ڈالی اور مسکراتا ہوا سر جھٹک کر صوفے پر آبیٹھا۔ اطمینان ہر انداز سے عیاں تھا۔

"ہاں بالکل وجہ ہے گولڈن! بغیر وجہ کے شیر کچھ نہیں کرتا۔" شیر نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائی اور گہری سانس بھری۔ گولڈن شیر کی طرف متوجہ تھا۔

"وجہ یہ ہے کہ آج کل تم سب بے وجہ ایسے کام کر رہے ہو جو میرے دماغ پر نہیں لگ رہے۔" شیر نے گولڈن کی جانب دیکھا۔ گولڈن کی آنکھیں الجھن آمیز انداز میں چھوٹی ہوئیں۔ بھنویں سکڑیں۔

"کیا مطلب ہے تمہاری اس بات کا؟" اب کے عمش نے سوال کیا۔

"شروعات تم سے کرتا ہوں۔" شیر نے عمش کی جانب دیکھا۔

"تین دن پہلے تم نے "Desire" کے ساتھ دس لاکھ ڈالر کا معاہدہ کیا ہے۔ تمہیں کیا لگا مجھے پتا نہیں چلے گا؟" شیر نے رسائیت سے سوال کیا۔ عمش کا منہ کھلا رہ گیا۔ وہ اس کی توقع نہیں کر رہا تھا۔

"صوفیہ کے ساتھ آج کل جو گل تم کھلا رہے ہو، جن لوگوں سے مل رہے ہو۔ میں انجان ہوں؟" شیر نے سوال کیا۔ عمش کی آنکھوں میں

بے یقینی اتری۔ وہ یک دم گھبرا کر ہیزیل کی جانب دیکھنے لگا۔ ہیزیل خود کو انجان ظاہر کرتی رخ موڑ کر دوسری جانب دیکھنے لگی۔

"اور مس ہیزیل!" شیر نے رخ ہیزیل کی جانب موڑ دیا۔ ہیزیل کی سانس ساکن ہوئی۔ بے اختیار لب بھینچتے اس نے اس آنکھیں سختی سے میچ لیں۔ کیا وہ اس کے بھی سارے راز جان گیا ہے؟ خیال اس کی جان پر بن گیا۔

"کسی پارٹی میں تم کس سے ملتی ہو؟ کیا کرتی ہو۔۔۔ یہ سو فیصد تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ لیکن کسی بھی حد کو پار کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا تمہارا فرض ہے کہ تم میری کمپنی کا نام ساتھ لیے دنیا میں چلتی ہو۔" شیر کا لہجہ سنجیدہ تھا۔ ہیزیل لب بھینچے آنکھیں سختی سے بند کیے کھڑی رہی۔ وہ نہیں پلٹی۔

"تمہارے باپ پر لاکھوں تنازعے اٹھے، مجھے پر لاکھوں تنازعے اٹھتے ہیں۔ عمش نے بیوی کو قتل کر دیا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ لیکن پچھلے ہفتے ایک تقریب میں تم نے ایک پر تگالی کھلاڑی کا تعارف اپنی برانڈ ماڈل سے کروایا۔۔"

ہیزیل دل ہی دل میں اپنی اس غلطی پر لعنت بھیجی۔ گولڈن کی آنکھیں غصے سے سرخ پڑنے لگیں۔

"بزنس وومن رہو دلال مت بنو۔" شیر نے لحاظ کو بالائے تاک رکھتے ہیزیل کو عرش سے فرش پر لاٹھا۔
عمش کا چہرہ اپنی بیوی کے ذکر پر سفید پڑ چکا تھا۔

"تم میری بیوی کا ذکر ایسے نہیں کر سکتے۔۔ یہ کیسی باتیں کر رہے ہو تم؟" عمش نے احتجاجی لہجہ اپنایا۔

"کیوں؟ کیوں نہیں کر سکتا میں؟ کیا تم نے اسے واشنگٹن کے جنگل میں قتل نہیں کروایا؟" شیر نے گردن ذرا سی گھما کر عمش کی جانب دیکھا اور ابرو اچکائی۔ عمش نے لب بھینچ کر گولڈن کی جانب دیکھا۔ وہ سرد نگاہوں سے عمش کی جانب دیکھ رہا تھا۔ عمش مٹھیاں بھینچ

کر دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ وہ اس کے سامنے کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔

"اور گولڈن تم!" اس نے گولڈن کی جانب دیکھتے کہا۔ گولڈن نے سوالیہ انداز میں گردن کو جنبش دی

"ڈیوڈ میکرون اور ڈیمن سان جس طرح کے مشورے تمہیں دے رہے ہیں اور اس کے باوجود تم تیسری چوتھی مرتبہ اس سے طویل ملاقاتیں

کر رہے ہوں۔ یہ وہ مقام ہے جس کے بعد میرے پاس تم پر بھی
بھروسہ کرنے کی ٹھوس وجہ نہیں رہتی۔۔ "شیر نے ناگواری سے کہا۔

گولڈن نے حیران ہوئے بغیر گہری سانس لی۔ اس نے حیران ہونا چھوڑ دیا
تھا۔ وہ کبھی جان نہیں پایا تھا کہ وہ کون لوگ تھے جو ہر اطلاع اسے
دیتے تھے اور اب اس نے جاننے کی کوشش کرنا تک چھوڑ دی تھی۔

"تمہیں مجھ پر کبھی بھروسہ تھا؟" گولڈن نے چہرے پر مسکراہٹ لاتے
نرمی سے سوال کیا۔

"نہیں! پر اس کے باوجود تمہیں میں نے اپنے ساتھ یہاں تک رکھا
ہے۔۔" شیر نے اپنے کاندھے کی جانب اشارہ کیا۔

"Side by side"...

وہ ایک پل کو ٹھہرا۔

"بیس سال گزرنے کے بعد بھی۔" شیر نے بات مکمل کرتے منہ بنایا۔ ہیزیل اور عمش نا سمجھی سے ان دونوں کی جانب دیکھ رہے تھے۔ وہ دونوں انجان تھے کہ یہ گفتگو اور یہ معاملات کون سے ہیں جن کی بات وہ دونوں کر رہے تھے۔ جبکہ گولڈن پر سکون تھا۔ مکمل طور مطمئن۔۔

"بیس سال اور گزر جائیں تب بھی تم یہیں رہو گے لیکن میں تمہیں پسند کرنا چھوڑ دوں گا۔" شیر کی دھمکی پر گولڈن یک دم ہنس دیا۔ بے اختیار گردن پیچھے گرا کر وہ ہنس رہا تھا۔

"You know what boy!"

گولڈن نے ہنسی پر قابو پاتے چمکتی آنکھوں سے شیر کی جانب دیکھا۔

"I know.. I am the best thing ever happend to You" ..

شیر نے مسکراتے ہوئے اس کی بات درمیان میں اچک کر مکمل کی۔

"Ahhh... Thats cringe" ...

ہیزیل نے تپ کر بلند آواز میں کہا۔

"That cringe comes from your father" ...

شیر نے ہیزیل کی جانب دیکھتے بے نیازی سے کہا۔ گولڈن ہنوز مسکرا رہا تھا۔

اس کی مسکراہٹ میں چمک تھی۔ یقین تھا اور محبت تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ اسے شیر کی چالاکی، ذہانت، ہوشیاری سے بلا کی محبت تھی۔ وہ سب جانتا تھا۔ گولڈن کو اس کا ساری دنیا سے دس قدم آگے چلنا پسند تھا۔ شیر وہ مہرہ تھا جو اس کی گردن کا سریا بن چکا تھا۔ اس کے دوست اس کی بات نہیں ٹال سکتے تھے وجہ شیر تھا۔ دنیا اس سے خوف

کھاتی تھی تو وجہ شیر تھا۔ دنیا اس کے مشورے مانتی تھی تو وجہ شیر تھا۔ اس کے پاس اس وقت جو سب سے قیمتی اثاثہ تھا وہ شیر تھا۔

"You don't have any courage to stop him" ..

ہیزیل نے ہاتھ اٹھا کر شیر کی جانب اشارہ کرتے لمحاتی سکوت کو اپنی سرد آواز سے توڑا۔ اس کی شکایتی نگاہیں اپنے باپ پر تھیں۔

"You are absolutely right".

شیر نے ہیزیل کی جانب دیکھتے کہا۔

"تمہیں شکایت ہے کہ میں تم لوگوں کو اپنے برابر کیوں نہیں سمجھتا؟ کیوں نہیں لاتا؟ اس کے باوجود کے تم گولڈن کی لاڈلی اکلوتی بیٹی ہو۔" شیر نے کہتے ہوئے عیش کی جانب دیکھا۔

"اور تم گولڈن کے ساتھ اپنی نو عمری سے ہو؟ یہ زیادتی ہے تم دونوں کے ساتھ۔؟ نہیں! یہ زیادتی نہیں ہے۔" شیر نے گردن نفی میں ہلاتے ہوئے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"تم لوگ ابھی جہاں ہو تم لوگ اس مقام کے بھی لائق نہیں ہو۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔ عمش نے جبراً بھیج لیا۔ ہیزیل بھی پر تپش نگاہوں سے شیر کی جانب دیکھتی رہی۔

"میں بالکل سیدھی بات کر رہا ہوں۔ ہیزیل تم جس دن کسی معاملے کو سکون سے بیٹھ کر، بے چینی سے چکر کاٹے بغیر، اپنے حسن کے، اداؤں کے جلوے دکھائے بغیر۔ مجھے اپنا بوائے فرینڈ اور گولڈن کو اپنا باپ ظاہر کیے بغیر اپنے بل پر حل کروگی اس دن میں تمہیں اپنے ساتھ کھڑا

کرنا پسند کروں گا۔ جتنے اختیار مانگو گی دوں گا۔" شیر نے ہیزیل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

"یہ میرا وعدہ ہے۔" شیر نے ہاتھ جھلا کر کہا اور پھر عمش کی جانب دیکھا۔

"تم میں گٹس نہیں ہیں عمش! تم ایک بدمعاش گھرانے میں پیدا ہوئے ہو۔ اور تمہاری فطرت تمہیں صرف کامیاب بدمعاش بنا سکتی ہے۔ تم ایک کامیاب بزنس مین نہیں بن سکتے۔ اس رویے اور طور طریقے کے ساتھ تو کبھی نہیں۔" شیر نے صاف گوئی کی حد پار کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ عمش کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔ آنکھیں جل اٹھیں۔

"میں تمہیں جج نہیں کر رہا، میں تمہیں نیچا نہیں دکھا رہا نہ میں تمہیں حقیر سمجھتا ہوں لیکن۔۔۔" اس نے گہری سانس لی۔

"A fact is always a fact.. And I beleive in facts" ..

اس نے دونوں ہاتھ پھیلاتے سر خم دیا۔

"میں بات کو کم سے کم الفاظ میں لپیٹ کر تمہارے سامنے رکھوں گا۔

فرق نہیں پڑتا تم نے دنیا کی مشہور تعلیمی اداروں سے حاصل کی

ہے۔ لیکن تم میں ذہانت نہیں ہے۔ تم میں صبر نہیں ہے۔ تم میں

حقیقت پسندی نہیں ہے۔ تم کسی معاملے کو فکس نہیں کر سکتے۔ جیسے کرنا

ہوتا ہے ویسے نہیں کر سکتے۔" شیر کی آنکھوں میں تاسف ابھرا۔

"تم نے اپنی زندگی میں بڑی بڑی غلطیاں کی ہیں۔ تم اپنی عورتوں کی

حفاظت نہیں کر سکتے، تم اپنے گھر کی حفاظت نہیں کر سکتے تو تم اس کاروبار

کی حفاظت کیسے کرو گے؟ زندگی کے اتنے سال گزرنے کے باوجود تم کسی

میٹنگ میں اپنے بل بوتے پر کچھ نہیں کر سکے، تمہیں کاروبار میں مقام

چاہیے؟" اب کے وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ عمش ضبط کی آخری حد پر آپہنچا تھا۔ وہی جانتا تھا کہ اس نے خود پر کیسے قابو پارکھا تھا اس کے بس میں ہوتا تو وہ شیر کی گردن ایک پل میں توڑ کر رکھ دیتا۔

"خیر سب چھوڑو تمہیں ابھی کی مثال دیتا ہوں۔ اس وقت میں تمہاری جگہ ہوتا تو اپنے سامنے کھڑے میرے بارے میں اتنی باتیں کرنے والے شخص کا منہ توڑ دیتا یہ سوچے بغیر کہ پھر میرے ساتھ کیا ہوگا۔ تم رسک نہیں لے سکتے۔ تم ایک ڈرپوک اور بزدل انسان ہو جو زندگی کا ہر لمحہ اپنی کمزوریوں کو چھپانے پر ضائع کر دیتا ہے۔" وہ چالاکی سے مسکرایا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر رکنے کا اشارہ کیا۔

"اب یہاں آکر میں رک رہا ہوں۔ کسی مقام کو حاصل کرنے کے لئے اپنے اندر گٹس پیدا کرنے پڑتے ہیں مقام بھیک میں یا خیرات میں نہیں

مل جاتے۔۔ تم لوگ صرف ان لوگوں پر حکومت کر سکتے ہو" اس نے کہتے انگلی عمش کی جانب اٹھائی۔

"جن کے لئے دولت اور شہرت معنی رکھتی ہے۔ لیکن دنیا میں دولت اور شہرت سے بڑا ایک درجہ ہے جسے طاقت کہتے ہیں۔۔ اور میں صرف طاقت پر یقین رکھتا ہوں دنیا کے پیچیدہ ذہنوں کو مات دینے کے لئے جو گٹس چاہیے ہوتے ہیں وہ تم دونوں میں نہیں ہیں۔" شیر نے اب کے شہادت کی انگلی باری باری ان دونوں کی جانب کی۔

میرے نظریے کے سامنے تم دونوں فیلتیرز ہو۔۔"

"And it's a fact too!"

شیر اب جانے کے لئے مڑ گیا۔ ہیزیل مٹھیاں بھینچے باپ کی جانب دیکھ رہی تھی۔ آنکھیں قہر برسا رہی تھیں لیکن لب آپس میں پیوست تھے۔ عمش دکھتا انگارہ بنا شیر کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"اور ہاں!" شیر نے گردن گھما کر پھر ان کی جانب دیکھا۔
"اسے بے عزتی مت سمجھنا میں تم دونوں کو بے عزت نہیں کر رہا تھا۔"

To be very honest... Take it as a motivation therapy and
feel less humiliated"

شیر کمرے سے نکل گیا۔ کمرے کی فضا پر سوگوار سی خاموشی چھائی تھی۔
"دونوں یہاں سے دفع ہو جاؤ!" گولڈن کی سخت اور سرد آواز نے ہیزیل
اور عمش کو بوکھلا کر اپارٹمنٹ خالی کرنے پر مجبور کر دیا۔ وہ تیز قدموں
سے باہر کی جانب بڑھے تھے۔



وہ راہداری میں آگے بڑھ رہا تھا۔ چہرے پر بے نیازی اور آنکھوں میں اطمینان تھا۔ دفعتاً اسے اپنے پیچھے تیز قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی لیکن وہ رکنا نہیں۔ وہ چلتا رہا۔

"رکو۔" عمش نے درشت لہجے میں اسے رکنے کا حکم دیا لیکن وہ چلتا رہا۔ چہرے پر لطف لیتی مسکراہٹ نے جنم لیا۔

"میں نے کہا رکو۔۔" عمش اس کی لاپرواہی پر مزید غرایا اور اس کی کہنی پکڑ کر اسے روکنے کی کوشش کی۔ شیر رکا اور گردن گھما کر سوالیہ انداز میں اس کی جانب دیکھا۔

"تم نے جنت سے کیا کہا ہے؟" یہ وہ پہلا سوال نہیں تھا جو وہ کرنا چاہتا تھا لیکن اس پل اچانک ہی اس کے ذہن میں جنت کی آوازیں گونجنے لگیں تھیں۔

"کیا یہ وہ سوال ہے جسے کرنے کے لئے تم میرے پیچھے آئے؟" شیر نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر بھنوائیں سکیڑ لیں۔

"میں تمہیں کئی بار کہہ چکا ہوں جنت سے دور رہا کرو۔ ورنہ یہ تمہارے حق میں بہتر نہیں رہے گا۔" عمش اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔

"Why do you care" ..?

شیر آہستگی سے ہنسا پھر ٹھہرا۔

"Or you do..?"

اب کے اس کی جانچتی نگاہیں عمش کے چہرے پر منڈلا رہی تھیں۔ عمش کا غصہ مزید بڑھا۔

"جنت کو میرے خلاف بھڑکانا ایک انتہائی گری ہوئی حرکت ہے جو تمہیں زیب نہیں دیتی۔"

"اچھا تو تم مانتے ہو گری ہوئی حرکتیں صرف تمہارے لیے ہیں۔" شیر شرارتی انداز میں مسکرایا۔

"حد پار مت کرو لڑکے ورنہ بری طرح پچھتاؤ گے ایسا نہیں ہے کہ تمہارے حوالے سے میں کچھ نہیں جانتا۔ میں جانتا ہوں صوفی تمہاری ماں ہے۔" عمش نے اپنے تہیں ایک غیر معمولی دھماکہ کیا تھا اور کچھ پل کو وہ چمکتی آنکھیں لیے شیر کے رد عمل کا منتظر رہا جیسے کہہ رہا ہو

اب کیا کرو گے۔۔؟ سامنے کھڑے شیر نے کوئی تاثر دکھائے بغیر آنکھیں
چھوٹی کیں اور یک دم قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

What ? That's a news. A really huge explosion...like
seriously?? I can't believe it .

Can u please bring my mom here ? I want to kiss and
hug her.

شیر نے چہرے پر بلا کی معصومیت سجاتے گڑ گڑانے کی اداکاری کرتے
عمش کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ عمش نے فوراً اس کے ہاتھ جھٹک دیے۔

"Can't you? Oh.. That's sad! I really wanted to meet my
mom.. By the way.. Have A good day" ..

شیر مسکرایا اور آنکھ دباتا آگے بڑھ گیا۔ آگے بڑھتے اس کے تاثرات تبدیل ہوئے تھے۔ چہرے پر خطرناک تاثرات ابھر آئے تھے۔

"You bloody piece of shit on my shoe" ...

وہ ناگواری سے بڑبڑایا۔ پیچھے عیش بت بنا کھڑا تھا۔ پلکیں جھپکائے بغیر وہ اس کی پشت کو گھور رہا تھا۔ دماغ سن تھا۔ بالکل سن! کس گناہ کی سزا تھا یہ انسان اس کی زندگی میں؟ وہ سزا بھی نہیں تھا۔ کم از کم اس کے لئے تو عذاب تھا۔ کاش وہ اس دھرتی سے اپنا وجود مٹا سکتا یا اس کا۔ اس ناقابل یقین اور غیر متوقع مخلوق کا اس کی زندگی میں ہونا اس کے لئے ہر گزرتے دن کے ساتھ نیا صدمہ پیدا کرتا تھا۔ اس کا نزدیک ہونا ایک امتحان تھا اور یہ عیش کی زندگی کا سب سے کڑوا سچ تھا۔



حاشائیٹ کے مانیٹرنگ روم کا منظر تھا۔ دیواریں گہرے رنگ کی تھیں۔ سامنے کی جانب بڑی اور پتلی سی اسکرین تھی۔ جو دیوار کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ سامنے ایک بڑا مانیٹرنگ ڈیسک تھا۔ جس پر ان گنت کی بورڈ اور بے شمار سسٹم آپس میں منسلک تھے۔ ڈیسک کے سامنے جھولنے والی کرسیاں تھیں۔ دائیں جانب ایک میز تھی جس کے گرد دو کرسیاں اور تھیں۔ میز پر کاغذات کا ڈھیر پڑا تھا۔ میز کے پیچھے ایک الماری تھی۔ لوہے کی چھوٹی سی الماری جو اس وقت بند تھی۔ حاشا مانیٹرنگ ڈیسک کے آگے بیٹھا تھا۔ اس کی نگاہیں اسکرین پر تھیں۔ اسکرین پر ایک ڈیٹا چل رہا تھا۔ جسے وہ غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے جسم پر سیاہ ٹی شرٹ تھی۔ قریب اسٹول پر چائے کا کپ رکھا تھا۔ وہ کہنی گھٹنے پر رکھے ہتھیلی پر ٹھوڑی ٹکائے ڈیٹا کو اپنے حافظے میں محفوظ کر رہا تھا۔ دفعتاً اس کے فون

میں ارتعاش پیدا ہوا۔ اس کی توجہ اسکرین سے ہٹی وہ سیدھا ہوا اور جیب میں ہاتھ ڈال کر فون نکالا اسکرین پر 9428 کے ہندسے ظاہر ہو رہے تھے۔ حاشر نے سامنے کی طرف جھکتے ایک بٹن دبایا اور فون اٹھا لیا۔

"The Great Guy of Pakistan"....

دوسری طرف سے مسکراتے لہجے میں کہا گیا۔ حاشر کی بھنویں سکڑیں وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ڈیسک کے قریب آیا۔ بغیر آہٹ پیدا کیے۔

"How was the surprise? Did You liked it?Buddy"!

حاشر نے چند بٹن پریس کرتے نگاہیں اسکرین پر ٹکاتے انتہائی سکون سے کہا تھا۔

"مجھے پہچاننے کے باوجود اتنے پرسکون تم ہی ہو سکتے ہو۔ تم سے یہی امید تھی۔ کیسے ہو دوست؟" شیر نے اس کی پرسکون آواز پر شرارتی انداز میں سوال کیا۔

حاشر اسکرین پر نظر آتے منظر کو دیکھ رہا تھا۔ اسکرین پر شارجہ میں واقع ایک عالیشان ریزارٹ کی لوکیشن ظاہر ہو رہی تھی۔ حاشر مسکرایا۔ وہی مخصوص شیطانی عکس لیے دھیمی سی مسکراہٹ۔

"بہت مصروف ہوں۔" حاشر دوبارہ اپنی جگہ آکر بیٹھ گیا۔
 "تمہاری مصروفیت سمجھتا ہوں یار! لیکن تھوڑا وقت شغل کے لئے بھی نکال لینا چاہیے دوست یاروں سے رابطے کر لینے چاہیے کیا خیال ہے۔" شیر کہہ کر آہستگی سے ہنس دیا۔ حاشر نے طنزیہ انداز میں سر جھٹک کر ٹھنڈی سانس خارج کی۔

"ورنہ دوستیاں خراب ہوتی ہیں۔۔" شیر نے لقمہ دیا۔

"اچھا!" حاشر ہنس دیا۔

"بالکل! پوری تیاری کر کے یہاں آئے ہو۔ بیٹھے بیٹھے ٹریس بھی کر لیا

مجھے۔۔ ویسے اطلاع کے لیے عرض ہے تمہارے مرکزی ملزم تو جاچکے

میں اکیلا معصوم بچا ہوج" شیر ہنستے ہو مسکرایا۔

"ٹریس تو خیر نہیں کیا بس دیکھ رہا تھا۔ اور تم معصوم ہو؟ یہ میں نہیں

مانتا" حاشر مسکرایا اس کی چالاکی اور باخبری اس کے لئے کوئی اچنبھے کی

بات نہیں تھی۔ وہ اپنے ہدف کی خوبیوں اور خامیوں سے عموماً واقف ہی

رہا کرتا تھا۔

"کوئی ڈیل یا سیٹلمنٹ؟" شیر نے سنجیدگی سے پوچھا۔ حاشر کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ مسکراہٹ گہری ہونے پر چہرے کی دلکشی میں اضافہ ہوا۔ سیاہ آنکھوں کی چمک بڑھی۔

"کیا دے سکتے ہو مجھے؟" حاشر نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔
 "جیسا کہ تم جانتے ہو میں دنیا کا امیر ترین شخص ہوں اس وقت۔" شیر نے لہجے کو سنجیدہ بنانے کی ناکام کوشش کی لیکن حاشر اس کی شرارت محسوس کر لی تھی۔

"نارسسٹ بھی ہو۔۔۔" حاشر نے کرسی پر جھولتے اپنا سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔

"بنتا بھی ہے میرا۔" شیر نے لاپرواہی سے کہا۔

"واقعی۔۔؟" حاشر نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالتے سوال کیا اور پھر سیدھا ہوا۔

"اتنی کوشش بیکار ہے۔۔ تم میری لوکیشن ٹریس نہیں کر سکتے۔۔" حاشر نے اسکرین پر ایک جانب جلتی بجھتی سرخ بتی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ دوسری جانب یک دم سناٹا چھا گیا اور اگلے ہی پل شیر کا جناتی قہقہہ گونجا۔

"چلو آج کا کریڈٹ تمہیں دیتا ہوں۔۔ کون سا سرور انسٹال کر کے بیٹھے ہو ویسے؟" شیر کے لہجے میں دلچسپی پیدا ہوئی۔

"انسٹال نہیں کیا۔۔ انوینٹ کیا ہے۔ تمہیں پسند آیا۔۔" حاشر کے لبوں پر مسکراہٹ ابھری۔

"ہاں! تمہارا ہم بھی مجھے پسند آیا تھا۔" شیر نے کہہ کر توقف کیا پھر ٹھنڈی سانس بھری۔

"اب تعریف کر رہا ہوں تو اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ تم اپنا ہنر دکھانے کے لئے ہر دوسرے دن میری کمپنیاں دھماکوں سے اڑانے آجاؤ۔" شیر نے ایسا انداز اپنایا کہ حاشر چاہ کر بھی اپنا قہقہہ روک نہیں پایا اور زوردار انداز میں ہنس دیا۔

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ ایک شرارتی بچہ اپنی نادانیوں پر سزا کی کمی کے لئے درخواست کر رہا ہے۔"

"نادان بچہ اتنا بھی نادان نہیں۔ لیکن بڑا پن دکھانا ہی چاہتے ہو تو میری ایک بات مانو۔" شیر اب کے سنجیدہ ہوا۔ حاشر بے نیاز سا کرسی پر نیم دراز سا جھولتا رہا۔ چہرے پر دلچسپ تاثرات تھے۔

"کیا منوانا چاہتے ہو؟" حاشر نے اطمینان سے سوال کیا۔

"دور رہو میری حدود سے۔" شیر کا لہجہ خطرناک حد تک سرد ہوا۔

"ڈر رہے ہو؟" حاشر کا اطمینان برقرار رہا۔

"ڈرا رہا ہوں۔" شیر نے پر تپش لہجے میں کہا۔

"پر مجھے ڈر نہیں لگ رہا۔" حاشر نے لب دانتوں میں دباتے مسکراہٹ روکی۔

"لگے گا۔"

"کب؟" حاشر نے فوراً سوال کیا۔

"جب میرا پنجہ تمہاری نبض پر آکر رکے گا۔" شیر نے دھمکایا۔

"تمہارے نام کا مطلب کیا ہے شیر؟" حاشر نے اس کی دھمکی نظر انداز کرتے سوال کیا۔

"میرے نام کا مطلب جان کر کیا کرو گے؟" شیر نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"ایسے ہی کچھ یاد کر رہا تھا۔۔۔ خیر تمہاری دھمکی کیا تھی؟ بھول گیا؟" حاشر کے چہرے پر اس پل کوئی تاثر نہیں تھا۔ دوسری جانب بھی گھمبیر خاموشی چھائی تھی۔

"دور رہو مجھ سے۔۔۔" شیر نے تپے ہوئے انداز میں کہا۔
"مجھے تمہارے قریب آنے کا کوئی خاص شوق نہیں ہے لیکن میری مجبوری ہے۔" حاشر اب کے سیدھا ہو بیٹھا۔ اس کی آنکھوں کے سرخ ڈورے ابھر سے گئے تھے۔

"اپنی مجبوری کا حل نکالو اور عقل کو ہاتھ مارو۔ تم نے جس راہ پر قدم رکھے ہیں وہ راستہ تمہاری منزل تک نہیں جاتا۔"

"میری منزل اور راستوں کا تعین میں کرتا ہوں ایک بین الاقوامی مجرم یہ طے نہیں کر سکتا کہ میرے راستے اور منزل کیا ہونی چاہیے۔" حاشر نے الفاظ کو لہجے کی گرفت میں جکڑ کر کہا۔

"بین الاقوامی مجرم! واہ مجھے لگا تم پاکستان کے جاسوس ہو۔۔۔ پر تم تو چیف نجج والی باتیں کر رہے ہو۔۔۔ نہ کیس ہوا، نہ پیشی ہوئی، نہ دلائل پیش ہوئے۔۔۔ تم نے بیٹھے بیٹھتے مجھے مجرم قرار دے دیا۔ وہ بھی بین الاقوامی۔۔۔ واہ۔ بڑی عزت کما رہا ہوں میں۔۔۔" آخری جملے پر شیر نے خود ہی طنز کر کے حاشر کو پھر ہنسنے پر مجبور کر دیا۔

"By the way.. Be Carefull.. I Am Too dangerous to deal" ..

شیر نے باور کرانا لازم سمجھا۔

"I get along well with danger" ..

حاشر نے کہا۔

"پھر مزہ آئے گا۔" حاشر نے کہتے رابطہ ختم کر دیا۔ حاشر کی نگاہ اسکرین پر آٹھری۔ اسکرین پر کچھ دیر قبل ظاہر ہونے والی لوکیشن کے شواہد ایسے غائب تھے جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔ حاشر کی آنکھیں چھوٹی ہوئیں وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ڈیسک کے قریب آیا۔ چند بٹن پریس کیے اسکرین ہنوز ساکت تھی۔ وہ الجھا اور سیدھا ہوا۔ کچھ سوچتے اچانک اس کے ذہن میں ایک جھماکا ہوا وہ بے اختیار ہنس دیا۔

"بہت۔۔ بہت مزہ آئے گا۔" حاشر نے سٹم کے نقص کا مشاہدہ کرتے زیر لب کہا۔

"شرارتی بجہ جس کا ہاتھ درخت کے پھل تک نہ پہنچا تو سب سے نچلی ٹھنی توڑ گیا۔" حاشر بڑبڑاتے ہوئے پھر ہنس دیا۔ شیر اس کا سسٹم ہیک نہ کر سکا تو ایک ڈھیٹ قسم کا وائرس سسٹم میں داخل کرتے فرار ہو گیا۔ حاشر کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔ جیسے کسی شرارتی بچے کی شرارت پر مسکرا رہا ہو۔

اس کا فون پھر بجنے لگا اس نے اپنی اسکرین کو دیکھتے ٹھنڈی سانس بھری۔

"جی مس طوبی!" آواز میں اب کی وہی نرمی تھی۔
"کیا آپ ابھی تک حاشائیٹ میں ہیں؟" طوبی نے ہچکچاتے ہوئے سوال کیا۔

"جی!" حاشر نے فون کان سے لگائے دوبارہ ڈیسک کی جانب اپنا رخ موڑا۔

"کام کر رہے ہیں؟"

"جی!"

"کیا آپ نے لپچ کیا ہے؟" طوبی نے فکر مندی سے سوال کیا۔

"نہیں۔۔" اس نے اب کے اسپیکر آن کرتے فون اسٹول پر رکھ دیا اور

اپنا کام کرنے لگا۔

"نہیں؟ وقت دیکھا ہے آپ نے کمانڈر؟ اگر یہی حرکت میں نے یا ان

تینوں میں سے کسی نے کی ہوتی؟" وہ یک دم خفگی سے بولی۔ حاشر کے

تیزی سے چلتے ہاتھ ایک پل کو ساکت ہوئے اور اس نے اسٹول پر رکھے

فون کی جانب دیکھا۔ لمحاتی مسکراہٹ چہرے پر اتر کر معدوم ہوئی۔

"کمانڈر؟" طوبی نے اس کی جانب چھائی خاموشی پر اسے پکارا۔

"جی مس طوبی!" حاشر کے لہجے میں وہی نرمی اور احترام تھا۔ دوسری جانب فون کان سے لگائے بالکنی میں کھڑی طوبی کا دل بے اختیار بے وجہ دھڑکا۔ پھولے گالوں پر سرخی اتری۔

"لنچ کر لیجیے۔" طوبی نے لہجے کو معتدل کرتے کہا پھر ایک پل کو رکی۔
 "اور اپنا خیال رکھیں۔" اس نے کہہ کر فون بند کیا اور سرخ چہرے پر ہاتھ پھیرتی اندر کی جانب بڑھی۔ سامنے کھڑا اریب کمر پر ہاتھ رکھے مشکوک نظروں سے گھور رہا تھا۔

"کس سے بات کر رہی تھی تم؟ اور یہ شرم کیوں آرہی ہے اتنی؟" اریب نے قریب آتے مزید غور سے دیکھا۔ جانچتی نگاہیں۔

"ہٹو زیادہ محلے کی فسادی عورت نہ بنو" طوبی نے اس کے معدے پر مگّا رسید کرتے اسے پھرے دھکیلا۔

"آہ۔۔" وہ معدے پر ہاتھ رکھتے جھکا۔ چہرے پر تکلیف کے آثار ظاہر ہوئے۔

"ہزار دفعہ کہا ہے اپنے تھور والے ہاتھ قابو میں رکھا کرو۔ کتنا بھاری ہاتھ ہے تمہارا۔"

"ایک عورت کا ہاتھ اتنا بھاری کبھی نہیں ہو سکتا۔" اریب کا ہاتھ ہنوز اپنے معدے پر تھا۔ وہ چلتے ہوئے ہال میں آہنچے۔ طوبیٰ اسے نظر انداز کرتی کچن کی جانب بڑھ گئی۔

"ایک عورت اتنی بھاری ہو سکتی ہے تو اس کا ہاتھ بھی ہو سکتا ہے۔" حنین نے شرارتی انداز اپنا کر آواز بلند رکھی تاکہ آسانی طوبیٰ تک جا پہنچے۔

"اب کیا کر سکتا ہوں تم لوگوں کا بھائی ہے ہی اتنا ہینڈ سم کہ۔۔"

"کہیں یہ وہی موٹی آنکھوں والی لمبی لڑکی تو نہیں جو ہم سے بھی تین چار دفعہ کمانڈر حاشر کے بارے میں پوچھ چکی ہے؟" اریب نے آنکھ دباتے حنین کی تائید چاہی۔ اسی پل طوبی تیز تیز قدموں سے چلتی ہال میں آئی۔

"کیا؟ کون؟ وہ جس کے موٹے ہونٹ ہیں؟ ڈیپ ریڈ لپ اسٹک لگاتی ہے؟ وہ جو۔" طوبی ماتھے پر تیوری چڑھائے ان تینوں کی جانب جانچتی نگاہوں سے باری باری دیکھا۔

وہ تینوں چھت پھاڑ قہقہے لگاتے ہال میں ایک دوسرے پر گرتے ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ طوبی لب بھینچے آنکھوں میں غصہ لیے ان تینوں کو گھورتی واپس مڑی۔

"ابھی جا کر کمانڈر کو تم تینوں کی کاہلی کے قصے بڑھ چڑھ کر نہ سنائے تو میرا نام بھی کیپٹن طوبی نہیں۔۔۔" وہ غصے سے اونچا بولتی تیار کیا لہجہ باکس

لیدر بیگ میں ڈالتی بولی۔ وہ تینوں ہنوز ہنس رہے تھے۔ طوبیٰ چہرے پر غصہ لیے اپنا مفلر گردن کے گرد لپیٹی اپنی جیکٹ پہننے لگی۔

"اور یہ عربی دوشیزہ دوبارہ کبھی کمانڈر کے بارے میں کچھ پوچھے تو اسے یہ ضرور بتانا کہ کیپٹن طوبیٰ کے ہاتھ کتنے وزنی ہیں۔"

"اور یہ بھی کہ وہ خود بھی پینسٹھ کلو وزنی ہے۔" منان نے لقمہ دیا۔

"پچپن!" طوبیٰ نے غصیلے لہجے میں تصحیح کی اور جوتے پیروں میں ڈالتی زوردار انداز میں گیٹ بند کرتی باہر نکل گئی۔ اندر وہ تینوں ہنوز ہنس رہے تھے۔



"پریس ریلیز کو میں نے اچھے سے ہینڈل کر لیا۔ عمش چاہتا تھا کہ وہ یہ پریس کانفرنس کرے لیکن میں نے اس کو کہہ دیا کہ آپ چاہتے ہیں کہ

یہ کانفرنس میں آپ کے نام سے کروں۔ "ڈینیل پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔ شیر پلنگ نیم دراز تھا۔ جسم پر سفید شارٹ تھی جو اس کے گھٹنوں سے بھی اوپر تھی۔ سینے پر بنا ٹیٹو ظاہر تھا۔ گلے میں اس کا مخصوص پینڈیٹ لٹکا ہوا تھا۔ بال پیشانی پر بکھرے تھے۔ وہ بے نیاز اور مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔

"دیکھا میں نے۔ بڑے ہینڈسم دکھائی دے رہے تھے تم۔" شیر نے سامنے رکھے تین لیپ ٹاپس کو باری باری دیکھتے کہا۔

"کیا آپ دیکھ رہے تھے؟" ڈینیل جھینپ گیا اور مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں! لیکن تم اتنے پر جوش کیوں ہو؟ کیا یہ تمہاری پہلی پریس کانفرنس تھی؟" شیر نے سوال کیا۔

"نہیں۔۔ پہلی نہیں تھی لیکن اہم تھی۔۔ دنیا بھر کے میڈیا ہاؤسز آئے تھے۔" ڈینیل نے بتایا۔

"Who cares" ..

"انھیں لگا آپ یا بگ باس کانفرنس کو لیڈ کریں گے۔۔"

"Me? Seriously?"

شیر نے ایک ابرو اچکاتے سوال کیا۔ ڈینیل نے اثبات میں گردن ہلائی۔
"ویسے کیا میں نارسٹ ہوں؟" شیر نے یک دم کچھ آنے پر سوال کیا۔ ڈینیل نے الجھن آمیز انداز میں اس کی جانب دیکھا۔ کچھ لمحے سوچتا رہا پھر کاندھے اچکائے۔
"آپ کا بنتا بھی ہے ماسٹر!"

شیر نے ایک مسکراتی نگاہ ڈینیل پر ڈالی جیسے کہہ رہا ہو "تم ہی میرے
سچے یار ہو۔"

"I am so proud of you love!"

شیر نے اشارتاً ایک بوسہ اس کی جانب اچھالتے آنکھ دبائی۔ ڈینیل بری
طرح شرمایا اور سرخ چہرہ لیے ہنس دیا۔

"جاؤ! جاکر میرے لئے آسکریم لے آؤ اس سے پہلے کہ میں تمہاری
محبت میں پگھل جاؤں۔" شیر نے ایک لیپ ٹاپ اٹھاتے گود میں
رکھا۔ ڈینیل دانت نکالتا گنگناتا باہر کی جانب بڑھ گیا۔ وہ خوش دکھائی دے
رہا تھا۔



شیر ہنوز پلنگ پر نیم دراز تھا۔ وہ ایک پلان ترتیب دے رہا تھا۔ ایک بڑا اہم پلان۔ چہرے سے ظاہر تھا کہ وہ جو کام کر رہا تھا وہ انتہائی اہم تھا۔ ایک پل کے لئے وہ سائیڈ ٹیبل کے قریب جھکا۔ اپنی پاکٹ وائچ اٹھا کر وقت دیکھا اور پھر سائیڈ ٹیبل کی دراز کھول کر اندر سے اپنا فون نکالا اور ایک نمبر ملا یا۔

"ہاں عبدل!" شیر نے نرمی سے کہا۔

"میں آپ کے فون کا انتظار کر رہا تھا کمانڈر!" دوسری طرف ادب و احترام سے کہا گیا۔

"تمہیں جو چاہیے تھا مل گیا؟"

"جی کمانڈر!"

"کہاں ہو؟" شیر نے لیپ ٹاپ پر ایک نقشہ کھولتے ہوئے کہا۔

"میں مرکزی شاہراہ کے پیچھے جنگلات کی طرف ٹھہرا ہوا ہوں۔"

"سیکیورٹی کلئیرنس کے وقت کیا کرو گے؟"

"زیر زمین سرنگ کمانڈر!" عبدال نے جواب دیا۔

"بن مفتاح کہاں ہے؟"

"وہ قریب ہی ہے۔" دوسری جانب سے کہا گیا۔

"ایک گھنٹے میں سارے ساتھیوں کو لے کر ایک کانفرنس آڈیو کال کا

انتظام کرو اور میری کال کا انتظار کرو۔" شیر نے ہدایت کرتے فون بند کیا

اور اگلے ہی پل سم کارڈ نکال کر دوسری سم لگا کر فون آن کیا۔

اگلے ہی پل بپ ہوئی۔ شیر نے پیغام چیک کیا اور اس کے لبوں پر ایک

مسکراہٹ اتری۔ اس نے ایک نمبر ملایا۔ کچھ پل بعد ہی فون اٹھا لیا گیا۔

"بھائی!" غازی کے لہجے میں بے قراری اور محبت تھی۔

"بھائی کا چیتا!" شیر مسکرا دیا۔

"میں اندر داخل ہو گیا ہوں۔"

"شاباش! اب کیا کرو گے؟"

"آپ نے مجھے صرف داخل ہونے کو کہا تھا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں میری پچھلی غلطی کی وجہ سے آپ نے میرا پچھلا ریکارڈ بدل دیا ہے۔" غازی کا لہجہ ذرا سا بجھ گیا۔

"پریشان کیوں ہو تمہارا ریکارڈ محفوظ ہے کچھ بھی نہیں بدلا۔ تم نے بڑے بڑے کام کیے ہیں۔ تمہاری جرات بہادری ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔" شیر نے نرمی و محبت سے سمجھایا۔

"اب کچھ عرصے تک تم میرے آس پاس رہو گے۔ میری کمانڈ میں کام کرو گے۔ یہ تمہارا نیا ریکارڈ ہو گا۔" شیر نے کہا۔

"میں پریشان نہیں ہوں لیکن۔۔ امیر۔۔"

"امیروں کو میں نے تمہاری غلطی نہیں بتائی غازی! میں نے انہیں صرف یہ بتایا کہ تمہاری جان کو خطرہ ہے انہوں نے مجھے اجازت دی کہ میں تمہیں اپنے ساتھ رکھ سکتا ہوں۔ لیکن یہ تمہاری پہلی اور آخری غلطی تھی غازی!" شیر نے باور کروایا۔ لہجہ ہنوز نرم تھا۔ وہ فی الحال غازی پر سختی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کس انسان کو زندگی کے کس مقام پر کس طرح سنبھالنا ہے۔

"میں احتیاط کروں گا۔" غازی نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ شیر نے فون رکھا ہی تھا جب اس کے ایک لیپ ٹاپ پر اسکاٹپ کال آنے لگی۔ شیر نے نگاہیں اسکرین پر ڈالیں۔

"Baby boy calling" ...

شیر یک دم مسکرایا۔ رابطہ بحال ہوتے ہی شیر نے ایک بھرپور نگاہ سامنے نظر آتے دلکش چہرے پر ڈالی۔

"Hello bro! What's up?"

وہ پلنگ پر اوندھے منہ پڑا اپنا چہرے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں پر رکھے چمکتی آنکھوں سے شیر کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"Good to see you!"

"واؤ آپ کا ٹیو کتنا پیارا ہے۔ مجھے بھی بنوانا ہے۔ پر میں شیر نہیں بنواؤں گا۔" وہ ایک پل کو رکا پھر کچھ سوچا۔ شیر نے ایک ابرو اچکا کر سوالیہ انداز میں گردن ہلائی۔ جیسے پوچھ رہا ہو کیسا ٹیو بنوانا چاہتا ہے۔

"میں تتلی بنواؤں گا یہاں۔" اس نے پرجوشی سے کہتے اپنے سینے کی جانب اشارہ کیا۔

"تتلی؟" شیر ہنس دیا۔

"ہاں تتلی! جو کسی کے ہاتھ نہیں آتی لیکن پل بھر میں توجہ کھینچ لیتی ہے۔۔ جو بہت خوبصورت ہوتی ہے۔ میری طرح!" اس نے دانت نکالے۔

شیر گردن پیچھے پھینک کر ہنس دیا۔

"کیوں ہنس رہے ہیں بھائی؟ کیا میں پیارا نہیں ہوں۔" اس نے لب دانتوں میں دبا کر خفگی سے شیر کی جانب دیکھا۔

"کیوں نہیں ہو۔۔ ہو تم پیارے بہت زیادہ پیارے ہو۔" شیر نے مسکراتی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"مجھے پتا ہے۔۔ ویسے میں نے چار بار کال کی تھی کال کیوں نہیں اٹھائی آپ نے؟" احمر غازی نے شکایتی انداز اپناتے سوال کیا۔

"مصروف ہوتا ہوں میں پیارے!" شیر نے اب کے نگاہیں دوسرے لیپ
ٹاپ پر جماتے کہا۔

"آپ ہمیشہ کہتے ہیں میں مصروف ہوتا ہوں۔ میں مصروف ہوتا ہوں۔
اس کے باوجود جب میں دیکھتا ہوں نوے فیصد آپ
شوخیوں مار رہے ہوتے ہیں یا فضول کام کر رہے ہوتے ہیں۔" احمر غازی
نے اپنے تہیں ایک کھرا سچ بیان کیا تھا۔ شیر نے ابرو سکڑیں اور ایک تیز
نگاہ احمر پر ڈالی۔

"بد زبان لڑکے!" شیر نے اسے نرمی سے جھڑک دیا۔
"میں سنجیدہ ہوں۔ کرتے ہی کیا ہیں آپ؟ ایویں کمانڈر بنے پھرتے
ہیں۔" احمر نے اسے چھیڑا۔

"بالکل تم سنجیدہ ہو۔ تم مکمل طور پر سنجیدہ ہو یہ ثابت کرنے کے لئے کہ تم مجھ سے متاثر نہیں ہو۔" شیر نے اسکرین کی جانب دیکھ کر آنکھ دبائی۔

"Come on!"

احمر تنک کر منمنایا۔
"آپ کبھی میری باتوں میں نہیں پھنستے۔ ساری دنیا کو پاگل بنالیتا ہوں میں۔" احمر نے ناک چڑھاتے ہوئے کہا۔

"Poor baby!"

شیر نے مصنوعی تاسف کا اظہار کیا۔
"ویسے آپ کو پتا ہے میں جنت سے ملا تھا۔" وہ یک دم پرجوشی سے بولا۔

شیر کے دوسرے لیپ ٹاپ پر چلتے ہاتھ ساکت ہوئے اس نے ٹھہر کر
احمر کی جانب دیکھا۔ آنکھوں میں ایک سوال اترا جسے زبان سے بیان
کرنے کی ضرورت ہرگز نہیں تھی۔

"ایسے ہی! میں ملنا چاہتا تھا۔ میں اس سے ملا آپ کی دی ہوئی کینڈی اسے
دے دی۔ اسے تسلی دی۔ وہ پریشان تھی۔ ڈسٹرب لگ رہی تھی تو میں
نے اس کا دل بہلانے کی کوشش کی۔ اسے بتایا کہ میں اسے پسند کرتا
ہوں۔" وہ دلکشی سے مسکرایا۔ آنکھوں کی چمک بڑھی۔

"She is beautiful! Amazing and very talented...No
wonder why she is your only love since your
childhood" ...

شیر اس پل بونچکا رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں خفگی، ناگواری، بے یقینی ایک ساتھ اترتی محسوس ہوئی۔

"اپنی حد میں رہو احمر غازی!" شیر نے انتہا کی ناگواری سے کہا۔

"میں نے اپنی حد پار نہیں کی۔ میں ہمیشہ اپنی حد میں رہتا ہوں۔" احمر تنک کر بولا۔ اس کا لہجہ احتجاجی تھا۔

"آپ مجھ سے یوں بات نہیں کر سکتے۔" وہ غصے میں اپنی جگہ پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔

"Seriously I have my pride.. How can you disrespect me like this? Huh"?

وہ چڑچڑا سا آنکھوں میں غصہ لئے تیزی سے بول رہا تھا۔

"یہ میری غلطی نہیں کہ میں حقیقت جانتا ہوں۔ اور میں بہت سی چیزیں جلدی سمجھ لیتا ہوں۔ یہ بھی میری غلطی نہیں کہ کسی چیز کو میرا دماغ ہزار زاویوں سے سوچتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ میں دنیا میں اس کا اشتہار لگاتا ہوں۔ میں کوئی عام بے وقوف لڑکا نہیں جو شوخیاں کرنے کے لئے اپنی غیر معمولی ذہانت کا اشتہار لگاتا پھرے۔" وہ ایک پل کو رکا سانس گہری سانس لی۔

"Okey shut your mouth now"!

شیر نے ہاتھ جھلا کر اسے چپ کروانا چاہا۔ اس کے اعصاب ڈھیلے پڑ چکے تھے۔

"Let me complete.. You rude jerk"!

اس نے بھی ہاتھ جھلا کر شیر کو سختی سے جھڑک دیا ایک پل کو شیر کی تیوری چڑھی اگلے ہی پل وہ لب بھینچ گیا۔ وہ اپنے عکس کو قابو نہیں کر سکتا تھا اسے یہ بات سمجھ لینی چاہیے تھی۔

"اگر امیر نے مجھے آپ کے انڈر نہ بھیجا ہوتا تو میں ابھی اسی وقت آپ سے سارے تعلق توڑ دیتا۔"

شیر کی آنکھیں چھوٹی ہوئیں۔

"تو یہ چھوٹا جن یہ بھی جان گیا تھا۔" وہ دل ہی دل میں بڑبڑایا۔ اسے درجنوں کام تھے لیکن اس کی نظریں اسکرین کے پار نظر آتے اس دلچسپ اور دلکش چہرے پر ٹکیں تھیں اس کا غصہ بھی پیارا تھا۔ شیر سوچتے ہوئے پلنگ پر پیچھے کی جانب ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

"لیکن میں ایک انتہائی ذمہ دار اور سمجھدار لڑکا ہوں آپ جیسے نارسسٹ کی باتوں میں آکر واپس نہیں جانا چاہتا۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آئندہ کبھی آپ مجھ سے اس لہجے میں بات کرنے والے ہیں۔۔۔" اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔ شیر بمشکل مسکراہٹ روکے ہوئے تھا۔

"آپ مجھ سے عمر میں بڑے ہیں اور دنیا کے امیر ترین انسان ہیں تو یہ کوئی بہت بڑی اور ناممکن کامیابی نہیں ہے۔ میں چاہوں تو اگلے تیس منٹ میں آپ سے زیادہ امیر بن سکتا ہوں۔۔۔" اس نے ناگواری سے کہہ کر پھر گہری سانس لی۔

"لیکن میرا مقصد پیسہ یا کامیابی نہیں۔۔۔ میرا مقصد اس سے لاکھ گنا زیادہ اہم اور قیمتی ہے۔۔۔"

شیر یک دم قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ وہ یک دم بیس سال پیچھے چلا گیا تھا۔ فاکس کے سامنے کھڑا تیرہ سالہ شیر۔۔

"I am not kidding at all... I m deadly serious right now"!

شیر کے ہنسنے پر اس کے لہجے کی تلخی اور غصہ مزید بڑھا۔

"Okey okey I am extremely sorry little one"!

شیر نے دونوں ہاتھ اٹھا کر ہار مانتے ہوئے مصلحتاً کہا۔

"مجھے آپ کے اس سوری سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ مجھے آپ پر حد سے

زیادہ غصہ ہے اگلے ایک ماہ تک میں آپ کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔ اور

میں اس کا بدلہ ضرور لوں گا۔

Just wait and watch"!

احمر غازی نے اسے جھڑک کر کال کاٹ دی۔ شیر کچھ پل تاریک اسکرین کو دیکھتا رہا اور پھر قہقہہ لگا کر ہنس دیا اور کافی دیر تک مسلسل ہنستا رہا۔



شام کا دارالحکومت دمشق جو کبھی قدیم طرز کی وسیع گلیوں اور خوبصورت عمارتوں کا مرکز تھا۔ جہاں زندگی اپنے طرز پر رواں تھی اور لوگ کھل کر مسکراتے تھے۔ جہاں ہر آنکھ میں زندگی کی رمتق اور جینے کی امنگ زندہ تھی۔ پر آج کے دمشق میں جگہ جگہ ذہر آلود سانس چین لینے والے عناصر، ٹوٹی پھوٹی عمارتیں، ستے ہوئے چہرے، تھکی ہوئی آنکھیں، ٹوٹے ہوئے دل اور جھکے ہوئے کاندھے دکھائی دیتے تھے۔ معصوم آنکھوں میں خوابوں کے نام پر امن کی بھوک تھی اور

ٹوٹے ہوئے دل کسی طور بے خوفی اور امن کی روشنی سے روشن صبح کے
منتظر تھے۔

یہ ایک تنگ سی عمارت کے زیر زمین ویران تہہ خانے کا منظر تھا۔ وہاں
چھ سے آٹھ جوان بیٹھے دکھائی دے رہے تھے۔ درمیان میں لیپ ٹاپ
رکھا تھا۔ وہ سب کانوں میں جدید قسم کے آلات لگائے ہوئے تھے۔ دفعتاً
لیپ ٹاپ پر کال آنے لگی۔ عبدل نے بن مفتاح کو کال یس کرنے کا
اشارہ کیا۔ بن مفتاح نے رابطہ بحال کرتے ساتھیوں کو خاموش رہنے کا
اشارہ کیا۔

"اسد البیت القدس!" اس نے احترام سے کہا۔

"کیسے ہو تم سب؟" شیر کی مشینی آواز ان کی سماعت میں گونجی۔

"الحمد للہ!" وہ سب یک زبان ہو کر بولے۔

ان کی تمام حسیں اس پل سماعت بنیں شیر کی طرف سے آنے والے
سندیے پر تھیں۔ وہ شدت سے مزید احکامات کے منتظر تھے۔

"کچھ دن پہلے تک میرے ارادے کچھ اور تھے لیکن اب میں تم سب
سے ایک انتہائی ضروری اور اہم سوال کرنا چاہتا ہوں۔ کیا میں اس
آپریشن کو ہیڈ کرنے دمشق آؤں؟" شیر کی مشینی لہروں میں لپٹی بدلی
ہوئی آواز ان سب کے کانوں میں گونجی۔ شیر کا لہجہ تفکر کی گہری
پرچھائیوں میں الجھا تھا۔ یہ ایک کھلی حقیقت تھی کہ وہ اپنے ہر مجاہد کی
دل سے فکر کرتا تھا۔ شیر کی بات پر ان سب نے متذبذب انداز میں
ایک دوسرے کی جانب دیکھا لیکن کبھی بھی کہنے سے گریز کیا۔ شیر ان
کی خاموشی کو خود ہی کوئی معنی دیتا کھنکھارا۔

"یہ ایک انتہائی اہم آپریشن ہے دوستوں! ہم نے اس موقعے کا بے صبری سے انتظار کیا ہے تم لوگ پچھلے کئی مہینوں سے اس جنگ زدہ علاقے میں ان لمحات کے منتظر تھے۔ میں لمحات غلطی کی بھی اجازت نہیں دوں گا۔ ہمیں ہر صورت کامیاب ہونا ہے دوسری کوئی صورت نہیں ہے۔" شیر کی آواز میں مضبوطی اور لہجے میں گہرا عزم تھا۔ جیسے وہ ان سب کو اس موقعے کی اہمیت اور سنگینی باور کروانا چاہتا ہو۔ عبدل نے گہری سانس بھرتے نفی میں سر ہلایا جیسے کوئی فیصلہ کرتے کسی نتیجے پر آپہنچا ہو۔ وہ اس ٹیم کا کیپٹن تھا۔ شیر نے آپریشن کی ذمہ داری اسے سونپی تھی۔ وہ جانتا تھا شیر کیا تھا۔ کون تھا۔ وہ یوں شیر کو یہاں نہیں بلانا چاہتا تھا۔ شیر نے ایک ایک پل کی کمانڈ ان کے حوالے کی تھی۔ مزید

آگے جو کرنا تھا اسے اور اس کی ٹیم کو خود کرنا تھا۔ اچانک ہی ایک گھرے عزم نے اس کی ذات کا احاطہ کیا۔

"ہم اپنی ساری طاقت لگا دیں گے کمانڈر! ہم ہار نہیں مانیں گے ہم آپ کو مایوس نہیں کریں گے۔ آپ وہیں رہ کر ہمیں کمانڈ کریں اور ہم پر بھروسہ رکھیں۔" عبدل نے پر جوشی سے کہا۔ باقی سب نے بھی تائید میں گردن ہلائی۔

"ان شاء اللہ!" بن مفتاح نے بھی ذیر لب کہا۔

"مجھے تم سے یہی امید تھی عبدل! دو دن بعد ملر فاسٹر جنگ زدہ علاقوں کا دورہ کرے گی۔ اس کی سکیورٹی کا تم لوگوں کو اندازہ ہے۔ بیک اپ پلان ایک نہیں چار ہیں لیکن اس کے باوجود مرکزی پلان پر ڈٹے رہنے کی

آخری حد تک کوشش کرنی ہے۔ "شیر نے پرجوش انداز میں ہدایت دی۔ اس کے لہجے میں اعتماد اور اطمینان تھا۔

"جی کمانڈر! "عبدال نے فوراً جواب دیا۔

"سب کچھ تیار ہے؟ سارے راستے سارے ٹھکانے؟" شیر نے سوال کیا۔

"جی کمانڈر! "عبدال نے پھر احترام سے جواب دیا۔

"میں کل پھر رابطہ کروں گا۔ تم سب کو اللہ کی امان میں دیا۔ ہمارا مددگار ہو۔" شیر نے نرمی سے کہا۔

"آمین! اللہ اکبر!" وہ سب یک زبان ہو کر بولے۔ اگلے لمحے رابطہ منقطع ہو گیا۔



واشنگٹن میں شام اپنا مکمل حسن سمیٹے اترنے کی تیاری کر رہی تھی۔ درختوں پر ہلکی سفیدی پڑی ہوئی تھی۔ سڑک کنارے کچھ شہری اپنے پالتو جانوروں کو ٹھہلا رہے تھے۔ مرکزی گلیوں کے چھوٹے بڑے کیفے اور ریستورانوں پر معمول کے گاہک آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ واشنگٹن کے پوش علاقے میں واقع اس آرٹ گیلری کے آس پاس عموماً اتنی چہل پہل نہیں ہوا کرتی تھی۔ لیکن آج معاملہ مختلف تھا۔ آس پاس کئی گاڑیاں تھیں۔ میڈیا موجود تھا۔

آرٹ گیلری کے احاطے میں چہل پہل اپنے عروج پر تھی۔ زندگی کے ہر شعبے سے منسلک لوگ وہاں موجود تھے۔

میڈیا کا ایگزیکٹیشن ہال میں داخلہ محدود تھا۔ فقط چند صحافی ہی اندر جاسکتے تھے لیکن فوٹو گرافی کی اجازت کسی کو نہیں تھی۔

گیلری کی اوپری منزل کے ایک کمرے میں جنت موجود تھی۔ اس کے ہلکے بھورے بال جو کل تک کمرے سے نیچے تک کی لمبائی پر تھے آج شانوں سے ذرا نیچے تھے۔ اس نے نیا ہئیر کٹ کروایا تھا اور وہ اس پر بیچ بھی رہا تھا۔ اس کے جسم پر اس وقت گہرے سبز رنگ کی چست میکسی تھی جو ٹخنوں سے نیچے تک تھی۔ میکسی سے اس کا شفاف گردن اور کاندھے ظاہر تھے۔ ایک سفید موتیوں کی لڑی تھی جو اس کے سینے سے لے کر کاندھوں کے گرد لپیٹی تھی۔ شاید یہ اس کی میکسی کا ڈیزائن تھا۔ گردن میں ایک تنگ سا سفید چوکر نماہار تھا۔ کانوں میں موٹے موتی جیسے ٹاپس تھے۔ اس نے آج بھی اپنا پسندیدہ کورٹین طرز کا میک اپ کر رکھا تھا۔ وہ سانس روک دینے کی حد تک حسین دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے شیشے میں نظر آتے اپنے عکس پر ایک طاہرانہ نگاہ ڈالی اور

مسکراتے ہوئے میز پر رکھا بریسلٹ اٹھایا اور ہاتھ سامنے کھڑی ورکر کی جانب بڑھایا۔

"مسٹر حسام کہاں ہیں؟ صبح سے نظر نہیں آئے۔" جنت نے سوال کیا۔ عام سالجہ تھا۔

"انہوں نے کہا ہے وہ کچھ دفتری معاملات میں مصروف ہیں۔ سارے انتظامات مسٹر مائیکل دیکھیں گے۔" امریکی نقوش کی مالکہ آرٹ گیلری کی ورکر نے احترام سے کہا۔

"کیا وہ یہاں نہیں ہیں؟" یہ جنت کے چونکنے کا مقام تھا۔ جنت کے کسی بھی حوالے سے جڑے کسی بھی کام کی نگرانی وہ خود کرتا تھا۔ سارے معاملات خود طے کیا کرتا تھا۔ لمحہ بہ لمحہ ساتھ موجود رہا کرتا تھا۔ آج کے تمام معاملات اگر مینیجر مائیکل کے ذمے تھا تو یہ اس کے لئے لازماً اچنبھے

کی بات تھی۔ جنت نے اپنا فون اٹھا کر حسام کا نمبر ملایا۔ پہلی گھنٹی بغیر جواب کے تمام ہو گئی۔ جنت لمحہ بھر کو کچھ سوچنے لگی۔ دوسری دفعہ فون ملائے یا نہ ملائے؟ ایسا پہلی دفعہ تھا کہ وہ فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ جنت کا فون وہ اگلے ایک سیکنڈ میں اٹھالیا کرتا تھا۔

"شاید زیادہ مصروف ہے۔" جنت بڑبڑائی لیکن اگلے ہی پل نفی میں گردن ہلاتے دوبارہ فون ملایا۔ اب کے فون اٹھالیا گیا۔

"جی مس جنت!" انداز نرم تھا لیکن لہجہ۔۔۔ لہجے کو وہ کوئی نام نہ دے سکی۔

"کہاں ہیں آپ؟ صبح سے مجھے نظر نہیں آئے؟ ایگزیشین شروع ہونے والی ہے۔" جنت نے کہا۔

"معاف کیجیے گا لیکن میرا شامل ہونا۔"

"میں آپ کی شرکت کے بغیر ہال میں قدم نہیں رکھوں گی مسٹر حسام! پندرہ منٹ میں آپ یہاں موجود ہوں گے یا اس نمائش کو منسوخ کر دیا جائے گا۔" جنت نے ٹھنڈے لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر اپنی بات مکمل کی اور فون بند کر کے ورکر کو پکڑا دیا۔

"Do not receive any call from hassam"!

"Sure ma'am"!

ورکر نے احترام سے کہتے فون اپنے پاس محفوظ کر لیا۔ جنت اپنی میکسی سنبھالتی باہر کی جانب بڑھ گئی۔ اس کا رخ کیفے کی جانب تھا۔ اسے پورا یقین تھا اس کی کافی ختم ہونے سے قبل وہ یہاں موجود ہو گا۔ جنت کے یقین کو حقیقت میں بدلتے صرف بارہ منٹ لگے تھے۔

"میں بہت زیادہ مصروف تھا لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ کا خاص ایونٹ کسی طور برباد ہو۔۔۔ مجھے آنا پڑا۔"

جنت نے گردن گھما کر اس کی جانب دیکھا ہی تھا جب حسام کے الفاظ ٹوٹنے لگے۔ وہ یک دم ٹھٹھکا۔ وہ میکسی سنبھالتی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ حسام کی نگاہیں بے اختیار اس کے وجود سے لپٹی اس کے چہرے پر آٹھری تھیں۔ ہونٹ نیم وا ہوئے۔ اس نے گہری سانس بھرتے فوراً خود کو سنبھالا اور بمشکل مسکرا کر نگاہیں پھیر لیں۔

"مجھے معلوم تھا آپ ضرور آئیں گے۔" جنت مسکرا دی۔

"آپ ریڈی ہو جائیں میں ویٹ کر رہی ہوں۔" جنت نے اس کی جانب دیکھا۔ وہ پستائی رنگ کی شرٹ پہن رکھی تھی جس کی آستینیں اس نے

موڑ رکھی تھیں۔ بال سلیقے سے بنے ہوئے تھے۔ چہرہ کے نقش خاموش اور آنکھیں سرخ تھیں۔

"زیادہ مصروف تھے؟" جنت نے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالتے سوال کیا۔
 "کچھ پیپر ورک تھا بس۔" اس نے اپنا سرمی لانگ کوٹ اٹھایا وہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔ اسے دیکھنا کٹھن تھا نہ دیکھنا آخری حد تک صبر آزما۔ کتنا کچھ چند گھنٹوں میں بدل گیا تھا۔ اس کی خواہش دم توڑ گئی تھی۔ اس کی امیدیں زمیں بوس ہو چکی تھیں۔ دل خاموش ہو گیا تھا۔ روح بری طرح جھلس رہی تھی اور یہ جھلس اب ہمیشہ کے لئے قائم رہنے والی تھی۔ وہ جانتا تھا۔

"میں تھوڑی مشکل کا شکار ہوں بھائی لیکن میں وعدہ کرتا ہوں آپ کو اور بابا کو اس بار مایوس نہیں کروں گا۔" ایک نرم اور دھیمی آواز اس کی

سماعت میں اتری۔ حسام کی آنکھیں سرخ پڑنے لگیں تکلیف کا ایک شدید احساس سینے میں اٹھتا محسوس ہوا۔ اس نے بے اختیار نگاہیں اٹھا کر سامنے کھڑی جنت کو دیکھا۔ جنت اس کے چہرے اور آنکھوں کو دیکھتی ایک پل کو الجھی۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

"جی! آپ انتظار کریں میں پانچ منٹ میں آتا ہوں۔" وہ کہہ کر تیزی سے پلٹ گیا۔ جنت الجھن آمیز انداز میں اس کی پشت کو گھورتی رہ گئی۔



شارجہ میں دن کا آغاز ہو چکا تھا۔ صبح کے نو بج چکے تھے۔ موسم کی خنکی میں کچھ کمی واقع ہوئی تھی۔ آسمان پر سیاہ بادلوں کا قبضہ تھا۔ شیر اپنے اپارٹمنٹ میں موجود تھا۔ اپنے کمرے کے وسط میں رکھے کنگ سائز پلنگ

پر اوندھے منہ پڑا سو رہا تھا۔ پلنگ سے ذرا فاصلے پر ڈینیل بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ سفید کاٹن کی شرٹ پر سرمئی کوٹ پہنے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے وہ پچھلے سوا گھنٹے سے اس کے جاگنے کا انتظار کر رہا تھا۔ قریب ہی سیاہ نائٹ گاؤن پڑا تھا۔ دفعتاً الارم بجنے لگا۔ ڈینیل نے سکھ کی سانس خارج کی اور سیدھا ہوا۔ شیر کے وجود میں جنبش ہوئی۔ وہ کروٹ لیتا سیدھا ہوا۔ سینے پر بنا ٹیو واضح ہوا۔ درمیان میں پینڈنٹ کا نشان چھپ سا گیا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ بھورے بالوں میں پھنساتے ذرا سی گردن اٹھا کر دائیں جانب دیکھا۔ الارم بج کر خاموش ہو گیا تھا۔ ڈینیل نے چہرے پر مسکراہٹ سجائی۔

"گڈ مارننگ ماسٹر!" اپنی جگہ سے اٹھ کر اس نے شیر کے پلنگ کا رخ کیا اور گاؤن اس کی جانب بڑھایا۔

"گڈ مارنگ!" شیر نے گاؤں پکڑ کر پہنا اور پٹی باندھے بغیر پلنگ سے اترتے چپل پیروں میں اڑے۔

"چیری؟ منٹ؟ چاکلیٹ؟" ڈینیل نے سوال کیا۔

"چیز کرینچ!" شیر نے انگڑائی لیتے باہر نظر آتے منظر کو نگاہوں میں قید کرنے کی کوشش کی اور چند قدم چل کر آگے آیا۔ آسمان کو دیکھتا رہا۔ پھر سر جھٹک دیا۔

"میٹنگ کب ہے؟" شیر نے کہہ کر سوال کیا۔

"بارہ بجے ماسٹر!" ڈینیل نے اطلاع دی۔

شیر نے سر خم دیتے اس کی جانب دیکھا اور ہاتھ کے اشارے سے اسے جانے کا حکم دیا۔ ڈینیل سر ہلاتا باہر کی جانب بڑھ گیا۔ شیر نے اس کے پیچھے کمرے کا دروازہ لاک کیا اور ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا۔ واپس نکلا

تو ہاتھ میں تین بریف کیس تھے۔ اس نے بریف کیس میز پر رکھے اور گلاس وال کے پردے برابر کر دیے۔ کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ اس نے ایک نائٹ بلب جلاتے وارڈروب کا رخ کیا اور جھک کر ایک اور بریف کیس نکالا ساتھ درجنوں کیبل تھے۔ وہ پلٹ کر واپس سٹنگ ایریا میں چلا آیا۔ ایک بریف کیس میں درجنوں وائرلیس اور مختلف قسم کے فون تھے۔ اس نے باری باری ان کو آن کیا۔ میز پر وقفے وقفے سے فون ارتعاش پیدا کرنے لگے۔ اس نے لیپ ٹاپ آن کیے اور خود غسل خانے کی جانب بڑھ گیا۔ یہ اس کی آج کی صبح کا آغاز تھا۔



آرٹ گیلری کا نمائشی ہال آرٹ کے دیوانوں سے کچا کھچ بھرا تھا۔ پہلی نمائش کی بھرپور کامیابی کے بعد جنت نے حد درجہ توجہ اور پزیرائی

حاصل کی تھی۔ فقط واشنگٹن سے ہی نہیں بلکہ دوسرے شہروں سے بھی اس نمائش کے لئے ٹکٹیں بک کی گئی تھیں۔

"Attention please! we are requesting to our all respected guests.. Please come to auditorium and have your seats...

دو دفعہ اعلان ہوا۔ لوگ نمائشی ہال کے بائیں جانب آڈیٹوریم کی جانب بڑھنے لگے۔ کچھ ہی منٹ بعد آڈیٹوریم مکمل طور پر بھر چکا تھا۔ لوگ متجسس سے اس خوبصورت اور ہنرمند آرٹسٹ کو دیکھنے کے خواہاں تھے۔ سب کی نگاہیں آڈیٹوریم کے اسٹیج پر تھیں۔ جہاں فی الحال صرف ہوسٹ کھڑی دکھائی دے رہی تھی۔"

"آج ہم اور ہماری پوری ٹیم آپ سب کے یہاں موجود ہونے پر بے حد شکر گزار ہیں اور تمام قابل احترام مہمانوں کو دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید کہتے ہیں۔ امید ہے آپ لوگ بھی اس نمائش کا حصہ بننے پر بے حد خوشی محسوس کر رہے ہوں گے۔"

اب ہم مزید وقت لگائے بغیر خوش آمدید کہنا چاہیں گے ہمارے آج کی تقریب کے خاص مہمانوں کو۔ آپ کی بھرپور تالیوں میں۔ کم عمری میں فن تخلیق کے ہنر سے بھرپور، دلوں کو خوش کرنے اور آنکھوں کو روشن کر دینے والے فن کی مالکہ قابل احترام اور نفیس خاتون محترمہ جنت صاحبہ۔۔۔"

انگریزی میں پرجوشی سے کہتی میزبان نے وقفہ لیا اور نگاہیں اسٹیج کی طرف آنے راستے پر ٹکادیں۔ آڈیٹوریم زوردار تالیوں کی گونج سے

تھر تھرا رہا تھا۔ سب متاثر اور ستائش سے بھرپور نگاہیں لیے جنت کو دیکھ رہے تھے۔ جو مسکراتے ہوئے سہج سہج کر قدم بھرتی اسٹیج پر

آ رہی تھی۔ اسٹیج پر رکھے صوفوں پر جاتے اس نے ایک بار حاضرین کی جانب دیکھتے دونوں ہاتھ ہلائے اور مسکرا دی۔

"تمام کو میرے دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید! آپ لوگوں نے میرے لئے اور میرے آرٹ کے لئے اپنی زندگی کے قیمتی لمحات میں سے چند لمحات نکالے ہیں اور یہ میرے لئے کسی اعزاز سے کم نہیں۔ آپ سب کا بہت شکریہ!" وہ کہہ کر خوبصورتی سے مسکرا دی اور تعظیمی انداز میں ذرا سا جھکی اور پھر اپنا مانگ درست کرتی اپنی جگہ پر جا بیٹھی۔ لوگ اور صحافی دھڑا دھڑ اس کی تصاویر بنا رہے تھے۔ جنت نے ہال میں نگاہ دوڑائی۔ پہلی صف میں اسے حسام بیٹھا نظر آیا۔ حسام پر نگاہ

پڑتے ہی وہ دھیمے انداز میں مسکرائی لیکن دل میں ایک پریشان کن خیال نے جنم لیا تھا۔ وہ حسام کے رویے کی تبدیلی کو شدت سے محسوس کر چکی تھی۔ شدید اصرار کے باوجود بھی وہ اس کے ساتھ اسٹیج پر بیٹھنے پر راضی نہیں ہوا تھا۔ جنت نے خیالات کو ذہن سے جھٹکتے توجہ صحافیوں کی جانب مبذول کی۔ وہ سوالات کرنے کی تیاری میں تھے۔ جنت خود کو سوالات کے جوابات دینے کے لئے تیار کر رہی تھی۔ اس کا دل اندر ہی اندر کچھ الجھا، کچھ ڈرا ہوا سا تھا لیکن چہرے پر پراعتماد مسکراہٹ اور آنکھوں میں دلکش سی چمک تھی۔



شارجہ کے متوسط طبقے کے علاقے میں واقع اپارٹمنٹ میں بھی دن کا آغاز ہو چکا تھا۔ حاشر چائے کا کپ لئے بالکنی میں کھڑا باہر کے منظر میں

کچھ تلاش کر رہا تھا۔ اس کی سیاہ آنکھیں کسی گہری سوچ کے طلاطم میں غوطے کھا رہی تھیں۔ اس کا فون بجنے لگا اس نے چونک کر پیٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ فون کی اسکرین پر نظر پڑتے ہی اس نے چہرہ اوپر اٹھا کر گہری سانس لی اور دھڑکتے دل سے فون اٹھا کر کان سے لگایا۔ اس کے چہرے کا سارا رنگ نچڑسا گیا تھا۔

"کیسے ہو حاشر؟" دوسری طرف سے ایک گہری اور بھاری آواز سنائی دی۔ "ٹھیک ہوں۔" لاکھوں الفاظ زبان پر آنے کے لئے مچل رہے تھے لیکن اس نے فقط اسی پر اکتفا کیا۔ کتنا مشکل لمحہ تھا۔ کتنے کٹھن الفاظ تھے۔ اس کی دھڑکنوں کی رفتار کسی بے لگام گھوڑے کو بھی مات دینے کو تیار تھی۔ "کمانڈر۔" طوبی اسی پل اس کو پکارتی اس جانب آرہی تھی جب حاشر نے پلٹے بغیر ہاتھ کے اشارے سے اسے واپس جانے کا کہا۔ طوبی یک دم

رک گئی۔ وہ فون کان سے لگائے کھڑا تھا۔ طوبیٰ کی نگاہ چائے کے کپ پر پڑی۔ جو ہنوز آدھا بھرا ہوا تھا۔ طوبیٰ خاموشی سے پلٹ گئی۔

"کیوں فون کیا ہے آپ نے؟ پوری رات میرا فون بجتا رہا۔" حاشر نے رسائیت سے کہا۔

"اور تم نے اٹھانے کی زحمت نہیں کی۔" دوسری طرف لہجے میں شکایتی رنگ جھلکا۔

"میں مصروف ہوتا ہوں۔" حاشر نے تلخی سے کہا۔ وہ لہجے کو تلخ ہونے سے روک نہیں پایا۔ ان کے درمیان خاموشی کا بامعنی وقفہ وارد ہوا۔ جسے توڑنے کی کوشش دونوں جانب سے نہیں کی گئی۔ دوسری جانب سے بابر خان کھنکھارا۔

"میں چیزوں کو دوبارہ ان کے مقام پر لانا چاہتا ہوں۔" بابر نے ہمت مجتمع کرتے کہا۔ حاشر کی بھنویں سکڑیں۔

"تو پھر لے آئیں۔" حاشر نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"میرا مطلب ہے ہماری زندگی کے معاملات کو سدھارنا چاہتا ہوں۔ سب کچھ پہلے جیسا کر دینا چاہتا ہوں۔" بابر نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ ایک لمحے کو حاشر دنگ رہ گیا اور اگلے ہی پل اس کا ایک زبردست قسم کا قہقہہ گونجا۔

ہال میں بیٹھے اپنے اپنے لیپ ٹاپ میں مگن ان چاروں نے حیرت و بے یقینی سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور پھر پلٹ کر بالکنی کے راستے کو۔

"میں سنجیدہ ہوں۔" بابر نے بے بسی سے کہا۔

"آپ کی سنجیدگی پر مجھے شک ہے۔" حاشر اب کے خطرناک حد تک سنجیدہ تھا۔

"آپ کو سنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ میرا یقین کریں اس کا کوئی فائدہ نہیں۔" حاشر نے تلخی سے کہا۔
بابر کچھ نہ بولا۔ سنتا رہا۔

"بکھری چیزوں کو سمیٹا جاسکتا ہے، ٹوٹی ہوئی چیزوں کو جوڑا جاسکتا ہے۔ ٹوٹے ہوئے رشتے بنائے جاسکتے ہیں۔ کھوئے ہوئے لوگوں کو ڈھونڈا جاسکتا ہے۔ لیکن جو لوگ مرجائیں۔ وہ بس مرجاتے ہیں۔" حاشر نے تکلیف کو قابو کرتے گہری سانس لی۔ سرخ آنکھیں چھلکنے کو بے تاب تھیں۔

"جو مر جاتے ہیں وہ واپس نہیں لائے جاسکتے۔ میرا بھائی مر چکا ہے۔ میری ماں کا دماغ مر چکا ہے۔ میرے جذبات مر چکے ہیں اور دنیا کے لئے آپ مر چکے ہیں۔ دنیا کے مختلف حصوں میں مدفون معاملات ہیں ہمارے۔۔ انھیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جاسکتا۔" حاشر نے ٹھہر ٹھہر کر سرد مہری سے کہا۔

"بیٹا۔"

"بس! مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتا میں اور مجھے فون مت کیا کریں۔ مجھے ہر بار آپ کی اس موسمی تبدیلی کے اثرات سے مرتب ہونے والے دماغی خلل کو سننے کا وقت نہیں ہوتا۔" حاشر نے کہہ کر فون بند کر دیا اور تیزی سے پلٹ گیا۔ وہ کسی کی جانب دیکھے بغیر جوتے پہنتا باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ طوبیٰ نے پلٹ کر فکر مند نظروں سے اس کی پشت کو دیکھا

اور اپنا لیپ ٹاپ بند کر دیا۔ اریب نے اسے حاشر کے پیچھے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ ٹھیک سے کچھ سن نہیں سکے تھے لیکن اتنا ضرور سمجھ گئے تھے کہ آنے والی کال نے ان کے خاموش سمندر کے مانند کمانڈر کو بھرے سمندر کی زندہ مثال کر دیا تھا۔ طوبی اٹھ کر جا چکی تھی۔ ان تینوں نے خاموش نگاہوں کا تبادلہ کیا اور دوبارہ اپنے کام میں لگ گئے۔



کمرے کا منظر ہنوز ویسا ہی تھا۔ کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ اس کی انگلیاں لیپ ٹاپ پر تیزی سے چل رہی تھیں۔ دفعتاً اس کے عام استعمال والے لیپ ٹاپ پر ایک کارٹون ظاہر ہوا۔ جو ہاتھ میں ایک تحفہ پکڑے ہوئے تھا۔

"Little surprise from baby boy"!

شیر نے بڑبڑا کر اس تحفے پر کلک کیا۔ اگلے ہی پل ایک طویل آرٹیکل اس کی نظروں کے سامنے آگیا لیکن وہ پہلی سطر جو موٹے الفاظ میں تھی۔ شیر کا دماغ بھک سے اڑا گئی۔

"Sher Rooh Siya Director of GFSR is A Gay"?

شیر جیسے جیسے آرٹیکل پڑتا گیا اس کی آنکھیں حیرت و بے یقینی سے کھلتی گئیں۔ اس کا ہاتھ اس کے منہ پر آرکا۔

"Ahh.....Ghazi You Stupid little pup"!

اس نے پیشانی کو مسلتے احمر غازی کی انتقامی کارروائی پر افسوس کرتے لیپ ٹاپ بند کر دیا۔ اگلے ہی پل دروازے پر دستک ہوئی۔

Master your icecream"!

ڈینیل کی آواز آئی۔

"رکھ دو۔" شیر نے بیزاری سے کہا اور دوسرے لیپ ٹاپ کو اٹھا کر گود میں رکھ دیا۔

باہر ڈینیل اپنے ساتھ ویٹر کو لیے کرنا تھا۔ ویٹر نے ٹرالی تھام رکھی تھی۔
"ناشتے میں کیا لیں گے؟" ڈینیل نے سوال کیا۔

"کچھ بھی!" شیر کی آواز سے ہنوز بیزاری جھلک رہی تھی۔

"اوکے۔" ڈینیل کہہ کر ویٹر کو اشارہ کرتا پلٹنے لگا۔

"رکو۔" شیر کی آواز نے اسے رکنے پر مجبور کیا وہ مڑا اور دوبارہ گیٹ تک آیا۔ ویٹر نے بھی متجسس نظروں سے سامنے لگی چھوٹی اسکرین پر ابھرتی لہروں کو دیکھا۔

"تمہیں یاد ہے پچھلی دفعہ تمہاری دادی نے ہمیں پالک والا سوپ پلایا تھا؟" شیر اور شیر کا نا سمجھ آنے والا مزاج۔

"جی مجھے یاد ہے۔ لیکن وہ پالک نہیں تھی چقدر کے پتے تھے اور مجھے وہ ریسپی نہیں آتی۔" ڈینیل نے بے چارگی سے کہا۔

"نیٹ پر دیکھ لو۔" شیر نے ناک منہ بنا کر کہا۔ ویٹر کبھی ڈینیل کے چہرے کو دیکھتا تو کبھی اسکرین پر نظر آتی لہروں کو۔

"وہ دادی کی اپنی ذاتی ریسپی تھی۔ مجھے تو نام بھی نہیں معلوم! مجھے نہیں لگتا انٹرنیٹ پر موجود ہوگی میں ٹرائے کرتا ہوں۔" اس نے تیزی سے اپنا فون نکالا اور چقدر کے پتوں کا سوپ لکھ کر سرچ کیا لیکن ایسی کوئی ترکیب نظر نہ آئی۔

"ایسا تو کچھ نہیں ہے انٹرنیٹ پر ماسٹر!" وہ اب کے کچھ تنگی سے بولا۔

"اور تمہاری دادی زندہ ہیں؟" شیر نے اچانک ہی سوال کیا اور سوال بھی کیا تھا۔

"ج۔۔ جی لیکن کیا آپ چاہتے ہیں میں انھیں کال کروں؟ میں ان سے پچھلے کئی مہینوں سے نہیں ملا۔ اور میں اسی ڈر سے ان کی کالز پک نہیں کرتا۔ کیا اب اس ریسپی کے لئے فون کرتا اچھا لگوں گا؟" وہ منمنایا۔ چہرے پر بیزاری اور پریشانی تھی۔

"Yeah sure do it for sake of my special cravings mood ..

"

شیر کی بے نیازی عروج پر تھی۔

"To the hell with your special cravings mood" ..

وہ دل ہی دل میں بڑبڑایا۔ ویٹر دلچسپی سے ڈینیل کے پل پل بدلتے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

"وہ مجھ گالیاں دیں گی۔" وہ منمنایا۔

"سن لینا!" شیر ہنوز لاپرواہ تھا۔

"یہ زیادتی ہے ماسٹر!" وہ اونچی آواز میں بڑبڑاتا احتجاج کرتا غصے سے

پلٹا۔ ویٹر بھی تیزی سے اس کے پیچھے آیا۔ اس کا رخ لفٹ کی جانب تھا۔

"کیا ماسٹر آپ کی فیملی سے ملے ہیں؟" ویٹر نے بے یقینی سے سوال کیا۔

"پورے آدھے خاندان کو میری کاہلی کے قصے سنا چکے ہیں۔ چار بریک

اپ کروا چکے ہیں تم نے سمجھ ہی کیا رکھا ہے اس مخلوق کو۔" اس نے

چڑچڑے انداز میں کہتے لفٹ کا بٹن پریس کیا۔

"ایک بات پوچھوں مسٹر ڈینیل؟"

"اگر تم یہ پوچھا چاہتے ہو کہ میں ماسٹر شیر کو کیسے سنبھالتا ہوں تو مت

پوچھو۔ صرف میرے حوصلے اور ہمت کو ایک سیلوٹ مار کر خاموش

ہو جاؤ۔" وہ تپے ہوئے انداز میں بولا۔ ویٹر مسکراہٹ دباتا خاموش ہو گیا۔

دفعۃً ڈینیل کے کان میں لگے آلے کی بپ بجی۔ کال ریسو کرتے ہی اس نے ادب کے دائرے میں قدم رکھا۔

"Are they receiving guest here"?

اس کی سخت آواز پر ڈینیل کا سانس رکتے رکتے چل پڑا۔

"No.. Actually" ..

"میں درجنوں موبائل فون کے سگنلز دیکھ رہا ہوں۔ کیا ان کا دماغ خراب ہو گیا ہے؟" شیر نے غصیلے لہجے میں سوال کیا۔

"مس ہیزیل کے مہمان ہیں شاید۔ رات کو آپ کے سونے کے بعد امریکا سے کچھ بڑے برانڈ مالکان یہاں آکر رکے ہیں۔" ڈینیل نے گڑبڑا کر وضاحت دی۔

"ایک گھنٹے کے اندر اندر ان کو کہیں اور شفٹ کرواؤ۔ ورنہ میں تمہیں اوپری منزل سے ہیزیل سمیت نیچے پٹخ دوں گا۔" اس نے ناگواری سے کہہ رابطہ ختم کر دیا۔ ڈینیل نے سستے ہوا چہرہ لیے ویٹر کی جانب دیکھا اور نفی میں گردن ہلاتے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھتے اپنے ذہن میں کچھ حساب کتاب کیا۔

"میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔" وہ پریشانی سے بڑبڑایا۔ لفٹ کے کھلتے ہی اس نے ایک جانب دوڑ لگادی۔ ویٹر بھی اپنی یونیفارم کی جیب میں ہاتھ ڈالتا باہر آیا اور ترحم آمیز نگاہوں سے ڈینیل کی پشت کو دیکھ کر سر جھٹکا۔ یہ اس کے لئے ہمیشہ کا معمول تھا۔



"آج کی نمائش "war of fears" کا تھیم پیش کرے گی۔ یہ کیسی جنگ تھی اور کیسا خوف تھا جو اس اہم کردار کی زندگی پر چھایا ہوا تھا۔ اس نے اس جنگ کو کیسے لڑا؟ اس کے خوف کیا تھے؟ کیسے تھے؟ کیا وہ جیت پائی؟" جنت نے حاضرین کی جانب دیکھ کر سوالیہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔ اس کی دھیمی اور نرم آواز نے ایک فسوں کی گہری چادر میں تمام دیکھنے اور سننے والوں کو لپیٹ رکھا تھا۔ اس کی ذات میں موجود کشش ایک مقناطیس کی مانند آس پاس بستے دلوں، بینائی سے بھرپور آنکھوں اور ہر قوت سماعت رکھتے کانوں کو جتنی دیر چاہے اپنی جانب متوجہ رکھ سکتی تھی۔

"کیا جیتنا بہت آسان تھا؟ اس جنگ کو لڑتے ہوئے اس نے کیسے سانس لی؟ کیا سانس لینا آسان تھا؟ کیا اس جنگ کو لڑتے ہوئے اس میں جیت

کی امنگ تھی؟ کیا اس میں امید تھی؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب میں پہلے نہیں جانتی تھی لیکن اب میرے پاس ہر سوال کا جواب موجود ہے۔ "وہ اب کے دھیمے انداز میں مسکرائی۔ حسام پہلی صف میں ٹانگ پر ٹانگ رکھے خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے سن رہا تھا لیکن وہ ایک الگ بات تھی کہ اس کا کہا ایک بھی لفظ اس کی سماعت کے پردے سے ہو کر اس کے ذہن پر آکر لگ نہیں رہا تھا۔ وہ اسے سن رہا تھا لیکن سمجھنے سے قاصر تھا۔ وہ اپنے اندر ہی ایک مختلف جنگ سے نبرد آزما تھا۔ اس کا ذہن جانے کس جہاں کی سیر پر تھا۔ فقط آنکھیں تھیں جو جنت کے چہرے، چمکتی آنکھیں اور ہلتے لبوں اور کان چہرے کے ایک طرف پڑی لٹوں کا طواف کر رہی تھیں۔ وہ غائب دماغی سے ہی سہی اس کے نقوش حفظ کرنے کی پوری کوشش میں تھا۔

"اور ہر سوال کا بس ایک ہی جواب ہے کہ کچھ بھی آسان نہیں تھا۔ کچھ بھی آسان نہیں ہوتا۔ کچھ چیزوں کو آسان کرنے کی کوشش کر کے بھی ہم آسان نہیں کر پاتے۔ وہ مشکل ہی رہتی ہیں اور کچھ لمحے صرف مشکل نہیں ہوتے بلکہ اپنے اندر موت کی سی گہرائی رکھتے ہیں جینے صرف گزارنا نہیں ہوتا بلکہ ان کو گزارتے ہوئے بار بار مرنا پڑتا ہے۔" ماحول کا فسوں بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کی آواز اور لہجے کی گہرائی میں اضافہ ہو رہا تھا۔

"مجھے نہیں معلوم یہاں بیٹھا کون سا شخص کتنی بار مر کر جیا ہے لیکن میں اتنا ضرور جانتی ہوں ہم میں سے ہر انسان زندگی میں صرف ایک بار نہیں مرتا اسے مختلف اقسام کی موت سے کئی بار گزارنا پڑتا ہے۔ میں مانتی ہوں وہ موت جہاں پر انسان کی سانسوں کی ڈوری ٹوٹ جاتی ہے سب سے بدترین اور خوفناک موت ہوتی ہے لیکن کچھ اور موتیں بھی

ہوتی ہیں جو انسان کو مختلف قسم کے نقصان پہنچاتی ہے۔ کیا ہم اس آخری موت سے پہلے کی موت کو سروائیو کر سکتے ہیں؟ "اس نے یہ سوال حاضرین سے کیا تھا یا خود سے وہ نہیں جانتی تھی۔ وہ کچھ پل کو رکی۔ سانس بحال کی۔ الفاظ کو سمیٹا۔ آنکھوں کی سطح پر چمکتی نمی کو زبردستی پیچھے دھکیلا اور مسکرا دی۔ وہ مسکراہٹ تو نہ تھی۔ آڈیٹوریم میں بیٹھا ہر شخص ایک پل کو یاسیت کی گہری کھائی میں جا کر گرا اور پھر واپس آیا۔ اس کی آنکھوں کی بڑھتی سرخی نے سب کو موت کی سی خاموشی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"زندگی میں ہمیں ایسے پل بھی ملتے ہیں جب ہمارا درد ہمیں اندر سے فنا کی جانب کھینچ رہا ہوتا ہے۔ جب سانس لینا بھی ہمارے لیے ایک امتحان سے کم نہیں ہوتا۔ لیکن ہمارے آس پاس اس درد کو سمجھنے والے لوگ

نہیں ہوتے۔۔ کچھ لوگ بزار ہو جاتے ہیں ہماری کراہیں سنتے سنتے۔۔ کچھ کو ہماری خالی آنکھوں کے نقشے فقط ایک ڈرامہ لگتے ہیں اور ایسے میں ہم مزید ٹوٹ جاتے ہیں۔ ہم میں سے کچھ رب سے بھی اتنا دور ہوتے ہیں کہ ایسے وقت میں پھر اس کے قریب جانے کی کوشش نہیں کرتے۔۔ مزید شکوے کرتے ہیں۔ لڑتے ہیں اس سے۔۔ "وہ آنکھوں کے کنارے انگلیوں سے پونچھتی تلخی سے مسکرائی۔

"لیکن کب تک؟" اس نے گہری سانس بھری۔

"ایک دن میں نے خود سے کہا! کب تک؟ صرف گرتے رہنا ہے؟

ڈرتے رہنا ہے؟ کس کا انتظار ہے مجھے؟ کون آکر مجھے اس تنہائی کے کنوئیں سے نکالے گا؟ اور کوئی کیوں آئے گا؟ لڑکی سب کی اپنی زندگیاں ہیں۔۔" وہ ہنس دی۔ اس کی ہنسی میں ایک گہرا دکھ تھا۔ جیسے کوئی ان کہی

سی شکایت نے ہنسی کی صورت اختیار کر لی ہو۔ اس کی ہنسی نے حاضرین کے چہروں کو ایک اچانک آن وارد ہونے والی ناگوار مسکراہٹوں سے نوازا تھا۔ ماحول میں چھائے فسوں میں اچانک ہی درار سی پڑی تھی۔ اس کی ہنسی نے حسام کو گہرے خیالات کے طوفان سے باہر لا پٹھا۔ اس نے بے اختیار پہلو بدلا۔ نگاہیں جنت کی آنکھوں پر پہرا دینے لگیں۔ وہ پھر بولنے لگی تھی۔

"دنیا میں آس پاس نظریں دوڑائیں تو ہمیں ہر جگہ لوگ زندگی کی جنگ لڑتے نظر آتے ہیں۔ ہر شخص کسی نہ کسی میدان میں لڑ رہا ہے لیکن اس کے باوجود وہ مسکرا سکتے ہیں تو میں بھی مسکرا نا چاہتی تھی۔" اس نے پھر توقف کیا۔ سینے میں دہکتی آگ کو کم کرنے کی خاطر ایک گہری سانس خارج کی۔

"میں نے جانے کتنے عرصے بعد آئینے کے سامنے کھڑے ہونے کا فیصلہ کیا اور شیشے کے سامنے آتی میں سب سے پہلے مسکرائی۔ آیا میری مسکراہٹ خوبصورت ہے بھی یا نہیں۔۔۔" وہ اب کے شرارتی انداز میں مسکرائی۔ بیشتر حاضرین کی آنکھی نم تھیں۔ وہ آنکھوں میں نمی اور چہروں پر دھیمہ تبسم لیے اس لڑکی کو دیکھ رہے تھے جس کا لہجہ اپنے آپ میں جیتا جاگتا ایک الگ جہاں تھا۔ اس پل کسی نے تالی بجائی اور یک دم ہال تالیوں کی گونج پیدا ہوئی اور اگلے کئی پل ہال تالیوں کی گونج سے تھر تھراتا رہا۔ جنت نے تالیوں کے شور کو نہ تھمتا دیکھ اپنا ہاتھ اٹھا کر انھیں خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔

"یہ صرف سفر کی ابتداء تھی۔ میرے زندگی کے طرف بڑھتے قدموں کی پہلی چھاپ۔۔۔ خیر وہ میری بے وقوفی اور کم عقلی تھی کہ میں آئینے

کے سامنے کھڑے ہو کر مسکراہٹ کی خوبصورتی جانچ رہی تھی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ مسکراہٹ میں کوئی خوبصورتی نہیں ہوتی۔ مسکراہٹ ہمیں خوبصورت نہیں بناتی۔ خوبصورتی مسکراہٹ بناتی ہے۔ اور میں ایک عرصہ خوبصورتی کو چہروں میں ڈھونڈتی رہی۔ لیکن پھر ادراک ہوا کہ خوبصورتی روحوں میں قیام کرتی ہے۔ انسان روحوں سے زندہ ہوتے ہیں۔ اخلاق روحوں سے زندہ ہوتا ہے۔ شخصیت کا اصل چہرہ روح ہوتی ہے۔ ہمیں اپنی روح پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

"We all polish our faces... Why not souls?let's work on it" ...

وہ مزاحیہ انداز میں بولی۔ آڈیٹوریم میں نگاہ گھماتے مسکراتے چہروں میں ایک چہرہ تلاشتی۔ لیکن وہ نہیں تھا۔ حسام جاچکا تھا۔ جنت کی آنکھوں میں

ایک پل کے لئے تاسف جھلاکہ وہ شخص ایک کچھ گھنٹوں میں کتنا بدل سا گیا تھا۔ کیسی جنگ میں جا کو دا تھا۔

"اپنی ذات کو ابھرنے کا ایک موقع اور دینے کی کوشش کریں۔ تاکہ جب زندگی کے سفر میں آخری لمحات آئیں تو ہمارے پاس بہت زیادہ نہیں تو کم از کم چند ایسے لمحے ضرور ہوں جب ہم دل سے اپنے لئے مسکرائے ہوں۔ بہن بھائی ماں باپ دوست احباب کے لئے نہیں۔۔۔ صرف اپنے لئے۔۔۔ کیا کسی کی زندگی میں ایسے درجن بھر بھی لمحے ہیں جب وہ اپنے لئے اپنی وجہ سے مسکرایا ہو؟ دل سے؟ سوچیں۔۔۔" جنت نے نگاہیں ہال میں دوڑائیں۔ حسام کی چھوڑی ہوئی خالی نشست نے اسے ایک پل کو رکنے پر مجبور کر دیا۔

"یہ دنیا بہت آگے بڑھ چکی ہے سب اپنے لئے جینا چاہتے ہیں اور ٹھیک ہے سب اپنے لیے جنیں لیکن یہ ضروری ہے کہ ہم بھی کچھ لمحے اپنے لئے جنیں۔۔ مجھ سے کسی نے کہا تھا سب سے بڑی بے وفائی وہ ہوتی ہے جو ہم اپنے آپ سے کرتے ہیں۔۔" وہ نم آنکھوں سے مسکرائی۔

"اس وقت وہ انسان مجھے خود غرض لگا تھا لیکن اب میں سوچتی ہوں وہ انسان اگر اس سے خود سے بے وفائی نہیں کرنا چاہتا تھا تو وہ اپنے ان تمام اقدامات پر درست تھا۔ خود سے بے وفائی نہیں کرنی چاہیے۔۔ خود سے وفادار رہنا چاہیے۔۔ اور ویسے بھی

کیا یہ ضروری نہیں؟۔۔ خیر میں اپنی بات کا اختتام اس خوبصورت نظم سے کرنا چاہوں گی۔۔" جنت نے کہتے ہوئے کھنکھاری۔۔

Dear friend!

Get up and rise..

From your wounds

Healing is the most precious gift

You can give to yourself..

Elexandra. Vasiliu.

وہ خاموش ہوئی اور ہال ایک بار پھر تالیوں سے گونج اٹھا اور اگلے کئی
منٹ تک تالیوں سے گونجتا رہا۔ جنت ہاتھ ہلاتی اسٹیج سے اتر رہی
تھی۔ اب کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں تھی لیکن ایک نرم سا تاثر چھایا
ہوا تھا۔



دھند نے ہر سو پہرا دے رکھا تھا۔ فقط چند قدم کے فاصلے پر ہی بینائی کی گرفت تھی۔ آگے فقط دھواں دھواں سا منظر تھا۔ منظر میں موجود وہ وجود بھی اس پل دھواں دھواں چہرہ لیے سامنے کھڑے سات سالہ حاشر کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ وجود عظمیٰ خان کا تھا۔ وہ کچھ دیر قبل ہی دفتر سے لوٹی تھی اور آج پھر حاشر وہی سوال لبوں پہ ٹکائے کھڑا تھا۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے مشکل سوال تھا۔ ذہین اور کامیاب بینکر جس کا دماغ کمپیوٹر کی رفتار سے چلتا تھا۔ اس سوال پر گنگ رہ جاتی تھی۔ خاموش۔۔۔ لا جواب۔۔۔

"لما! کیا آج بھی بابا نہیں آئے آپ کے ساتھ؟ شریم کہاں ہے؟ کیا وہ بھی نہیں آیا آپ کے ساتھ؟ آپ کو پتا ہے میں بہت مس کر رہا تھا

اسے۔ آپ نے کہا تھا آپ اسے ساتھ لے کر آئیں گی۔" حاشر نے مایوسی سے کہا۔

عظمیٰ نے تھکن زدہ سانس خارج کی۔

اسے دن بھر کے دفتری کام اتنا نہیں تھکاتے تھے جتنی تھکن اسے گھر لوٹنے پر اس سوال اور اس سوال سے جڑی آوازیں تھکاتی تھیں۔

"آؤ ڈنر کریں میں اپنے حاشی کے لئے دیکھو کیا لائی ہوں۔ تمہاری پسندیدہ پیسٹریز!" اس نے ڈبا اس کے سامنے کرتے اسے بہلانے کی کوشش کی۔

"چلو اندر چلیں۔ کتنی دفعہ کہا ہے اتنی ٹھنڈ میں لان میں آکر میرا انتظار مت کیا کرو۔"

"میں تو بابا کا انتظار کر رہا تھا۔" حاشر معصومیت سے بولا۔ عظمیٰ یک دم خاموش ہو کر بیٹے کی جانب دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں افسردگی اتری۔

"ماما! مجھے نہیں رہنا۔ میں بابا کے ساتھ چلا جاتا کاش!" حاشر نے ماں کی بات کو یکسر نظر انداز کیا اور لان میں رکھے پتھر پر جا بیٹھا۔ عظمیٰ کے دل کو دھکا سا لگا۔

"ماما! مجھے بابا کے پاس بھیج دیں۔" حاشر کی آواز نے اسے پھر جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

"ٹھنڈ ہے یہاں اندر چلو حاشر!" عظمیٰ نے اسے اب کے ڈانٹ کر کہا۔

"Leave me alone mama! just go inside!"

حاشر نے پلٹے بغیر غصے اور ناراضی سے کہا تھا۔ عظمیٰ نے آسمان کی جانب نگاہیں کرتے ایک گہری سانس لی اور آکر اسے گود میں اٹھانے کی کوشش کی لیکن اس نے ماں کا ہاتھ جھڑک دیا۔

"Don't touch me"!

وہ ناراضی اور بیزاری سے کہتا اندر کی جانب بھاگ گیا۔
دفعۃً حاشر کسی آہٹ پر چونکا لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ ماضی سے نکل کر حال میں آیا۔ ذرا سی گردن گھمائی۔ طوبیٰ ہاتھ میں کافی کے ڈسپوزل کپ لیے کھڑی تھی۔

"کیا سوچ رہے ہیں؟" اس نے ایک کپ حاشر کے برابر پڑے بڑے سے پتھر پر رکھا۔ حاشر نے کچھ کہے بغیر آس پاس نظریں گھمائیں۔ دن کی روشنی ہر سوں پھیلی ہوئی تھی۔ آسمان صاف تھا۔ پرندے آزادی سے

آسمانوں کی سیر کر رہے تھے۔ سامنے سمندر اپنی تمام تر طاقتوں سمیت خاموش تھا۔ بالکل اس کی آنکھوں کی مانند۔ لکڑی سے بنی ان موٹی اور مضبوط باڑوں پر ہاتھ رکھے اس نے باہر کی جانب لگے پودوں کو دیکھا۔ دیکھتا رہا اس کی نگاہیں پودوں پر ٹکی تھیں۔ اگلے پل وہ جھکا اور ایک ننھا سا کیڑا ہتھیلی پر لیا۔ طوبی خاموشی

سے اسے دیکھتی رہی۔ آنکھوں میں نرمی اور فکر مندی تھی۔ حاشر نے کافی کے کپ کو ہاتھ تک نہ لگایا تھا۔

بالا آخر کافی دیر بعد حاشر نے ہتھیلی زمین پر رکھی۔ کیڑا سست روی سے زمین پر اتر گیا۔ حاشر خاموشی سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے نگاہ گھما کر طوبی کی جانب دیکھا۔ جو کافی کے گھونٹ بھر رہی تھی۔ حاشر کو اپنی طرف دیکھتا پا کر ٹھٹھکی۔ حاشر نے اس کے تاثرات کا

جائزہ لیا۔ آیا کہ اس کی نگاہوں میں اس کے لئے تاسف و ترس جیسے عنصر موجود ہیں یا نہیں۔ لیکن ان آنکھوں میں فکر مندی، نرمی، چاہت، احساس کے سوا کچھ نہیں تھا۔ حاشر نے گردن گھمالی۔

"زندگی میں ایک وقت وہ ہوتا ہے جب ہم کسی چیز کے لئے حد سے زیادہ تڑپتے ہیں۔" حاشر کی آواز دھیمی تھی۔ طوبیٰ چند قدم آگے آئی۔ اپنی پوری توجہ اس پر مرکوز کر دی۔

"اور ایک وقت وہ ہوتا ہے جب ہم اس چیز سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ اللہ ہمارے دل سے اس چیز کی تڑپ نکال دیتا ہے۔" اس نے گہری سانس لے کر ذرا سی گردن گھما کر طوبیٰ کو دیکھا اور آہستگی سے مسکرایا۔

"اس وقت کی تڑپ، اور پھر تڑپ کا ختم ہو جانا۔ زندگی کا حصہ ہے۔ لیکن تڑپ کے ختم ہو جانے کے بعد اس چیز کا سامنے آ جانا۔" حاشر ایک لمحے کو رکا۔ نچلا لب دانتوں میں دبا کر چھوڑا اور ایک ہاتھ سے کینٹی مسلتا آہستگی سے ہنس دیا۔

"وہ یہ وقت ہوتا ہے جب انسان خلا میں معلق ہو جاتا ہے۔ نہ نیچے جانے کی تمنا ہے نہ اوپر جانے کی۔ اور خلا میں معلق ہو جانے کا درد اپنی جگہ۔ اور یہ احساس کہ ہم زندگی کہ اس مقام پر ہیں جہاں نہ کسی کی محبت اس سوراخ کو بھر سکتی ہے نہ کسی کی تسلی۔ نہ کسی کا احساس اور نہ ہی کسی کی موجودگی۔۔" وہ ایک پل کو رک کر مسکرایا۔ طوبی ساکت نگاہوں اور ساکت دل لیے اسے دیکھتی رہی۔

حاشر پلٹا اور چند قدم چلتا اس کے قریب آیا۔ طوبیٰ یک ٹک اسے دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں کے ڈورے سرخ تھے۔ وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"شکریہ!" حاشر نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ طوبیٰ کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں وہ پلکیں جھپکتی اسے دیکھتی رہی۔ اس کے تاثرات اور بے یقینی دیکھ حاشر نے آہستگی سے مسکرا کر سر جھٹکا اور آگے بڑھ گیا۔ طوبیٰ نے رکی ہوئی سانس بحال کی اور جھٹکے سے گردن گھما کر اسے جاتے ہوئے دیکھا اور پھر ہاتھ اپنے سر پر پھیرا۔ تیز قدموں سے اس کے پیچھے لپکتی وہ اس کے ہمقدم ہوئی۔

"شکریہ کس بات کے لئے؟" طوبیٰ نے لہجے پر تاری کپکپی کو بمشکل چھپایا تھا۔ حاشر نے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیب میں ڈالے۔

"مجھے بہتر محسوس کروانے کی کوشش کرنے کے لئے۔۔" حاشر نے کہا۔ وہی پرسکون لہجہ، وہی مطمئن انداز۔

"کیا آپ بہتر محسوس کر رہے ہیں اب؟"

"نہیں!" وہ ہنس دیا۔ طوبیٰ ایک پل کو الجھی پھر خود بھی ہنس دی۔

"شاید میں بہتر محسوس کروانے میں اچھی نہیں ہوں۔" طوبیٰ نے جیسے اس پل اقرار جرم کیا تھا۔ حاشر نے اس کی جانب دیکھے بغیر نفی میں گردن ہلائی۔

"آپ بہت اچھی ہیں اس کام میں۔۔"

"تو پھر آپ اچھا محسوس کیوں نہیں کر رہے؟"

"میرے ایک پروفیسر ہیں سر عبید! وہ ایک وقت میں گھنٹوں مجھے روتا دیکھتے تھے مجھے تسلی دیتے تھے لیکن آخر میں انھیں کیا سننے کو ملتا تھا

جانتی ہیں؟" حاشر نے اب کے اس کی جانب دیکھا طوبیٰ سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتی رہی۔

"You have wasted your time professor I m still not coming with you" ..

وہ کہہ کر مسکرایا۔ اس کی آنکھوں میں نرمی جھلک رہی تھی۔
"آپ پروفیسر عبید سے محبت کرتے ہیں؟" طوبیٰ نے پوچھا۔
"میں ان سے عقیدت رکھتا ہوں۔" وہ نرمی سے بولا۔ طوبیٰ اس کی آنکھوں میں احترام دیکھ سکتی تھی۔ ایک الوہی چمک۔
"وہ میری زندگی میں صرف ایک استاد کبھی بھی نہیں تھے۔ ایک رہبر، ایک محسن سے بڑھ کر تھے۔" وہ رک گیا۔ طوبیٰ بھی رکی اس پاس نگاہیں دوڑائیں۔ وہ بندرگاہ والے پارک سے کافی دور نکل آئے تھے۔ ایک

جانب امریکی برانڈ کا کیفے تھا۔ دوسری جانب اونچی عمارتیں نظر آرہی تھیں۔ طوبیٰ ایک پل کو چونکی۔ وہ جی ایف ایس آر ریزیڈنسی تھی۔

"کیا یہ۔۔"

"جی یہ وہی علاقہ ہے جو آپ سوچ رہی ہیں۔" حاشر نے کہا اور دائیں جانب بڑھنے لگا۔ طوبیٰ نے پھر لپک کر اس کے پیچھے دوڑ لگائی اور اس کے ساتھ چلنے لگی۔

"کافی لیں گی یا چائے؟" حاشر نے باہر ہی ایک میز منتخب کی۔ جس کے آس پاس رش قدرے کم تھا۔

"کافی۔۔" طوبیٰ نے بیٹھتے ہوئے آس پاس کا جائزہ لیا اور مینو کارڈ اٹھایا۔

"یہی سارے لوازمات ہمارے علاقے کے آس پاس اس سے تین گنا کم قیمت پر مل جائیں گے۔" طوبیٰ نے منہ بنا کر مینو کارڈ واپس رکھا۔ حاشر

نے ہاتھ اٹھا کر ویٹر کو متوجہ کیا۔ اس سے قبل کے ویٹر میز کے قریب پہنچتا ایک قدرے میٹھی اور تازہ دم کردینے والی مہک ان کے نتھنوں سے ٹکرائی۔

"Hey buddies!"

آواز پر حاشر نے چونک کر گردن اٹھائی جبکہ طوبی نے نا سمجھی سے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ہلکی سنہری آنکھیں اور بے حد گھنی پلکیں۔ گھنے ابرو جو تراشے ہوئے لگتے تھے۔ طوبی نے حاشر کی جانب دیکھا پہلا خیال اسے حاشر کی گہری سیاہ آنکھیں اتنی ہی گھنی پلکوں اور ایسی ہی ابروؤں کا آیا۔ وہ بے تکلفی سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ چکا تھا۔ ویٹر آکر ان کے پاس رکا۔

"میں آسکریم لوں گا۔" اس نے عام سے لہجے میں کہتے حاشر کی جانب دیکھا۔ حاشر نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی۔ شیر کی آنکھیں مسکرائیں۔ شرارت سے۔ لطف سے۔۔

"دو کافی! دو اسٹرابیریز پین کیک۔۔ ایک آسکریم؟"

"Large bowl! Blue Berry crunch please! thank You!"

شیر نے اب کے براہ راست ویٹر کی جانب دیکھا۔ ویٹر آرڈر نوٹ کرتا پلٹ گیا۔

"I am really not sorry. For spoiling you breakfast date ..because my presence is more important then your date... I guess I m right? commander hashir!"

اس کی بات سن کر طوبیٰ کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں اور گال بے اختیار سرخ ہوئے اگلے پل اس نے خود کو سنبھالتے حاشر کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"میں مذاق کے موڈ میں ہرگز نہیں ہوں۔ اس لئے خاموشی سے اپنی آنسکریم ختم کرنا اور چپ چاپ چلے جانا ورنہ میں پبلک کا لحاظ کیے بغیر تمہارے سارے دانت توڑ دوں گا۔" حاشر نے سرد مہری سے کہا۔

"حد ہوتی ہے کمانڈر! کیا آپ اپنے مہمانوں کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہیں اور مہمان بھی میں؟ ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے آپ اس وقت میری پروپرٹی کے دائرہ کار میں موجود ہیں۔" شیر نے اسے چڑاتے ہوئے کہا۔

"کتنے گھٹیا قسم کے خود پسند اور نمائشی ہونا تم؟" حاشر نے مسکراتے ہوئے طنز کیا۔

طوبیٰ نا سمجھی سے کبھی شیر کو تو کبھی حاشر کو دیکھ رہی تھی۔ وہ دونوں بغیر رکے بغیر سوچے سمجھے پہ در پہ ایک دوسرے پر طنز کے تیز چلا رہے تھے۔

"ہے نا؟ مجھے بھی یہی لگتا ہے۔" شیر مسکرایا اور طوبیٰ کی جانب دیکھا۔

"بہت خوب صورت ہیں آپ! امید ہے آپ کا نام بھی آپ کی طرح خوبصورت ہوگا پیاری بھابھی!" شیر نے قدرے نرمی اور شائستگی سے کہا۔ طوبیٰ کا چہرہ یک دم سرخ پڑا وہ الجھے انداز میں حاشر کی جانب سوالیہ انداز میں آنکھیں اٹھائے اسے دیکھنے لگی۔ حاشر نے آنکھ کے اشارے سے اسے اطمینان رکھنے کا کہا۔

"She is blushing... Commander hashir"!

شیر شرارتی انداز میں ہنسا۔ حاشر شیر کو گھورتا سر جھٹک کر دوسری جانب دیکھنے لگا۔ اس نے سرسری انداز میں پیچھے تیزی سے نگاہ ڈال کر آس پاس کا جائزہ لیا۔

"By the way what's your name pretty"?

شیر طوبی کی جانب دیکھ کر پوچھ رہا تھا۔

"Captain marry"!

حاشر نے طوبی کے زبان کھولنے سے قبل ان کی جانب دیکھے بغیر کہا۔

"Captain marry? Him"!

شیر نے آنکھ دباتے طوبی کی جانب دیکھتے شرارت سے جملہ مکمل کرتے حاشر کی جانب اشارہ کیا۔

"Ahhh stop being clingy and just go" ..

حاشر نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ طوبیٰ نے حاشر کی جانب دیکھا۔ وہ قدرے تپا ہوا نظر آرہا تھا۔ طوبیٰ نے اسے کبھی اس طرح غصے اور تپے ہوئے انداز میں کسی سے بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ پرسکون اور نرم لہجے میں بات کرنے کا عادی تھا۔

"آسکریم تو آنے دو۔ لیکن سچ کہتا ہوں تمہاری بے قدری آسمان کو چھو رہی ہے۔ دس منٹ بعد میری میٹنگ ہے جانتے ہو دنیا کے مشہور و معروف کاروباری افراد میرے انتظار میں بیٹھے ہیں اور میں یعنی کہ دنیا کا امیر ترین شخص تمہارے سامنے اس چار ستارے والے کیفے میں بیٹھا ہے اور تمہارے نخرے ہی نہیں ختم ہو رہے۔" اس نے ایک ہی سانس میں

بات ختم کی تھی۔ طوبیٰ نے بمشکل مسکراہٹ روکی تھی۔ کتنا مزاحیہ شخص ہے۔ وہ خود کو سوچنے سے باز نہ رکھ سکی۔

"اوہ۔ تو دنیا کے امیر ترین شخص نے اپنی پروپرٹی میں ایک چار ستارے والا کیفے بنوایا ہی کیوں ہے؟ بین الاقوامی لٹیرے۔" حاشر نے طنز کیا۔ طوبیٰ بے اختیار مسکرائی اور دوسری جانب دیکھنے لگی۔

"تاکہ تم جیسے قومی ہیروز جن کو ان کا ملک انھیں گن گن کے فنڈ دیتا ہے آکر ایسی جگہوں کا مزہ لے سکیں۔ کم قیمت پر! امیر ہوں لیکن میرے پاس بھی ایک دل ہے جو غریبوں کی پروا کرتا ہے۔" شیر نے حاشر کو طیش دلانے کی پوری کوشش کی تھی۔

"Seriously it was not funny at all!"

حاشر سردمہری سے کہہ کر مسکرایا۔ اس کی آنکھوں میں ایسے تاثرات تھے جیسے کہہ رہا ہو تمہاری ہر کوشش بیکار ہے۔ اسی اثنا میں ویٹر ٹرالی گھسیٹا میز کی جانب آتا دکھائی دیا۔

شیر نے گردن گھما کر ویٹر کی جانب دیکھا۔

"Here you go my friend! Thank you.. Actually it's getting late.. So I have to go...don't mind my bad Manners"!

وہ معذرت خواہانہ انداز میں ویٹر سے کہتا کھڑا ہوا اور اپنی آسکریم کا باؤل اٹھایا پھر پلٹ کر حاشر کی جانب دیکھا۔

"بہت شکریہ کمانڈر حاشر! تمہاری طرف سے اس آسکریم باؤل کو میں زندگی بھر یاد رکھوں گا۔" وہ مسکراتی نظروں سے اس کی جانب دیکھتا ہاتھ

پیشانی پر لے جا کر سیلیوٹ کرتا پلٹ گیا۔ حاشر نے گردن اٹھا کر اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ دوسرے کونے والی میز کی جانب بڑھ رہا تھا۔
 "کیا یہ آپ کا کوئی پرانہ دوست تھا کمانڈر؟" طوبی نے متجسس انداز میں پوچھا۔

"نہیں یہ ہمارا مشترکہ دشمن تھا۔ شیر!" وہ سنجیدگی سے بولا۔
 "کیا!" طوبی کی آواز یک دم بلند ہوئی۔ اس نے بے اختیار کھڑے ہوتے پلٹ کر پیچھے کی جانب دیکھا اور گردن آس پاس گھمائی۔ وہ اسے کونے والی میز پر کسی کے ساتھ بیٹھا دکھائی دے رہا تھا ان کی جانب اس کی پشت تھی۔ اس کی آنکھیں بے یقینی اور حیرت کی شدت سے پوری طرح پھیلیں ہوئی تھیں۔ اس کا ہاتھ اس کے منہ پر آٹھرا تھا۔

"No way!"

وہ با آواز بڑبڑائی۔

"پر سکون ہو کر بیٹھ جائیں مس طوبیٰ!" حاشر نے سرسری نگاہ اس میز پر ڈالتے کہا۔ طوبیٰ ناچاہتے ہوئے بھی بیٹھ گئی۔

حاشر نے رومال اٹھا کر گود میں رکھا اور چھری کاٹا سنبھالا۔
"مجھے لگا وہ کوئی قریبی دوست ہے آپ کا۔" طوبیٰ ہنوز بے یقینی کے دلدل میں دھنسی ہوئی تھی۔

حاشر نے جواب دیے بغیر چھری سے کیک کو ٹکڑے میں کاٹا اور کانٹے میں پھنسا کر منہ میں رکھتے دوبارہ اس میز کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک پل کو طیش اتر اگلے ہی پل آنکھیں سپاٹ تھیں۔

"پہلے تین چار بار مل چکے ہیں نا آپ اس سے؟"

"جی!" حاشر نے کافی کا گھونٹ بھر کر کہا۔

"کیا یہ ہمیشہ ایسے ہی بات کرتا ہے؟" طوبیٰ کو اس کا نے بے تکلف
دوستانہ انداز اور مزاحیہ طنز یاد آئے۔

"ہاں!" حاشر نے دوبارہ کیک کا ٹکڑا منہ میں رکھا۔

"یہ بے وقوف بنانے میں ماہر ہے۔ انتہا کا شاطر اور مکار انسان جو اپنے
معصومانہ اور شرارتی لہجے کی آڑ میں دنیا کو بے وقوف بنانے کی کوشش
کرتا ہے۔" حاشر نے کہا۔

"حلیہ بدلنے میں بھی ماہر ہے۔ اس کے ہاتھ پر مجھے ٹیوٹو نظر نہیں
آیا۔ آنکھیں بھی اصلی لگ رہی تھیں۔ لیکن۔۔" ایک پل کو طوبیٰ
رکی۔ اس نے تصور میں ہی ان آنکھوں کا سیاہ ہونا دیکھا پھر حاشر کی
جانب دیکھا۔ وہ کیک کی جانب متوجہ تھا۔

"آنکھیں۔۔" وہ دل ہی دل میں بڑبڑائی۔

"کیا کمانڈر حاشر کو اس کی اور اپنی آنکھوں کی سو فیصد مشابہت کا انداز نہیں ہوا کبھی؟" وہ فقط سوچ ہی سکی۔ بولی کچھ نہیں۔

"Have your breakfast miss tooba!"

حاشر نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ اس کی جانب نہیں دیکھ رہا تھا۔ طوبیٰ نے نا چاہتے ہوئے بھی پلٹ کر دوبارہ اس میز کی جانب دیکھا تھا۔



"جاسوس وہ ہے جاسوسی کرنے کا شوق آپ کو چڑھ گیا ہے۔" غازی غضنفر نے اس کی آنکسریم کے باؤل کو دیکھتے کہا۔

"میں اس کے ساتھ بیٹھی عورت کو دیکھنا چاہتا تھا۔" شیر نے آنکسریم کا چمچ منہ میں رکھتے بولا۔

"کیوں؟" غازی نے ایک ابرو اچکاتے سوال کیا۔

"بس یوں ہی دیکھنے گیا تھا حسین ہے کہ نہیں۔۔" شیر نے آنکھ دبائی۔

"تو پھر حسین تھی؟" غازی مسکرایا۔

"پیاری تھی! اور سب سے بڑی بات۔۔ اس کی محبوبہ تھی۔" شیر نے لطف لیتے کہا۔

"دس منٹ میں آپ نے یہ بھی جان لیا؟"

"ہاں! اگر نہیں بھی تھی تو عنقریب بن جائے گی۔ لڑکی اسے چاہتی ہے۔ وہ بھی اس کے حوالے سے محتاط تھا۔ اس نے مجھے اس کا غلط نام بتایا۔" شیر بے نیازی سے کہہ رہا تھا۔

"تو کیا نام ہے آپ کی ہونے والی بھابھی کا؟"

"جیسے کہ ہم ایک گھر میں رہتے ہیں نا دیور بھابھی ساس سسر والے خاندان میں؟ جو مجھے پتا ہو گا۔۔ کیپٹن ہے وہ۔۔ لیکن میں نام نہیں جانتا

اس کا۔ اس کی ٹیم میں چار سے پانچ لوگ ہیں۔۔ شاید یہ لڑکی بھی ان میں سے ہی ایک ہے۔ "شیر نے کہا۔

"اگر اس نے دوبارہ کوئی مداخلت کی۔" غازی نے شک ظاہر کرتے گردن ذرا سی نکال کر پیچھے دیکھا۔ شیر کی مشابہت لیے وہ شخص کیک کھانے میں لگن تھا۔

"یہ کرے گا۔" شیر نے یقین سے کہا۔

"میں اسے ہمیشہ سے دیکھنا چاہتا تھا لیکن ایسے بھی نہیں۔۔ ڈارک آئی۔" غازی نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"Ahh... the Dark eye.. He has a class and level of ..you know" ..

شیر رکا اور مسکرایا۔ غازی نے ابرو اچکائی۔ سوالیہ انداز تھا۔

"بلندی۔۔ جیسے کہ ایک نفاست ہے اس کی شخصیت میں۔ ایک طلسم ہے اس کے آس پاس! ٹھہرا ہوا طلسم۔۔"

شیر کی آنکھوں چمک رہی تھیں۔

"آپ کو اپنا بھائی پسند ہے؟" غازی کے چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ اتری۔

"ہاں! ظاہر ہے مجھے اس کا انداز پسند ہے۔ اس کی آنکھوں کی گہرائی۔ وہ اپنی ذات میں بہت گہرا ہے۔ اس کو جانچنا۔

ناپنا۔ بڑا مشکل ہے۔۔" شیر پھر مسکرایا۔ دفعتاً شیر کا فون بجنے لگا اس نے جیب سے فون نکالا اور اسکرین پر نگاہ ڈالی۔ لبوں پر ہلکی مسکراہٹ اتری۔ ہیزیل کی کال تھی۔ اس نے فون اٹھا کر کان سے لگایا۔

"کہاں ہو تم؟" دوسری طرف لہجہ غصے کی شدت سے کانپ رہا تھا۔ آواز بلند تھی۔

"Family hangout"!

شیر نے آئسکریم کا چمچ بھرتے کہا۔ غازی کے چہرے پر ایک گہری مسکراہٹ اتری۔

"پیدائشی لاوارث فیملی کے ساتھ صرف خوابوں ہی ہینگ آؤٹ کر سکتے ہیں۔" ہیزیل نے پر تپش لہجے میں کہہ کر اپنے تہیں شیر کو گہرا دھچکا دیا تھا۔

"اچھا پھر میں خواب دیکھ رہا ہوں گا۔ شرم نہیں آتی سوتے ہوئے معصوم لوگوں کو فون کر کے تنگ کرتے ہوئے؟" شیر پر سکون اور مطمئن انداز لیے بولا۔

"آہ۔۔ تم۔۔ میرے مہمانوں کے ساتھ بدسلوکی کرنے کا اختیار نہیں ہے تمہیں۔۔ سمجھ گئے۔ وہ یہیں رکیں گے۔ تم تو کیا تمہارا باپ بھی انہیں یہاں سے چیک آؤٹ نہیں کروا سکتا۔۔ سنا تم نے؟" ہیزیل نے لفظوں کو بلا کی سختی سے اس کے منہ پر مارا۔

"I can't hear you...let's talk later"!

شیر کا انداز سپاٹ تھا۔ اس نے فون بند کر دیا۔
 "بھائی حاشر یہاں آرہا ہے۔" غازی نے اچانک کہا۔ شیر نے تھوڑی پر ٹکا ماسک چہرے پر لگایا اور کرسی سے ٹیک لگا کر انتظار کرنے لگا۔ غازی کی نگاہیں حاشر پر ٹکیں تھیں۔ وہ ایک کوٹ کی جیب میں ڈالے سکون سے چلتا ان کی جانب آرہا تھا۔ غازی کی آنکھوں میں نرمی کے ساتھ تجسس تھا۔

"Hello"!

حاشر نے قریب آتے غازی کی جانب دیکھ کر مسکراتے کہا۔ غازی مسکرایا۔ خوشدلی سے اور گردن کے اشارے سے جواب دیا۔ حاشر نے

اب کہ ایک گہری جتاتی سخت اور کٹیلی نگاہ شیر پر ڈالی۔

"کچھ دیر پہلے تم میرے مہمان تھے میں اپنی حدود میں قید رہا لیکن آئندہ!" وہ ایک ہاتھ میز پر رکھتا جھکا۔

"میرے ساتھ موجود کسی بھی خاتون کے سامنے اپنی اس چنچل زبان کا حد سے زیادہ استعمال کرو گے تو وہیں زبان حلق سے کھینچ لوں گا۔" حاشر کا لہجہ خطرناک حد تک سرد تھا۔ سیاہ گہری آنکھیں اس کی آنکھوں میں گڑھی ہوئی تھیں۔ شیر یک ٹک خاموشی سے اس کی جانب دیکھتا رہا۔

"پبلک کا لحاظ کیے بغیر۔۔" وہ میز سے ہاتھ ہٹاتا سیدھا ہوا۔ لیکن نگاہ ہنوز اسی پر تھیں۔

"پھر فرق نہیں پڑے گا تم دنیا کے امیر ترین شخص ہو یا دنیا کی سب سے بڑے کاروباری ادارے کے مالک!" اس نے ایک ہاتھ دوبارہ کوٹ کی جیب میں ڈالا اور بت بنے غازی کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ غازی اب کے مسکرا نہ سکا۔ فقط متاثر نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتا رہا پلکیں جھپکائے بغیر۔۔

"Have a Good breakfast date with your boyfriend!"

حاشر نے جتنا تے انداز میں کہتے شیر کا کاندھا تھپتھپایا۔ غازی اس کے الفاظ پر بدک کر سیدھا ہوا۔

"Excuse Me brother! I m not his boyfriend? He is my brother...mind your language" ...

غازی تپ اٹھا اور احتجاجی انداز میں کہا۔ حاشر نے جاتے جاتے ایک مسکراتی نگاہ شیر پر ڈالی۔

"آہ کیا بھابھی ناراض ہو گئیں میری چنچل زبان کی وجہ سے؟ اچھا سنو دو تین ٹپس دیتا ہوں۔"

شیر ہنس دیا۔

"Whatever"!

حاشر نے ہاتھ جھلاتے کہا اور پلٹ گیا۔ شیر قہقہہ لگاتے سر پیچھے کی جانب گرائے ہنستا رہا۔ حاشر نے اس کی ہنسی پر طنزیہ انداز میں گردن جھٹکی تھی۔ غازی سرخ چہرہ اور غصیلی آنکھیں لیے بیٹھا شیر کو دیکھتا رہا۔

"اس احمر کو تو میں سیدھا کروں گا۔ آپ نے ابھی تک وہ آرٹیکل ہٹوایا نہیں ہے انٹرنیٹ سے؟" غازی نے میز پر غصے سے ہاتھ مارتے سوال کیا۔

"ہٹوادوں گا۔ اس چھوٹے کا بھی بندوبست کرنا ہے۔" شیر نے ہنسی پر قابو پاتے سیدھا ہوا اور گردن گھما کر اس طرف دیکھا جہاں حاشر گیا تھا۔



واشنگٹن کی آرٹ گیلری کا منظر تھا۔ جنت مینجر مسٹر مائیکل اور مس فیلیب کے ساتھ ہال کا دورہ کر رہی تھی۔ اس کی ذات ایک گہری خاموشی کی لپیٹ میں تھی۔ نگاہیں آس پاس دنگ اور محویت سے پینٹنگز کو تکتے لوگوں پر تھیں۔ وہ دھیمے انداز میں مسکرا دی۔

اس کی نگاہ پہلی پینٹنگ پر گئی۔ وہ کچھ پل اس کو دیکھتی رہی۔ اس میں ایک لڑکی دکھائی دے رہی تھی۔ سیاہ لباس زیب تن کیے۔ لمبے بالوں والی

لڑکی کا چہرہ عیاں نہیں تھا لیکن خوبصورت سفید ہاتھ اوپر کی طرف اٹھے ہوئے ہاتھوں کی پشت پر ابھری ہوئی سرخ و سبز رگیں ابھری ہوئی تھیں۔ نازک سے پیر تیرنے کی کوشش میں ہلکان تھے۔ لڑکی کا سر اوپر کی جانب اٹھا ہوا اور بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ ایک پر تعیش وسیع کمرہ جو چھت تک پانی سے بھرا ہوا تھا۔

پینٹنگ کے نیچے "Dark Sea" لکھا ہوا تھا۔

وہ گہری سانس خارج کرتی آگے بڑھی۔ تب ہی ایک نوجوان سیاہ فام اس کے قریب آکر رکا اور مسکراتے ہوئے ہیلو کہا۔ جنت بھی مسکرائی۔

"کیا آپ میرے ساتھ ایک تصویر لینا پسند کریں گی۔ مجھے بہت خوشی

ہوگی اگر آپ میری اسکیچ بک پر آٹوگراف دیں۔" وہ انتہائی ادب سے

بولا۔ وہ ایک دراز قد لڑکا تھا۔ گھنگھرالے بال اور دلکش مسکراہٹ کا

مالک۔ جنت نے اثبات میں گردن ہلاتے نوٹ بک پکڑ لی۔ لڑکے نے پرجوشی سے اس کی جانب دیکھتے پین اسے پکڑا۔

"آپ بہت خوبصورت ہیں۔" وہ متاثر انداز میں بولا۔ جنت نے کچھ نہ بولی فقط مسکراتے ہوئے اس کی اسکیچ بک پر آٹو گراف دے رہی تھی۔ اس نے آٹو گراف دیتے اسکیچ بک واپس کی۔

"میں نے جتنا سنا تھا آپ اس سے کئی زیادہ حسین اور ٹیلنٹڈ ہیں۔ آپ کا آرٹ حقیقت لگتا ہے۔۔ جیسے کہ میں اسے چھو کر اسی منظر میں جا پہنچوں گا۔" وہ پرجوشی سے کہتا اپنا فون نکالنے لگا۔

"بہت شکریہ!" جنت نے نرمی سے کہا۔ اس کے لب مسکرا رہے تھے لیکن آنکھیں اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ لڑکے نے سیلفی لینے کو فون

سامنے کی جانب اٹھایا تو مس فلیپ اور مسٹر مائیکل چند قدم دور ہٹ گئے۔

"بہت بہت شکریہ مس جنت! میں یہ دن کبھی نہیں بھولوں گا۔" وہ چمکتی آنکھوں سے مسکراتا خوشی سے کانپتے لہجے میں بولا اور جھک کر اسے تعظیم پیش کی۔

"stay happy! And have a Good Day!"

جنت نے نرمی سے کہتے اس کا کاندھا تھپتھپایا اور آگے بڑھ گئی۔ لڑکا اشتیاق بھری نظروں سے اسکیچ بک کو دیکھ رہا تھا۔

جنت سینے پر ہاتھ باندھے آگے بڑھتی دوسری پینٹنگ کے قریب رکی۔ ہر پینٹنگ کے آس پاس دو سکیوریٹی گارڈز کھڑے تھے جو لوگوں کو پینٹنگ کی تصویر بنانے سے روک رہے تھے۔

پینٹنگ کے پاس کھڑے دیگر لوگ جنت کو اتنا قریب کھڑا دیکھ مختلف تاثرات کا اظہار کر رہے تھے۔ کچھ پر جوش تھے تو کچھ اس کی خوبصورتی پر اثر شخصیت سے متاثر کچھ کی نگاہیں ہنوز پینٹنگ پر تھیں۔ یہ بھی ایک سچ تھا کہ اس کی طرح اس کی بنائی پینٹنگز میں بھی ایک عجیب سی کشش تھی جس سے فوراً توجہ ہٹالینا آسان نہیں تھا۔ اس کی بنائی پینٹنگ اپنے ساتھ باندھ لیتی تھیں۔ جنت نے سب کی جانب مسکرا کر دیکھا اور پینٹنگ کو دیکھنے لگی۔

اس پینٹنگ کے نیچے سیاہ رنگ سے

"depth of death"

لکھا تھا۔ پینٹنگ میں سیاہ گہری رات کو دردناک انداز میں زیر منظر لایا گیا تھا۔ آسمان میں گہری سیاہی مگر جگہ جگہ چند بادل بھی تھے۔ پس منظر میں

ایک جنگل تھا۔ سڑک خاموش اور سنسان تھی۔ سڑک کے بیچ ایک ایک عورت اوندھے منہ گری دکھائی دے رہی تھی۔ جس کا سفید لباس خون سے سرخ تھا۔ خون لکیروں کی صورت میں بہتا ہوا کچھ فاصلے پر کھڑی نو عمر لڑکی کے پاس جا رہا تھا اور وہ خوف زدہ سی دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھے پیچھے کی جانب ہٹنا چاہ رہی تھی۔ لیکن اس کے قدم جہاں تھے اس کے پیچھے فقط سیاہی تھی جو ایک دائرے کی صورت میں سب کچھ نگلنے کے در پر تھی۔ جیسے کوئی گہرا سیاہ طوفان تھا جو اس لڑکی کو اس کے خوف سمیت کسی دوسرے جہاں میں لے جانے کو تیار تھا۔

"I am horrifically stunned"!

ایک گہری کھائی سے آتی آواز نے جنت کو اس پینٹنگ کے اثر سے کھینچ کر باہر نکالا۔ اس نے آنکھیں کی جلن پر قابو پایا اور سامنے کی جانب دیکھتے آگے بڑھ گئی۔ فیلیپ اور مائیکل اس کے پیچھے لپکے۔

"آپ دونوں کو یوں میرے ساتھ رہنے کی ضرورت نہیں۔۔ میں کچھ دیر میں ہال سے چلی جاؤں گی۔" جنت نے ان دونوں کی جانب دیکھتے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مسٹر حسام کا آرڈر ہے۔" فیلیپ نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ جنت نے خفگی سے فیلیپ کی جانب دیکھا لیکن کچھ بھی کہنے سے گریز کیا۔

"میں نے تم سے میرے لئے ایک پرسنل مینیجر یا اسسٹنٹ کی پوسٹ کے لئے ایک قابل اعتماد شخص اپائنٹ کرنے کا کہا تھا۔ جنت کو اچانک یاد آیا۔

"کل میں نے اس کے لئے ایک انٹرویو آرگنائز کیا ہے۔ دراصل میری ایک ہائی اسکول کی دوست ہے جو اسی فیلڈ سے۔"

جنت چلتے چلتے تیسری پینٹنگ کے قریب رکی اور گردن گھما کر ایک سنجیدہ نگاہ فیلیپ پر ڈالی۔ فیلیپ یک دم خاموش ہوئی۔

"کل جب انٹرویوز ہوں گے تو میں اپنی معیار کی بنیاد پر اسٹنٹ کا انتخاب کر لوں گی۔ اگر تمہاری دوست میرے معیار پر اترتی ہوگی تو اس کا انتخاب کر لیا جائے گا۔" جنت نے سنجیدگی سے کہا اور پینٹنگ کی جانب دیکھنے لگی۔ فیلیپ شرمندہ سی کھڑی رہ گئی۔

"The afraid one!"

گہری دلچسپی سے بھرپور گہری اور دھیمی آواز نے جنت کو ایک پل کے لئے ساکت کیا اس نے گردن گھما کر بائیں جانب دیکھا۔ چمکتی سبز آنکھیں

سلور گول فریم والے چشمے کے پیچھے سے جھانک رہی تھیں۔ سفید کاٹن کی شرٹ کے اوپری دو بٹن کھلے ہوئے تھے۔ پستانی رنگ کی کارگو پہنے پیر سفید جوتوں میں مقید تھے۔

"کیسی ہیں آپ!" اس نے ہاتھ میں پکڑا چھوٹے خوبصورت جامنی پھولوں کا گلہستہ اس کی جانب بڑھاتے کہا۔ جنت نے گلہستہ تھاما اور خوبصورتی سے مسکرا دی۔ شاید اب وہ کچھ بہتر محسوس کر پاتی۔ یہ پہلا خیال تھا جو اس کے ذہن کے کنارے پر ابھر کر معدوم ہوا۔

"مجھے اس کی امید نہیں تھی۔"

"میں جانتا تھا۔ کتنی اچھی بات ہوتی ہے نا جب ہم اچانک منظر میں اتر کر کسی کا دن خوبصورت بنانے کا باعث بن جائیں۔" وہ کہہ کر خوبصورتی سے مسکرایا۔ جنت بے اختیار ہنس دی۔ آج اس کے بال جدید انداز میں

بنے ہوئے تھے گہرے سیاہ اور سفید دھاریوں والی جیکٹ اس نے اپنے کاندھے پر ٹانگ رکھی تھی۔

"لاؤ اپنی جیکٹ دے دو میں سیٹنگ روم میں رکھوا دیتی ہوں۔" جنت نے جیکٹ کو یوں ٹنگا دیکھ کر کہا۔

"چھوڑیں نا کیوں میرا نیا فیشن خراب کروانا چاہ رہی ہیں۔۔ جیلیس ہو رہی ہیں ابھی سے۔ کہیں لوگ آپ کو چھوڑ کر اس ہینڈ سم لڑکے کی جانب نہ متوجہ ہو جائیں۔" شرارت سے کہہ کر اس نے اپنا رخ موڑا۔ جنت نے ہنستے ہوئے سر جھٹکا اور پلٹ کر فیلیپ اور مائیکل کو جانے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں ایک پل کو ہچکچائے اور متحسّس نگاہیں احمر پر ڈالتے متذبذب انداز میں پلٹ گئے۔ جنت نے احمر کی جانب دیکھا۔ وہ گہری توجہ سے پیٹنگ کی

جانب دیکھ رہا تھا جنت کی نگاہ اس کے کان کی جانب دیکھا جہاں ایک سیاہ
ایئر بڈ لگا تھا۔ کان میں

ایک ننھا سیاہ ہیرہ ایک سلور بالی کے اندر جڑا ہوا تھا۔
"پسند آرہی ہے تو آپ رکھ سکتی ہیں۔" اس کی آواز پر جنت یک دم
چونکی۔

"تمہیں کیسے پتا میں کیا دیکھ رہی ہوں۔۔۔"
"سو ڈالر کا ایئر بڈ تو اتنا قیمتی نہیں ہو سکتا نا کہ کوئی مسلسل اٹھائیس سیکنڈ
اسے ہی گھورتا رہے۔ یقیناً عورتیں ہیروں کی جانب اس طرح متوجہ ہوتی
ہیں۔ ویسے میں بالکل بھی شو آف نہیں کر رہا لیکن یہ صرف ایک سیاہ ننھا
ہیرہ نہیں ہے۔۔۔ یہ نایاب ہیرہ ہے جو ہر امیر انسان نہیں خرید سکتا

صرف خوش قسمت لوگ ہی اسے حاصل کر پاتے ہیں۔" اس نے کہہ کر توقف کیا مسکراتی نگاہ اس پر ڈالی پھر آنکھ دبائی۔

"جتنا بھی قیمتی صحیح لیکن آپ سے زیادہ قیمتی اس وقت دنیا میں میری نظر میں کوئی بھی نہیں ہے۔" وہ اس کی جانب دیکھتا کہہ رہا تھا۔ جنت ساکت ہوئی۔ اس کا ذومعنی اور پر یقین انداز جنت کو ٹھٹکنے پر مجبور کر گیا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کی جانب دیکھتی رہی۔ احمر نے اس کا پہلو میں گرا بایاں ہاتھ اٹھایا اور الٹ پلٹ کر دیکھتے رکا اور تھپتھپا کر چھوڑ دیا۔ اس کے انداز میں تیزی تھی اتنی تیزی کے جنت کچھ سمجھ ہی نہ سکی۔ نا سمجھی سے اپنا ہاتھ دیکھا۔

"یہ کیا تھا؟"

"تمام پینٹنگز میں نظر آنے والی لڑکی آپ خود ہیں۔ بس اس کی تصدیق کر رہا تھا۔" احمر نے بے نیازی سے کہا اور چشمہ ٹھیک کرتے پینٹ کی جیب میں ہاتھ اڑس لیے۔

"آئینہ کسی چیز کی تصدیق کرنے کے لئے زبان کا استعمال کرنا ہاتھ کا نہیں۔۔" جنت نے اسے گھورا۔

"That's nothing"!

"اپنی خفت چھپانے کے لئے بے بنیاد اعتراض نہ اٹھائیں آپ میرا لمس محسوس بھی نہیں کر پائیں ہیں کہ آپ کو برا لگتا۔" وہ منہ بنا کر بولا جنت نے حیرت زدہ انداز میں اس کی جانب دیکھا۔ وہ اپنے اندازے کی درستگی پر فخریہ انداز میں مسکرایا۔

"آپ جب مضبوط اور نڈر بننے پر آتیں ہیں تو کمال کر دیتی ہیں لیکن آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ ایک بوسیدہ پل کی مانند ہے جو کسی وقت آپ کو آپ کے پورے قد سمیت اندر لڑکھڑانے کی کوشش کرتا ہے۔ جانتی ہیں یہ وہ وقت ہے جب کوئی بھی انسان آپ کی اس ڈگمگاہٹ کا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ جیسے کہ کچھ پل پہلے میں نے اٹھایا۔۔۔ لیکن میرا ارادہ آپ کی ذاتیات کو کھوج کر اس سے فائدہ اٹھانا ہرگز نہیں ہے۔" اس نے پر یقین انداز میں گردن نفی میں ہلائی۔ اس کی خوبصورت آنکھوں میں کئی تاثرات ابھر کر معدوم ہو رہے تھے۔ جنت کے لئے آس پاس کا سارا منظر پس منظر کی صورت اختیار کر گیا تھا فقط احمر اور اس کی آواز تھی۔

"میں آپ کو یہاں دیکھنا چاہتا ہوں۔" احمر نے اپنا ایک ہاتھ اٹھایا اور اونچائی تک لایا۔ جنت کی نگاہ اس کے ہاتھ پر گئی۔

"اور آپ کی زندگی سے جڑے باقی تمام لوگوں کو یہاں!" اس کا دوسرا ہاتھ اس کے پیٹ تک تھا۔

"میری زندگی سے جڑے باقی لوگ!" وہ بڑبڑائی۔ الجھن آمیز انداز اور متجسس نگاہیں احمر پر تھیں۔

"Obviously... All the selfish people with thousands of dedicated intentional interests" ...

جنت ہنوز ٹکڑی باندھے اسے دیکھ رہی تھی۔
 "آپ کو اس سالوں سے چلتی چکی میں بغیر کسی وجہ کے بغیر کسی فائدے اور قصور کے پسنا پڑا ہے۔ اس لئے میری ساری توجہ اور ساری اچھی تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔" وہ مسکرایا اس کی آنکھوں کی چمک بڑھی۔ سفید چھوٹے چھوٹے دانت واضح ہوئے۔

"I mean you are the main character lady! Just go for it..

Already"!

اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر پرجوشی سے کہا۔ جنت کی آنکھوں کی بے
یقینی بڑھی۔ یک دم ایک خوف سا اتر اٹھا اس کی آنکھوں میں۔ وہ دو قدم
پیچھے ہٹی۔ اس کی زبان گنگ تھی۔

"How.. Do you" ..

جنت کا لہجہ کپکپا کر رہ گیا۔ اس کے رونگھٹے کھڑے ہوئے اور وہ نفی میں
گردن ہلاتی پلٹنے لگی۔

"میری بات ابھی ختم نہیں ہوئی۔ میں آپ کا اسٹنٹ بننا چاہتا
ہوں۔" اس نے آواز ذرا بلند رکھی۔ جنت نے گردن گھما کر ایک قہر آلود

نگاہ اس پر ڈالی اور نفی میں گردن ہلاتی آگے کی جانب بڑھ گئی۔ احمر غازی نے کاندھے اچکاتے آس پاس دیکھا۔

"Did I just cut myself out"?

اس نے خود سے سوال کیا اور فوراً نفی میں گردن ہلائی۔
"وہ صدمے میں ہیں تھوڑا وقت دیتے ہیں۔۔۔ ویسے انھوں نے میرے دیے پھول نہیں پھینکے۔۔۔" وہ فوراً مسکرایا۔

"Let's hope for the best! ohh damn"!

یک دم اسے کچھ یاد آیا اس نے اپنا سر پکڑ لیا اور افسوس بھری نگاہوں سے اس جانب دیکھا جہاں وہ نظروں سے اوجھل ہوئی تھی۔

"کم از کم ایک سیلفی تو لے لیتا میں۔۔۔ اب شیر کو کیا میں صرف اپنا منہ دکھاؤں گا۔۔۔"

وہ خفگی سے بڑبڑایا اور اپنا فون نکالتے یک دم مسکرایا۔ اس کے تاثرات اس کا انداز اس کا مزاج بدلنے میں لمحے سے بھی کم وقت لگتا تھا۔

"Ahh let me see"...

کان کی لو کو کھجاتے اس نے اپنا گلابی مائل لب دانتوں میں دبایا۔

"Ahh I m sorry bro"!

ایک کمینی سی شرارتی ہنسی اس کے چہرے پر ظاہر ہوئی۔ اس کا لکھا آرٹیکل ہنوز کچھ پلیٹ فارمز پر موجود تھا۔ اس نے چشمے کے فریم پر لگا بٹن دبا کر کیمرہ آف کیا اور کاندھے سے جیکٹ ہٹا کر پہننے لگا۔

"Let's meet later miss favorite"!

دھیمے انداز میں بڑبڑاتے وہ ایک جانب بڑھ گیا۔



دوپہر کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ سورج آسمان پر پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ فضا میں خشک ہوائیں چل رہی تھیں۔ شارجہ کی مصروف سڑکوں پر پیدل چلتا وہ آس پاس کا جائزہ لیتا جا رہا تھا۔ سر پر سیاہ کیپ چہرے پر ماسک ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں اڑسے ہوئے تھے۔ کان میں لگے سیاہ ایئر بڈ میں ارتعاش پیدا ہوا۔ شیر نے بٹن دباتے کال ریسیو کی۔

"بولو ڈینی! شیر کی آواز دھیمی اور لہجہ بے نیاز تھا۔
"کانفرنس روم میں سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں آپ ابھی تک اپارٹمنٹ سے نہیں نکلے۔"

"کچھ ضروری کام کر رہا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد کانفرنس روم میں ملتے ہیں۔" شیر نے کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر دوسرا فون نکالا اور ایک نمبر ملانے لگا۔

"Hello! It's me!

From.....

"دمشق۔۔ دمشق سے بات کر رہا ہوں۔۔ میرا نام اسد البیت المقدس ہے۔۔ غور سے سنو۔ دوبارہ نہیں دہراؤں گا۔۔ اسد البیت المقدس۔۔" اس نے توقف کیا۔

"Who are you... How can I help you" ..

"تم میری مدد نہیں کر سکتے۔ اپنی مدد کرو۔ امن کی سفیرہ۔ لیڈی ملر فاسٹر۔۔ دو آنکھوں قوت سماعت سے بھرپور دو کانوں ایک ناک ایک زبان۔۔" وہ ہنسا۔

"Please don't waste our..

"Shhh.. Listen you American pig" ...

شیر غرایا۔

"دو ہاتھ دو ٹانگوں سمیت۔ بالکل حفاظت سے ہماری مہمان نوازی میں ہے۔ بس یہی کہنا تھا۔ میری اگلی کال کا انتظار مت کرنا۔ صرف اپنے سینیئرز کو میری کال کی اطلاع دے دو۔"

"کہنا بیت المقدس کے شیر نے رابطہ کیا تھا۔۔" شیر نے مسکراتے ہوئے فون کاٹ دیا اور اگلے ہی پل فون سے سم نکال کر دو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے ایک طرف اچھال دی۔ اب وہ ناک کی سیدھ میں چل رہا تھا۔



کانفرنس روم میں اس کے داخل ہوتے ہی سناٹا چھا گیا۔ تمام لوگ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سب کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ہیلو کہتے سربراہی کرسی کے قریب آکر ایک جائزہ لیتی نگاہ سب پر ڈالی اور لبوں پر مسکراہٹ سجاتا بیٹھ گیا۔ ڈینیل جو اس کے ساتھ ہی اندر داخل ہوا تھا اس کے بیٹھتے ہی اس کا بریف کیس اس کے سامنے رکھتا بائیں جانب کی خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ایران والے معاملے میں کیا کیا پیش رفت ہوئی ہیں؟ ہمارے پہلے ڈپارچر کی تیاریاں کہاں تک پہنچی ہیں؟" اس نے سوال کرتے اس نے اپنا بریف کیس کھولا اور لیپ ٹاپ نکالنے لگا۔

"ڈپارچر اگلے ماہ تک متوقع ہیں طریقہ کار کے مطابق ہم اسلحہ کا پہلے ٹیسٹ کٹ بجھواتے ہیں تو۔"

"ٹیسٹ کٹ والی فارملٹی کو ایک طرف کر کے پروپر سیٹ بھیجنے کی تیاری کریں۔" شیر نے حکم دیا جس پر وہاں بیٹھے کئی لوگ چونکے لیکن اظہار کیے بغیر بریفنگ کو آگے بڑھایا۔ شیر اگلے آدھے گھنٹے میں فارغ ہو کر کانفرنس روم سے باہر نکلا تو اسے راہداری میں کافی ہلچل دکھائی دی۔

"لگتا ہے آلو کی اڑان کا وقت آگیا ہے۔"

"سوری؟" ڈینیل نے اس کی بڑبڑاہٹ پر سوال کیا۔

"کچھ نہیں۔۔ گولڈن جانے سے پہلے اگر مجھ سے ملنا چاہے تو اسے کہہ دینا میں اہم کام میں مصروف ہوں۔۔" شیر نے لاپرواہی سے کہا۔

"آپ کو کیسے پتا بگ باس جارہے ہیں؟" وہ چونکا۔

"ہیلی پیڈ پر ہیلی کاپٹر صرف دو موقعوں پر ہی موجود ہوتے ہیں۔۔ میرے لیے یا گولڈن کے لیے۔۔ اس وقت میں تو کہیں نہیں جا رہا تو ظاہر سی بات ہے گولڈن ہی جا رہا ہو گا۔"

"میں نے سنا ہے امریکا میں کسی ہائی پروفائل سرکاری شخصیت کا کڈنیپ ہوا ہے۔۔ بگ باس امریکا جارہے ہیں۔۔" ڈینیل نے اطلاع دی۔

"واقعی؟ ذرا پتا تو لگاؤ کون اغوا ہوا ہے؟" شیر نے تجسس سے سوال کیا تو

ڈینیل نے اثبات میں گردن ہلادی۔ لفٹ آتے ہی وہ لفٹ میں سوار

ہوا۔ ڈینیل بھی اس کے پیچھے لفٹ میں سوار ہوا۔

"مس ہیزیل بھی اوپر آپ کا ہی انتظار کر رہی ہیں۔" ڈینیل نے بتایا۔ شیر نے جواب نہ دیا فقط پیٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا ایک پیر سے لفٹ کے فرش کو بجاتا رہا۔ اس کے لب سیٹی کے انداز میں بنے کچھ گنگنا رہے تھے۔ ڈینیل اس کی خاموشی پر خود بھی خاموش سا کھڑا رہا۔



"اچھا؟ شام میں؟ واقعی؟" حاشر نے حیران ہوتے مانکرو فون کان سے لگائے سوال کیا۔ اور پھر رک کر کچھ سنا۔

"اسد البیت المقدس؟ اچھا۔ پھر کیا کرنے جارہے ہیں یہ لوگ؟ مطلب کسی قسم کی ڈیمانڈ آئی ہیں یا نہیں؟" حاشر نے اپنا لیپ ٹاپ کھولتے سوال کیا۔

"اوہ۔۔ اچھا سیکریٹ آپریشن۔۔ ان کے اتنے بھی سیکریٹ نہیں رہتے۔۔ خیر کچھ دن میں ہی نیوز چینلز میں خبر چل رہی ہوگی۔۔ پر تم مجھے بتانا جو بھی ہو۔۔" اس نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ قریب ہی طوبی کھڑی سوالیہ انداز میں اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"کچھ ہوا ہے؟" طوبی نے سوال کیا۔

"امریکی امن کی سفیر خاتون کا اغوا ہوا ہے۔۔ شام میں۔۔" حاشر نے اطلاع دی۔

"اسد البیت المقدس۔۔ نامی گروہ کی طرف سے رابطہ کیا گیا ہے۔۔ ابھی تک کوئی ٹریسز نہیں ملے۔۔"

طوبی فقط سر ہلا کر رہ گئی اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس خبر کا ان سے کوئی تعلق ہے یا نہیں۔ لیکن وہ اس کا اظہار کیے بغیر حاشر کے سامنے سے

گزرتی دوسرے صوفے کی جانب بڑھ گئی۔ حاشر لیپ ٹاپ میں کچھ دیکھتا رہا۔



جنت اپنے ہوٹل لوٹی تو اس کے ذہن میں احمر کی باتیں ہی گونج رہیں تھیں جو اسے بار بار اس چھوٹے لڑکے کی جانب سے خبردار کر رہی تھیں لیکن پھر بھی ایک طاقت تھی جو اسے احمر کے حوالے سے مزید تجسس اور دلچسپی کا عنصر دے رہی تھی۔ وہ چاہ کر بھی اس کی باتیں اور اس کی شخصیت کو اپنے دماغ سے نکال نہیں پارہی تھی۔ اس نے اپنے لیے کافی بناتے گیلری سے ساتھ لایا ہوا سامان جانچا تو اس کے ہاتھ کچھ لگا وہ ایک لفافہ تھا۔ خاکی لفافہ کو بھوری ڈوری سے بندھا ہوا تھا۔ جنت نے الجھتے ہوئے اسے کھولا تو اندر سے کئی صفحات نکلے۔ جنت نے باری باری

کاغذات علیحدہ کیے۔ اس کی ابرو اکھٹی ہوئیں۔ وہ ایک خط تھا۔ جنت وہیں صوفے پر بیٹھ گئی اور خط کا پہلا صفحہ دیکھا۔

مس جنت! جانتی ہیں مس جنت کہنا مجھے اچھا نہیں لگتا تھا شاید یہ تکلف کا احساس دلاتا تھا اس لیے۔ میں آپ کو ہمیشہ صرف جنت کہہ کر پکارنا چاہتا تھا لیکن آپ کو یہ پسند نہیں تھا۔ خیر آج اس پورے خط میں آپ کو صرف جنت کہوں گا کیوں کہ مجھے یقین ہے جب یہ خط آپ پڑھ رہی ہوں گی تو آپ کی آنکھوں کی ناگواری دیکھنے کے لئے میں آپ کے سامنے موجود نہیں ہوں گا۔ میری غیر موجودگی کا احساس کرتے آپ میری اس گستاخی کو معاف کر دیجئے گا۔"

جنت نے ٹھہر کر ایک گہری سانس ہوا کے سپرد کی اور آہستگی سے مسکرائی اور نگاہیں دوبارہ اس خط پر ٹکا دیں۔

"یہ میری زندگی کا پہلا خط ہے آج سے پہلے میں نے کبھی کسی کے لئے کوئی خط نہیں چھوڑا یہ میری زندگی کا پہلا اور آخری خط ہے آپ کے لئے۔۔ اس خط کو پڑھنے کے بعد مجھ سے رابطے کی کوشش مت کیجیے گا۔ مجھے کال مت کیجئے گا لیکن ایک معصوم سی خواہش ہے میری کہ آپ مجھے بھول مت جائیے گا۔ مجھے یقین کہ میں آپ کی زندگی کے ہزاروں افراد میں سے وہ ایک عام انسان ہوں جو زندگی کے سفر میں کسی خاص مقصد کے لئے ملتے ہیں پھر اپنی منزل آنے پر راستے میں اتر جاتے ہیں۔" جنت نے پھر خط

کے باقی صفحات پر نگاہ ڈالی۔ یہ طویل خط حسام نے کیوں لکھا ہے۔ وہ ہنوز نہیں جانتی تھی۔ تجسس نے اس کے گرد گہرا تنگ کیا۔

"میں آپ کی زندگی میں صرف ایک مہمان بن کر کبھی نہیں رہنا چاہتا تھا۔ میں نے منزل چاہی تھی آپ کے ساتھ کی۔ لیکن یہ سفر ہی اتنا مختصر ہو گیا کہ آخری وقت میں فقط مزید چند لمحات کی ہی خواہش کر سکا۔ جب مرتے ہوئے کو اپنی موت کا یقین ہو جائے تو وہ آخری بار فقط اپنے پیاروں کو دیکھنے کی خواہش ہی کر پاتا ہے۔۔۔" جنت ایک پل کے لئے رکی۔ اڈتے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی ایک خاموش آنسو خاموشی سے گال پر پھسلتا خط کے الفاظ پر آگرا۔ کچھ لفظ کی سیاہی پھیلی۔ جنت نے خط رکھ کر اس پر پیپر ویٹ رکھ دیا اور میز پر رکھا اور ٹھنڈی ہوتی کافی کا کپ منہ سے لگالیا۔ خط کے ایک ایک لفظ نے اسے پوری طرح اپنے سحر میں جکڑ رکھا تھا۔ وہ غائب دماغی سے خط کے باقی صفحات کو دیکھتی رہی لیکن وہ انھیں ابھی نہیں پڑھنا چاہتی

تھی۔ اس نے وہ خط دوبارہ لفافے میں ڈال کر اسے بند کیا اور سامنے رکھے کاٹن باکس کو کھول کر ایک اور فائل نکالی جو بظاہر اس کی نہیں لگ رہی تھی۔

اس پر "بن محمد" لکھا تھا۔ جنت نے اپنا فون اٹھا کر ایک نمبر ملایا اور فون کان سے لگایا۔

"آپ نے شاید غلطی سے مسٹر حسام کی ایک فائل بھی میرے سامان میں رکھ دی ہے۔ اسے منگوائیجیے۔ مجھے شارجہ کے لیے نکلنا ہے۔" جنت نے کہا۔ دوسری طرف آرٹ گیلری کا مینیجر تھا۔
"وہ آپ کی فائل ہے مس جنت! مسٹر حسام وہ آپ کے لیے چھوڑ کر گئے ہیں۔" مینیجر نے کہا۔

"میں اس خط کی بات نہیں کر رہی۔"

"میں بھی اس خط کی بات نہیں کر رہا میم! میں اس فائل کی بات کر رہا ہوں جس پر "بن محمد" لکھا ہے۔ آپ بھی یقیناً اس فائل کی بات کر رہی ہیں؟ جی وہ آپ ہی کے لیے ہے۔ مسٹر حسام چاہتے تھے اس آرٹ گیلری کو سنبھالیں۔"

یہ سنتے ہی فوراً جنت کی تیوری چڑھی۔ اسے حسام ایک غیر ذمہ دار امیر زادے سے زیادہ کچھ نہ لگا۔

"انہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں صرف ایک آرٹسٹ ہوں یہ انتظامی معاملات مالکان کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ میں نے اپنی پوری زندگی میں ایسا انسان نہیں دیکھا جو کڑوروں کی مالیت کی گیلری کو ایسے ملازموں کے آسرے پر چھوڑ کر بغیر بتائے چلا جائے۔" وہ خفگی سے بولی۔

"کیا کوئی ایسا میسج ہے جو آپ انھیں دینا چاہتی ہیں؟ میں بھی پہلی فلائٹ سے مصر جا رہا ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کا میسج انھیں پہنچا دوں گا۔" مینیجر کے لہجے میں احترام تھا۔

"جب سنبھال نہیں سکتے تو ایسے باپ کا پیسہ ضائع ہی کیوں کرتے ہیں یہ عرب رئیس زادے۔" جنت نے اونچی آواز میں بڑبڑاتے فون بند کر دیا اور ایک گہری سانس لی۔

"یہ وہ آخری میسج ہے جو میں تمہیں دینا چاہوں گی حسام! کوئی امید کوئی دلاسہ کوئی افسوس کا اظہار کیا تو شاید تم کمزور پڑ جاؤ۔ اگر تم نے جانے کا فیصلہ کیا ہی ہے تو میری دعا ہے تم مضبوط رہو۔" وہ نرمی سے بڑبڑاتی فائل کھولنے لگی۔ فائل کے پہلے ڈاکیومنٹ پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں بے یقینی سے کھلیں اس نے پلکیں جھپکتے کاغذ کو قریب کیا اور

اسے رکھ کر اندر سے دوسرا ڈاکیومنٹ نکالا اور اس کا منہ کھلا رہ گیا۔ اس نے فائل میں ہاتھ ڈال کر کر ایک اور کاغذ نکالا۔ وہ ننھی سی چٹ تھی۔

"خط پڑھ لیجیے گا۔" اس چٹ کو پکڑے وہ کئی پل بے یقینی سے ان ڈاکیومنٹس کو دیکھتی رہی جس میں آرٹ گیلری کو اس کے نام پر منتقل کر دیا گیا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" وہ نا سبھی الجھن اور عجب سے تاثرات لیے بڑبڑاتی دوبارہ خط اٹھانے لگی۔

"میرا نام حسام بن محمد ہے۔ میرے والد محمد بن قاسم مصر کی قدیم شاہی خاندان کے چشم و چراغ اور مصر کے ایک قابل احترام اور بے حد چاہے جانے والے ایک رحم دل شخص ہیں۔ بالکل ویسے ہی جیسے پرانے زمانے کے اچھے دل کے بادشاہ ہوا کرتے تھے۔ وہ ایک صابر اور شاکر انسان ہیں

جو کبھی تقدیر اور قسمت سے شکوے نہیں کرتے۔۔ لیکن انھیں ایک شکوہ ہمیشہ رہا تھا۔۔ میرے اکلوتے مرحوم چھوٹے بھائی کے آوارہ مزاج ہونے کا شکوہ۔۔ اس کے سالوں گھر نہ آنے کا شکوہ۔۔ اس کا ایک جگہ نہ ٹھہرنے کا شکوہ۔۔ وہ ایک آزاد پرندہ تھا جسے سارے آسمان کو کھوجنا تھا۔۔ میرے بابا ایک مریض عشق تھے جسے اپنے لاڈلے چھوٹا سپوت ہر لمحہ اپنی آنکھوں کے سامنے چاہیے تھا۔ کیوں کہ وہ اس کی محبوب بیوی کا ہم رنگ تھا۔ وہ اسے بے پناہ چاہتے تھے۔۔ آپ سوچ رہی ہوں گی میں آپ کو اپنے خاندانی مسائل کیوں بتا رہا ہوں؟ معذرت۔۔ لیکن آج میں آپ کے سامنے اپنی پوری زندگی۔۔ پوری کائنات۔۔ پوری ذات کھول کر رکھنا چاہتا ہوں۔۔ کیوں کہ آپ وہ پہلی اور آخری شخصیت ہیں جسے میں اپنا ہر غم بتانا چاہتا تھا۔۔ "جنت کی آنکھیں بے اختیار نم ہوئیں۔"

"میں اپنے بابا کی کاپی ہوں۔۔ وسام میری ماں کی کاپی تھا۔ میرے بابا جتنا وسام کو چاہتے تھے اتنا مجھے کبھی نہیں چاہا اور وہ اس کا برملا اظہار کیا کرتے ہیں۔۔" کہتے ہیں وسام میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔۔ میرے بس میں ہوتا تو کائنات ساری کی ساری سمیٹ کر ویسے ہی اس کے سامنے رکھ دیتا جیسے بچپن میں کھلونوں کا ڈھیر اس کے سامنے رکھ دیتا تھا۔ وہ کھلونا بھی جو تمہارا ہوا کرتا تھا۔ وہ ہر چیز جس کو وسام دیکھ لیتا وہ وسام کے سامنے پڑی ہوتی تھی لیکن وہ بے بس تھے ساری کی ساری کائنات اسے نہیں دے سکتے تھے۔ لیکن ناچاہتے ہوئے بھی اسے ملکوں ملکوں گھومنے کی اجازت دے دی تھی۔۔ خود جا کر اسی جگہ اس سے ملتے تھے جہاں وہ موجود ہوتا۔۔ لیکن پچھلے چھ سال سے وہ وسام کو ڈھونڈنے میں ناکام ہیں۔۔" جنت کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

"کیوں کہ وہ اس دنیا میں کہیں بھی نہیں ہے اب۔۔ وہ یعقوب ہیں جن کا یوسف کھو گیا ہے جنت۔۔" جنت کے ہاتھ سے خط چھوٹا اس نے بے اختیار اپنے لبوں پر ہاتھ رکھے اور اس کی سسکی بلند ہوئی جسے اس نے فوراً دبایا۔ اس نے بے اختیار اس خط کو اٹھایا اور بھیگی آنکھوں سے اسے دوبارہ پڑھنے لگی۔

"ان کا یوسف مصر کے کسی دربار میں نہیں ہے۔ کسی قید میں نہیں ہے۔۔ یہ بات میں انھیں آج تک بتا نہیں سکا اس لیے اسے ڈھونڈنے کے بہانے خود بھی کہیں نہ کہیں نکل جاتا ہوں۔۔ بس یہی سوچ کر ہر جگہ کو کھوجتا ہوں کہ اس مقام پر وہ کبھی آیا ہوگا۔۔ کسی جگہ کو چھوا ہوگا۔۔ میں نے کبھی اس سے محبت نہیں کی تھی جنت۔۔ لیکن وہ مجھ سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔ میں نے کبھی اس سے

نرمی سے نہیں پکارا۔ میں ہمیشہ اسے ایک ناکارہ۔ آوارہ۔ لاپرواہ انسان کہہ کر واپس گھر بلاتا رہتا تھا کیوں کہ مجھے اپنے بابا کا اترا چہرہ پسند نہیں تھا۔ ان کی آنکھیں ہمیشہ نم رہتی تھیں۔ میں اس بات کا غصہ اتارتا تھا وسام پر۔ چھ سال قبل جب آخری دفعہ میری اس سے بات ہوئی تو اس نے مجھے بتایا وہ واشنگٹن میں ہے۔ "جنت کے دل کی رفتار تیز تھی اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔"

"اور وہ ایک آرٹ گیلری بنانے جا رہا ہے واشنگٹن کے ایک خوبصورت مقام پر۔ اور وہ اس مقام کو خریدنے کے تمام مراحل طے کر چکا ہے۔ اور یہ کہ اب وہ مجھے اور بابا کو مزید تنگ نہیں کرے گا۔ وہ ایک آرٹسٹ بھی تھا۔ دنیا کا سب سے خوبصورت آرٹسٹ وہ آپ سے بھی زیادہ خوبصورت پیٹنگز بنایا کرتا تھا۔ یقین نہ آئے تو گیلری کے آرکائیو

روم میں میرے لاکرز کھول کر دیکھ لیجئے گا۔۔۔ "جنت کی بہتیں آنکھیں اس پل مسکرائیں تھیں۔

"میں نے یہ آرٹ گیلری وسام کے لیے بنائی میں ایک آرٹسٹ کبھی نہیں تھا۔ میری زندگی دو اور دو چار کرنے میں ہی پوری ہو جاتی تھی۔ میں بزنس کے چکروں میں دوسرے ملکوں بھی جاتا تو صرف بزنس کرتا۔ کبھی وسام کی طرح کائنات کے حسن میں دلچسپی نہیں لی۔ ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔ مجھے عرصے بعد کسی میں دلچسپی پیدا ہوئی جسے دیکھنے کی کھوجنے کی چاہ پیدا ہوئی وہ آپ تھیں۔ جب پہلی بار کو دیکھا تھا تب ہی مجھے لگا میں وسام کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ میں کچھ بھی اس جیسا نہیں سوائے آنکھوں کے۔ لیکن آپ کا احساس وسام جیسا ہے۔ لیکن یہ میرا امتحان ہے یا قسمت کہ آپ کو میں خود اپنی

زندگی سے نکال رہا ہوں۔۔ اس لیے نہیں کہ میں آپ کو پا نہیں سکتا
 ۔۔ پالینا سب کچھ نہیں ہوتا۔۔ کچھ پل دیکھ لینا بھی سب کچھ ہوتا
 ہے۔۔ کچھ لمحوں کے دیدار کی اہمیت ان سے پوچھی جائے جن کے
 یوسف کھوجاتے ہیں۔۔ اور بینائی بھی باقی نہیں رہتی۔۔"

جنت کی آنکھیں مسلسل بہہ رہی تھیں اس کی سسکیاں بلند ہوتیں
 کمرے میں گونجنے لگیں اسے لگا وہ ایک لفظ بھی مزید پڑھے گی تو اس کا
 دل پھٹ جائے گا اس نے خط کو رکھ دیا اور چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر
 رودی۔ خط کا آخری صفحہ اس نے نہیں پڑھا۔ اس نے سارے صفحات
 سنبھال کر دوبارہ لفافے میں ڈال کر لفافہ بند کر دیا۔ وہ مزید اسے نہیں
 پڑھ سکتی تھی۔

"کیا کوئی ایسا میج ہے جو آپ انھیں دینا چاہتی ہیں؟ میں بھی آج کی فلائٹ سے مصر جا رہا ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کا میج انھیں پہنچا دوں گا۔" اس کی سماعت سے ایک جملہ ٹکرایا وہ جھٹکے سے اٹھی اور اپنا اوور کوٹ اور سامان لیتی تیز قدموں سے باہر کی جانب بڑھ گئی اگلے پل ہی وہ دوبارہ اسی تیزی سے واپس آئی اور ڈریسنگ روم کی جانب بڑھی۔ اندر داخل ہوتے اس نے اپنا بڑا والا سوٹ کیس کھولا اور ایک کیلی گرافی ہوئی پینٹنگ نکالی۔ جس پر سمندر کی لہروں کی خوبصورت پینٹنگ پر انتہائی مہارت سے ایک آیات کی کیلی گرافی کی گئی تھی۔ وہ آیات اس کے دل کے انتہائی قریب تھی۔

"لا تحزن ان اللہ معنا" یہ وہ آیات تھی جسے وہ اکثر سنتی تھی۔ دوہراتی تھی۔ وہ اللہ کے قریب نہیں تھی۔ وہ ہر وقت اللہ کو یاد نہیں کرتی

تھی لیکن وہ اس سے مخاطب ہونے کی کوشش کرتی تھی۔ اس کا احساس اپنے ساتھ رکھتی اسے محسوس کرتی تھی۔ جب جب وہ ایسا کرتی ایک آیت لکھ لیتی۔

"تمہیں قرآن پڑھنا کس نے سکھایا؟"

"میرے بابا نے۔۔۔" ایک آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ مسکرائی۔ نم آنکھوں سے۔

"کیا تم مجھے قرآن پڑھانا سکھا دو گے؟" ایک معصوم سا لہجہ تھا۔

"سکھا دوں گا۔" بے نیاز سے انداز میں کہا گیا۔

"قرآن ہے تمہارے پاس؟"

"ہاں۔۔ مجھے یاد ہے۔۔ میرے بابا کہتے تھے دل میں قرآن محفوظ کرنا سب سے بڑی جیت ہے اس لیے میں نے دل میں قرآن محفوظ کر لیا ہے۔۔" فخر تھا کہ غرور وہ آج بھی اندازہ نہیں لگاپائی تھی۔

"دل میں کیسے قرآن محفوظ ہوتا ہے؟"

"اسے حفظ کر لیا جائے اور اسے بار بار دہرایا جائے تو وہ دل میں محفوظ ہو جاتا ہے۔" اس کی کم عقلی پر افسوس کیا گیا تھا۔

"مجھے بھی کرنا ہے۔۔" جنت نے پرجوشی سے کہا تھا۔

"وضو کرنا آتا ہے؟" شیر کو جیسے یقین ہو اسے نہیں آتا ہو گا۔

"نہیں۔۔"

"کلمہ تو آتا ہو گا؟" اس کی نفی میں ہلتی گردن نے شیر کو زچ کیا تھا۔

"تمہیں تو کچھ بھی نہیں آتا۔" وہ ایک گہرے صدمے سے دوچار ہوا تھا۔

"Shame on your parents little witch" ..

"میں تمہیں سکھاؤں گا کلمہ۔۔ شروعات کلمے سے کرتے ہیں۔۔ میں پہلی بار ایسا مسلمان دیکھ رہا ہوں جسے دس سال کی عمر میں بھی کلمہ تک نہیں آتا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ میں تمہیں قرآن بھی سکھاؤں گا تم تو عرب ہو نا؟ تم جلدی سیکھ جاؤ گی۔ اتنا تو معلوم ہو گا کہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا تھا؟"

جنت نے فوراً اثبات میں گردن ہلا کر پر جوشی سے ہاں کہا تو شیر نے بے اختیار سکھ کی سانس خارج کی۔ آنکھوں میں بڑھتی نمی نے اسے ماضی سے کھینچ نکالا۔

جنت نے نم نگاہوں سے اس پینٹنگ پر ہاتھ پھیرا اور اسے سینے سے لگاتی باہر نکل آئی۔

"لاتحزن ان اللہ معنا" اس کی سماعت میں یہ آیت ہنوز اس کی آواز میں محفوظ تھی۔



شیر میز پر جھکا ایک میل چیک کر رہا تھا۔ اس کے عقب میں ہیزیل کھڑی اسے متنفر نگاہوں سے گھور رہی تھی لیکن شیر کو جیسے معلوم ہی نہ ہو وہ کھڑی ہے۔

"میں نے کہا تم میرے مہمانوں کے ساتھ یہ سلوک نہیں کر سکتے شیر۔" وہ یک دم مٹھیاں بھینچ کر غرائی۔

"تمہیں کیوں لگتا ہے کہ تم ساری دنیا کو کنٹرول کرو گے؟ اور تمہیں سب کرنے دیں گے؟ تم باقی لوگوں کو۔"

"Shat up"!

شیر یک دم غرایا۔ اس کی آواز بلند تھی کسی شیر کی مانند ہی تو دھاڑا تھا وہ اس پل! ہیزیل کے چہرے کا رنگ اڑا وہ بری طرح لرز کر کئی قدم پیچھے ہٹی۔ شیر قہر آلود نگاہوں سے اسے گھورتا قدم قدم اس کی جانب بڑھا۔ ہیزیل خوف کے مارے کپکپا اٹھی۔

"اپنی حد پار مت کرو۔" وہ لرزتے لہجے میں بولتی پیچھے ہٹتی گئی۔ شیر نے ایک جست ہی میں اس کی گردن دبوچ لی۔ ہیزیل کے حلق سے ایک دردناک چیخ برآمد ہوئی۔ آنکھیں خوف سے ابل پڑیں۔

"اگلے ایک ہفتے تک تم مجھے نظر مت آنا ہیزیل! مجھے تم پر بے حد غصہ ہے میں تمہیں قتل کردوں گا!" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دبے دبے لہجے میں غرایا۔

"اپنے مہمانوں کو لو۔۔ اور یہاں سے دفعہ ہو جاؤ۔۔ دو گھنٹے ہیں تمہارے پاس!" اس نے اسکی گردن چھوڑ کر اسے ایک طرف دھکیلا تو وہ لڑکھڑاتی ہوئی دیوار کا سہارا لیتی بے یقینی سے شیر کو دیکھتی آنسو پینے کی کوشش کرتی رہ گئی۔ شیر نے آج سے پہلے کبھی یہ رد عمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ وہ بری طرح ڈری ہوئی تھی۔ شیر نے گردن گھما کر ایک اور قہر آلود نگاہ اس پر نگاہ ڈالی۔

"I Said Get lost!"

اب کی اس کا لہجہ ٹھہرا ہوا لیکن قدرے خطرناک تھا۔ ہیزیل ایک لمحہ لگائے بغیر تیزی سے باہر نکل گئی۔ شیر نے پلٹ کر اپنا لپ ٹاپ اٹھا کر ایک نمبر دیکھا اور اپنا فون نکال کر اس نمبر کو ملانے لگا۔



"میں تمہیں ڈرا نہیں رہا، میں تمہیں دھمکا بھی نہیں رہا۔ صرف حکم دے رہا ہوں۔۔۔"

حسام کا چہرہ بے تاثر تھا نگاہیں محل کے عقبی حصے میں بنے اسطبل کے نسلی گھوڑوں پر تھیں۔

"اسے آنچ بھی پہنچائے بغیر اس سے بالکل دور چلے جاؤ حسام۔۔۔" شیر کا لہجہ رسائیت لیے ہوئے تھا۔ حسام کی پلکیں تک نہیں جھپکی تھیں۔ وہ یوں ہی سانس روکے اسے سن رہا تھا۔

"اور بھول جاؤ کہ تم اپنی زندگی میں کبھی جنت بنت عمش سے ملے تھے۔۔۔"

اب کی بار حسام کی آنکھوں کی پتلیاں سرخ پڑی تھیں۔ لب آپس میں پیوست ہوئے اور سانسوں کی رفتار کچھ تیز ہوئی۔

"اور ہاں تمہارے چھوٹے بھائی کے لیے مجھے افسوس ہے۔ اللہ بہترین انصاف کرنے والا ہے۔" شیر نے نرم لہجے میں کہا۔

"تمہیں میرے بھائی کے لئے افسوس ہے؟ کیا تم ان لوگوں میں سے نہیں جنہوں نے اسے بے دردی سے قتل کر کے سمندر میں پھینک دیا تھا؟" حسام کا لہجہ بے تاثر رہا لیکن آنکھیں خون چھلکا رہی تھیں۔

"شیر انسانوں کی جان لینے والوں میں سے نہیں ہے۔" شیر کا لہجہ ہنوز نرم تھا۔

"میں جنت کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ میرے پاس موقع تھا۔" حسام نے کہا۔ شیر یک دم ٹھہر گیا۔

"لیکن میں نہیں کر پایا۔ میں واپس اپنے وطن لوٹ آیا۔ مجھے لگا میں کمزور ہوں۔ لیکن۔"

دوسری جانب احساس فرحت سے لبریز ایک لمبی سانس خارج کی گئی۔
 "لیکن تم کمزور نہیں بلکہ دنیا کے ان چند خاص لوگوں میں شامل ہو جن
 کا ایمان ان کو کبھی انسانیت کے بلند ترین درجے پر فائز رکھتا ہے۔ میں
 جانتا ہوں کہ تمہارے لیے ہر پل گزارنا ایک مشکل ترین امر ہے۔ تم
 کبھی خود کو کوستے ہو کبھی خود کو الزام دیتے ہو۔ کبھی ہارتے ہو۔ کبھی
 چھپ جانا چاہتے ہو لیکن تم ایسا بھی نہیں کر پاتے کیوں کہ تم عام لوگوں
 سے مختلف ہو۔ کبھی موقع ملا تو میں تمہارے لیے ضرور کچھ کروں
 گا۔" فون رکھ دیا گیا۔
 "تم کیا کر سکتے ہو۔ جو کرے گا اللہ کرے گا۔" وہ بے اختیار بڑبڑایا اس
 کی آنکھ میں اٹکے آنسو بہنے لگے۔ کسی کے کہنے، سمجھنے اور محسوس کرنے
 سے کئی پرے تھا اس کا درد۔۔۔



جنت کی گاڑی آرٹ گیلری کے پاس رکی۔ موسم کی خنکی اپنی جگہ لیکن اس وقت جنت کو کائنات کی تمام تر ٹھنڈک اپنے وجود میں اتری محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے ہاتھ پیر بھی ٹھنڈے پڑ رہے تھے۔ وہ گہری سانس بھرتی ایک ملول نگاہوں سے آرٹ گیلری کی عمارت کو دیکھ رہی تھی۔ آج خیالات و احساسات مختلف تھے۔ آج وہ جس کہانی سے واقف ہوئی تھی اس کہانی سے اس عمارت کو اس کے دل جوڑ دیا تھا۔ وہ کئی پل اسے دیکھتی رہی پھر اندر کی جانب بڑھ گئی۔ وہ قدم قدم چلتی اندر آتی مرکزی ہال سے گزر کر اوپری حصے کی جانب بڑھنے لگی۔ مینیجر کی تلاش میں نگاہیں دوڑاتے وہ آگے بڑھ رہی تھی۔ ابھی وہ چند قدم ہی چلی تھی جب اسے اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی وہ بے اختیار پلٹی۔

"Hello"!

احمر غازی سامنے کافی کے ڈسپوزیبل کپ تھامے کھڑا انتہائی دلکشی سے مسکرا رہا تھا۔ جنت نے ایک نگاہ اس کے ہاتھوں پر اور دوسری اس کے چہرے پر ڈالی۔ وہ اس وقت دنیا کا پرسکون ترین شخص لگا جنت کو۔ اس کی آنکھیں اور تاثرات سکون کی پرچھائیوں سے گھری ہوئیں تھیں۔ جنت نے ایک تھکن بھری سانس خارج کی۔ کاش کہ وہ بھی اتنی پرسکون ہوتی۔

"اتنی حسرت بھری نگاہوں سے میرا چہرہ مت دیکھیں۔ سمندر کی سطح سے اس کی گہرائی اور اس کے اندر بسی کائنات کا انداز کبھی نہیں ہوتا۔ دنیا کا ہر وہ انسان جو ہوش سنبھال لیتا ہے وہ پرسکون نہیں ہوتا۔ بات صرف اتنی ہے کہ کون کتنا اچھا اداکار ہے۔" احمر مسکراتی

نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ کر بولا تو جنت چونکی اور سر جھٹک کر کافی کا کپ تھاما۔ اس نے دوسری نگاہ اس پر ڈالے بغیر قدم آگے بڑھائے۔ احمر تیزی سے اس کے پیچھے لپکا۔

"مجھ سے بہترین اسٹنٹ آپ کو پوری دنیا میں نہیں ملے گا۔" وہ اس کی تیز رفتاری خود بھی بوکھلاہٹ کا شکار ہو رہا تھا۔ ایک کمرے کے باہر آکر جنت رکی۔ احمر بھی ٹھہر گیا۔ پلکیں معصومیت سے جھپکا کر سوالیہ انداز اپنایا۔

"یہیں رکو!" جنت نے اسے تنبیہ کرتے شہادت کی انگلی سے خبردار کیا۔ احمر نے فوراً سمجھ کر اثبات میں گردن ہلائی۔

"شکر خدا کا کہ جانے کے لئے نہیں کہا۔" وہ دل ہی دل میں بڑبڑایا اور ساتھ والی دیوار سے ٹیک لگالی۔ جنت نے ایک آخری نگاہ اس پر ڈالی اور اندر داخل ہو کر گیٹ بند کر دیا۔

کمرے میں داخل ہوتے پہلا احساس جو اس سے ٹکرایا وہ ایک دھیمی مہک تھی۔ صندل اور چمبیلی سے ملتی جلتی سی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ جنت نے گردن گھما کر آس پاس دیکھا۔ کمرہ کسی شاہانہ ہوٹل کے کمرے کی مانند تھا۔ ایک طرف ماسٹر بیڈ۔ دوسری جانب سٹنگ ایریا وہیں پر موجود ایک بڑی اسکرین۔ ایک میرون کا روم فرنیچر۔ کمرے میں وہ ایک واحد شے تھی جس کا رنگ سیاہ یا سفید نہیں تھا۔ اس نے گہری سانس خارج کی اور سامنے بنے ایک اور دروازے کی جانب بڑھی۔ اس کا ہاتھ ایک پل کو دروازے کی ناب پر ساکت ہوا ہمت کم پڑی۔ اس نے ذہن میں

ابھرتے خیالوں کو نظر انداز کرتے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔ نیم اندھیرے میں اس نے ہاتھ بڑھاتے سوئچ بورڈ ڈھونڈا اور اپنا بیگ اور ہاتھ میں پکڑی پینٹنگ ایک طرف رکھ دی۔ ایک ملازم کو اس نے مینجر کو اپنے آنے کی اطلاع دینے کو کہہ دیا تھا۔ ضرور مینجر اس کا منتظر تھا لیکن وہ کچھ دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ کچھ اس کے لیے اس وقت شاید فقط کچھ سے کہیں زیادہ تھا۔ وہ آس پاس دیکھتے ہوئے آگے بڑھتی گئی۔ ایک لمبی سی میز تھی جس پر قطار سے کئی پینٹنگز تھیں۔ تمام کی تمام سفید چادروں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ جنت نے بے اختیار آگے بڑھ کر ایک چادر ہٹادی۔ یہی وہ پل تھا جب اس کے آس پاس کا ہر ایک زرہ اپنی جگہ ساکت ہو گیا یہاں تک کہ اس کی اپنی ڈھرنیں بھی۔ وہ پلکیں جھپکائیں بغیر اس پینٹنگ کو محویت سے متکتی گئی۔

وہ ایک سیاہ گہری رات تھی ستاروں بھری چمکتے چاند کے گرد چمکتے
ڈھیروں ستارے پہاڑیوں کے درمیان سے نکلتی دودھیا آبشار جو کسی
حقیقت کا گمان دیتی تھی جیسے قدم آگے بڑھاؤ اور اس منظر میں داخل
ہو جاؤ۔ جنت نے ہاتھ بڑھا کر اسے چھوا اور کئی پل انگلیاں پھیر کر اس
کے تخیل ہونے کا یقین کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ وہ پلکیں جھپکانا
بھول گئی تھی۔ ایک جانب کچھ بادل تھے جو چاند کو اپنی آڑ میں لینے کی
کوشش میں تھے۔ وہ چاہ کر بھی اپنی نگاہیں اس منظر سے ہٹا نہیں پارہی
تھی۔ اس نے پینٹنگ کے نچلے کونے میں لکھا نام پڑھا۔
"وسام بن محمد!" وہ آہستگی سے بڑبڑائی۔

اس نے بہت مشکل سے اپنی نگاہیں اس پینٹنگ سے ہٹائیں اور اگلی
پینٹنگ پر پڑا غلاف ہٹایا۔ اسے محسوس ہوا جیسے اس کی بینائی میں مزید

روشنی بھردی گئی ہے۔ منظر دل کو اپنی گرفت میں کرتا ہوا محسوس ہوا۔ سمندر کی نیلاہٹ میں بکھری لہریں، لہروں کے عقب میں نیلے اور سفید پہاڑ جو برف کی پتلی سی چادر میں لپٹے ہوئے تھے۔ سمندر کی سطح پر ہلکی ہلکی برفیلی پرتوں کے درمیان دو خوبصورت سفید کشتیاں تیر رہی تھیں۔ کشتیوں کے اوپر اڑتے چند نایاب پرندے جنہیں وہ آج پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ جنت کئی پل سانس نہیں لے سکی۔ اس کی انگلیاں بے اختیار پرندوں کو سہلانے لگیں۔ دل میں ایک ملال سا اٹھا۔ منظر کے تخیل ہونے کا ملال۔ پہاڑوں کے سائے سمندر کی سطح پر پڑ کر اس منظر کو مزید سحر خیز بنا رہے تھے۔ اسے اس پل حسام کی بات شدت سے یاد آئی حسام نے کہا تھا اس کا بھائی جنت سے زیادہ اچھا پیئر تھا۔ جنت کو اس پل

اپنی ساری تخلیقات اپنے سامنے کے منظر کے آگے بے مول سی لگنے لگیں تھیں۔

"تم نے ٹھیک کہا تھا حسام!" وہ محویت سے بڑبڑائی۔ وہ اس منظر پر ہاتھ پھیرتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں سانس لیتے تاثرات کو کوئی نام دینا مشکل تھا۔



جنت ہاتھ میں کچھ فائلیں پکڑے واپسی کی تیاری میں نظر آرہی تھی۔ اس نے ہال میں قدم رکھتے ایک نگاہ آس پاس دوڑائی اور باہر کی جانب بڑھنے لگی۔

"آپ مجھے اپنے اسٹنٹ کی پوسٹ کے لیے اپائنٹ کیوں نہیں کرنا چاہتی؟" احمر کی آواز کے تعاقب میں اس نے گردن گھمائی وہ کچھ چند

قدم ہی دور تھا۔ جنت نے اسے باہر رکنے کا کہا تھا لیکن واپس باہر آنے پر اسے کہیں دکھائی نہ دیا تو وہ سمجھی احمر جاچکا ہے لیکن وہ یہی تھا۔ جنت نے کاندھے اچکائے اور آگے بڑھنے لگی۔ دو سیکنڈ بعد ہی وہ اس کا ہمقدم تھا۔

"ایک بہترین اسٹنٹ میں جو خوبیاں ہوتی ہیں وہ ہیں مجھ میں۔ میں اٹھارہ سال کا ہوچکا ہوں۔ میرے پاس ڈرائیونگ لائسنس ہے۔ میں آپ کی حفاظت کر سکتا ہوں۔ ایک اچھا ڈرائیور ہوں۔ ایک انتہائی ذہین لڑکا ہوں۔ آپ کو بہترین مشورے دے سکتا ہوں۔ اور تو اور سوفٹ ویئر جینٹس ہوں۔ ایک زبردست ہیکر ہوں۔ کیا آپ کو مجھ جیسا اسٹنٹ مل سکتا ہے؟" احمر نے ہاتھ ہلاتے ہوئے سوال کیا۔

"تم جیسا ہی تو نہیں چاہیے۔" جنت نے ایک نگاہ اس پر ڈالتے سکون سے کہا۔ احمر لمحے بھر کو چپ رہ گیا۔ اگلے ہی پل تاسف سے گردن ہلائی۔

"کیا خرابی ہے مجھ میں؟ بے عزتی کر رہی ہیں میری؟" وہ خفگی سے پوچھنے لگا۔

"تمہیں بے عزتی محسوس ہو رہی ہے؟" جنت نے مسکراہٹ دباتے اس کی جانب دیکھا۔ احمر نے فوراً نفی میں گردن ہلا دی۔

"آپ مجھے انڈراسٹیٹیٹ کر رہی ہیں۔" احمر نے منہ بناتے کہا۔

"انڈراسٹیٹیٹ کر رہی ہوتی تو ہائیر کر لیتی۔ لیکن میں ایسا نہیں کروں گی

کیوں کہ تم مجھے اسسٹ نہیں کرنا چاہتے۔" جنت نے جیسے اس کی پول کھول دی ہو۔ احمر نے نا سمجھی سے اس کی جانب دیکھا۔

"کہنا کیا چاہتی ہیں آپ؟"

"اچھے اداکار بھی ہو۔۔" جنت نے ایک ابرو اچکاتے ستائشی انداز میں کہا۔
 "میں اداکاری نہیں کر رہا۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ جنت نے کاندھے اچکائے
 جیسے کہہ رہی ہو مجھے پروا نہیں۔

"میں آپ کے آس پاس رہنا چاہتا ہوں۔ اچھی مصروفیات حاصل کرنا
 چاہتا ہوں۔ ساتھ ساتھ مدد بھی کر دوں گا۔ کچھ سیکھنا چاہتا ہوں۔۔ آپ
 ایک بہت بڑے ایونٹ میں شرکت کرنے والی ہیں میں بھی وہاں جانا
 چاہتا ہوں۔ انٹرنیشنل سلیبریٹیز کو دیکھنا چاہتا ہوں۔۔ اس میں برا ہی کیا
 ہے؟" اس نے سنجیدگی سے سوال کرتے اس کی جانب دیکھا۔ جنت جو
 کار کے قریب پہنچ چکی تھی۔ رک کر اسے دیکھنے لگی۔

"میں تم پر بھروسہ نہیں کرتی احمر! اور میں نہیں چاہتی کہ تم ہر وقت میرے آس پاس رہو۔۔ مجھے ایک پروفیشنل اور عام انسان اپنے اسٹنٹ کے طور پر چاہیے۔۔ نہ کہ ایک ٹین ایجر جو غیر معمولی صلاحیتوں کا حامل ہے۔ جس کی طبیعت میں تجسس کا سمندر ہے۔۔ جس کا پس منظر کیا ہے وہ کون ہے میں بالکل نہیں جانتی۔ میں صرف اس لیے تمہیں اپنے آس پاس نہیں رہنے دے سکتی کہ تم مجھے پسند کرتے ہو یا میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔۔" وہ ایک پل ٹھہر کر گاڑی کا دروازہ کھولنے لگی۔

"میں شام سے ہوں، میرے پیرنٹس مرچکے ہیں۔ مجھے ایک انگریز بوڑھی عورت میلیسا چارلس نے جنگ زدہ علاقے سے اٹھا کر گود لے لیا اور یہاں لے آئی۔۔ کچھ سال پہلے ہی لیڈی میلیسا چل بسیں۔ اب میں بالکل اکیلا ہوں۔۔" اس نے ایک ہی سانس میں کہہ ڈالا اور سانس خارج

کی۔ جنت کئی پل اس کا چہرہ جانچتی رہی لیکن اندازہ نہ لگا سکی کہ وہ سچ کہہ رہا ہے یا جھوٹ۔

"کیا یہ وہ وجہ ہے جس کے لیے مجھے تمہیں ہائیر کرنا چاہیے؟" جنت نے نرمی سے سوال کیا۔ احمر نے کاندھے اچکا دیے۔

"It's up to you"۔

"میں تمہیں اپنا اسٹنٹ نہیں رکھ رہی۔ لیکن تم جب چاہو مجھ سے مل سکتے ہو۔ اور جس ایونٹ میں شرکت کرنا چاہتے ہو کر سکتے ہو۔ لیکن۔" اس کی آنکھوں کی بڑھتی چمک پر جنت نے لیکن کا فل اسٹاپ لگایا۔

"لیکن؟" احمر نے سوالیہ انداز میں ایک ابرو اچکائی۔

"جہاں مجھے لگا تم اپنی حد پار کر رہے ہو میں تمہیں خبردار کیے بغیر تمہارے خلاف ایکشن لوں گی اور پھر کبھی تمہیں اپنے آس پاس پھٹکنے بھی نہیں دوں گی۔ سنا تم نے؟" جنت نے شہادت کی انگلی اٹھاتے اسے خبردار کیا۔ احمر نے سمجھ کر سر خم دیا۔

"Thank you!"

وہ مسکرایا اور اگلے ہی پل مسکراہٹ تھمی۔

"مجھے آپ کیا کہہ کر متعارف کروائیں گی سب کے سامنے؟" احمر نے پرسوج انداز میں سوال کیا۔

"It's up to you"

جنت نے کاندھے اچکادیے اور گاڑی میں سوار ہو گئی۔ احمر دو قدم پیچھے ہٹا اور دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے لے جا کر پنجنوں کے بل کھڑے ہوتے

دائیں بائیں گھوم کر جسم کی اکڑ اتارنے کی کوشش کی اور پھر گہری سانس
بھرتے پیٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے مڑ گیا۔



جنت نے فائلیں اور پرس ایک طرف رکھتے اپنا لیپ ٹاپ اٹھایا اور سرچ
بار پر میلیسا چارلس کا نام لکھا اگلے ہی پل اس کے سامنے ڈھیروں
معلومات کھل گئیں۔

"Foster mother Melissa"!

وہ زیر لب بڑبڑائی۔ اور صفحات نیچے کرنے لگی۔

"Symbol of warmth"...

Mother of nation"....

وہ ٹائٹل زیر لب پڑھتی رہی اور صفحہ نیچے کرتے گئی۔ کئی ویڈیوز تھیں۔ ڈھیروں آرٹیکل تھے۔ تصاویر تھیں اس نے یوں ہی تصاویروں والا صفحہ کھولا اور چند لمحے بعد ہی اسے احمر نظر آگیا۔ کچھ سال پہلے کی تصویر لگتی تھی وہ میلیسا چارلس کی کمر میں ہاتھ ڈالے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ چند بچے اور تھے۔ جنت نے گہری سانس بھرتے لیپ ٹاپ بند کر دیا۔ اس کا مطلب وہ سچ کہہ رہا تھا۔ اس کی نگاہ قریب رکھی فائل پر گئی جو اس نے اس کمرے سے لی تھیں جہاں وہ وسام کی بنائیں پینٹنگز دیکھنے گئی تھی۔ اس نے فائل اٹھائی۔ وہ دو فائلیں تھیں۔ ایک پر missing جبکہ دوسری پر "murder" لکھا تھا۔

اس نے مسنگ والی فائل اٹھالی جو چند صفحات پر مشتمل تھی۔ وہاں سب کچھ درج تھا کہاں اسے آخری بار دیکھا گیا تھا۔ اس کی آخری فلائیٹ اس کا آخری لپچ، اس کے کارڈ کا آخری استعمال اس کی گاڑی کا نمبر۔۔۔

وہ صفحے پلٹ رہی تھی جب اچانک ایک تصویر میز پر گری۔ جنت نے جھجھکتے ہوئے اس تصویر کو اٹھا لیا۔ تصویر پر نگاہ پڑتے ہی اس کا دل افسوس کی اتھاہ گہرائیوں میں جا کر ڈوبا تھا۔ کس قدر معصوم اور من موہنا چہرہ تھا۔ کانچ کی مانند چمکتی شہد رنگ آنکھیں، خوبصورتی سے مسکراتے لب گھنگرالے بال۔ وہ اپنے بھائی سے نہیں ملتا تھا۔ وہ حسام کے مقابلے میں زیادہ دلکش تھا لیکن اس کے باوجود کچھ تھا جو اسے حسام کی ہلکی سی جھلک اس کے چہرے پر دکھائی دی۔ جنت نے تاسف بھری آخری نگاہ اس تصویر پر ڈال کر اسے دوبارہ اس فائل میں رکھ دیا۔ فائل بند کرتے

اس نے دوسری فائل اٹھالی۔ اس کی گاڑی ایک جھیل سے ملی تھی اور اس کی لاش قریب واقع ایک دوسری جھیل سے۔ اس کے ہاتھ پیر اور منہ باندھ کر اسے جھیل میں پھینک دیا گیا تھا۔ اس فائل میں لاش کی تصاویر والے صفحات غائب تھے۔ یقیناً حسام نے وہ نکال دی ہوں گی۔ جنت نے سوچتے ہوئے صفحہ پلٹا۔ لیکن اگلا صفحہ خالی تھا۔ وہ فائل نامکمل تھی۔ جنت نے بے چینی سے مزید صفحے پلٹے لیکن وہ پوری طرح خالی تھی۔

"کس نے قتل کیا تھا؟ کیوں کیا تھا؟ کیا قاتل پکڑا نہیں گیا؟ کیا حسام نے قاتل کو نہیں ڈھونڈا؟ کیوں؟" ڈھیروں سوالات تھے جو اس کے ذہن میں ابھر رہے تھے لیکن وہ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔ اس نے فائل کا پہلا صفحہ کھولا اور انویسٹیگیشن آفیسر کا نام ڈھونڈا

"ڈیلن فراسٹ"۔۔ وہ بڑبڑائی اور فائل بند کردی۔ اس کے پاس وقت نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ شارجہ جانے سے پہلے ایک بار اس افسر سے ضرور ملنا چاہتی تھی۔



کمرے میں ہر طرف گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ فضا میں پودینے اور لیمو کے امتزاج سے بنی ایک بھینی سی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ شیر صوفے پر نیم دراز تھا ایک ہاتھ آنکھوں پر رکھے دوسرے ہاتھ سے گلے کی چین سے کھیل رہا تھا۔ میز پر تین لیپ ٹاپ کھلے تھے جن میں بے شمار کیبلز اور چند مزید چھوٹی بڑی ڈیوائسز تھیں۔ دفعتاً لیپ ٹاپ وائبرٹ ہونے لگا۔ شیر جھٹکے سے اٹھ بیٹھا اور جھک کر لیپ ٹاپ کے قریب آکر ایک بٹن پریس کیا۔

"Who is there...? hello ?..Asad ul bet ul muqaddas"?

دوسری طرف سے ایک امریکی لب و لہجہ سنائی دیا۔

"Yes.. I am there"...

شیر نے سرد سپاٹ لہجے میں کہا۔

"Who are You"?

"تمہیں جاننے کی ضرورت نہیں۔ مطلب کی بات کرو۔" شیر نے اسے انگیریزی میں جھڑک دیا۔

"کیا چاہتے ہو؟" دوسری طرف سے کھٹ پھٹ کی آوازیں آرہی تھیں۔

"یہ بات میں تمہیں ایک کال پر بتاؤں گا؟" شیر نے استہزائی انداز میں سوال کیا۔

"تو پھر ہمیں ایسا کیا کرنا ہوگا؟"

"اتنی جلدی کس بات کی ہے؟" شیر نے سرد مہری سے سوال کیا۔
 "ویسے فی الحال تو جلدی تمہیں بھی نہیں ہو رہی ہوگی۔۔۔ جی جان سے
 کوشش کر رہے ہو مجھے ٹریک ڈاؤن کرنے کی۔ صرف مفت کا مشورہ
 دے رہا ہوں۔ کوشش بیکار ہے۔ وقت اور توانائی کا بے جا استعمال
 ہے۔ میں تم لوگوں کی پہنچ اور اوقات کے دائرے میں نہیں آتا۔" شیر
 نے بے نیازی سے کہا۔

"تمہاری بھول ہے یہ۔۔۔" دوسری جانب ناگوار لہجے میں کہا گیا۔
 "یہ تو وقت ہی بتائے گا۔۔۔ خیر شیخ یاسین ہاشم زادہ، بن محدث اور عمار
 العباد کی رہائی کا بندوبست کرو۔ صرف تین دن ہیں تم لوگوں کے
 پاس۔۔۔ صرف تین دن۔۔۔ ان تین دن کے بعد کیا ہوگا اس کی گارنٹی
 نہیں ہے میرے پاس۔۔۔ اور ہاں۔۔۔ اگر ان تین لوگوں میں سے کسی ایک

کو بھی کسی قسم کی کوئی آنچ تک بھی آئی تو تم سب اگلے کئی سالوں تک پچھتاؤ گے۔۔ یہ میرا یقینی دعویٰ ہے۔۔ "شیر نے کہہ کر رابطہ ختم کر دیا اور صوفے پر لیٹ کر آنکھیں موند لیں۔



"کمانڈر گولڈن فاکس شارجہ سے چلا گیا ہے۔۔" حنین نے حاشر کو اطلاع دی۔

"اکیلا؟"

"جی اکیلا۔۔" منان نے جواب دیا۔

"جاننے کی کوشش کریں کہ وہ کہاں گیا ہے۔۔" حاشر نے لیپ ٹاپ ہاتھ میں لیے ہال میں داخل ہوتی طوبیٰ کی جانب دیکھا ایک پل کے لئے چونکا۔ وہ آج کچھ بدلی بدلی سی لگ رہی تھی۔ حاشر نے غور کیا تو اس نے

جانا کہ وہ شاید پارلر سے لوٹی ہے۔ بال جو پہلے کچھ بڑھ گئے تھے اب پھر کاندھوں سے ذرا اوپر تک جدید طرز کے ہیرکٹ کی صورت میں نظر آرہے تھے۔ سروں سے کچھ کچھ سلور اور گولڈن کے امتزاج سے رنگے ہوئے۔

"You look so great tooba"!

اریب نے ستاشی انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ طوبی جھینپ کر اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ حاشر نے نگاہیں پھیر لیں۔ وہ اپنے کریئر میں کئی لڑکیوں کے ساتھ کام کر چکا تھا۔ کچھ حد سے بڑھ کر پروفیشنل تو کچھ فیشن اور اسٹائل کو توجہ دیتیں۔ لیکن طوبی میں تمام باتیں موجود تھیں۔ وہ کام بھی کرتی تو دن رات بھوک پیاس کو ایک طرف کر لیتی۔ وہ اپنی ذاتی

تراش خراش کو بھی خوب اہمیت دیتی تھی۔ وہ اس قدر سنجیدہ پیشے سے وابستہ ہو کر بھی ایک خوش الحان لڑکی تھی جو زندگی سے بھرپور تھی۔

"آپ کچھ نہیں کہیں گے کمانڈر؟ یاد ہے آپ نے میرا پرل ہیر ڈائی ہٹوانے کا کہا تھا۔" طوبی نے اسے لیپ ٹاپ پر جھکے دیکھ کر یوں ہی رواروی میں کہہ دیا۔

"تب میں آپ کو نہیں جانتا تھا اور چاہتا تھا میں آپ کو نظم و ضبط پر ذاتی چمک دمک سے زیادہ ضرورت ہے۔" اس نے صاف گوئی سے کہا اور ایک پل کو ٹھہرا۔

"لیکن وقت کے ساتھ میں نے جانا کہ آپ میں دونوں کوالٹیز موجود ہیں اور آپ اپنے کام کو شوق دونوں کو مینج کر سکتی ہیں کر لیتی ہیں۔ ایسے

میں اعتراض نہیں بنتا۔" وہ نرمی سے کہہ کر دوبارہ لیپ ٹاپ کی جانب دیکھنے لگا۔ طوبیٰ کے چہرے پر مسکراہٹ نے جنم لیا۔

"لگے ہاتھوں یہ بھی بتادیں کیسی لگ رہی ہے وہ؟" اریب نے مسکراہٹ کو دبانے کی پرزور کوشش کی تھی لیکن شرارت اس کے انگ انگ سے جھلک رہی تھی۔ طوبیٰ نے اریب کی جانب دیکھ کر اسے گھوری سے نوازا۔ حنین منان بھی کام چھوڑ کر ان کی جانب دیکھ رہے تھے۔ حاشر جواب دیے بغیر لیپ ٹاپ کے بٹن پریس کر رہا تھا۔

"کمانڈر آپ سن رہے ہیں؟" اریب نے پھر اسے پکارا۔ طوبیٰ اسے دیکھتی رہی۔ حاشر نے گردن اٹھا کر ایک نظر طوبیٰ کو دیکھا پھر اثبات میں گردن ہلائی۔ طوبیٰ نے بمشکل مسکراہٹ دبا رکھی تھی۔

"گردن نہیں ہلانی تھی جواب دینا تھا۔" اریب اونچی آواز میں بڑبڑایا۔ حنین کے دانت ظاہر ہوئے۔ حاشر نے ایک ابرو اچکاتے اریب کو گھورا۔ اریب نے آنکھ کے اشارے سے جواب مانگا۔

"کام نہیں کرنا؟" حاشر کے تاثرات عام سے تھے لیکن آنکھیں تنبیہ کر رہی تھیں۔

"ایک تعریف کا سوال ہے بابا؟ بتا تو دیں اچھی لگ رہی ہے؟ یا حنین کی طرح آپ کو ٹین ایجر لگ رہی ہے۔"

"ایکسیوزمی؟ کیا حنین نے ایسا کہا تھا؟" طوبی کو یک دم صدمے نے آگھیرا۔
 "یا پھر منان کی طرح آپ کو بھی لڑکیوں کے فیشن سمجھ نہیں آتے؟" اریب نے طوبی کو نظر انداز کیا وہ حنین کو گھورنے لگی۔

"مجھے سمجھ آتے ہیں اچھی لگ رہی ہیں وہ۔ اب کام پر دھیان دیں پلیز۔۔" اس نے نرمی سے کہتے لیپ ٹاپ کی جانب متوجہ ہوا۔ طوبیٰ کی توجہ حنین سے ہٹ کر حاشر پر آٹھری۔ اس کی آنکھیں بے اختیار چمکی تھیں۔ مسکراہٹ اٹھ کر آئی جسے اس نے روک لیا۔ اریب معنی خیز نگاہوں سے حنین اور منان کی جانب دیکھتا آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ کہنے لگا۔

"Now stop making up things in your heads and get new updates please"۔۔

حاشر ان کی جانب نہیں دیکھ رہا تھا لیکن جانتا تھا ان کے درمیان کیا کھچڑی پک رہی ہے۔ نرمی سے تنبیہ کرتے وہاں سے اٹھنے لگا۔ "کہیں جارہے ہیں۔۔؟" طوبیٰ نے اسے اٹھتے دیکھ سوال کیا۔

"جی!" حاشر نے جواب دیا اور اسٹینڈ پر ٹنگا جیکٹ اٹھا کر باہر کی جانب بڑھنے لگا۔

"سب رابطے میں رہیں۔۔" حاشر نے آخری ہدایت کی اور فلیٹ سے نکل گیا۔ طوبیٰ نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگالی۔

"He is just beyond the scope.. isn't?"

"Ofcourse he is something too far from us" ..

یہ منان تھا۔ حنین نے بھی تائید کی۔ جبکہ اریب خاموشی سے کام کرتا رہا۔ طوبیٰ بھی سیدھی ہو کر لیپ ٹاپ کھولنے لگی۔

"میں نے آج ہی ایک نیا سوفٹ ویئر ڈیولپ کیا ہے۔ ایک ہائی پروفائل اور ہائی لیول چیز۔۔ بس اب میرا کمال دیکھتے جاؤ میں کیسے ایک بدروح کی

مانند بند دروازوں کو بغیر کھولے پار کروں گی۔۔" وہ پر جوش سی تیزی سے
لیپ ٹاپ کے بٹن پر پریس کرتے کہہ رہی تھی۔

"Best of luck captain tooba" ..

اس نے خود سے کہتے ہی ان تینوں کو گھورا۔
"کیا تم لوگوں کے منہ میں گڑ کی لارج سائز والی ڈلیاں ہیں؟ مجھے بیسٹ
آف لک کہو؟" اس نے ان کو لتاڑا وہ تینوں بے اختیار ہنس دیے۔



وہ جی ایف ایس آر ریزیڈنسی کی حدود میں موجود تھا۔ چہرے پر ماسک
لگائے۔ سیاہ جیکٹ پہنے جس کی آستینیں لمبی تھیں اتنی لمبی کہ اس کے
ہاتھوں کی پشت کو ڈھانپ رکھا تھا اور ہاتھ جیکٹ کی جیبوں میں تھے۔ وہ
سست قدموں بے نیاز انداز میں چل رہا تھا جیسے کہ چہل قدمی پر نکلا ہو

لیکن اس کی آنکھیں آس پاس کا جائزہ لینے میں مگن تھیں جیسے کہ کچھ تلاش کر رہا ہو کچھ ڈھونڈنا چاہتا ہو۔ اس کے سامنے جدید طرز پر بنی وسیع روش تھی جس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک درمیانے سائز کے درخت لگے تھے۔ ایک جانب وسیع پارکنگ ایریا تھا جس کے سامنے ہی چھوٹا سا بورڈ تھا جس پر temporary parking لکھا تھا۔ وہ آگے بڑھتا رہا۔ چہل پہل زیادہ نہیں تھی۔ مقامی لوگ نہ ہونے کے برابر تھے زیادہ تر غیر مقامی تھے۔ وہ آگے بڑھتا گیا جہاں دور ہی سے ایک قدرے وسیع محل نما عمارت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ اس جانب بڑھنے لگا۔ اسے چلتے ہوئے کچھ لمحے ہی ہوئے تھے جب کچھ فاصلے پر اسے سامنے سے اسے ہیزیل آتی دکھائی دی۔ وہ اکیلی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ ایک مرد اور ایک عورت تھی جو کچھ فائلیں تھامے ہوئے تھے۔ وہ ایک جانب

کھڑی گاڑیوں کی جانب بڑھ رہے تھے۔ وہ وہیں ٹھہر گیا۔ اس نے جیکٹ کی زپ اوپر تک چڑھالی یہاں تک کہ اس کی گردن ٹھوڑی تک چھپ سی گئی۔ وہ خاموشی سے ہیزیل کو دیکھتا رہا۔ اس کی نظروں کا ارتکاز محسوس کرتے سامنے ہیزیل کی نگاہ اس پر پڑی۔ وہ اگلے پل ہی سن گلاسز چڑھاتی قدرے جارہانہ انداز میں اس کی جانب بڑھنے لگی۔ وہ وہیں کھڑا رہا۔

"What's wrong with you"

وہ قریب آتے ہی دبے دبے انداز میں غصے سے چلائی۔ حاشر ماسک کے پیچھے سے بے اختیار مسکرایا اور ایک تفصیلی نگاہ اس پر ڈالی۔ سیاہ چمڑے کا کوٹ گھٹنوں سے اوپر تھا۔ گردن میں سلور رنگ کا ہار تھا۔ میک اپ نفاست سے کیا گیا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو تم مجھے؟ کیوں آئے ہو یہاں؟ تمہارے کہنے پر میں تمہاری سو کالڈ پر سنل ریزارٹ کو چھوڑ آئی تھی ناں اپنے مہمانوں سمیت۔۔ جبکہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ وہ سب میرے باپ کا ہے۔۔ ذاتی باپ کا۔۔ جبکہ تم لے پالک ہو۔۔۔ پر خیر قسمت اپنی اپنی۔۔" وہ طنزیہ انداز میں کہتی ہنس دی۔ ہیزیل کی آنکھیں اسے ناگواری سے گھور رہی تھیں۔

"لے پالک ہوتے ہوئے بھی میری عزت اور احترام کا اندازہ تو میں تمہاری آنکھوں کے اس غصے سے لگا ہی سکتا ہوں۔۔" اس نے مسکراتے لہجے میں طنز کیا۔ ہیزل کا پارہ ہائی ہونے لگا۔ آنکھوں کی سرخی بڑھنے لگی۔

"تم۔۔ اف۔۔ تم یہاں آئے کیوں ہو؟ جانتے ہو ناں اس ایونٹ پر میری کتنی محنت ہے۔۔۔ یہ میرا اہم ایونٹ ہے شیر۔۔۔ یہاں سے جتنی جلدی

"میری شہرت اور اہمیت کا اعتراف کرتی ہوئی اچھی لگ رہی ہو
ہیزیل۔" حاشر نے ہنستے ہوئے اس کا کاندھا تھپتھپایا اور پلٹ گیا۔ ہیزیل
دانت پر دانت جمائے غصیلی نظروں سے اس کی جانب دیکھتی رہی۔
"تم۔ دوبارہ مجھے یہاں نظر مت آنے۔"

"اس کے باوجود بھی کے یہ ریزیڈنسی میری ہے؟" حاشر نے پلٹ کر طنزیہ انداز میں کہا۔

"Damn... piece of shit"...

"Thank you"...

حاشر نے پلٹ کر آنکھ دبائی اور ماسک کے پیچھے سے مسکراتا ہوا پلٹ گیا۔ یہ اس کی توقع سے زیادہ آسان تھا۔ ہیزیل کئی پل اسے غصیلی نگاہوں سے گھورتی رہی پھر پیر پٹخ کر مڑ گئی۔ کاش وہ اس بلا کا داخلہ یہاں ممنوع کر سکتی۔ کاش۔۔

"Come on dad....it's gone too far now"...

ہیزیل نے منہ ہی منہ میں باپ سے شکوہ کیا تھا۔ وہ جانتی تھی جلد یا بدیر اس کے باپ کو اپنی اہمیت اور زندگی کی سب سے بڑی غلطی کا احساس ہو جائے گا۔ اسے اس وقت سے خوف آتا تھا لیکن اس کے باوجود وہ اپنے بل پر اپنے آپ کو آگے لے جا رہی تھی۔ باپ والی بے وقوفی پر یقین

کرنا اس نے عرصہ ہوا چھوڑ دیا تھا اور وہ سب فیصلہ کر چکی تھی کہ خود بھی شیر سے دور رہے گی۔ اتنا تو وہ جان گئی تھی کہ شیر اس میں دلچسپی نہیں لیتا! پچھلے واقعے کے بعد اسے شیر پر شدید غصہ تھا۔ وہ اب واقعاً اپنی زندگی سے شیر نامی کردار کا قصہ کم کرنا چاہتی تھی۔ وہ محبت اور توجہ کے لائق نہیں تھا وہ اس کی عزت نہیں کرتا تھا اور اب مزید وہ خود کو اس کے سامنے ذلیل نہیں کروانا چاہتی تھی



"شیر و شکر دکھائی دینے والے ہیزیل اور شیر کے تعلقات ایسے ہیں؟ میں یقین نہیں کر پارہا۔" اریب بے یقین تھا۔
"مجھے تو لگتا تھا ان کا کیل ہو گا۔" طوبی بڑبڑائی۔

"ویسے کمانڈر کیسی تھی وہ؟ مطلب کیا حقیقت میں بھی اتنی ہی حسین ہے جتنی میڈیا پر نظر آتی ہے؟" اریب یک دم پر جوش ہوا۔ طوبی کی تیوری چڑھی تھی۔ اس نے بے اختیار حاشر کی اور حاشر نے بے اختیار اس کی جانب دیکھا پھر فوراً نگاہیں پھیر لیں۔

"میں نے دھیان نہیں دیا میں یہ دیکھنے نہیں گیا تھا۔" حاشر نے سنجیدگی سے جواب دیا اور سامنے پڑی فائلیں اٹھالیں۔ طوبی کی پیشانی کے بل بے اختیار کم ہوئے تھے۔

"اچھا۔ طوبی تمہیں سانس آرہی ہے ٹھیک سے؟" دفعتاً اریب نے بظاہر سنجیدگی سے سوال کیا۔

"تمہیں آرہا ہے؟ کمانڈر ہیزیل سے مل کر آئے تمہیں ہضم ہو گیا یہ؟ تچ۔۔ تچ۔۔ کئی دن سے تم ہیزیل فاکس کے لئے حسن کے گیت

گاتے پائے جارہے تھے۔ ملنے کا شوق بھی پیدا ہو گیا تھا۔ "طوبیٰ نے تڑخ کر جواب دیا۔

حنین اور منان کے قہقہے بے اختیار تھے جبکہ حاشر کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ اس نے مسکراہٹ دبا رکھی تھی۔

"Backfire"

حنین نے اریب کی جانب دیکھتے اسے چھیڑنے کی کوشش کی جو منہ بنائے لیپ ٹاپ کھول چکا تھا۔ طوبیٰ کاندھے اچکاتی وہاں سے اٹھنے لگی۔

"کافی بنا رہی ہوں کوئی پیسے گا؟"

"شیور میں پیوں گا۔" حاشر نے اس کی جانب دیکھتے کہا۔ طوبیٰ بے اختیار مسکرا دی تھی۔

"میں بھی۔"

"مجھے بھی دینا۔"

"اور تم اریب؟ تمہارے لیے ایکسٹرا کریم۔۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔۔" اریب کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھا تھا۔ طوبی نے مسکراہٹ ضبط کرتے باورچی خانے کا رخ کیا ہاں سے نکلتے باورچی خانے تک آتے اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆

"تمہارے پاس اتنا پیسہ کہاں سے آتا ہے؟"

وہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھتے بولی۔

"کیا مطلب؟ کیا میں شکل سے ہی امیر نہیں لگتا؟" وہ یک دم صدمے

میں گھر کر خفی سے پوچھ بیٹھا۔

"اور تم نے جھوٹ کیوں بولا۔" جنت نے اسے لتاڑنے والے انداز میں

سوال کیا

"آپ نے سچ بولنے کا موقع جو چھین لیا تھا واشنگٹن میں۔" اس نے لاپرواہی سے کاندھے اچکا دیے۔ جنت نے ایک زوردار کہنی اس کی پسلی پر رسید کی اور آگے بڑھنے لگی۔

"کیا اس ہوٹل میں رکیں گے ہم؟" وہ اس پاس دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔
"تو کیا تم نے میرے ساتھ چپکے رہنے کی قسم کھا رکھی ہے احمر؟ تمہیں اور کوئی کام نہیں؟" جنت نے اسے گھورا۔

"میں کوئی گوند ہوں جو چپکوں گا۔ بڑی بہن سمجھ کر ساتھ کمپنی دے دیں گی تو کیا قیامت آجائے گی؟ ویسے بھی میں اکیلا ہوتا ہوں۔" وہ منہ

بنا کر بولا۔ جنت نے اسے خفگی سے گھورتے سر جھٹک دیا۔ چلتے چلتے وہ ایک دم رکی اور اسے دیکھنے لگی۔ احمر نے سوالیہ انداز میں ابرو اچکائے۔

"تم سے کسٹم حکام کیا باتیں کر رہے تھے؟" جنت کو اچانک یاد آیا۔

"میری تعریف کر رہے تھے۔" وہ بے نیازی سے بولا۔

"میں سنجیدہ ہوں۔" جنت نے لفٹ کا بٹن دباتے اسے گھورا۔

"میں بھی سنجیدہ ہوں۔ کیوں شک کرتی ہیں اتنا؟ کیا میں اس لائق نہیں کہ ہر کوئی میری تعریف کرے؟ وہ کر رہے تھے اس میں غیر سنجیدگی والی کیا بات ہے؟" وہ جیسے برا ہی مان گیا تھا۔ اس کے تاثرات پل پل بدل رہے تھے۔ جنت نے تاسف سے گردن جھٹک دی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ ایک پھر کی کی مانند ہے جسے گھومنے اور گھمانے کے سوا کچھ نہیں آتا۔

"ویسے یہ ایونٹ جی ایف ایس آر ریزیڈنسی میں رکھ کر ان لوگوں نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ لوگ بزنس کے میدان کے پکے کھلاڑی ہیں ورنہ خاص ایونٹ جو اتنے بڑے پیمانے پر ہوتے ہوں وہ بھی عرب امارات کی حدود میں۔۔ تو زیادہ تر لوگوں کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ برج خلیفہ کے آس پاس رہیں یا اسی کے اندر منعقد کریں۔۔ پر نہیں۔۔ ان کو نیچا بھی تو دکھانا ہے۔۔" احمر مزے سے کہہ رہا تھا۔

"کیا مطلب؟" جنت نے نا سمجھی سے اس کی جانب دیکھا۔

"مطلب یہ کہ آپ کے والد یعنی عمش البانی اور ان کے ساتھی جو جی ایف ایس آر کے کرتا دھرتا ہیں بزنس کے میدان میں بڑے بڑے اداروں کو اپنا حریف سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں ہر جگہ صرف ان کی واہ واہ ہو۔۔ ضرور ہیزیل نے اس ایونٹ کو یہاں کروانے کے لیے باپ کو پبلسٹی

کا لالچ دیا ہو گا۔ بڑے بڑے سلبریٹیز، جرنلسٹ، میڈیا ہاؤسز جب یہاں ہوں گے تو ہیزیل کا بزنس بھی چمکے گا ساتھ ان کی نئی نویلی ریزیڈنسی کی بھی شو شا ہو جائے گی۔۔۔ اب دیکھیے گا کیسے ان کی ہاؤسنگ اسکیم کے بزنس کا ستارہ بھی آسمان پر جائے گا۔ ایک اور تجارتی شعبہ ان کے نام کے نیچے آجائے گا۔۔۔

کیا آپ ایسٹ انڈیا کمپنی کے بارے میں جانتی ہیں جنت؟" وہ دلچسپی سے کہتا ایک پل کے لیے رکا۔ وہ جو گہری توجہ سے اس کی باتیں سن رہا تھا نفی میں گردن ہلا دی۔

"جیسے آج کے دور اور دنیا میں جی ایف ایس آر کی چھاپ ہے ہر جگہ؟ بالکل اسی طرح اٹھارہویں صدی میں برطانوی راج کی ایسٹ انڈیا کمپنی ہوا کرتی تھی جس نے کروڑوں لوگوں کی زندگی کے فیصلے اپنے ہاتھ میں

لے رکھے تھے لیکن پھر کیا ہوا جانتی ہیں؟ "احمر نے سوال کیا۔ جنت نے نفی میں گردن ہلادی۔

"وہ بلندی کی انتہاؤں پر ہو کر بھی آخر کار ایک دن ختم ہو گئی تھی۔ ہر عروج کو زوال آتا ہے۔ میری دعا ہے کہ جی ایف ایس آر بھی یوں ہی ختم ہو جائے۔" احمر نے ٹھنڈی سانس بھرتے کہا۔ جنت ایک پل کے لیے خاموش اور ساکت رہ گئی۔

"تم ایسا کیوں چاہتے ہو؟" وہ متحیر سے اس کی جانب دیکھتی رہی۔

"دنیا کے کسی حصے میں بھی طاقت جب یہ شکل اختیار کر لیتی ہے ناں تو جتنے بھی مثبت اثرات مرتب ہو رہے ہوں۔۔ کہیں نہ کہیں اس طاقت کا غلط استعمال اس طبقے پر ضرور ہو رہا ہوتا ہے جو اپنے دفاع کے لیے کچھ نہیں کر پار ہی ہوتی۔۔ جیسے کہ وسام بن محمد۔۔ جیسے کہ حسام بن محمد

جیسے کہ۔۔ آپ۔۔ آپ کی ماں۔۔ میں ایسے سیکڑوں لوگ لا کر آپ کے سامنے کھڑے کر دوں۔۔ "وہ اپنی دھن میں کہتے لفٹ رکنے پر لفٹ سے نکل گیا جنت جو اس کی آخری بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی فوراً اس کے پیچھے لپکی اور تیزی سے اس کے ہمقدم ہوئی۔

"وسام بن محمد سے تمہاری کیا مراد ہے؟ تم کیسے جانتے ہو اسے؟" جنت کو اپنی آواز کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔ احمر نے نچلا لب دانتوں میں دبا کر چھوڑا اور گہری سانس اندر کھینچ کر ہوا کے سپرد کی۔

"I accidentally coincidentally got to know something about him" ...

وہ آہستگی سے بولا اور ایک پل کو رکا پھر جنت کے بر فیلے تاثرات دیکھتے بولا۔

"He was murdered by your father"

احمر کہہ کر بیگ گھسیٹتا اٹھاتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ جنت پلکیں جھپکائے بغیر سانس روکے خلا کو گھورتی رہ گئی۔ اس کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید اور آنکھیں خون کی مانند سرخ ہو رہی تھیں۔



رات گہری اور تاریک تھی۔ اتنی تاریک کہ کچھ دکھائی نہ پڑتا تھا۔ سردی ہڈیاں جمانے کے در پہ تھی۔ وہ اپنے اپارٹمنٹ میں نائٹ گاؤن پہنے آئسکریم کا بڑا باؤل لیے صوفے پر نیم دراز تھا۔ گلاس وال کے پردے ہٹے ہوئے تھے۔ دور عمارتوں سے پھوٹی مصنوعی روشنیاں چمک رہی تھی۔ اس کے سامنے کئی لیپ ٹاپ اور مختلف قسم کے ڈیوائسز پڑے تھے وہ گہری سوچ میں گم تھا۔ اتنی گہری کہ اسے اپنی آئسکریم پگھلنے تک

کا احساس نہ ہو رہا تھا۔ دفعتاً تیز آواز میں ایمر جنسی سائرُن بجنے لگے۔ شیر
یک دم کرنٹ کھا کر سیدھا ہوا اور گاؤن باندھتا پیروں میں چپل اڑتا
باؤل ایک طرف پھینکنے کے انداز میں رکھتا اپنی جگہ سے اٹھا اور سامنے
میز پر پڑا ماسکرو فون اٹھایا۔

"ڈینیل؟ ڈینیل۔۔۔" اس کی آواز میں بے چینی تھی۔ کچھ لمحے بعد ہی
دوسری جانب سے ڈینیل کی بوکھلائی ہوئی آواز آئی۔
"یہ سائرُن کیسے ہیں؟ کیا ہو رہا ہے؟ جا کر دیکھو۔۔۔ میں کنٹرول روم کی
جانب جا رہا ہوں۔۔۔" شیر بھاگتے ہوئے باہر کی جانب بڑھا۔ وہ اپنے
اپارٹمنٹ سے نکلتا تیزی سے لفٹ کی جانب بڑھا۔

"کیا اس نے دوبارہ اندر داخل ہونے کی کوشش کی ہے؟" شیر کی ڈھرکن
کسی تیز رفتار گھوڑے کی مانند بھاگ رہی تھی۔ وہ بے چینی سے مٹھیاں

بھینچ کر ڈھیلا چھوڑتا لفٹ میں ہی ادھر سے ادھر ٹھلتا رہا جوں ہی لفٹ
رکی وہ تیزی سے باہر آیا۔ باہر آتے ہی اس کے کانوں سے فائرنگ کی
آواز گونجی۔ اس کے چہرے کا رنگ نچڑ کر رہ گیا۔

"Damn it...Damn it..no---No---No"..

وہ چلایا تھا۔

وہ تیز رفتاری سے دوڑتا باہر کی جانب بڑھا۔ ایک پل کو بوکھلاہٹ میں
اسے سمجھ ہی نہ آیا کہ وہ کس طرف جائے۔

"ماسٹر۔۔ماسٹر۔۔" اسی پل سامنے سے سیکورٹی فورسز کے اہلکاروں نے
اس کی جانب دوڑ لگائی۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟" وہ بے چینی سے چلایا۔

"کوئی ریزارٹ میں گھسا ہے۔۔ ہم اسے پکڑنے کی کوشش۔۔"

"وہ جو بھی ہے۔۔ مجھے زندہ چاہیے۔۔ سنا تم لوگوں نے؟

Go catch him alive" ..

وہ ان پر ڈھارا تھا۔ اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"Attention all!

Attention All... master's order has arrived.....

We need to catch him alive" ..

شیر نے یک دم سکھ کی سانس لی۔ ایک چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آیا۔

"Come on hashir .. please just leave"...

وہ اپنے آپ میں بڑبڑایا۔

"تم وہ آخری انسان ہو گے جس سے میں لڑنا چاہوں گا۔ کیا کر رہے ہو
تم۔۔۔" وہ دل ہی دل میں کہتا کنٹرول روم کی جانب بڑھنے لگا۔



وہ پھولی ہوئی سانسوں اور سرخ چہرے کے ساتھ اس گراؤنڈ فلور کے
بیسمنٹ میں رکھے کارٹن کے ڈبوں کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔

"My heart is bursting" ...

وہ خشک حلق کے ساتھ اپنے آپ سے بولا۔ وہ پسینے سے شرابور ہو رہا
تھا۔

"He is really something"

اس ایک انسان کی سکیورٹی کے لیے اتنے کمانڈوز؟ اف۔۔ ہر طرف سے
نکل نکل کر آرہے تھے۔ عام انسان غلطی سے یہاں داخل ہو جائے۔۔ تو

چھیتڑے ہی اڑا دیے جائیں گے ان کے تو۔۔۔ "احمر غازی واقعاً حیرت زدہ اور خوف کا شکار تھا۔

"وارنگ ہے تمہارے لیے۔۔۔ باہر آ جاؤ۔۔۔ ہم تمہارے ساتھ بیٹھ کر بات کریں گے۔ ہم جانتے ہیں تم یہی کہیں ہو۔۔۔"

مائکروفون پر ایک آواز گونجی۔ احمر غازی سانس روکے وہیں بیٹھا رہا۔

"ہم تمہیں نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ اگر ہمیں نقصان پہنچانا ہوتا تو ان خالی ڈبوں کے پیچھے سے شوٹ کرنا مشکل نہیں۔۔۔ باہر آ جاؤ۔۔۔"

احمر نے گہری سانس لے کر خود کو کمپوز کرنا چاہا اور ان کے الفاظ ذہن میں دہرائے۔

"کیا واقعی یہ ڈبے خالی ہیں؟" وہ اپنے آپ میں بڑبڑایا اور ڈبے کے اندر انگوٹھا پیوست کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ڈبہ ہل گیا۔ یعنی وہ واقعی خالی تھا۔

"Oh god that's so embarrassing" ...

اس نے منہ بنایا اسی پل اسے اپنے چاروں طرف اسناپرز جدید اسلحہ تھامے کھڑے دکھائی دیے۔

"Okey Okey I surrendered" ...

وہ خفگی سے کہتا اپنی جگہ سے اٹھا اور دونوں ہاتھ اٹھادیے۔ ایک اہلکار نے آگے بڑھ کر اس ہڈ اٹھایا اور اس کا ماسک اتار دیا۔

"Shit—he is just a kid" ..

وہ یک دم ہی بری طرح چونکے۔ ایک اہلکار آگے بڑھ کر اس کی تلاشی لینے لگے۔

"Unarmed"!

اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ان کی حیرت میں اضافہ ہوا۔
"کیا یہ وہی ہے جو کچھ دیر پہلے بھاگ رہا تھا؟ کہیں ہمیں غلط فہمی تو نہیں
ہو رہی۔ اس بچے کے ساتھ کوئی دوسرا شخص۔۔"
"وہ میں ہی تھا۔" وہ تنک کر بولا۔
"چلو ہمارے ساتھ۔۔" ایک نے اس کے کاندھے پر ٹھوکا دیا۔

"Don't touch me bastard"!

احمر غازی نے کاندھا جھٹکتے تلخی سے کہا۔

"Hey ...you"...

"Shat up! I don't want to talk with you" ..

احمر نے اسے جھڑک دیا۔ وہ سب الجھن و ناگواری سے اس کی پشت کو دیکھتے ایک دوسرے سے نگاہوں کا تبادلہ کرتے خاموشی سے اسے اپنے ساتھ لیے بیسٹ سے نکل آئے۔ ہر جگہ باوردی کمانڈو اسلحہ تانے کھڑے تھے۔ احمر خاموشی سے چلتا ان کے ساتھ کنٹرول روم میں داخل ہوا۔ اس پر نظر پڑتے ہی شیر ساکت رہ گیا۔ جوں ہی حواس کچھ بحال ہوئے وہ تیر کی تیزی سے اس کی جانب لپکا اور اس کا گریبان پکڑے ایک زوردار گھونسا اس کے منہ پر رسید کیا۔ احمر لڑکھڑاتے ہوئے دور جاگرا۔ اسے درد کا احساس فوراً نہیں ہوا تھا۔ درد کی شدت سے دماغ سن ہوا اور جب درد کا احساس ہوا تو وہ کراہ بھی نہ سکا۔ قے کرتے اس نے زمین پر کئی دانت خون کے ساتھ گرائے تھے۔ دونوں ہاتھ زمین پر رکھے

وہ ہانپ رہا تھا۔ شیر تپی ہوئی خونخوار نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ شیر پھر آگے بڑھا اور اسے گریبان سے پکڑ کر کھڑا کیا اور اسے اپنے ساتھ گھسیٹتا کنٹرول روم سے نکل گیا۔ ڈینیل بھی اس کے پیچھے تیزی سے لپکا

تھا۔ اہلکار وہیں کھڑے تھے۔



"تمہاری جان جاسکتی تھی احمر! آج تک کسی نے یہ بے وقوفی نہیں کی۔ تم سمجھتے کیا ہو اپنے آپ کو؟ کیا تمہیں لگا یہ کوئی بیس سال پرانی جی ایف ایس آر کی بلڈنگ ہے اور تم شیر ہو؟" وہ اس پر ڈھار رہا تھا۔ اس کا غصہ ساتویں آسمان پر تھا۔

احمر کینہ توز نگاہوں سے اسے دیکھتا منہ پر برف کی سکائی کر رہا تھا۔

"میں آپ جیسا نہ تھا نہ ہوں نہ کبھی بننا چاہوں گا۔ پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔۔ خود کو توپ سمجھنا چھوڑ دیں۔" اس نے تڑخ کر جواب دیا۔

"اسی لیے اتنی ذلت آمیز اینٹری دی ہے۔۔ کیوں کہ تم میرے جیسے نہیں ہو۔ تمہیں میرے جیسا ہونا چاہیے احمر۔" شیر نے جبرے بھینچتے غصے کو قابو کرنا چاہا۔

"نہیں۔۔ سوری۔۔ میں نہیں بننا چاہتا۔ میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔۔" وہ حقارت سے بولا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے میں کیا غلط کرتا ہوں؟" شیر کو اس کا انداز چبھا۔
 "غلط؟ آپ کو آپ کا کیا کچھ غلط بھی لگتا ہے؟ نہیں۔۔ آپ self Obsessed ہیں۔ اور اس کا بدلہ میں ضرور لوں گا۔" احمر نے تلخی سے کہتے اپنے چہرے کی طرف اشارہ کیا۔ شیر اسے غور کر رہ گیا۔

"مجھے کل ایک اہم ایونٹ میں شرکت کرنی ہے۔۔ آپ کی وہ بے وقوف گرل فرینڈ جو صرف بے وقوف بننے کی اداکاری کرتی ہے۔۔"

"ایکسیوزمی؟ اپنی زبان پر قابو رکھو؟ کیا تم جنت کی بات کر رہے ہو؟" شیر

چند قدم آگے آیا۔

"Obviously"۔

اس نے کاندھے اچکائے۔

"اب ہیزیل کو تو گرل فرینڈ نہیں کہوں گا ناں؟"

"کیا جنت تمہیں یہاں اپنے ساتھ لائی ہے؟" شیر کو یقین نہ آیا۔

"کیا تم دونوں اتنے بے تکلف ہو؟"

"ہاں اتنے بے تکلف کہ میں اسے یہ بھی بتانے کی ہمت کر سکتا ہوں کہ

اس کی ماں کا قتل کس نے کیا اور کون کون اس قتل سے واقف۔۔"

شیر کی آنکھیں حیرت و بے یقینی سے پھیلیں اور وہ شاک کی حالت میں بے اختیار ہنسا۔

"کیا تم مجھے دھمکا رہے ہو احمر غازی؟ تم ایس آر کو دھمکا رہے ہو؟" شیر نے اپنی جانب اشارہ کرتے سوال کیا۔

"کیوں آپ خدا ہیں؟ میں آپ کو دھمکا نہیں سکتا؟ کوئی قانون لاگو ہوتا ہے ایسا جس کی بنیاد پر دی گریٹ ایس آر کو دھمکایا نہیں جاسکتا؟ آپ جو کرنا چاہیں کر سکتے ہیں؟ لیکن کوئی دوسرا آپ کو دھمکا بھی نہیں سکتا۔؟"

"مارا تو میں نے منہ پر ہے لیکن لگی تمہارے دماغ پر ہے۔۔ چلو خیر دھمکا لیا سو دھمکا لیا

۔ لیکن اہم بات یہ ہے کہ کیا میں تمہاری دھمکی سے ڈرا؟ "شیر نے پرسکون انداز میں سوال کرتے مسکرایا۔

"زیادہ نہ صحیح۔۔ تھوڑا سا تو ڈرے ہیں۔۔ اب ڈر معمولی ہو یا غیر معمولی۔۔ ڈر تو ڈر ہوتا ہے۔۔" احمر نے کرسی سے ٹیک لگالی۔ شیر اسے دیکھتا رہ گیا۔

"تم نے اسے کچھ بتایا تو نہیں ہے؟" شیر کو یک دم اس کی فکر نے آگھیرا۔

"بتایا ہے میں نے۔۔" احمر نے سنجیدگی سے کہا۔
شیر نے بے یقینی سے نفی میں گردن ہلاتے اسے جھٹلایا۔
"تم ایسا نہیں کر سکتے۔۔"

"میں کر سکتا ہوں میں نے اسے بتادیا ہے کہ اس کے باپ نے وسام کو قتل کیا ہے۔" احمر نے کہہ کر چہرہ گھمالیا۔ شیر نے تاسف سے گردن ہلائی اور چند قدم پیچھے ہٹا۔

"تم اب یہی رہو گے کچھ دن میری قید میں۔۔۔" شیر کہہ کر جانے لگا۔
 "اس کا فیصلہ کرنے والے آپ کون ہوتے ہیں؟" وہ یک دم چڑ کر اپنی جگہ سے اٹھا۔

"واپس بیٹھو۔" شیر نے اسے سرد مہری سے حکم دیا۔ احمر کھڑا رہا۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسے دیکھتا رہا۔ شیر کی سرد و سپاٹ آنکھیں بھی اس پر جمی تھیں۔

"یہ میرا حکم ہے۔ اسد البیت المقدس کا۔۔۔ کیا تم میرے حکم کو ٹالو گے؟" شیر نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"لیکن۔۔"

"کیا تم واپس جانا چاہتے ہو کیا تم چاہتے ہو تمہیں ہم اپنے ساتھ نہ رکھیں بلکہ تمہیں اکیلا چھوڑ دیں؟ تم یقیناً یہی چاہتے ہو؟" شیر نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"ایسا تو نہیں چاہتا میں۔۔" وہ یک دم تلخ ہوا۔

"یقیناً تم نہیں چاہتے ہو گے۔ اب جب تک میں چاہوں تب تک تم میری قید میں رہو گے۔ تمہارے خون کی گرمی کو تھوڑا ٹھنڈا ہونے دو پھر میں تمہیں آزادی کا پروانہ دوں گا۔۔" وہ ایک پل کو رکا۔

اور ہاں احمر غازی۔۔ ہم دونوں ایک جیسے سکے ضرور ہو سکتے ہیں۔۔ لیکن ہم ایک ہی سکے کے دو رخ کبھی نہیں ہو سکتے۔۔ میری شخصیت کی کھوج۔۔ میرے مزاج پر اندازے اور میرے فیصلوں میں خامیاں

ڈھونڈنے کی کوشش چھوڑ کر کسی ایسے کام پر دھیان دو جس سے ہم سب کو فائدہ ہو۔۔۔ پر تمہارے اس انداز کے ساتھ تو آنے والے کئی سالوں تک تم مجھے کچھ ڈھنگ کا کام کرتے دکھائی نہیں دے رہے ہو۔" شیر کہہ کر باہر نکلا اور کئی منٹ تک ڈیجیٹل لاک بند ہونے کی آوازیں آتی رہی۔ احمر گہری چپ اوڑھے لوہے کے مضبوط دروازے کو دیکھتا رہا۔ سامنے کھانے پینے کا سامان رکھا تھا۔ کمرہ وسیع تھا۔ دائیں جانب ہال تھا۔ سامنے ہی کچن اور کچن کے پاس ایک دروازہ۔ احمر تیر کی تیزی سے اٹھ کر اس دروازے کی جانب لپکا۔

"وہ دروازہ کہیں نہیں کھلتا۔ صرف انٹیریئر پر پیسہ خرچ کر کے اس جگہ کو قیدیوں کے لیے کم سے کم گھٹن زدہ بنایا گیا ہے۔" شیر کی دھیمی آواز فضا میں گونجی۔

"لعت ہو آپ پر!" احمر باواز چلا آیا اور سامنے دروازے کو زوردار لات رسید کرتا واپس اپنی جگہ پر چلا آیا۔

"کیا یہاں انٹرنیٹ کی سہولت موجود ہے؟" احمر کی آواز میں ایک امید کی کرن تھی۔

"نہیں۔۔" شیر نے جواب دیا۔

"سو بار لعنت آپ پر بھائی!" وہ سر پکڑے بیٹھا تھا۔

"انٹرنیٹ کا جنون ہے ناں تمہیں۔۔ اب اس کے بغیر رہو۔ اچھی اچھی فلمیں دیکھو۔ کتابیں پڑھو۔ آئسکریم کھاؤ۔ سکون کی زندگی گزارو جب تک کہ میں کچھ ضروری کاموں سے فارغ نہ ہو جاؤں۔۔"

"مجھے جانیں دیں بھائی! میں آپ کو تنگ نہیں کروں گا اب۔۔ میں اس مکے کا بدلہ بھی نہیں لوں گا۔ کہیں گے تو جنت کو بھی چھوڑ کر چلا

جاؤں گا۔ اور تو اور۔۔ امیر سے بھی آپ کی شکایت نہیں کروں گا۔۔ "احمر کمرے میں آس پاس دیکھتا کھوج لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ شیر اسے کیسے سن رہا ہے۔

"امیر تمہاری شکایت پر مجھ سے کوئی سوال نہیں کریں گے۔ تم نے مجھے جتنا آج تنگ کیا اس کے بعد مزید تنگ کرنے کا موقع نہ ملے اس لیے تم یہاں قید ہو۔ اور رہا مکا تو اس کا بدلہ ضرور لینا۔ جنت؟ اس کے ساتھ رہو یا نہ رہو مجھے فرق نہیں پڑتا۔ سچ تو یہ ہے کہ اچھی بات ہے اس کے ساتھ رہا کرو۔ اب آرام کرو۔ جب تمہاری سزا پوری ہو جائے گی تو میں تمہارے سائیڈ کے دانت لگوا دوں گا۔ میرا شکر ادا کرو کہ سامنے کے دانت نہیں توڑے۔ میں چاہتا تو تمہارا جبراً توڑ دیتا لیکن میں نے بہت قابو کیا خود کو۔۔"

"بہت شکریہ آپ کا۔ بے شمار لعنتوں کے حق دار ہیں آپ۔ گھٹیا انسان۔۔ نفرت ہے مجھے آپ سے۔۔ ایک بار مجھے یہاں سے نکالیں پھر دیکھیں میں آپ کے ساتھ کیا کرتا ہوں۔" احمر جو کب سے غصہ قابو کیے بیٹھا تھا یک دم پھٹ پڑا۔ دوسری جانب گہری خاموشی ہوئی تھی۔ احمر بے بسی کی حالت میں کرسی کو لات مارتا پلنگ پر آگرا۔ اسے شیر پر شدید غصہ آرہا تھا۔



وہ لانگ کوٹ پہنے سر پر ہڈ گرائے راہداری میں آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں اڑے ہوئے تھے۔ ہوٹل کی یہ راہداری بالکل خالی تھی۔ نہ بندہ نہ بندے کی ذات۔ وہ کمروں کے باہر لگے نمبر پلیٹس دیکھتا ایک کمرے کے باہر رکا

اور دو انگلیوں کی پشت سے دروازہ بجایا۔ کوئی جواب نہ آیا۔ اس نے دوبارہ گیت بجایا۔ دو سے تین سیکنڈ گزر گئے۔

"واپس چلے جاؤ احمر۔۔ مجھے فی الحال اکیلا چھوڑ دو۔۔" اندر سے بھاری آواز آئی۔ جیسے وہ روتی رہی ہو۔ شیر نے تاسف بھری سانس خارج کی۔

"دروازہ کھولو لٹل وچ!" اس کا لہجہ نرم تھا۔ اگلے ہی پل وہ دروازہ کھولے کھڑی تھی۔ بے یقین اور حیرت بھری نگاہیں اس پر تھیں۔ شیر نے ٹھنڈی سانس خارج کرتے اپنا ہڈ پیچھے گرایا۔ شیر کی گہری سیاہ آنکھیں جنت کی نم آنکھوں پر جمی تھیں۔ جنت یک ٹک اسے دیکھے گئی۔

"تم۔۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" جنت نے ستے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"I missed you"....

شیر نے کہتے اس کا سر سہلایا اور اندر داخل ہو گیا۔ جنت کا دل اس پل بے اختیار دھڑکا تھا۔ وہ بے یقینی سے گردن گھمائے اسے دیکھتی رہی پھر کمرے کا گیٹ بند کرتی پلٹ گئی۔ اندر آتے اس نے سٹنگ ایریا میں بیٹھے شیر کی جانب دیکھا۔

"تمہیں کب پتا چلا کہ میں یہاں ہوں۔" جنت نے سوال کیا۔
 "ہواؤں نے آکر بتایا مجھے۔ کہہ رہی تھیں کہ ایک چھوٹی چڑیل نے شہر میں قدم رکھا ہے اور تمہیں یاد کر رہی ہے۔ سو۔۔"
 "میں تمہیں یاد نہیں کر رہی تھی۔" جنت نے اسے خفگی سے گھورا۔ شیر نے جواباً گھورتے ٹانگیں سیدھی کرتے میز پر رکھ دیں۔

"تھوڑی سی مشہور کیا ہو گئی ہو مجھے بھولنے لگی ہو اور یہ احمر کون ہے؟" شیر نے اس کے چہرے کے تاثرات جانچتے ہوئے سوال کیا۔

"تمہاری یادداشت تو بہت تیز تھی۔ یاد ہے پچھلی دفعہ کیا کہا تھا تم نے؟" جنت نے اسے گھورا۔

"ہاں کہہ دیا سو کہہ دیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم مجھے بالکل ہی کنارے لگا دو۔" شیر باقاعدہ طور پر منمنایا تھا۔ جنت جو اسے گھور رہی تھی بے اختیار ہنس دی۔ کھکھلا کر ہنستے اس نے چہرے پر ہاتھ رکھے۔ پھر ہاتھ ہٹاتے سامنے ہی صوفے کے ہتھے پر بیٹھتی اسے دیکھنے لگی۔

"مہمان ہوں تھوڑی سی خاطر مدارات کرو۔۔۔ آسکریم منگواؤ۔ ابھی یہی ہوں پھر دیکھتی رہنا آرام سے۔" شیر نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے شرارت سے کہا تو جنت نے اسے صوفے پر پڑا کشن اٹھا کر اسے دے مارا اور خفگی سے ناک چڑھاتی وہاں سے اٹھی۔ شیر نرم نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ ہر بار دیکھنے پر اسے وہ پہلے سے مختلف لگتی تھی۔ آج بھی اسے

وہ پہلے سے مختلف لگ رہی تھی لیکن اسے دیکھتے، نگاہوں میں بھرتے وہ سکون آج بھی پہلے جیسا تھا۔ وہ تھکن اتارتا روح کو ہلکا کرتا احساس جو پہلی دفعہ ملنے پر ہوا تھا آج بھی جوں کا توں قائم تھا۔ نہ اس احساس کی جگہ کسی نے لی تھی نہ اس کی زندگی میں اس کا کوئی نعم البدل ملنے کا کوئی امکان نظر آتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہی آسکریم کمرے تک پہنچادی گئی تھی۔ وہ آسکریم کا چچ بھرتا منہ تک لایا۔

"کیسی ہو؟" اس نے سوال کیا۔

"اگر میں کہوں کہ ٹھیک نہیں ہوں تو کیا کرو گے؟" جنت نے جواباً سوال

کیا۔ شیر کا ہاتھ وہیں ٹھہر گیا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا۔ جیسے کچھ سمجھنے کی یا جاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

"کچھ نہیں ناں؟" وہ بے اختیار ہنس دی۔ شیر نے اس پر نظریں جمائے
آنسکریم کا دوسرا چمچ لیا۔

"خیر چھوڑو۔ میں بھول گئی تھی کہ تم وہ بارہ سالہ شیر نہیں جس کے
پاس جنت کے ہر مسئلے کا حل موجود ہوتا تھا۔ تم تو ایس آر ہو۔ جس کے
کاندھے پر دنیا کی سب سے بڑی بزنس آرگنائزیشن کی ذمہ داری
ہے۔ اب کہاں تمہارے پاس جنت کے کسی مسئلے کا حل ہو سکتا ہے
۔۔" وہ دھیمے لہجے میں کہتی اپنی کلائی کو سہارا ہی تھی۔ شیر یوں ہی
آنسکریم کھاتے ہوئے اسے دیکھتا رہا۔

"میں تمہیں کسی چیز کے لیے قصور وار نہیں ٹھہرا رہی۔ تم نے میرے
پھیکے بچپن میں خوبصورت رنگ بھرے وہ تمہاری اچھائی تھی۔ میں جانتی
ہوں میری خوشی یا میری خیریت تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔۔۔" وہ کہہ

کر گردن اٹھائے اسے دیکھنے لگی۔ شیر خاموشی سے اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"میں جانتی ہوں جب تمہیں وقت گزاری کرنی ہو یا تمہارے پاس کچھ کرنے کو نہ ہو تو تم مجھ سے ملنے آجاتے ہو۔ اور چاہتے ہو کہ میں اس دوران فقط تمہارے ساتھ اچھا وقت گزاروں۔ میں جانتی ہوں تم میرے مسئلے سننے نہیں آتے نہ تمہیں میری زندگی کے کسی فیصلے سے کوئی سروکار ہے نہ میرے مسئلوں سے۔" اس سے قبل کہ وہ مزید کچھ کہتی شیر باؤل رکھتا اٹھا اور اس کے قریب آنے لگا۔ جنت الجھن آمیز انداز میں اسے دیکھنے لگی۔ وہ کچھ سمجھنے کی کوشش کرتی شیر نے اسے کاندھوں سے تھام کر اپنے کاندھے سے لگا دیا۔ جنت سانس لینا بھول گئی اور بے یقینی سے آنکھیں میچ لیں۔ شیر کی جیکٹ سے اٹھتی مخصوص مہک اس

کے حواس سلب کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ شیر کے چہرے پر فکر اور افسوس کے گہرے آثار دکھائی دے رہے تھے۔

"میں تمہارے پاس وقت گزاری کے لیے کبھی نہیں آیا۔" شیر کو اس جملے نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس کا لہجے میں گہری فکر تھی۔

"مجھے تم سے تمہارے مسئلوں سے تمہارے ہر فیصلے سے فرق پڑتا ہے۔" وہ نرمی سے کہتا اس کا سر سہلا رہا تھا۔

"اس وقت اس لمحے میں اگر کائنات کی سب سے زیادہ اہم ہستی کو سوچوں تو۔۔ تمہارا چہرہ ہے میری آنکھوں میں۔۔"

جنت کے آنسو تیزی سے بہہ رہے تھے۔

"اس سے پہلے کہ تم آنے والے لمحوں کا سوچو میں پہلے بتا دیتا ہوں۔۔ آنے والے ہر لمحے میں۔۔ میری زندگی کے آخری لمحے تک۔۔" اس

کے سسکیاں لیتے وجود کو نگاہوں کے حصار میں بھرے وہ بہت زیادہ فکر مند تھا۔

"میں نے تمہارے بچپن کو خوبصورت نہیں بنانا تھا۔ بلکہ زندگی کے ہر پل کو خوبصورت بنانا تھا۔ بناؤں گا۔ مجھ پر بھروسہ رکھو۔" وہ مسلسل نرمی اور محبت سے اس کے بالوں کو سہلا رہا تھا۔

"تمہاری خوشی تمہاری خیریت میری ذمہ داری نہیں میرا فرض ہے اور یہ میں نے آج یا ابھی نہیں بلکہ آج سے کئی سال پہلے خود پر فرض کر دیا تھا۔" اس نے پر یقین لہجے میں کہا۔ جنت نے سختی سے لب بھینچ کر اپنی ہچکی کو روکا تھا۔

"کیا تم جانتے ہو۔۔۔ مام کو۔۔۔ کس نے قتل کیا تھا؟" اس نے اس کی جیکٹ کو سختی سے جکڑتے سوال کیا۔ شیر کا دل دھڑکنا بھول گیا۔

"کیا تم جانتے ہو وہ میتھس ٹیچر تمہارے وار سے نہیں مرا تھا؟" جنت نے ہچکی لیتے ہوئے پوچھا۔ شیر نے گہری سانس لی۔

"کیا تم نے یہ سوچ کر کہ تم بچپن سے ہی قاتل ہو۔ کسی کا قتل کیا ہے؟"

"میں نے کبھی کسی کا قتل نہیں کیا کیوں کہ میں جانتا تھا میں کبھی قاتل نہیں تھا۔ کسی کو بھی قتل نہیں کیا۔ وہ میتھس ٹیچر بچ گیا تھا اور اسے گولڈن نے قتل کروادیا تاکہ وہ مجھے یہ سمجھنے اور سوچنے پر مجبور کر دیں کہ میں نے جرم کی راہ پر قدم رکھ دیے ہیں۔" شیر نے کہا۔ جنت نے بے اختیار سکھ کی سانس خارج کی اس کے آنسو پھر بہنے لگے۔

"اور تمہاری مام۔۔ ان کے لیے مجھے افسوس ہے میں نے انہیں بچانے کی کوشش کی تھی۔۔" وہ آہستگی سے کہتا اس کا سر تھپتھپا رہا تھا۔ جنت کی سسکیاں بلند ہونے لگیں۔

"I really Did!"

شیر نے آنکھیں افسوس سے میچ کر قطیعت بھرے انداز میں کہا۔
 "انہوں نے حسام کے بھائی کو بھی قتل کیا۔۔ م۔۔ میں جاننا چاہتی ہوں کیوں۔۔" وہ ہچکیوں کے درمیان بولی۔
 "کیوں کہ وسام نامی لڑکا وہ جگہ اپنی آرٹ گیلری کے لیے خرید چکا تھا اور اسے بیچنے پر راضی نہیں تھا۔ اسی جگہ پر عمش ایک ذاتی ہوٹل بنانا چاہتا تھا۔ اسے وہ پوری جگہ چاہیے تھی۔۔" شیر نے آہستگی سے

بتایا۔ جنت کے رونے کی رفتار میں تیزی آگئی۔ وہ جانتا تھا یہ اس کے لیے کسی بڑی قیامت سے کم نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا اس کا غم بہت بڑا تھا۔

"میں بہت تھک جاتی ہوں۔۔ مجھ سے یہ بوجھ اٹھایا نہیں جاتا۔۔" وہ روتے ہوئے بولی تھی۔ شیر نے تاسف سے لب بھیج لیے۔

"وہ الفاظ جو میں نے آخری دفعہ کہے تھے۔ میں اپنے تمام الفاظ واپس لے رہا ہوں۔" اس نے ایک ہاتھ اس کی کمر پر رکھتے اس کا سر ہلاتے ہوئے کہا۔

تھک جاؤ۔۔ یا ہمت ہارنے لگو۔۔ تو زندگی سے مت لڑنا۔۔ خود پر بوجھ مت ڈالنا۔۔"

جنت ان لمحات میں یک دم ساکت ہوئی تھی۔ سسکیاں رک گئیں۔

"جب چاہو سب کچھ چھوڑ کر میرے پاس آجانا۔ میں ہمیشہ سے تمہارا تھا۔ ہمیشہ تمہارا ہی رہوں گا۔"

اس نے مضبوط لہجے میں یقین دلایا تھا۔ جنت سانس روکے اسے سنتی رہی۔ وہ اس کی تھمی ہوئی سانسیں محسوس کرتا دھیمے انداز میں مسکرایا۔

"میں واقعی تمہارا ہوں۔ اب سانس لو۔" وہ کہہ کر محبت سے ہنس دیا۔ جنت گردن اٹھائے بے یقین نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔ شیر کا دل اس پل پوری رفتار سے دھڑکا تھا۔ اس کی سرخ ناک اور بھیگیں پلکوں پر ٹکے آنسو۔ شیر نے اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں بھرتے اس کی پلکوں سے آنسو چن لیے۔ وہ بے اختیار مسکرائی تھی۔ اسے اپنا وجود یک دم ہلکا ہوتا محسوس ہوا۔ اس کے دل و دماغ پر دھرا سارا کا سارا بوجھ اتر چکا تھا۔

"آج تمہیں میں نے آپشن دیا ہے کہ جب چاہو میرے پاس آجانا۔ لیکن آئندہ اتنی بری باتیں کرو گی تو کوئی آپشن نہیں دوں گا۔" اس کے بالوں کو کان کے پیچھے اڑتے گہرے لہجے میں کہتا وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"تو کیا کرو گے۔؟" جنت نے ابرو اچکاتے سوال کیا۔
 "اٹھا کر لے جاؤں گا۔" وہ مزے سے کہہ کر مسکرا دیا۔ جنت بے اختیار ہنس دی۔ شیر بھی طمانیت بھری ہنسی ہنستا اسے دیکھے گیا۔



موسم کی خنکی سمٹی جارہی تھی۔ ہواؤں کی ٹھنڈی چھن کا احساس کم سے کم ہو رہا تھا۔ حاشر ٹی شرٹ میں ہی کمرے سے نکل کر ہال میں آیا۔ ہال تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے کچن کا رخ کیا۔ واپس آیا تو ہاتھ میں واٹر

اسپرے کی درمیانی بوتل تھی۔ وہ پودوں کو پانی دینے لگا۔ اس کے انداز میں سکون اور اطمینان تھا۔ باہر نظر ڈالنے پر ہلکی ہلکی روشنی پھیلنے کا سندیسہ مل رہا تھا۔ اس کے بال کو پہلے کی نسبت بڑے تھے۔ اس کی پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ وزن میں پہلے کی نسبت کچھ کمی آئی تھی لیکن جسم ہنوز چاک و چوبند تھا۔ ہاتھوں کی ابھری ہوئیں رگیں اس کے ورزش کی عادی ہونے کی چغلی کھاتی تھیں۔ ہلکی بڑھی داڑھی جو تراشی ہوئی تھی۔ وہ پودوں کو پانی دے کر سوچ بورڈ کے قریب آیا اور بتیاں جلائیں۔ طوبی کے کمرے کا دروازہ کھلا دیکھ وہ چونکا اور قدم بڑھاتے اس نے دروازے پر ہلکی دستک دی۔ لیکن اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ اسے لگا وہ غسل خانے میں ہوگی۔ پلٹ کر کچن میں چلا آیا۔

ناشتہ ہو چکا تھا وہ کچن میں ہی رکھی میز پر ناشتہ سجا رہا تھا جب اریب نے اندر جھانک کر گڈ مارنگ کہا۔

"گڈ مارنگ! فریش ہو گئے ہو تو آکر ناشتہ کرو۔ حنین اور منان کو بھی جگا دو۔ آج بریگیڈیئر کو بریف کرنا ہے۔ طوبیٰ کو بھی آواز دے دو۔"

"جی اچھا۔" وہ کہہ کر پلٹ گیا۔

کچھ دیر بعد حنین اور منان بھی آ پہنچے۔

"طوبیٰ کہاں ہے؟"

"روم میں نہیں ہے شاید واش روم میں ہوگی۔" اریب نے کہا۔

مجھے بھی اس وقت لگا واش روم میں ہوگی۔ کافی دیر ہو گئی ہے جا کر واش

روم ناک کرو۔" حاشر نے کہا۔ اریب سر ہلا کر پلٹا۔ واپس آیا تو چہرے پر

الجھن تھی۔

"وہ تو نہیں ہے واش روم خالی ہے۔"

"تو کہاں گئی۔" حاشر نے الجھن آمیز انداز میں کہا اور اپنا فون نکال کر

اس کا نمبر ملایا۔ پہلی بیل پر ہی فون اٹھا لیا گیا۔

"مس طوبی کہاں ہیں آپ؟" حاشر کے لہجے میں فکر مندی تھی۔

"سوری! بتا کر نہیں نکلی۔ اچانک ضروری کام سے نکلنا پڑا۔ میں گھر پہنچ کر

آپ سے ملتی ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"میں انتظار کر رہا ہوں۔" حاشر نے کہہ کر فون کاٹ دیا۔

"منان اسے ٹریس کر کے مجھے لوکیشن بھیجو۔" حاشر نے ہدایت کرتے

چائے کا کپ اٹھایا اور کچن سے نکل گیا۔ منان نے باقی بچا بریڈ واپس رکھا

اور فوراً اٹھ گیا۔

"آج طوبیٰ کو کیا جیمز بانڈ بنے کا شوق چڑھ گیا تھا؟" اریب نے حنین کی جانب دیکھا۔

"ضرور کوئی اہم معاملہ ہوگا۔" وہ کہہ کر اپنے ناشتے کی جانب متوجہ ہوا۔ اریب بھی خاموشی سے ناشتہ کرنے لگا۔



احمر نا سمجھی سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں غصہ اور ناراضی تھی۔ شیر فون پکڑے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ بالکل پرسکون نظر آرہا تھا۔

"میں ایسا نہیں کروں گا جب تک آپ مجھے ساری بات نہ بتادیں۔" احمر ضدی لہجے میں بولا۔

"جب تک تم اسے کال نہیں کرو گے میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا۔" شیر نے کاندھے اچکائے۔ آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

"کہوں گا کیا اسے میں؟"

"کہہ دینا کسی گرل فرینڈ کا ایکسٹینٹ ہو گیا۔"

"وہ جانتی ہے میری کوئی گرل فرینڈ نہیں ہے۔" احمر نے منہ بنا کر کہا۔

"تو کہہ دو تمہارے کسی دور کے رشتہ۔"

"وہ یہ بھی جانتی ہے کہ میں لاوارث ہوں۔" احمر نے اس کی بات درمیان میں ہی اچک لی۔

"میں صاف صاف کہہ دوں گا آپ نے مجھے قید کر کے جس بے جا میں میں رکھا ہے۔" احمر نے تپ کر کہا۔

"اور جب وہ پوچھے گی کہ میں نے ایسا کیوں کیا ہے تو کیا کہو گے؟ جب وہ پوچھے گی کہ تم مجھے کیسے جانتے ہو تو کیا کہو گے؟" شیر نے اسے چڑانے والے انداز میں کہا۔

"خیر تم کہہ دو کہ تمہیں قید کر دیا ہے میں نے۔۔۔ میں کہہ دوں گا کہ میرے ریزارٹ میں غیر قانونی طور پر داخل ہو کر چوری کرنے کی کوشش کی ہے۔۔۔ لیکن پھر بھی ایک مسئلہ ہے۔۔۔ اس کال کی کیا وضاحت دو گے؟ شیر نے قید کر کے پھر فون دیا ہے کہ لو کسی کو کال کر کے اپنی خیریت بتادو؟" وہ ہنس دیا۔ احمر سرخ چہرہ لیے اسے دیکھے گیا۔

"میں اب سچ میں اسے بتاؤں گا کہ آپ نے اس سے باتیں چھپائی ہیں اور یہ بھی کہ اس کی ماں کا قتل عمش نے کیا ہے اور آپ یہ

جانتے تھے۔۔ "احمر بلند آواز میں غصیلے انداز میں کہتا شیر کو ہنسنے پر مجبور کر گیا۔

"اب وہ سب جانتی ہے اب ہمارے بیچ کوئی راز نہیں ہے۔" شیر نے دلکشی سے مسکراتے اطمینان سے کہا۔ احمر ایک پل کے لئے چونکا۔ پھر نفی میں گردن ہلاتے طنزیہ انداز میں کہنے لگا۔

"آپ کی شاطرانہ چالوں اور فطرت کے آگے شیطان بھی پناہ مانگے۔"

"یار یہ لڑتے لڑتے لوگ جب "religious cards" پھینکتے ہیں ناں ایک نمبر کے منافق لگتے ہیں۔ کم از کم تم پر یہ نہیں بیچ رہا۔ اپنے دماغ اور طریقوں پر چلو۔۔ اور یہ فون پکڑو۔۔" شیر نے فون آگے بڑھایا۔ احمر ناپسندیدگی سے اس کی جانب دیکھتا رہا۔

"دیکھو احمر! میں جنت کو تمہاری اصلیت بتانے کی کوشش کروں تو میرا کوئی نقصان نہیں لیکن میں ایسا نہیں کروں گا میری فطرت جتنی بھی شاطر صحیح۔۔ لیکن میں ہمیشہ فیئر گیم رکھتا ہوں۔۔ اور دوسرا اصول یہ ہے کہ میں کبھی کسی انسان کو اپنا مہرہ نہیں بناتا۔ جنت میری زندگی کا ایک گہرا اور اہم تعلق ہے۔ اس کا باپ میرا سب سے بڑا حریف لیکن میں نے ان دونوں تعلقات کو کبھی آپس میں ملا کر کوئی چال نہیں چلی۔" شیر ایک پل کو رکا۔

"میں جانتا ہوں تم مجھے پسند کرتے ہو۔ تجسس ہے تمہیں میرے حوالے سے لیکن میں تمہیں حد پار کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ تم مجھے متاثر کرنا چاہتے تھے۔ تم جنت کو متاثر کرنا چاہتے تھے۔ یقیناً تم ہو متاثر کن تم نے کیا ہے متاثر لیکن تمہیں میں نہ ہی اپنے سر پر سوار ہونے کی اجازت

دوں گا اور نہ جنت کے۔۔ اس لیے اس مقصد کی طرف لوٹ جاؤ جس کے لیے تمہیں میرے پاس بھیجا گیا ہے۔۔ میں مزید تفصیلی انداز میں تمہیں نہیں سمجھا سکتا۔ فون پکڑو اسے کال کرو۔۔

آئندہ اس کے قریب جانا ہو تو پہلے حدود کا تعین کر لینا۔ "شیر نے فون اسے پکڑایا۔ جسے احمر نے تھام لیا۔ وہ لاجواب تھا۔ اس نے جنت کا نمبر ملایا۔

"ہیلو جنت۔۔!"

"کہاں ہو تم؟ جانتے ہو کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں؟" دوسری جانب جنت اس پر پھٹ پڑی۔

"اچانک بہت اہم ٹاسک ملا ہے جس کے لیے مجھے پچاس ہزار ڈالر مل رہے ہیں۔۔ آپ نے پوچھا تھا ناں کہ میرے پاس اتنے پیسے کہاں سے

آتے ہیں؟ میں واشنگٹن کی سائبر کرائم برانچ میں فری لانسر ہوں اور بہت سے امیر لوگ مجھے ہیکنگ کے لیے ہائر کرتے ہیں۔ اس لیے مجھے جانا پڑ رہا ہے۔ بیسٹ آف لک۔ اپنا خیال رکھیں۔" اس نے کہہ کر فون بند کر کے شیر کی جانب بڑھا دیا۔

"بہت صفائی سے جھوٹ بولتے ہو۔ لگ ہی نہیں رہا کہ جھوٹ ہے۔"

"ٹھیک لگ رہا ہے۔ جھوٹ نہیں ہے یہ۔ سچ ہے۔ کیا بالکل ہی نکما سمجھ لیا ہے؟" احمر نے فون پکڑتے تلخی سے کہا۔ شیر بے اختیار مسکرایا۔ احمر اسے ناپسندیدگی سے گھورتا رہا۔



وہ چمکیلے اونٹ رنگی لباس میں ملبوس دکھائی دے رہی تھی۔ گھٹنوں تک آتا لباس اس کے جسم پر پوری طرح فٹ دکھائی دے رہا تھا۔ تازہ کٹے

بال کھلے تھے کاندھوں پر سیاہ لیدر کی کٹ جیکٹ تھی۔ ہاتھ میں قیمتی پرس اونچی پینسل ہیل پہنے وہ ایک انداز سے چلتی اس پتھریلی روش پر چل رہی تھی۔ گلے میں پہنا موتیوں کا ہار دیکھنے پر بہت قیمتی دکھائی دیتا تھا۔ چہرے پر میک اپ نہایت عمدہ طریقے سے کیا گیا تھا۔

کچھ قدم چلتے ہی وہ ایک سکیورٹی چیک کاؤنٹر پر جا کھڑی ہوئی۔ چہرے پر دلکش مسکراہٹ سجالی۔ سامنے بیٹھے دو عرب گارڈ جن کے جسم پر جی ایف ایس آر کا سکیورٹی یونیفارم تھا۔

"مرحبا!" اس نے کاؤنٹر پر ہاتھ رکھتے کہا۔ سامنے کھڑے دونوں اہلکار اس کی جانب دیکھ کر مسکرائے تھے۔

"مجھے یاد ہے ہم پہلے بھی مل چکے ہیں؟" طوبیٰ نے گہری مسکراہٹ سے کہتے ایک ابرو اچکائی۔ اس کا عرب لہجہ انگریزی کی چھاپ دیتا نظر آرہا تھا۔

"مجھ سے؟ کہاں؟" ایک سکیورٹی اہلکار یک دم الجھا لیکن اس کے انداز میں پرجوشی تھی۔

"آخری دفعہ ہم دو میل دور ایک ریسٹورنٹ میں ملے تھے اس سے پہلے بھی میں یہاں آپ کو دیکھ چکی ہوں۔ خیر آپ سے دوبارہ مل کر خوشی ہوئی۔" طوبیٰ نے خوشدلی سے کہتے اپنا فون نکالا اور ایک نگاہ اندر ڈالی۔ یوں کہ کسی کو شک نہ ہو۔ سکیورٹی اہلکار نے نا سمجھتے ہوئے بھی اثبات میں زور زور سے گردن ہلائی۔

"میں یہاں اکثر آتی ہوں میری قریبی دوست یہاں رہتی ہے لیکن مجھے ہر بار یہاں آنے پر سکیورٹی کلیئرنس سے گزرنا پڑتا ہے۔۔ میری دوست کہتی ہے مجھے یہاں کا شناختی کارڈ بنوالینا چاہیے۔۔" طوبی سرسری انداز میں کہتی اپنا قیمتی فون کان سے لگانے لگی۔

"آپ کی دوست کون ہے؟ کیا ہم ان کے بارے میں کچھ ابتدائی معلومات حاصل کر سکتے ہیں؟" سکیورٹی اہلکار نے ایک لیپ ٹاپ اپنی جانب کھسکا ہوئے سوال کیا۔

"جی بالکل کیا اسے یہاں خود آنے کی ضرورت ہے؟ یا میں صرف نام یا پتا بتا کر کال کروالو؟ میرے خیال سے یہ زیادہ بہتر رہے گا۔" طوبی نے کسی کو کال ملاتے ہوئے کہا۔

"اس کا یہیں اپنا ذاتی سیلون ہے جو اس نے حال ہی میں اپنے والد کے تعلقات استعمال کر کے گلیمرس کمپنی کے نام سے بنوایا ہے۔۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"جانا فاتح محمد نام ہے اس کا۔" طوبیٰ نے اب کے مسکراتے ہوئے ایک ہاتھ ٹھوڑی تلے دھرتے دوسرے سکیورٹی اہلکار کی جانب دیکھا وہ بھی دلچسپی سے اسی کو گھور رہا تھا۔

"جانا فاتح محمد۔" سکیورٹی گارڈ نے اثبات میں گردن ہلائی۔

طوبیٰ نے کال کا اسپیکر آن کرتے کاؤنٹر پر فون رکھا۔

"ہاں لارا کہاں ہو کب سے انتظار کر رہی ہوں میں۔۔" دوسری طرف خالص عربی لہجہ سنائی دیا۔

"میں یہاں سکیورٹی چیک پوائنٹ پر ہوں سوچا آج شناختی کارڈ بنوالوں۔۔"

"کیا پھر ان خبیثوں نے تمہیں روکا ہے۔ کیا تم نے انہیں بتایا نہیں تم کس کی بیٹی کی دوست ہو؟ ان کو تصویریں دکھاؤ ہماری۔ میں خود آتی ہوں آج تو یہ روز روز کا تماشا ہے۔"

وہ تیز تیز عربی میں سخت ست سنارہی تھی۔ سکیورٹی اہلکار بوکھلاہٹ بھرے انداز میں ایک دوسرے کو دیکھتے پر طوبیٰ کو دیکھنے لگے۔

"یار غصہ تھوک دو یہ بیچارے تو بس اپنی ڈیوٹی کرتے ہیں۔ ایک تو تم جی ایف ایس آر کے لوگ بھی نہ بس پر جگہ اپنے نام کی دھاک بٹھائے رکھنا چاہتے ہو۔" وہ کہتی ہوئی ہنس دی اور فون کاٹ دیا اور فون کی گیلری کھولنے لگی۔

"دراصل اس کا مزاج اس کے باپ کی دولت اور شہرت نے زرا بگاڑ دیا ہے۔۔ لیکن دل کی بہت اچھی ہے۔۔ اب خود ہی دیکھ لو۔۔ امریکا سے یہاں مجھے اس لگژری ایونٹ میں شرکت کے لیے بلا لیا ہے۔۔"

"اچھا دی گلیمر آن میں بھی مہمان ہیں۔۔ اس کے مہمانوں کی لسٹ ہے ہمارے پاس۔۔ کیا نام بتایا آپ نے؟"

"لارا جہانگیر۔۔" طوبیٰ نے نام بتاتے اپنا فون ان کی جانب کھسکایا۔ دوسرا سکیورٹی اہلکار اب اس کے فون پر جھکا تصاویر دیکھ رہا تھا۔ وہ چھ سے چار لڑکیوں کی گروپ فوٹوز تھیں جن میں سے ایک میں ہیزیل بھی موجود تھی۔ اہلکار یک دم ہی مرعوب دکھائی دینے لگا اور ساتھی اہلکار کو ٹھوکا دیا اس نے بھی جھک کر ان تصویر کو دیکھا چہرے پر بے یقینی اور رشک بھرے تاثرات آئے۔ اس نے لسٹ پر اب کے سرسری نگاہ ڈالی۔ طوبیٰ

لسٹ میں اپنا نام پہلے شامل کر چکی تھی۔ اہلکار نے اس ایک فارم پکڑایا جسے طوبی نے مسکراتے ہوئے تھاما اور فون اپنے پرس میں ڈال کر فارم پر کرنے لگی۔

"کب تک تیار ہو جائے گا دو گھنٹے میں آجاؤں؟"

"نہیں۔۔ یہ کل شام تک تیار ہو گا۔ دراصل لسٹ سیکیورٹی ہیڈ کے پاس جاتی ہے۔ اس لیے کل تک آپ لے لیں۔" اہلکار نے خوش دلی سے کہا۔ جس پر طوبی نے اثبات میں گردن ہلائی اور ان سے ہاتھ ملا کر الوداعی کلمات ادا کرتی پلٹ گئی۔ اس کا رخ اندر کی جانب تھا۔ اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

وہ ابھی جی ایف ایس آر ریزیڈنسی سے نکل کر کچھ دور ہی پہنچی تھی جب اس کی نگاہ کچھ دور کھڑے حاشر پر پڑی۔ وہ اسی کو خاموش اور گہری

نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ طوبیٰ نے بے اختیار اپنے سن گلاسز اتارے۔ ایک لمحے کو اس کا اعتماد ڈگمگایا لیکن اگلے پل وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔ اس نے اپنا فون نکال کر حاشر کا نمبر ملا یا۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" اس نے پہلا سوال یہی کیا۔
 "آپ کا انتظار!" دوسری جانب رسائیت سے کہا گیا۔ طوبیٰ کا دل بے اختیار دھڑکا۔ دل کی شوخی بھری خوش فہمی پر اس نے خود کو ڈیپٹ دیا۔

"میں گھر ہی آرہی تھی۔" اس کا لہجہ دھیمما تھا۔
 "پھر وہیں ملتے ہیں۔" وہ کان پر ہاتھ لگا کر اسپیکر آف کرتا مخالف سمت میں بڑھنے لگا۔ طوبیٰ فون کان سے لگائے ناک کی سیدھ میں چلنے لگی۔



طوبیٰ اپنے کمرے میں اپنا لباس تبدیل کرنے گئی تھی۔ وہ چاروں لیونگ روم میں بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ حنین، منان اور اریب کے چہروں پر تجسس تھا جبکہ حاشر پر سکون دکھائی دے رہا تھا۔ تب ہی طوبیٰ چھوٹے کٹے بالوں کو جوڑے میں لپیٹتی باہر آئی۔

"سب سے پہلے تو معذرت کہ مجھے یوں اچانک بغیر بتائے یہ سب کرنا پڑا۔ وہ اس لیے کہ ابھی میری ریسرچ مکمل ہی ہوئی تو اور میں بتانے ہی لگی تھی کہ ایمر جنسی میں مجھے اس ٹاسک کا رسک لینا پڑا۔" وہ کہتے ہوئے بیٹھی۔ حاشر نے سمجھنے کے انداز میں گردن ہلائی۔ وہ اپنا لیپ ٹاپ کھولنے لگی۔

"جی ایف ایس آر ریزیڈنسی کی مین لوکیشن کے ارد گرد ہی کہیں ٹریڈنگ کا سسٹم چل رہا ہے۔ جن میں زیادہ تر کی تعداد پاکستانیوں کی ہے۔ اس

کے لیے میں نے کنٹرولنگ سسٹم کا ایکس لیا جس کے بعد میرا شک یقین میں بدل گیا۔ کنٹرولنگ سسٹم میں ایک الگ سسٹم ہے جو ٹریکنگ کو کنٹرول کر رہا ہے۔ میں نے اس روٹ کا پتا بھی لگالیا ہے اور ریزیڈنسی میں بغیر کسی چیکنگ کے داخلے کے لیے مجھے میمبر شپ کارڈ کی ضرورت تھی۔ وہ بھی میں نے حاصل کر لیا ہے۔" وہ ان سب کی جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اس روٹ کو ہم جی ایف ایس آر ریزیڈنسی سے ریڈ نہیں کر سکتے چاہے ہمارے پاس میمبر شپ کارڈ ہی کیوں نہ ہو۔" حاشر نے نرمی سے کہا۔

"کس طوبی آپ نے اچھا کام کیا ہے۔ بہت بہترین۔ میں جاننا چاہوں گا کہ آپ نے میمبر شپ کارڈ کیسے حاصل کیا؟" اس نے ٹھوڑھی پر مٹھی

جماتے نرمی سے پوچھا۔ طوبیٰ ایک پل کو چپ رہی پھر کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"ریزیڈینسی میں ایک لڑکی رہتی ہے جس کا سوتیلا باپ جی ایف ایس آر کا ایک اہم بندہ ہے۔ میں نے اس کا استعمال کر کے کارڈ حاصل کیا۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ لڑکی کوئی مسئلہ پیدا نہیں کرے گی؟" حاشر نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی سوال کیا۔

"نہیں۔ وہ ایک بے وقوف، جلد باز اور ڈرپوک لڑکی ہے۔ اور میں نے کارڈ حاصل کرنے کے لیے اسی کا روپ اختیار کیا ہے۔ یعنی ایک ایسی لڑکی جو فیشن کی دنیا میں نام کمانا چاہتی ہے۔" طوبیٰ نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"ویسے یہ فیلڈ بھی بری نہیں تھی تمہارے لیے۔۔ یہ تم کس فیلڈ میں گھس آئی ہو طوبی۔۔ جامنی اور پرکٹے بالوں کا شوق لے کر۔۔" اریب نے اس کی نئے نکور ہنیر اسٹائل پر چوٹ کرتے کہا۔ جس پر طوبی نے ایک سخت نگاہ اریب پر ڈالی۔

"میں نہ ہوتی تو تم جیسے لکیر کے فقیروں کا کیا ہوتا جو گھوم پھر کر ایک ہی لکیر پیٹ رہے تھے۔۔" اس نے تڑخ کر جواب دیا۔
حاشر نے ان دونوں پر سرسری نگاہ ڈالی اور بورڈ مار کر لیے وہاں سے اٹھ گیا۔

"جی ایف ایس آر ریزیڈنسی پچھلے کچھ سالوں سے میرے ٹارگٹ پر تھی۔" حاشر نے بورڈ پر ایک تصویر بناتے کہا۔ طوبی نے چونک کر حیرت سے حاشر کی جانب دیکھا۔

"مجھے شک تھا کہ کچھ ہے جو جی ایف ایس آر ریزیڈنسی کی آڑ میں چھپا ہوا ہے۔"

"آپ پہلے سے جانتے تھے۔" طوبیٰ خود کو کہنے سے روک نہ پائی۔ حاشر نے فقط آہستگی سے اثبات میں گردن ہلادی۔ طوبیٰ ساکت سی اس کے مطمئن اور پرسکون چہرے کو دیکھتی رہی۔

"اس خفیہ جگہ کو ریزیڈنسی سے ٹارگٹ کرنا ممکن نہیں۔ اس لیے میں دوسرے راستے کی تلاش میں تھا۔ جہاں سے ہم اسے ٹارگٹ کر سکیں۔ میں پچھلے کئی عرصے سے اس راستے کو ڈھونڈ رہا تھا جو براہ راست جی ایف ایس آر ریزیڈنسی کی جانب آتا ہو لیکن کسی کے استعمال میں نہ ہو۔ پر ایسا کوئی راستہ نہیں تھا۔" حاشر خاموش ہوا اور پلٹ کر ان کی جانب دیکھا۔

"میں کچھ سمجھا نہیں۔۔" حنین نے الجھن آمیز انداز میں کہا۔

"میں نے شارجہ کی ہر سڑک کا معائنہ کیا۔۔ ریگستانی علاقوں کو کور کیا

۔۔ سمندر والا آپشن چیک کیا۔۔ ہوائی آپشن دیکھا۔۔ لیکن جو کنٹینرز

ریزیڈنسی میں داخل ہوتے ہیں وہ یہاں سے نکلتے ہوئے نظر نہیں

آئے۔۔"

"تو وہ جاتے کہاں ہیں؟" اریب نے حیرت سے سوال کیا۔

"بیسمنٹ روٹ۔۔" حاشر نے مارکر سے ایک شکل بنائی۔

وہ سب چونکے اور قدرے آگے ہو کر بیٹھے۔

"زمین کے نیچے ایک سڑک؟" طوبیٰ نے حیرت سے کہا۔ اس کا منہ کھلا رہ

گیا۔

"ہاں۔۔ ایک سڑک ہے جو خفیہ طور پر بنائی گئی ہے۔۔ قانون کو دھوکہ دیا جاسکتا ہے۔۔ اداروں کو دھوکہ دیا جاسکتا ہے۔۔ لیکن عوام زیادہ عرصہ تک یہ سلسلے برداشت نہیں کرتی اور مزاحمت ہوتی ہے۔۔ اور ان مستقبل کی مزاحمتی تحریکوں سے بچنے کے لیے بہت چالاکی سے اپنے لیے راستہ بنایا گیا ہے۔۔ جو شارجہ کی سنسان ریگستان کے ایک کنارے سے ہو کر بندرگاہ تک جاتا ہے۔۔ ایسی جگہ جہاں قانون اور ادارے تو موجود ہیں لیکن عوام نہیں۔۔"

"That's huge"

منان نے پرجوشی سے کہا۔

"ہماری معلومات کا دائرہ کار وسیع تو ہو رہا ہے۔۔ لیکن ہم کاروائی کب کریں گے؟" اریب نے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے بے صبری سے کہا۔

"جتنی زیادہ معلومات ہوں گی اتنی آسانی سے ٹارگٹ ہماری گرفت میں

آئے گا۔" حاشر کہتے ہوئے اپنی آستینیں موڑنے لگا۔ طوبیٰ

اسے خاموشی سے دیکھتی رہی۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔ کوئی گہری سوچ تھی

جس نے اس کی ذات کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ دفعتاً حاشر کی نگاہ اس پر

پڑی۔ طوبیٰ کی نگاہوں کا مرکز حاشر تھا لیکن سوچ کہیں اور پرواز کر رہی

تھی۔ حاشر نے ایک خاموش اور گہری نگاہ اس پر ڈالی حاشر کے یوں

دیکھنے پر طوبیٰ چونکی اور اپنی کچھ لمحوں پہلے والی بے خیالی پر بے اختیار

شرمندہ ہوئی۔

"کچھ کہنا چاہتی ہیں مس طوبیٰ؟" حاشر نے نرمی سے سوال کیا۔ حاشر کے

سوال پر منان اور اریب نے طوبیٰ کی جانب دیکھا۔

"ہمارا مین ٹارگٹ کون ہے؟" طوبیٰ نے سوال کیا اس کے سوال پر سب نے اسے الجھن بھری نگاہوں سے دیکھا۔

"ہمارا ٹارگٹ جی ایف ایس آر کی آر میں چھپا وہ چہرہ ہے جو ساری دنیا کو کاروبار کا جھانسنہ دے کر کالے دھندے کی چادر کو سات خطوں میں پھیلا رہا ہے۔ یہ مسئلہ صرف پاکستان کا نہیں ہے۔" وہ سانس لینے کو رکا۔ وہ سب بغور اسے سن رہے تھے۔

"بلکہ ہر اس بے بس انسان کا ہے جو اس مافیا کی بھینٹ چڑھ رہا ہے۔ وہ بچے جو نیچے جارہے ہیں۔ وہ عورتیں جن کی عزتیں پامال ہو رہی ہیں۔ وہ انسان جن کے اعضاء نیچے جارہے ہیں وہ مائیں جن کے بچے منشیات کی لت میں مبتلا ہیں۔" اس نے مارکر بند کرتے سائیڈ ریک میں ڈالا اور دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ان چاروں کی جانب دیکھا۔

"وہ شیطانی عمل جن کے لیے انسانی دلوں کا استعمال ہوتا ہے۔۔ وہ کالے عمل کرنے والے جنہیں انسانی خون درکار ہوتا ہے۔۔ وہ کالے عمل کرنے والے جنہیں نومولود بچوں کی قربانیاں درکار ہوتی ہیں۔۔ اب چاہے اس کے پیچھے جو بھی ہوں ہم انہیں دبوچ کر ہی دم لیں گے۔۔ کم از کم اس بار میں انہیں دبوچے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔" اس کا لہجہ دھیمہ لیکن چٹان سی مضبوطی لیے ہوئے تھا۔ اس کی گہری سیاہ آنکھوں کی سطح پر ابھری ہوئی سرخ رگیں اس کے عزم کی داستان سنارہے تھے۔

"میری کچھ باتیں سب اپنے ذہن میں بٹھادیں۔۔ دشمن کے مقابلے پر اترنے سے قبل اپنے دل پر پتھر رکھ دو۔ تاکہ جب ٹریگر دبانے کا وقت آئے تو دل نہ کانپے۔۔ دوسری بات ہم یہاں ایک دوسرے کے لیے نہیں بلکہ ملک کے لیے آئے ہیں۔ اس لیے ذاتی معاملات اپنے دل تک

رکھیں۔ میرے معاملات مختلف ہیں۔۔ میرا کوئی عمل مختلف لگے تو وہ صرف انسانیت یا میری ذاتی ترجیحات ہو سکتی ہیں اسے سنجیدہ لینے کی ضرورت نہیں۔۔"

طوبیٰ نے سر اٹھا کر اب کے حاشر کی جانب دیکھا۔ اریب بھی اس کی جانب ہی دیکھ رہا تھا۔ طوبیٰ نے سر جھکا لیا۔

"جارہے ہیں تو پہلے طے کر کے جانا ہے۔۔ یا کر کے آئیں گے یا مر کر آئیں گے۔۔ جنگ میں جیت اسی کو ملتی ہے جو موت کے خوف سے آزاد ہو کر میدان جنگ میں اترتا ہے۔۔ پھر فرق نہیں پڑتا کہ وہ جیت کر واپس آئے یا شہید ہو کر۔۔"

وہ سب اس کی باتیں غور سے سن کر اثبات میں سر ہلاتے رہے۔۔

"ایک بات مزید یاد رکھیں۔۔ شہید کی کبھی ہار نہیں ہوتی۔۔ وہ واپس جیت کر آئے یا پرچم میں لپٹ کر۔۔ امر ہی رہتا ہے۔۔ فاتح ہی کہلایا جاتا ہے۔۔"

وہ سب نم نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے رہے۔ اس کے الفاظ ان کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔



سنہرے فانوس والے اس وسیع و عریض ہال نما کمرے کا گلاس ڈور کھسکایا گیا تو گولڈن فاکس اپنے چہرے کا ماسک ہٹاتا اندر داخل ہوا۔ کمرے میں چھ سے سات افراد موجود تھے جو اس کے استقبال کے لیے اٹھے تھے۔ گولڈن نے ان سب سے ہاتھ ملایا۔ ایک جانب سیاہ وردی میں ملبوس دو بیرے کھڑے تھے۔ گولڈن نے اپنا کوٹ اتار کر ایک

جانب پھینکنے کے انداز میں رکھا اور صوفے پر بیٹھتے ہی پیچھے کی طرف ٹیک لگا کر ٹانگ پر ٹانگ چڑھالی۔ وہ سب روسی زبان میں ایک دوسرے سے رسمی کلمات ادا کرنے کے بعد کسی معاملے پر سنجیدہ گفتگو کرنے لگے وہ کئی منٹ تک عام انداز میں باتیں کرتے رہے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے باتیں بحث و مباحثے میں بدل گئیں۔ گولڈن کے چہرے پر تناؤ اور غصہ اتر آیا۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھا اس کی آواز بھی کچھ بلند ہوئی تھی۔ اس بحث میں سب سے زیادہ بولنے والا شخص ڈیمن سان تھا جو گاہے بگاہے گولڈن کو لاجواب کر رہا تھا۔ دفعتاً گولڈن نے جھٹکے سے میز پر ہاتھ مارا اور اپنا کوٹ لیے اٹھا اور ہاتھ جھلا کر کر تلخی سے روسی زبان میں کچھ کہتا اس سنہرے فانوس والے ہال نما کمرے سے نکل گیا تھا۔



شارجہ کے ریگستانی علاقے کے پار موجود عظیم الشان محل نما ریزارٹ پوری شان سے کھڑا تھا۔ جب سے شیر یہاں تھا عام آمدورفت ممنوع تھی۔ اس وقت بھی ریزارٹ اسٹاف کے علاوہ فقط جی ایف ایس آر کے کمانڈوز موجود تھے۔ وہ اوپری منزل پر بنے اپنے اپارٹمنٹ میں موجود تھا۔ اس کے کمرے کے پردے گرے ہوئے تھے۔ کمرے میں نیم اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ وہ سرمئی رنگ کی کاٹن کی شرٹ اور سفید گھٹنوں سے اوپر آتی شارٹ پہنے صوفے پر آگے کی جانب جھکا بیٹھا تھا۔ سامنے ہی اس کا خاص لیپ ٹاپ موجود تھا جس پر ایک آڈیو کال چل رہی تھی۔ دوسری طرف سے آتی آواز کو وہ بہت توجہ سے سن رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پرسوج سے تاثرات چھلک رہے تھے۔ ایک ہاتھ ٹھوڑی پر ٹکا تھا۔ دوسرا میز پر ٹکا تھا۔

"کمانڈر!" دوسری طرف سے کسی نے اسے پکارا۔

"سن رہا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"ہمیں کیا کرنا چاہیے۔" ایک سرگوشی نما آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"میرے اگلے حکم کا انتظار کرو۔" شیر نے کہہ کر رابطہ ختم کر دیا اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگالی۔ اس کے چہرے پر گہری سوچ کا سایہ تھا۔ کچھ لمحے گزرے تھے جب ڈینیل نے اسے بیل دی۔ اس نے مائیکروفون اٹھا کر کان سے لگایا۔

"بولو ڈینیل!" شیر کا انداز خطرناک حد تک سنجیدہ تھا۔

"ماسٹر آپ دو میٹنگز مس کر چکے ہیں۔ تیسری آدھے گھنٹے میں ہے۔" ڈینیل نے محتاط انداز میں اطلاع دی۔

"میں تیار ہو کر تمہیں اطلاع کرتا ہوں۔" شیر نے کہہ کر مائیکروفون اتار کر میز پر دھر دیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا۔ دس منٹ بعد واپس آیا تو جسم پر بھورے رنگ کا سوٹ تھا۔ بال جو پہلے سے کچھ بڑھ چکے تھے سلیقے سے بنے ہوئے تھے۔ اس کی پاکٹ وایچ کی زنجیر اس کے کوٹ کی جیب سے ہلکی سی جھانک رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں چمڑے کے سیاہ دستانے پہنے وہ اپنا ماسک لگا رہا تھا جب اس کا فون بجنے لگا۔ اس نے فون اٹھا کر کان سے لگایا۔

"مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے لڑکے۔" دوسری طرف گولڈن تھا۔ لہجہ کسی بھی جذبے سے عاری محسوس ہوا۔

"ٹھیک ہے پہنچو پھر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" شیر نے لہجہ دھیمہ ہی رکھا۔

"میں کل صبح تک پہنچ جاؤں گا اور میرے آنے سے پہلے شارجہ سے ایک قدم بھی باہر مت نکالنا۔"

شیر کی بھنویں بھیپچ گئیں اور آنکھوں میں سرخی اتر آئی۔

"یہ حکم ہے یا دھمکی؟" شیر نے بر فیلے لہجے میں ایک ابرو اچکا کر سوال کیا۔

"جو سمجھ لو۔" دوسری طرف وہی بے رخی تھی۔

"ٹھیک ہے پھر دس دن بعد میری روس سے واپسی پر ملاقات ہوگی۔" شیر نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ اگلے ہی پل فون دوبارہ بجنے لگا شیر نے فون نظر انداز کرتے میز پر اچھالنے کے انداز میں رکھا اور وارڈروب کے پاس آتے جھک کر دوسرا فون نکال کر ایک نمبر ملا یا۔

"جی بھائی!"

"کہاں ہو؟" شیر نے سوال کیا۔

"میں یہیں شارجہ میں ہوں۔" دوسری طرف سے غازی بولا۔

"میں رات کو تاشقند کے لیے نکل رہا ہوں میرے ساتھ چلو۔" شیر نے

کہا

"کیوں؟" دوسری طرف سے غازی نے حیرت سے سوال کیا۔

"کیوں سے کیا مراد ہے؟" شیر نے اسے جھڑک دیا۔ دوسری طرف یک

دم خاموشی چھا گئی۔

"آپ اور کون؟"

"میں تم اور احمر۔"

"احمر؟" غازی نے دوبارہ سوال کیا۔ اب کی بار لہجے میں خوف تھا۔ شیر کے

لہجے اور انداز کا بر فیلا پن اسے خوف زدہ کر گیا۔

"ہاں احمر۔۔ میں۔۔ تم۔۔ اور احمر۔۔ میں تم دونوں کو کزان چھوڑ کر واپس

آؤں گا۔۔ اپنی نگرانی میں۔۔ سنا تم نے؟"

"کیا مطلب۔۔ کیا ہوا ہے؟ میں کہیں نہیں جا رہا جہاں آپ ہوں گے

وہیں میں رہوں گا۔۔" دوسری طرف غازی جیسے بدک گیا ہو۔۔ لہجے میں

احتجاج سا پیدا ہوا تھا۔

"کچھ بھی نہیں ہوا۔۔ نہ کچھ ہو گا۔۔ لیکن میں تم دونوں کو وہاں لے جا رہا

ہوں۔۔"

"میں کوئی بچہ نہیں ہوں بھائی۔۔"

"میں بھائی کی حیثیت سے بات نہیں کر رہا غازی۔۔" شیر نے درشتی سے

کہا۔

"جس حیثیت سے بھی کرتے رہیں میری بھلا سے میں کہیں نہیں جا رہا
-- اللہ حافظ --"

شیر اسے پکارتا رہ گیا لیکن وہ مزید کچھ سنے بغیر فون بند کر گیا۔ شیر نے
لب بھینچتے فون بند کیا اور وارڈروب کے خفیہ خانے میں پٹخ کر وارڈروب
بند کر دی۔

اسی پل اس کا فون پھر بجنے لگا اس نے میز کے قریب جھک کر اسکرین
دیکھی۔ ڈینیل کا نام دیکھتے اس نے مائیکروفون اٹھایا۔
"ماسٹر --"

"میں تیار ہوں۔۔ اندر آؤ اور میرا بریف کیس ریڈی کرو۔" شیر نے حکم
دیتے فون بند کیا اور اپنا ذاتی لیپ ٹاپ اٹھا کر وارڈروب کی نچی دراز میں
رکھتے اسے لاک کیا۔ چہرے پر ہنوز گہری سوچ کا سایہ تھا۔ ایک عجیب سی

کشمکش تھی جو اس کے چہرے سے ظاہر تھی۔ ڈینیل نے اندر داخل ہوتے اس کے چہرے کے تاثرات جانچے اور پھر تیزی سے آگے بڑھ کر اس کا بریف کیس پیک کرنے لگا۔

"ماسٹر! بگ باس کی کال۔۔"

"دفع کرو اسے۔۔" شیر نے تلخی سے کہا اور دونوں ہاتھ پتلون کی جیب میں اڑس لیے۔ ڈینیل نے کنکھیوں سے اسے دیکھا اور پھر بریف کیس اٹھا کر اس کے اگلے حکم کا انتظار کرنے لگا۔ شیر نے قدم آگے بڑھاتے اسے اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا اور خود تیزی سے باہر نکل گیا۔ ڈینیل بھی اس کے پیچھے لپکا۔ ڈینیل کے چہرے پر سنجیدگی اور خوف کے تاثرات تھے۔ شیر کا یہ انداز اس کی روح قبض کیے ہوئے تھا۔ وہ لفٹ

میں کھڑے کھڑے کنکھیوں سے اس کی آنکھوں کے تاثرات جانچتا رہا
پھر قدرے ہچکچا کر پوچھا۔

"ماسٹر آپ ٹھیک ہیں۔؟"

"ہاں!" شیر نے سنجیدگی سے مختصر جواب دیا اور لفٹ رکنے پر تیزی سے
باہر نکل گیا۔



جی ایف ایس آر ریزیڈنسی کے اندر بنے اس عظیم الشان ہوٹل کے باہر
ان گنت سائن بورڈ لگے تھے۔ چہل پہل بھی معمول سے زیادہ تھی۔ ہر
ایک شخص جلدی میں نظر آ رہا تھا۔ ہر ایک کے ہاتھوں میں سامان دکھائی
دے رہا تھا۔ سکیورٹی بھی معمول سے زیادہ تھی۔

"The glamour Gala"

کا بڑا سا پینا فلیکس دور ہی سے دکھائی دے رہا تھا۔ اندر ہی ایک انتہائی وسیع ہال میں کئی لوگ دکھائی دے رہے تھے۔ ہال کے اوپری حصے پر ریلینگ کے پاس صوفیہ اور ہیزیل ریچل کے ساتھ کھڑی تھیں۔

"تم شو اسٹاپر سے ملی؟۔" صوفیہ نے ہیزیل کی جانب دیکھتے سوال کیا۔

"وہ کب آئی؟" ہیزیل نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

"کچھ دیر قبل ہی "روئے" کی سی ای او میلینا گوڈن کے ساتھ یہاں پہنچی ہے۔" صوفیہ نے اطلاع دی اس کے انداز میں سرد مہری تھی۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے اس نے چند لمحے توقف کیا۔

"کیا تم نے جو کہا تھا تم اس کے لیے پر یقین ہو۔" ہیزیل کے چہرے کو بغور دیکھتے اس نے آواز کچھ دھیمی کر لی۔

"ریچل تمہیں میں نے جنت کے بائو ڈیٹا کا کہا تھا؟ کچھ ملا؟" ہیزیل نے اپنی اسٹنٹ سے سوال کیا۔ اس نے فوراً نفی میں گردن ہلائی۔

"سوری میم! ڈاکیو منٹس حاصل نہیں کر سکی میں۔"

"تم کبھی کوئی کام ڈھنگ سے نہیں کرتی۔" ہیزیل یک دم تلخی سے بولی۔ جس پر ریچل معذرت کرتی سر جھکا گئی۔

"اگر ایسی بات ہوتی تو عمش ذکر تو کرتا۔" صوفیہ نے ریلنگ پر ہاتھ پھیرتے کہا۔

"تمہاری بھول ہے۔ اس نے جنت کو پچھلے پندرہ سولہ سالوں سے جانے کس کنوئیں میں چھپا کر رکھا کوئی نہیں جان سکا۔ تو وہ کیوں بتانے لگا کہ اس کی ایک بیٹی ہے۔"

"کس کی ایک بیٹی ہے؟" اسی پل عمش ان کے یک دم قریب آکر رکا اور صوفیہ کے کاندھے پر بازو پھیلاتے دونوں کی جانب سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"تمہاری!" صوفیہ نے اس کا بازو ہٹاتے سنجیدگی سے کہا۔ عمش نے کوئی رد عمل ظاہر نہ کرتے گہری سانس لی۔

"میری بیٹی کا یہاں کیا ذکر۔"

"تمہاری بیٹی ہے کوئی؟" صوفیہ نے سرد مہری سے پوچھا۔
"اب یہ مت کہنا کہ تم نہیں جانتی تھی؟" عمش نے ہنستے ہوئے کہا اور ریلینگ کے قریب آیا۔ ہیزیل نے ابرو اچکا کر عمش کے انداز کو بغور دیکھا۔

"میں ابھی اسی سے مل کر آرہا ہوں۔" عمش نے دونوں کی جانب دیکھتے
کہا۔ ہیزیل کے چہرے کا رنگ پل بھر میں بدلا تھا۔ اس نے گہری نگاہ
عمش کے چہرے پر ڈالی۔

"مجھے تو ملوایا ہی نہیں تم نے۔" اس نے لہجے کی تلخی کو کم کرتے
کہا۔ جنت کو یوں منظر عام پر دیکھ کر جانے کیوں اس کے انگ انگ میں
لپیٹیں اٹھ رہی تھیں۔

"مل لینا یہی ہے۔" عمش نے اسی کے انداز میں جواب دیتے صوفیہ پر
ایک مسکراتی نگاہ ڈالی اور اس کا گال تھپتھپاتا آگے بڑھ گیا۔ صوفیہ اور
ہیزیل کے درمیان خاموش گہری نگاہوں کا تبادلہ ہوا تھا۔ جبکہ راہداری کی
جانب بڑھتے عمش کے چہرے کے پرسکون تاثرات الجھن میں بدلے
تھے اس بے اختیار پیشانی پر چمکتا پسینہ پونچھا۔ اگلے ہی پل اسے وہ لمحات

یاد آئے جب جنت نے تین فیشن انڈسٹری کے اہم لوگوں کے سامنے اس کے ملے بغیر اس کے منہ پر دروازہ بند کیا تھا۔ دس منٹ قبل کی بات تھی جب وہ جنت کے آنے کی اطلاع پا کر اس کے کمرے کی جانب آیا تھا۔ کمرے کا دروازہ اسے دیکھتے ہی کھول دیا گیا وہ وہیں گیٹ پر کھڑا تھا جب اس نے جنت کے ساتھ ایک معروف میک اپ آرٹسٹ اور ایک مشہور برانڈ کے مینیجر کو کھڑا دیکھا۔ اس نے مسکرا کر ہاتھ ہلایا اور جنت کی جانب دیکھ کر مسکرایا۔

"کیا میں اندر آسکتا ہوں؟"

"بالکل نہیں۔۔" جنت کی درشت اور سرد آواز میں غصہ تھا۔

"میں کچھ بات کرنا چاہتا تھا۔" اس نے لہجے کو دھیمار کھا۔

"مسٹر عمش مجھے ہر اسماں کرنا بند کریں۔۔۔ پلیز۔۔۔" جنت نے تیز لہجے میں حقارت سے کہا۔ اس کے پاس کھڑے لوگوں کے چہروں پر حیرت و بے یقینی کے تاثرات رقم تھے۔ جنت نے تیزی سے آگے بڑھ کر پوری قوت سے دروازہ عمش کے منہ پر بند کر دیا تھا۔ عمش وہیں گیٹ پر پتھر کی مورت بنا کھڑا رہ گیا۔ عمش جھرجھری لیتا خیالات سے باہر آیا اور ایک گہری سانس اندر لی۔

"آخر یہ لڑکی چاہتی کیا ہے؟" وہ اپنے آپ میں بڑبڑایا اور پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتا آگے بڑھتا گیا۔



ہیزیل اپنا لانگ کوٹ اتار کر ریچل کو پکڑاتی نیچے کی جانب بڑھ رہی تھی تاکہ مزید معاملات دیکھ سکے لیکن اس سے قبل ہی اس کا فون بجنے

لگا۔ اس نے بیزاری سے ریچل کی جانب دیکھا اور فون اس سے لے کر
نمبر دیکھا۔ اسکرین پر "Big Boss" چمکتا دیکھ وہ وہیں رک گئی۔ اس کے
تاثرات ایک پل کو بوکھلاہٹ میں بدلے لیکن اگلے پل اس نے خود کو
سنبھال لیا اور فون کان سے لگایا۔

"کہاں ہو؟" دوسری جانب سے سنجیدگی سے پوچھا گیا۔
"میں ہوٹل میں ہوں۔۔ فیشن فیسٹ ہے آج شام یاد ہے ناں؟"
"شیر کے پاس جاؤ۔" دوسری جانب سے اس کی بات کو یکسر نظر انداز
کر دیا گیا۔ لہجہ قدرے خشک اور سنجیدہ تھا۔
"ڈیڈ میں مصرو۔"

"میں نے کہا شیر کے پاس جاؤ۔" دوسری جانب سے غراہٹ ابھری

"اوکے۔۔" ہیزیل نے تیوری چڑھاتے کہا اور فون کاٹا اور غصیلے انداز میں ریچل کو پکڑا کر پلٹی۔ ریچل اس کے جارہانہ انداز پر خائف سی ہو کر اسے دیکھتی رہی۔

"یہیں رہو تم! اور معاملات پر نظر رکھنا۔" ہیزیل نے اسے حکم دیا اور اپنا کوٹ اس کے ہاتھ سے چھین کر ہیل بجاتی تیزی سے وہاں سے چل دی۔ ریچل وہیں کھڑی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی پھر تھکی تھکی سانس خارج کرتی مخالف سمت میں بڑھنے لگی۔

"ان لوگوں کے ساتھ کام کرنا کتنا مشکل ہے۔۔" وہ دل ہی دل میں بڑبڑاتی تھی۔



"یہ لسٹ ہے۔۔ اسے پبلش کرنے کے ساتھ ساتھ ان تمام لوگوں کی معطلی خطوط جاری کر دو۔۔" شیر نے لسٹ درمیان میں رکھتے سنجیدگی سے کہا۔ وہاں بیٹھے ہر ایک نفوس کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ سب کے سب حیرت و الجھن کے ساتھ خوف کا بھی شکار دکھائی دیتے تھے۔ ڈینیل اب اس کا بریف کیس بند کرنے لگا۔ شیر نے اپنی پاکٹ وائچ پر نگاہ ڈالتے اسے کوٹ کی جیب میں رکھا۔

"Have a good day" ..

کہتے باہر کی جانب بڑھتا ہی سامنے کانفرنس روم میں ہیزیل داخل ہوئی۔

"Hello"!

ہیزیل نے اسے دیکھتے کہا۔ شیر نے سرسری نگاہ اس پر ڈالتے اثبات میں گردن ہلائی اور باہر نکلنے لگا ہیزیل اس کے ہمراہ ہی باہر نکلتی اس کے ہمقدم ہوئی۔

"Dad is calling me for you.. ..he has something to talk about" ..

اس نے اپنا فون شیر کی جانب بڑھاتے دھیمے لہجے میں کہا۔ آخری بار کی ملاقات کے بعد سے وہ کچھ خائف اور محتاط تھی۔

"اگر مجھے تمہارے ڈیڈ سے بات کرنی ہوتی تو میں اپنے فون سے بھی کر سکتا تھا۔ ہر بار وہ تمہیں یوں بھیج دیتا ہے جیسے کہ میں انتظار میں ہوتا ہوں تمہارے فون سے اس کو جواب دینے کے لیے۔" وہ سرد مہری سے کہتا آگے بڑھتا گیا۔

"کیا پتا کوئی ضروری بات ہو۔۔" ہیزیل نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے
کہا۔

"ہوتی رہے۔۔"

"وہ کہہ رہے ہیں کہ ان کے آنے تک میں تمہیں کہیں بھی جانے سے
روکوں۔۔" ہیزیل نے جھجھکتے ہوئے کہا۔

"کیا تم روک سکتی ہو؟" شیر کا انداز آج عجیب تھا۔ بے حد عجیب۔۔ مقابل
کے رونگھے کھڑے کر دینے کی حد تک عجیب۔ ہیزیل جھر جھری لے کر
رہ گئی۔

"مجھے چلنا چاہیے پھر۔۔" وہ کہہ کر ایک طرف بڑھنے لگی اور پھر یک دم
رکی اور شیر کی پشت کو دیکھتے ایک پل کو کچھ سوچا پھر اسے پکارا۔

"کیا تم آج شام گلیمر گالا میں آؤ گے؟" اس نے سوال کیا۔ جس پر شیر نے گردن گھما کر اسے دیکھا اور کوئی جواب دیے بغیر آگے بڑھنے لگا۔

"جنت ہوگی وہاں۔۔۔" ہیزیل کی آواز اب کے بلند تھی۔ شیر ان سنی کرتا آگے بڑھتا گیا۔ ہیزیل کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ چہرے کے تاثرات میں الجھن اتری۔ ڈینیل نے گردن گھما کر ہیزیل کی جانب دیکھا پھر خود بھی تیز قدموں سے آگے بڑھتا گیا۔ ہیزیل دونوں ہاتھ کوٹ کی جیب میں ڈالتی پلٹ رہی تھی جب اس کا فون بجنے لگا۔ اس نے بیزاری سے نفی میں گردن ہلاتے فون کان سے لگایا۔

"کہیے ڈیڈ؟"

"شیر کہاں ہے؟" دوسری طرف سے پہلا سوال یہی تھا۔ ہیزیل نے بڑی گہری سانس لی تھی۔ ایک اکتاہٹ سی اس کے اندر پیدا ہوئی۔

"وہ چلا گیا ڈیڈ! میری کوئی بات سنے بغیر۔۔" اس نے بے حد آہستگی سے کہا تھا۔

"تم نے اسے۔۔"

"ڈیڈ!" ہیزیل نے یک دم خفگی سے باپ کو پکارا۔ دوسری طرف لمحاتی سکوت اتر۔

"آپ جانتے ہیں وہ وہی کرتا ہے جو اس کا دل چاہتا ہے۔ ہمیشہ سے۔ وہ کبھی میرے اس کے پاس جا کر آپ کا پیغام پہنچانے کو سنجیدگی سے نہیں لیتا۔ کبھی بھی نہیں۔ آپ اپنے اور شیر کے درمیان مجھے ثالثی کردار نبھانے کے لیے زور مت دیا کریں۔ میں اب شیر کے آس پاس جانے کے خیال سے اکتا جاتی ہوں۔۔" اس کا لہجہ اس پل ذرا سا لڑکھڑایا تھا۔

"اپنے اور اس کے مسئلے خود حل کر لیا کریں۔۔ پلیز۔۔" اس نے التجائی انداز اپنا کر دوسری جانب سے کچھ سنے بغیر کال بند کر دی اور ایک چند گہری سانسیں لیتی راہداری کے اختتام پر گلاس وال کے قریب چلی آئی۔ باہر کے منظر پر ایک نگاہ ڈالی۔ شام قریب تھی۔ آسمان نارنجی روشنی سے چمکتا دکھائی دے رہا تھا۔ کچھ پل وہیں کھڑی رہ کر وہ باہر آسمان کو تکتی رہی پھر کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے مخالف سمت میں بڑھنے لگی۔ اس کے چہرے کے تاثرات اب نارمل تھے۔



شارجہ کے اس عام سے علاقے میں واقع اپارٹمنٹ کا ماحول معمول سے کچھ ہٹ کر افراتفری کا شکار لگتا تھا۔ حاشر کے سوا سب ہی کچھ پریشان

اور ذرا گھبرائے ہوئے سے لگتے تھے۔ طوبیٰ اپنے سیاہ لمبے جوتوں کے اندر
ننھا سا خنجر اڑتی سیدھی ہوئی تو سامنے حاشر کو کھڑا پایا۔
"پسٹل رکھ لیں۔" حاشر نے اسے ہدایت کی۔

"میں کون سی رکھوں؟" اریب نے سوال کیا۔
"تم آٹومیٹک رکھو۔" حاشر نے کہا۔ کچھ فاصلے پر منان نقشہ میز پر
پھیلائے بیٹھا تھا۔ حنین لیپ ٹاپ پر جھکا تیزی سے کچھ ٹائپ کر رہا
تھا۔ ان سب کے چہروں پر عزم اور جوش کے علاوہ ایک اور احساس بھی
تھا جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اندیشے، گھبراہٹ اور ہمت کی
آمیزش کا رنگ جو ہر اس سپاہی کی آنکھوں میں چمکتا اور تاثرات سے
جھلکتا ہے جو اپنی زندگی اور موت کا قصہ رب کائنات پر چھوڑ کر وطن اور
فرض کی خاطر میدان میں اترنے کی تیاری میں ہوتا ہے۔

"میں پہلے جاؤں گا۔ سب مجھ سے رابطے میں رہیں۔"



شارجہ کی فضاؤں میں شام ہوتے ہی ہلکی سی خنکی اتر آئی تھی۔ جی ایف ایس آر ریزیڈنسی کا احاطہ تیز روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ بے شمار گاڑیاں اور ہر رنگ و نسل کے لوگوں کا ہجوم سا تھا جو اندر اور باہر کی جانب مختلف سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ وسیع و عریض ہوٹل کی لابی اور راہداری میں ہوٹل ورکرز مخصوص ٹی شرٹ اور آئی ڈی کارڈز پہنے تیزی سے کاموں میں مصروف دکھائی دے رہے تھے۔ ایک جانب میڈیا کے لوگ تھے جو اپنی تیاریوں میں مگن تھے۔ مرکزی ایونٹ ہال کو سفید اور سنہرے تھیم کے مطابق سجایا گیا تھا۔ درمیان میں سفید ریمپ بنائی گئی تھی۔ دونوں جانب قطار سے میزیں رکھی گئی تھیں۔ رفتہ رفتہ حاضرین

ایونٹ ہال میں داخل ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ نشستوں پر دھیرے دھیرے لوگوں کی بڑھتی تعداد دکھائی دے رہی تھی۔ بیرے ٹرالیاں لیے ہر نشست کے قریب سے گزرتے کچھ پل رکتے پھر آگے بڑھ رہے تھے۔ دفعتاً وہ اندر داخل ہوا۔ دراز قد مضبوط جسامت تمام لوگوں میں نمایاں تھی۔ سیاہ لانگ کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ اڑسے وہ بے نیاز اور پرسکون انداز میں چلتا سامنے کی نشستوں میں سے ایک پر آبیٹھا۔ آنکھوں پر ہلکے رنگ کی عینک تھی۔ جو دیکھنے پر نظر کی لگتی تھی۔ بال سلیقے سے بنے ہلکی شیو نفاست سے تراشی ہوئی تھی۔ اس نے نشست سے ٹیک لگا کر ٹانگ پر ٹانگ رکھتے آس پاس نگاہ ڈالی۔

"کمانڈر آپ پہنچ گئے۔" دوسری جانب سے طوبی کی آواز سنائی دی۔

"جی!"

"میں بھی ریزیڈنسی کی بیک پر ہوں۔۔ یہاں بالکل سناٹا ہے۔۔ لگتا ہے آج کے دن تمام سرگرمیاں روک دی گئی ہیں۔۔" طوبیٰ نے کہا۔

"لیکن ہمیں ہوشیار رہنا ہے کیا پتا آج ہی کہ دن کوئی خاص سرگرمی طے پائی ہو۔۔" اب کے اریب کی آواز آئی۔

"تم اپنی مقررہ جگہ پر پہنچ گئے ہو؟" حاشر نے سوال کیا۔
"جی!" اریب کی آواز آئی۔

"حنین، منان دونوں ہوشیار رہنا۔" حاشر نے ہدایت کی۔

"ویسے کیا میں کچھ پوچھ سکتی ہوں؟" طوبیٰ نے دھیمے لہجے میں سوال کیا۔
"جی پوچھیے۔" حاشر نے نرمی سے سوال کیا۔

"آپ اندر ہال میں فیشن شو دیکھنے گئے ہیں؟" طوبیٰ نے الجھے انداز میں سوال کیا۔

اریب سمیت حنین اور منان کی ہنسی اچانک چھوٹی تھی۔ حاشر نے لب آپس میں پیوست کرتے مسکراہٹ روکی۔

"کیوں ہنس رہے ہیں سب ایسا کیا پوچھ لیا ہے میں نے۔۔" طوبی نے تنک کر سوال کیا حاشر کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"نمبر ایک مجھے شک ہے کہ شیر اور جی ایف ایس آر کے دیگر افراد کے بیچ معاملات ٹھیک نہیں ہیں۔ میں اس کا ٹچ لینا چاہتا ہوں۔ دوسرا کسی ایمر جنسی کی صورت میں آپ لوگوں کے پاس جلد پہنچنے کے لیے میرا آس پاس رہنا ضروری ہے۔ یہاں آکر بیٹھنے کا مقصد یہ ہے کہ یہاں تقریب کے اندر موجود رہنے سے میں کسی کی نظر میں فوراً نہیں آؤں گا۔" حاشر نے مخصوص دھیمے لہجے

میں کہتے سامنے رکھے گلاس کو اٹھا کر لبوں سے لگایا۔ دوسری جانب خاموشی چھا گئی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو طوبیٰ کیا تمہاری تسلی ہو گئی۔۔" اریب کی آواز آئی۔ حاشر کے تاثرات تبدیل ہوئے اس کی توجہ دوسری طرف سے آنے والی آواز کی منتظر تھی۔

"تارے دیکھ رہی ہوں۔۔" طوبیٰ نے بے نیازی سے کہا۔ حاشر نے بے اختیار گہری سانس اندر لیتے آس پاس نگاہ ڈرائی۔

"تارے پسند ہیں تمہیں۔۔" پھر اریب کی آواز آئی۔

"کس کو پسند نہیں ہوتے؟" طوبیٰ نے جیسے خفا ہو کر سوال کیا تھا۔

"وہ تو ہوتے ہیں لیکن مجھے لگا تمہیں صرف جامنی بال۔۔"

"ٹھنڈے لطیفے چھوڑ کر کام پر دھیان دو۔" طوبیٰ نے اسے فوراً جھڑک

دیا۔ حاشر خاموشی سے تھوڑھی پر مٹھی جمائے بیٹھا تھا۔

"آپ کیا سوچ رہے ہیں کمانڈر؟" طوبیٰ کی آواز آئی۔

"کچھ نہیں۔" حاشر نے نرمی سے جواب دیا۔ کچھ پل دوسری جانب گہری

خاموشی رہی۔

"میں سوچ رہی ہوں۔۔۔ مرنے کے بعد میں ستاروں کے پار سے دنیا

دیکھوں گی اور میری پہلی نظر آپ پر پڑے گی۔"

حاشر کئی پل تک سانس روکے رہا کہ کہیں دھڑکن کی بڑھی ہوئی رفتار کو

دوسری جانب سن نہ لیا جائے۔ حاشر کے چہرے پر تاثرات جم سے گئے

تھے۔ آنکھوں میں سرخی سی اتری۔ حاشر واقعاً اندر تک ساکت رہ گیا

تھا۔ جملہ مسلسل اس کی سماعت میں گونجتا رہا۔ ان سب کے بیچ گہری خاموشی اتر آئی تھی۔



غازی ایک ہاتھ پیٹ کی جیب میں ڈالے دوسرے ہاتھ سے جوس کا کین تھامے ریزیڈینسی کے عقبی حصے کی جانب بڑھتا دکھائی دے رہا تھا۔ اندھیرا پھلتے ہی یہاں نیم روشنی سی چھائی ہوئی تھی۔ درختوں کی آڑ سے ہوتا وہ کچھ فاصلے پر جا کر اچانک ہی ٹھہر گیا۔ اسے ایک سایہ سا دکھائی دیا تھا۔ وہ وہیں کھڑا رہا۔ سامنے راستہ صاف ستھرا تھا۔ اندھیرا بھی زیادہ تھا لیکن وہ ایک ہیولہ کھڑا محسوس کر سکتا تھا۔ دفعتاً اس کے کان پر لگے آلے میں بپ ہوئی۔ اس نے رابطہ بحال کیا لیکن کچھ نہ بولا۔

"تم وہاں کیا کر رہے ہو؟" شیر کی سرد آواز اسے اندر تک اترتی محسوس ہوئی۔

"تماشہ دیکھنے آیا ہوں۔" اس نے سرگوشی نما لہجے میں جواب دیا۔
"تماشہ دیکھنے تو گئے ہو خود تماشہ مت بن جانا۔" شیر نے قدرے تلخ لہجے میں کہا تھا۔

"بن گیا تو؟" غازی کو جانے کیا سوچی تھی۔ آواز ہنوز قدرے کم تھی۔
"تو پھر تمہارا بعد میں جو تماشہ میں بناؤں گا ناں اس کے بعد ساری زندگی تماشہ دیکھنے کی خواہش نہیں کرو گے۔" شیر نے اسے سختی سے جھڑکا تھا۔

"I love you"...

غازی نے جواباً دھیمے لہجے میں کہا۔ دوسری جانب لمحاتی خاموشی چھاگئی اور پھر فون بند کر دیا گیا۔



ایونٹ ہال تقریباً بھرچکا تھا۔ ایونٹ شروع ہونے میں فقط چند لمحے باقی تھے جب اچانک ہی اس کے برابر میں کوئی آکر بیٹھا۔ اس نے دیکھنے کی یا جاننے کی کوشش نہیں کی۔ یوں ہی سامنے دیکھتا رہا لیکن اس کے نتھنوں سے ایک تیز خوشبو ٹکرائی تھی۔

"اتنے انجان بن کر تو یوں بیٹھے ہو جیسے تمہیں کوئی نہیں پہچانے گا۔" ہیزیل سنجیدگی سے بولی تو اس نے گردن گھما کر ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالی۔ گہری نیلی رنگ کی گھٹنوں سے ذرا اونچی میکسی جس کا گلا اور آستین ندارد تھے۔ گلے میں سنہرے موتیوں کا چوکر تھا۔ چہرے پر میک

اپ ایک الگ انداز سے کیا گیا تھا۔ آنکھوں میں بہت زیادہ باہر کی جانب کھینچا گیا لائنز اور گہرے رنگ کے شیڈز تھے۔ اس نے نگاہیں پھیر لیں۔

"کیسی لگ رہی ہوں میں؟" ہیزیل نے سوال کیا۔

"ہمیشہ جیسی لگتی ہو۔" اس کو اپنا انداز بدلنے پر زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی تھی۔

"جنت کے لیے آئے ہو ناں؟" ہیزیل نے طنزیہ انداز میں سوال کیا۔ حاشر ایک پل کو خاموش رہا۔

"اگر کہوں تمہارے لیے آیا ہوں تو یقین کرو گی؟" اس نے نشست کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ تب ہی موسیقی کی دھن بدلی اور آس پاس تالیوں کا شور گونجا۔ اس نے اپنی نگاہیں ریپ پر جمادیں۔

"نہیں۔۔ تم میرے لیے کبھی نہیں آسکتے۔" ہیزیل نے تلخی سے کہا۔ حاشر دھیرے سے ہنسیوں کہ اس کے چہرے پر ہیزیل کی نظر نہ پڑے۔ وہ اپنی ہنسی بدل نہیں سکتا تھا۔ اس کی مسکراہٹ اور اس کی ہنسی وہ پہلو تھا جو اس کا ایک دوسرا انسان ہونے کا راز فاش کر دیا کرتا تھا۔

"تو پھر اسی کے لیے آیا ہوں گا۔" اس نے کہتے ہوئے ایک جانب نگاہ دوڑائی تو نگاہیں جم سی گئیں۔ دو آنکھیں تھیں جو بے یقینی سے اس کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ تاثرات میں طوفان سا برپا تھا۔ حاشر نے بے اختیار نظریں چرائیں تھیں دل دھڑک اٹھا تھا اسے لگا اس کی چوری پکڑی گئی۔

"میں اس سے ملنا چاہتی تھی لیکن میں اس سے نہیں مل سکی۔" ہیزیل نے کہا۔

"کیوں۔۔" حاشر نے بمشکل انداز قابو رکھا۔

"لیکن میں نے اسے دیکھا ہے۔۔" ہیزیل کا لہجہ ایک دم سلگ اٹھا تھا۔

"کیا تم اس سے جیلس ہو؟" حاشر کی نگاہ پھر اوپری منزل پر ریلینگ کے ایک نیم تاریک کونے میں کھڑی لڑکی پر گئی۔ سبز آنکھوں والی وہ لڑکی اس کی جانب دیکھ رہی تھی اور وہ جانتا تھا وہ جان گئی تھی۔۔

"میں ہیزیل ہوں۔۔ ہیزیل گولڈن۔۔ جسے اپنے ملازم کی ایک بے وقوف۔۔ ڈرپوک اور۔۔

"سائنس روک دینے کی حد تک حسین بھی۔۔" اس نے پھر اوپر دیکھا تھا۔

"ایکسیوزمی کمانڈر؟" دوسری جانب سے طوبی کی بے یقین اور حیرت میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔ وہ بے اختیار سر جھاکر مسکرایا۔ اتنا مسکرایا کہ اس کے دانت واضح ہوئے اور دھڑکن کی رفتار بے حد بڑھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک اتری تھی۔ اس نے خدا کا شکر بے

اختیار ادا کیا تھا کہ وہ اس وقت سامنے نہیں تھی۔ اس نے سر اوپر اٹھاتے مسکراہٹ کو چھپا کر ایک نگاہ ہیزیل پر ڈالی۔ اس نے جواب نہیں دیا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"طوبی تمہیں سانس آرہی ہے؟" اریب نے شرارتی انداز میں پوچھا تھا۔
 "تمہیں سکون آگیا ہے؟" طوبی کا جلا کٹا انداز سن کر اریب سمیت حنین اور منان بھی ہنس دیے تھے۔ حاشر نے دوبارہ اوپر نہیں دیکھا لیکن وہ جانتا تھا وجود وہیں کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔



جنت جو اس تاریک کونے میں کھڑی ایونٹ ہال کا معائنہ کر رہی تھی جانتی تھی کہ نیچے بیٹھا وہ شخص جو اس پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا، اس تاریکی میں بھی اسے دیکھ سکتا تھا۔ کون تھا۔ شدید حیرت و الجھن میں

گھری وہ پلٹی اور سامنے بطور ڈریسنگ روم مقرر کردہ کمرے میں داخل ہوئی اور اپنا فون اٹھا کر ایک نمبر ڈائل کیا۔ رابطہ بحال ہونے کی امید ایک فیصد سے بھی کم تھی لیکن وہ فون کان سے لگائے کھڑی تھی۔ دوسری جانب سے فون اٹھا لیا گیا۔

"شریم!" اس نے اسے پکارا۔

"جنت؟" شیر کی نرم آواز سنائی دی۔

"تم کہاں ہو؟" اس نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے کہاں ہونا چاہیے؟" شیر نے ذرا رک کر جواباً سوال کیا۔

"تم یہاں نہیں ہو۔" جنت نے کچھ پل کے توقف سے کہا۔ آواز دھیمی تھی۔

"حکم کروگی تو سر کے بل چلتا ہوا آؤں گا۔" مسکراتے لہجے میں کہتے

شیر نے اس کے مزاج کا بو جھل پن پل بھر میں زائل کیا۔

"میرے حکم پر آنے کی ضرورت نہیں۔" وہ کچھ خفگی سے بولی لیکن

لب مسکرا رہے تھے۔ اس نے وہ وجہ بھی فراموش کردی جس کے لیے

اس نے فون کیا تھا۔

"دل کی بھی یہی خواہش ہے۔" شیر نے مزید کہا۔ جنت کی مسکراہٹ

گہری ہوئی۔

"کوئی ہے جو یہاں تمہارا روپ لیے بیٹھا ہے۔" جنت نے سنجیدگی سے

کہا۔ دوسری جانب شیر کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزرا۔

"کیا پتا میں ہی ہوں۔"

"تم نہیں ہو۔۔۔ تمہارا بھائی ہے وہ۔" جنت نے کہا۔

"تمہیں کیسے پتا؟" شیر کا لہجہ بدلا ہوا تھا۔

"تمہاری آنکھیں کبھی ویسی ہوا کرتی تھیں جیسی اس کی ہیں۔ تم نے روس میں رہتے ہوئے اپنی آنکھوں کی ساخت بدلی ہے۔ اس کی ویسی ہی ہیں جیسی پندرہ سال پہلے تمہاری تھیں۔ بڑی اور گولائی میں گہرا پن لیے ہوئے۔ اور تم نے روسیوں جیسی لمبائی میں کروائی ہیں۔ ہیزیل اس کے برابر میں اسے شیر سمجھ کر بیٹھی ہوئی ہے۔" آخری جملے پر جنت نے جیسے لطف اٹھایا ہو۔

"بہت چالاک ہو تم چھوٹی چڑیل۔" شیر بے اختیار ہنس دیا۔

"اور ایک بات۔۔" جنت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" شیر نے سوالیہ انداز اپنایا۔

"وہ مجھے ویسے نہیں دیکھ رہا تھا جیسے تم دیکھتے ہو۔۔" جنت کا لہجہ دھیمہ ہوا۔

"میں کیسے دیکھتا ہوں؟" شیر ایک پل کے لیے حیران رہ گیا۔

"جیسے۔۔" جنت کو سمجھ نہ آیا کیسے بیان کرے۔

"جیسے؟" شیر جاننے کو بے تاب تھا۔

"جیسے کہ کوئی اپنی جنت دیکھتا ہے۔۔"

شیر بے اختیار مسکرایا تھا۔

"ہاں میں اپنی جنت ہی دیکھتا ہوں۔۔" اس کی آواز اور لہجے کی تبدیلی نے

جنت کا دل دھڑکنے پر مجبور کیا۔ اس کے چہرے پر سرخی اتری۔

"Little witch"!...

شیرِ محبت بھرے گھمبیر لہجے میں کہتا رابطہ منقطع کر گیا۔ جنت کال ریکارڈ ختم کرتی وہیں بیٹھ گئی۔ چہرے پر مسکراہٹ اتری ہوئی تھی۔



"یہاں تو موت کی خاموشی ہے۔۔ لگتا ہے کسی قبرستان میں کھڑے ہیں۔۔" اریب کی بڑبڑاہٹ پر طوبیٰ نے کوئی جواب نہ دیا۔

"میں جس گیٹ کے سامنے کھڑی ہوں اس کے اندر سے مجھے زرا سی روشنی دکھائی دے رہی ہے۔۔" طوبیٰ نے آہستگی سے کہا۔

حاشر اپنی جگہ سے اٹھ کر سر جھکائے ایک جانب بڑھنے لگا۔

"چھپ جائیں آس پاس کوئی درخت ہے تو۔۔" حاشر نے حکم دیا۔

"ٹھیک ہے۔" طوبیٰ کہتی ہوئی کچھ قدم پیچھے ہٹی اور درخت کی آڑ میں ہو گئی۔

حاشر ابھی راہداری کے سامنے ہی تھا۔ موسیقی کی دھن یہاں کم تھی۔

کہاں جارہے ہو؟" ہیزیل نے اسے پکارا وہ ٹھہر گیا لیکن پلٹا نہیں۔

"تمہاری عادت نہیں جائے گی ناں یوں چوروں کی طرح محفلوں میں

آنے جانے کی؟" وہ اس کے قریب کھڑی ہوتی مسکراتی نظروں سے

اسے دیکھتی رہی۔

"تم بھی نہیں بدلو گی۔ نہ تمہاری عادت جائے گی یوں ہر جگہ میرا

تعاقب کرنے کی۔"

"تم کرنے کہاں دیتے ہو تعاقب۔ ہمیشہ بچ کر نکل جاتے ہو۔" ہیزیل

نے دونوں ہاتھ اس کی گردن میں جھانک لیے اس سے قبل کے وہ مزید

قریب آتی وہ یک دم بدک کر خود کو چھڑاتا پیچھے ہوا تھا۔ ہیزیل کے اس

اچانک عمل پر وہ واقعاً بوکھلاہٹ کا شکار ہوا تھا۔

"تمہارا پرفیوم بہت اسٹرانگ ہے۔۔ دور رہو مجھ سے۔۔" ناپسندیدگی سے کہتے اپنا کالر درست کیا اور ایک قدم پیچھے ہٹا۔ لیکن ہیزیل خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"تمہیں اسٹرانگ پرفیوم نہیں پسند؟" ہیزیل نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔ حاشر نے ایک ناگوار نگاہ اس پر ڈالی اور کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گیا۔ ہیزیل گردن گھمائے مسکراتے ہوئے اسے جاتے دیکھتے رہی۔ یہاں تک کہ وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ ہیزیل سر جھٹکتی پلٹ گئی۔

"کمانڈر!"

"بولیں مس طوبی۔۔" حاشر ہال سے دور جاتے ہوئے کہہ رہا تھا

"آپ ٹھیک ہیں؟" طوبی کا لہجہ محتاط پر انداز میں سنجیدگی سی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔۔" اس نے جواب دیا۔

"ہیزیل۔۔۔"

"Let her go" ..

حاشر نے ناپسندیدگی سے کہا۔ وہ ہیزیل کے عمل سے بے حد بری طرح چڑسا گیا تھا۔ اسے اپنی نسوانیت کا یوں استعمال کرتیں لڑکیاں کبھی پسند نہیں رہی تھیں۔ اس نے بے اختیار گردن اور ہونٹوں کو رگڑتے خود کو کمپوز کیا تھا۔

ہیزیل ایونٹ ہال میں داخل ہوئی اور فون پر ایک نمبر ڈائل کیا۔
"ریچل! ایکزٹ کوریڈور کی سی سی ٹی وی فوٹیج حاصل کرنے کے بعد
ریکارڈ کلیر کروادو۔۔۔"

"شیور میم!" دوسری طرف سے تابعداری سے کہا گیا۔ ہیزیل نے مزید کچھ کہے بغیر فون بند کیا اور دوبارہ اپنی جگہ پر آ بیٹھی۔ اس کے چہرے پر گہری مسکراہٹ تھی۔



حاشر ایک قدرے خاموش کونے میں بیٹھا گود میں لپ ٹاپ لیے تیزی سے بٹن پریس کر رہا تھا۔ قریب ہی اریب کھڑا بغور اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اسکرین پر کلپ چلنے لگی۔ یہ راہداری والی وہی کلپ تھی جس میں ہیزیل اور حاشر ساتھ تھے۔ اریب بے اختیار جھکا۔ حاشر نے گردن گھما کر اریب کو گھورا۔ اریب فوراً سیدھا ہوا۔

"یہ کیا ہے۔۔" اریب نے نگاہیں اسکرین پر ہی رکھیں۔ وہ خود کو پوچھنے سے روک نہ پایا۔

"اس نے اچانک یہ کرنے کی کوشش کی تو میرا فوکس ایک سیکنڈ کے لیے آؤٹ ہوا میں سی سی ٹی وی کی ریج میں اپنا چہرہ لے آیا تھا۔۔" اس نے جانے کیوں وضاحت دی تھی۔ طوبیٰ کی جانب یک دم خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اریب نے دوبارہ اسے نہیں چڑایا تھا۔ فقط حاشر کے بلانے پر اس کے پاس چلا آیا تھا۔ ان کے بیچ معنی خیز سی خاموشی اتری ہوئی تھی۔

"I can see some signals...mannan can you please confirm"?

حاشر نے سنتے ہی فوراً ایک بٹن پریس کر کے لیپ ٹاپ اریب کو پکڑایا۔

"Get ready guys" ..

حاشر نے تحکم سے کہتے اریب کو جانے کا اشارہ کیا تھا۔



شیر اپنے مخصوص حلیے میں ڈینیل کے ہمراہ ایونٹ ہال میں داخل ہوا۔ ایک لمحہ لگا تھا ایونٹ ہال میں سب کی توجہ اس کی جانب بھٹکنے میں۔ وہ کریم کلر کا لانگ کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ ایک ہاتھ کوٹ کی جیب میں ڈالے وہ بے نیاز و مغرور چال چلتا سامنے کی نشستوں کی جانب بڑھا۔ ہیزیل بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھی۔ اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھٹنے کے قریب تھیں لیکن اس نے چکراتے سر کو سنبھالتے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ سجاتے اس نے اس کا ہاتھ کہنی سے پکڑتے اسے نشست پیش کی۔ شیر نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی اور ایک انداز سے بیٹھتا پیچھے کی جانب ٹیک لگالی۔

ہیزیل نے ایک تفصیلی نگاہ اس کے حلیے پر ڈالی۔ وہی معمول کے مطابق باریکی اور انداز سے کٹے بال نفاست سے ترشی ہوئی شیو۔

"کیا کرنے آئے ہو یہاں؟" ہیزیل کا لہجہ بدلا ہوا تھا۔

"حسین لڑکیاں دیکھنے۔" شیر نے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہال میں نگاہیں دوڑائیں۔ ہیزیل اسے دیکھ کر رہ گئی۔ یہی انداز تھا اس کا۔ وہ اپنی شناخت کے ساتھ عوام میں آتا تھا تو وہ ہر ایک چیز پر دھیان دیتا تھا۔ اپنے حلیے سے لے کر اٹھنے بیٹھنے تک۔ کیوں کہ وہ جانتا تھا ہر ایک نگاہ اس کی طرف دیکھ رہی ہے۔

"جنت کو دیکھنے آئے ہوناں؟" ہیزیل نے کچھ سوچتے ہوئے سوال کیا۔

"جنت کو دیکھنے؟" شیر نے گردن گھما کر اس پر نگاہ ڈالی۔ ہیزیل نے جواب نہ پا کر سوال بدلا۔

"کیسی لگ رہی ہوں میں؟" ہیزیل نے اگلا سوال کیا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ شیر نے گردن گھما کر اس پر نگاہ ڈالی۔

"سٹڈریلا کی سوتیلی بہن لگ رہی ہو۔ کیا ضرورت تھی اتنے عجیب شیڈز یوز کرنے کی؟ یا پھر تمہیں اسپاٹ لائٹ میں رہنے کا زیادہ شوق چڑھ گیا ہے۔" شیر نے منہ بنا کر کہا۔ ہیزیل بے اختیار طنزیہ انداز میں ہنس دی۔

"وہ تم سے زیادہ ہینڈ سَم ہے۔ تم سے زیادہ کلاسی۔ تم سے زیادہ چارمنگ۔۔۔ زیادہ نفیس۔۔۔ اور جینٹل۔۔۔"

"He is just breathtakingly sexy.. You know"

ہیزیل نے مسکراتے لہجے میں کہا اور وہاں سے اٹھنے لگی۔

"شکر ہے خدا کا کہ آخر پندرہ سال بعد تمہیں کوئی مجھ سے زیادہ بہتر انسان تو ملا۔" شیر مسکراتے ہوئے بولا تو ہیزیل نے استہزاء انداز میں اس کی جانب دیکھا۔

"جنت کا خیال رکھنا۔۔۔ کچھ دیر قبل اس نے کہا جنت سانس روک دینے کی حد تک حسین ہے۔" ہیزیل نے اسے تپانے کی کوشش کی۔

"کیا اس نے یہ کہا کہ اسے جنت میں جنت دکھائی دے رہی ہے؟" شیر مسکرایا اور سوال کیا۔

"ایسکیوز می؟" ہیزیل الجھی۔

"Never mind lady! Just Leave!"

شیر نے بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا کر اس کا گال سہلایا تو ہیزیل ناک چڑھاتی پیچھے ہٹی اور ایک جانب بڑھ گئی۔ شیر نے ایک گہری سانس لی اور نگاہیں

سامنے کی جانب جمادیں۔ مرکزی تقریب شروع ہونے میں ہنوز کچھ وقت بچا تھا۔ مقامی چھوٹے موٹے برانڈز کی ماڈلنگ جاری تھیں لیکن بڑے اور مرکزی برانڈز ابھی نہیں آرہے تھے۔ شیر یوں ہی بیٹھا رہا بظاہر پرسکون اور مطمئن تھا لیکن ایک عجیب سا احساس اس کے اندر سرایت کر رہا تھا جسے وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

ہیزیل کنٹرول روم میں کھڑی تھی۔ ریچل مانیٹر کے سامنے بیٹھی تھی۔ الجھی ہوئی اور پریشان سی۔

"اتنی آسانی سے یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک سیکنڈ کی کلپ تک نہیں ہے؟" ہیزیل سخت لہجے میں سوال کر رہی تھی۔

"نہیں ہے میم!" ریچل نے پھر بے بسی سے کہا۔

"تم کسی کام کی نہیں ہو ریکل۔۔" وہ اسے جھڑکتی باہر کی جانب بڑھنے لگی۔

"ہونا ہو یہ وہی شخص ہے جس نے ریزارٹ میں گھس کر شیر کو چیلنج کیا تھا۔ کیا یہ شیر کا کوئی جڑواں بھائی ہے؟ کیا شیر کا کوئی بھائی تھا؟ یا کوئی دشمن جو شیر کا روپ دھارے ہمیں نقصان پہنچانا چاہتا لیکن وہ کوئی بہر ویسا نہیں لگ رہا تھا۔" وہ آخر میں بڑبڑائی اور قدموں میں تیزی لاتی دوبارہ ایونٹ ہال کی جانب بڑھنے لگی۔ اندر داخل ہوتے اس نے قدم شیر کی جانب بڑھا دیے اور جا کر اس کے برابر میں بیٹھ گئی۔

"کیا وہ تمہارا بھائی تھا؟" ہیزیل نے سوال کیا۔

"کون؟ کس کی بات کر رہی ہو؟" شیر نے سادگی سے سوال کیا۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو میں کس کی بات کر رہی ہوں۔۔ وہ تمہارا ہم شکل ہے۔۔ اس کی گردن پر گولی کا نشان ہے۔۔ اس کی آنکھیں بالکل تمہاری طرح ہیں۔۔ تم میں اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔۔ اگر تم نے مجھے سچ سچ نہیں بتایا تو میں ڈیڈ سے کہہ دوں گی کہ۔۔"

"کہ؟" شیر نے سکون سے سوال کیا۔

"کہ وہ جو اس رات ریزارٹ میں گھس آیا تھا کوئی اور نہیں تمہارا جڑواں بھائی تھا جو۔۔"

"میرا کوئی جڑواں بھائی نہیں ہے۔۔ چاہے تو جا کر لیڈی صوفیہ سے پوچھ لو جو اس وقت عیش کے ساتھ اوپر رنگ رلیاں منارہی ہے۔۔" شیر نے درشتی سے کہا۔ ہیزیل ایک پل کے لیے چپ ہوئی۔

"لیڈی صوفیہ کا تم سے کیا تعلق؟"

"میرے باپ سے تو تھا۔ میرے باپ کو جنسی غلام بنا رکھا تھا اس نے یہ بات میں گولڈن کو بتاؤں گا۔ اور یہ بھی کہ تم اور عمش نے مل کر اسے کتنے شئیرز دیے ہیں۔ میں گولڈن کو بتاؤں گا کہ میرے اور اس کے پیٹھ پیچھے عمش نے صوفیہ کو کتنا نوازا ہے۔ میں بتاؤں گا گولڈن کو کہ تم لوگوں نے مجھ پر پریشر ڈالنے کے لیے لیڈی صوفیہ کو کہاں کہاں انوالو کیا ہے۔ میں اسے بتاؤں گا کہ لیڈی صوفیہ میری زندگی کی ولن ہے اور اسے تم نے اور عمش نے سر پر لا بٹھایا ہے۔ پھر میں گولڈن کے سامنے بغاوت بھی کروں گا تو میں اسے بتاؤں گا کہ وجہ تم اور عمش ہو۔ میں اسے کہوں گا کہ میرے ساتھ کتنی بڑی زیادتی ہوئی ہے۔ پھر میں تم دونوں کو اس کی آنکھوں کے سامنے موت کے گھاٹ اتار دوں گا ہیزیل اور میرے پاس وجہ ہوگی۔۔ ثبوت ہوں گے۔ میں ثابت

کروں گا سب کچھ۔۔۔ گولڈن مجھے نہیں روکے گا۔۔۔ "شیر چپ ہوا۔ ہیزیل کی سانسیں رک چکی تھیں اس کا چہرہ خطرناک حد تک سفید پڑ چکا تھا۔ شیر کو اس کا چہرہ دیکھ کر سکون ملا۔ کم از کم کچھ وقت تک تو وہ اپنا منہ نہیں کھولے گی۔

"اب بولو کیا تم ثابت کر سکتی ہو کہ تم نے میرے ہم رنگ انسان کو دیکھا ہے؟ اگر ہاں تو چلو ہم ساتھ گولڈن سے ملتے ہیں تم اپنے دکھڑے سنا میں اپنے سناؤں گا۔ اچھا رہے گا۔ گولڈن کو اچھا لگے گا جب اس کے دونوں بچے اپنے مسئلے لے کر اس کے پاس جائیں گے۔۔۔ "شیر سرسری انداز میں کہتا اپنی نشست سے ٹیک لگا گیا۔ ہیزیل پلکیں جھپکائے بغیر بے یقینی سے شیر کی جانب دیکھتی رہی پھر یک دم جھرجھری لے کر سیدھی ہوئی۔

"تم اس دنیا کے خبیث اور شاطر ترین انسان ہو شیر۔ تمہارے دماغ پر شیطان حکومت کرتا ہے۔" ہیزیل دانت پر دانت جمائے تلخی سے کہتی وہاں سے اٹھ گئی۔ شیر یک دم مسکرایا اور مسکراتا چلا گیا۔



کمرہ نیم روشن تھا۔ صوفیہ سفید کمبل میں لیٹی ہوئی تھی اور ہاتھ میں سرخ شراب کا بڑا سا گلاس تھا۔ چہرے پر بلا کی سنجیدگی اور غصہ صاف ظاہر تھا۔ عمش پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ٹھل رہا تھا۔ چہرے پر تاثرات سے لگتا تھا جیسے بے چین اور الجھا ہوا ہو۔

"تم کوشش کر سکتے ہو۔ ساری دنیا جانتی ہے ہم ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ صرف تمہاری بیٹی ہے جو نہیں جانتی اسے بتاؤ۔ مجھے اس سے ملوؤ

میں ملنا چاہتی ہوں۔ مجھے تمہارے بہانے نہیں سمجھ آرہے۔" وہ قدرے تلخی سے کہہ رہی تھی۔

"ڈارلنگ۔ دیکھو میری بات سنو۔" عمش نے اپنا رخ اس کی جانب موڑ کر قدرے بیچاریگی سے کہا تھا۔

"میرے اور جنت کے تعلقات اس وقت کافی حد تک خراب ہیں۔ میں ہمارے تعلق کو ٹھیک کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارا تعلق بعد کی باتیں ہیں۔ سمجھنے کی کوشش کرو میں خود سے خفا بیٹی کو مزید خفا کرنا نہیں چاہتا۔" عمش نے اسے سمجھانے کی کوشش کی اور تب ہی اس کا فون بجنے لگا۔

"کہو۔" اس نے صوفیہ کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے توجہ فون پر مرکوز کی۔

"میں آتا ہوں۔۔" اس نے کہتے جھک کر اپنا سلور پسٹل اڑس لیا اور لانگ کوٹ جسم پر ڈالے باہر کی جانب بڑھنے لگا۔ اسے نکلے دو سیکنڈ ہی ہوئے تھے جب ہیزیل اندر داخل ہوئی۔

"ناک کر کے آسکتی تھی تم ہیزیل۔۔" وہ یک دم خفگی سے بولی اور کمبل کو مزید اوپر کر کے لپیٹنے لگی

"بکو اس بند کرو اور سچ سچ بتاؤ کیا تم شیر کے باپ کو جانتی ہو؟"

صوفیہ کا چہرہ یک دم سفید پڑنے لگا۔ اس نے ٹھک سے گلاس سائیڈ ٹیبل پر دھرا اور قریب رکھا گاؤن اٹھا کر پہننے لگی۔

"میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں؟ کیا یہ سچ ہے؟ کون ہے شیر کا باپ اور تم کیسے جانتی تھی اسے؟ تمہیں اندازہ ہے اگر ڈیڈ کو اس بارے میں

معلوم ہوا تو وہ کیا کریں گے؟"

"کیا مطلب ہے اس بات کا۔ کالج ٹائم میں کیا تمہاری متعدد لڑکوں سے دوستی نہیں رہی ہے؟ اب کیا تمہیں ان سب کے نام اور چہرے یاد ہیں؟"

"پندرہ بیس سال پرانی بات کسے یاد ہے۔"

"اپنی عمر چھپانے کے چکر میں بلند رز مت مارو۔ مجھے کالج پاس کیے دس سال ہونے والے ہیں۔ پندرہ بیس سال۔" ہیزیل نے طنز کیا۔ جس پر صوفیہ بری طرح تلملا اٹھی تھی۔

"اور ہاں اگر میں یاد کرنے بیٹھوں اور دماغ پر زور ڈالوں تو سارے دوستوں کو یاد کر کے ان کے نام اور چہرے بتا سکتی ہوں۔ تم بھی یہی کرو۔ اپنے ذہن پر زور ڈالو۔ اپنی میموری کو ریفریش کر کے مجھے بتاؤ تمہارا شیر کے باپ سے کیسا تعلق تھا اور کس نوعیت اور کس حد تک تم دونوں

انوالو تھے۔۔ میں سب کچھ جاننا چاہتی ہوں۔۔ اگر تو تم چاہتی ہو یہ بات
عمش سے چھپی رہے۔۔ "ہیزیل تیزی سے کہہ رہی تھی جب صوفیہ نے
اس کی بات بچ میں کاٹ دی۔

"ایک منٹ۔۔ مجھے فرق نہیں پڑتا اگر عمش جان جاتا ہے۔۔ وہ خود
سیکڑوں عورتوں کے ساتھ تعلقات میں رہا ہے اس کی اپنی ایک بیٹی
ہے۔۔ کون سا ہماری نئی نئی شادی ہوئی ہے جو مجھے اپنے افیروز چھپا کر
شادی بچانے کی فکر ہوگی۔۔" وہ اپنے بال سمیٹتی بظاہر لاپرواہی
سے کہہ رہی تھی۔

"شادی بچانے کی فکر ہونہ ہو۔ اپنی نئی کمپنی اور بزنس کی فکر تو ضرور ہونی
چاہیے تمہیں۔۔ ویسے بھی ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو رشتوں
کو بچانے کے لیے اسٹریس لیں گے تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم کتنی

پریشان ہو اور مجھے بتانے کی ضرورت نہیں کہ ایسا کیوں ہے۔۔ تمہاری کمپنی۔۔ صوفی اینڈ کو۔۔ تمہیں بہت عزیز ہے لیڈی صوفیہ۔ اس کی فکر کرو اور مجھے سچ سچ بتاؤ۔۔ "ہیزیل نے ٹھہر ٹھہر کر سردمہری سے کہتے اپنے تہی اس کے لیے فرار کے تمام راستے بند کر دیے تھے۔ صوفیہ کا دماغ تیزی سے چل رہا تھا۔



طوبی محتاط سی کھڑی سامنے کی جانب دیکھ رہی تھی جب پستول کی سرد نال اس کے بالوں کو ہٹاتی اس کی گردن کی پشت پر آکر جمی۔ طوبی ایک پل کو سانس لینا بھول گئی۔

"ایسکویزمی مس!" سرد آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی اسے اپنی ریڈھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی پھیلتی محسوس ہوئی۔

"کافی دیر سے کھڑی ہو پیر درد کر رہے ہوں گے؟"

"نہیں بالکل نہیں۔۔" طوبیٰ نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

"خاموش رہو اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لو کوئی چالاکی نہیں ورنہ یہی کھوپڑی

کھول دوں گا۔" اس نے کہتے ہوئے پستول کی نال سے اس کی گردن پر

زور دینے کی کوشش کی۔

"چلو اب اچھی لڑکیوں کی طرح چپ چاپ میرے آگے چلتی رہو۔ زیادہ

چالاکی نہیں ورنہ گولی کہیں اور سے بھی آسکتی ہے۔۔" اسے کاندھے سے

دھکیلتے سختی سے کہتے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

"مس طوبیٰ رفتار بالکل ہلکی رکھیں۔۔" اس کے کان میں آواز سنائی

دی۔ اس کے لہجے سے اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ کیا محسوس کر رہا تھا اس

کی آواز بے تاثر تھی۔



"کمانڈر ہمارے پاس وقت نہیں ہے طوبیٰ خطرے میں ہے۔۔" منان کی پریشان سی آواز سنائی دی۔

"اریب فی الحال یہی رہو۔۔ ضرورت محسوس ہوئی تو تمہیں بلاؤں گا۔۔" حاشر اریب کو کہتا اسی جانب تیزی سے دوڑنے لگا۔ اس کی آنکھوں پر نائٹ ویژن چشمہ تھا۔ دل کی دھڑکن بڑھی ہوئی تھی وہ ابھی بیرونی احاطے میں داخل ہی ہوا تھا جب اسے ایک فائبر کی آواز سنائی دی۔ آواز اسے مائیکروفون اور باہر دونوں جگہ سے آئی تھی۔

"مجھے اجازت دیں کمانڈر میں ساتھ آنا چاہتا ہوں۔۔" اریب کی آواز مائیکروفون میں ابھری۔

"نہیں وہی رکو۔" حاشر تیزی سے بھاگتا اس گودام کے سامنے آیا جب اس کی نگاہ مخالف سمت میں بھاگتی طوبیٰ پر پڑی۔

"پکڑو اسے وہ بھاگ رہی ہے۔" عمش کی کراہتی آواز آئی۔ وہ زمین پر گھٹنوں کے بل جھکا ہوا تھا۔ حاشر نے رفتار میں مزید تیزی دیتے کان پر ہاتھ رکھا۔

"اریب فوراً یہاں آؤ۔" حاشر نے تیزی سے کہتے ابھی درختوں کو پار ہی کیا تھا جب فضا میں تین چار فائر ایک ساتھ ہوئے لیکن حاشر کی روح کو قبض طوبیٰ کی دردناک چیخوں نے کیا تھا۔ ایک پل کے لیے اس کا ذہن ماؤف ہوا لیکن فوراً ہی اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتے اپنی گن نکالتے سامنے کی جانب فائر چھوڑے اور طوبیٰ کی جانب دیکھا وہ زمین پر گر چکی تھی۔

"ہیڈ شوٹ تو نہیں کیا۔" ان میں سے کسی ایک نے طوبی کے متعلق کہا تھا جس پر "نہیں" کی آواز سنائی دی بے اختیار ہی حاشر نے شکر کا کلمہ ادا کیا تھا لیکن وہ اس جانب نہ گیا اور مخالف سمت میں فائر کرتا رہا۔ تین سے چار لوگ گودام کی پہلی منزل کے باری باری زمین گرے تھے۔ جبکہ دو پہلے سڑک پر پڑے کراہ رہے تھے۔ اسی پل ایک گولی آکر حاشر کے کاندھے کو چھوتی گزری وہ فوراً درخت کی آڑ میں ہوا اور طوبی کی جانب دیکھا۔ اریب اس تک پہنچ چکا تھا۔

"درخت کی آڑ میں۔۔ جلدی۔۔ جاؤ۔" حاشر نے سامنے آتے دو تین فائر مزید کیے۔ عیش ہنوز زمین پر پڑا کراہتا دکھائی دیا۔ اس کی ٹانگ پر گولی لگی تھی۔ اس نے مزید تین چار فائر کیے۔ فائرنگ کا تبادلہ کچھ پل کے لیے رک سا گیا۔ اسی پل ایک آہٹ ہوئی اور ایک نفوس درخت کی

اڑ سے نکل کر پیچھے کی جانب دوڑتا دکھائی دیا۔ حاشر نے اسی جانب دو تین فائر چھوڑے وہ شخص ہلکی سی چیخ مار کر لنگڑاتا ہوا درخت کی آڑ میں ہو گیا۔

"اریب طوبیٰ کو لے کر حنین کے پاس جاؤ۔" حاشر نے ہدایت کرتے آس پاس کا جائزہ لیا۔

"حنین پانچ منٹ تک میں نہ آؤں تو نکل جانا۔" حاشر نے ہدایت کی۔

"آپ کے بغیر۔" حنین کی ہچکچاہٹ بھری کپکپاتی آواز سنائی دی۔

"ہاں میرے بغیر۔"

"لیکن کمانڈر۔" منان کی متوحش آواز سنائی دی۔

"یہ کمانڈر کا حکم ہے۔"

"کمانڈر!" اس کی آواز کپکپاتی۔

"میں نے کہا یہ کمانڈر کا حکم ہے!" اس نے دوبارہ اپنی بات دہرائی۔

"کیا تم سن رہے ہو۔۔"

حاشر نے سختی سے کہا۔

"یس کمانڈر!" اس نے تیزی سے کہا پھر دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔ وہ

اب درخت کی آڑ سے نکل کر آس پاس نگاہیں پھیلانے ہوئے تھے۔ تب

ہی جوتوں کی دھمک سنائی دی۔ وہ دو سکیورٹی اہلکار تھے۔ حاشر نے ان کی

جانب پستول کا رخ کر کے فائرنگ کی۔ وہ دونوں کراہتے ہوئے زمین پر

گرے۔ حاشر نے گردن گھما کر دیکھا اریب طوبی کو کاندھے پر لیے

مخالف سمت میں بھاگتا منظر سے

اوجھل ہوا تو حاشر نے سکھ کی سانس لی۔

"حنین تم سکیورٹی دو باہر نکل کر وین کے آس پاس۔۔ اریب فرسٹ ایڈ دو تم۔۔" وہ کہتے ہوئے پستول میں گولیاں بھرتا دکھائی دے رہا تھا۔ تب ہی مزید تین اہلکار اسی سمت جاتے دکھائی دیے جہاں اریب گیا تھا۔ حاشر نے اسی جانب فائر کھولے۔

"کمانڈر۔۔" اریب کی لرزتی آواز سنائی دی۔

"فکر مت کرو اس جانب میں کسی کو آنے نہیں دوں گا۔ طوبیٰ کا خیال رکھو۔ زیادہ بلڈ لاس نہ ہو۔" حاشر نے بمشکل لہجے کو قابو کر رکھا تھا۔ دونوں جانب سے فائرنگ کا تبادلہ ہو رہا تھا۔

"کمانڈر سکیورٹی فورسز الرٹ ہو چکی ہیں ہمارے پاس کم از کم بھی دس منٹ ہیں۔۔" منان کی آواز آئی۔

"مانیٹر کرتے رہو۔۔ وہ بیس قدم کے فاصلے پر آجائیں تو مجھے خبردار کر دینا۔" حاشر اسی گھنے درخت کی آڑ میں جھاڑیوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔



ایونٹ ہال میں مرکزی ایونٹ اختتام پزیر ہونے کو تھا جب ہر جانب اندھیرا چھا گیا۔ موسیقی کی آواز بہت تیز تھی۔ شیر نگاہیں ریمپ پر جمائے ہوئے تھا۔ چہرہ پر سکون تھا۔ دفعتاً اسپاٹ لائٹ آن ہوئی اور جنت ریمپ پر ظاہر ہوئی۔ ہال میں مکھیوں سی بھنبھناہٹ سا شور یک دم تھم سا گیا۔ ہیزیل کی آنکھیں بے اختیار سرخ پڑیں تھیں۔ شیر کے لب وا ہوئے اور آنکھوں میں عجیب سی چمک اترتی محسوس ہوئی۔

"damn! She is breathtaking beautiful"

وہ بے اختیار بڑبڑایا تھا۔ وہ واقعاً بھی سانس نہ لے سکا تھا۔

وہ آسمانی رنگ کے خوبصورت شیڈ میں آسمان سے اتری حور کی مانند لگ رہی تھی۔ چہرے پر پیشہ ورانہ انداز میں کیے میک اپ نے اس کے چہرے کے نقوش کو مزید خوبصورت بنادیا تھا۔ کانوں میں سفید رنگ کے پتھر جڑے آویزے تھے۔ ایک ٹانگ کی طرف سے کھلے گاؤن کے گھیر پیچھے دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے لباس پر سفید پتھروں کا خوبصورت کام تھا۔ آستینیں قدرے کھلی اور امبریلہ طرز پر تھیں۔ بال کسی آبشار کی مانند دونوں طرف کھلے چھوڑے ہوئے تھے۔ وہ کسی ملکہ کی باوقار سی چال چلتی ریمپ کے دہانے پر پہنچ کر ٹھہری اور ایک خوبصورت ادا سے دونوں ہاتھ پھیلا کر گھومی اور پھر ایک ہاتھ کمر پر رکھ کر مسکرائی۔

"قاتلانہ ادائیں دیکھو چھوٹی چڑیل کی۔" شیر بے اختیار محبت سے ہنستا مسکرایا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر تالیاں بجانے لگا۔ ہیزیل کو ایک ایک لمحہ زہر کی مانند لگ رہا تھا۔ وہ چاہ کر بھی اس پر سے نگاہیں نہ ہٹا رہی تھی۔ جنت اب واپس جانے کو مڑ چکی تھی۔ وہی شاہانہ سی باوقار چال کہیں سے نہ لگ رہا تھا کہ وہ اس کا پہلا شو تھا۔ دفعتاً شیر کا فون بجا۔ واٹریشن پر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر فون نکالا اور کان سے لگایا۔

"ک۔۔ کہاں ہیں ماسٹر؟ ریزیڈنسی کے گودام کے پاس کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔۔ عمش بھی وہیں۔۔ اور اطلاع کے مطابق انھیں شوٹ۔۔" شیر نے پوری بات سنے بغیر فون کاٹا اور تیزی سے اٹھ کر باہر کی جانب دوڑا۔ اس سے پہلے کے بتیاں روشن ہوتی وہ ایونٹ ہال سے باہر نکل چکا تھا۔



وہ ریزیدنسی کے باہر کی جانب جاتی سڑک پر کھڑی وین کے قریب آیا اور بے ہوش عمش کو اندر ڈال دیا۔ اس کی نگاہ طوبیٰ پر گئی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اس کے دل میں گہری تکلیف کا احساس جاگا۔ اریب فرسٹ ایڈ باکس کھولے تیزی سے اپنی کاروائی کر رہا تھا۔ منان کے ہاتھ میں کپڑے کا بڑا سا گولہ تھا جو اس نے طوبیٰ کی گردن پر رکھ کر دیا رکھا تھا۔ وہ گاہے بگاہے لیپ ٹاپ پر نگاہ بھی ڈال لیتا۔

"کتنی بلٹس ہیں۔" حاشر کو اپنی آواز کسی گہرے کنوئیں سے آتی محسوس ہوئی تھی۔ اریب نے سفید پڑا چہرہ گھما کر حاشر کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ اور آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

"چار۔" اریب کا لہجہ کپکپایا تھا۔ حاشر لب بھینچتے پیچھے ہٹا۔

"حنین گاڑی اسٹارٹ کرو۔ اسی روٹ پر جانا جس کا میں نے تمہیں بتایا تھا۔" حاشر نے ہدایت کرتے قدم پیچھے ہٹالیے۔

"منان میں تمہیں ایک نمبر بتا رہا ہوں۔ اس پر کال کرو۔ اور کہو ارجنٹ پہنچے۔ میرا نام لینا۔" وہ کہتا ہوا پلٹ گیا۔ پلٹتے پلٹتے اس نے گردن گھما کر وین کی سیٹ پر ہوش و حواس سے بیگانہ پڑی طوبیٰ پر نگاہ ڈالی اور سختی سے آنکھیں میچ کر قدم تیز کر دیا ایک پل کو اسے اپنے قدموں سے جان نکلتی محسوس ہوئی تھی۔ اسے سانس لینا مشکل لگا تھا۔ سالوں سے اس نے اپنے درجنوں ساتھیوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے دم توڑتے دیکھا تھا۔ وہ عادی تھا۔ باہمت تھا۔ اپنے کام اور فرض کے آگے ہر جذبے سے انکاری ہو جانے والا حاشر آج اس پل اس لمحے میں خود کو بہت کمزور سا محسوس کر رہا تھا۔ اس کے دل میں اندیشے اور وسوسوں کے سانپ اسے

اندر ہی اندر دس رہے تھے۔ وہ ایک پل کو ٹھہرا اور کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔



شیر کسی چیتے کی مانند دوڑتا اس حصے میں ظاہر ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھی۔ وہ آگے بڑھ رہا تھا جب اس کی نگاہ ایک درخت کی آڑ میں دھرے ہوئے وجود پر پڑی۔ وہ ایک پل کو سانس نہیں لے سکا۔ وہ ایک ہی جست میں قریب پہنچا۔

"غازی!" متوحش انداز میں اس نے کہتے اس کا گال تھپتھپایا۔

"بھائی!" اس نے کراہتے ہوئے ٹوٹے انداز میں کہا تھا۔ وہ ہوش میں تھا لیکن بے حال! شیر نے لمحہ ضائع کیے بغیر اپنا کوٹ اتار کر اس پر ڈالا اور اسے بازوؤں میں اٹھا کر کسی چھلاوے کی مانند پلٹ گیا لمحوں

میں آنکھوں سے اوجھل ہوا تھا۔ سامنے کی جانب بھاگتے دو اہلکاروں نے پلٹ کر ادھر ادھر دیکھا فقط ایک گھور سیاہ سایہ تھا جو رات کی تاریکی میں گم ہوا تھا۔ وہ بھاگتے ہوئے آگے

بڑھے تھے جب دو فائیر ہوئے۔ وہ دونوں گارڈز کراہ کر زمین پر گرے تھے۔

حاشر کی کمر پر بیگ تھا جس میں سے اس نے ایک فولادی بکسا نکالا اور مخالف سمت لگے بڑے سے گیٹ کو کھولنے لگا گیٹ کھلتا چلا گیا وہ جوں جوں آگے بڑھا اسے سامنے تین سے چار کنٹینر دکھائی دیے۔ اس نے باکس کھولا اس میں سیاہ ہینڈ گرنیڈ تھے۔ وہ آگے بڑھتے کنٹینر کھولنے لگا اسے کنٹینر کے لاکھ کھولنے میں دو سے تین منٹ لگے تھے۔ اندر لکڑی کے صندوق نما ڈبے تھے۔ اس نے بیگ سے کیمرہ نکالا تب ہی پیچھے

آہٹ ہوئی لیکن کوئی دکھائی نہ دیا اس نے تیزی سے تصویریں بناتے
کیمرہ رکھا اور ایک اور سفید فولادی بکسا نکالا۔ وہ بم تھا۔ اس نے تیزی سے
تاریں لگاتے اسے ایکٹو کر دیا اور کنٹینر کے ساتھ رکھتا تیزی سے باہر نکل
گیا۔ مخالف سمت میں جاتے اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ کچھ لمحوں میں ہی
درجن بھر جوتوں کی دھمک سنائی دینے لگی۔ حاشر جو ایک تین کے بڑے
باکس کے ساتھ لگا بیٹھا تھا شیطانی انداز میں مسکرایا اور ہینڈ گرنیڈ کھول
کر اسی جانب اچھال دیا۔ ایک زور دار کانوں کو سن کر دینے والی آواز فضا
میں گونجی تھی۔

"کمانڈر!" اریب کی متوحش آواز سنائی دی۔

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ آہستگی سے بولا اور اٹھ کر سامنے کی جانب بھاگنے
لگا بھاگتے ہوئے اس نے ہاتھ میں بندھی جدید اسکرین پر وقت دیکھا اور

ایک کے بعد دیگرے پوری قوت سے پیچھے کی جانب تین سے چار گریڈ پھینکتا وہ روشنی کی رفتار سے تاریکی میں گم ہوا تھا۔ پیچھے وقفے وقفے سے فائرنگ ہوتی رہی اور یک دم ہی ایک روشنی کا بہت بڑا ہالہ فضا میں روشن ہوا ایک زور دار دھماکہ سنائی دیا۔ سڑک پر دوڑتی یہ جدید جیپ ایک لمحے کو زمین کے لرزے سے لرز اٹھی تھی۔ ایک کے بعد ایک دو دھماکے ہوئے فضا میں آگ پھیلتی سیاہ دھوئیں میں تبدیل ہوتی گئی۔ ہر جانب سے فائر الارم سسٹم چلنے لگے۔ فضا میں چیخ و پکار بڑھتی گئی۔ اندر وسیع و عریض ہال میں بھگ ڈر مچ گئی سب چیختے چلاتے ایک دوسرے کو روندتے ہوئے جان بچانے کو بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے۔



اس نے کراہتے ہوئے غازی کی جانب دیکھا اور پھر پیچھے مڑ کر فضا میں پھیلے دھوئیں کو دیکھا۔

وہاں جنت تھی۔ یہ خیال اسے بے چین کر گیا پھر دوبارہ غازی کی جانب دیکھا اور دل پر پتھر رکھ کر اسے بازوؤں میں اٹھا لیا۔
 "بھائی ! وہ لڑکی۔ وہاں ہے۔۔ آپ جا سکتے ہیں۔۔" غازی نے بمشکل جملہ مکمل کیا تھا۔ شیر نے ان سنی کردی اور مخالف سمت میں بڑھنے لگا۔
 "وہ لڑکی۔۔ جنت۔۔"

"اسے خدا اپنی امان میں رکھے۔۔" وہ سپاٹ لہجے میں کہتا آگے بڑھتا رہا۔ پولیس سائیرن ایمبولینس کے سائیرن قریب آتے جا رہے تھے اور وہ اس منظر سے دور ہوتا جا رہا تھا۔



What's going on"!

ہیزیل لرزتی ہوئی آواز کے ساتھ بولی تھی۔ اس نے مضبوطی سے ستون کو پکڑ رکھا تھا وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھی تھی۔ اس کا سر بری طرح چکرا رہا تھا۔

"مس ہیزیل؟ آپ ٹھیک ہیں؟" ڈینیل نے متوحش انداز میں اس کی طرف جھک کر کہا تھا۔ وہ خود بھی بوکھلایا ہوا لگ رہا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ ہیزیل کی جانب بڑھایا۔

"شیر کہاں ہے؟" وہ اونچی آواز میں پوچھ رہی تھی۔ اس کے باوجود ڈینیل کچھ نہ سن سکا اس نے ہیزیل کا ہاتھ تھامتے کھڑے ہونے میں مدد کی۔

"ڈینیل شیر کہاں ہے؟"

"میں نہیں جانتا میڈم! آپ میرے ساتھ آئیے۔" وہ اسے لیے ایک طرف بڑھتا رہا۔ ہر جگہ لوگ پناہ لینے کو خوف زدہ سے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔

"یہ سب کیا ہے۔۔۔" ہیزیل کی آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ اسے اپنی کمپنی، بزنس، نام سب خاک میں ملتا دکھائی دے رہا تھا۔ "عمش کہاں ہے؟" وہ ٹھیک سے چلنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی لیکن اس کے حواس ساتھ دینے میں ناکام تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ڈینیل اسے اپنے ساتھ زبردستی گھسیٹ رہا ہو۔ ڈینیل اسے لیے ایک وسیع کمرے میں آیا۔ کمرے میں پہنچتے اس نے ہیزیل کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ ہیزیل گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا ہے یہاں؟" اس نے غائب دماغی سے سوال کرتے گردن اٹھا کر ڈینیل کی جانب دیکھا۔

"ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہو گا۔" اس نے کہہ کر لب بھینچ لیے۔ ہاتھ پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھتے اس نے گلاس وال کا رخ کیا۔ باہر پولیس، میڈیا اور ایمبولینس کی گاڑیوں کا ایک جم غفیر موجود تھا۔ ہر طرف سرخ و نیلی بتیوں کی جل بجھ دکھائی دے رہی تھی۔ اسٹریچر میں زخمی اور مردہ جسموں کو یہاں سے ہسپتال منتقل کیا جا رہا تھا۔ وہ گھوم کر دوسری طرف چلا آیا اس نے پردہ ہٹا کر باہر جھانکا۔

"فائر بریگیڈ کی گاڑیاں گودام میں لگی آگ کو بجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہاں پولیس اور بم ڈسپوزل اسکواڈ کی گاڑیاں بھی کھڑی

تھیں۔ ڈینیل کا فون بجنے لگا۔ اس نے اسکرین پر نگاہ ڈالتے فون اٹھا کر کان سے لگایا۔

"شیر کہاں ہے؟" دوسری طرف گولڈن فاکس تھا۔ انداز میں تیزی اور لہجہ پریشانی میں گھرا دکھائی دے رہا تھا۔

"میں نہیں جانتا۔" اس کا انداز مرجھایا ہوا تھا۔

"مسٹر عمش بھی کہیں دکھائی نہیں دے رہے ہیں۔ مسٹر بھی نہیں ہیں۔ میں میڈم ہیزیل کو لے کر اسپیشل گیٹ کا میلکس کی طرف آگیا ہوں۔"

"ہیزیل کا خیال رکھو۔" دوسری طرف سے حکم دیا گیا۔ ڈینیل نے گردن گھما کر ہیزیل کو دیکھا جو اس کا دیا پانی گھونٹ گھونٹ پی رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" ڈینیل نے دھیمے لہجے میں کہا دوسری جانب سے فون بند ہو گیا۔ ڈینیل نے ایک گہری سانس خارج کرتے نگاہ باہر کی طرف گھمائی۔ اس نے اپنا فون نکالا اور شیر کا نمبر ملایا لیکن کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ اس کا دل عجیب سی کیفیت میں گھرنے لگا۔ جانے کیوں یہ احساس اس کے سارے وجود پر ایک بوجھل سا احساس طاری ہو رہا تھا۔

"تم میرے سر پر کیوں کھڑے ہو جا کر پتا کرو کیا ہوا ہے یہاں! میں پاگل ہو جاؤں گی۔" ہیزیل نے ہاتھ کے اشارے سے کہتے اسے بری طرح جھڑک دیا تھا۔ ڈینیل خاموشی سے باہر کی جانب بڑھ گیا۔ ہیزیل نے گردن ادھر سے ادھر گھما کر اپنا فون ڈھونڈنا چاہا لیکن کہیں نظر نہیں آیا۔ وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھی رہ گئی۔



وہ ایک چھوٹا مگر صاف ستھرا کمرہ تھا۔ اسٹریچر سے لے کر جدید ڈاکٹری مشینوں تک وہاں تمام سہولیات موجود تھیں۔ غازی آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ جسم پر کپڑوں کے نام پر ایک پتلون تھی۔ شیر ہاتھوں سے دستانے اتارتا ایک طرف پڑے روئی کے خون آلود گولے اٹھا اٹھا کر ایک سیاہ ڈبے میں ڈالنے لگا۔

"کیا جنت ٹھیک ہے؟ آپ نے اسے ایسے ہی چھوڑ دیا۔"

"وہ ٹھیک ہے۔" شیر نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔ غازی نے نقاہت زدہ انداز میں آنکھیں گھما کر آس پاس کا جائزہ لیا۔

"یہ کون سی جگہ ہے؟"

"میرا ایک اپارٹمنٹ ہے۔" شیر نے بے نیازی سے جواب دیا۔

"ہیلو! کیا میں اندر آسکتا ہوں؟"

آواز پر شیر نے جھٹکے سے گردن گھمائی۔ غازی نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن کراہ کر رہ گیا۔ احمر غازی کھڑا تھا۔

"اتنی حیرت سے دیکھ رہے ہیں پہچانا نہیں؟ میں حیفہ کا احمر بن انفال غازی ہوں۔" اس نے سینے پر ہاتھ رکھتے کہا۔ شیر نے پلکیں جھپک کر ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی۔

"کیا مجھے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہے؟" شیر نے سرد نگاہ اس پر ڈالتے سخت لہجے میں سوال کیا تھا۔

"میں سمجھ سکتا ہوں۔" احمر غازی نے سر کو خم دیا اور خوبصورتی سے مسکرایا۔

"آپ کی مہمان نوازی میں برسوں رہ سکتا ہوں۔ لیکن یہودیوں کی قید؟ اگر اس میں ہی رہنا ہوتا تو حیفہ چھوڑتا کیا؟ مجھے آپ کے خفیہ قید خانے

سے اغواء کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور میں نے ان کی کوشش کو ناکام بنا دیا۔ ایک کی گردن اور ایک کی ناک توڑی ہے جبکہ تیسرے کے حوالے سے کچھ کہہ نہیں سکتا کہ وہ مرد رہا ہے یا نہیں۔۔ "وہ کہہ کر ہنس دیا۔

شیر کی آنکھوں میں حیرانی نے جنم لیا۔

"اب یہ مت پوچھیے گا کہ میں نے اس جگہ کا پتا کیسے لگایا۔"

"کیا مجھے مزید کوئی سوال کرنے کی ضرورت ہے؟" شیر نے پھر وہی سوال اسی انداز میں کیا تھا۔

"نہیں! آپ کو اور کچھ پوچھنے یا جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا اس اپارٹمنٹ میں مجھے ایک کمرہ مل سکتا ہے؟ میرے پیر پر گولی لگی ہے۔"

اس نے آخر میں بے چارگی سے کہا۔ شیر نے بے اختیار اس کی ٹانگ کو دیکھا جہاں سیاہ جیکٹ سختی سے بندھی تھی۔

شیر ایک پل کے لیے سن رہ گیا اگلے ہی پل اسے کچھ یاد آیا۔ وہ کئی سال پیچھے گیا تھا۔ اس نے احمر کے چہرے کو بغور دیکھا۔

"یہاں آکر لیٹ جاؤ۔" شیر نے دستانے پہنتے ہوئے کہا۔ وہ لنگڑاتے ہوئے آیا اور دوسرے اسٹریچر پر لیٹ گیا۔ شیر آگے بڑھا اور اس کے پیر پر بندھی جیکٹ کھولی۔

"تم کل یہاں سے میرے ساتھ چل رہے ہو۔"

"میں زخمی ہوں۔" وہ بے چارگی سے بولا۔

"کیا تمہیں لگتا ہے میں تمہیں نہیں جانتا؟ چوبیس گھنٹے سے قبل تمہاری ٹانگ ٹھیک ہو جائے گی۔" شیر نے خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوئے

کہا۔ غازی نے ناک چڑھا کر چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔ شیر اپنا کام کرنے لگا۔ چہرے پر سنجیدگی چھائی تھی۔ غازی غضنفر آنکھیں موندے لیٹا رہا۔

"مجھے بھوک بھی لگی ہے۔" احمر نے چہرہ موڑے رکھا۔ شیر نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی ٹانگ سے گولی نکالتے ایک طرف رکھی اسٹیل کی پلیٹ میں ڈالی۔

"یہ بلٹ مجھے دے دیجیے گا۔ یہ میری زندگی کی پہلی گولی ہے۔ اسے میں لاکٹ بنا کر گلے میں ڈالوں گا۔ ویسے کیا آپ نے اپنی جنت کا کوئی انتظام کیا؟ وہ اس ایونٹ میں پر فارم کرنے والی تھی؟ کیا وہ ٹھیک ہے؟"

شیر اب اس کے پیر پر ٹانگے لگا رہا تھا۔

"کیا مجھے دنبے کا پلاؤ مل سکتا ہے؟ یقیناً آپ کو کھانا بنانا آتا ہے ناں بھائی؟ ساتھ میں نمکین یخنی بھی۔ اور زیتون کا سلاد بھی۔"

شیر نے اس کے زخم پر دوائی لگاتے پٹی باندھنا شروع کی چہرہ بے تاثر تھا۔

"احمر کیا تم کچھ دیر کے لیے چپ نہیں کر سکتے؟ میں تمہاری طرح جن کا بچہ نہیں ہوں۔۔۔ عام انسان ہوں۔۔۔ درد ہوتا ہے مجھے۔۔۔ تمہاری تواتر سے چلتی زبان مجھے سونے نہیں دے رہی ہے۔۔۔" غضنفر نے تلخی سے کہا۔

شیر نے رک کر غازی کی طرف دیکھا اور پھر احمر کو ایک سخت گھوری سے نوازا۔

"اب تم نے ایک لفظ بھی کہا تو دوسری گولی میں ماروں گا۔" شیر نے سرد مہری سے کہا۔ احمر نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا اور پھر لب بھیج کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"How rude ! It doesn't make you cool ! Huh"!

احمر کی بڑبڑاہٹ اونچی تھی۔ شیر اپنا سامان سمیٹنے لگا۔

"ویسے تمہیں یہ گولی کیسے لگی غضنفر؟ کون سا اسلحہ تھا؟ میری والی گلاک

50 تھی۔۔۔ میری رفتار تیز تھی لیکن وہ زیادہ دور نہیں تھے اس لیے

مجھے لگ گئی۔۔"

شیر نے قریب رکھا روئی کا گولہ اٹھایا اور پلٹ کر احمر کے منہ میں ٹھونس

دیا۔ احمر نے تنک کر شیر کو گھورا اور ہاتھ اٹھا کر روئی نکالنے لگا۔

"نکالو اسے اور پھر اپنا حشر دیکھو۔۔ یہاں بھی ایک تہہ خانہ ہے احمر اور وہ

صرف میری شکل دیکھ کر کھلتا ہے۔۔ دس دن تک بھوکا پیاسا رکھوں گا

۔۔" شیر نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ احمر کی آنکھوں میں خفگی اتری اس

کا بڑھا ہاتھ پیچھے ہوا اور وہ دوبارہ گردن گھما کر لیٹ گیا۔

"شکریہ بھائی!" غضنفر نے سکھ کی سانس لیتے کہا۔ شیر کوئی رد عمل ظاہر کیے بغیر کمرے سے نکل گیا۔

اس کے نکلنے ہی احمر نے روئی کا گولہ نکال لیا۔

"مجھے بھی درد ہو رہا ہے۔ لیکن میں خود کو درد سے بے نیاز کرنے کے لیے بول رہا تھا ورنہ مجھے کوئی شوق نہیں ہے ایرے غیرے لوگوں سے باتیں کرنے کا۔"

"تم نے ایرا غیرا کسے کہا؟" غضنفر نے حیرت بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہیں کہا! تمہیں کیا لگتا ہے بھائی تم سے زیادہ محبت کرتا ہے؟"

"ہاں وہ مجھ سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ!"

"اونہہ ! جنت سے ! بھائی جنت سے کرتا ہے سب سے زیادہ محبت ! وہ بھائی کی بچپن کی گرل فرینڈ ہے۔" احمر نے مذاق اڑایا۔

"وہ مجھے پندرہ سالوں سے جانتا ہے۔" غازی غضنفر نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"سو وہاٹ ! میں چھوٹا ہوں ! حسین ہوں۔ ذہین ہوں طاقت ور ہوں۔ کیا تم جانتے ہو میں کیا کر سکتا ہوں ؟ کیا تم جانتے ہو لوگوں کو مجھ سے کتنی جلدی محبت ہو جاتی ہے ؟"

"مجھے تو نہیں ہوئی زہر لگ رہے ہو اس وقت ! شکل گم کرو اپنی۔" غازی غضنفر نے تپ کر کہتے گردن گھمالی۔

"اور تم تو مجھے جنت کے میوے لگ رہے ہوناں ؟ اٹینش سیکر ! بھائی کے آس پاس رہنے کے لیے اوچھی حرکتیں کرتے ہو۔ تاکہ وہ تمہیں زیادہ

وقت دیں۔۔ تمہاری وجہ سے وہ بے چاری جنت کو وہاں چھوڑ کر آگئے
 "۔۔"

"جیسا کہ تم دیکھ سکتے ہو میری اہمیت۔۔ بولتے رہو۔۔" غازی نے تپانے
 والی مسکراہٹ چہرے پر سجائی اور اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی۔



وہ ایک خوبصورت لیکن چھوٹا سا باورچی خانہ تھا۔ جدید آلات اور مشینوں
 سے مزین وہاں ہر قسم کی سہولت موجود تھی۔ شیر نے دو ٹرے رکھتے
 ان میں سینڈویچز ڈالے اور پھر بسکٹ کے پیکٹ رکھنے لگا۔ آگے بڑھ کر
 فریج میں رکھے جوس کے ڈبے نکالتے اس نے گلاسوں میں جوس
 ڈالا۔ اسی پل اس کے کان میں لگا آلہ اکیٹو ہوا۔

"بولو!"

"I have done my work" !

"Good ! Leave her at a safe public place" .

شیر نے حکم دیا اگلے پل رابطہ منقطع ہو گیا۔ شیر نے دونوں ٹرے اٹھائیں اور باورچی خانے سے نکل گیا۔

کمرے میں داخل ہوتے اس نے ایک نگاہ ان دونوں پر ڈالی۔
"کچھ کھا لو! غازی تمہارا کمرہ برابر والا ہے۔" شیر نے ٹرے اس کے آگے رکھتے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔

"اور میرا؟" احمر نے اٹھتے ہوئے اپنی ٹرے خود ہی اپنے آگے کی۔

"میں نے دنبے کا پلاؤ مانگا تھا۔" اس کا منہ بن گیا

"فرمائشی پروگرام نشر نہیں ہو رہا۔ دنبے کا سگا۔" غازی نے اسے جھڑک دیا۔

"میں آپ سے بات کر رہا ہوں بھائی! غیر متعلقہ افراد مجھ سے مخاطب

نہ ہوں۔۔ خیر بتائیے میرا کمرہ کون سا ہے؟"

غازی نے ایک تلخ نگاہ اس پر ڈالی۔

"تم میرے ساتھ چل رہے ہو۔"

"جیسا کہ آپ دیکھ سکتے ہیں میں زخمی ہوں بھائی!" احمر غازی نے بے

چارگی سے کہا۔

"تم اپنے زخمی پیر کے ساتھ میرے ہمراہ چل رہے ہو۔" شیر نے

ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کہاں جائیں گے ہم؟" احمر نے چہرہ اٹھائے سوال کیا

"تم جاپان جاؤ گے۔ وہاں یونیورسٹی میں تمہارا ایڈمشن ہو گیا ہے۔" شیر

نے اپنا بیگ کھنگالنا شروع کیا۔

"آج سے تمہارا نام شیث بابر خان ہے۔"

"بابر خان؟ کیا میں آپ کا چھوٹا بھائی ہوں؟"

"تم ایک پاکستانی تاجر کے بیٹے ہو۔ جس کا پندرہ سال پہلے انتقال ہو گیا

ہے۔ تمہارا بھائی تمہارے باپ کا کاروبار سنبھالتا ہے اور تم پڑھنے کے

لیے جاپان آئے ہو کیوں کہ ٹوکیو تمہارا پسندیدہ شہر ہے۔"

"کیا آپ کو جاپان کے علاوہ اور کوئی شہر نہیں ملا تھا؟" وہ صدمے میں

گھرا بولا۔

غازی نے بمشکل مسکراہٹ دبائی تھی۔

"نہیں!" شیر نے یک لفظی جواب دے کر اس پر گہری نگاہ ڈالی۔

"جب تک میں تمہیں فون نہ کروں تم مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش

نہیں کرو گے شیث!" شیر نے باور کرواتے ایک فائل اس کے حوالے کی۔

"اسے پڑھ لینا۔"

"جاپان سے باہر نکلنے کی کوشش مت کرنا۔"

"کب تک؟"

"یہ میں نہیں جانتا۔" شیر نے سنجیدگی سے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ احمر سن بیٹھا سامنے دیکھ رہا تھا۔

"کیا تم اس لیے یہاں رکنے پر زور دے رہے تھے؟ تمہیں معلوم تھا کہ وہ تمہیں بھیج رہے ہیں؟" غازی نے نرمی سے سوال کیا۔ احمر نے کوئی جواب نہ دیا۔

"فکر مت کرو۔ وہ تمہاری خبر رکھے گا۔ چھ سال پہلے مجھے الجزائر بھیج دیا گیا تھا۔ میں وہاں ایک سوشل ایکٹویسٹ تھا۔"

"کتنے وقت تک تمہیں وہاں رکھا گیا تھا؟"

"پورے چار سال! اس لیے میں بہت احتیاط کرتا ہوں۔ تاکہ دور نہ بھیج دیا جاؤں۔ مجھے بھائی کے بغیر رہنے کی عادت اب تک نہیں پڑی۔"

"تم بھی تو دیکھ لیے گئے ہو تمہیں کیوں نہیں بھیج رہے؟" احمر نے جیسے شکوہ کیا ہو۔

"یہ تو بھائی ہی بتا سکتا ہے۔" غازی نے کاندھے اچکاتے کہا۔

"کیا خبر مجھے مشن پر بھیج دیا جائے۔ کیا خبر کوئی ذمہ داری سونپ دی جائے۔" غازی نے خدشہ ظاہر کیا۔

احمر چپ چاپ اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ غازی مطمئن نظر آرہا تھا۔



شیر بے چینی سے ہال میں ٹھل رہا تھا۔ ہاتھ میں وائر لیس فون پکڑے وہ پوری طرح بے چین دکھائی دیتا تھا۔ اس کا ذہن دمشق کے آپریشن پر

تھی۔ صبح سے اب تک کال نہیں آئی تھی۔ ان کا مطالبہ مان لیا گیا تھا۔ اس نے ساری تفصیلات اور ہدایات اپنے ساتھیوں کو دے دی تھیں لیکن ہنوز فکر مند تھا۔ ہر فکر سے آزاد رہنے والا شیر اس معاملے میں حساس تھا۔ اسے بے بس اور مظلوم لوگوں کی تکلیف اپنے دل میں محسوس ہوتی تھی اور ایسا غازی کی زندگی کو بہت قریب سے جاننے کے بعد ہوا تھا۔ وہ ان ہی سوچوں میں گم تھا جب وائرلیس پر بپ ہوئی۔

"ہاں! اس کا دل دھڑک اٹھا۔

"مبارک ہو کمانڈر! ہمارے ساتھی ہمیں لوٹا دیے گئے ہیں۔"

شیر کی آنکھیں فوراً چمک اٹھیں۔

"شکر ہے خدا کا! سب کی جانیں محفوظ ہیں؟"

"الحمد للہ!" دوسری طرف سے کہا گیا۔ شیر مسکرانے لگا۔

"آگے کیا کرنا ہے جانتے ہوناں!"

"جی! ہم کچھ دیر میں یہاں سے نکل رہے ہیں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ شیر نے سنتے ہی فون بند کر دیا۔



جنت سرمئی شال لپیٹے اس کالے شیشے والی وین میں بیٹھی تھی۔ وین کا اندرونی حصہ کسی خوبصورت کمرے کی مانند تھا۔ سامنے ہی ایک مشہور برانڈ کے کیفے کا لوگو بنا کپ تھا جس میں کافی تھی۔ آگے سیاہ چشمے لگائے ماسک چہرے پر ڈالے وہ بے نیاز بنا سامنے دیکھ رہا تھا۔ وہ کون تھا؟ یہ سوال جنت کے دماغ میں پچھلے دو گھنٹے سے چل رہا تھا۔

"تمہیں میرے ڈیڈ نے بھیجا تھا؟" جنت نے نیا سوال کیا۔

"کیا تم بہرے ہو؟ کچھ کہتے کیوں نہیں۔"

"مجھے آپ کو باحفاظت وہاں سے نکالنے کا حکم ملا تھا۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔"

"حکم دینے والا انسان ہی تھا یا کوئی جن تھا؟" وہ تپ گئی۔ جواب ندارد۔ دفعتاً گاڑی کو بریک لگا۔ اس نے آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھولا۔ "آپ جاسکتی ہیں۔" احترام سے کہا گیا۔ جنت تلخ نگاہوں سے اسے دیکھتی جھٹکے سے اپنا پرس لیے وہاں سے اٹھی اور وین سے نکل گئی۔ اس نے باہر نکلتے گردن گھما کر آس پاس دیکھا۔ وین کا شیشہ کھلا اور اندر سے ایک ہاتھ باہر آیا جس پر سیاہ شیشے والے چشمے تھے۔ "شاید ان کی ضرورت پڑے۔"

جنت نے جھپٹنے کے انداز میں سن گلاسز ہتھیلی سے اٹھائے اور تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ اس کے انداز میں غصہ تھا۔ الجھن تھی۔ فکر تھی۔ وہ ہنوز

سمجھنے سے قاصر تھی کہ کیا ہوا تھا۔ دبئی کی مصروف شاہراہ پر بھانت بھانت کے چہرے، چمک دمک سے بھرپور روشنیاں رونق و میلے کا سماں تھا۔ اس نے اپنا فون نکالا اور شیر کا حال ہی میں استعمال کیا گیا نمبر ملایا۔ نمبر توقع کے عین مطابق بند تھا۔ وہ فون والا ہاتھ نیچے کیے چلنے لگی۔ ایک عجب سی خاموشی اس کے اندر تک اتر چکی تھی۔ وہ پھر اکیلی تھی۔ وہ پھر الجھ گئی تھی۔ وہ پھر اس طلسماتی جاں میں پھنس گئی تھی جس سے نکلنے کی کوشش اس نے برسوں کی تھی۔

"سنا ہے اسی دھماکے میں عمش البانی مارا گیا۔"

آواز پر جنت نے جھٹکے سے گردن گھمائی تھی وہ دو مقامی مرد تھے جس میں سے ایک کے ہاتھ پر موبائل تھا۔ جنت سانس نہ لے سکی

تھی۔ اس نے چکراتے سر کو تھاما اور آس پاس کوئی سہارا ڈھونڈنا چاہا وہ بمشکل چلتی فٹ پاتھ تک آئی اور لوہے کی ستون کو تھامتے وہیں فٹ پاتھ پر بیٹھ گئی۔ آس پاس سے گزرتے لوگوں نے اسے تعجب بھری نگاہوں سے دیکھا تھا لیکن وہ بے نیازی سے اپنا فون کھولے نیوز فیڈ چیک کرنے لگی۔

Amash Albani has been killed in bomb blast" ...

اس کے لب ہلے تھے لیکن آواز نہیں آئی۔ جنت بے یقینی سے آنکھیں پھاڑے اس سرخی کو بار بار پڑھ رہی تھی۔ کئی منٹ گزرنے کے بعد وہ جھٹکے سے اٹھی تھی۔ اس کے جسم پر موجود شال ڈھلک کر فٹ پاتھ پر گر گئی۔ وہ اسی لباس میں ملبوس تھی جس میں اس نے ریمپ واک کی تھی۔ آس پاس کا ہر ایک نفوس اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ وہ سب اس

کو حیرت و استعجاب میں ڈوبے تک رہے تھے۔ اس کے پیروں میں باریک ہیل کے سینڈل تھے۔ وہ بے اختیار سڑک کی جانب دوڑتی سامنے سے آتی ٹیکسیوں کو اشارے سے روک رہی تھی۔ اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ انداز میں بوکھلاہٹ صاف ظاہر تھی۔ دفعتاً ایک ٹیکسی رکی وہ تیزی سے اس میں سوار ہوئی تھی۔



"میرے قیدی کو میری اجازت کے بغیر لے جا کر تم نے اچھا نہیں کیا گولڈن۔۔۔" شیر کی سرد آواز نے وہاں موجود ہر ایک نفوس کو حیرت کا شدید جھٹکا دیا تھا۔

"وہ تمہارا مہمان تھا شیر!" گولڈن نے لہجے کو نارمل رکھا۔ اسے امید نہیں تھی کہ وہ پہلی بات یہ کرے گا۔

"اسے تم میرے حوالے کرو گے۔" شیر نے اسی لہجے میں کہا۔

"ہم مل کر بات کریں گے اس بارے میں۔ فی الحال مجھے تم ریزیڈنسی کا کچھ بتاؤ۔" گولڈن نے لہجے کو ہنوز نرم رکھنے کی کوشش کی۔

"میں تم سے ضرور ملوں گا۔ بہت جلد ملوں گا۔ ہم بات بھی کریں گے۔ ایسے کریں گے کہ اس ملاقات کو ساری دنیا یاد رکھے گی۔" شیر کے لہجے کی ناگواری نے گولڈن کے دل کو بری طرح جھنجھوڑا تھا لیکن وہ ہنوز خود کو نارمل ظاہر کر رہا تھا۔

"ہم اس موضوع پر بات نہیں کر رہے ہیں شیر!" گولڈن نے تحمل کا مظاہرہ کرتے کہا۔

"تم اپنے عقب میں چھ سات دلال بٹھا کر مجھ سے اپنی مرضی کے موضوع پر ایک لفظ بھی نہیں سنو گے۔ میں تمہارا غلام نہیں ہوں گولڈن!"

"یہ اپنے قریبی۔"

"اپنے نہیں تمہارے گولڈن! اپنے نہیں۔ میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا کہ تم مجھے اپنے ذاتی سرکل میں گھسیٹو۔" شیر نے تلخی سے کہا تھا۔

گولڈن نے آنکھ کے اشارے سے اپنے پیچھے بیٹھے لوگوں کو وہاں سے ہٹنے کا کہا اگلے ایک منٹ میں کمرہ خالی تھا۔ شیر صوفے کی پشت پر ٹیک لگائے بیٹھا رہا۔

"تمہاری بیٹی خود کو کسی سلطنت کی ملکہ سمجھتی ہے اسے بہت گھمنڈ تھا اس ایونٹ کا۔ اتنی سیکیورٹی تو ہماری کمپنی کا عام آدمی اپنی بیٹی کی شادی پر رکھ لیتا ہے جتنی تمہاری بیٹی نے اتنی حساس جگہ پر اتنا بڑا ایونٹ رکھ کر لی۔ کیا تمہیں اندازہ ہے گولڈن اس ریزیڈنسی کو یہاں تک لانے میں میری کتنی محنت تھی؟ مجھے کڑوڑوں ڈالرز کا نقصان ہوا ہے گولڈن!"

شیر نے سرد لہجے میں کہہ کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی۔

"یہاں بڑے بڑے لوگوں کو آکر رہنا تھا۔ اس جگہ انویسٹمنٹ ہونی تھی اور تمہاری توجہ کی بھوکی خود پسند مغرور بیٹی نے سب تباہ کر دیا۔"

"اس میں ہیزیل کا قصور نہیں ہے تم کس لیے تھے تمہیں دیکھنا چاہیے تھا۔"

"میں دیکھتا؟ اور تمہاری بیٹی کو موقع دیتا کہ وہ پھر آکر تم سے میری شکایت کرے اور دودھ پیتے بچے کی طرح تماشہ لگائے کہ میں اس پر پابندی لگاتا ہوں۔۔ اس پر نظر رکھتا ہوں؟ اس کی دولت پر اپنا حق جماتا ہوں۔۔ نہیں گولڈن میں ایسا نہیں کروں گا اگر وہ کسی چیز کا ذمہ لیتی ہے تو وہ سو فیصد اس کی ذمہ داری ہے میرے اپنے ہزار کام ہوتے ہیں میں ہر وقت اس کی خبر نہیں رکھ سکتا۔۔" شیر سارے لحاظ فراموش کیے ہوئے تھا۔

"وہ تمہارے یا میری طرح نہیں ہے شیر! اس کو مار جن دو۔"

"میں نے جتنا مار جن دینا تھا میں دے چکا گولڈن! میں اس کو مزید کوئی اتھارٹی نہیں دے رہا۔ اگر اسے اتھارٹی چاہیے تو اسے محنت کرنی پڑے

گی خود کو ثابت کرنا پڑے گا۔ اس کے حوالے اپنی کمپنی کے اثاثے دے کر میں ہر دوسرے مہینے نیا دھماکہ افورڈ نہیں کر سکتا۔"

"شیر اسے صدمہ پہنچے گا وہ کام کر رہی ہے۔"

"کام؟ تم سنجیدہ ہو؟ اسے تم کام کہتے ہو؟ وہ چھوٹی چھوٹی محنت کرنے والی کمپنیوں کا کام چرا کر محنت کش لوگوں کا ہنر خرید کر اپنے برینڈ چلا رہی ہے گولڈن! خدا کا واسطہ اسے کام مت کہو۔" شیر نے طنزیہ لہجے میں ہنستے ہوئے کہا۔

"خیر تم جا کر ملو اس سے بات کرو۔ دیکھو وہ ٹھیک ہے کہ نہیں۔"

"وہ ٹھیک ہے۔" شیر نے سنجیدگی سے کہا۔

"اور ہم؟ ہم ٹھیک ہیں؟"

"نہیں گولڈن ! بالکل نہیں۔۔ قطعی نہیں۔۔ ہمارے بیچ بہت سے مسئلے ہیں اور ان مسئلوں کا حل نکالے بغیر ہم ٹھیک نہیں ہوں گے۔۔ ہمارے بیچ پہاڑ جتنا فاصلہ رہے گا۔۔" شیر نے بددلی سے کہہ کر لیپ ٹاپ اسکرین بند کر دی اور پیشانی مسلتے آنکھیں موند لیں۔



شیر اپنا مخصوص لیپ ٹاپ کھولے بیٹھا تھا۔ باہر رات گہری ہو رہی تھی آسمان گہرا سیاہ تھا اتنا سیاہ کہ کچھ بھی دکھائی دینا ناممکن تھا۔ گلاس وال پر ہلکی بوندیں پڑ رہی تھیں۔ شیر بے نیازی سے آنسکریم کے چیچ بھر کر منہ میں انڈیلتا اسکرین پر ظاہر ڈاکیومنٹس پڑھ رہا تھا۔ دفعتاً الیکٹرک لاک پر بپ ہوئی۔

کچھ لمحوں بعد ڈینیل سامنے کھڑا تھا۔ سفید چہرہ لیے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان اس نے شیر کا بغور جائزہ لیا۔

"کیا تمہیں میری پاکٹ واپس ملی؟"

"میں نے ڈھونڈی ماسٹر مجھے نہیں ملی۔" ڈینیل نے نفی میں گردن ہلاتے کہا۔

"تمہیں یہاں آنے کی اتنی جلدی تھی کہ تم نے ٹھیک سے ڈھونڈھی ہی نہیں۔" شیر نے اسے گھورتے ہوئے کہا

"میں نے ڈھونڈی تھی۔" وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

"وہ میرے لیے بہت قیمتی ہے ڈینیل!"

"میں نے سچ میں بہت اچھے سے دیکھا تھا وہ وہاں نہیں ہے۔" وہ بے

چارگی سے بولا۔ شیر نے تلخ نگاہ اس پر ڈالتے نگاہیں لیپ ٹاپ پر تکا دیں۔

"مسٹر عمش نہیں مل رہے۔ وہاں ایک گن اور خون ملا تھا۔ گن پر مسٹر عمش کے فنگر پر نٹس تھے پر وہ وہاں نہیں ملے۔ کہا جا رہا ہے کہ وہ دھماکے میں مارے گئے ہیں۔" ڈینیل نے متوحش انداز میں اسے اطلاع دی۔

شیر نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا وہ یوں ہی لیپ ٹاپ اسکرین کو گھورتا رہا۔

"اب کیا ہوگا ماسٹر؟"

"زندہ یا مردہ کہیں سے نکل ہی آئے گا کچھ وقت میں۔ تم فکر مت کرو۔" شیر نے لاپرواہی سے کہا۔ ڈینیل کا منہ کھلا جسے اس نے فوراً بھیج لیا۔ اسے شیر سے کیا امید تھی۔ سوال بے اختیار ذہن میں ابھر کر معدوم ہوا۔

"خیر وہ پاکٹ واپس تو کم از کم خوش قسمت ہے جس کی شیر کو فکر ہوئی
۔۔" وہ من ہی من میں بڑبڑایا۔

"مس ریچل اور میڈم ہیزیل یہیں ہیں۔۔"

"میری بلا سے۔۔" شیر اونچا بڑبڑایا۔

"مس ہیزیل یہاں آنے کے لیے پرائیویٹ لفٹ میں سوار ہوئی
تھیں۔" ابھی ڈینیل نے بات مکمل نہ کی تھی جب ہیل کی ٹک ٹک سنائی
دی۔ دونوں نے گردن گھما کر ایک ساتھ دیکھا۔ وہ سیاہ اور کوٹ پہنے
کھڑی تھی۔ چہرہ بے تاثر اور ہونٹوں پر گہرے رنگ کی لپ اسٹک وہ
پوری تیاری کے ساتھ آئی تھی۔

"خوش آمدید!" شیر نے عام سا لہجہ اپنایا۔

"ڈینیل باہر جاؤ۔" ہیزیل نے ڈینیل کی طرف دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔ ڈینیل نے اثبات میں گردن ہلائی اور باہر کی جانب بڑھ گیا۔ ہیزیل نے اپنے ہاتھ میں پکڑا لیپ ٹاپ کھولا اور سامنے جھک کر میز پر رکھ دیا۔ شیر خاموش نگاہیں اسی پر ٹکائے کھڑا تھا۔ ہیزیل نے کال لگائی دوسری جانب کال جانے لگی تھی۔



"جب اتنی تباہی ہوئی تم کہاں تھے شیر؟" گولڈن کی آواز متوحش ہو کر کانپ اٹھی۔ وہ اس بات سے لاعلم تھا کہ وہ اس وقت وہاں موجود نہیں تھا۔

"تم کہاں تھے؟ روس میں؟ نہیں! تم اسرائیل میں تھے گولڈن! کہہ دو وہاں نہیں تھے؟" شیر نے سرد مہری سے سوال کیا۔ گولڈن کی آنکھیں ایک لمحے کو پھیلیں اس نے ایک جلتی نگاہ شیر پر ڈالی۔

"میری محبت کا ناجائز مت اٹھاؤ میرے باپ مت بنو شیر۔۔۔"

"تم بھی میرے باپ مت بنو کیونکہ تم میرے باپ نہیں ہو۔ گولڈن! اور مجھ سے ایسے سوال مت کرو جس کا جواب تم خود نہ دے سکو۔"

"کیا آپ دونوں لڑنا بند کریں گے؟" ہیزیل دانت بھینچتے تلخی سے چلائی۔

"تم کمرے سے باہر جاؤ۔ ابھی۔" شیر نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

"وڈ! بلاسٹ سے ایک منٹ پہلے یہ ہال سے نکل گیا تھا۔ یہ واپس نہیں آیا۔ اسے فرق نہیں پڑتا کون تباہ ہوتا ہے۔ اسے معلوم تھا میں یہاں

ہوں۔۔ میری جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔۔ یہ نہیں آیا ڈیڈ! "وہ جذباتی ہو گئی تھی۔

"جنت بھی یہیں تھی۔۔ میں نہیں آیا! میں اس کے لیے بھی نہیں آیا۔۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ میں نہیں آ سکتا تھا۔" شیر نے اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے تحمل سے جواب دیا تھا۔

"کیوں نہیں آ سکتے تھے۔۔ وہ کون تھا جسے تم ہاتھوں میں اٹھا کر وہاں سے نکلے تھے؟ وہ کون تھا جس کی جان تمہارے لیے ہر چیز سے زیادہ اہم تھی۔" ہیزیل حلق کے بل چلائی تھی۔

"ہیزیل یہاں سے جاؤ۔" شیر نے تلخی سے کہا۔
"میں نہیں جاؤں گی۔" وہ بری طرح چلائی تھی۔

شیر جھٹکے سے اٹھا۔

"شیر! وہ ڈسٹرب ہے اسے ہرٹ مت کرنا۔" گولڈن نے بر فیلے لہجے میں کہہ کر اسے خبردار کیا۔ شیر رک کر پلٹا اور ایک سرد نگاہ گولڈن پر ڈالی دوسری نگاہ ہیزیل پر ڈالی۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔

"ہیزیل میں دوبارہ نہیں کہوں گا۔ تمہیں ابھی لمبے آرام کی ضرورت ہے میرا مشورہ مانو! ایک لمبے پرائیویٹ ویکیشن پر جاؤ۔ ٹھیک؟ جب تک میں سب سنبھال لوں گا۔ سب سیٹ کردوں گا۔"

"میں تم پر بھروسہ نہیں کرتی شیر! تم پر بھروسہ کرنے کا مطلب ہے اپنی تباہی کے پروانے پر دستخط کر دینا۔" وہ تلخی سے بولی۔

"میں تمہیں مجھ پر بھروسہ کرنے کا نہیں کہہ رہا۔ میں تمہیں مزید تباہی سے بچنے کا ایک موقع دے رہا ہوں۔" شیر نے لاپرواہی سے کہتے سر کو خم دیا۔ گولڈن خاموش تماشائی بنا ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"مجھے تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ اپنے گالوں کو سختی سے رگڑتے ہوئے بولی تھی۔

"ڈیڈ آج میری تباہی کے ذمہ دار آپ اور یہ احسان فراموش، خود غرض انسان ہے جس نے اپنی ساری زندگی بس ہماری زندگیوں کے ساتھ کھیلا ہے۔۔۔ ہماری دولت پر عیش کیا ہے ہماری سلطنت پر حکمرانی کی ہے اور اب۔۔۔" وہ سانس لینے کو رکی۔ شیر بے نیاز سا وہیں کھڑا اسے سن رہا تھا۔ جیسے اسے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔

"اب یہ ہر چیز سے بے نیاز ہو کر دن بہ دن ہمارے خلاف جارہا ہے۔۔ وہ دن دور نہیں جب یہ ہمیں ہر چیز سے دستبردار ہونے پر مجبور کر دے گا۔۔ اور ہم کچھ نہیں کر پائیں گے۔۔ پوچھیں اس سے کہاں چھپایا ہے اس کے باپ کو اس نے؟ ہم نہیں جانتے وہ کہاں ہے۔۔ آپ نے کہا تھا اس کا باپ ہمارا دانہ ہے۔۔ کیسا دانہ کہاں کا دانہ۔۔ اب کیا ہے ہمارے پاس ڈیڈ؟ کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں؟ اس جانور سے ہم خود کو کیسے بچائیں گے اس خود غرض بیسٹ سے ہم خود کو کیسے بچائیں گے؟؟" وہ ہنریانی انداز میں تیزی سے کہہ رہی تھی۔

"شیر ہمیں بیٹھ کر بات کرنے کی ضرورت ہے۔۔" گولڈن نے سرد مہری سے کہا۔

"ضرور!" شیر نے کہا اور جھک کر لیپ ٹاپ اسکرین بند کر دی پھر سیدھا ہو کر ہیزیل کو دیکھنے لگا۔ ہیزیل جو مزید کچھ کہنا چاہ رہی تھی ٹھہر گئی۔ ڈبڈبائی آنکھوں سے شیر کی جانب دیکھا۔

"خدا تمہیں غارت کرے۔" وہ حلق کے بل چلاتی پلٹنے لگی۔ شیر یوں ہی سینے پر ہاتھ باندھے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔



فجر کی اذان کا وقت تھا۔ وہ کھلے ریگستان میں کھڑا آسمان کو تک رہا تھا۔ آسمان میں چاند معمول سے زیادہ روشن تھا۔ گہرے بادل بھی تھے کبھی چاند کو اپنی اوٹ میں چھپا لیتے تو روشنی کا ہالہ بادلوں کی اوٹ سے ظاہر ہونے لگتا۔ ہوائیں سرد تھیں ہواؤں کی طاقت سے ریگستان کی مٹی مرغولوں کی صورت میں فضاؤں میں اڑتی دکھائی دے رہی تھی۔ دفعتاً

اس نے جیکٹ کی میں میں ہاتھ ڈالا۔ ہاتھ نکالا تو ہتھیلی پر وہ پرانے طرز کی پاکٹ وچ تھی جس کے ڈائل پر ہیرے جڑے تھے۔

"تو وہ شیر تھا جس نے امریکی سفیر کو اغوا کیا اور بدلے میں قیدی مانگے! ایسی کون سی تنظیم ہے جسے تم چلا رہے ہو؟ یا پھر تم خود کسی تنظیم کا حصہ ہو؟ ایرانی تنظیم کا؟ لیکن تمہارا۔۔۔ غازی! آہ! غازی! تم غازی کے ساتھ کسی تنظیم میں ہو۔ کسی فلسطینی تنظیم؟ اسد البیت المقدس تم تھے شیر!" حاشر کے لیے یہ ادراک کا لمحہ ضرور تھا لیکن اسے دھچکا نہیں لگا۔ وہ اس شخص سے کسی بھی چیز کی توقع کر سکتا تھا۔ وہ ناقابل یقین تھا۔ غیر متوقع ترین تھا۔

"بابا! میں بڑا ہوں۔۔۔ تو اصولاً یہ مجھے ملنی چاہیے۔۔۔"

ایک سنجیدہ آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

"اصول کی بات کر رہا ہوں یہ مت سمجھیں کہ میں اپنے بھائی سے حسد کرتا ہوں۔۔ نہیں ایسا نہیں ہے لیکن یہ مجھے چاہیے۔۔" ایک ضدی لہجہ۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے میرے باپ! تمہاری ہی ہے۔ تمہیں دی۔۔ شیر یہ لو تم یہ رکھ لو۔۔"

"یہ انگھوٹی کس کی ہے بابا؟" وہی آواز اب کے متجسس انداز میں اس کی سماعت میں گونجی۔

"یہ میری ماں کی ہے۔ میری دادی نے میری ماں کو دی تھی۔۔"

"اور یہ گھڑی؟"

"یہ گھڑی میرے دادا کو ایک انگریز افسر نے دی تھی۔۔ وہ دادا کا دوست تھا۔۔"

"اس کی قیمت کیا ہوگی بابا؟" گہری متجسس آواز۔

"ابھی تم چھوٹے ہو کیا تمہیں اتنی گنتی آتی ہے؟"

"بالکل آتی ہے۔۔ کیوں نہیں آتی۔۔ لاکھ۔۔ کڑوڑ۔۔ ارب۔۔ کھرب۔۔ مجھے سارے اعداد و شمار آتے ہیں بابا! میں حاشر ہوں۔۔ شریم تھوڑی ہوں وہ چھوٹا ہے۔۔ میں بڑا ہوں۔۔"

"کمانڈر!" کسی نے اسے پکارا تو وہ خیالات کی گہری کھائی سے واپس حال میں لوٹ آیا۔ اس نے مٹھی بند کرتے وہ پاکٹ وایچ دوبارہ اپنی جیب میں ڈال لی اور پلٹ کر مخالف سمت میں چلنے لگا۔

"طوبی کیسی ہے؟" حاشر نے آہستگی سے سوال کیا۔

"اسے پہلے بھی بلٹ انجریز ہوئی ہیں۔۔ اس کی جان کو خطرہ تو نہیں ہے لیکن اس کی ٹانگ! اس کے لیے میں فکر مند ہوں۔۔"

"وہ بہت بہادر لڑکی ہے۔۔" حاشر نے آہستگی سے کہا۔

"اللہ اپنی حفاظت میں رکھے۔"

"آمین! تمہارا بہت شکریہ!" حاشر نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے
شکر گزاری کا اظہار کیا۔

"یہ میرا فرض تھا۔" وہ ہلکا سا مسکرایا اور پلٹ گیا حاشر کچھ پل وہیں رک
کر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا اور پھر آگے بڑھ گیا۔

وہ مختلف راستوں سے چلتا اندر کی جانب بڑھ رہا تھا جوں جوں آگے بڑھ
رہا تھا دل کی دھڑکن بڑھ رہی تھی۔ اس کے قریب جانے کا خیال اسے
بے چین کر رہا تھا۔ اس کے لیے ہمیشہ سے مشکل تھا۔ اپنے قریبی لوگوں
کو بے بس دیکھنا اسے کبھی پسند نہیں تھا۔ وہ ہال میں پہنچا تو نیلی بتی کی
روشنی میں اسے اریب بیٹھا دکھائی دیا خاموش اور سپاٹ چہرہ لیے وہ کسی

غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا۔ تب ہی ایک جانب سے حنین نکلا ہاتھ میں کافی کے تین کپ تھے۔

"آپ لیں گے؟" حنین نے آہستگی سے سوال کیا۔

نہیں۔ شکریہ!" حاشر کہہ کر سامنے کی جانب جاتی نیم تاریک راہداری میں بڑھ گیا۔ حنین نے گردن گھما کر اسے راہداری میں او جھل ہوتے دیکھا اور کافی کے کپ وسط میں رکھی لکڑی کی میز پر رکھ دیا۔

"اسے کچھ دینا ہے؟"

"زہر دینے کا دل چاہ رہا ہے۔۔ اس کا زندہ رہنا ضروری نہ ہوتا تو وہیں گلا دبا کر موت کے گھاٹ اتار دیتا میں اس خبیث کو۔۔" اریب نے تلخی سے کہا۔ حنین لب بھینچ کر دوسری جانب دیکھنے لگا۔



کمرے میں گہری تاریکی تھی۔ وہ انتہائی چھوٹا سا کمرہ تھا جہاں چھت پر ایک زرد بلب جل رہا تھا۔ کرسی پر وہ بندھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ چہرے پر سیاہ کپڑا ڈالا ہوا تھا دونوں ہاتھ اور پاؤں کرسی کے ساتھ بندھے تھے۔

"مجھے پانی دو۔"

اس نے حاشر کے قدموں کی دھمک سن لی تھی تبھی بلب لانے لگا۔

"میں سانس نہیں لے پا رہا یہ کپڑا میرے چہرے سے ہٹاؤ۔" اس کی آواز بیٹھی ہوئی تھی۔ شاید وہ بہت زیادہ چلایا تھا۔

"کون ہو تم؟ کیا چاہتے ہو؟ مجھے یہاں کیوں لے کر آئے ہو؟"

"ہم ایک دفعہ پہلے بھی ملے ہیں۔" حاشر نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ اس کی نگاہیں اس کے وجود پر ٹکی ہوئی تھیں۔

"ک۔۔ کون ہو تم؟"

"کابل! 2016! 2 ستمبر!"

"ت۔ تم شیر کے بھائی ہو؟" عمش کی آواز کپکپا اٹھی۔

"ت۔ تم وہی ہمشکل ہو۔۔ ت۔ تم یہاں۔۔ میں کہاں ہوں"

"میں نے تم سے کہا تھا عمش البانی! اگر تمہیں یاد ہو۔۔ میں نے کہا تھا

میں واپس آؤں گا۔ اور تمہیں یاد دلاؤں گا کہ تم نے مجھے ایک گالی دی

تھی۔ تم نے میرے ایک ساتھی کو شہید کیا تھا۔ اور میں نے کہا تھا

میں تم سے بدلہ لینے آؤں گا۔"

"م۔ میں کہاں ہوں؟"

"تم پاکستان میں ہو عمش!" حاشر نے سرد مہری سے کہا۔

"اب تم پائی پائی کا حساب دو گے۔ اس گالی کا! اس موت کا! اس تکبر

کا! اس ظلم کا! پاکستان کی ہر اس عورت کا جسے تم نے فروخت

کیا۔۔ ہر اس بچے کا جس کو تم نے قتل کیا۔۔ اس بار برے پھنسے ہو۔۔"
حاشر نے سفاکیت سے کہا۔

یہ بارہ سال پہلے کی بات ہے۔ ایک بڑی ہی چمکدار روشن دن کی روداد تھی۔ شہر کابل کی مصروف ترین شاہراہ کے نزدیک ایک فٹ پاتھ پر وہ ایک انار کی ریڑھی پر کھڑا تھا۔ سفید رومال پٹھانوں کی طرز میں سر پر باندھے بڑھی ہوئی داڑھی اور سفید قمیض شلوار پہنے وہ مقامی پھل فروش سے زیادہ کچھ نہیں لگ رہا تھا۔ دفعتاً خالی سڑک پر قطار میں کئی گاڑیاں آتی دکھائی دیں۔ پھل فروش نے کان کھجانے کے بہانے کان پر لگا آلہ ایکٹو کیا۔

"داؤد!"

"تیار ہوں میں!"

"اوکے۔۔" اس نے کہہ کر اپنا رومال درست کیا اور ریڑھی کو دھکا دیتا ایک سمت میں بڑھنے لگا۔ کان پر لگے آلے میں بپ ہوئی اس نے گلا کھنکارا۔

"کیا خبر ہے؟"

"وہ کابل میں ہیں۔۔ امریکی فوجی اڈے کی طرف جائیں گے۔۔ مجھے یقین ہے یہی وہ آدمی ہے جس نے ایران کے فوجی افسر کی بیٹی کو اغوا کروا کر بالی میں بیچ دیا تھا۔"

"میں تم پر بھروسہ تو کرتا ہوں حاشر! لیکن ہمیں یوں رسک نہیں لینا چاہیے۔۔"

"ہمیں کم از کم دیکھ تو لینا چاہیے ناں کہ وہ یہاں کیوں آیا ہے؟ مجھے یقین ہے یہی وہ شخص ہے جو اس کالے دھندے میں ملوث ہے سر! ورنہ کوئی

بز نس ٹائیکون کابل میں تو کسی بز نس میٹنگ میں نہیں آئے گاناں؟" وہ بات کرتا ہوا ادھر ادھر دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔ داڑھی مونچھوں کے باعث جاننا مشکل تھا کہ وہ بات کر رہا تھا۔ کچھ دور چلتے اس نے ایک گودام کے پاس لا کر اپنی ریڑھی روک کر وہاں موجود ایک مقامی شخص سے پشتو میں کچھ کہا تھا اور پھر آگے بڑھ گیا تھا۔ اس کی داڑھی ڈیڈھ انچ کی تھی جسے تراشا نہیں گیا تھا۔ گھنیری پلکوں کی آڑ میں گہری سیاہ آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔ وہ بس اڈے پر آ کر ایک بس میں سوار ہوا اور بس کچھ دیر بعد اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہو گئی۔ وہ شہر تقریباً پاکستان کے شہر پشاور سے ملتا جلتا تھا۔ سڑکوں پر لگے سائن بورڈز تھے جو اس شہر کے اجنبی ہونے کی نشاندہی کر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد اس نے اشارہ کرتے بس کو روکوا یا اور اتر کر ایک جانب چل دیا۔ آس پاس نگاہیں گھماتے

اس نے کسی کے نہ ہونے کا یقین کرتے ہی رفتار پکڑی اور لمحوں میں کچے میں اترتا کسی چھلاوے کی مانند پتھروں اور چٹانوں میں اوجھل ہو گیا۔

"کہاں جارہے ہو تم؟ تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے لڑکے! میری بات سنو۔ مجھے پانی دو۔"

"ہماری پہلی ملاقات کے بعد سے میں تمہیں کبھی نہیں بھولا عمش! میں ہر پل تمہاری خبر رکھتا تھا۔ لیکن تم بھول گئے تھے۔ تم مجھے بھول گئے تھے تمہیں لگا میں ان عام لوگوں کی طرح تمہارا شکار ہو کر راستے سے ہٹ گیا ہوں۔ نہیں! میں تمہارے پیچھے تھا۔ آج ہماری دوسری ملاقات ہے عمش! آج کے بعد تم مجھے کبھی نہیں بھولو گے۔ آخری سانس تک

مجھے یاد رکھو گے! میں نے تمہیں کہا تھا داؤد کو مت مارو۔ اب تم اس کا حساب دو گے۔" حاشر کہہ کر وہاں سے چل دیا۔

عمش پوری قوت لگا رہا تھا۔ کرسی ادھر سے ادھر جھولتے ہوئے فرش پر گر پڑی۔

"خدا تمہیں غارت کرے۔۔ میں تم سب کو برباد کردوں گا۔" وہ چلایا تھا۔ بے بسی کی آخری حدوں کو چھوتی اس کی آواز سے لگتا تھا جیسے اس کا گلا چھل گیا تھا۔ وہ بری طرح کھانسنے لگا۔ وہ کھانستا رہا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اچانک ہی وہ منظر آیا تھا۔

ایک سرخی مائل رنگت کا حامل چاک و چوبند جوان جو قہوہ پیش کر رہا تھا نگاہیں جانچتی ہوئی تھیں۔

"یہ لڑکا کون ہے؟"

"یہ بلند بخت ہے! دو سال سے ہمارے پاس کام کر رہا ہے۔" کسی نے عربی میں کہا تھا۔

"یہ اس کی شرٹ پر کیا ہے؟" عمش نے اس کی شرٹ کے اوپری بٹن کو بغور دیکھتے اپنے برابر میں کھڑے شخص سے سوال کیا۔

"کہاں سر؟"

"ادھر آؤ۔" عمش نے اشارے سے اسے اپنے پاس بلایا۔

وہ نا سمجھی سے گردن ہلاتا دوسرے شخص کو دیکھتا رہا اس کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔ تب ہی دوسرے شخص نے اسے پشتوں میں پاس آنے کا کہا۔ داؤد کی دھڑکن تیز ہوئی اس نے سر ہلایا اور آگے بڑھا اس نے جیب میں رکھی اینڈیکٹر دو دفعہ دبایا تھا۔ ابھی وہ آگے بڑھا ہی تھا جب خیمے میں

وہ تیزی سے داخل ہوا تھا۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی اس پاس کھڑے لوگوں نے اپنے ہتھیار سنبھال لیے۔

"شاداب!"

"یہ اس کا دوست ہے شاداب بھی پہلے یہیں کام کرتا تھا۔"

"دونوں کو ادھر بلاؤ۔" عمش بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھا اور بغور حاشر کی جانب دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھیں حاشر کی آنکھوں میں پیوستہ تھیں۔

"شیر! یہ تم ہو۔" عمش نے عربی میں سوال کیا تھا۔

"یہاں کیا کر رہے ہو تم؟" عمش نے اگلا سوال کرتے اس پر جھپٹنے کے انداز میں حملہ کیا تھا۔ حاشر تیزی سے پیچھے ہٹا اور داؤد کی جانب دیکھتے اسے آنکھ کا اشارہ کیا جسے عمش نے فوراً سمجھا تھا۔

"اس لڑکے کو پکڑ لو۔۔" عمش نے سختی سے حکم دیا تھا۔ حاشر کی نگاہیں داؤد پر گئیں۔ دونوں کی نگاہیں آپس میں ملی تھیں۔ وہ دونوں نہیں جانتے تھے کہ یہ آخری نگاہ تھی۔ وہ آخری وقت تھا ان کا ساتھ !

"داڑھی ہٹاؤ تمہاری ہمت کیسے ہوئی یہاں تک میرے پیچھے آنے کی۔۔" عمش نے اسے گھورتے ہوئے کہا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے تم جو چاہو کرو گے؟ گولڈن کے لاڈلے ہو میرے باپ نہیں ہو تم سمجھ گئے۔۔" عمش نے خود ہی اس کی داڑھی کھینچی تھی۔ جس پر حاشر نے اسے پیچھے دھکیلا۔

"یہ اصلی نہیں ہے اسے اتارو۔۔"

"یہ اکثر آتا جاتا ہے سر! یہ اصلی ہے۔۔ آپ کس شیر کی بات کر رہے ہیں؟"

"تم اپنا منہ بند رکھو۔" عمش پیچھے پلٹ کر غرایا اور حاشر کی قمیض کھینچنا چاہی حاشر نے پھر اس کا ہاتھ جھڑکا تھا لیکن عمش اس کا سینہ دیکھ چکا تھا۔ اس کا منہ بے یقینی سے کھلا تھا۔ اس نے بے اختیار نفی میں گردن ہلائی۔

"تم بابر کے بیٹے ہو؟ بابر خان؟"

حاشر کی آنکھوں میں بے یقینی نے جنم لیا وہ حیرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر تیزی سے گردن گھما کر داؤد کو دیکھا۔

"کیا بابر خان کے دو بیٹے تھے تمہارا نام کیا ہے؟"

"میں کسی بابر خان کو نہیں جانتا۔" حاشر نے سنجیدگی سے کہا اور ایک قدم پیچھے ہٹ کر ارد گرد کا جائزہ لینا چاہا۔ خطرہ سر پر منڈلا رہا تھا کسی

بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ وہ اپنی جان بچا سکتا تھا لیکن داؤد! اسے داؤد کی فکر تھی۔ حاشر نے غیر محسوس انداز میں اپنے قدم پیچھے ہٹائے۔

"کوئی چالاکی مت کرنا! تم میرے ساتھ چل رہے ہو۔"

"میں کہہ چکا ہوں جو تم سمجھ رہے ہو وہ میں نہیں ہوں۔" حاشر نے تحمل کا مظاہرہ کرتے کہا۔

"اس کے باوجود تم میرے ساتھ چل رہے ہو۔"

"ٹھیک ہے میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔ اسے چھوڑ دو۔" حاشر نے ایک لمحہ لگائے بغیر فیصلہ کر ڈالا تھا۔

"ٹھیک ہے! تم یہیں رکو۔ تم جاؤ۔" داؤد کو چھوڑ دیا گیا۔ داؤد نے آنکھوں ہی آنکھوں میں حاشر سے کچھ پوچھا جس کا جواب حاشر نے

پلکیں آہستگی سے جھپکا کر دیا تھا۔ داؤد باہر کی جانب بڑھا کچھ دیر ہی گزری تھی جب فائرنگ کی آواز آئی۔

"یہ کیا تھا؟" حاشر نے پلٹ کر عمش کی جانب دیکھا۔ اس کی آواز میں سرد مہری اتری

"وہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔" وہ بے اختیار باہر کی جانب دوڑا۔ عمش نے اس کے پیچھے لڑکے پیچھے جنھیں اس نے راستے ہی میں ٹھنڈا کر دیا ابھی کچھ فاصلہ ہی طے کیا تھا جب اسے داؤد دکھائی دیا۔ وہ سانس نہیں لے سکا۔

"یہ سب کچھ بے معنی ہے میں تمہاری زندگی بدل سکتا ہوں۔" اسے اپنے عقب میں آواز سنائی دی۔

"میں بھی تمہاری زندگی بدل دوں گا۔ میرا انتظار کرنا میں واپس آؤں گا۔" وہ سردمہری سے بولا اور اندھا دھند فائرنگ کی سامنے سے بھی گولیاں برسائیں جانے لگیں ایک گولی اس کی گردن میں پیوست ہوئی جس پر وہ بری طرح کراہتا بڑی سی چٹان کے اوٹ میں ہوا تھا۔ اس کی گردن سے بھل بھل خون بہہ رہا تھا۔ اس نے ایک نظر داؤد کی لاش پر ڈالی اور گردن پر ہاتھ رکھے چٹانوں کی اوٹ میں ہوتا وہاں سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔



ماحول میں عجب سا تناؤ پیدا ہو گیا تھا۔ تلخ سا چہنچہنے والا گہرا احساس جو مزاج کو بوجھل کر رہا تھا۔

"داؤد کے بعد میں نے کبھی کوئی دوست نہیں بنایا۔ زندگی بھر میں کبھی کسی انسان کے ساتھ دوستی کا وہ احساس محسوس نہیں کرپاؤں گا۔" حاشر نے آہستگی سے کہتے سامنے کی دیوار پر نگاہ ڈالی اور وہاں سے اٹھ گیا۔

"آپ کی گردن پر یہ نشان عیش کی چلائی ہوئی گولی کا ہے؟" اریب نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

"ہاں!" حاشر نے گردن پر اسی نشان کو چھوا۔

"وہ آپ کو کیوں اغوا کرنا چاہتا تھا کمانڈر؟" حنین نے متجسس انداز میں سوال کیا۔ حاشر ایک پل کو ٹھہر گیا۔ اس کے ذہن کے پردے پر ایک چہرہ ابھرا۔ وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔

"میں نہیں جانتا۔" وہ نرمی سے کہہ کر وہاں سے نکل گیا۔ منان حنین اور اریب نے ایک ساتھ گردن گھما کر اسے راہداری میں او جھل ہوتے دیکھا اور پھر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

حاشر دھیمی چال چلتا وہ اس کمرے کے باہر آکر رک گیا۔ سفید دروازے کے بیچ ایک خلا تھا جس پر شیشہ لگا تھا۔ حاشر نے اندر جھانکا۔ وہ سامنے بیڈ پر بہت گہری نیند میں تھی۔ حاشر آواز پیدا کیے بغیر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ وہ اسے دیکھے گیا۔ ارادہ نہ تھا لیکن نگاہیں جم سی گئیں تھیں۔ وہ گزرے سالوں میں خواتین نوجوان افسر کے ساتھ کام کر چکا تھا ان میں سے اکثر اس میں دلچسپی رکھتی تھیں۔ اس سے متاثر تھیں لیکن طوبی کے ساتھ گزرے کئی پل اس کی نگاہوں میں گھومنے لگے وہ احساس جب اسے لگا اس نے داؤد کی طرح اسے کھودیا یقیناً غیر معمولی تھا۔ وہ

بہت زیادہ حسین نہیں تھی حاشر نے یقیناً کئی غیر معمولی حسن کے پیکر دیکھے تھے پر یہ کشش مختلف تھی۔ اسے وہ کوئی نام نہیں دے سکتا تھا۔ یہ احساس مختلف تھا۔ حاشر نے نگاہیں ہٹالیں اور سر جھکا کر فرش کو گھورنے لگا۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم ہونے لگا۔ دور افتادہ کسی بہت گہرے خیال میں ڈوبا ہوا تھا جب کسی احساس کے تحت اس نے چہرہ اٹھایا اور ساکت رہ گیا۔ وہ اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں نقاہت لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ٹھیک ہیں آپ؟"

"مجھے لگا میں آپ کو دوبارہ کبھی نہیں دیکھ پاؤں گی۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے بہت دھیمے لہجے میں تھکن زدہ انداز میں بولی۔

حاشر سانس نہیں لے سکا۔ پلکیں تک نہ جھپکا سکا۔ سن سپاٹ سا اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ اس کے دل کو کسی نے مٹھی میں لے کر دبا دیا تھا۔ وہ بھی تو اسی خیال کے ساتھ کئی گھنٹے تک پل صراط پر کھڑا رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" طوبیٰ نے آہستگی سے کہتے آنکھیں موند لیں حاشر کہنا چاہتا تھا کہ وہ آنکھیں کھلی رکھے لیکن کچھ نہ کہا اس کی بند پلکوں کو دیکھتا رہا۔ طوبیٰ اس کے نگاہوں کا ارتکاز محسوس کرتی چہرے کا رخ موڑ گئی۔ حاشر بری طرح چونکا۔

"بلڈ لاس اور آپریشن کے بعد سوجن ہو جاتی ہے چہرے پر۔ مجھے معلوم ہے جاپان کا کوئی سومو ریسلر لگ رہی ہوں ایسے حیرت سے نہ دیکھیں مجھے۔"

ایک پل کو اس کی بات سن کر حاشر کا منہ کھلا رہ گیا اگلے ہی پل وہ بے اختیار ہنس دیا۔

"کیوں ہنس رہے ہیں؟"

"کب سے سوچ رہا تھا چہرہ دیکھا دیکھا سا کیوں لگ رہا ہے۔۔ بچپن میں ہی دیکھا کرتا تھا ناں سومو ریسلرز کو۔" حاشر نے مسکراہٹ دباتے کہا اور وہاں سے اٹھ کر ٹیبل تک آیا اور گلاس میں پانی بھرنے لگا۔ طوبی آنکھیں کھولے اسے کن اکھیوں سے دیکھتی رہی وہ آہستگی سے چلتا اس کے قریب آیا اور اس کا بیڈ اوپر اٹھانے لگا۔

"ایک گھونٹ لیجئے گا۔"

"پر مجھے زیادہ پیاس لگی ہے۔۔" طوبی نے منہ بسورا۔

"صرف ایک گھونٹ!" حاشر نے نرمی سے تنبیہ کرتے اس کے چہرے سے بال ہٹاتے پیچھے کیے اور اس کی پونی اتارنے لگا۔ طوبی کا دل دھڑکنا بھول گیا وہ نگاہیں اٹھائے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے بازو پر بھی پٹی بندھی تھی گال سے زرا اوپر خراش جو اب سرخ پڑ رہی تھی۔ حاشر اس کی نگاہوں سے بے نیاز اس کے سارے بالوں کو سمیٹ کر باندھنے لگا۔ طوبی پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھے گئی۔

"آپ پاکستان جا رہی ہیں۔" اس نے بال باندھتے پیچھے ہوتے آہستگی سے اطلاع دی۔ طوبی نے جھٹکے سے گردن اٹھا کر حاشر کی طرف دیکھا اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں۔ وہ یک ٹک اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"میں کہاں جا رہی ہوں؟"

"پاکستان!"

"ک۔۔ کیوں؟ ہمارا مشن ابھی مکمل نہیں ہوا۔" اس کی آواز بے یقینی سے لرزی تھی۔

"لیکن آپ پاکستان جارہی ہیں مس طوبی!"

"کیا میں وجہ جان سکتی ہوں کمانڈر؟" اس کی آواز میں کئی جذبے ایک ساتھ وارد ہوئے تھے۔

"آپ کو سیریس انجریز ہوئی ہیں۔"

"میں جلدی ٹھیک۔"

"نہیں مس طوبی! آپ پاکستان واپس جارہی ہیں۔ آپ تین ماہ کے لیے

چھٹی پر ہیں۔"

"م۔۔ میں یہاں۔"

"آپ اپنی چھٹیاں پاکستان میں گزاریں گی۔" حاشر نے نفی میں گردن ہلاتے قطیعت سے کہا۔

"کمانڈر آپ ایسا نہیں کر سکتے۔" اس کی آنکھوں میں آنسو بھرنے لگے۔ حاشر نظریں چراتا بو جھل دل لیے پلٹ گیا۔ طوبیٰ نے بے یقینی سے اپنے وجود پر نگاہ ڈالی اور وجود پر پڑی چادر ہٹائی۔ ایک دم ہی کمر اور پیٹ میں ٹھیسیں اٹھنے لگیں۔ اسے اپنی ٹانگیں فی الوقت محسوس نہیں ہو رہی تھیں لیکن وہ ان پر بندھی پٹیوں سے اندازہ لگا سکتی تھی۔ آنسو بے اختیار اس کا چہرہ بھگونے لگے۔



"کیا تم جانتی ہو تمہارا اور کمانڈر کا بلڈ گروپ ایک ہی ہے؟ نایاب بلڈ گروپ! او پازیٹو۔" اریب پر جوش سا کہہ رہا تھا۔ حنین اور منان خاموش بیٹھے تھے۔

"جانتی ہوں۔"

"اب تمہارا ان سے خون کا رشتہ ہے یہ جانتی ہو؟" طوبی نے چہرہ گھما کر اریب کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی اتری۔

"کمانڈر نے کہا جتنا خون چاہیے لے لو۔" اریب نے معنی خیزی سے کہا۔
"کوئی اجنبی بھی ہوتا تو وہ یہی کرتے اریب!" طوبی نے تلخی سے کہا۔ منان نے سر اٹھا کر طوبی کی جانب دیکھا۔
"وہ تمہارے لیے بہت فکر مند تھے۔"

"ہم میں سے کوئی بھی ہوتا تو وہ یہی کرتے۔۔۔" طوبیٰ نے آہستگی سے کہا اور آنکھیں موند کر چہرہ گھمالیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو کا ایک قطرہ پھسل کر اس کی کنپٹی سے ہوتا اس کے بالوں میں جذب ہو گیا۔

"آخر کار تم اپنے ناخن بڑھا سکتی ہو۔۔۔ بالوں پر جامنی ڈائے کروا سکتی ہو۔۔۔" اریب نے بمشکل لہجے کو نارمل رکھا تھا۔

"میرا سر نہ کھاؤ اریب۔۔۔ جاؤ جا کر میرے ڈسکوالیفائی ہونے کا جشن مناؤ۔۔۔"

"کیا تمہیں لگتا ہے ہم خوش ہیں طوبیٰ؟" منان نے نرمی سے کہا۔
 "ہم سب بہت ڈر گئے تھے۔" حنین نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔

"کمانڈر کے ہاتھ کانپ رہے تھے طوبی! میں نے کبھی انھیں اس طرح نہیں دیکھا تھا۔۔ شاید تمہارے شوٹ ہونے کی وجہ سے وہ بغیر کسی پلان کے عمش کو یہاں لے آئے ہیں۔۔"

طوبی نے جھٹکے سے گردن گھمائی اور باری باری ان تینوں کو دیکھا۔
"عمش ہماری کسٹڈی میں ہے؟ عمش البانی؟" اس نے تائید چاہتے تیزی سے ان تینوں کے چہرے جانچے۔

"ہاں وہ ہماری کسٹڈی میں ہے۔۔"
طوبی کی آنکھیں بے اختیار چمکنے لگیں۔
"تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔۔"

"کمانڈر کہاں ہیں؟"

"وہ کچن میں تمہارے لیے کھانا بنا رہے ہیں۔۔ پرہیزی کھانا انہوں نے ہمیں سختی سے منع کیا ہے کہ تمہیں کافی نہ دی جائے۔۔" حنین نے اطلاع دی

"لیکن کیوں؟" وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

"جیسا کہ تم اچھی طرح جانتی ہو ہمارے مسٹر پرفیکشنسٹ آرگنائزڈ کمانڈر کو۔ ان کی ڈکشنری میں پرہیز مطلب مکمل پرہیز۔۔" اریب نے کہا۔

"اگر آپ لوگوں کی ملاقات ہوگئی ہو تو سب باہر جاسکتے ہیں۔۔ مس طوبیٰ کو آرام کی ضرورت ہے۔۔" اسی پل وہ ٹرائی گھسیٹتا اندر داخل ہوا۔ وہ تینوں خاموشی سے اٹھ گئے۔ حاشر ٹرائی گھسیٹتا اس کے پاس لے آیا اور اس کے سامنے ٹرے رکھی جس میں ایک باؤل دلیے کا تھا ایک پلیٹ میں کچھ پھل کٹے ہوئے تھے دو ابلے ہوئے انڈے اور تازہ پھل کا

شربت۔ ٹرے نفاست سے سچی ہوئی تھی۔ پھل نفاست سے کٹے ہوئے تھے۔

"مسٹر پرفیکشنسٹ!" وہ دل ہی دل میں بڑبڑائی۔ پر اس کی طرف دیکھنے یا کچھ کہنے سے گریز کیا۔ حاشر نے اس چچ اور چھری اس کی ٹرے میں رکھی

"ٹھیک سے کھائیے۔"

کہہ کر ٹرائی ایک طرف رکھتا پلٹ گیا۔ طوبی نے نگاہیں اٹھا کر اسے جاتے ہوئے دیکھا اور پھر گہری سانس لیتے سامنے رکھی ٹرے کو دیکھنے لگی۔

"شکریہ ہی کہہ دیتی طوبی!" اس نے خود کو کوسا اور لب کاٹتی چچ اٹھانے لگی۔

"مجھے واپس بھیج دیں گے۔۔ اور بس۔۔ میں ایک کو ایجنٹ رہ جاؤں گی جس نے ایک مشن میں کچھ مہینے ان کے ساتھ کام کیا تھا۔ شاید وہ مجھے دوبارہ کبھی پہچانیں ہی نہیں۔۔ پہچان بھی لیں تو کون سا آکر جھپی ڈالیں گے۔۔

"اسلام و علیکم! مس طوبی! آپ ٹھیک ہیں اب؟ آپ کے ساتھ کام کا تجربہ بہت بہترین تھا۔ بہت ٹیلنٹڈ اور بہادر ہیں آپ۔" طوبی نے اس کی نقل اتارتے بے دلی سے ٹرے ایک طرف کردی۔

"چیک اپ کے مطابق آپ کے سر پر چوٹ نہیں آئی تھی مس طوبی؟ کیا آپ اپنے آپ سے باتیں کر رہی ہیں؟" حاشر کی نرم آواز پر وہ جھٹکے سے گردن اٹھا کر سامنے دیکھنے لگی۔ وہ تو کمرے سے نکل نہیں گیا تھا۔ طوبی نے شرمندہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ٹرے اٹھا کر

اپنے سامنے رکھی اور خاموشی سے دلیہ کھانے لگی۔ حاشر نے مسکراہٹ دباتے بمشکل اس کے چہرے سے نظریں ہٹاتے ایک گہری سانس اندر خارج کی تھی۔

"آپ کے واپس جانے کا موضوع ابھی مکمل نہیں ہوا ہے۔۔ اس لیے اس پر زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔ میں نے پہلے اس لیے بتایا ہے کہ آپ ذہنی طور پر خود کو تیار رکھیں۔۔" حاشر نے نرمی سے کہا جس پر طوبیٰ فقط سر ہلا کر رہ گئی۔ حاشر نے اس پر خاموش نگاہ ڈالی وہ سمجھ رہا تھا کہ اس کی ناراضگی اور غصے کا اظہار تھا۔ ورنہ وہ اس کی ایک لفظی بات کا بھی کوئی نہ کوئی جواب ضرور دیتی تھی۔ حاشر زیر لب مسکرا دیا۔



ریزیڈنسی کے احاطے میں سکیورٹی اہلکار اپنی ڈیوٹی پر تھے۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ جائے وقوع پر باندھی جانے والی سے ٹیپ سے ریزیڈنسی کا ایک حصہ کور کر دیا گیا تھا۔ وہ ایک طرف چبوترے پر بیٹھی تھی۔ اور کوٹ اس کے کاندھوں پر تھا۔ وہ ڈر جھکائے ہوئے تھی۔ سن سپاٹ سی خالی نگاہیں زمین کو گھور رہی تھیں۔ اسے یہاں بیٹھے کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ پولیس اہلکار اسے کئی دفعہ آکر بتا چکے تھے کہ ساری لاشیں اور زخمی ہسپتال منتقل کیے جا چکے ہیں یہاں تک کہ اسے ہسپتال کا ایڈریس تک بتا دیا گیا تھا لیکن وہ وہیں بیٹھی تھی۔ ماؤف ذہن لیے کبھی خلا کو گھورتی تو کبھی زمین کو گھورنے لگتی۔ دفعتاً ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھا جس میں کافی کی مشہور برانڈ کا ڈسپوزبل کپ تھا۔

"کیا بارود کی بو بہت پسند ہے تمہیں؟" لہجے میں سادگی تھی۔ جنت نے آہستگی سے گردن اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ سرجیکل ماسک کے پیچھے سے وہ دو آنکھیں جن پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو اترتے دکھائی دیے۔

"ڈیڈ کہاں ہیں؟" جنت نے کانپتی آواز میں سوال کیا۔
 "میں نہیں جانتا۔" اس نے اس کا ہاتھ پکڑتے اسے کھڑا کیا اور اوپر کوٹ اس کے کاندھوں سے ہٹایا۔

"پہنو اسے۔" انداز میں نرمی تھی۔ جنت اور کوٹ پہننے لگی۔ شیر نے ہاتھ بڑھا کر کوٹ کے اندر پھنسے اس کے بال باہر نکالے اور کافی کا کپ اسے پکڑایا۔

"سب کہہ رہے ہیں۔۔۔ وہ زندہ نہیں ہیں۔۔" جنت نے کپ نہیں پکڑا
وہ سست قدموں سے چل رہی تھی۔

"وہ زندہ ہے۔ صرف اغوا کر لیا گیا ہے۔۔"

جنت نے جھٹکے سے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بے
یقینی کے ساتھ ساتھ خوف کا ایک گہرا احساس ظاہر ہوا۔

"ڈیڈ کو کس نے اغوا کیا ہے؟" جنت کے لہجے میں بے تابی تھی۔

"یہ میں نہیں جانتا۔ لیکن میں پتا کر لوں گا۔"

"ڈیڈ کو بچالو گے؟" جنت کی آنکھوں میں بے چینی تیر رہی تھی انداز
میں بے تابی تھی۔

"میں وعدہ نہیں کر رہا۔ لیکن کوشش کروں گا۔۔" شیر نے ایک طرف

رکھے کچرا دان میں کافی کا کپ اچھالا تو جنت نے چونک کر کچرا دان کی

طرف دیکھا پھر اس کا ہاتھ جس کی طرف انگلیاں ہی ظاہر تھیں۔ سیاہ
ڈھیلی سی اور سائز شرٹ کی آستینیں بھی بہت لمبی تھیں۔

"کیا وہ خطرناک لوگ ہیں؟ تم سے زیادہ خطرناک؟"

شیر ایک پل کو کچھ نہ بولا فقط اس کی طرف دیکھتا رہا پھر سر جھٹک کر
ہنس دیا۔

"مجھ سے زیادہ خطرناک۔۔۔" وہ بڑبڑایا۔

"کیا کہہ رہے ہو تم؟"

"کچھ نہیں! تمہیں آفس جوائن کرنا ہے۔"

"آفس؟ کون سا آفس؟ اور کیوں؟" جنت نے الجھن آمیز انداز میں
سوال کیا۔

"عمش کا آفس! اس کی سیٹ جنت!" شیر نے قطعیت بھرے انداز میں کہا۔ جنت نے بے یقینی و حیرت سے شیر کی طرف دیکھا اور اپنی گردن کو سوالیہ انداز میں حرکت دی۔

"کیوں؟"

"باپ کا ترکہ اولاد سنبھالتی ہے لٹل وچ! ٹھیک ہے وہ ایک اچھا آدمی نہیں ہے لیکن اپنے مرکزی کاروبار پر وہ بہت محنت کرتا رہا ہے۔۔۔ یونہی تو گولڈن کافرٹ مین نہیں بنا تھا ناں۔۔۔ مبارک ہو مس عمش! جب تک عمش البانی واپس نہیں آجاتا تم۔۔۔ تم جی ایف ایس آر کی کو ڈپٹی ڈائریکٹر ہو۔۔۔"

"کو؟ دوسرا کون ہے؟" جنت نے لاعلمی سے سوال کیا۔

شیر بے اختیار مسکرایا۔ مسکراہٹ میں شرارت اور آنکھوں میں شیطانی چمک تھی۔ وہ ہلکا سا جھک کر اپنے لب جنت کے کان کے قریب لایا اور دھیمے لہجے میں سرگوشی کی۔

"ہیزیل فاکس! لٹل وچ! ہیزیل فاکس!" وہ کہہ کر سیدھا ہوا تو جنت کڑوا سامنہ بنائے اسے گھور رہی تھی۔

"لیکن وہ تو اپنی کمپنی کی ہیڈ نہیں ہے؟"

"بالکل ہے! لیکن جی ایف ایس آر میں بھی اس کا ایک عہدہ ہے جنت! ڈپٹی ڈائریکٹر۔۔۔" وہ لطف اندوز ہو رہے تھا جانے کس بات پر وہ اتنا خوش تھا۔

"کیا تم جانتی ہو جنت؟ آج کے دن میں نے اسے معطل کیا ہے۔۔۔"

"کیوں؟"

"میری مرضی! میں مالک ہوں۔ کیا تم بھول گئیں؟" شیر شرارتی انداز میں ہنستا اس کی لٹ کھینچتا سیدھا ہوا۔ جنت ابھی ابھی سی اسے دیکھتی رہی۔

"ڈیڈ کب واپس آئیں گے؟"

"کیا تم کچھ وقت کے لیے اپنا ڈیڈ نامہ بھول سکتی ہو جنت؟ جیسے کہ وہ تمہیں پرنس ٹریٹمنٹ دینے والا باپ تھا۔ کم آن؟ بہت مشکل سے کچھ وقت کے لیے جان چھوٹ رہی ہے؟" شیر نے بیزاری سے کہا اور اگلے ہی پل جنت نے اپنی باریک ہیل اس کی ٹانگ پر زور سے دے ماری۔ شیر چلتے چلتے رکا اور ایک سخت گھوری سے اسے نوازتا اپنی پتلون دیکھنے لگا جہاں ہلکی سی مٹی لگ گئی تھی۔

"ٹل وچ! کیا تم میری عزت نہیں کر سکتی؟" وہ تپ گیا۔

"نہیں! بالکل نہیں تم عزت کے قابل نہیں ہو۔" وہ تلخی سے کہتی تیز قدموں سے چلنے لگی۔ شیر کاندھے اچکاتا اس کے پیچھے چلنے لگا۔ نگاہیں اس کے وجود پر جمی تھیں۔ وہ اس سے کچھ قدم آگے تھی۔ اعتماد سے چل رہی تھی بے خوف اور مغرور سی چال! شیر بے اختیار مسکرا دیا۔

"میں تمہارے لیے آفس تیار کروا دوں گا۔" شیر اس کے ہمقدم ہوتے ہوئے بولا۔

"میں نے حامی نہیں بھری!" جنت نے بے نیازی سے کہا۔

"سوچ لو! بعد میں مت کہنا تمہارے ڈیڈ کے ملین ڈالرز شئیرز پر ڈاکہ ڈالا ہے میں نے۔۔ میں پہلے ہی ہیزیل کے طعنے سن کر سن کر تھک چکا ہوں۔۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

"تم اسی لائق ہو۔۔ بہت اچھا کرتی ہے وہ تمہارے ساتھ!" جنت نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"تم بھی ایسا کرو گی؟" شیر نے چلتے چلتے غیر محسوس انداز میں اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ جنت چلتے چلتے ایک دم ٹھہر کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔ وہ بڑی گہری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں مسکراہٹ، شرارت، سکون کی پرچھائیاں تھیں۔ جنت کی ریڈھ میں سنسناہٹ نے جنم لیا تھا۔ اس کی دھڑکنیں رفتار پکڑنے لگیں تو بے اختیار ہی گہری سانس خارج ہوئی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"چپ رہو۔۔" جنت نے اسے جھڑک دیا لیکن ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔ شیر نے سر کو خم دیا۔

"میں چپ ہوں۔۔ لیکن کل تم آفس آوگی لٹل وچ! میں تمہیں مس کرتا ہوں۔۔" اس کے گھمبیر لہجے میں بڑی شدت تھی۔ جنت کے ہاتھ پر اس کی گرفت مضبوط ہوئی تھی۔ جنت کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ پھنسنے لگا آنکھوں کی نمی کو چھپانے کی خاطر اس نے اپنی آنکھوں پر وہ سیاہ چشمہ لگا لیا۔

"تم مجھے مس نہیں کرتیں؟"

"نہیں میں نے لوگوں کے بغیر رہنا سیکھ لیا ہے مجھے کسی کی یاد نہیں آتی۔۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ شیر نے گردن گھما کر ایک خاموش نگاہ اس پر ڈالی۔

"لٹل وچ!" انداز میں خفگی تھی۔

"جنت! جنت نام ہے میرا مسٹر شریم خان! جنت البانی!"

"جنت البانی!" شیر نے اثبات میں گردن ہلاتے سر خم دیا۔

"میں شریم بابر خان ہوں۔۔" شیر نے آہستگی سے کہا۔

"میرے بابا کا نام میرے نام سے مت ہٹایا کرو لٹل وچ! مجھے اچھا نہیں

لگتا۔۔" وہ کچھ خفا سا لگتا تھا۔ وہ اتنی سادگی اور معصومیت سے بولا کہ

جنت ایک ایک پل کے لیے ساکت رہ گئی پھر بے اختیار مسکرا دی اور

فوراً ہی مسکراہٹ کو لبوں تلے دبا لیا۔ وہ خاموشی سے نیچے دیکھتا چل رہا

تھا۔ قدموں کی رفتار دھیمی تھی۔ سڑک خاموش تھی۔ اکا دکا گاڑیاں

گزرتی دکھائی دے رہی تھیں۔ شیر اس کا ہاتھ تھامے اسے سڑک

کنارے سے فٹ پاتھ کی طرف لے جانے لگا۔

"کہاں لے جا رہے ہو مجھے۔۔" جنت نے آہستگی سے سوال کیا تھا۔

"دنبے کا پلاؤ کھلانے۔۔" شیر نے گہری سنجیدگی سے کہا تھا۔

"دنبے کا پلاؤ؟ کہاں ملتا ہے؟" جنت نے الجھن بھری نگاہوں سے شیر کی طرف دیکھا۔

"عرب ہو۔۔ اماراتی ہو۔۔ اور مجھ سے پوچھ رہی ہو کہ دنبے کا پلاؤ کہاں ملتا ہے؟" شیر نے ہنستے ہوئے ہاتھ بڑھا کر ٹیکسی رکوائی۔ ٹیکسی رکی تو شیر نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جنت خاموشی سے ٹیکسی میں سوار ہوئی۔ شیر کے سوار ہوتے ہی ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔

ٹیکسی میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی دونوں بالکل خاموش تھے لیکن جنت کا ہاتھ ہنوز شیر کی گرفت میں تھا۔ جنت نے بھی ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی لاپرواہی سے کھڑکی کے پار شہر کی پرولق روشنیوں بھری سڑکوں کو دیکھتی رہی۔

"کیا ہم دنبے کا پلاؤ کھانے جارہے ہیں؟" جنت نے اچانک ہی سوال کیا۔ شیر نے بغیر سوچے سمجھے اثبات میں گردن ہلائی۔

"مجھے تو نہیں معلوم ہوا کبھی کہ یہاں کہیں ایسا کچھ ملتا ہو۔"

"تمہیں تو یہ بھی نہیں پتا تھا کہ یوں اتنی آسانی سے تم جی ایف ایس آر کی ڈپٹی ڈائریکٹر بن جاؤ گی؟" وہ لطف اندوز ہوتے ہوئے بڑے دھیمے لہجے میں بولا۔ جنت نے ترش نگاہ اس پر ڈالی۔

"کیا پتا تھا ڈارلنگ؟" شیر نے قریب ہوتے وارفتگی سے اس کی جانب دیکھتے پوچھا۔

"لفنگے ہو تم! دور ہٹو۔" وہ بے اختیار بوکھلا کر باہر کی جانب متوجہ ہوئی۔ شیر نے بمشکل ہنسی روکی تھی۔

ٹیکسی ایک مصروف سڑک کنارے رکی تو جنت اونچی آواز میں بڑبڑاتی
باہر نکل گئی۔

"جلد از جلد ڈیڈ کا پتا لگاؤ شیر!"

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔۔ پتا لگا لوں گا۔۔ ضرور پتا لگا لوں گا۔" شیر
اثبات میں گردن ہلاتے اس کا ہاتھ تھامے سڑک پار کرنے لگا۔
"مجھے دنبے کا پلاؤ نہیں کھانا۔" جنت نے سامنے نظر آتی ریسٹورنٹس کی
طرف دیکھتے الجھے لہجے میں کہا۔

"کیوں لٹل وچ؟ موٹی ہو جاؤ گی؟ اور پھر یہ جالیاں پہننے کو نہیں ملیں گی
؟" شیر نے اپنے اوور کوٹ سے جھلکتی اس کی ٹانگوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"یہ جالی ہے؟" جنت کا منہ اس کے تبصرے پر کھلا رہ گیا۔

"تو کیا جالی نہیں ہے؟" شیر نے بڑی ہی معصومیت سے پوچھا تو جنت بے اختیار کھکھلا کر ہنس دی اور ہنستی ہی چلی گئی ہنستے ہنستے اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ شیر خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا آنکھوں میں مخصوص چمک تھی۔ گہری دلچسپ نگاہیں جنت کے چہرے پر ٹکیں تھیں۔

"اتنی حسین واقعی ہو یا مجھے ہی لگ رہی ہو؟" شیر نے شوخی بھرے لہجے میں کہا تو جنت نے چونک کر اس کی جانب دیکھا اور یک دم جھینپ گئی۔ شیر اس کا ہاتھ تھامے اوپن ایئر ریسٹورینٹ کے احاطے میں داخل ہوا۔ ایک قدرے کونے والی میز کا انتخاب کرتے وہ دونوں ایک جانب بڑھ گئے۔

"اتنا وقت دے رہے ہو آج! خیریت ہے؟"

"تمہارے لیے تو جان حاضر۔۔ وقت کی بات کرتی ہو۔۔" شیر نے کرسی گھسٹتے اسے بٹھایا اور خود اس طرف آکر بیٹھ گیا۔ رخ اس طرح تھا کہ اس کی پشت سب کو دکھائی دیتی اور اس کا چہرہ صرف جنت دیکھ پاتی۔ سامنے تاریکی تھی۔ جنت خاموش سی اسے دیکھتی رہی۔ شیر نے چشمہ اتارتے اپنا ماسک بھی اتار کر میز پر رکھ دیا۔ جنت نے آنکھیں سکیڑ کر اسے بہت غور سے دیکھا۔ سیاہ چمکتی آنکھوں میں سکون دکھائی دے رہا تھا۔ گھنیری پلکوں کے سائے میں یہ آنکھیں طلسماتی کشش رکھتی تھیں۔ ابھرے ہوئے گہرے گلابی رنگت کے ہونٹ۔ کشادہ پیشانی پر بکھرے بھورے بال وہ اسے کئی پل یوں ہی دیکھتی رہی۔ شیر خاموشی سے اس کا اپنی جانب دیکھنا دیکھتا رہا۔ پھر خوبصورتی سے مسکرا دیا۔

"کیوں مسکرا رہے ہو۔۔"

"کیا ساری زندگی ان نظروں سے دیکھو گی؟" شیر نے سادگی سے پوچھا تھا۔

"ساری زندگی تم میرے ساتھ رہنے والے ہو؟" جنت نے گہری سانس لیتے نگاہیں پھیر لیں۔

"تمہیں کیا لگتا ہے؟"

"تم سے کہا تو ہے کہ امیدیں وابستہ کرنا چھوڑ دیا ہے جنت نے!"

"امید نہیں چھوڑو۔"

"امید رکھنے سے تم ہی تو منع کرتے تھے۔" جنت کب کچھ بھولتی تھی۔

"تب میں خود بھی نہیں رکھتا تھا ناں۔" شیر نے اسکی جانب دیکھتے پر زور

لہجے میں کہا۔

"اور اب؟" جنت گہری نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"اب رکھنا چاہتا ہوں۔۔" وہ مسکرایا۔ جنت اسے دیکھتی رہ گئی۔

"آج تمہیں دیر نہیں ہو رہی؟"

"نہیں!" شیر نے نفی میں گردن ہلائی تو جنت نے سر کو خم دیا۔

"یا کچھ ہے جو مجھ سے چھپا رہے ہو۔۔ خیر جانتی تو میں ویسے بھی کچھ

نہیں ہوں تمہاری زندگی کے بارے میں۔۔" خود ہی سوال کر کے جواب

دیتی وہ دوسری طرف دیکھنے لگی۔ شیر خاموش نگاہوں سے اسے دیکھے

گیا۔ آنکھوں میں بلا کی نرمی تھی۔ جنت اس کی سوچوں سے بے خبر

دوسری جانب دیکھتی رہی۔



وسیع ہال نما کمرہ تھا جسے کے ہر طرف بھاری ستون تھے۔ چھت قدرے

اونچی اور پرانے طرز پر بنی ہوئی تھی۔ سنہری اور سفید رنگ کے امتزاج

کی دیواروں پر عجیب و غریب پینٹنگز لٹکی ہوئی تھیں سامنے ہی سینگ تھے اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ سینگ کس جانور کے تھے۔ وسط میں قیمتی صوفے رکھے تھے جن میں سے ایک پر گولڈن بیٹھا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے سامنے ہی ایک سرخ و سفید رنگت والا فرہ شخص تھا جس کی پیشانی پر ایک عجب قسم کا ٹیٹو تھا۔ وہ سپاٹ نگاہوں سے گولڈن کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"دیکھو گولڈ! ہمیں جلد از جلد کوئی ٹھوس اقدام لینا ہے۔۔ جیسا کہ تم جانتے ہو اب معاملہ اندر کا نہیں رہا ہے۔۔ معاملات دنیا کی نظروں میں آتے جا رہے ہیں اور تمہارا یہ لڑکا ہمارے لیے ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔۔"

"یہ ٹھیک نہیں ہے۔۔ ہمیں سمجھنے کی ضرورت ہے۔۔" گولڈن فوراً بولا۔

"ہمیں وقت چاہیے۔"

"مزید کتنا وقت گولڈ! اب تو تمہاری اپنی بیٹی بھی سمجھ گئی ہے تم کیوں نہیں سمجھنا چاہتے تم کیا سمجھنا چاہتے ہو ہم سب کو؟" اینٹونیو کارلس نے سنجیدگی سے کہا۔

"I treated him as my own child!"

گولڈن کا لہجہ ناچاہتے ہوئے بھی تلخ ہوا۔
"جذبات ایک طرف کر دو گولڈ! بھول جاؤ۔ وہ تمہارے ساتھ مخلص نہیں۔"

"مخلصی کی اس نے کبھی بات نہیں کی! اس نے کہا کہ وہ کب کہاں کیا کر جائے بھروسہ نہیں۔ لیکن پھر بھی مجھے لگتا ہے وہ۔" گولڈن خاموش ہو گیا۔

"وہ کیا؟ تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا؟ تم اچھی طرح جانتے ہو اسے گولڈن۔۔" اینٹونیو کارلس نے پرزور لہجے میں کہا۔

"میں تنہا رہنا چاہتا ہوں کارلس!" گولڈن نے سرد مہری سے کہا تو اینٹونیو فوراً وہاں سے اٹھا اور لمحوں میں نگاہوں سے او جھل ہو گیا۔ گولڈن نے ایک گہری سانس خارج کی اور صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ کچھ ہی دیر گزری تھی جب اس کا فون بجنے لگا۔ اس نے میز پر رکھا فون اٹھا کر اسکرین پر نگاہ ڈالی۔

"آہ ہیزیل آہ۔۔" اس نے تلخی سے بڑبڑاتے ہوئے فون کان سے لگایا۔

"ہیزیل؟"

"ڈیڈ؟ میں روس آرہی ہوں۔۔ اور مجھے جی ایف ایس آر کا ڈپٹی ڈائریکٹر نہیں بننا! مجھے کو ڈائریکٹر بننا ہے۔۔ میں نے ڈپٹی ڈائریکٹر کی سیٹ سے

استغنیٰ دے دیا ہے۔۔ آپ ایک میٹنگ رکھیں۔۔ میرے شیرز بڑھائیں
آپ اپنے شیرز میں سے مجھے کچھ دیں۔۔ میرا عہدہ تبدیل کر دیں۔۔"
"ہیزیل! شیر نہیں مانے گا۔" گولڈن نے تھل سے جواب دیا۔ دوسری
طرف ایک پل کو خاموشی چھا گئی۔

"میں روس آرہی ہوں۔۔ میں جانتی ہوں آپ روس پہنچ گئے ہیں۔۔"
"روس مت آؤ ہیزیل کچھ وقت کے لیے باہر جاؤ۔ کہیں دور۔۔"
"مجھے اپنا فیوچر سکیور کرنا ہے ڈیڈ؟ میں اپنا کچھ بھی شیر کے حوالے نہیں
کرنا چاہتی۔۔ اور ہاں! مجھے آپ کو بہت کچھ بتانا! بہت کچھ ایسا جو آپ
نہیں نے تصور تک نہ کیا ہو گا۔" ہیزیل کا لہجہ تلخ تھا۔ گولڈن کچھ نہ
بولا۔

"میں آرہی ہوں ڈیڈ ! مجھے آپ سے مل کر بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔" ہیزیل نے پھر کہا۔ گولڈن نے فون بند کر دیا اور شیر کا نمبر ملانے لگا۔ پہلی گھنٹی پر ہی فون اٹھا لیا گیا تھا۔ گولڈن کو اس کی امید نہ تھی سو حیران رہ گیا۔

"بولو گولڈن!"

"میں ماسکو میں ہوں۔" گولڈن نے کہا۔

"اچھا! کب آئے؟" خاصا سادہ انداز تھا۔ جنت خاموش سی اس کو دیکھے گئی۔

"زیادہ دیر نہیں ہوئی۔"

"میں بھی جلد ماسکو آرہا ہوں۔" شیر نے جنت کی آنکھوں میں دیکھتے

ہوئے کہا تھا۔ دوسری طرف گولڈن کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ

سوچے بیٹھا تھا کہ جیسے ہوسکا کر کے زبردستی اسے ماسکو بلانے کی کوشش کرے گا۔

"میں منتظر ہوں۔" گولڈن نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ شیر نے موبائل رکھ دیا۔

"تو تم ماسکو جارہے ہو۔" جنت نے سادگی سے کہا تھا۔
"ہاں!" شیر نے سامنے رکھے چیز کیک میں سے ایک چمچ لیا۔
"پوچھو گی نہیں کہ کب واپس آؤں گا؟"

"تم کبھی نہیں بتاتے۔" وہ طنزیہ انداز میں مسکرائی۔
شیر مسکراتے ہوئے اپنی پیسٹری کھانے لگا۔ جنت خاموشی سے اس کی جانب دیکھتی رہی۔

"گولڈن نے ایک دفعہ بھی ذکر نہیں کیا ڈیڈ کا۔"

"اسے فرق نہیں پڑتا۔" شیر نے تلخ حقیقت بیان کی۔

خود غرض انسان۔"

"اگر تمہارے ڈیڈ کی جگہ گولڈن ہوتا تو خوشی سے پاگل ہو چکا ہوتا۔ میں گولڈن کو مار جن دوں گا۔ اس معاملے میں تمہارے ڈیڈ سے بہتر ہے۔" شیر نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا تھا۔ جنت تلخ نگاہوں سے اسے گھورنے لگی۔

"ہاں! لیکن اگر میری بات کی جائے تو میرے لیے وہ یقیناً پریشان ہوتا۔ جانتی ہو کیوں؟" شیر نے سر کو سوالیہ انداز میں خم دیا۔

"کیوں؟"

"تمہاری وجہ سے۔" شیر مسکرایا۔

"ہم ایک دوسرے سے بہت نفرت کرتے ہیں لیکن ایک چیز میں

ہمارے بیچ بڑا اتفاق ہے۔۔۔ یہ ایک خاموش معاہدہ ہے۔۔"

"وہ کیا چیز ہے؟" جنت نا سمجھی اور تجسس سے پوچھتی آگے ہوئی۔ شیر

بھی رازدارانہ انداز میں آگے کو کھسکا اور آہستگی سے سرگوشی کی۔

"جنت بنتِ عمش!"

"ہاں بولو۔" جنت نے سوالیہ انداز میں سادگی سے کہا۔

"جنت نام ہے اس معاہدے کا۔"

"جنت؟" جنت ہنوز نا سمجھی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"ہاں یعنی کہ تم!" شیر نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"ایک طرف وہ چاہتا ہے کہ تم مجھ سے دور رہو۔ دوسری طرف وہ چاہتا ہے میں تمہاری حفاظت کرتا ہوں۔۔ اور وہ اس بات کا کافی دفعہ فائدہ بھی اٹھاتا رہا ہے۔"

"تمہارے اور ڈیڈ کے معاملات کاروباری ہی تھے بس؟ تم کبھی ایسے معاملات میں نہیں تھے جن میں ڈیڈ تھے؟۔۔ بتاؤ۔۔" جنت نے ایک جانچتی نگاہوں سے اس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں! میں بچے اور لڑکیاں اغوا کر کے ان کے اعضاء نہیں نکالتا۔" شیر کو اس کا انداز برا لگا۔

جنت ایک پل کے لیے سناٹے میں رہ گئی۔ آنکھوں میں خالی پن اتر۔ شیر کو اپنے الفاظ پر افسوس ہوا۔ اس نے جنت کی آنکھوں میں دیکھا اور پھر نظریں چرا گیا۔

"تمہیں معلوم ہے انسان کے لیے سب سے مشکل چیز کیا ہوتی ہے؟ اس جرم کا حساب دینا جو اس نے کیا ہی نہ ہو۔ مجھے ساری دنیا ان گنت گناہوں کا مرتکب ٹھہراتی ہے جو میں نے کبھی نہیں کیے جنت! پر مجھے پرواہ نہیں۔ میں نے لوگوں کی پرواہ نہیں کی۔ کبھی بھی نہیں۔ پر تم وہ آخری انسان ہو جس سے مجھے ایسی باتوں کی امید ہوگی۔ یقیناً میری بات تمہیں سمجھ آگئی ہوگی۔ اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم ایک گناہوں سے لٹھڑے ہوئے شخص کے سامنے بیٹھی ہو جو غلیظ سرگرمیوں میں ملوث رہا ہے تو بہتر ہے مجھ سے آئندہ نہ ملنا۔" تلخ لہجے میں کہتے شیر نے اپنا ماسک لگایا اور چشمہ پہنتا اٹھ کر پلٹ گیا۔

جنت تاسف بھری نگاہوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھا اور پھر میز کی
سطح کو گھورنے لگی۔



GFSR

کی مرکزی داخلی راستے پر آج سکیورٹی بڑھادی گئی تھی۔ چہل پہل کا وہی
عالم تھا۔ سیاہ وردی میں ملبوس کمانڈوز اور آتے جاتے دفتری لوگ جو کام
کے علاوہ باقی ہر شے سے بے نیاز دکھائی دیتے تھے۔
ان ہی بے نیاز اور مصروف ظاہر ہوتے چہروں میں ایک چہرہ ہیزیل کا
بھی تھا جو لانگ کوٹ پہنے ہاتھوں میں کر سٹل بیگ پکڑے ناک کی سیدھ
میں چل رہی تھی۔ اس کا لمبا کوٹ اتنا لمبا تھا کہ اس کے ٹخنوں کو چھو رہا
تھا پیروں میں ٹرانسپیرنٹ ہیلز تھے ناخنوں پر سرخ ناخن پالش لگی ہوئی

تھی۔ بال اوپری سطح سے بھورے اور نچلی سطح پر سلور رنگ کے ڈائے ہوئے دکھائی دے رہی تھی۔ اس سے ایک قدم پیچھے ریچل ٹو پیس پہنے شولڈر کٹ بالوں کو اونچی پونی میں باندھے تیز تیز چل رہی تھی۔ اس کی پونی اس کے چلنے پر ہوا میں دائیں بائیں جھول رہی تھی۔

"گڈ ایوننگ میم!" ایک شخص نے قدرے احترام سے کہا تھا جس پر ہیزیل نے فقط ایک سرسری نگاہ ڈال کر غیر محسوس انداز میں گردن کو حرکت دی۔ ریچل نے انٹرنس پر پہنچ کر کارڈ سوائپ کیا تو ہیزیل تیزی سے وی آئی پی لفٹ کی جانب بڑھ گئی ریچل نے پھر قدموں میں تیزی لاتے اس کے قدموں کا تعاقب کیا تھا۔ یہ حصہ سنسان تھا۔ ریچل نے لفٹ کھولی ہیزیل اندر داخل ہوئی اور اپنے چشمہ اتار کر اپنے بیگ کی اسٹریپ پر لٹکا دیا۔

"میم! کیا مسٹر شیر کو اطلاع کر دوں؟"

"کوئی ضرورت نہیں۔۔" ہیزیل نے بھڑک کر جواب دیا۔

"میں اپنے دفتر میں جب چاہوں جیسے چاہوں داخل ہو جاؤں مجھے کسی کو اطلاع کرنے کی ضرورت نہیں۔۔" اس نے سرد مہری سے جواب دیا۔ لفٹ رک گئی وہ باہر نکل گئی۔ اس کے انداز میں جارحیت تھی۔ وہ ابھی راہداری میں داخل ہی ہوئی تھی جب اس کی نگاہ سامنے پڑی۔ وہ ایک وسیع دفتر تھا جس کی دو طرح کی دیواریں شیشے کی تھیں۔ شیشے کا دروازہ کھلا ہوا تھا وہ آگے بڑھتی گئی اور یوں ظاہر کیا جیسے اس نے دیکھا نہ ہوا۔ یا وہ لاعلم ہو۔ دروازے کے قریب سے گزرتی وہ یوں ٹھہر گئی جیسے اچانک نگاہ پڑی ہو اس نے بظاہر سرسری انداز میں اندر جھانکا۔

سفید دیوارں کی پینٹنگز تبدیل کردی گئی تھیں۔ لیونڈر کے پھول سفید
گلدان میں لگائے گئے تھے۔ میز پر ایک نیم پلیٹ رکھی تھی جس کو
دیکھتے ہی زیل بری طرح سلگ اٹھی۔ اس کی آنکھوں میں آگ اتری
تھی۔

"Deputy director Jannat Albani"

اس نے زیر لب زہر بجھے لہجے میں یہ نام دہرایا۔
"تو وہ افواہ صرف ایک افواہ نہیں تھی۔" وہ بڑبڑائی۔ وہ اندر داخل
ہوگئی۔ نیم پلیٹ کے برابر میں ہی ایک گول باؤل تھا۔ ہی زیل سپاٹ
نگاہوں سے اس باؤل کو دیکھتی آگے بڑھتی گئی۔ کام کرواتے انٹیریر مینیجر
نے رک کر ہی زیل کی طرف دیکھا۔
"ہیلو میم!" احترام سے کہا گیا تھا۔

ایک جانب ایک ور کر پردے لگا رہا تھا۔ سفید رنگ کے سلکی پردے جو دور سے اپنی چمک بتا رہے تھے۔

"Nice work"!

ہیزیل نے اثبات میں گردن ہلاتے معنی خیزی سے کہا اور جھک کر باؤل میں جھانکنے لگی جس میں ایک جامنی مچھلی تھی۔ خوبصورت اور ننھی سی مچھلی۔ ہیزیل اس مچھلی کو دیکھتی گئی۔

"یہ آئیڈیا کس کا تھا۔"

"مسٹر ڈیرن نے کہا کہ یہ ماسٹر ایس آر کا آئیڈیا ہے۔" مینیجر نے ادب سے کہا۔

"اس طرف لارج سائز ایکویریم آئے گا۔" مینیجر نے بائیں جانب اشارہ کرتے کہا۔ ہیزیل کی نگاہیں اسی باؤل پر جمی رہیں۔ اس نے اب کی بار

کوئی رد عمل نہیں دیا۔ سرخ ناخن پالش لگی شہادت کی انگلی سے اس نے باؤل کو بجا کر مچھلی کو متوجہ کیا۔

"Don't touch it"!

ایک آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔
"یہ مجھے شیر نے اس تالاب سے نکال کر دی ہے۔ اس لیے اسے ہاتھ مت لگاؤ۔" ایک خفا اور چڑچڑاہجہ۔
"تم بیمار ہو تم اس کا خیال نہیں رکھ پاؤ گی۔ مجھے دے دو یہ ! میں اس کا خیال رکھوں گی۔"
"نہیں ! میں نہیں دوں گی۔" گیارہ سال جنت نے جھک کر وہ باؤل اٹھا لیا تھا۔ وہ ہسپتال کے لباس میں ملبوس تھی۔ نرم و ملائم بالوں کی پونی ڈھیلی ہو چکی تھی۔

"کیا تمہیں پتا ہے اب شیر ہمارے ساتھ ہمارے مینشن میں رہتا ہے؟"

تیرہ سالہ ہیزیل نے بڑے ہی محضوظ لہجے میں کہا تھا۔ جنت کی آنکھوں میں بے چینی اترنے لگی۔ وہ تلخ نگاہوں سے اسے دیکھتی اپنا رخ موڑ گئی۔

"کیا تم اسے خط لکھتی ہو؟ مجھے یقین ہے لکھتی ہو۔ کیوں کہ اکثر خطوط آتے ہیں جن پر جنت لکھا ہوا ہوتا تھا پر تم کیا جانتی ہو؟ وہ تمہارے خط نہیں پڑتا آتش دان میں ڈال دیتا ہے۔"

ہیزیل لطف لینے والے انداز میں جنت کے کمزور جسم کی کپکپی دیکھنے لگی۔

"کیا تم جانتی ہو تم اس کلاس میں فیل ہو گئی ہو؟ تم نے مجھ سے کہا تھا اب ہمیشہ ٹاپ کرو گی کیوں کہ شیر تمہیں پڑھاتا ہے۔"

گیارہ سالہ جنت کے ہاتھ سے باؤل چھوٹ کر ہسپتال کے فرش پر گرا تھا اور وہ خوبصورت ننھی مچھلی بری طرح تڑپنے لگی۔ جنت نے

بے یقینی سے تڑپتی مچھلی کو دیکھا اور ہزیرانی انداز میں گیلے فرش پر بیٹھ کر مچھلی کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن وہ تڑپتی ہوئی اس کی گرفت سے چھوٹی فرش پر یہاں سے وہاں تڑپتی رہی۔

"اوہ --- یہ کیا کیا تم نے جنت!" ہیزیل نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ جنت گھٹنوں کے بل آگے جست لگاتی مچھلی کے پیچھے لپکی۔ اس کے انداز سے لگتا تھا وہ اپنے ہوش و ہواس کھو چکی ہے۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے سر مسلسل نفی میں ہل رہا تھا۔ ہیزیل ہنستے ہوئے قہقہہ لگاتی ہسپتال کے کمرے سے نکل گئی۔ گیارہ سال جنت کے دونوں ہاتھ فرش پر تھے۔ گھٹنوں سے خون بہہ رہا تھا۔ ننھی مچھلی تڑپ تڑپ کر جان دے چکی تھی۔ جنت خالی خالی نگاہوں سے اس مری ہوئی ننھی مچھلی کو دیکھتی رہی۔

ہیزیل چونک کر سیدھی ہوئی اور گردن گھما کر کام کرتے ملازم کی جانب دیکھا اور غیر محسوس انداز میں باؤل کو میز سے دھکیل کر فرش پر پھینک دیا۔ چھناکے سے کانچ کا باؤل ٹوٹا اور وہ ننھی مچھلی فرش پر گر کر تڑپنے لگی۔ مینیجر نے بری طرح سٹیٹا گیا۔

"میڈم! آپ ٹھیک ہیں۔"

"ہاں! لیکن یہ مچھلی۔۔۔ اوہ۔۔۔ یہ کیا ہو گیا۔" وہ مصنوعی پریشانی سے کہتی باہر کی جانب بڑھ گئی۔ مچھلی فرش پر تڑپ رہی تھی۔ مینیجر تیزی سے بھاگتا ہوا آیا اور ایک ہی جھٹکے میں تڑپتی مچھلی کو ہاتھ میں اٹھایا اور سامنے لگے ایکوریوم میں ڈال دیا۔

"ماسٹر نے کہا تھا کچھ ایکسٹرا فش باولز لے کر آفس میں رکھو ادینا۔" ڈیرن کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔ اس نے پلٹ کر

دروازے کی جانب دیکھا۔ وہ باؤل میز کے وسط میں تھا۔ کونے میں رکھا ہوتا تو غلطی مانی جاسکتی تھی۔ مینیجر الجھن میں گھرا اس معصوم مچھلی کو دیکھنے لگا جو پانی میں دیگر مچھلیوں کے ساتھ تیر رہی تھی۔ وہ جھر جھری لے کر رہ گیا۔



شام کی سرخی نے ماحول کو عجب سا طلسماتی عکس دیا ہوا تھا۔ سمندر کنارے لہروں کا شور اور چہل قدمی کرتے سیاحوں نے اس سرخی مائل منظر میں رنگ سے بھر دیے تھے۔ اسٹالز اور چھوٹے چھوٹے ریسٹورینٹس بنے ہوئے تھے۔ اس نے گاڑی ساحل کے بہت قریب لا کر کھڑی کی تھی۔ طوبی فرنٹ سیٹ پر آرام دہ انداز میں بیٹھی لہروں کی اچھل کود دیکھ رہی تھی۔

اس کی بار بار کی ضد اور چڑچڑے پن کے نتیجے میں اسے باہر تازہ ہوا میں لے آیا تھا۔ دفعتاً اسے وہ دائیں جانب سے آتا دکھائی دیا۔

"آسمانی شرٹ کی آستینیں کہنیوں تک مڑی ہوئی تھی۔ چھوٹے کٹے بال اور ہلکی سی شیو اس کے چہرے پر جب رہی تھی۔ ہاتھ میں کافی تھی۔ طوبی بے اختیار مسکرائی۔ اس کے قریب آتے ہی طوبی نے چمکتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ کافی ہے؟"

"جی لیکن آپ کے لیے نہیں۔" حاشر نے نرمی سے کہتے کریم رول اس کی طرف بڑھائے۔ طوبی نے خفگی سے اس کی جانب دیکھا۔

"لیکن یہ دو کپ ہیں ناں؟ ایک مجھے دے دیں۔"

"دونوں میرے لیے ہیں۔۔" حاشر نے اس کی سیٹ ٹھیک کرتے ہوئے بے نیازی سے کہا۔

"اچھا تو ایک گھونٹ دے دیں۔ اتنے دن سے کافی نہیں پی میں نے۔۔" وہ حاشر کو دیکھتے بے چارگی سے بولی۔ حاشر نے بے اختیار مسکراہٹ ضبط کرتے کپ اس کی طرف بڑھایا۔

"یاد رہے۔۔ صرف ایک گھونٹ۔۔ میں دیکھ رہا ہوں۔۔" وہ سنجیدہ لگ رہا تھا۔ طوبیٰ نے تابعداری سے اثبات میں گردن کو ہلکی سی حرکت دی تھی اور کپ دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیا۔

"کسی بھی چیز کی اتنی ایڈکشن نقصان دہ ہے۔۔"

"مجھے خود پر کنٹرول ہے۔۔" طوبیٰ نے خفگی سے کہتے کپ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"آپ کے لیے ہی تھی۔" وہ اس کے خفا چہرے کو دیکھتے نرمی سے بولا۔ طوبیٰ نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا اور پھر ایک تیز گھوری ڈالی۔

"آپ مذاق کرتے ہوئے بھی اتنے سنجیدہ کیوں رہتے ہیں؟"

"آپ اس وقت میری آنکھوں میں دیکھ لیا کریں تو آپ کو معلوم ہو سنجیدہ نہیں ہوں۔"

"میں نہیں دیکھ سکتی آپ کی آنکھوں میں۔" وہ دھیمے لہجے میں کہتی کافی کا گھونٹ بھرنے لگی۔

"کیوں؟"

"مشکل ہے۔" وہ لہروں کو دیکھتے ہوئے سادگی سے کہہ رہی تھی۔ حاشر

اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ سادہ چہرہ زخم کچھ مندمل تھے۔ جبکہ حاشر کے زخم

ظاہر ہی نہیں تھے۔ اس کا چہرہ بالکل صاف تھا جیسے پچھلے کئی عرصے سے اس پر کوئی خراش تک نہ پڑی ہو۔

"کیا دیکھ رہے ہیں؟" طوبیٰ نے آہستگی سے سوال کیا۔
"لہروں کو۔"

"اچھا!" طوبیٰ نے گردن گھما کر سوال کیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس کو اپنی طرف دیکھتا پاتی حاشر نگاہوں کا رخ سامنے کر چکا تھا۔
"آپ کو میری یاد آئے گی؟" طوبیٰ نے سادہ سوال کیا تھا لیکن حاشر کو کافی مشکل سوال لگا۔

"اتنا وقت ساتھ ہونے کے بعد لازمی طور پر لوگ اور چیزیں اپنا نشان چھوڑتی ہیں جنہیں دھندلا ہونے یا ختم ہونے میں کچھ وقت لگتا ہے۔"
"حاشر نے نرمی سے کہا۔ طوبیٰ کو اس کا جواب ذرا پسند نہ آیا۔

"میں اپنی بات کر رہی تھی۔۔ لوگ اور چیزوں کی نہیں۔۔" طوبیٰ نے بچھے ہوئے لہجے میں کہتے چہرہ گھمالیا۔

"آپ یاد آئیں گی۔۔" حاشر نے کہا۔ لہجہ دھیمّا تھا۔ طوبیٰ نے اس کی طرف دیکھا۔

"جب آپ پاکستان آئیں گے تو آپ مجھ سے ملیں گے۔۔"

"ظاہر ہے۔۔"

"جب یہ سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ سارے ٹاسک۔۔ اسائنمنٹ۔۔ ذمہ داریاں۔۔ ڈیوٹی۔۔ ان سب کے بعد کی زندگی میں؟"

"ان سب کے بعد میری کوئی زندگی نہیں ہے مس طوبیٰ۔۔" حاشر نے قدرے نرمی سے کہا۔

"اچھا!" طوبیٰ نے مزید کچھ کہنے سے گریز کیا۔ خاموشی سے گھونٹ گھونٹ اپنی کافی پینے لگی۔ ان کے درمیان ایک بامعنی اور پرسکون سی خاموشی حائل تھی۔ سمندر کی فضا میں سفید پرندوں کا گول نچلی سطح سے اونچائی پر گولائی میں اٹھیلیاں کرتا دکھائی دے رہا تھا۔ طوبیٰ بہت دلچسپی سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ حاشر نے ذرا سی گردن گھما کر اسے دیکھنے لگا۔ آنکھوں میں گداز سی نرمی نے جنم لیا تھا۔ وہ اسے دیکھے گیا۔



شارجہ کے اپارٹمنٹ کا منظر تھا۔ حاشر پلنگ کے قریب جھکا بیگ میں کپڑے ڈال رہا تھا۔ چہرہ پرسکون اور آنکھوں میں گہری خاموشی اتری ہوئی تھی۔ سیدھا ہو کر پلنگ پر بیٹھتے اس نے گہری سانس لی۔ دفعتاً اس کا فون

بجاء اس نے پلنگ پر رکھا اپنا فون اٹھا کر نمبر دیکھا۔ غیر آشنا نمبر تھا اس نے فون اٹھا کر کان سے لگایا۔

"میں ہوں!" دوسری طرف سے دھیمی آواز میں کہا گیا۔ حاشر کے چہرے نے رنگ بدلا تھا تو آنکھوں میں ایک رنگ اترتا محسوس ہوا۔

"کیسی ہیں؟"

"ٹھیک ہوں۔۔۔ آپ؟" لہجہ میں ربط کی کمی تھی۔ حاشر نے شدت سے یہ بات محسوس کی۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔۔۔" وہ فقط اتنا ہی بولا۔

"کیا میں آپ کے بچپن کے دوست سے ملنے جاسکتی ہوں؟ اب؟"

سوال غیر متوقع تھا۔ وہ اس سوال کی توقع نہیں کر رہا تھا۔

"میں نے آپ سے کہا تھا جب بہتر محسوس کریں یا وقت ملے۔۔" حاشر نے نرمی سے کہا تھا۔

مجھے لگتا ہے میں ان سے مل کر بہتر محسوس کروں گی۔۔ کیوں کہ مجھے تجسس ہے۔۔"

"تجسس۔۔" حاشر کے لبوں پر مبہم سا تبسم آٹھرا۔
"دراصل میں جاننا چاہتی ہوں کہ آپ کی زندگی کا پہلا دوست کون تھا۔۔"

"لڑکی تھی یا کوئی لڑکا؟" حاشر نے آہستگی سے اس کا جملہ مکمل کیا۔
"نہیں! یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔" وہ فوراً گڑبڑائی تھی۔۔ پچھلے کئی دنوں سے وہ یہی سب سوچ رہی تھی۔ حاشر نے لب بھینچتے اثبات میں گردن ہلائی۔

"آپ جب چاہیں مل سکتی ہیں۔۔ میں صرف یہی چاہتا تھا کہ طبیعت بہتر

ہو تو ہی جائیں۔۔ پیر ٹھیک ہے ناں آپ کا؟"

"ٹھیک ہے۔۔ واکنگ اسٹک کا استعمال کر رہی ہوں۔۔"

حاشر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"تھیراپی لے رہی ہیں؟"

"جی! "طوبیٰ نے اپنے کمرے میں موجود ایک پیٹنگ پر نگاہیں جماتے

جواب دیا۔

"مام چاہتی ہیں میں اب مزید کام نہ کروں۔۔" اس کا لہجہ ٹھہرا ہوا

تھا۔ نگاہیں اسی سیاہ پراسرار سی پیٹنگ پر جمی تھیں۔ حاشر خاموش رہا۔

"وہ یقیناً فکر مند ہیں۔۔ ان کے ساتھ اچھا وقت گزاریں انھیں کچھ وقت

دیں۔۔" حاشر نے نرمی سے مشورہ دیا۔

ان کے درمیان خاموشی کا گہرا اور طویل وقفہ در آیا۔

"ڈیڈ میرے لیے رشتے دیکھ رہے ہیں۔" طوبیٰ کا لہجہ ہنوز ٹھہرا ہوا تھا

لیکن ایک گہرا سکوت شامل تھا۔ حاشر کے اعصاب کا ڈھیلا پن جاتا رہا

اس کی بھنویں سکڑیں تھیں۔

"دراصل میں خاندان کی واحد لڑکی ہوں اس فیلڈ میں اور وہ سب میرے

لیے حد سے زیادہ فکر مند رہتے ہیں۔"

"میں سمجھ سکتا ہوں۔" حاشر نے نرمی سے کہا۔

"آپ کا آئیڈیل کیا ہے؟ اگر کبھی آپ اپنی فیملی بنانا چاہیں گے؟ تو کیسی

لڑکی کا انتخاب کریں گے؟" طوبیٰ نے جھجھکتے ہوئے سوال کیا۔

حاشر خاموش رہا اس کی آنکھوں میں کئی لمحے آکر گزر گئے۔ وہ کچھ سوچتا

رہا۔

"آج سے پہلے کبھی کیا آپ نے اس بارے میں نہیں سوچا تھا؟" وہ بے یقین سی پوچھنے لگی۔

"کبھی کسی نے یہ سوال نہیں کیا تھا۔" حاشر نے آہستگی سے جواب دیا۔ ایک اور خاموش وقفہ درمیان میں آن ٹھہرا۔

"مجھے کچھ کام ہے۔" حاشر نے کہا، لہجہ دھیمہ تھا۔

"اپنا خیال رکھیں۔ اللہ حامی و ناصر ہو۔" طوبیٰ نے تہہ دل سے کہا۔

"آمین!" حاشر نے فون بند کیا اور پھر اسے شٹ ڈاؤن کرنے لگا۔ اس فون کی ضرورت اب اسے نہیں پڑنے والی تھی۔ انداز میں ازلی اطمینان اور ٹھہراؤ تھا۔ فون کو سیاہ چمڑے کے بیگ میں ڈال کر زپ بند کی اور ایک طاہرانہ نگاہ کمرے کے در و دیوار پر ڈالی۔ اس کے سامنے رکھا بھورا بیگ بند پڑا تھا۔ وہ شارجہ سے ازبکستان جا رہا تھا۔ اریب، حنین اور منان

شام ہونے سے قبل دبئی روانہ ہو چکے تھے ان کی دبئی سے ماسکو کی تھی۔ ان کا اگلا پڑاؤ روس کا دارالحکومت ماسکو تھا۔ اس نے اپنا بلو تو تھ کان سے لگاتے دوسرا فون اٹھایا۔

"Your package is out for delivery!"

دوسری طرف سے آواز آئی تھی۔

"Great job!"

حاشیہ نے کہہ کر فون بند کیا اور ایک میسج ٹائپ کرنے لگا۔

"Your package has been shipped".

سینٹ کا بٹن دباتے اس کے لبوں کے کناروں پر وہی مخصوص مسکراہٹ ظاہر ہوئی۔ ایک طرف کے کھنچاؤ والی پراسرار مسکراہٹ۔



جی ایف ایس آر کی مرکزی بلڈنگ کا احاطہ ہمیشہ کی طرف اپنے مخصوص شاہانہ ٹھہراؤ اور جمود کے دائرے میں گھرا تھا۔ سب کچھ بہت مشینی انداز اور اہتمام کا شکار لگتا تھا۔ جیسے سب کو معلوم ہو کہ ان پر کسی کی نظر ہے۔ جیسے ایک غلطی، ایک لاپرواہی برتنے پر وہ اس سونے کے محل سے در بدر کر دیے جائیں گے۔ صاف ستھری روش پر میکانیکی انداز میں چلتے ملازمین نے تیز رفتاری سے پارکنگ ایریا میں داخل ہوتی کار پر نگاہ ڈالی اور پھر اپنے کام سے کام رکھتے آگے بڑھ گئے۔ انھیں صرف اپنی ذات کا خیال تھا۔ باقی دوسرا انسان وہاں کیسے آتا ہے کیسے جاتا ہے یہ ان کا درد سر نہ تھا عموماً وہاں ایسا نہیں ہوتا تھا کیوں کہ یہاں ہزاروں لوگ آتے جاتے تھے۔ سب پر سب کی نظر نہیں ہوتی تھی۔ م۔ وہ اپنی سیاہ کار سے نکلی اور ظاہر نہ نگاہ آس پاس گھمائی۔ طوطائی رنگ کے اوور کوٹ پہنے،

پیروں میں سیاہ ہلاک ہیلز تھے جن پر ہیرے کی مشابہت رکھتے پتھر جڑے تھے۔ بالوں کو نفیس جوڑے میں لپیٹے انتہائی معمولی میک اپ کے اپنی شخصیت کو منفرد تاثر دیے ہوئے تھی۔

وہ اس زندگی کا حصہ کبھی نہ بننا چاہتی تھی۔ اس کے پیدا ہوتے ہی جو پہلا کام کیا گیا تھا وہ اسے "جی ایف ایس آر" کے دائرہ کار سے دور رکھنا تھا۔ لیکن وہ آج یہاں موجود تھی۔ ایک مرتبے اور مضبوط حیثیت کے ساتھ۔ "میڈم جنت البانی!" مترنم آواز نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا تو وہ چونک کر سامنے دیکھنے لگی۔ سنہرے بالوں والی غیر مقامی مگر خوبصورت لڑکی تھی۔ شاید امریکی یا برطانوی تھی۔

"صبح بخیر"

صبح بخیر!"

جنت نے رسمی مسکراہٹ لبوں پر سجاتے جواب دیا اور اس کے بڑھے ہوئے ہاتھوں میں دبا سفید گلابوں کا بکے تھام لیا۔

"شکریہ!" اس نے پھولوں کی خوشبو کو سانسوں میں اتارا۔ جولین کے چہرے پر مسکراہٹ اتری۔

"آپ کو پھول پسند ہیں۔"

"ہاں!" جنت نے مختصر جواب دیا وہ دونوں آگے بڑھنے لگیں۔

"میرا نام جولین برنس ہے میں آپ کی نئی اسٹنٹ ہوں۔"

"مل کر خوشی ہوئی جولین! آپ کے بال بہت خوبصورت ہیں۔" جنت نے خوشدلی سے کہا۔

"جی؟ اوہ۔ شکریہ میڈم!" وہ خوشگوار حیرت سے بولی تھی۔

"آپ کے والد کی ناگہانی موت پر بہت افسوس ہوا۔ وہ ایک بہت پیشہ ور اور ذہین انسان تھے۔" جولین نے چہرے پر افسوس ظاہر کرتے کہا۔ جنت نے ایک لمحہ کو سوچا پھر چہرے پر سنجیدگی طاری کر لی۔ آنکھوں میں حزن در آیا۔

"خدا ان کی روح کو سکون دے۔"

جنت کچھ نہ بولی سر جھکائے آگے بڑھتی انٹرنیس پار کر گئی۔ جولین نے اس کی خاموشی کو سمجھتے اس کا ساتھ دیا اور اسے اپنی ہمراہی میں لیے لفٹ کی جانب بڑھنے لگی۔

لفٹ سے نکلنے اس نے ارد گرد نگاہ دوڑائی۔ سرمئی دیواروں پر مختلف پینٹنگز تھیں۔ سفید بڑے ماربل کے گلدان رکھے تھے جن میں مصنوعی پھول اور پودے تھے۔ سادہ مگر نفیس سا منظر اسے اچھا لگا۔ راہداری سے نکلنے ہی

سامنے ہال تھا۔ سامنے دیوار گیر شیشہ تھا جس کے پار شہر کی بلند و بالا عمارتیں اور ساحل سمندر دکھائی دیتا تھا۔

"یہ آپ کا آفس ہے۔۔" جولین نے ایک طرف اشارہ کرتے کہا۔ جنت سرہلاتے آگے بڑھی۔ جولین نے اس کے لیے گیٹ کھولا۔ اندر قدم رکھتے پہلا احساس لیونڈر اور نارنگی کے امتزاج کی خوشبو کا تھا۔ میز پر خوشبودار موم بتی رکھی تھی۔ عقب میں شیشے کی دیوار تھی۔ پردے ہٹے ہوئے تھے۔ ایک طرف بڑا سا ایکوریوم تھا جس میں درجنوں مچھلیاں تیر رہی تھیں۔

"میری گاڑی میں کچھ سامان ہے۔ وہ منگوا دیجئے گا۔" جنت نے ہدایت کی۔

"جی ضرور! خیر کچھ لیں گی آپ؟ کافی یا چائے؟"

"نہیں! شکریہ!" وہ ہلکا سا مسکرائی۔ جولین نے مؤدب انداز میں گردن ہلائی اور پلٹ گئی۔ اسے گئے دو منٹ گزرے تھے جب ہلکی سی دستک ہوئی۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا سامنے شیر کھڑا تھا۔ مسکراتی آنکھیں سنجیدہ چہرہ وہ نک سک سے تیار تھا۔ سفید شرٹ کے اوپری دو بٹن کھلے تھے۔ سیاہ پتلون اور چمکدار قیمتی جوتے پہنے بالوں کو جیل سے بنائے وہ تروتازہ لگ رہا تھا۔

"میں نے سوچا ٹل وچ کو ایک یادگار ویلکم دینا چاہیے۔"

"ان مچھلیوں کو کسی جھیل یا سمندر میں چھوڑ دو۔ تمہیں کس نے کہا میں اب بھی مچھلیاں پسند کرتی ہوں؟" جنت نے سنجیدگی سے کہا۔ شیر نے گردن گھما کر اکیوریم کی طرف دیکھا اور کئی پل اکیوریم کی مچھلیاں دیکھتا رہا۔

"تو اب تمہیں مچھلیاں پسند نہیں۔۔" شیر کے لیے یہ ایک انکشاف ہو جیسے۔

"نہیں! مجھے صرف ایک دفعہ ایک مچھلی پسند آئی تھی۔ کیوں کہ وہ کسی نے وہ اپنے ہاتھ سے مجھے نکال کر دی تھی۔" جنت نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی میں نے خود پکڑی ہیں۔" شیر نے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے کہا۔

"انہیں واپس چھوڑ دو۔" جنت نے تحکم سے کہا۔

"جیسی تمہاری مرضی!" شیر نے کاندھے اچکا دیے۔

"مجھے اسپیشل ٹریٹمنٹ دینے کی کوشش مت کرنا آفس میں۔"

شیر بے اختیار ہنس دیا۔

"تمہیں کیوں لگتا ہے میں تمہیں اسپیشل ٹریمنٹ دوں گا؟ میں کام کے معاملے میں بہت سنجیدہ ہوں۔۔ یہ بات تمہیں جلد ہی سمجھ آجائے گی۔" شیر نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

جنت نے جواباً اسے تلخ نگاہ سے دیکھا۔

"اب یقیناً تم مجھے نیچا دکھانے کے لیے جان بوجھ کر سختی کرو گے۔ اور مجھے ٹارچر کرو گے۔ مجھے یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔" وہ تیز لہجے میں بولی تو شیر قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"ڈر گئی؟"

"تم سے؟ اچھا مذاق ہے۔۔" جنت نے ترخ کر سختی سے جواب دیا۔

"سکون سے دل لگا کر کام کرنا۔ میں تنگ کرنے۔ اسپیشل ٹریمنٹ دینے یا جان بوجھ کر سختی کرنے کے لیے یہاں نہیں ہوں گا۔"

جنت نے جھٹکے سے گردن اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"تم کہاں جارہے ہو؟" وہ بہت تیزی سے بولی تھی۔

"کام کے سلسلے میں جارہا ہوں۔"

"کہاں جارہے ہو؟" جنت کا لہجہ لڑکھڑایا۔ شیر نے گہری سانس لیتے قدم

آگے بڑھائے اور درمیان کا فاصلہ ختم کرتے اس کا کاندھا تھپتھپایا۔

"فکر مت کرو۔ سب ٹھیک رہے گا۔" اس کا لہجہ نرم تھا۔ جنت کچھ

کہے بغیر دو قدم پیچھے ہٹ گئی اور رخ موڑ لیا۔

"اپنا خیال رکھنا!" لہجہ کو مضبوط اور بے نیاز بنالیا۔ شیر کے چہرے پر غیر

محسوس سی مسکراہٹ نے جنم لیا وہ خاموشی سے پلٹ گیا۔ وہ ہمیشہ جانے

کے لیے ہی آتا تھا یہ بات اسے نہیں بھولنی چاہیے تھی۔



"آج ہمارے درمیان مس جنت البانی موجود ہیں۔ میں چاہوں گا کہ سب خوش دلی اور احترام سے ان کا استقبال کریں۔ جنت ایک ایماندار اور ذہین لڑکی ہیں یقیناً آپ سب کا ان کے ساتھ کام کرنے کا تجربہ بہترین رہے گا۔" شیر چہرے پر سنجیدگی سجائے نرم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ جنت مسکراتی نگاہوں سے تمام چہروں کو دیکھتی رہی۔ جن میں سے کچھ متاثر نظر آتے تھے تو کچھ چہرے پر ناپسندیدگی کے تاثرات کو چھپانے کی پرزور کوششوں میں مصروف تھے۔ وہ سب شیر کے رعب و دبدبے کے زیر اثر تھے۔ ایک سہا ہوا سا تاثر ان کی آنکھوں سے جھلکتا دکھائی دے رہا تھا۔

"آپ سب کا شکریہ ! یقیناً ہمیں ایک ساتھ کام کر کے اچھا لگے گا۔" جنت نے مسکراتے ہوئے سب کا شکریہ ادا کیا اور شیر کی

ہمراہی میں کانفرنس روم سے نکل آئی ڈینیل ان سے چند قدم کے فاصلے پر چل رہا تھا۔

"شام میں مجھ سے ملنا۔ ساتھ کھانا کھائیں گے" شیر نے کہا۔

"کس خوشی میں؟" جنت نے دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

"تمہارے آفس جوائن کرنے کی خوشی میں۔"

"ٹھیک ہے پھر میری مرضی کی جگہ پر!" جنت نے شرط رکھی۔

"میں کبھی کسی دوسرے کی طے کی ہوئی جگہ پر نہیں جاتا۔" شیر نے سرگوشی میں باور کروایا۔

"پر میری طے کی ہوئی جگہ پر آنا ہوگا۔" وہ جتنا نگاہ اس پر ڈالتی اس کا

کاندھا تھپتھپاتے ہوئے راہداری میں اپنے دفتر کی طرف بڑھ گئی۔ ڈینیل

کی متاثر نگاہیں اس کے وجود سے چپکی رہیں یہاں تک کہ وہ منظر سے

او جھل ہوگئی۔ ڈینیل نے قدموں میں تیزی لاتے چھ قدم کا فاصلہ دو جستوں میں طے کیا اور شیر کی ہمراہی میں آگیا۔

"میں یقین نہیں کرپا رہا۔ کیا واقعی یہ عمش کی بیٹی ہیں۔ مجھے لگا تھا کوئی سپر ماڈل ہیں۔۔ دور سے دیکھا تھا۔ بہت حسین لگ رہی تھی۔ اب قریب سے دیکھ رہا ہوں تو اور حسین لگ رہی ہیں۔ یہ تو کسی شہزادی کی مانند ہیں۔ یا کانچ کی گڑیا۔"

"بس ڈینیل! شیر نے ناپسندیدگی سے کہا۔

"کیا آپ دونوں دوست ہیں؟"

شیر نے کوئی جواب نہ دیا۔

"قربانی دوست ہیں۔۔ ہے نا؟ میں نے سنا تھا کہ آپ بچپن میں گرین مینشن میں رہے ہیں۔ کیا آپ تب سے ان کو جانتے ہیں؟" ڈینیل کے لہجے میں بے تابی و تجسس تھا۔

"ویسے تو ہر قسم کی نقشیش میں سراغ رسانوں کو پیچھے چھوڑ دیتے ہو۔۔ میری ایک پاکٹ وائچ تم سے ڈھونڈی نہیں گئی۔"

"کیا ایک بات کہوں؟" ڈینیل نے فوراً موضوع بدلا۔

شیر نے ایک سخت گیر نگاہ اس پر ڈالی اور اپنے آفس کے دروازے پر رک کر سوالیہ انداز میں گردن کو خم دیا۔

"آپ ان کی آمد سے بہت خوش نظر آرہے ہیں۔۔"

شیر نے بھنویں سکیڑ کر اسے گھورا اور ہاتھ کے اشارے سے باہر ہی روک کر آفس میں داخل ہوا اور گیٹ بند کر دیا۔ ڈینیل جو اندر داخل ہونے کو

قدم اٹھا رہا تھا ساکت ہوتا وہیں ٹھہر گیا پھر کچھ پل رک کر گیٹ کو دھکیلا لیکن گلاس ڈور لاک تھا۔

"میں تو صرف کہہ رہا تھا۔ اب اس میں آفس لاک کرنے والی کیا بات تھی۔" ڈینیل بڑبڑایا اور ہاتھ میں پکڑا ٹیب لیے شیڈول چیک کرنے لگا۔



شام گہری ہونے میں کچھ وقت باقی تھا۔ آسمان پر پھیلی سرخی میں عجب سی سوگواری محسوس ہو رہی تھی۔ Al houma کے علاقے کی پرسکون جھیل کنارے وہ بیچ پر بیٹھا سامنے جھیل کی سطح پر چکر کاٹتے بگلوں کو دیکھ رہا تھا۔ سر پر سفید کیپ پہنے، سفید وی نیک شرٹ پہنے، سادہ سے حلیے میں تھا۔ سیاہ ماسک لگائے ٹانگ پر ٹانگ رکھے وہ محو انتظار تھا۔

سرمئی اور کوٹ قریب ہی رکھا تھا۔ دفعتاً ہیل کی ٹک ٹک اس کے قریب آکر رکی اس نے مسکراتے ہوئے سر اٹھایا۔

"میرا انتظار کر رہے تھے؟" جنت کی آنکھوں میں مسکراہٹ اور نرمی تھی۔ آنکھوں میں گہرا کاجل تھا۔ شیر کئی پل نگاہیں نہ ہٹا سکا۔ اس کی سبز آنکھوں میں کاجل بچ رہا تھا یا اندر ابلتے احساسات کا اثر تھا دل نگاہیں ہٹانے پر راضی نہ ہوا۔

"ہاں!" وہ فقط اتنا ہی کہہ سکا۔ جنت اس کے برابر میں بیٹھی اور کافی کا کپ اس کی طرف بڑھایا۔

"شکریہ!" اس نے ایک ہاتھ میں کافی کا کپ پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے جنت کا ہاتھ پر رکھتے اپنی انگلیاں اس کی انگلیوں میں پیوست

کر دیں۔ جنت نے ساکت ہوتے پہلی نگاہ اپنے ہاتھ پر اور دوسری اس کے چہرے پر ڈالی۔

"ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟" اس نے سوال کیا۔ عام سا انداز!

"دن بہ دن تمہارا رویہ بدلتا جا رہا ہے۔" جنت نے آہستگی سے کہا۔

"جیسے؟" شیر مسکرایا۔

"جیسے تیسے میں نہیں جانتی بس بدل گئے ہو۔" جنت نے زور دیتے لہجے میں کہا۔

"سر سے پیر تک عشق میں ڈوبے ہوئے عاشقوں والی حرکتیں کرنے لگا

ہوں؟" شیر نے بڑا سادہ انداز اپنایا تھا۔ جنت بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنس

پڑی اور ہنستی ہی چلی گئی۔ شیر کچھ کہے بغیر مسکراتی نگاہوں سے سامنے

دیکھتا رہا۔

"میں نے تمہارے لیے کوکنگ کی ہے۔" جنت نے اپنے بیگ کی طرف اشارہ کیا۔ شیر خوشگوااری سے مسکرایا۔

"تمہیں کوکنگ آتی ہے لٹل وچ؟" اس نے کافی پینے کے لیے اپنا ماسک اتار کر ایک طرف رکھ دیا۔

"نہیں۔۔" جنت نے نفی میں گردن ہلائی اور ہنس دی۔

"یوٹیوب سے دیکھ کر بنایا ہے۔"

"کیا بنایا ہے؟" شیر نے اس کا ہاتھ ہاتھ میں لیے ہی اپنی تھوڑھی پر

ٹکایا۔ جنت بے اختیار کچھ قریب سرکی۔ دونوں کے بیچ کا فاصلہ سمٹ

گیا۔ جنت اس کے وجود سے اٹھتی بھینی خوشبو سے لے کر اس کی

سانسوں کی دھک اپنے ہاتھ پر محسوس کر سکتی تھی۔ اس کی دھڑکن بے

ترتیب ہوئی لیکن وہ پرسکون دکھائی دے رہا تھا۔ کسی بھی فکر اور الجھن

سے آزاد مسکراتا ہوا تروتازہ۔ جنت اس کے وجہیہ چہرے کو نگاہوں میں
محصور کرتی مسکرا دی۔

"تم نے مجھے کہا تھا تمہارے بابا ایک ڈش بناتے تھے۔ گوشت کا قیمہ بنا کر
پھر اسے گولوں میں تبدیل کر کے پکایا جاتا تھا۔ کوفتے۔" جنت کہہ
رہی تھی جبکہ شیر بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا وہ ایک پل کے لیے
ساکت رہ گیا تھا۔

"تم نے لکھا تھا تم وہ کوفتے مس کرتے ہو! اور یہ بھی کہ زندگی میں
تمہارے لیے کوکنگ کرنے والا ایک ہی شخص تھا جسے اب شاید کبھی
تمہارے لیے کوکنگ کا موقع نہ ملے۔"

"چھوٹی چورنی!" شیر کی آواز میں عجب سا احساس پنہاں تھا لیکن جنت کی دھڑکنوں کا شور اس کی آنکھوں میں پختی وارفستگی نے بڑھایا دیا۔ جنت نے بے اختیار نگاہیں چراتے سر جھکایا تھا۔

"میرا جرنل پڑھتی تھی؟ اور اتنے سال بعد بھی تمہیں یاد ہے کہ میں کیا یاد کرتا تھا۔" شیر کے لہجے کی شدت میں کچھ تھا جو جنت کے لیے مشکل پیدا کر رہا تھا۔

"ہاں اب میرا ہاتھ چھوڑو! تم دن بہ دن چھچھورے ہوتے جا رہے ہو شیر!" وہ اپنا ہاتھ چھڑاتی پیچھے ہوئی۔ وہ یقیناً احساس کی شدت سے گھبرائی تھی۔ شیر نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ چھوڑا اور پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ نکالا۔

"یہ ایسے ان حالات میں دینے کا نہیں سوچا تھا۔" شیر نے اپنی بند مٹھی اس کے سامنے کھولی۔ جنت نے چونک کر اس کا چہرہ دیکھا اور پھر اس کا ہاتھ دیکھنے لگی نگاہیں پھر اس کی آنکھوں پر آٹھریں جیسے ان ہی لمحوں میں صدیوں تک کے لیے اس چہرے کو آنکھوں میں قید کر لینا چاہتی ہو۔

"کیا ہم دوبارہ ملیں گے۔" جنت نے آہستگی سے اس کے ہاتھ پر رکھی پرانے طرز کی سونے کی انگوٹھی اٹھالی۔

"مجھے لگا تم مجھے دنیا کا مہنگا ترین ہیرہ دو گے۔۔۔ لیکن یہ انگوٹھی۔۔۔ اسے دیکھ کر لگ رہا ہے کہ یہ تمہاری لیے بہت قیمتی رہی ہوگی۔" جنت مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ہاں! میرے بابا کی تھی۔ میری دادی نے کبھی انھیں دی تھی۔ میں تمہیں یہ خاص موقع پر دینا چاہتا تھا۔ قیمتی ہیرے دینے کے لیے زندگی پڑی ہے۔" وہ ہنس دیا۔

"میں کچھ وقت کے لیے یہاں نہیں ہوں گا۔"

"کیا ہم دوبارہ ملیں گے؟" جنت نے پوری کوشش کی تھی کہ اس کی آنکھوں میں آنسو نہ آئیں۔ قریب بیٹھا خواب سا شخص پر سکون دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بھی آج رونا نہیں چاہتی تھی۔

"یہ انگوٹھی ایک صدی پرانی ہے۔۔۔"

"شیر کیا ہم دوبارہ ملیں گے؟" جنت نے تیسری دفعہ میں اس کی بات درمیان میں کاٹ لی۔ اب کی بار شیر نے ابرو اچکاتے اس کی جانب دیکھا۔

"مجھے نہیں پتا جنت!" شیر نے کاندھے اچکا دیے۔

"تو تم مجھے یہ انگوٹھی کیوں دے رہے ہو؟" جنت تلخ ہوئی۔ وہ کبھی امید نہیں دیا کرتا تھا کبھی انتظار کرنے کا نہیں کہتا تھا۔ وہ کبھی کسی نارمل کپل کی طرح نہیں رہے تھے۔

"کہا ناں ایک صدی پرانی ہے۔ تمہیں نوادرات میں ہمیشہ سے دلچسپی رہی ہے۔" شیر نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کی جانب دیکھنے لگا۔
 "میں اس بار تمہارا انتظار نہیں کروں گی۔" جنت نے انگوٹھی واپس اس کی جانب بڑھائی۔ شیر ہنس دیا۔

"انتظار مت کرنا انگوٹھی تو رکھ لو۔ کام آئے گی کسی میوزیم میں دے دینا۔" شیر نے اسے چڑایا۔ جنت ناچاہتے ہوئے بھی ہنس دی۔

"اگر تم مجھے کہ دو کہ میں تمہارا انتظار کروں تو میں تمہارا انتظار کروں گی۔ چاہے پوری صدی انتظار کرنا پڑے۔ میری سانسیں رک جائیں گی۔"

لیکن میرے بعد تمہیں دنیا کی ایک ایک چیز میرے انتظار کی داستان سنائے گی۔ میں اس طرح تمہارا انتظار کروں گی کہ کائنات صدیوں تک اس انتظار کی گواہ رہے گی۔ "جنت نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے محویت سی کیفیت کہا۔ آنکھیں بے اختیار بہنے لگیں۔ شیر کا روم روم اس کے جملے کی شدت پر دھک اٹھا تھا۔ وہ یک ٹک اس کا چہرہ تکتا گیا۔

"میرا انتظار کرنا! میرا انتظار کرتی رہنا۔" شیر نے اس کی آنکھوں سے آنکھیں ملاتے کہا۔ جنت سانس لینا بھول کر نم نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"میرے دھیان میں رہے گا کہ تم میرا انتظار کر رہی ہو تو میں جلدی لوٹ آنے کے لیے بے تاب رہوں گا۔ اس لیے میرا انتظار کرنا۔"

شیر نے پہلو میں گرے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے جنت

پلکیں جھپکنا تک بھول گئی۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ ان آنکھوں میں یہ جذبہ اس نے پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ محبت، اپنائیت، احساس سے ہٹ کر ایک خواہش تھی۔

ایک تمنا ایک امید ایک آس۔۔ جنت کو یہ احساس ہر احساس سے زیادہ خوبصورت لگا۔ آنکھوں میں آتی نمی کو چھپانے کی کوشش نہ کرتی آنکھوں میں پڑتی دھند کو پلکیں جھپک کر مسکراتے اسے دیکھے گئی۔ اس کی آنکھوں سے دو آنسو پھسلتے گالوں پر بہہ گئے۔

"میں تمہارا انتظار کروں گی!"

"اب کی بار واپسی صرف تمہارے لیے ہوگی۔" شیر نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنکھوں پر ٹھہرے آنسو چن لیے۔ جنت نے بے اختیار اپنا سر اس کے کاندھے پر رکھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ شیر نے بیچ

کی پشت سے ٹیک لگاتے اسے رونے دیا اس کا ایک ہاتھ اب اس کے
بالوں کو نرمی سے سہلا رہا تھا۔



شارجہ کی بلند و بالا عمارت میں پر سکوت سناٹا چھایا ہوا تھا۔ جیسے وہاں کا ہر
مکین گہری نیند سویا ہوا ہو۔

آخری منزل پر بنے واحد وسیع و عریض پینٹ ہاؤس کے ماسٹر بیڈ روم
میں وہ بغیر شرٹ کے پلنگ پر بیٹھا آنسکریم کھا رہا تھا۔ بال گیلے تھے یوں
لگتا تھا جیسے ابھی ہی غسل لے کر فارغ ہوا ہو قریب ہی اسٹینڈ پر اس کا
سیاہ تھری پیس لٹکا تھا۔

"ماسٹر! میرے ٹویٹر پر چھ ملین فالورز مکمل ہو گئے ہیں۔" ڈینیل نے
دبے دبے جوش کے ساتھ کہا۔

"جس دن آپ اپنی کوئی تصویر پوسٹ کرنے دیں گے اس دن میں ٹویٹر کا سب سے زیادہ فولو کیا جانا والا انسان بن جاؤں گا۔"

"اور یہ بات تم سے کس نے کہہ دی؟" شیر نے بے نیازی سے سوال کیا۔

"کیا ان ٹین ایجرز لڑکیوں نے جو خود کو ایس آر اوبزیشن کہتی ہیں؟"

ڈینیل نے متوحش ہو کر اسے دیکھا۔

"ماسٹر آپ کو کیا لگتا ہے سارے لوگ مجھے آپ کی وجہ سے فولو کرتے ہیں؟"

"کیا تمہیں ایسا نہیں لگتا؟"

"کیا میں ہینڈ سم نہیں ہوں؟" وہ تک کر پوچھنے لگا۔

"بہت ہینڈ سم ہو۔۔ اب تک کے جتنے ہینڈ سم دیکھے ان میں تم سرفہرست ہو۔۔" شیر نے کاندھے اچکاتے کہا اور باؤل ایک طرف رکھتا پلنگ سے اتر اور شرٹ پہننے لگا۔ ڈینیل فخریہ انداز میں مسکرا دیا۔

"لیکن بات یہ نہیں ہے۔" شیر مسکرایا۔

"دنیا کے لوگوں کی نظر میں سب سے زیادہ پرکشش چیز معلوم ہے کیا ہے؟"

"کیا ماسٹر؟"

"ایک ایسا جیتا جاگتا پرانا راز جسے اب تک آشکار نہ کیا گیا ہو۔۔ طاقت سے بھرپور راز!" شیر اب اپنے کالر کے ساتھ ٹائی کو ترتیب دے رہا تھا۔

"وہ تو آپ ہیں۔۔" ڈینیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جانتا ہوں۔۔" اس نے کوٹ اٹھا کر پہنا پھر میز پر رکھا پرفیوم اٹھا کر اپنے گرد اسپرے کرنے لگا۔

"رات کو آپ کا موڈ بہت اچھا تھا اس لیے آپ نے مجھے اتنا بڑا بونس دیا ہے؟" ڈینیل نے اس کا اور کوٹ اس کی طرف بڑھایا۔
"تمہیں میں نے ڈینی کافی فرنیچر کا مشورہ دیا تھا۔"

"جی! یاد ہے مجھے! "ڈینیل نے فوراً اثبات میں گردن ہلائی۔ شیراب جھک کے جوتے پہن رہا تھا۔

"آج رات آٹھ بجے تمہیں ایک کال آئے گی اپنی میٹنگ فکس کر لینا! تم اپنا خود کا برانڈ لانچ کر رہے ہو۔"

ڈینیل کا منہ بے یقینی سے کھلا اور آنکھیں نا سمجھی سے پھیلیں۔

"کیا آپ مجھے جاب سے نکال رہے ہیں؟" اس کی آواز بمشکل حلق سے برآمد ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ سفید پڑا تھا۔ شیر نے سیدھا ہوتے اسے ایک خاموش نگاہ سے نوازا۔

"میں تمہارا عہدہ تبدیل کر رہا ہوں۔ اتنا سفید پڑنے کی ضرورت نہیں۔ پہلے تم میرے پرسنل اسٹنٹ تھے اب تم میرے بزنس مین ہو۔"

"میں آپ کے ساتھ روس نہیں چل رہا؟" اس کی آنکھوں سے بے بسی اور لاچاری چھلک رہی تھی۔

"تم میرے ساتھ روس نہیں جا رہے تم اپنا سارا وقت بزنس میں لگاؤ گے۔"

"میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں ماسٹر!"

"بیویوں والی حرکتیں چھوڑ دو ڈینیل! یا تم کوئی دودھ پیتے بچے نہیں ہو جسے میں ہر وقت ساتھ لیے گھوموں گا۔" شیر نے اسے گھورتے ہوئے تنبیہ کی۔

ڈینیل اتنا سامنے لیے سر جھکا گیا۔ اس کا انداز مرجھایا ہوا تھا۔
 "کیا میڈیا ٹاک کریں گے؟" اس نے کام کی بات کی۔
 "ہاں ضرور! کیوں نہیں۔ اعلان کر دو۔ اور ہاں اس بات کو یقینی بنالو کہ دنیا کے تمام بڑے خبری ماسکو میں موجود ہوں۔" شیر نے سنجیدگی سے کہا۔ اس کی آنکھیں عجیب انداز میں چمکی تھیں۔
 "آپ مذاق کر رہے ہیں؟"
 "نہیں سنجیدہ ہوں۔"

"واقعی؟" ڈینیل بے یقینی سے بولا۔

"ہاں!" شیر نے یک لفظی جواب دیا اور باہر کی جانب بڑھ گیا۔ ڈینیل نے تیزی سے سامان اٹھایا اور خود بھی اس کے پیچھے لپکا۔



فن تعمیرات کے جاگتے رنگوں سے مزین روس کا دارالحکومت اپنے تمام تر رنگوں میں رنگا ہر آنے والے کا تہہ دل سے استقبال کر رہا تھا۔ اس شہر نے اپنے پرانے نئے اور پرانے ہر رنگ کو اپنے اندر سمیٹا ہوا تھا۔ رات کی تاریکی پوری طرح چھٹ گئی تھی لیکن سورج نے جھلک نہ دکھائی تھی آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

شہر میں معمول کی سرگرمیاں شروع ہو چکی تھیں۔ شیر کا ہیلی کاپٹر فضا میں پنکھوں کا شور پیدا کرتا سلور فاریسٹ کے علاقے سے کچھ فاصلے پر

ایک کم آباد علاقے میں بنے فن تعمیر کی اعلیٰ ترین مثال دیتے محل کے احاطے میں اترنے لگا۔

محل کے احاطے کے باہر سخت پہرا تھا۔ باہر کی طرف میڈیا نمائندگان کا جم غفیر دکھائی دے رہا تھا۔

"ان کو دوپہر میں بلایا تھا یہ صبح صبح یہاں آکر جمع ہو گئے ہیں۔" شیر نے نیچے نظر آتے ہجوم پر نگاہ ڈالتے کہا۔

"انتظار کرنے دیں ماسٹر!" ڈینیل نے دانت دکھاتے ہوئے کہا۔

"خیر فارغ کر کے ہی جاتے ہیں ان کو۔" شیر نے قریب رکھا ماسک اٹھا

کر منہ پر لگایا۔ ہیلی کاپٹر نے ہیلی پیڈ کو چھوا ہی تھا جب شیر جست لگاتا

اتر آیا اس نے اپنا اوور کوٹ ڈینیل کی طرف بڑھایا اور خود پینٹ کی

جیبوں میں ہاتھ ڈالتا باہر کی طرف جانے لگا۔ آس پاس کھڑے ملازم و

گارڈز جو اس کا استقبال کرنے کو کھڑے تھے۔ ادب و احترام سے حال چال پوچھنے لگے۔

شیر سر کے اشارے سے انھیں جواب دیتا آگے بڑھتا گیا ڈینیل اس سے دو قدم پیچھے چل رہا تھا۔
"گڈ مارننگ ماسٹر!"

"گڈ مارننگ ماسٹر!" باوردی دربان نے سینے پر ہاتھ رکھتے احترام سے کہا اور اس کے لیے الیکٹرانک گیٹ کھول دیا۔ شیر نے سر کو خم دے کر جواب دیا اور باہر نکل آیا۔

یک زبان گونج کی صورت میں اس کا استقبال کرتی مختلف آوازیں اس کے کانوں پر پڑیں۔ اس نے دوبارہ سر خم دیتے جواب دیا اور سامنے لگے ڈائس کی طرف

چلا آیا۔

"گڈ مارنگ دوستوں! وقت سے پہلے پہنچ کر میرا انتظار کر رہے تھے۔"

اس نے انگریزی میں مزاحیہ انداز میں کہا۔

"کیسے مزاج ہیں آپ کے جناب! بڑے عرصے بعد میڈیا پر آئے ہیں

۔" ایک ادھیڑ عمر برطانوی صحافی نے سوال کیا۔

"مزاج تو بہت بھاری ہے۔۔ مردہ ضمیروں کے تحفن سے دم گھٹا جا رہا

ہے۔" شیر نے کھر درے لہجے میں جواب دیا۔

"میں آپ کے جواب کی معنی خیزی سمجھ رہا ہوں۔۔ اپنے بزنس کے

حوالے سے کیا کہنا پسند کریں گے۔"

وہی صحافی مسکراتے ہوئے بولا۔ شیر کی آنکھوں میں سختی اتری۔

"آپ کا نام؟۔۔ روبن ریچرڈ! بی بی سی؟ رائٹ؟ آپ نے میرے جواب کی معنی خیزی کو بہت تیزی سے بھانپ لیا۔۔ مجھے حیرت تو نہیں ہوئی۔۔ ہاں لطف اندوز ضرور ہوا ہوں۔۔ کیوں کہ یہ معنی خیزی آپ ہی کے لیے تھی۔۔" شیر نے سرد مہری سے جواب دے کر نگاہیں پھیر لیں۔ وہ صحافی سفید چہرہ لیے ادھر ادھر دیکھتا رہ گیا۔

"آپ دنیا کے چنیدہ تجارتی شخصیات میں سے ایک۔۔"

"آہاں!۔۔ آپ کی معلومات کم ہیں۔۔ پچھلے چار سال سے سر فہرست ہوں۔۔" اس نے فوراً ٹوکا تو مجمع میں دبی دبی ہنسی کا طوفان اٹھا۔ ڈینیل کے چہرے پر فخریہ مسکراہٹ اتری۔

"آپ کے بزنس کے حوالے سے کوئی نئی اپ ڈیٹ؟"

"میں ان حالات میں تجارت پر بات نہیں کروں گا۔ آپ کے یہاں دو منٹ کی خاموشی کا رواج ہے۔ تو کیوں نہ ہم دو منٹ کی خاموشی منافق چہروں سے نقاب اترنے کے غم میں اختیار کریں۔"

"آپ ببانگ دہل ایک مخصوص طبقے کو نشانہ بنارہے ہیں۔ اس بات سے واقف ہوتے ہوئے بھی کہ آپ کی تجارتی جڑوں کو وہیں سے مضبوطی ملتی ہے۔" ایک اور سفید فام صحافی نے نکتہ اٹھایا۔

"میں ایسی تجارتی جڑوں کو خود کاٹ کر پھینکنا پسند کروں گا۔ ایسی کھوکھلی جڑیں میری کسی کام کی نہیں۔ ایسی کھوکھلی جڑیں میرے نقصان یا فائدے کے دائرے میں نہیں آتیں۔"

"آپ سرعام بڑی دیدہ دلیری سے بقول آپ کے چہروں سے نقاب ہٹا رہے ہیں اس صورت میں جب آپ کا اپنا چہرہ ایک نقاب تلے

چھپا ہے۔۔۔" کہیں سے طنز کا تیر آیا جسے سن کر شیر طنزیہ انداز میں ہنس دیا۔ اس کا ہاتھ اپنے ماسک کی طرف گیا۔ ایک پل کو مجمع میں سناٹا چھا گیا اگلے ہی پل کیمرہ مین تیزی سے اپنے کیمرے سنبھالنے لگے۔ ڈینیل بے یقینی سے منہ کھولے شیر کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"میں چہرہ دکھا کر بھی یہی بات کروں گا۔"

اس نے ماسک ہٹا دیا۔ ایک عجیب سا تہلکہ سا مچا تھا۔ وہ چہرے پر سنجیدگی لیے سب کی جانب باری باری دیکھنے لگا۔ کیمرے کی فلیش لائٹس اور کھٹ کھٹ سے ماحول میں عجب سا عنصر شام ہوا تھا۔ وہ چہرہ جسے سالوں سے لوگ دیکھنے کی تمنا میں بے چین تھے۔ آج دنیا کے سامنے تھا۔ مشہور سے مشہور چینل پر یہ لائیو دکھایا جا رہا تھا۔ وہ پر اعتماد بے خوف سا پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔

"چہرہ ظاہر نہ کرنا میری اپنی ذاتی مرضی تھی اس کے پیچھے کوئی خاص وجہ نہیں تھی۔۔ نہ کوئی ایجنڈہ!"

"سر! حال ہی میں ایک رپورٹ آئی ہے کہ آپ دنیا کے مختلف حصوں میں یتیم لڑکیوں کو اپنی سرپرستی میں رکھتے ہیں اور ان سے جنسی کاروبار چلایا جاتا ہے۔"

"ہاں! میری سرپرستی میں ان گنت بچے دنیا کے مختلف حصوں میں پل رہے ہیں۔ ان کی بہترین تعلیم و تربیت اور خوشحال زندگی کا زمرہ میں نے اٹھایا ہے۔ یقیناً آپ کا تعلق تل ابیب سے ہے؟ وہاں کے صحافیوں کو خبریں توڑ مڑ کر پیش کرنے کی بری عادت ہے۔ تیار رہیے گا آپ کو میں ہتک عزت کا نوٹس بھیجوں گا۔ آپ نے بھری محفل میں مجھ پر

الزام لگایا ہے۔۔" شیر نے سنجیدہ چہرے اور پتی نگاہیں اس پر جمائے
کہا۔ وہ فوراً گھبرا یا تھا۔

"میرا وہ مطلب نہیں تھا سر۔۔"

شیر نے ان سنی کرتے رخ موڑ کر توجہ دوسرے صحافی کی جانب موڑ
دی۔

"اسلام و علیکم جناب! میرا نام موسیٰ بن نصیر ہے۔ میرا تعلق فلسطین سے
ہے اور میں آپ سے فلسطین کی حالیہ صورتحال پر رائے جاننا چاہوں گا
۔۔"

"وعلیکم اسلام! آپ کا مطلب اسرائیلی دہشت گردی اور ظلم و جبر سے
ہے؟ دیکھیے اس حوالے سے میرے خیالات بہت واضح ہیں۔۔ کسی بھی
قابض گروہ کو اتنی دہشت گردی کی ہمت نہیں ہونی چاہیے۔۔ بین

الاقوامی عدالت پر لعنت ہو کہ وہ معصوم جانوں کے ضیاع پر چپ کا کلمہ پڑھے بیٹھا ہے۔ حقائق پر چاہے جتنے پردے ڈال دیے جائیں۔ حقیقت نہیں بدلے گی۔ اسرائیل ایک خود ساختہ اور نقلی ریاست ہے۔ جو زور زبردستی اپنے وجود کو منوانے کی کوششوں میں مصروف ہو کر معصوم فلسطینیوں کی نسل کشی پر اتر آیا ہے۔ اسرائیلیوں سے قبل۔ فلسطین ایک مکمل اور خوشحال وطن تھا۔ ایئرپورٹ سے لے کر زرائع نقل و حمل۔ اسکول، ہسپتال، پارک، سینما۔ آرٹ۔ فن تعمیر۔ کی خوبصورت مثالوں سے بھری زمین تھی۔ فلسطینی ایک امید، ایمان اور خوابوں سے بھرپور اپنے مستقبل کے لیے کوشاں قوم تھی۔ فلسطین نسل در نسل فلسطینیوں کا تھا۔ فلسطین۔ فلسطین تھا۔ فلسطینیوں کا رہے گا۔ اس حقیقت کو اس کرہ ارض کی کوئی طاقت نہیں جھٹلا سکتی۔"

"اللہ اکبر!" فلسطینی صحافی نے جذبات کی شدت سے لبریز ہو کر بلند آواز میں کہا تھا۔ شیر کی آنکھوں میں چمک اتر کر معدوم ہوئی۔

"آپ براہ راست کسی کو مخاطب کرنا چاہتے ہیں؟"

"میں ہر اس شخص کو مخاطب کر رہا ہوں جو جانتے بوجھتے ضمیر کو تھپکی دے کر سلا رہا ہے۔"

"آپ کی تمام ہمدردیاں عرب قوم کی طرف ہیں مسٹر شیر! کیوں کہ آپ عرب مملکت میں پروان چڑھے ہیں۔"

"صرف عرب مملکت میں ہی نہیں میں نے دنیا کے مختلف حصوں میں اپنی زندگی گزاری ہے۔ تیرہ سال کی عمر سے میری پرورش ایک یہودی تاجر نے کی۔ میرے ساتھ کھڑا یہ میرا پرسنل اسٹنٹ ڈینیل یہودی مذہب کا پیروکار ہے۔ لیکن بات یہاں مذہب رنگ و نسل، عرب یا

غیر عرب کی نہیں ہے۔۔ انسانیت کی ہے۔۔ انسانیت سے بڑا کوئی مذہب نہیں۔۔ میرا تعلق اسی مذہب سے ہے۔۔ پھر ملتے ہیں۔۔ "اس نے ہاتھ کے اشارے سے ڈینیل کو چلنے کا اشارہ کیا۔ باقی ہر سوال ہر آواز پس منظر کا حصہ بن کر رہ گئی۔ صحافی اس کی تصاویر بنانے میں مصروف تیزی سے کیمرے چلا رہے تھے۔ بھیڑ میں سے ایک شخص نیلا برساتی جیکٹ پہنے سر پر جیکٹ کی ٹوپی گرائے مخالف سمت میں پیدل چلنے لگا۔ دونوں ہاتھ جیکٹ کی جیبوں میں تھے۔ اس کی آنکھوں میں ناپسندیدگی جھلک رہی تھی۔ کچھ دور چلتے اس نے جیب سے ماسک نکالا اور چہرہ ڈھانپ دیا۔ دفعتاً اس کے کان میں لگے آلے پر بپ ہوئی۔

اس نے یس کرتے کان سے لگالیا۔

"ماسکو میں خوش آمدید!"

"تم جان بوجھ کر اپنا چہرہ دنیا کے سامنے لے کر آئے۔"

"میں تو بس اپنی زندگی میں تھوڑا اور تھرل لانا چاہ رہا تھا۔ اب میں بھی دیکھوں "ڈارک آئی۔" کتنا ماہر شکاری ہے۔۔ خیر یہ تو میری مرضی ہے مجھے کب اپنا چہرہ دنیا کو دکھانا ہے اور کب نہیں۔" دوسری طرف لطف اندوز لہجے میں کہا گیا۔

"جب دروازے تک آ ہی گئے تھے تو تھوڑا اندر آ جاتے۔"

"اگر کوئی کام کی بات نہیں کرنی تو میں رابطہ ختم کر دوں؟" حاشر پر سکون تھا۔

"کام کی بات صرف اتنی ہے کہ ساری توجہ اپنے کام پر رکھنا! بابا سے رابطہ مت کرنا۔" انداز میں تحکم صاف جھلکتا تھا۔

"مجھے کوئی شوق نہیں کسی سے رابطہ رکھنے کا شریم بابر خان! "حاشر کا لہجہ سخت ہوا۔

"اور میں اپنی زندگی کا مالک ہوں جس میں مجھے کسی کی صلاح یا مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"بابر خان کو جس طنزیہ انداز میں تم نے میرے نام کے ساتھ جوڑا ہے ناں! ایسا لگ رہا ہے تمہارے نام کے ساتھ تو صلاح الدین ایوبی کا نام لگتا ہے۔ مسٹر حاشر بابر خان! "شیر نے ہنستے ہوئے اس کا نام ٹھہر ٹھہر کر لطف لیتے ہوئے ادا کیا۔

"میرا سر نہ کھاؤ!"

حاشر نے جھڑک کر کہا اور بلو تو تھ کھینچ کر کان سے نکال لیا۔



"زبل ولا" وسبع پمانے پر پھللا هوا شاندار بنگلہ تھی۔

یہ منظر دیکھنے پر شاہانہ سا تاثر پیدا کر رہا تھا

ہال کا انٹیریر پستائی اور سرمئی رنگ کے امتزاج سے بنایا گیا تھا۔ دیوہیکل ستونوں اور اونچی گول چھت پر بڑا سا جھومر تھا جس کے شیشوں کی چمک نیم اندھیرے میں فرش پر پڑھ کر مختلف زاویوں میں دکھائی دے رہی تھی۔ سفید صوفے وسط میں رکھے گئے تھے بیچ میں لکڑی کی بھاری مگر ناٹی سی میز تھی جس پر ہرن کی صورت میں چینی کا پتلا رکھا تھا۔ دیواروں پر سنہرے جالی دار پردے اونچائی سے لگے ہوئے تھے۔ پرسکوت منظر میں ہل چل ہیزیل کی باریک ٹرانسپیرنٹ ہیلز کی ٹک ٹک نے پیدا کی۔ اس کا سیاہ سلک گاؤن پیچھے سے سیڑھیوں کو چھو رہا تھا۔ ہیزیل کے ایک ہاتھ میں اس کا قیمتی فون تھا جس میں وہ سوشل

میڈیا چیک کرتی دکھائی دے رہی تھی۔ ایک انداز سے چلتی وہ نیچے ہال میں رکھے صوفوں میں سے ایک پر نیم دراز ہوئی اور میز پر رکھی بپ بجائی۔ اگلے ہی لمحے ترک اور چینی نقوش والی خوشکل سی لڑکی سفید وردی میں ملبوس ہال میں داخل ہوئی۔

"گڈ مارنگ میڈم!"

ہیزیل نے فقط گردن کو حرکت دی تھی۔

"میرے لیے ناشتے کا انتظام کرو۔ اور اسموڈھی لے آؤ۔"

"اوکے میڈم!"

ملازمہ باادب انداز میں کہتی پلٹ گئی۔ کچھ لمحے گزرے تھے جب ریچل

تقریباً بھاگتی ہوئی ہال میں داخل ہوئی۔

"گڈ مارنگ میڈم!"

"گڈ مارنگ!" ہیزیل نے چہرے پر مسکراہٹ سجائی۔ مسکراہٹ میں تپش، غصہ طرز سب جھلک رہا تھا۔

"میڈم! میں نے ماسٹر کا شیڈول چیک کیا تھا وہاں میڈیا ٹاک کے بارے میں کوئی اشارہ تک نہیں تھا۔"

"وضاحتیں مت دو ریچل! مجھے اس شخص کے ساتھ اب فوٹو سیشن یا اس سے جڑی کسی خبر میں آنے کا کوئی شوق نہیں رہا۔ اور جو گفتگو اس نے کی ہے وہ باتیں میرے ساتھ ہوتے ہوئے کر دیتا تو میرا بزنس کتنا افیکٹ ہوتا تمہیں اندازہ ہے؟" اس نے اپنے بالوں کو پیچھے کرتے اپنا فون لاک کر کے میز پر رکھا اور براہ راست اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"یہ نسل کشی، زمینی جنگیں۔۔ بین الاقوامی سیاستیں تو صدیوں سے دنیا میں ہوتی آرہی ہیں۔۔ لاکھوں لوگ مارے جاتے ہیں تو لاکھوں کا جنم بھی تو

ہوتا ہے۔۔ ان باتوں سے ہمارا کیا لینا دینا۔ اس سب میں نہیں پڑنا چاہتی میں۔۔"

"ماسٹر شیر مسلم بیک گراؤنڈ سے تھے۔۔ اور مسلم لوگ اتنے ہی حساس ہوتے ہیں اپنے مذہب اور لوگوں کو لے کر۔۔ شاید اس لیے"

"وہاٹ ایور۔۔ آئیندہ میرے سامنے شیر کی طرف داری مت کرنا۔ میں جانتی ہوں تمہارا اس پر بہت گہرا اثر پرانا کرش ہے۔" وہ طنزیہ انداز میں مسکرائی۔

ریچل کے گالوں پر سرخی پھیلی اس نے فوراً سر جھکایا اور لب بھینچ لیے۔

"آئی ایم سوری میڈم!" وہ بمشکل بول پائی تھی۔ نگاہوں میں شیر کا وجود آدھمکا۔

"جا کر میرا شیڈول سیٹ کرو۔" ہیزیل نے اشارے سے جانے کا کہا۔ وہ فوراً مخالف سمت میں تیزی سے آگے بڑھنے لگی۔



ایوبیہ نیشنل پارک کے کچھ فاصلے پر بنے اس عالیشان محل نما کوٹھی کی دوسری منزل پر بنے وسیع ٹیرس کی چھاؤنی میں بیٹھی وہ یک ٹک اسکرین کو تک رہی تھی۔ وہی آنکھیں وہی ناک وہی پیشانی وہی قد کاٹھ زرہ برابر فرق ڈھونڈنے کو اس نے اسکرین کو اس چہرے پر اسٹاپ کر رکھا تھا لیکن کوئی فرق نہ تھا۔ وہی گھنیری پلکیں، بھنویں ویسی ہی کمان کی مانند۔ تیز ہوائیں چلتی اس کے چھوٹے کٹے بالوں کو اس کے چہرے پر لا لا کر پھینک رہی تھیں۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ ارد گرد کا منظر ٹھہر گیا تھا ہر ایک شے پر جمود طاری تھا۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں

ایک ہی زاویے پر ٹھہرے ٹھہرے جلنے لگیں تھیں۔ اس نے پلکیں تیزی سے جھپک کر خشک آنکھوں کو سکون پہنچانے کی خاطر انھیں موند لیا اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگا لیا۔

"اتنی مشابہت محض اتفاق نہیں ہوتی۔" اس نے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"میرا شک درست نکلا! ان کے درمیان کوئی رشتہ ہے۔ بلکہ یہ وہی بھائی ہے جسے وہ مرحوم بتاتے تھے۔" وہ پھر بڑبڑائی۔ اس نے اپنا فون اٹھا کر اس کا نمبر ملایا۔ نمبر بند تھا۔ اس شام کے بعد اس کا فون بند ہی ملا تھا۔ دوبارہ رابطہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے بیزاری سے فون رکھ دیا۔ حاشر نے اسے کسی بھی دوسرے ٹیم میمبر سے رابطہ کرنے سے منع کیا تھا۔ ان

لوگوں نے خود بھی دوبارہ کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ اس پر بیزاری طاری ہونے لگی۔

"کتنی بے بس ہو گئی ہوں میں۔ میں نے اس مشن پر اپنا سو فیصد دیا ہے۔ کیا مجھے حق نہیں اپ ڈٹ رہنے کا؟" وہ تلخی سے اونچا بڑبڑائی۔

"بالکل حق ہے۔" بریگیڈیر عزیز انتہائی نرم لہجے میں کہتے اس کی طرف آتے دکھائی دیے۔ سیاہ شال لپیٹے آنکھوں پر اسٹائلش فریم کا چشمہ لگائے۔ بال نفاسٹ سے کٹے ہوئے تھے۔ ان کا چہرہ طوبیٰ سے مشابہ تھا۔ گول اور پرکشش نقش و نگار کا حامل سرخ و سفید چہرہ تھا۔

"گڈ ایوننگ ڈیڈ!"

"گڈ ایوننگ!" وہ اس کے سامنے ہی صوفے پر آرام دہ انداز میں بیٹھ گئے۔ چہرے پر ہلکی مسکراہٹ تھی۔

"تمہیں اتنی لمبی چھٹیوں پر کس نے بھیجا ہے؟"

"کمانڈر حاشر نے بریگیڈیر سے کہا کہ مجھے آرام کی ضرورت ہے۔"

"حیرت ہے۔۔" وہ ہنس دیے۔ طوبیٰ نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"کس بات پر؟!"

"کیپٹن شاہین دو سال پہلے ڈارک آئی کے ساتھ مصر میں کسی ٹاسک کے لیے گئے تھے اور ایک حادثے میں وہ عمارت کی چھٹی منزل سے گر گئے۔ اللہ کے کرم سے ان کی جان محفوظ رہی لیکن کافی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ کیوں کہ مشن آخری مراحل پر تھا اس لیے کسی بھی ساتھی کا یوں معزول ہونا پریشانی کی بات ہے اور ڈارک آئی اس معاملے میں کافی سے زیادہ سنجیدہ واقع ہوا ہے۔ اس نے کیپٹن شاہین کو ہاسپٹل سے ڈیوٹی پر رکھا۔ اور سوال کرنے پر جانتی ہیں اس کا کیا جواب تھا؟"

طوبیٰ نے متجسس انداز میں سوالیہ گردن کو جنبش دی۔

"اس کا دماغ اور زبان صحیح کام کر رہا تھا اور وہ چھٹی پر نہیں جانا چاہتا تھا
--"

"میں بھی نہیں جانا چاہتی تھی۔"

"شاید اسے تمہاری اتنی زیادہ ضرورت نہیں تھی۔"

طوبیٰ نے دکھ بھرے انداز میں باپ کو دیکھا۔

"یہ بات نہیں ہے ڈیڈ! میں نے بہت محنت کی ہے وہ اکثر میری تعریف

کرتے تھے اور کہتے تھے میں اپنے کام کو لے کر سنجیدہ ہوں اور انھیں

کام کو لے کر سنجیدہ رہنے والے لوگ پسند ہیں۔ وہ میری فکر کرتے

تھے۔ انھوں نے مجھے خون دیا۔"

"کیوں کہ تم دونوں کا بلڈ گروپ ایک ہے بیٹے!"

"آپ کیوں ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ میں ایک بیکار حصہ ہوں فوج کا؟" طوبیٰ کی آواز میں خفگی اور غصہ تھا۔

"تمہارا کسی نے انتخاب نہیں کیا تھا طوبیٰ! تم پچھلی دفعہ بری طرح زخمی ہوئی تھیں جس کے بعد میں نے تمہیں زبردستی گھر پر رکھا۔ تم نے چھپ کر اس مشن کے بارے میں سن گن لی اور مجھے ایمو شٹل بلیک میل کیا کہ میں تمہاری سفارش کروں۔ جنرل صاحب نے میرے ریکارڈ کی وجہ سے تمہیں اس مشن میں شامل کیا تھا ورنہ ڈارک آئی اپنے ٹیم میمبرز کا انتخاب خود کرتا ہے۔ جبکہ تمہارا نام تک نہیں جانتا تھا وہ۔ میں نے تمہیں ایک انٹرنیشنل ٹاسک میں ڈارک آئی کے ساتھ اس لیے شامل کیا تاکہ تمہارے اندر کا تجسس اور تھرل ختم ہو سکے جو تم ڈارک آئی کے حوالے سے اپنی زندگی میں شامل کر چکیں تھیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں سمجھتی ہوں سب ! لیکن وہ تجسس اور تھرل ہی سب کچھ نہیں تھا۔ میں ہمیشہ سے اپنے کام کو لے کر سنجیدہ رہی ہوں ڈیڈ ! میں صرف شوق کے لیے فوج میں شامل نہیں ہوئی تھی۔ اور رہے حاشر تو وہ صرف میرے سینئر، باس یا ایک کرش نہیں ہیں۔ مجھے ان سے محبت ہے۔۔۔"

برگیڈیئر عزیز کی آنکھیں نا سمجھی سے پھیلیں۔

"آپ مجھے ایک نا سمجھ لاابالی لڑکی سمجھنا چھوڑ دیں۔۔۔ مجھے یقین ہے حاشر کو بھی مجھ سے محبت۔۔۔"

اس کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی برگیڈیئر عزیز بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنس دیے اور گردن پیچھے پھینکتے ہنستے ہی چلے گئے۔ طوبی جو مزید کچھ کہہ

رہی تھی لب بھیج کر باپ کو تلخ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ پھر بھیجے لب
اور ناراض چہرہ لیے وہاں سے جانے لگی۔
"طوبی! میری بیٹی!"

"He is a human robot! Don't ever try to fool yourself"...

"پلیز ڈیڈ!" طوبی نے تلخی سے ہاتھ اٹھا کر انھیں خاموش رہنے کا کہا اور
اسٹک کے سہارے چلتی منظر سے اوجھل ہو گئی۔ بریگڈئیر عزیز نے لب
بھیج کر سر جھٹکا تھا۔



ماسکو کے مشہور ہوٹل میٹروپول کی مہنگی ترین سویٹس میں سے ایک
میں وہ تینوں قیام پذیر تھے۔

منان آتش دان میں کے قریب کھڑا اپنے دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑتا بالکل ساکت دکھائی دیتا تھا اس کی آنکھوں کی پتلیاں ایک ہی نقطے پر جمی ہوئی تھیں۔

"مزید کتنے گھنٹے یہ چپ کا روزہ جاری رہنا ہے تم دونوں کا؟" اریب نے تلخ لہجے میں سوال کیا تھا۔

"کیا تمہیں نہیں لگتا کہ کمانڈر کو ہمیں بتانا چاہیے تھا؟"

"کیا؟" اریب نے ایک ابرو اچکائے سوال کیا۔

"اب تم یہ مت کہنا ایک اتفاق ہو سکتا ہے۔ ایسی مشابہت نہیں ہوتی ہے ایسی۔" منان نے آہستگی سے کہا۔

"اگر ہم ڈارک آئی کے ساتھ ایک مشن پر ہیں تو اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ ہم ان کے برابر ہیں۔ ہمیں پہلے بتایا گیا تھا کہ ہمارا کام اور

ہمارا کردار کس حد تک ہے۔۔ اور جیسے کہ تم نہیں جانتے کہ ہمیں پہلے ساری تفصیلات دے دی گئیں تھیں۔۔ "اریب نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے انھیں آئینہ دکھایا تھا۔ جس پر وہ دونوں ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے۔ ہال میں خاموشی چھا گئی۔ اریب نے انھیں خاموش دیکھا تو اٹھ کر ہال سے نکل گیا۔ واپس آیا تو باہر جانے کو تیار نظر آتا تھا۔

"تازہ ہوا کے لیے جارہا ہوں۔" اس نے آہستگی سے کہا اور باہر نکل گیا۔ منان اپنا لیپ ٹاپ آن کرنے لگا۔



سیاہ کار صاف ستھری نم سڑک پر تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی۔ گھنے درختوں سے گھری یہ سڑک قدرے خاموش اور سنسان دکھائی

دیتی تھی۔ طوبیٰ بیک سیٹ پر ٹیک لگائے بیٹھی کھڑکی کے پار جھانک رہی تھی کچھ دیر مزید گزری تو گاڑی ایک رہائشی علاقے کی طرف مڑی۔

"کیا ہم قریب ہیں؟"

"جی میڈم!" ڈرائیور نے بآداب انداز میں کہا۔

وہ آس پاس بنے عالیشان مکانوں کو دیکھ رہی تھی۔

اس نے اپنے بیگ سے ایک پرچی نکالی اور اس پر لکھا ایڈریس پڑھنے لگی۔ کچھ الجھن کا شکار تھی اس نے ایک صنعتی طرز کا علاقہ تصور کیا تھا لیکن یہاں گھروں کے علاوہ اور کوئی عمارت نہیں تھی۔

گاڑی ایک طرف رکی تو اس نے کھڑکی کے پار نظر آتی سفید دیواروں والی عمارت کو دیکھا۔

"قصر عرفات" کی تختی پر نظر پڑتے لب واہوئے۔

"عرفات لیبارٹری!" زیر لب بڑبڑاتی وہ اپنی بیساکھیاں لیا اتر آئی۔ گیٹ تک پہنچی ہی تھی جب اندر سے ایک سیاہ وردی میں ملبوس گارڈ باہر آیا۔

"کیپٹن طوبی عزیز!" اس نے اپنا نام بتایا دو منٹ بعد گیٹ کھول دیا گیا۔ طوبی اندر داخل ہوئی لان میں سادہ گھاس اور کچھ رنگین پودے تھے۔ وہ پورچ پار کرتی انٹرنس کے قریب پہنچی۔ ایک ملازمہ کھڑی نظر آئی جس نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا۔

"May I have your bag please"?

طوبی نے لمحہ بھر انتظار کیے بغیر اپنا بیگ اس کی جانب بڑھایا۔ ملازمہ نے اس کے بیگ کو اچھی طرف چیک کیا اور پھر واپس کر دیا۔ طوبی بیگ لیے اندر کی طرف بڑھنے لگی۔ ملازمہ ساتھ چل رہی تھی۔ شاید وہ اسے راہ دکھانے کو ساتھ تھی۔ زینے کے نیچے کی طرف لگے بھورے دروازے

سے داخل ہو کر وہ ایک لفٹ میں سوار ہوئے اور لفٹ نیچے اترنے لگی۔ طوبیٰ خود کار جدید نظام کو دیکھتے حیران سی تھی۔ لفٹ سے نکلنے پر سامنے وسیع ہال تھا جہاں ایک بڑی اسکرین تھی۔ وہیں پر صوفے ایک ٹیبل ٹینس ایک طرف دو کمرے دکھائی دیے جو بند تھے۔ دیواروں پر پینٹنگز تھیں۔ کچھ تصاویر جنہیں وہ رک کر دیکھنے لگی۔ وہ لڑکپن سے جوانی کی طرف بڑھتے حاشر کی تصاویر تھیں۔ وہی سنجیدہ متانت سے بھرپور تاثرات اور پرسکون آنکھیں ہر تصویر میں نظر آرہی تھیں۔

"اس طرف آئیے۔" ایک راہداری کی طرف اشارہ کرتی ملازمہ ٹھہر گئی۔

"سب سے آخری دروازہ۔"

"بہت شکریہ!" طوبیٰ نے مسکرا کر کہا اور آگے بڑھتی گئی۔ لوہے کا بھاری دروازہ تھا جو کھلنے کے لیے یقیناً پاس کوڈ یا فنگر پرنٹس مانگتا تھا۔ اس نے

ہتھیلی کی مدد سے دستک دی اگلے پل ٹھک کی آواز سے گیٹ کھل گیا۔ وہ اندر داخل ہوتے ہی حیرت کے جہاں میں ڈوبی تھی۔

"ہیلو پروفیسر!" اس نے اندر سفید کوٹ والے دراز قد شخص کو دیکھتے کہا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے۔ ایک طویل سنگ مرمر کا کاؤنٹر تھا جہاں درجنوں مشینیں اور تجرباتی آلات تھے۔ ایک طرف دیوار گیر ریک تھے جہاں سیکڑوں کی تعداد میں کتابیں تھیں۔

"مس طوبی عزیز! خوش آمدید۔" وہ پلٹ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ انداز نرم لیکن سنجیدہ تھا۔

"بیٹھ جائیں۔" انھوں نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے کہا۔

"ہم پہلے مل چکے ہیں؟" انھوں نے سوال کیا۔

"ڈیڈ کے ریٹائرمنٹ ڈنر پر!" وہ آہستگی سے بولی۔

"اچھا! یاد ہے مجھے۔۔ پانچ سال پہلے۔۔"

"مجھے لگا آپ کو یاد نہیں۔۔ آپ فون پر بالکل انجان بن رہے تھے۔"

طوبیٰ نے آہستگی سے شکوہ کیا۔ انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"آپ کی کمانڈر حاشر سے کب بات ہوئی تھی؟" طوبیٰ نے اگلا سوال کیا۔

"مجھے ٹھیک سے یاد نہیں۔۔" وہ اپنا چشمہ اتارتے کرسی سے اٹھ کھڑے

ہوئے۔ جنوری میں شاید!" انھوں نے اپنا کوٹ اتار کر اسٹینڈ پر ٹانگا۔

"کیا لیں گی کافی؟ چائے؟ یا جوس؟"

"کچھ بھی!" وہ آہستگی سے بولی۔ اس کی نگاہیں ان کے بے نیاز اور

پر سکون انداز پر تھیں۔ طوبیٰ نے اپنے بیگ سے چھوٹا سیاہ بکس نکالا۔

"یہ مجھے انھوں نے آپ کو دینے کے لیے کہا۔۔" طوبیٰ کی بات مکمل

ہوئی۔ وہ قدرے چونکے اور بغور طوبیٰ کی جانب دیکھا۔ اس کے چہرے کو

وہ کئی منٹ تک ٹٹولتے رہے بکس کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا پھر نپے تلے قدموں سے اس کی طرف بڑھے اور سامنے رکھا بکس اٹھا کر دیکھا۔

"کتنے عرصے سے ڈیوٹی پر ہیں آپ؟"

"سات ماہ پندرہ دن۔"

"کیا آپ جانتی ہیں اس بکسے میں کیا ہے؟"

"خط ہیں۔ ایک فارمولا ہے۔" طوبیٰ نے سادگی سے جواب دیا۔ اس کے سوال پر حاشر نے یہی جواب دیا تھا۔ ایک آپ کے لیے ہے ایک کمانڈر کی ماں کے لیے۔"

"آپ کو کیا دے کر رخصت کیا تھا؟"

"مجھے؟" طوبیٰ ایک پل کو ان کا سوال نہ سمجھ پائی۔ وہ کچھ نہ بولے بکسا تھامے اسے دیکھتے رہے۔

"تسلی دی تھی۔۔ نصیحت۔۔" اس نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ وہ سر ہلا کر
بکسا لیے پلٹ گئے۔ ان کا رخ کاؤنٹر کی طرف تھا۔ بکسا وہاں رکھتے وہ
دوسری جانب مڑے۔

طوبی! انھیں دیکھتی رہی۔

"کیا میں آنٹی سے مل سکتی ہوں؟"

"یہ سوال حاشر سے پوچھا تھا؟" انھوں نے نرمی سے استفسار کیا۔

"مجھے لگا وہ انکار کر دیں گے۔"

"نہیں! آپ نہیں مل سکتیں۔"

"کیوں؟" وہ الجھی۔ انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

"کیا آپ حاشر کو بچپن سے جانتے ہیں؟"

"کہا جاسکتا ہے۔" جواب دیتے انہوں نے فریج سے جوس نکالا اور اس کے سامنے رکھ دیا۔

"انہوں نے کہا کہ آپ بچپن کے دوست ہیں اور آپ سے بہتر انہیں کوئی نہیں جانتا۔"

بریکڈیر پلٹ کر دوبارہ اسے دیکھنے لگے۔ دلچسپی اور کچھ الجھن سے۔ شاید کوئی خاص بات ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے تھے۔



ماسکو میں نومبر کی پہلی برف باری کا آغاز ہو چکا تھا۔ ماسکو کے مکین پہلی برف باری کا استقبال کرنے سڑکوں اور پارکوں میں موجود تھے۔ ہوٹلز میں رش معمول سے زیادہ تھا۔ گرم ملبوسات پہنے سیاح اور مقامی افراد اپنی اپنی منزلوں کی جانب رواں دواں تھے۔ اریب ایک کیفے سے کافی

لیے مخالف سمت میں بڑھ رہا تھا۔ سڑک کے اس پار ایک بیچ پر بیٹھا
حاشر خاموش نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اریب اس کے
نزدیک پہنچا تو مسکرا دیا۔ حاشر ماسک کے پیچھے سے مسکرایا یا نہیں اندازہ
لگانا مشکل تھا۔

"تمہیں جو کام کہا تھا وہ ہو گیا؟"

"جی!" اس نے کافی کا ڈسپوزبل کپ اس کی طرف بڑھایا۔

"میں آپ کے لیے کچھ لے کر آیا ہوں۔" اریب نے اپنا بیگ کھولا اور
اس میں سے مفلر نکالا۔

"شکریہ!" حاشر نے مفلر لے کر گود میں رکھا۔

"کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں آپ؟"

"ایک اپارٹمنٹ میں۔۔۔" اس نے فقط اتنا ہی کہا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ مکمل پتہ نہیں دینا چاہتا تھا۔ اریب نے مزید کچھ نہ پوچھا۔

"کیا رپورٹ ہے؟" انداز پر سکون تھا۔

"منان نے لوکیشنز ٹریس کر لی ہیں۔۔۔" اریب نے بتایا۔

"وہ محل جہاں ہیزیل رہتی ہے اس کا نقشہ مل گیا ہے۔۔۔" حاشر نے بتایا۔

"گولڈن جس جزیرے پر رہتا ہے اس کا نقشہ اور سیکیورٹی سسٹم ہمارے پاس موجود ہے ہمیں اس پر ڈسکشن کرنی ہے۔۔۔ میں رات کو آؤں گا یہ بیگ لے جاندا۔" حاشر نے اپنے برابر میں رکھے بیگ پر نگاہ ڈالی۔

اریب نے اپنا بیگ کاندھے سے اتار کر بیچ پر رکھ دیا۔ تاکہ جاتے ہوئے حاشر کا لایا ہوا بیگ اٹھا کر لے جاسکے۔

"منان اور حنین کو کچھ تحفظات ہیں۔۔ کل کی نیوز کانفرنس۔۔"

"میں سمجھتا ہوں۔۔ ہم اس پر رات کو بات کریں گے۔۔"

حاشر نے بات سمیٹتے کہا اور اس کا لایا ہوا بیگ اٹھا کر ایک طرف مڑ گیا۔ اس کی رفتار میں سستی تھی۔ کیپ کو قدرے آگے کی طرف جھکائے مفلر سے آدھا چہرہ ڈھکے وہ بیگ پہلو میں لٹکائے آگے بڑھتا رہا۔ وہ بھیڑ والی جگہ سے کافی دور نکل آیا تھا جب اچانک اس کی جیب میں پڑا فون بجنے لگا۔ اسکرین پر ظاہر ہوتا نمبر مقامی تھا وہ قدرے چونک سا گیا۔ اس نے فون اٹھا کر کان سے لگایا لیکن آواز نہ نکلی۔

"حاشر!"

آواز نے اس کی سانسوں کی ڈوری کو جیسے انگلیوں میں لپیٹ کر جکڑ لیا تھا۔ اس نے بے اختیار مفکر نیچے کرتے فضا میں موجود آکسیجن کو اندر کھینچا۔

"مجھے معلوم ہے تم مجھے سن رہے ہو بیٹے!" نرم لہجہ بے بسی کی بھینٹ چڑھا ہوا تھا۔ حاشر نے فون کاٹ دیا اور تیز تیز چلنے لگا اس کا چہرہ سرخ اور آنکھیں خون رنگ ہوئیں تھیں۔ تاریک راتیں اور تنہا دنوں نے دماغ پر ہتھوڑے برسانا شروع کر دیے۔ وہ راتیں جو اس نے ماں کی ہسٹریائی چیخوں کے شور تلے گزاری تھیں۔

وہ دن جب ماں کو بغیر ڈوپٹے کے گھر سے باہر ڈور پڑنے سے روکتے روکتے وہ تھک جاتا تھا۔ اس کی غیر معمولی ذہانت اور طاقت سب کچھ بیکار ہو گیا تھا۔

وہ ان جھلستی یادوں کے بھنور میں قید اپنی دھن میں آگے بڑھ رہا تھا جب کسی نے پیچھے سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ لمحاتی عمل تھا اس نے جھٹکے سے اس ہاتھ کو جکڑ کر موڑا لیکن سامنے سے خود کو تیزی سے چھڑا لیا گیا تھا۔ وہ تیزی سے گردن پھیرتا پیچھے دیکھتا اپنا رخ موڑ گیا۔ سامنے کھڑے شخص پر نظر پڑتے اس پل پوری کائنات ساکت ہوئی تھی۔

"تھکتے نہیں ہوا اپنے اصل سے بھاگ بھاگ کر؟" حاشر کی سانسوں کی رفتار تیز تھی۔ اتنی تیز کے سامنے کھڑے بابر خان کو ان کی گونج اپنے کانوں میں صاف سنائی دے رہی تھی۔

"میرا پیچھا کیوں کر رہے تھے؟" حاشر نے تلخی سے پوچھتے اپنی سرخ نگاہیں زمین پر گری برف پر جمادیں۔ اتنے سال بعد اس چہرے کو دیکھنا

اسے ایک عجیب احساس میں مبتلا کر گیا تھا وہ چہرہ اجنبی لگنے لگا تھا۔ بالکل اجنبی گو کہ سارے نقوش ایک سے تھے۔ غصے کی ایک شدید لہر اس کے اندر ہلکورے لے رہی تھی۔

"صرف پوچھنا چاہتا ہوں میری سزا کب ختم ہوگی؟" ان کی بے تاب نگاہیں اس کے وجود کے گرد چکر کاٹ رہی تھیں۔

"کبھی نہیں!" وہ کہہ کر پلٹنے لگا انھوں نے ہاتھ بڑھا کر اسے روکنے کی کوشش کی جس پر وہ مشتعل ہو کر جھٹکے سے پیچھے ہوا۔

"مجھے ہاتھ مت لگائیں مسٹر!"

"میں تمہارا باپ ہوں حاشر!" وہ تڑپ ہی تو اٹھے تھے۔ ان کا لہجہ چیخ اٹھا تھا۔

"تو اس باپ نے اپنی زندگی کے کتنے برس اس بیٹے کے ساتھ گزارے؟" حاشر نے اپنی جانب اشارہ کرتے سوال کیا۔ سوال تھا یا تیز دار خنجر بابر خان کو اپنا انگ انگ کٹا محسوس ہوا۔

"میں مجبور تھا۔۔۔" وہ پچھلے کئی سالوں سے اس کو سمجھا رہے تھے۔
"مجھے اس لفظ سے نفرت ہے۔۔۔" وہ سرد مہری سے کہتا جانے لگا۔ وہ اس کے پیچھے چلنے لگے۔

"میرا پیچھا مت کریں۔۔۔" وہ تلخی سے کہتا تیز قدموں سے چلنے لگا۔ ان کی رفتار میں بھی اضافہ ہوا تھا۔

"میں نے سنا تھا آپ کے بیٹے نے آپ کو ہائی الرٹ سکیورٹی میں رکھا ہے؟ یہ اس طرح کیسے آپ سڑکوں پر نکل آئے ہیں؟"

"تم مجھ سے غافل تھے۔۔ ورنہ شاید آج بھی میں تمہاری شکل نہ دیکھ پاتا۔۔ تم نے تو مجھ پر اپنا دیدار حرام کر دیا تھا۔ تم جانتے ہو کتنے سالوں سے میں اس ہجر میں تڑپا ہوں۔۔ کتنی راتیں تمہاری یاد میں تڑپتے گزاریں ہیں میں نے؟ کتنی عیدیں میرے ہاتھ میرا وجود تمہارے لمس کی خوشبو کے لیے ترسا ہے؟ تم پر مجھے یقین تھا حاشر! تم میری پرچھائی تھے تمہیں اپنے وجود کی اہمیت کا اندازہ تھا تم اپنی حفاظت کر سکتے تھے۔۔ شیر چھوٹا تھا۔۔ اسے سنبھالنے کے لیے میرا اس کے ساتھ ہونا ضروری تھا۔۔ اسے میری ضرورت تھی۔۔" وہ تھکے ہوئے لہجے میں کہتے اس کے پیچھے چل رہے تھے۔ حاشر کے قدم سست پڑتے گئے۔

"میں جانتا ہوں کہ یہ وضاحتیں کسی کام کی نہیں میرا گناہ اپنی جگہ بہت سخت ہے لیکن تم تو سمجھ سکتے ہو۔۔" وہ بھرائے لہجے میں بولے تھے۔

"تو اس کے ساتھ رہ کر اپنے کس طرح حفاظت کی اس کی؟ آپ نے اسے طاقت کی دنیا میں بھیج دیا۔ دنیا کی بڑی بڑی خطرناک طاقتیں اس کی جان کی دشمن ہیں ہر ملک کی ایجنسی میں اس پر سیکڑوں لوگ کام کر رہے ہیں۔ کیا آپ کو لگتا ہے وہ ان ہائی الرٹ سکیورٹی کے بیچ رہ کر بھی محفوظ ہے؟ کیا آپ جانتے ہیں اپنی حفاظت کس طرح کرتا ہے؟ کیا آپ جانتے ہیں اس کے لیے سونا کتنا آسان ہے؟ کیا آپ کو لگتا ہے وہ کبھی بہت سکون سے اس امید پر سوتا ہوگا کہ وہ محفوظ ہے؟ وہ بہادر ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ خطرات اس سے دور بھاگتے ہوں گے۔ اسے آپ نے اس کی ذات میں قید نہیں کیا۔ جانتے ہوئے بھی کہ اس زندانِ ذات کی سب سے زیادہ ضرورت اسے تھی۔ جس طرح آپ نے اپنی زندگی کے ساتھ کھلواڑ کر کے ہماری فیملی برباد کی اسی طرح

آپ نے اس کی زندگی کو ایک کانچ کا پیکر بنادیا۔۔ جو صرف دکھنے میں خوبصورت ہے۔۔ کب کس وقت یہ لوگ اس کانچ کے پیکر پر پتھراؤ کر دیں اور کب یہ حسین مجسمہ چکنا چور ہو جائے کچھ خبر نہیں۔۔ کچھ بھی نہیں۔۔ میں جانتا تھا میرا بھائی زندہ ہے۔۔ پر کچھ عرصے بعد میں جان گیا کہ وہ زندہ نہیں رہا کم از کم ہماری زندگیوں میں تو نہیں۔۔ "حاشر کا لہجہ سخت اور آواز جس قدر بلند ہو رہی تھی اس قدر بابر خان کا سر جھکتا چلا جا رہا تھا۔ کون سی بات تھی جسے وہ جھٹلا کر خود کو درست ثابت کر پاتے۔ کوئی بھی نہیں۔۔ حرف حرف

درست تھا۔

"اگر آپ اس کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے تو آپ کو کوئی حق نہیں تھا اسے پاکستان سے لے جانے کا۔۔ میں خود سنبھال لیتا اسے۔۔ میں چار

سال کی عمر میں اسے اپنی ماں کے ہسٹریائی دورے اور مار سے بچا سکتا تھا تھا تو بڑا ہو کر بھی اس کی حفاظت کر سکتا تھا۔ صرف میں اس کی حفاظت کر سکتا تھا۔ آپ ہمیشہ سے ایک جلد باز کمزور اور بے وقوف انسان تھے ہمیشہ ایسے ہی رہیں گے۔ صرف اسی وجہ سے میں ساری زندگی آپ کو معاف نہیں کروں گا۔ "وہ کہہ کر ایک پل کو چپ ہوا۔

"شیر کرتا ہو گا آپ سے اندھی محبت! میں نہ اندھا ہوں نہ بے وقوف! آپ کی غلطیاں اتنی چھوٹی نہیں جنہیں معاف کر دیا جائے۔" وہ سرد مہری سے کہتا آگے بڑھ گیا۔ بابر خان وہیں کھڑے رہے۔ وہ دور ہوتا چلا گیا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر اسے خود سے دور ہوتے دیکھتے رہے پھر خاموشی سے پلٹ گئے۔



موسم میں خنکی تھی لان کی گھاس پر سے برف ہٹائی جاچکی تھی لیکن درختوں کی سطح پر برف کی ہلکی تہہ جمی ہوئی تھی۔ منظر میں جگہ جگہ برف کی سفیدی تھی۔ شیر سرمئی رنگ کا کوٹ پہنے مفلر گردن پر لپیٹے ہوئے تروتازہ دکھائی دیتا تھا۔ لان میں گھاس پر گھٹنے جمائے اپنے پالتو سائبرین ہسکی کی پیٹھ سہلارہا تھا۔ اس کے انداز میں نرمی اور محبت تھی۔ ہسکی بھی مالک کے لمس کو پا کر اطمینان سے کھڑا تھا۔ دفعتاً لیونڈ نامی نوجوان وہاں آیا۔ گہرے سیاہ بالوں اور سفید رنگت کا حامل مقامی لگتا تھا۔

"Tzar is coming tonight"

"آہ ! یہ روسی سلطنت کے پروردہ کبھی نہیں بھولیں گے کہ گولڈن

شاہی خاندان کا وارث ہے۔۔۔"

وہ باواز بڑبڑایا۔

"شاہی استقبال کی تیاری کرواؤں؟ تمہارے "زار" (بادشاہ) کے لیے؟" اس نے قدرے نرم لہجے میں طنز کیا جس کے جواب میں وہ بے اختیار سٹپٹایا۔

"I am Sorry master"!

"مذاق کر رہا تھا یار! تمہارے والد کیسے ہیں؟" اس نے ہسکی کا سر سہلاتے ہوئے سوال کیا۔
"پہلے سے بہتر ہیں لیکن چل پھر نہیں سکتے۔" اس کا لہجہ یک دم اداس ہوا تھا۔

"علاج نہیں کروا رہے ہو؟"

"میں نے لون کی درخواست دی تھی لیکن ابھی تک جواب نہیں آیا۔" اس نے آگاہ کیا۔

"لیونڈ ولادمیر ہے ناں پورا نام؟"

"جی ماسٹر!" اس کے چہرے پر ہیجان انگیز تاثرات ظاہر ہوئے۔ وہ پرجوش سا ہوا تھا۔

"اوکے! کیتھرین کو میرے پاس بھیجو۔" وہ ایک طرف کھڑے ملازم کو اشارہ کرتا آگے اندر کی جانب بڑھا۔ وہ ملازم تیزی سے اس کے پالتو کتے کی طرف آیا اور اسے سنبھالنے لگا۔ شیر پتھریلی روش سے گزرتا اندر کی جانب بڑھ رہا تھا جب اس کا فون بجا۔

"ہاں ڈینی؟"

"کیا کر رہے ہیں ماسٹر؟" دوسری جانب سے ڈینیل پرجوش سا گویا ہوا۔

"تم نے مجھ سے کیا وعدہ کیا تھا ڈینیل؟" شیر کا لہجہ عام سا تھا۔

"مجھے یاد ہے صرف تین دن ہیں میرے پاس میری فیملی سے مل کر میں واپس متحدہ عرب امارات جاؤں گا۔" ڈینیل نے فوراً جواب دیا۔

"گڈ! اب میرا ایک کام کرو۔ یہاں پولیس کے اسٹاف میں لیونڈ ولادمیر نامی نوجوان ہے۔ اس کے باپ کے علاج کے لیے ایک لون پھنسا ہوا ہے اسے کل تک نبٹاؤ۔ بلکہ جتنے لون ہیں سارے اپرو کروادو۔۔۔"

"اوکے ماسٹر میں ابھی ہی یہ کام کروا لیتا ہوں۔ میں نے سنا ہے بگ باس آج آپ کے ساتھ ڈنر کرنے آرہے ہیں ساتھ میں ہیزیل میڈم بھی ہیں۔۔۔"

"اپنی چھٹیاں مناؤ۔۔۔" شیر نے اسے تنبیہ کرتے فون بند کر دیا پھر سر جھٹک کر آگے بڑھتا گیا اس کے انداز میں کچھ تیزی تھی۔



وہ نک سک سے تیار شیشے کے آگے کھڑا اپنا جائزہ لے رہا تھا۔ ہاتھوں سے بال سیٹ کرتے ایک چھوٹی لٹ کو سیٹ کرتے پیشانی کے وسط میں چھوڑ دیا۔ پرفیوم کا چھڑکاؤ کرتے اس نے تھوڑی سی خوشبو ہتھیلی پر مسل دی۔ اسی اثنا میں اس کا فون بجا۔ اس نے فون اٹھا کر کان سے لگایا۔

"بولو غازی!" شیر کا انداز بے نیازی لیے ہوئے تھا لیکن سامنے سے آتی گھٹی گھٹی آواز نے اس کو ٹھٹھکنے پر مجبور کر دیا۔

"تم ٹھیک ہو؟ کیا ہوا؟ کچھ ہوا ہے۔"

"لیلیٰ!" وہ فقط اتنا ہی کہہ سکا شیر کا چہرہ بے رنگ سا ہوا۔

"ک۔۔ کیا ہوا لیلیٰ کو؟" شیر کی گرفت موبائل پر سخت ہوئی تھی۔

"اسے شہید کر دیا صیہونی فوجیوں نے۔۔" وہ بلک بلک کر رو دیا۔ شیر کے اندر کچھ چھناکے سے ٹوٹا تھا ایسے کہ سارے وجود میں دراریں پڑتی محسوس ہوئیں۔

"آپ کی کوششیں تو بیکار لگتی ہیں۔۔ سب کچھ ویسا ہی ہے۔۔ نساء کی طرح ایک دن میں بھی مر جاؤں گی۔۔ ویسے بھی آپ ملنے بھی نہیں آتے۔۔" ایک معصوم سی آواز کانوں میں گونجی۔ فون بند کر دیا گیا۔ شیر نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا اور باہر کی جانب بڑھ گیا۔ چہرہ سپاٹ تھا مگر آنکھیں سرخ تھیں۔ وہ ابھی راہداری میں نکلا ہی تھا جب اسے ہیلی کاپٹر کی فضا میں گڑ گڑ کرتی سنائی

دی۔ اس کے چہرے کے تاثرات مزید سخت ہوتے چلے گئے تھے۔



چودہ سال پہلے۔۔

شہر: اسلام آباد

جو بھی نچھڑے وہ کب ملے ہیں فراز!

پھر بھی تو انتظار کر شاید!

دھند نے ہر سو پہرا دے رکھا تھا۔ فقط چند قدم کے فاصلے پر ہی بینائی کی گرفت تھی۔ آگے فقط دھواں دھواں سا منظر تھا۔ منظر میں موجود وہ وجود بھی اس پل دھواں دھواں چہرہ لیے سامنے کھڑے ننھے حاشر کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ وجود عظمیٰ خان کا تھا۔ وہ کچھ دیر قبل ہی دفتر سے لوٹی تھی اور آج پھر حاشر وہی سوال لبوں پہ ٹکائے کھڑا تھا۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے مشکل سوال تھا۔ ذہین اور کامیاب بینکر جس کا دماغ

کمپیوٹر کی رفتار سے چلتا تھا۔ اس سوال پر گنگ رہ جاتی تھی۔ خاموش۔۔۔ لاجواب۔۔۔

"ماما! کیا آج بھی بابا نہیں آئے آپ کے ساتھ؟ شریم کہاں ہے؟ کیا وہ بھی نہیں آیا آپ کے ساتھ؟ آپ کو پتا ہے میں بہت مس کر رہا تھا اسے۔۔۔ آپ نے کہا تھا آپ اسے ساتھ لے کر آئیں گی۔" حاشر نے مایوسی سے کہا۔
عظمیٰ نے تھکن زدہ سانس خارج کی۔

اسے دن بھر کے دفتری کام اتنا نہیں تھکاتے تھے جتنی تھکن اسے گھر لوٹنے پر اس سوال اور اس سوال سے جڑی آوازیں تھکتی تھیں۔

"آؤ ڈنر کریں میں اپنے حاشی کے لئے دیکھو کیا لائی ہوں۔ تمہاری پسندیدہ پیسٹریز!" اس نے ڈبا اس کے سامنے کرتے اسے بہلانے کی کوشش کی۔

"چلو اندر چلیں۔۔ کتنی دفعہ کہا ہے اتنی ٹھنڈ میں لان میں آکر میرا انتظار مت کیا کرو۔"

"میں تو بابا کا انتظار کر رہا تھا۔" حاشر معصومیت سے بولا۔ عظمیٰ یک دم خاموش ہو کر بیٹے کی جانب دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں افسردگی اتری۔

"ماما! مجھے نہیں رہنا۔ میں بابا کے ساتھ چلا جاتا کاش!" حاشر نے ماں کی بات کو یکسر نظر انداز کیا اور لان میں رکھے پتھر پر جا بیٹھا۔ عظمیٰ کے دل کو دھکا سا لگا۔

"ماما! مجھے بابا کے پاس بھیج دیں۔" حاشر کی آواز نے اسے پھر جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

"ٹھنڈ ہے یہاں اندر چلو حاشر!" عظمیٰ نے اسے اب کے ڈانٹ کر کہا۔

"Leave me alone mama! just go inside"!

حاشر نے پلٹے بغیر غصے اور ناراضی سے کہا تھا۔ عظمیٰ نے آسمان کی جانب نگاہیں کرتے ایک گہری سانس لی اور آکر اسے گود میں اٹھانے کی کوشش کی لیکن اس نے ماں کا ہاتھ جھڑک دیا۔

"Don't touch me"!

وہ ناراضی اور بیزاری سے کہتا اندر کی جانب بھاگ گیا۔



آدھی رات کا منظر انتہائی تاریک تھا۔ اسلام آباد کی مصنوعی روشنیاں اس پوش مگر خاموش علاقے سے دور تھیں۔ وسیع کمرے میں سرخ نائٹ بلب جل رہا تھا۔ ساڑھے پانچ سالہ حاشر کمرے میں تنہا بیٹھا سامنے دیوار

کو گھور رہا تھا۔ وہ ذہین و فطین اور غیر معمولی طاقت کا حامل ہوتے ہوئے بھی بے بس تھا۔

تنہائی، اکیلا پن، خوف اس کی یادداشت میں جاگتے مختلف منظر جو اسے تنگ کرتے تھے۔ ماں کے سونے کا یقین کرتے ہی وہ دبے قدموں پلنگ سے اتر۔ پیروں میں سبز اور سرخ موزے تھے۔ نائٹ سوٹ میں ملبوس خوبصورت ساننھا حاشر آواز پیدا کیے بغیر کمرے سے نکل کر باہر ہال کی طرف آیا اور وسطی میز کے قریب پہنچ کر ٹیلی فون اٹھا کر گود میں رکھ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ نمبر ذہن نشین تھا۔ اس نے ننھی انگلیاں چلاتے ایک نمبر ملایا۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ وہ بے تابی سے پہلو بدلتا فون کان سے لگائے وہیں بیٹھا رہا لیکن کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ اس نے دوبارہ وہی نمبر ملایا اور ایک کے بعد دیگرے کئی دفعہ نمبر ڈائل کرتا رہا

لیکن دوسری جانب مکمل خاموشی تھی۔ ایسی گہری خاموشی جو اپنے اندر کھینچ لے۔ وہ وہاں بیٹھا ساری رات وقفے وقفے سے فون نمبر ملاتا رہا جانتے ہوئے بھی کہ رابطہ بحال نہ ہو سکے گا۔

نیند کے غلبہ طاری ہوتے ہوتے صبح ہو گئی اور وہ وہیں سر صوفے کی پشت سے لگا کر سو گیا اور وہ ہر نئی صبح کی طرح آج کے دن بھی ماں کو کمرے کے بجائے لیونگ روم کے صوفے پر فون کے قریب سویا ہوا ملا تھا۔



حال :

ماسکو کی جمادینے والی سردی میں ہر جاندار کھلی فضا سے کترا رہا تھا اور کسی گرم تاثیر میں خود کو چھپانا چاہتا تھا۔ اس سرد ترین رات میں وہ برف پر

جوتوں پر نشان چھوڑتا ناک کی سیدھ میں چل رہا تھا۔ ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں چھپائے مفکر کو ناک تک لپیٹے سر پر برف کے ذرات تھے۔ قدم مضبوط مگر سست تھے۔ مختلف راستوں اور گلیوں سے وہ یوں گزرتا جا رہا تھا جیسے ساری زندگی اسی شہر میں پلا بڑا ہو۔

مختلف گلیوں سے ہوتا وہ ایک قدرے وسیع سڑک پر نکل آیا۔ یہ جگہ روشن تھی۔ وہ گہری سانس اندر اتارتا عمارتوں کی جانب بڑھ گیا۔ عمارتوں پر لکھے نام اور سائن بورڈ پر نگاہ ڈالتے وہ ایک قدرے روشن اور بڑے احاطے میں داخل ہوا۔ یہ وہ ہوٹل نہیں تھا جہاں باقی ارکان ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ استقبالیہ پر اپنی فرضی وزٹنگ آئی ڈی دکھاتا لابی کی جانب بڑھ گیا۔ یہاں ٹھنڈے موسم میں یوں مفکروں اور رومالوں کا استعمال عام تھا اس لیے کسی نے اس کے ڈھکے چھپے حلیے پر توجہ نہ دی وہ ایک

مخصوص میز کا انتخاب کرتا اس جانب بڑھ گیا۔ اسے بیٹھے چند منٹ گزرے تھے جب وہ تینوں آتے دکھائی دیے۔ حاشر نے مسکرا کر ان کا استقبال کیا۔ اس کی نرم مسکراہٹ آنکھوں سے ظاہر تھی۔ حنین اور منان کے تے ہوئے اعصاب بے اختیار ڈھیلے ہوئے تھے۔ یقیناً اریب نے کوئی بات کی ہوگی۔ حاشر کو خیال آیا لیکن وہ چپ رہا۔ اریب نے کافی منگوائی۔ کافی دیر تک میز پر خاموشی چھائی رہی۔ خیر خیریت دریافت کے علاوہ کوئی بات نہ ہوئی تھی۔

"میں پہلے اس موضوع کو منکشف نہیں کر سکا کہ وہ میرا بھائی ہے۔ ہم دونوں ایک ہی باپ کی اولاد ہیں لیکن ہماری ماں ایک نہیں۔ اس کا نام شریم تھا اپنی زندگی میں آخری دفعہ میں اس سے اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں ملا تھا۔ وہ میرے ساتھ ایک سال سے بھی کم عرصہ رہا پھر

قسمت نے ہمیں جدا کر دیا۔ اس کے بعد میں اپنے باپ بھائی سے پھر کبھی نہیں مل سکا۔ میں اس کے بارے میں چیدہ چیدہ چیزیں جانتا تھا لیکن ان سب چیزوں کا اس چیز سے کوئی تعلق نہیں تھا کہ وہ میرا خون شریک بھائی ہے۔ ایک بھائی کی حیثیت سے میں اسے صرف اتنا ہی جانتا تھا کہ وہ میری پرچھائی ہے۔ میری طرح وہ بھی جانتا تھا کہ میں اور وہ ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں لیکن اس نے کبھی مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی اس لیے میں نے بھی کبھی اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی۔ "وہ ایک پل کو چپ ہوا۔ وہ تینوں بالکل خاموش سے اسے دیکھ رہے تھے۔"

"ہم ایک ہی دنیا میں اپنے ہو کر بھی اجنبی بن کے رہتے ہیں۔ جذباتی وابستگی جیسا عنصر ہماری زندگی سے ختم ہو گیا یا شاید ان گزرے سالوں کی

دھول میں دھندلا گیا اسے ہم نے صاف کرنے کی کوشش نہیں کی۔ نہ ضرورت تھی۔ ہمیں زندگی نے دو مختلف ادوار میں تقسیم کیا اور ہم آج تک مقسم رہ رہے ہیں۔"

وہ پرسکون سا پر اعتماد ہو کر کہہ رہا تھا۔ صاف لہجہ واضح انداز۔ وہ ہنوز خاموشی سے اس کی بات سن رہے تھے۔

"اس پر سالوں سے لاتعداد الزام، تنازعات چلتے آرہے ہیں۔ جن کی ہر دفعہ میں نے ذاتی طور پر تفتیش کی۔ چاہے اس چیز کا تعلق پاکستان یا اس کی سلامتی سے جڑا ہو یا نہ ہو۔ لیکن مجھے کبھی کوئی ثبوت نہیں ملا۔ یا وہ بہت صفائی سے کام کرتا ہے جس کی بھنک شاید اس کے سایے تک کو نہیں۔ یا وہ صرف ایک تاجر ہے جو ایک سیاہ گروہ کے آس پاس رہ کر تجارت کرتا ہے۔ اور اس کے خلاف ایسی کوئی دفعہ نہیں جس کی بنا پر

اس کے پیچھے جایا جائے اس لیے ہم اس سے پہلے گولڈن کے پیچھے طرف جائیں گے۔ ہمیں ثبوت چاہیے زیادہ سے زیادہ ثبوت!"

"اور ایس آر؟" منان نے آہستگی سے سوال کیا۔

"جھجھکنے کی یا ہچکچانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ شک کے دائرے میں ہماری نظروں کے اندر رہے گا۔ وہ بھی ہمارا ٹارگٹ ہے۔" اس کی بات پر منان اور حنین نے خاموش نگاہوں کا تبادلہ کیا جو اس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔

اس نے توقف کرتے نگاہ بائیں جانب گھمائی۔ ایک سفید اونی جیکٹ والے مرد کو زیر نگاہ رکھتے اس کی خاموشی کا وقفہ طویل ہوا۔ وہ شخص اندر بھیڑ میں غائب ہوا تھا۔ حاشر کی نگاہیں دوبارہ سامنے بیٹھے نفوس پر آٹھریں۔ اس کی نگاہوں کا ارتکاز محسوس کرتے ان تینوں نے بھی اس

جانب دیکھا لیکن انھیں کچھ بھی متوجہ نہ کر سکا۔ حاشر نے اپنا کپ اٹھایا اور خاموشی سے کافی پینے لگا۔ اب میز پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔



وسیع ڈائننگ ہال میں سنگ مرمر سے تراشی گئی میز اور لمبی پشت والی کرسیاں ایک شاہانہ تاثر دیتی تھیں۔ پچھلی دیوار شیشے کی تھی جس کے پار برفیلی پہاڑیوں کے جنگل کا منظر انتہائی سحر خیز معلوم ہو رہا تھا۔ میز پر انواع اقسام کے کھانے سجے ہوئے تھے۔ وہ نک سک سے تیار سربراہی کرسی پر براجمان تروتازہ اور پرسکون دکھائی دیتا تھا۔ ہیزیل چبھتی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔

"کھانا شروع کرتے ہیں ناں؟" خاموشی سے اکتا کر شیر نے رومال اپنی گود میں رکھتے پلیٹ سیدھی کی۔

اس کی دیکھا دیکھی گولڈن بھی پلیٹ پلٹ کر چھری کاٹھاٹھانے لگا۔
 "موسم کس قدر خوبصورت ہو رہا ہے۔ کافی باہر لان میں پیئیں
 گے۔" شیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ گولڈن نے ایک خاموش نگاہ اس پر
 ڈالتے آہستگی سے اثبات میں گردن ہلائی۔ ہیزیل کئی پل باپ کو دیکھتی
 رہی پھر سر جھٹک کر خود بھی کھانا کھانے لگی۔
 "تم نے کھل کر اپنے عزائم کا مظاہرہ کر دیا ہے۔" گولڈن نے سنجیدگی
 سے کہتے کانٹے سے گوشت کا ٹکڑا منہ میں رکھا۔ شیر اس کی طرف متوجہ
 ہوئے بغیر اپنے سامنے رکھے بھنے گوشت کو کاٹتا رہا لیکن کانٹے پر سخت
 ہوتی گرفت پر ہیزیل نے طنزیہ مسکراہٹ چہرے پر سجائی تھی۔
 "میں نے تمہیں پہ در پہ موقع دیے۔ نظر انداز کرتا رہا صرف اس لیے
 کہ ہم پچھلے کئی سالوں سے ساتھ ہیں۔ تمہیں دنیا میرے بیٹے کی حیثیت

سے جانتی ہے شیر!" گولڈن نے سرد مہری سے اس کا نام لیا۔ شیر نے گردن اٹھا کر اس کی طرف دیکھا آنکھوں میں ناپسندیدگی جھلک رہی تھی۔

"میں نے کبھی تمہیں اپنا باپ نہیں کہا گولڈن! سمجھنا تو دور کی بات ہے۔ میرا باپ میری ولدیت کا خانہ پر کرنے اور مجھے سایہ پدر فراہم کرنے کے لیے زندہ ہے۔ تمہیں کیا ضرورت ہے میرا باپ بننے کی؟" شیر نے سکون سے کہتے جوس کا گلاس اٹھا کر ایک گھونٹ بھرا۔ گولڈن کی آنکھیں غصے سے سرخ ہوئی تھیں۔

"دنیا میں سیکڑوں لوگ میرا باپ ہونے کو اعزاز سمجھتے ہیں لیکن میں ہر کسی کو اپنا باپ تو نہیں کہہ سکتا!" اس نے شانے اچکاتے کہا۔ ہیزیل کچھ

کہنے کو منہ کھولتی اس سے قبل ہی گولڈن نے اسے آنکھ کے اشارے سے خاموش رہنے کا کہا۔ جس پر وہ تلملا گئی۔

"کوئی بھی تمہاری محبت میں مر کر تمہاری شخصیت کے سحر میں گرفتار ہو کر تم سے کوئی رشتہ استوار کرنے کا خواہشمند نہیں۔۔۔ اصل وجہ تم جانتے ہو۔" گولڈن نے سامنے رکھی سرخ شراب کا بڑا سا گھونٹ بھرا۔

"پھر تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟" شیر نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"میں تمہیں اپنے بارے میں کوئی وضاحت نہیں دوں گا۔" گولڈن نے تلخ ہوتے جواب دیا۔ وہ جذباتی طور پر کمزور ہوتے ہوئے بھی خود کو کمزور ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور کم از کم اس وقت نہیں۔ ان کے بیچ خاموشی چھا گئی۔ اب فضا میں فقط برتنوں کی آواز گونج رہی تھی۔

"کھانا ہمیشہ کی طرح زائقے دار تھا شکریہ آخری بار ہمارے لیے کھانے کا انتظام کرنے کے لیے۔۔" گولڈن نے سپاٹ انداز میں کہا۔ اس نے آخری نوالہ لیتے اپنا منہ صاف کیا۔ ہیزیل خاموش کردار بنی گھونٹ گھونٹ شراب اپنے اندر اتارتی رہی۔ وہ پر جوش تھی۔ دل ہی دل میں اس فیصلے پر خوش اور بے حد مشتاق!

"کل میں بین الاقوامی سطح پر تم سے لا تعلقی اختیار کر رہا ہوں۔ GFSR سے تمہارا اب کوئی تعلق نہیں ہے۔"

ہیزیل بڑی خوشی سے مسکرائی تھی اس کی آنکھیں چمک اٹھیں تھیں۔ "شوق سے!" شیر نے کاندھے اچکاتے کہا۔ ہیزیل نے جھٹکے سے گردن گھما کر شیر کو دیکھا۔ گولڈن کی آنکھیں بھی بے یقینی سے پھیلیں۔ شیر

سے نظریں ملانے سے قبل ہی اس نے خود کو سنبھالا اور میز سے اٹھ گیا۔

"تمہاری طرف آنے والی ہر آفت کے درمیان سے ہٹ گیا ہوں میں۔۔ کل قانونی ٹیم سے بات ہوگی۔"

"دھمکا رہے ہو یا خبردار کر رہے ہو؟" شیر نے سادگی سے سوال کیا۔

"خبردار کر رہا ہوں۔۔" گولڈن نے اسٹینڈ پر ٹنگا اپنا کوٹ اٹھایا۔ ہیزیل بھی اپنا کوٹ پہننے لگی فتح مندی کی چمک چہرے سے ظاہر تھی۔

"میں نے کبھی کسی کو دھمکی نہیں دی۔" گولڈن نے کہا اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔

"وڈ نے تمہیں رخصت کرنے کے لیے نہیں بلایا شیر! کیا تم اس کا مطلب جانتے ہو؟" وہ طنزیہ انداز میں مسکرا رہی تھی

"ہاں ! اس کا مطلب ہے کہ تمہارے باپ پر شیطان نے پوری طرح قبضہ کر لیا ہے۔" شیر نے ہنستے ہوئے کہا ہیزیل کا چہرہ یک دم سرخ پڑا۔
روسی زبان میں اسے ایک گندی گالی سے نوازتی وہ ڈاننگ ہال سے نکل گئی۔ پیچھے شیر ایک زور دار قہقہہ لگائے ہنسنے لگا۔



"صرف اتنا ہی ڈیڈ؟ کوئی حساب؟ کوئی سوال؟ کوئی سزا؟ کچھ بھی نہیں؟ وہ ہماری زندگیوں سے کھیلتا رہا ہے۔" ہیزیل جیٹ پر سوار ہوتے ہی شروع ہوئی تھی اس کے انداز میں غصہ اور چڑچڑاپن تھا۔ گولڈن نے اپنی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگاتے بیلٹ باندھ لیا تھا۔
"وہ کبھی ہماری زندگیوں سے نہیں کھیلا۔" وہ آہستگی سے بولا۔ چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔

"آپ نے اسے نئی زندگی دی تھی ڈیڈ!" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی۔

"میں نے اسے زبردستی ہماری زندگی میں شامل کیا تھا۔ وہ فیصلہ میرا تھا۔ اس نے میرے ساتھ رہتے اپنی زندگی کو اپنی مرضی سے گزارا۔ میری خواہش تھی کہ وہ مجھے قبول کرے لیکن اس کا نہ اس نے دعویٰ کیا نہ کبھی قبول کیا۔"

"اس نے ہمارے علم میں لائے بغیر ایران سے معاہدے کیے۔"

"اس نے چھپ کر نہیں کیے تھے صرف ہم سے مشورہ نہیں کیا۔ بالکل ویسے ہی جیسے ہم نے کئی معاہدوں پر اس سے مشورہ نہیں لیا تھا۔ ہم نے کئی ملکوں کے ساتھ بزنس کیا جس سے وہ لا تعلق رہا۔ ہم برابری کی سطح پر کام کر رہے تھے۔ یہی ہمارا طرز زندگی رہا ہے۔ ایک دوسرے کی

خامیاں اور غلطیاں کمزوریاں اور طاقت کو جانتے ہوئے کئی سالوں سے ساتھ رہ ہیں تو اب راستے جدا کرتے ہوئے سزا جزا جیسے عناصر بے معنی ہیں۔۔"

"معنی خیز بات صرف اتنی ہے کہ آپ آج بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔۔" ہیزیل نے ناگواری سے کہا۔ گولڈن نے سخت نگاہ اس پر ڈالتے شہادت کی انگلی لبوں تک لاتے اسے مزید کچھ نہ بولنے کا حکم دیا تو وہ سٹپٹا کر رہ گئی۔ گولڈن نے ٹھنڈی سانس بھرتے آنکھیں موند لیں۔



فضا میں آڑو اور پودینے سے مشابہت رکھتی دھیمی سی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ سفید سنگ مرمر کے ہاتھ ٹب سے گہرا دھواں اٹھ رہا تھا۔ دفعتاً اس کا فون بجنے لگا اور تواتر سے بجتا رہا یہاں تک کہ وہ چہرے پر بیزاری

طاری کیے وہاں سے اٹھ گیا۔ باتھ گاؤن کی بیلٹ باندھتا باہر کی طرف بڑھتے اس نے اپنا فون دیکھا اور ایک پل کو چونکا اور فون اٹھا کر جوابی فون کیا۔

"ہاں کامل!" وہ کہتا ہوا راہداری پار کرتا اپنے وسیع و عریض کمرے میں داخل ہوا۔

"کیا مطلب؟ کہاں گئے تھے وہ؟" اس کا چہرہ یک دم سفید پڑا اور آنکھیں دھک اٹھیں۔

"تمہیں نہیں پتا؟" وہ یک دم گرج اٹھا۔

"تمہیں کیسے نہیں پتا؟" وہ تیزی سے باتھ گاؤن اتارتا اپنی شرٹ پہننے لگا۔

"پاشا کہاں ہے؟ اس سے کہو مجھے ابھی کہ ابھی فون کرے۔" اس نے فون بند کیا اور جو ہاتھ آیا لے کر باہر کی طرف بھاگنے کے انداز میں بڑھتا گیا۔ اس کے انداز میں بلا کی بے تابی اور بوکھلاہٹ تھی۔ انٹرنیس سے نکلتا سامنے کھڑی گاڑیوں کی طرف بڑھتے قدم جارہانہ لگ رہے تھے۔ اسے یوں تیزی سے اس طرف آتے دیکھ کمانڈوز چوکس ہوئے۔ باوردی ڈرائیور ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھنے لگا۔ "چابی مجھے دو۔" شیر نے تیزی سے چابی لیتے سیاہ کار اسٹارٹ کی اور ہوا کی تیزی سے اس عالیشان محل کے احاطے سے نکلنے لگا۔ ملازم خاموشی سے اپنی اپنی جگہ پر لوٹنے لگے۔



کمرے میں سکوت بھری خاموشی ڈیرہ ڈالی ہوئی تھی۔ کھڑکی پر لگا پردہ زرا سا سرکا ہوا تھا جس سے سبز روشنی چھن کر اندر آرہی تھی۔ یقیناً سورج نکل چکا تھا لیکن سبز شیشے کی بھاری کھڑکی دھوپ کو سبز رنگ میں بدل کر اندر منتقل کر رہی تھی۔ ایک بڑے سائز کی اسکرین پر کچھ اعداد و شمار چل رہے تھے۔ وہ صوفے پر نیم دراز چہرے کے آگے ایک آئی پیڈ تھا جس پر اس کی انگلیاں تیزی سے چل رہی تھیں۔ دفعتاً اس کا فون بجنے لگا اس نے پاس پڑے وائبریٹ ہوتے فون پر نگاہ ڈالی نمبر ظاہر نہیں تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر فون لیس کیا۔

"تمہیں بہت مہنگا پڑے گا حاشر! اگر بابا کو کچھ ہوا تو یاد رکھنا تم اس کی بہت بڑی قیمت چکاؤ گے۔" دوسری طرف شیر کی سرد آواز پر حاشر جھٹکا کھا کر سیدھا ہوا اور فون بند کرتے ایک نمبر ملا۔

"خضر! بابا کہاں ہیں؟" اس کی آواز متوحش تھی۔ بمشکل خود کو قابو کیے وہ معتدل رکھنے کی کوشش میں تھا لیکن یہ احساس غیر متوقع تھا۔

"وہ ایک دن پہلے پاشا کے ساتھ گئے تھے۔ کچھ دیر قبل پتا چلا کہ وہ ماسکو میں تھے اور وہیں سے لاپتا ہیں۔" دوسری طرف لہجہ قدرے سہا ہوا اور جھجک زدہ تھا۔

"کیا وہ واپس نہیں آئے؟ کیا کسی سے رابطہ ہوا تھا؟ آخری بار؟" وہ تیزی سے آئی پیڈ پر کچھ دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کی دھڑکنیں تواتر سے بے ربطگی اور تیزی کا شکار ہو رہی تھیں اسے اس ٹھنڈ میں بھی اپنی ہتھیلیاں نم ہوتی محسوس ہونے لگیں۔ اس نے اپنا فون ایک طرف رکھ دیا اور چند گہری سانسیں لیں۔ ذہن کی ڈوریں تیزی سے ہلاتے اس نے ایک پل کے لیے آنکھیں موند لیں پھر اٹھ کر اپنا جیکٹ اٹھایا بیگ میں

تیزی سے سامان رکھتے وہ بوکھلاہٹ اور ہڑبڑی کا شکار لگ رہا تھا۔ یہ کیفیت کئی سالوں بعد اس پر طاری ہوئی تھی۔ تب جب وہ اپنی عمر کے پہلے حصے میں تھا اور اب جب وہ ایک باشعور اور مضبوط ترین اعصاب کا مالک تھا لیکن یہ کیفیت اس کی شخصیت کے آگے بہت بڑی محسوس ہو رہی تھی۔ ذہن میں مختلف خیالات جنم لے رہے تھے ملال و رنج کے ان گنت رنگوں نے اس کے ذہن کو رنگنا شروع کر دیا وہ جیب سے بائیٹ کی چابی نکالتا سیاہ بائیٹ کی طرف آیا اور بیگ کو ٹھیک سے پہنتے سر پر ہیلمٹ باندھا۔ اسے وہیں جانا تھا جہاں آخری دفعہ اس کی بابر خان سے ملاقات ہوئی تھی۔ عجلت میں بائیٹ اسٹارٹ کرتے وہ زن سے بائیٹ بھگالے گیا اور لمحوں میں نگاہوں سے او جھل ہو گیا۔ فضا میں ٹائروں کی رگڑ سے بھری دھول اڑتی پھر رہی تھی۔



ماسکو کے مشہور علاقے ریڈ اسکوائر کے قریب واقع یہ جگہ ہوٹلوں اور چھوٹے بڑے ریستورانس سے بھری ہوئی تھی۔ بھیڑ بھی اچھی خاصی تھی۔ وہ اسی بھیڑ کا حصہ معلوم ہوتا تھا۔ تیزی سے قدم بڑھاتا آنکھوں میں سیاہ چشمہ لگائے مفلر کو منہ کے گرد لپیٹے وہ ارد گرد سے یکسر بے نیاز معلوم ہوتا تھا۔ وہ یوں ہی مختلف راستوں سے گزرتا ایک خاموش اور پرسکوت گلی میں آن پہنچا۔ عمارتیں زیادہ اونچی نہیں تھیں لیکن سلیقے سے بنی تھیں۔ صاف ستھری عمارتوں پر نگاہیں دوڑاتا وہ کلائی پر بندھی اسمارٹ واچ پر نگاہ ڈالتا پھر قدم بڑھانے لگا۔ ایک شیشے کے دروازے کے قریب رک کر اس نے اندر جھانکا پھر گہری سانس لیتا اندر داخل ہو گیا۔

"ایس سر! میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟"

وہ ایک سرسری نگاہ سامنے کھڑی ریسپشنسٹ پر ڈالتا تیزی سے اندر کی جانب بڑھ گیا۔

"ایکسیوزمی سر! رکے آپ ایسے اندر نہیں جاسکتے۔" وہ بوکھلاہٹ میں چلاتی اس کے پیچھے لپکی تھی۔ حاشر نے راہداری کے سب سے آخری دروازے کا رخ کیا اور قریب پہنچتے بغیر کسی دستک کے اندر داخل ہو گیا۔ سامنے شیر ایک صوفے پر آگے کی طرف جھکا بیٹھا تھا۔ دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے اپنی ایک ٹانگ کو مسلسل ہلارہا تھا۔ حاشر پر نگاہ پڑتے ہی وہ جھٹکے سے اٹھ کر اس کی طرف جھپٹا اور اسے گریبان سے پکڑ کر ایک زوردار مکا رسید کیا۔ چہرہ ڈھکا ہوا ہونے کے باوجود حاشر کو اپنا جبراً ٹوٹا ہوا محسوس ہوا۔ وہ اس حملے کے لیے تیار نہ تھا بری طرح لڑکھڑاتا ہوا دیوار سے آگے۔ اس سے قبل کہ وہ سنبھلتا شیر نے ایک اور مکا مارا جو

اس کے ہونٹ پر لگا حاشر کا ہونٹ پھٹا۔ اس نے شیر کو پیچھے دھکیلا شیر لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم پیچھے ہوا تھا۔

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا تم یہاں آرہے ہو۔ اچھا کیا آگئے مجھے آنا نہیں پڑا۔" شیر نے ایک زوردار چھلانگ لگاتے اس کا گریبان پھر جکڑا اور پہ در پہ مکے برسانے لگا۔

"بابا تمہاری وجہ سے اغوا ہوئے ہیں۔۔۔ صرف اور صرف تمہاری وجہ سے۔۔۔"

حاشر دونوں کہنیاں چہرے کے سامنے لائے اپنا بچاؤ کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس نے ایک دفعہ بھی شیر کے حملے کو روکنے کی کوشش نہ کی اسی اثنا میں حاشر کے چہرے سے مفکر ہٹ چکا تھا دونوں کے چہرے

پوری طرح عیاں تھے۔ دروازے پر روسی ریسپشنسٹ حواس باختہ کھڑی یہ ناقابل یقین منظر دیکھ رہی تھی۔

"میری بات سنو شریم!" حاشر نے اب کی بار اسے پیچھے دھکیلا جس پر شیر مزید بپھر کر آگے آیا تھا۔

میں بابا کے پیچھے نہیں آیا تھا۔ میں گولڈن کے پیچھے آیا تھا۔ تمہارے پیچھے آیا تھا۔ بابا مجھ سے خود ملنے آئے تھے۔ "وہ حلق کے بل چلاتا اسے یقین دلانا چاہتا تھا۔

"اگر بابا کو کچھ ہوا ناں حاشر! میں تمہاری جان لے لوں گا۔ بہت شوق ہے ناں تمہیں مجھے قاتل بنانے کا۔ تو تم میرا پہلا قتل ہوگے۔ تمہارے لیے میں قابیل بن جاؤں گا۔" اس نے کہتے حاشر کو زوردار دھکا دیا تھا۔ حاشر لڑکھڑاتا ہوا زمین پر گر گیا۔ وہ گہری سانسیں لے رہا

تھا۔ شیر خود بھی پسینے میں شرابور دیوار پر زوردار مکا مارتا وہیں اکڑوں بیٹھ گیا۔ حاشر کہنیوں کے سہارے فرش پر اٹھ بیٹھا۔ اس کے ہونٹ، ناک آنکھ کے ایک سرے سے خون رس رہا تھا گال پر نیل کے گہرے نشان بنے تھے صاف ظاہر تھا جلد اندر سے پھٹ گئی تھی۔

"میں انھیں ڈھونڈ لوں گا۔ مجھے تمہاری مدد چاہیے۔ وہ بہت جلد مل جائیں گے۔" حاشر نے ہتھیلی کی پشت سے خون صاف کرتے ہوئے بھری ہوئی سانسوں کے درمیان کہا۔

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں دفع ہو جاؤ۔ میں اپنے باپ کو خود ڈھونڈ لوں گا۔" شیر نے تلخی سے کہتے اس پر ایک نگاہ غلط تک نہ ڈالی اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"میں جانتا ہوں وہ آخری دفعہ کہاں تھے۔۔ میرے ساتھ تھے۔۔ وہاں مجھے جوتوں کے نشان ملے ہیں۔۔ وہ بہت واضح ہیں۔۔" اس نے تیزی سے کہا۔

"وہاں ایک لائٹر تھا جس پر فنگر پرنٹس موجود ہیں۔۔ یہ ایک ٹریپ ہے۔۔ وہ تمہیں وہاں بلانا چاہتے ہیں۔۔ مجھے پہلے وہاں جانے دو۔۔ تم میرے پیچھے آنا۔"

"میں کوئی بچہ نہیں ہوں۔۔ نہ مجھے تمہارے پیچھے آنے کی ضرورت ہے۔۔ جس کام سے ماسکو آئے ہو وہ کام کرو اور اپنی منہوس صورت لے کر پاکستان واپس لوٹ جاؤ۔۔ مجھے اور بابا کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔۔ میں انہیں خود ڈھونڈ لوں گا۔"

"ہمارے پاس ضائع کرنے کو وقت نہیں ہے شیر! اپنی بچکانہ ضدیں اور انا کسی اور وقت کے لیے سنبھال رکھو۔ تمہارے طاقت چلتی ہے یہاں! تم کم وقت میں معلومات فراہم کر سکتے ہو اس لیے میں یہاں آیا۔۔۔ میرے پاس فی الحال زیادہ وقت نہیں ہے۔۔۔ میری مدد کرو گے یا نہیں۔۔۔"

"نہیں! دفع ہو جاؤ۔" شیر نے سرد مہری سے کہا۔
 "فنگر پر نٹس اور شوپر نٹس میرے پاس ہیں شیر۔۔۔ ہم چند گھنٹوں میں بابا کو ڈھونڈ لیں گے۔۔۔ تم میری مدد کرو گے یا نہیں؟" حاشر نے سنجیدگی اور تحمل سے دوبارہ سوال کیا۔

"کہاں ہیں فنگر پر نٹس؟ مجھے دو۔" شیر اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ حاشر گہری سانس لیتا اپنا بیگ کھولنے لگا۔ شیر کی سرسری نگاہ اس کے زخمی

خون آلود چہرے پر گئی۔ اس کے گلے میں کچھ اٹکا تو اس نے فوراً نگاہیں پھیر لیں۔ حاشر نے اندر سے ایک فائل نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔

"میں اس شخص کا پتا نہیں لگا سکا۔ یقیناً یہ جی ایف ایس آر کا یا گولڈن کا ایسا آدمی ہے جس کا ڈیٹا معلوم کرنا آسان نہیں۔"

"جانتا ہوں۔۔۔ ورنہ فنگر پرنٹس ہوتے ہوئے تم کبھی میرے پاس نہ آتے۔" شیر نے تلخ لہجے میں کہتے فائل اس کے ہاتھ سے جھپٹ لی۔ حاشر نے اپنے بیگ سے ایک سفید رومال نکالا اور اپنے زخموں پر تھپک کر خون صاف کرنے لگا۔

"اتنی آسانی سے مار کیوں کھائی؟" شیر نے اچانک ہی سوال داگا جس پر حاشر نے ایک ابرو اچکائے ایک سرد نگاہ سے اس پر نوازا لیکن کوئی جواب نہ دیا۔ شیر نے ایک تند نگاہ اس پر ڈالی اور کیپ چہرے پر آگے

کی۔ حاشر نے سیاہ مفلر سے چہرہ ڈھک لیا۔ شیر گاڑی کی چابی نکالتا باہر کی طرف بڑھا حاشر اس کے پیچھے چلنے لگا۔

"گاڑی میں بیٹھو۔۔۔" شیر نے تلخی سے کہتے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی حاشر کچھ کہے بغیر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس کے معتدل اور متحمل انداز پر شیر تاؤ کھا رہا تھا لیکن خاموش سا گاڑی چلا رہا تھا۔ حاشر نے اپنا بیگ کھولا اور ایک ٹیب نکالا جس پر شیر نے سرسری نگاہ ڈالی۔ اس کی انگلیاں ٹیپ اسکرین پر تیزی سے چل رہی تھیں۔ ٹیب سے پیدا ہوتی مختلف ٹیون کی آوازیں جن پر شیر کے ماتھے پر شکنیں پیدا ہو رہی تھیں۔

"ہر چیز مانیٹر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں اپنے ساتھ میں نے اس لیے نہیں رکھا۔" شیر نے سرد مہری سے کہا۔ حاشر نے گردن ذرا سی گھمائی اس کی آنکھیں طنزیہ مسکرائی تھیں۔

"Cool down"!

حاشر نے دھیمی آواز میں کہا۔ گاڑی میں گہری خاموشی چھا گئی تھی۔ گاڑی انجان راستوں سے گزر رہی تھی۔

گاڑی کے شیشوں پر لگے ونڈو شیڈز کے باعث باہر کے مناظر کو دیکھنا حاشر کے لیے ناممکن تھا لیکن وہ اپنے سسٹم میں وہ راستہ محفوظ کر رہا تھا اور اس بات سے شیر بخوبی واقف تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد گاڑی ایک سنسان سڑک پر رکی تھی۔ حاشر پہلے ہی اتر گیا اس کی بے چینی پر شیر نے تلخی سے سر جھٹکا اور خود بھی گاڑی لاک کرتا باہر آگیا۔ حاشر خاموشی

سے آس پاس کا باریک بینی سے جائزہ لے رہا تھا۔ شیر اس پر نگاہ ڈالے بغیر آگے بڑھا تو حاشر بھی اس کے پیچھے چل دیا۔ شیر نے اپنی جیکٹ میں دونوں ہاتھ اڑس لیے اور ایک احاطے میں داخل ہوا جو دیکھنے میں ایک عام سی عمارت معلوم ہو رہی تھی۔ سامنے کھڑے باوردی گارڈ نے اسے دیکھتے ہی جھک کر سلام کیا اور اس کے لیے شیشے کا دروازہ دھکیلا۔ وہ اندر داخل ہوئے سامنے ہال تھا جہاں کچھ صوفے اور سجاوٹی نمونے لگائے گئے تھے دیوار پر گہری سیاہ رات کا دھند زدہ منظر وال آرٹ کے ذریعے سجایا گیا تھا۔ شیر نے اپنی جیکٹ کی جیب سے ہاتھ نکالتے چشمہ اتارا اور دائیں جانب مڑ گیا۔ راہداری طویل اور سنسان تھی۔ حاشر کی نگاہیں کیمروں پر تھیں۔ یہ کوئی عام جگہ نہ تھی وہ سمجھ گیا۔ ایک بڑے سے آہنی گیٹ پر رکتے شیر نے ایک مشین پر اپنی ہتھیلی

رکھی۔ مشین چلنے کی آواز آئی اور اگلے ہی پل ٹھک کی آواز سے گیٹ کھلا۔ اس کے اندر قدم رکھتے ہی وہاں موجود ہر نفوس اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"سلام یا امیر!" آوازیں ایک ساتھ کانوں میں پڑی
 "اخى العزيز!" (میرے پیارے بھائی!) غازی اسے دیکھتے ہی مسکرایا۔ شیر
 مسکرا نہ سکا۔ جس پر غازی ٹھٹھک گیا۔ حاشر آنکھیں سیڑے ان کی
 طرف دیکھتا رہا پھر اپنے چہرے سے رومال اور چشمہ اتار دیا۔ ایک دم
 کمرے میں موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ ہو بہو وہی چہرہ وہی نقش جو اس
 وقت زخموں سے چور چور تھے لیکن آنکھیں۔ آنکھوں میں یہ بلا کی
 مماثلت جو ان کے ہم رنگ ہونے کا چیخ چیخ کر دعویٰ کر رہی تھیں۔ شیر
 نے تلخ نگاہ اس پر ڈالی۔

حاشر اُخ!“ غازی نے جھپٹ کر آگے بڑھتے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ جس پر شیر نے غازی کو ایک خونخوار نگاہ سے دیکھا۔ غازی یک دم بوکھلاہٹ کا شکار ہوتا پیچھے ہوا۔ حاشر نے ایک گہری نگاہ شیر کے غصیلے چہرے پر ڈالی اور سر جھٹک دیا۔

"Attention seeker"!

شیر نے سرد مہری سے کہا۔
"لیکن یہ لقب تو تمہیں بابا تمہاری پیدائش پر ہی دے چکے تھے۔۔۔"
حاشر نے اردو میں ہی طنز کیا۔
"تمہیں کہاں چہرہ ظاہر کرنا ہے اور کہاں نہیں۔۔ اس کا اندازہ ہونا چاہیے
۔۔۔"

"میرا چہرہ اور میری شناخت میری اپنی مرضی ہے اسے میں جب چاہوں جہاں چاہوں ظاہر کروں۔" حاشر نے لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے اسے مزید غصہ دلایا۔ وہاں موجود ہر فرد کبھی حاشر تو کبھی شیر کی طرف دیکھنے لگتا۔ شیر فقط اسے گھور کر رہ گیا۔

"بابا کو اغواء کر لیا گیا ہے۔" شیر نے بلند آواز میں سب کو اطلاع دی۔ "کیا مطلب؟ کب کیسے؟" غازی کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں وہ شیر کے قریب چلا آیا۔ جبکہ وہاں موجود باقی لوگ اپنے اپنے سسٹم کی طرف لپکے۔

"یہ فنگر پرنٹس ہیں۔ اور یہ فٹ پرنٹس۔"

"پتا کرو کہ یہ کس کمپنی کا جوتا ہے۔ کب کیسے اور کہاں خریدا گیا۔ کس نے خریدا۔" حاشر نے سنجیدگی سے کہا۔ اس کے انداز پر

شیر کا جبراً بھینچ گیا لیکن وہ کچھ نہ بولا فقط پہلو بدل کر رہ گیا۔ حاشر نے اپنا بیگ کھولتے ٹیب کھولتے ہی وہیں سسٹم سے کنیکٹ کر لیا۔

"Hey .. hey..hey....Are You in your right mind"?

شیر نے جھٹکے سے اس کا ٹیب ایک طرف کیا۔
 "کیا مجھے تمہارے سسٹم میں گھسنے کے لیے یہ کیبل لگانے کی ضرورت ہے؟ اور تمہیں لگتا ہے اتنے سالوں میں ایک دفعہ بھی میں نے تمہارے کسی سسٹم پر نظر نہیں رکھی ہوگی؟ میں ڈارک آئی ہوں مسٹر شریم خان ! اور مجھے کسی سسٹم کو ہیک کرنے کے لیے اس میں کوئی کیبل منسلک کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی ! اب میرا وقت ضائع مت کرو۔" حاشر نے اس کے کاندھے پر دباؤ ڈالتے گہری چھتی نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا اور دوبارہ ٹیب پر جھک گیا۔ شیر مٹھیاں بھینچ کر

وہیں چکر کاٹنے لگا۔ اسے حاشر پر سخت تاؤ آرہا تھا اس کا بس چلتا تو اسے یہیں لٹا کر اس کے جسم کی چھ سات ہڈیاں توڑ ڈالتا۔

"اگر تم اتنے قابل ہو تو پھر تمہیں میری مدد ہی کیوں چاہیے؟"

"زیادہ سوال جواب کر کے میرا وقت ضائع مت کرو۔" حاشر یک دم بھڑک گیا۔

"مجھ پر مت چلاؤ ابھی سارے کے سارے دانت توڑ کر یہاں سے باہر پھینک دوں گا۔" شیر دانت بھینچ کر بولا۔

"جاؤ یار!" حاشر نے ہاتھ جھلا کر جیسے اسے خاطر میں نہ لیا ہو۔ اس نے اپنا ٹیب اٹھایا اور گھوم کر دوسری جانب چل دیا۔ شیر کچھ لمحے وہیں ٹھلتا رہا۔

"کمانڈر لوکیشن ہمیں مل چکی ہے۔"

"گریٹ!" حاشر نے کہا اور فوراً وہاں سے اٹھ گیا۔ شیر تیزی سے اسکرین کے قریب آیا اور جھک کر کچھ دیکھنے لگا۔ جبکہ حاشر کسی سے فون پر رابطہ کرتا باہر کی جانب نکل گیا۔ وہ جوں ہی باہر نکلا اسے اپنے پیچھے شیر آتا دکھائی دیا۔

"میں اس لوکیشن پر جا رہا ہوں۔ تم جا کر اس شخص کو پکڑو۔" حاشر نے کہا۔

"تم کس لوکیشن پر جا رہے ہو؟" شیر نے اچنبھے سے سوال کیا۔
 "جہاں بابا ہیں۔" حاشر نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا۔ شیر نفی میں گردن ہلاتا اس کے قریب آیا۔

"بابا کہاں ہیں ہم یہ یقین سے نہیں کہہ سکتے۔" شیر نے سرد مہری سے کہتے اسے گھورا۔

"میں یہ موقع ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ وہ وہیں ہیں۔۔ یہ ٹریپ تمہارے لیے یا تو گولڈن نے یا پھر اس کے شیطانی ساتھیوں نے سجایا ہے۔۔"

"وہ ایک پرانا گودام ہے جہاں کبھی گولڈن اپنا اسلحہ اسٹور کرتا تھا۔ اور پچھلے کہیں سالوں سے وہاں کوئی نہیں گیا وہ ممنوعہ علاقہ ہے وہ بابا کو وہاں کبھی نہیں لے کر جائیں گے۔ ہمیں دھوکہ دیا جا رہا ہے۔۔" شیر نے بہت واضح انداز میں کہا۔

"پھر بھی میں ایک دفعہ وہاں جا کر دیکھنا چاہوں گا تم جا کر اس شخص کو پکڑو جس کی لوکیشن تمہارے پاس ہے۔۔" حاشر نے سنجیدگی سے کہتے مخالف سمت دیکھا جیسے وہ کسی کا منتظر ہو۔

"اپنی گاڑی لے جاؤ اور جاکر اس شخص کو پکڑو۔ میں اس جگہ جاؤں گا
۔۔ جیسا کہ۔۔"

"ہاں ہاں! ہمارے پاس ضائع کرنے کو وقت نہیں ہے۔۔ پر یقیناً تم جو
بیکار کے کارنامے کرو گے اس میں وقت ضائع نہیں ہوتا۔" شیر تلخی سے
کہتا اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا گاڑی میں سوار ہونے سے قبل اس نے
ایک سرسری نگاہ پھر حاشر پر ڈالی تھی۔ اگلے ایک منٹ میں وہ زن سے
گاڑی نکال لے گیا تھا۔ کچھ منٹ ہی گزرے تھے جب ایک سیاہ اسپورٹ
بائیک آکر اس کے سامنے رکی۔ بائیک سوار ہیلیمٹ میں تھا اس نے
تیزی سے دوسرا ہیلیمٹ اس کی طرف بڑھایا حاشر نے ہیلیمٹ پہنتے اسے
چلنے کا اشارہ کیا۔ انجن کی تیز آواز نے فضا میں ارتعاش پیدا کیا اور بائیک
لمحوں میں منظر سے او جھل ہو گئی۔



شارجہ کی فضا دھند کی چادر اوڑھے ہر منظر کو دھندلا رہی تھی عمارتوں کی بلندیوں کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ ہر عمارت اونچائی پر دھند کی آڑ میں چھپی تھیں۔ چاند بھی گہرے بادلوں کی اوٹ میں چھپا دکھائی دے رہا تھا۔ مصنوعی روشنیاں دھند کے باعث سڑکوں کو روشن کرنے میں ناکام تھیں۔ اتنی دھند عموماً نہیں پڑتی تھی لیکن اس وقت جی ایف ایس آر کی مرکزی عمارت بھی اپنی بلندی کا زعم قائم کرنے سے قاصر نظر آرہی تھی۔ پارکنگ ایریا میں چند ایک گاڑیاں ہی نظر آرہی تھیں کیوں کہ یہ دفتری اوقات نہیں تھے۔ شام گزر چکی تھی اور رات کا پہر شروع ہو چکا تھا۔ اس وسیع دفتری کمرے کی فضا میں پھیلی میٹھی سی مہک نے کمرے کو معطر کر رکھا تھا ایک قدرے کم روشنی والی بتی جل رہی تھی جس کی

روشنی اسی دیوار پر پھیل کر ایک جیومیٹرکل عکس تشکیل دے رہا تھی۔ اسی روشنی کے سائے میں وہ بڑی سی کیلی گرافک پیٹنگ تھی جس پر جنت کی پسندیدہ آیت درج تھی۔ یہ پیٹنگ شیر نے بنائی تھی اسی پیٹنگ سے متاثر ہو کر اس نے رنگوں کی دنیا میں قدم رکھا تھا اور آج اسی پیٹنگ کی بدولت وہ دنیا کی معروف ترین فن کاروں کی فہرست میں شمار کی جاتی تھی۔ وہ جو ہر پہر رنگوں کی دنیا میں مگن رہا کرتی تھی۔ بے نیازی اور دلجمعی سے ہمیشہ رنگوں سے کھیلنے والی جنت سامنے اسکرین پر نظر آتے اعداد و شمار میں بری طرح الجھی ہوئی نظر آتی تھی سامنے کاغذات کا ڈھیر تھا۔ ہاتھ میں اسٹائلس پین (stylus) اور پیشانی پر لاتعداد شکنیں تھیں۔ دفعتاً اس کی اسسٹنٹ نے گلاس ڈور پر دستک دے کر اندر جھانکا۔

"کیا آپ کو کچھ چاہیے میڈم؟" مودبانہ انداز میں سوال کیا۔

"نہیں شکریہ۔۔ آپ گھر جاسکتی ہیں مجھے مزید کچھ پوچھنا ہوا تو میں آپ کو کال کر لوں گی۔۔" جنت نے نرمی سے کہا اور دیوار گیر گھڑیاں میں وقت دیکھا۔ یقیناً وقت زیادہ ہو چکا تھا۔

"نہیں میڈم! مجھے ویسے ہی کچھ کام کرنے تھے تو میں یہیں اپنے کیمین میں ہوں۔۔ پلیز کچھ چاہیے ہو تو مجھے اطلاع کریں"

"آپ یہ میری وجہ سے کہہ رہی ہیں؟"

"نہیں میڈم! میں عموماً دیر تک آفس میں ہوا کرتی ہوں۔۔ دراصل میڈم ہیزیل کے تمام کام میرے زمے ہوتے ہیں تو یہ میرا روز کا معمول ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔ جنت نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی۔

"صرف میڈم ہیزیل یا مسٹر عمش کے بھی؟ یہاں کے حالات دیکھ کر نہیں لگتا کہ کبھی اس سیٹ پر بیٹھے کسی شخص نے ڈھنگ سے اپنے حصے کا کام کیا ہو؟" وہ کچھ اکتا کر بولی اور گہری سانس لے کر اسکرین کی طرف متوجہ ہوئی۔

"میں اپنے کبین میں ہوں میڈم!" وہ جھینپ کر آہستگی سے کہتی پلٹ گئی۔ جنت نے سر اٹھا کر بند ہوتے گلاس ڈور کو دیکھا اور پھر اسکرین کو دیکھنے لگی۔ سب کچھ بہت پیچیدہ تھا وہ سمجھ کر بھی الجھن کا شکار تھی کئی فائلیں تھیں جو اُدھوری تھیں۔ کئی معاندے تھے جو شروع ہونے کے بعد کسی بھی قسم کی ترقی یا افزائش اور انجام کے بغیر تھے۔"

"آہ شیر یہ تم نے مجھے کہاں پھنسا دیا؟" وہ ان گنت فولڈرز بند کرتی چیزوں کو ترتیب دینے لگی۔

"باقی جو رہ گیا وہ کل دیکھیں گے۔ اتنا پھیلاوہ اتنی جلدی نہیں سمیٹا جاسکتا!" وہ سر جھٹک کر اٹھی اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کرتے چٹھا اور یوں ہی ہاتھوں کو گردن کے پیچھے لے جا کر گردن کو دائیں بائیں گھمایا۔ چیخ کی آواز آئی۔ یقیناً کئی گھنٹوں سے ایک ہی پوزیشن پر بیٹھے بیٹھے اس کی کمر تھک چکی تھی اس نے اسٹینڈ پر لٹکا اپنا اوور کوٹ اٹھا کر پہنا۔ موبائل بیگ میں ڈالا اور بیگ اٹھائے باہر کی جانب بڑھی ابھی وہ چند قدم ہی چلی تھی جب پیچھے اس کی اسٹینڈ چلتے چلتے اس کے ہنقدم ہوئی یقیناً اس نے گلاس وال سے اسے اٹھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

"میڈم! میڈیا کے کچھ لوگ انٹرویو کے لیے کہہ رہے ہیں؟ کیا آپ پسند؟"

"نہیں! بالکل نہیں!" جنت نے نفی میں گردن ہلاتے فوراً اپنے پرس میں ہاتھ ڈال کر سن گلاسز نکال لیے۔ اسے شک ہوا کہ میڈیا کے لوگوں کی دلچسپی یقیناً انھیں اس کے تعاقب میں لے آئے گی۔

"کیا آپ نے آرٹیکلز نہیں پڑھے تھے؟" یقیناً وہ ان آرٹیکلز کی بات کر رہی تھی جنہیں اس نے صبح جنت کے آتے ہی اس کے پاس بھیجے تھے۔

"بہت بڑے تھے کیا تم ان کا خلاصہ بتانا پسند کرو گی؟" وی آئی پی لفٹ کے اندر قدم رکھتے اس نے سوال کیا۔ انداز سرسری تھا یقیناً اسے کچھ خاص دلچسپی نہیں تھی۔

"وہ مسٹر عمش البانی کی بیٹی کے بارے میں مختلف قسم کے تجزیے کر رہے ہیں وہ آپ کو بزنس کمیونٹی کے اسٹینڈرڈز کے حوالے سے جاننا

چاہتے ہیں۔ کچھ تو یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ آپ واقعی ان کی بیٹی ہیں یا نہیں۔۔"

جنت کا ایک ابرو سمجھنے والے انداز میں اٹھا۔

"Let's not talk about it again!"

اس نے نرمی سے کہا اور باہر کی طرف بڑھتی گئی۔ اس کے ہیلز کی آواز فضا میں پھیلے سنائے کو توڑ رہی تھی۔



وہ چیرٹانوہ ڈسٹرکٹ کا ایک تنگ گلیوں میں گھرا چھوٹا سا علاقہ تھا۔ چھوٹے چھوٹے گھر جیسے ایک دوسرے سے جڑے نظر آتے تھے۔ ترک و روسی نقوش رکھتے مقامی لوگ روز مرہ کے معمولات میں الجھے نظر آتے تھے۔ یہاں زندگی مرکزی شہر سے خاصی مختلف نظر آتی

تھی۔ ان کے لباس عام سے تھے ان کے چہروں پر زندگی کے چھوٹے چھوٹے دکھ ڈیرے ڈالے دکھائی دیتے تھے۔ اس نے آس پاس دیکھا دن ڈھل چکا تھا سورج دوپہر کے بعد یوں بھی کہیں جا چھپتا تھا یوں دوپہر بھی یہاں شام کا منظر پیش کرتی تھی۔ تیز قدموں سے مختلف گلیاں پار کرتا وہ چھوٹی سی سڑک پر آپہنچا سڑک کنارے چھوٹے چھوٹے اسٹال لگے تھے۔ اس نے اپنے فون پہ نگاہ ڈالتے سڑک پار کی اور دوسری طرف چلا آیا۔ قدم قدم چلتا وہ ایک سوپ کے اسٹال تک آیا اندر کی طرف جاتے اس نے ایک سرسری نگاہ ڈالی اور پھر ایک مقام پر اس کی نگاہ ٹھہر گئی۔ وہ اسے دیکھتے ہی پہچان گیا تھا۔ وہ اسے پہلی بار نہیں دیکھ رہا تھا۔ یہ چہرہ اس کے لیے انجان ہرگز نہیں تھا۔

"روح پانڈے۔۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔ اس کی نگاہیں اسی پر جمی تھیں جب سامنے بیٹھے شخص نے اسے دیکھا اور اگلے ہی پل بڑی طرح ٹھٹھک گیا۔ اس کے ہاتھ میں بیگ تھا یقیناً وہ فرار ہونے والا تھا۔ یقیناً وہ جانتا تھا کہ وہ اسے ڈھونڈ لیں گے لیکن وہ اتنی جلدی ڈھونڈ لیا جائے اس بات کا اندازہ اسے ہرگز نہیں تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر پچھلے حصے کی طرف دوڑا۔ شیر نے جھپٹنے کے انداز میں چھلانگ لگائی اور خود بھی اس کے پیچھے لپکا اس سے قبل کے وہ ان گلیوں میں او جھل ہوتا شیر نے اس کا بیگ پکڑ کر اسے پیچھے کھینچتے اس کی گدی دبوچ لی۔ اسی پل مخالف سمت سے سیاہ وین آکر شیر کے سامنے رکی اس نے پٹخنے کے انداز میں اسے اندر ڈالا اور خود بھی سوار ہو گیا۔

"ماسٹر! آپ۔۔ ماسٹر۔۔ میں۔۔"

"ششش! تمہاری ایک باواز سانس بھی برداشت کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں میں۔۔" شیر نے ٹھنڈے لہجے میں کہا جس پر وہ موت کی سی خاموشی اوڑھتا چہرہ چھپا گیا اسے اپنی موت سر پر منڈلاتی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ یقیناً مرنے والا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کے پیچھے شیر خود آئے گا اگر اسے پہلے سے معلوم ہوتا کہ جس شخص کو وہ اغوا کرنے جا رہا تھا وہ ماسٹر ایس آر کا باپ ہے تو وہ خود کو پہلے ہی خود اپنے ہاتھوں سے دفنا دیتا۔

دفعۃً گاڑی ایک طرف رکی۔

"بابا کو کہاں لے کر گئے تھے تم؟" شیر نے سوال کیا۔ انداز میں سختی تھی۔

"مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ آپ کے بابا ہیں۔۔"

اسی پل شیر نے ایک زوردار مکا اس کی ناک پر رسید کیا۔ وہ بری طرح کرایا ہڈی ٹوٹنے کی آواز آئی تھی۔ نتھنوں کے دونوں اطراف سے خون کسی نلکے کی طرح بہنے لگا۔ شیر کی آگ برساتی نگاہیں اس کی آنکھوں میں گرہی تھیں۔

"میں نے تم سے جو پوچھا ہے اسی کا جواب چاہیے مجھے! ایک اضافی لفظ تمہیں موت کے کنویں میں پہنچا دے گا سمجھ گئے۔" اس نے بھنچے ہوئے جبرے کے ساتھ اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

"گولڈن گیٹ کے سامنے۔۔۔ ایک سفید کار تھی۔

"کار کا نمبر" شیر نے اس کا گریبان پکڑ کر اسے پھر جھنجھوڑ ڈالا۔

"A909AA"

اور وہ ایک سرکاری گاڑی تھی۔۔۔" اس نے ٹوٹے ہوئے الفاظ میں کہا۔

"A909AA"

شیر نے دہراتے ہوئے اپنے مائیکروفون پر ہاتھ رکھا۔

"We found it!"

کچھ سیکنڈ بعد دوسری جانب سے آواز آئی۔

"تمہیں یہ آرڈر کس نے دیا تھا؟"

"بلرٹ ریف میرین نے۔" وہ فوراً بولا۔

"وہ کس کا آدمی ہے؟"

"وہ ہیڈ کوارٹر کی مین مارکیٹ کے جنرل مینیجر کا اہم آدمی ہے۔" اس

نے تکلیف کی شدت سے کراہتے ہوئے کہا۔

"مین مارکیٹ کا جنرل مینیجر توفیق عطا الرحمان ہے۔۔ جو کبھی تمہیں میرے باپ کو اغواء کرنے نہیں بھیجے گا۔" شیر نے ٹھہر ٹھہر کر سرد مہری سے کہا۔

"مجھے اس نے کہا تھا کہ۔۔" اسی پل اس کی آنکھ میں ایک اور مکالگا وہ بری طرح چیخا۔
"میری آنکھ۔۔"

"اس سے قبل کہ تمہیں میری آنکھیں کہہ کر چلانا پڑے اور تم چلاتے چلاتے اپنی بینائی کھودو۔۔ مجھے بغیر گھمائے پھرائے اس شخص کا نام بتاؤ جو اس سب کا ماسٹر مائنڈ ہے۔"

"میں۔۔"

"آہ۔۔۔" شیر نے اسی آنکھ پر ایک اور مکا رسید کیا لمحوں میں اس کی آنکھ سرخ پڑتی خون چھلکانے لگی۔

"وہ آدمی کون ہے؟"

"ریچرڈ! میڈم ہیزیل کی ہیڈ سیکریٹری کا باپ ریچرڈ آرٹیج!"

"ریچرڈ آرٹیج کہاں ہے؟" شیر نے مائیکروفون پر ہاتھ رکھتے پوچھا اور اس شخص کو جھٹکے سے چھوڑا وہ گاڑی کے فرش پر بے جان سا گرا سسک رہا تھا۔

"سینٹ پیٹرز برگ!" دوسری طرف سے کہا گیا۔ شیر کی نگاہ اسی شخص پر پڑی جو آنکھ پر ہاتھ رکھے کراہ رہا تھا۔

"ملائی لڑکی روزی بن عثمان یاد ہے تمہیں؟" شیر نے سرد مہری سے سوال کیا۔ وہ بری طرح چونکا اور پیچھے کی طرف کھسکا۔

"کتنے سال کی سزا ہوئی تھی تمہیں؟" شیر نے ایک اور سوال کیا۔

"م۔۔ میں نشے میں تھا۔۔" وہ رو پڑا۔

"نشے میں ہونا کسی گناہ کو جسٹیفائی نہیں کرتا۔ مجھے بہت افسوس ہوا تھا۔۔ اور میرا شدت سے دل چاہا تھا کہ تمہیں سزائے موت ہو۔۔ پر نہیں ہوئی۔۔ خیر دیر تو ابھی بھی نہیں ہوئی۔۔ اسے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہیں ملنا چاہیے۔۔" شیر کہتا ہوا گاڑی سے اتر گیا۔ گاڑی زن سے آگے بڑھ گئی۔



یہ بوسکو زینٹ کا جنگلی علاقہ تھا۔ پیچھے پارک تھا جسے وہ پار کرتا یہاں آپہنچا تھا۔ برف پر آئس اسکیٹنگ کرتے ہاکی کھیلنے پر شوق و پر جوش چہروں کو دیکھتے اسے کچھ محسوس نہ ہوا تھا۔ نہ انھیں دیکھنے کا شوق نہ کسی جذبات

کا احساس۔ اس کے اندر کی دنیا اسے پوری طرح خاموش لگ رہی تھی۔ وہ جوں جوں آگے بڑھتا رہا راستہ ویران اور کھنڈر ہوتا رہا۔ ابھی وہ کچھ قدم ہی چلا تھا جب ایک دھول میں اٹا سائن بورڈ دکھائی دیا۔ جس میں روسی زبان میں ограниченная область یعنی ممنوعہ علاقہ لکھا تھا۔ حاشر وہیں ٹھہر گیا اور زمین پر اکڑو بیٹھ کر مٹی اور جھاڑیوں کا جائزہ لینے لگا۔ اس نے مائیکروفون پر ہاتھ رکھا۔

"کم آن!" آواز کم تھی۔ خود وہاں سے اٹھ کر مخالف سمت کی جانب بڑھنے لگا۔ بڑھتے بڑھتے وہ آس پاس کا جائزہ لے رہا تھا۔

"اریب! گودام کے احاطے میں کچھ لوگ ہیں۔۔۔ یقیناً بابا یہیں ہیں ہمیں بہت احتیاط سے کام لینا ہے۔۔۔ میں پچھلے حصے کی طرف جا رہا ہوں۔۔۔"

حاشر نے کہا۔

"ہم بس پہنچ گئے ہیں۔۔" حنین کی آواز آئی۔ حاشر دبے قدموں سے آگے بڑھتا رہا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی بے احتیاطی اور جلد بازی میں بابر کی جان کو کسی قسم کا خطرہ لاحق ہو۔ وہ چلتے چلتے اس گودام کے احاطے میں عین پچھلے حصے کی طرف آ پہنچا۔ تب ہی مائیکروفون میں آواز آئی۔

"ہم آگئے ہیں۔۔"

"کتنے ہیں؟" حاشر نے سرگوشی کی۔

"ہم گیارہ لوگ ہیں۔۔" حنین نے بھی جواباً آہستگی سے کہا۔

"Operation start"!

حاشر نے کہا اور پچھلے احاطے کی دیوار پر ماہرانہ انداز میں چڑھا اور پل بھر میں اوپر پہنچ گیا۔ اپنے بھاری چمڑے کے دستانوں کے باعث وہ خاردار

تاروں کو بآسانی تھام کر دیوار پار کر گیا۔ اس نے نیچے سوکھی خود رو کانٹے دار جھاڑیوں کے بجائے سامنے کی دیوار پر پاؤں جمائے تھے جس کے باعث کسی قسم کی آواز پیدا نہ ہوئی نہ کوئی متوجہ ہوا۔ اس طرف فی الوقت کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ یہاں یہ منظر اور حالات دیکھنے کو ملیں گے۔ وہ اسی دیوار کے سہارے اوپر چڑھنے لگا یہاں تک کہ گودام کی چھت نزدیک آنے لگی وہ کچھ لمحے وہیں ٹھہرا رہا۔ وہاں قدموں کی دھمک محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے سانسیں روک کر قدموں کی تعداد پر دھیان دیا۔ وہاں دو لوگ تھے۔ حاشر نے جست لگائی اور بہت تیزی سے ایک کو ٹانگ سے نیچے گرایا اور اس کے گرنے سے قبل اس کی گردن پر دباؤ ڈالتے کہنی کی پشت اس کی کنپٹی پر مار کر اسے بے ہوش کر دیا۔ اسی اثنا میں دوسرا حاشر کی طرف لپکا اس کے ساتھ بھی حاشر نے

یہی طریقہ کار اپنایا اور اسی ایک منٹ کے دورانے میں وہ دونوں ڈھیر ہو چکے تھے۔ حاشر نے تیزی سے آگے بڑھتا گودام میں نیچے کی جانب اتر ا ایک شخص سامنے دکھائی دیا حاشر ایک ستون کی آڑ میں ہوا اور اپنی پستول نکال لی۔ وہ شخص محتاط سا قریب آ رہا تھا۔ حاشر نے موقع پاتے ہی اس پر جست لگاتے سختی سے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر جمایا اور پستول کی پشت اس کے سر پر مارتے اسے بے ہوش کرتا ایک طرف گھسٹنے لگا ابھی وہ پیچھے ہٹ ہی رہا تھا جب اسے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی اس نے محتاط ہوتے دیوار کی آڑ لی۔

اچانک ہی دبی دبی چیخ برآمد ہوئی جس پر وہ چونکا اور ذرا سا جھانک کر دیکھا سامنے حنین تھا جس نے کسی کو گردن سے دبوچ رکھا تھا۔ اسی پل پیچھے سے اریب بھی آیا اور تیزی سے دوسری دیوار کی آڑ لی۔

"اندر بھی کچھ لوگ ہوں گے۔"

"تین۔۔" اریب نے بتایا اور آگے کی جانب بڑھنا شروع کیا۔ حاشر نے اسے وہیں رکنے کا اشارہ کیا۔ اور خود بائیں جانب کی طرف جانے لگا اسے وہاں ایک ٹوٹی ہوئی کھڑکی دکھائی دی جو دھول مٹی سے اٹی ہوئی تھی۔ وہ وہیں ٹھہر گیا۔ شہادت کی انگلی سے ذرا سی جگہ کو صاف کرتے اندر جھانکا۔ وہاں کوئی نظر نہ آیا۔ ٹوٹا فرنیچر، لکڑیاں، دھول مٹی، سوکھے پتے جیسے وہاں برسوں سے کوئی نہ گیا ہو۔ ایک پل کے لیے اسے لگا جیسے یہاں واقعی کوئی نہ ہو لیکن ایک طاقت تھی جو اسے اندر داخل ہونے پر مجبور کر رہی تھی۔ وہ مزید آگے آیا تو ایک دروازہ دکھائی دیا۔ چھوٹا سا دروازہ جس کی ایک درز سرے سے غائب تھی۔ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ آیا وہ راستہ اندر جاتا ہے یا گودام کے کسی دوسرے حصے کی طرف۔

"جب تک میں نہ کہوں کوئی اندر داخل نہ ہو۔"

وہ کہتا ہوا اندر داخل ہوا سامنے پتلی سی راہداری تھی ایک سیڑھی نیچے جارہی تھی اور دوسری اوپر۔ ابھی ایک قدم ہی آگے آیا تھا جب قدموں کی آواز پر وہ پیچھے ہٹنے لگا۔ دو سے تین لوگ تیزی سے اوپر آرہے تھے۔ حاشر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہوا اور ایک کے آتے ہی اس نے ٹانگ آگے کرتے اسے گراتے اس کی گردن پر پاؤں رکھا اور دوسرے کے پستول والے ہاتھ پر ہاتھ مارتے اسے اٹھا کر تیسرے آدمی پر گرا دیا۔ ایک پستول اس کے ہاتھ لگی جسے اس نے ہاتھ میں لیا اور ان میں سے کسی ایک کو بھی موقع دیے بغیر انھیں کہنیوں اور گھونسوں کی مار مارتے وہیں بے ہوش کر دیا۔ اس کے انداز میں بلا کی تیزی تھی۔ ناقابل یقین حد تک تیزی اور جارحیت تھی جسے لفظوں میں بیان

کرنا آسان نہ تھا۔ اس کی تمام کی تمام حسیں پوری طرح جاگی ہوئی تھیں
دماغ تیزی سے حرکت کر رہا تھا یہی حالت اس کے جسم کی تھی۔ ایک
عجب سی طاقت تھی جو اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ وہ انھیں
وہیں چھوڑ کر نیچے اتر گیا۔ اندر کوئی دکھائی نہ دیا۔
"بابا!" اس کی بلند آواز کپکپا اٹھی۔

"بابا! کہاں ہیں آپ بابا؟" وہ پھر چلایا اور آگے بڑھتا گیا۔ اس کی نگاہیں
تیزی سے بھٹک رہی تھیں دفعتاً نگاہ کے نیچے ایک اور دروازہ آیا جو باہر
سے بند تھا۔

وہ تیزی سے بھاگا اور گیٹ کھولنے لگا اس کے ہاتھ بری طرح کانپ رہے
تھے۔ گیٹ کھولتے ہی وہ اندر داخل ہوا۔

"بابا ! " متلاشی نگاہیں اندھیرے میں کسی وجود کے لیے ترس رہی تھیں۔ اس کا دل سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا تب ہی اس کی نگاہ ایک جانب دکھائی دیتے سائے پر پڑے۔

"بابا !" خوف کے سایوں نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ وہ اس جانب بھاگا اور گرنے کے انداز میں زمیں پر بیٹھا۔ کانپتے ہاتھوں سے اس وجود کو ٹٹولا۔ کچھ ترسا اس کے ہاتھوں پر لگا۔ وہ یقیناً زخمی تھے۔ کچھ اور سوچتے اس کی روح قبض ہو رہی تھی اس کا سر مسلسل نفی میں ہل رہا تھا۔

"بابا ! بابا ! پلیز ! " وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہتا ان کا گال تھپتھپا رہا تھا۔ وہ ڈرتے ڈرتے اپنی شہادت کی انگلی ان کے نتھنوں تک لایا اس کی رکی ہوئی

سانسیں جھٹکے سے بحال ہوئی تھیں۔ وہ بے اختیار رو دیا تھا۔ بابر خان کو خود میں سموئے سک سک کر بری طرح سے رو دیا۔

باہر اوپری جانب حنین اریب اور دیگر ساتھی سر جھکائے کھڑے مائیکروفون میں اس کی ہچکیاں سنیں۔ اریب نے سر جھکائے اپنا مائیکروفون نکال لیا۔ اس کی دیکھا دیکھی حنین اور منان نے بھی اپنے کان سے وہ آلہ نکال لیا۔ وہ خاموش نگاہیں خاموش ہر گز نہ تھیں۔ انھوں نے ایک ایسے انسان کی سسکیاں سن لیں تھیں جس کو دنیا سخت دلی اور مضبوطی کی اعلیٰ ترین مثال کہتی تھی۔ کچھ ہی دیر گزری تھی جب وہ بے ہوش بابر خان کو بازوؤں میں لیے باہر نکلتا دکھائی دیا وہ سب تیزی سے گاڑیوں کی جانب لپکے تھے۔ حاشر کا چہرہ خاموش آنکھیں پر سکون تھیں۔ اب وہ پہلے کی طرف جلدی میں اور بپھرا ہوا نہیں لگ رہا تھا۔

"مجھے ریڈ اسکوائر تک چھوڑ دو۔" حاشر نے آہستگی سے کہا۔

"اوکے کمانڈر!" اریب نے تیزی سے کہا اور گاڑی پیچھے لے جانے لگا۔



شام گہری ہوتی چلی جا رہی تھی۔ قد آور درخت برف کی سفیدی میں لپٹے خاموش کھڑے کسی سوگ میں ڈوبے دکھائی پڑتے۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا سیاہ ہو رہا تھا۔ بھورا کٹیج بہت چھوٹا مگر خوبصورتی سے تعمیر کیا گیا تھا۔ باہر گھنی جھاڑیاں اور خود رو گھاس تک برف سے ڈھکی تھیں۔ اندر چھوٹے سے لیونگ روم میں حاشر لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھا کسی نقشے کو بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ کسی جزیرے کا سا منظر تھا جس پر ایک مکان کا اندرونی حصہ ظاہر تھا۔ قریب ہی حنین بیٹھا اسی نقشے کو دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر الجھن ظاہر تھی۔

"کیا یہ فائل پکچر ہے؟"

"ہاں! کیوں کہ یہ واحد جزیرہ ہے جس پر یہ تعمیر کیا گیا ہے۔"

"اس محل میں دو بیسمنٹ ہیں۔"

آواز پر حنین جھٹکے سے سیدھا ہوا اور گردن گھمائی۔ اندھیرے میں نظر آتے سائے کو دیکھنے کی کوشش میں وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ وہ شیر تھا۔ حاشر نے ٹھنڈی سانس خارج کرتے ایک سرد نگاہ اس پر ڈالی۔
"تم سے کسی نے نہیں پوچھا۔ کیا تم میری گڈ بک میں آنے کی کوشش کر رہے ہو۔؟"

"نہیں! تمہارا کام آسان کر رہا ہوں تاکہ جلد از جلد تم سے پیچھا چھڑا سکوں۔ جس دن تم پاکستان واپس جاؤ گے میں ایک گرینڈ سلیمبریشن

رکھوں گا۔ بابا کہاں ہیں؟" شیر اندھیرے سے روشنی میں آیا۔ سیاہ رین کوٹ بھیکا ہوا تھا۔ اس کے بھیکے بال پیشانی پر بکھرے تھے۔

"اندر ہیں۔ سورہے ہیں اور ابھی وہ یہیں رہیں گے۔" حاشر نے سنجیدگی سے جتایا۔ شیر نے مسکراتے ہوئے سوالیہ انداز میں ابرو اچکائی۔

"For real?"

حاشر نے کوئی جواب نہ دیا اور دوبارہ لیپ ٹاپ کی جانب متوجہ ہو گیا۔ شیر نے ہنستے ہوئے سر جھٹکا اور اندر کی جانب بڑھ گیا۔ حاشر نے گردن گھما کر اسے دیکھا اور پھر لیپ ٹاپ کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"یہ ہماری مدد کیوں کرتے ہیں؟" حنین نے الجھن آمیز انداز میں سوال کیا۔ حاشر نے رک کر حنین کی طرف دیکھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے؟" حاشر نے سرسری انداز اپنایا۔

"کیا آپ نہیں جانتے ہیں کہ گولڈن فاکس اور ایس آر اب ایک نہیں ہیں؟"

"میں جانتا ہوں۔۔۔" حاشر نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا اس کے ذہن میں کئی منظر ابھرے۔
"ہم باقی کام بعد میں کریں گے اریب اور منان کو بلا لو۔ میں ڈنر ریڈی کرنے جا رہا ہوں۔" اٹھتے ہوئے اس نے ایک سرسری نگاہ کمرے کے دروازے پر ڈالی تھی۔



پلنگ پر بابر خان گہری نیند سو رہے تھے۔ سر پر پٹی اور ہاتھ میں کینولا لگا ہوا تھا جس سے کوئی دوا ان کے جسم میں منتقل ہو رہی تھی۔ وہ شیر اور حاشر کی شکل کے تھے۔ ان کی شکلوں میں فقط انیس بیس کا ہی فرق

تھا۔ کنپٹی کی جانب سفید بال جو پٹی سے نکل آئے تھے انھیں شیر نے شہادت کی انگلی سے سہلایا۔ چہرہ پر سکون مگر آنکھیں سرخ تھیں۔

"آپ کے لاڈلے نے آپ کو بچایا ہے! وہ آپ کے پیچھے آیا۔ اور آپ اب محفوظ ہیں لیکن میں آپ کو پھر لینے آؤں گا۔ تب تک آپ اپنے لاڈلے کے پاس رہ سکتے ہیں۔ مگر صرف کچھ دن! زیادہ بے تکلف ہونے کی کوشش مت کیجئے گا اس سے۔" وہ بڑے ہی عام سے لہجے میں کہہ رہا تھا آنکھیں بابر خان کے پر سکون چہرے پر ٹکیں تھیں۔

"میں آپ کو بچانے اس لیے نہیں آیا تاکہ آپ کا لاڈلہ آسکے۔ یہ میری طرف سے ایک چھوٹا سا احسان ہے آپ کے لاڈلے کے لیے۔ آمیندہ کبھی مجھے یہ طعنہ مت دیجئے گا کہ میری وجہ سے آپ نے اپنے لاڈلے کے ساتھ زیادتی کی یا اس کے حصے میں آپ نہیں

آئے۔ دیکھ لیں۔ اس کے حصے میں آپ کی زندگی کا سب سے اہم حصہ آگیا۔ "شیراب کے مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ایک دن میں نے آپ کے سامنے ایک اعتراف کیا تھا جس کے بعد کئی مہینوں تک آپ مجھ سے ناراض رہے۔ اور آپ نے کہا تھا کہ مجھے اس بات کے لیے کبھی معافی نہیں ملے گی۔۔۔ یہاں تک کہ میں آپ کے لاڈلے کے سامنے اس بات کا اعتراف نہ کر لوں۔۔۔ آج میں وہ بھی کرنے جا رہا ہوں۔۔۔ دراصل وہ کیا ہے ناں کہ غصے میں اس کو بری طرح پیٹ ڈالا تھا میں نے اسے۔۔۔ میں شرمندہ نہیں ہوں۔۔۔ لیکن آپ کا لاڈلہ بیٹا ہے تو صرف آپ کے لیے۔۔۔" اس نے جھک کر باپ کی پیشانی کو دو سے تین بار چوما اور کمرے سے نکل آیا اس کا رخ باہر کی طرف نہیں تھا۔ اس نے طائرانہ نگاہ اس پاس ڈالی۔ گول لکڑی سے بننا زینہ اوپر کو جا رہا

تھا ایک راستہ بائیں جانب جا رہا تھا وہ اس طرف چل دیا ایک کمرہ بند تھا تو دوسری طرف اوپن کچن بنا دکھائی دیا۔ حاشر اپرن پہنے کھڑا سبزیاں کاٹ رہا تھا۔ شیر نے کچن کا جائزہ لیا۔ ایک دروازہ کچن کے باہر جا رہا تھا۔ وہیں پر میز اور کرسیاں رکھیں تھیں لکڑی کا چبوترہ اور باہر پھیلا برف کی دبیز چادر!

"کیا تمہیں بابا کو رکھنے کی کوئی اور جگہ نہیں ملی؟" شیر نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ حاشر اس کی موجودگی اور کھوجتی نگاہوں سے واقف تھا پلٹ کر خاموش نگاہ اس پر ڈالی۔

"محفوظ جگہ ہے شہر سے دور۔۔۔ پر سکون!"

"لکڑی اور کانچ سے بنایہ کٹیج تمہیں محفوظ لگتا ہے۔۔"

"جسے تم لکڑی سمجھ رہے ہو وہ بیلسٹک پروٹیکشن اسٹیل ہے۔" حاشر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ شیر کی بھنویں سمجھنے والے انداز میں اٹھیں تھیں۔

"تمہارے زرائع کافی حد تک کامیاب اور تیز ہیں۔" شیر نے میز پر رکھے اشیاء خورد و نوش کو دیکھا۔ حاشر نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ شیر جلد از جلد یہاں سے چلا جائے۔ اس کا آنا خیر نہیں لاتا تھا۔ کبھی بھی نہیں۔۔۔

"تم نے خط لکھنا کیوں چھوڑ دیا تھا؟" شیر کا انداز کافی لاپرواہ اور سرسری تھا۔ نگاہیں حاشر کے پرسکوت چہرے پر ٹکیں تھیں۔ حاشر نے جھٹکے سے چہرہ اٹھا کر شیر کی طرف دیکھا آنکھوں میں بے یقینی اتری پھر آنکھوں کی سرخی بڑھنے لگی۔ پیشانی کی نسیں ابھر گئیں۔ جبراً بھینچ گیا۔ اس کے

ہاتھ میں چھری تھی جس پر اس کا دباؤ بڑھا اس نے چھری پٹخنے کے انداز میں رکھی۔

"تمہارے سارے خط میں پڑھتا تھا! اور پھر چولہے پر رکھ دیتا تھا۔ تاکہ بابا نہ پڑھ سکیں اور وہ سمجھتے رہیں کہ تمہیں ان کی اتنی خاص ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنی زندگی میں مطمئن۔"

اس کی بات مکمل نہ ہوئی تھی کہ حاشر نے جست لگاتے اس کی گردن دبوچ لی۔ شیر جو اپنی دھن میں کہہ رہا تھا اس کی گرفت میں ہی پیچھے کی طرف گرا اس کے سر کی زمین سے ٹکرانے کی ایک زوردار آواز آئی۔ وہ کراہا لیکن حاشر پر اثر نہ ہوا اس نے ایک کہ بعد کئی مکے اس کے چہرے پر رسید کیے یہاں تک کہ اس کا ہاتھ اور شیر کا چہرہ خون آلود ہو گیا۔ شیر اپنے بچاؤ میں سر ادھر ادھر مارتا رہا لیکن خود کو اس کی گرفت سے آزاد

نہ کرو اسکا یا شاید وہ زیادہ کوشش نہ کر رہا تھا۔ حاشر کی بھاری سانسیں اس کے اشتعال کا پتا دے رہی تھیں۔

"تم میری زندگی کا سب سے بڑا پچھتاوا ہو شیر! تم سے مجھے نفرت ہے۔۔۔" اس نے جھٹکے سے اس کی گردن چھوڑ دی اور اٹھتے ہوئے ایک لات اس کے کاندھے پر رسید کی۔

"تو میں کون سا تمہاری محبت میں سرد آہیں بھرتا پھرتا ہوں۔۔ مجھے بھی تم سے نفرت ہے۔"

"کیا میں اس نفرت کی وجہ جان سکتا ہوں۔۔" حاشر کھڑے کھڑے اس پر جھکا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔ سارا کا سارا

"پتا نہیں۔۔ مجھے ابھی پتا چلا کہ مجھے تم سے نفرت ہے۔۔ وجہ بعد میں بتاؤں گا۔" شیر نے سرد مہری سے کہتے اسے دھکا دیا اور خود اٹھ

بیٹھا۔ حنین اریب لوگ جانے کب وہاں آکر کھڑے ہوئے تھے۔ نگاہوں میں حیرت و استعجاب تھا یہ منظر ان کے لیے توقع کے برعکس اور بہت انوکھا سا تھا۔ شیر حاشر کو گھورتا اٹھ کھڑا ہوا۔ ہونٹ سے رستا خون شہادت کی انگلی سے صاف کیا اور سرسری نگاہ ان پر ڈالتا مسکراتے ہوئے باہر کی جانب بڑھ گیا۔ حاشر وہیں سرخ چہرہ لیے کھڑا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

"Crazy creature"!

زیر لب بڑبڑاتے اس نے ہاتھ جھٹکا اور دوبارہ اپنے کام پر لگ گیا۔ حنین اور اریب لوگوں نے خاموش نگاہوں کا تبادلہ کیا اور خاموشی سے اندر چل دیے۔



شیر کی گاڑی مرکزی گیٹ پار کرتی اندر داخل ہی ہوئی تھی جب اس کی نگاہ ڈینیل پر پڑی۔ اس نے تاسف سے گردن ہلاتے گاڑی کو ڈرائیو تھرو سے گزارا۔ ڈینیل جو وہیں اس کے پالتو سائبرین ہسکی کے ساتھ کھڑا تھا اس کے نظر انداز کرنے پر بھونچکا رہ گیا۔

"ماسٹر تو بالکل ہی پتھر دل ہیں۔ یہ نہیں کہ اتنے دن بعد آیا ہوں میری طرف دیکھ ہی لیں۔" وہ مایوسی سے بڑبڑایا اور پلٹ کر اس کے پالتو کی طرف دیکھا۔

"تم جو اتنے کھڑوس ہو تمہارا ذرا بھی قصور نہیں۔" اس نے روسی زبان میں کہا اور آگے بڑھنے لگا۔ جب تک وہ مرکزی لینٹیرینس تک پہنچا شیر اندر جاچکا تھا۔ اس نے ٹھندی سانس بھری۔

"نہ ہی آتا تو اچھا تھا۔ انھیں میری ضرورت ہی نہیں۔" وہ دل ہی دل میں خفگی سے بڑبڑایا اور اندر چلا گیا۔ انداز میں تیزی تھی۔ اسٹاف جیسے سارا چھٹی پر تھا۔ ڈیجیٹل سسٹم بند پڑا تھا۔ محل کے باہر گارڈز کے علاوہ اسے دوسرے ملازمین نظر نہیں آئے تھے۔ سب کچھ بدلا بدلا سا لگ رہا تھا۔ اچھا تاثر نہیں آرہا تھا۔ وہ لفٹ میں سوار ہوتا اوپر پہنچا۔ شیر کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ ہوٹل یاریزارٹ نہیں تھا تبھی اس کے فنگر پرنٹ اور فیس آئی ڈی کام میں نہیں آنے والی تھی۔ وہ وہیں کھڑا رہا یہاں تک کہ دس سے پندرہ منٹ گزر گئے۔ اس نے آخر کار تنگ آکر شیر کو فون کیا جو فوراً ہی اٹھا لیا گیا۔

"ماسٹر میں پندرہ منٹ سے باہر ہوں۔" اس نے جھجھکتے ہوئے کہا۔

"تو؟" دوسری طرف سے سکون بھرے انداز میں پوچھا گیا جس پر ڈینیل کا منہ کھلا رہ گیا۔

"اس پیلس میں درجنوں کمرے ہیں تم پندرہ منٹ سے میرے کمرے کے باہر کیوں کھڑے ہو۔" شیر کا انداز نہایت سرسری اور سادہ تھا۔

"میں اتنے دن بعد امارات سے آیا ہوں۔"

"تمہیں کس نے کہا تھا یوں بغیر بتائے بغیر اجازت لیے یہاں چلے آؤ۔ اب کیا آتے کے ساتھ سرپر سوار ہونے کا ارادہ ہے؟"

ڈینیل کے تاثرات پل پل رنگ بدل رہے تھے۔

"جا کر فریش ہو کچھ کھاؤ آرام کرو اب! میں ابھی ملاقات کے موڈ میں نہیں ہوں۔" شیر نے فون بند کر دیا۔ ڈینیل نے سر جھٹکا اور پلٹ

گیا۔ اندر شیر لپ ٹاپ کھولے بیٹھا تھا۔ ایک طرف کچھ فون تھے چند چھوٹی بڑی جدید قسم کی ڈیوائسز رکھیں تھیں۔

دفعۃً اس کا فون بجنے لگا۔ اس نے فون یس کرتے اسپیکر آن کیا۔

"میں تمہاری کال کا انتظار کر رہا تھا آرٹیج!" اس نے سرد مہری سے کہا۔ دوسری طرف وہ گھگھیاۓ انداز میں کچھ کہہ کر چپ ہو گیا۔

"اونچا بولو! واضح بولو! کیا تم نے اپنے پالتو کتے کی غلاظت منہ میں بھر رکھی ہے جو بول نہیں پارہے؟"

"مجھ پر یہ سارے کیسز کیوں ماسٹر! م۔ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ میں نے کبھی کسی کو نسلی امتیاز کی بنا پر نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ یہ سب کیسز۔۔ پلیز ماسٹر۔۔ پلیز"

"کیا تمہیں پولیس والوں نے ثبوت نہیں دکھائے آرٹیج؟ کیا تمہیں واقعی لگتا ہے ایس آر کی نظریں ہر جگہ نہیں ہوتیں؟ کیا ان چند مہینوں میں تم مجھے بھول گئے تھے آرٹیج؟ کیا تمہیں نہیں پتا میرا ایک اشارہ کیا کر سکتا ہے؟ کیا تمہاری عقل گھاس چرنے گئی تھی جب تم نے بابر خان کو اغواء کروایا۔" شیر بری طرح دھاڑا تھا۔

"I am sorry master! Please I am sorry"!

"Ah! You are Sorry? Really"?

کیا تمہاری غلطی اتنی چھوٹی ہے جسے معاف کیا جاسکے۔ تمہارے سارے اثاثے ضبط کیے جا چکے ہیں۔ تم اب اپنی چلتی سانسوں تک تو آزادی کی فضا میں سانس نہیں لے پاؤ گے۔ تم نے اس شخص کو تکلیف پہنچائی ہے جسے تکلیف پہنچانے کی اجازت میں ہواؤں تک کو نہیں دیتا۔۔"

"میڈم ہیزیل نے مجھے حکم دیا تھا میں مجبور تھا۔"

"میرے پاس آتے آرٹیج! مجھے بتاتے۔۔۔ تم تو کیا تمہاری اگلی سات نسلوں تک کی حفاظت کا زمہ لے لیتا میں! پر تم نے غلط راستہ چنا! اب تمہیں میرے قہر سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔۔۔" شیر نے نفرت سے کہہ کر فون بند کر دیا اور وہاں سے اٹھ کر غسل خانے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کا جبرہ بھنچا ہوا تھا آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔



"میڈم! انہوں نے میرے ڈیڈ پر متعدد ایسے کیس لگا دیے ہیں جن کی کوئی بنیاد ہی نہیں ہے۔۔۔ پلیز! آپ کچھ کیجئے!" ریچل پریشانی سے کہتی ہیزیل کی جانب دیکھ رہی تھی۔ ہیزیل نے ایک ابرو اچکا کر اسے دیکھا اور پھر نیل پینٹ کی جانب متوجہ ہو گئی۔

"قیامت نہیں آگئی ہے ریچل! نہ ہی تمہارا باپ کل پھانسی پر چڑھنے والا ہے۔۔ ہم اس پر پہلے بھی بات کر چکے ہیں۔۔ مسئلہ کچھ دنوں تک چلے گا پھر سب ٹھیک۔۔" ہیزیل لاپرواہ کھائی دے رہی تھی۔

"ماسٹر ایس آر نے ڈیڈ سے بات کی ہے۔۔ اور کہا کہ اب ساری زندگی کے لیے ان کی سزا ختم نہیں ہوگی۔۔" ریچل کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ اس کا اس کے باپ کے علاوہ اس دنیا میں اور کوئی نہیں تھا وہ اپنے باپ کے بغیر رہنے کا تصور تک نہیں کر سکتی تھی۔

"I said we will sort it out rechal!leave!"

اس نے ہاتھ اٹھا کر سختی سے کہا جس پر ریچل روتی ہوئی تیزی سے باہر نکل گئی۔ وہ ابھی راہداری میں تیز قدموں سے آگے بڑھ ہی

رہی تھی جب سامنے سے شیر آتا دکھائی دیا اس کے پیچھے ڈینیل تھا۔ وہ شش و پنج میں گھری وہیں رک گئی۔ شیر نے سرسری نگاہ بھی اس پر نہ ڈالی اور آگے بڑھتا گیا۔ ڈینیل نے اس کے آتے چہرے اور بھیگی آنکھوں کو بہت غور سے دیکھا تھا۔

"ماسٹر!" اس نے پلٹ کر بڑی تیز آواز میں اسے پکارا تھا۔ دل میں شدت سے دعا مانگی کہ وہ اس کی عرضی سن لے۔۔۔ رک جائے۔ یقیناً یہ موقع پھر نہ ملے گا۔ اسے اپنی قسمت آزمائنی چاہیے۔ بس یہی ایک موقع تھا۔۔۔ وہ ٹھہر گیا تھا۔ ڈینیل بھی رک گیا۔ ریچل نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا اتنے سالوں میں یہ پہلی دفعہ کوئی موقع تھا جب وہ براہ راست سامنے تھے۔ یہ کسی دیوتا جیسا شخص اس کے دل کے نہاں خانوں میں بسا تھا۔ وہ ایسا چاند تھا جسے وہ دیکھتی، سراہتی، اس کی چمک سے

سیراب ہوتی لیکن اس کی چاہ نہیں کرتی تھی۔ پر ایک خواہش تھی کہ کبھی براہ راست کوئی مکالمہ ہو اور آج وہ دن آگیا تھا پر کس صورت حال میں؟ تیز تیز قدموں سے چلتی وہ اس کے عین سامنے آکھڑی ہوئی۔ اس کے وجود سے مہک اٹھ رہی تھی۔ اس مہک کو وہ پہچانتی تھی۔

"ماسٹر! میرے ڈیڈ! پلیز انھیں معاف کر دیں۔ پلیز۔۔۔ میرا ان کے علاوہ اس دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ بیمار ہیں۔۔۔ ان کو مجبور کیا گیا تھا۔۔۔ انھیں الزائمر ہے۔۔۔ ان کا دماغ ٹھیک سے کام نہیں کرتا۔"

شیر خاموش نگاہوں سے اس کے بہتے آنسو دیکھ رہا تھا ڈینیل کچھ قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کا دل بری طرح دکھا تھا۔

"تمہارا باپ بیمار تھا تو تم نے اسے روکا کیوں نہیں۔۔۔ کیا تم نہیں جانتی اس نے کیا کیا ہے۔۔۔"

"مجھے معلوم نہیں تھا۔ اور یقیناً انھیں بھی اندازہ نہیں تھا۔ اپنی بیماری کی وجہ سے وہ فیلڈ میں رہنے کے لیے بہت زیادہ اسٹرگل کر رہے تھے۔ وہ دوبارہ منظر عام پر آنا چاہتے تھے شاید اس لیے وہ میڈم ہیزیل کے ہاتھوں استعمال ہو گئے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا۔ شیر کئی لمحے اسے روتا ہوا دیکھتا رہا پھر اس کے جوتوں کی دھمک سنائی دی۔ وہ جا رہا تھا۔ ریچل نے جھٹکے سے گردن اٹھا کر اسے جاتے ہوئے دیکھا۔

"رو مت ! میں تمہاری سفارش کروں گا۔" ڈینیل نے اسے تسلی دی۔ ریچل نے بھیگی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھا اور مایوس انداز میں پلٹ گئی۔ وہ کیا شیر کو نہیں جانتی تھی جو ڈینیل کی تسلی پر خوش ہو

جاتی۔ اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنسو صاف کیے پر گال دوبارہ بھگنے لگے۔

گولڈن فاکس کی سلطنت کی مہربانیاں سارے جہاں میں مشہور تھیں۔ دولت! شہرت! عزت سب کچھ مل جاتا تھا لیکن کچھ بد قسمت ایسے بھی تھے جو اس سلطنت میں بری طرح کچلے جاتے تھے۔ یہ دوڑ! یہ دنیا یہ خزانے سے پر جی ایف ایس آر کی دنیا کبھی بہت ظالم بن جایا کرتی تھی۔ ریچل کو لگا اب کی بار نشانہ وہ اور اس کا باپ بن گئے ہیں۔



دستک کی آواز پر ہیزیل نے ناگواری سے گردن گھمائی اور اٹھ کر شراب کا گلاس ہاتھوں میں لیتے اپنے بالوں کو سنوارنے لگی۔

"ایس؟" اس نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا اور اسی پل جھٹکے سے دروازہ کھلا۔ شیر اندر داخل ہوا اور سیدھا اس کی طرف بڑھا۔

"ت۔۔ تم۔۔" اس سے قبل وہ کچھ کہتی شیر نے اس کی گردن دبوچ لی۔ شراب کا گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمیں بوس ہوا تھا۔

"تمہاری اتنی ہمت کیسے ہوئی کہ تم میرے بابا تک پہنچ سکو؟" وہ غرایا اور اسے گھسیٹتا ہوا دیوار سے جا لگایا۔ ہیزیل کی سانس اٹکنے لگی وہ ہل بھی نہ سکی۔ اس کی آنکھوں میں خوف تیرنے لگا۔

"How dare you to hurt my father"!

وہ حلق کے بل چلایا اور ایک زور دار تھپڑ اس کے چہرے پر رسید کرتے اس کی گردن آزاد کر دی۔ وہ لڑکھڑا کر ایک طرف جاگری اور بے یقینی سے اس کی طرف دیکھتے اٹھنے لگی۔ اس سے قبل کہ وہ اپنی جگہ سے اٹھتی

شیر نے اس کا کندھا دبوچا اور اسے جھٹکے سے صوفے پر گرایا اور خود دونوں ہاتھ صوفے کی پشت پر رکھتے اس پر جھکا۔ اس کی آنکھیں قہر برسا رہی تھیں۔ ہیزیل کانپ اٹھی۔

"اگر میرے بابا کو کچھ ہو جاتا ہیزیل! اگر انھیں کچھ ہو جاتا ناں! میں تمہاری جان اپنے ہاتھوں سے لیتا۔۔۔ لیکن معاف تو تمہیں میں اب بھی نہیں کروں گا۔ سنا تم نے؟ میں تم پر تمہاری زندگی تنگ کردوں گا دنیا کو منہ دکھانے لائق نہیں رہو گی۔۔۔" اس نے جھٹکے سے اس کے بال اپنی مٹھی میں لیے۔

"You know what heziel!"

میں نے کبھی کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا! لیکن تم! تم اس قابل ہو کہ تمہیں ٹھوکروں پر رکھا جائے۔۔۔ تاکہ طاقت کا نشہ اترے۔۔۔ اور تم

انسانوں سے کھیلنا بند کرو۔۔ اس دنیا میں صرف تم ہی انسان نہیں ہو۔۔ سمجھی! ہر جان اتنی ہی قیمتی ہے جتنی کہ تم اپنی جان کو سمجھتی ہو۔۔"

شیر نے پٹخنے والے انداز میں اس کو اپنی حیوانی گرفت سے آزاد کیا

"ہیزیل کا سر بری طرح دکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں وہ کچھ کہتی مگر زباں گنگ تھی۔ سامنے کھڑا انسان انسان کے روپ میں درندے کو مات دے رہا تھا۔ وہ انسان ہر گز نہیں لگ رہا تھا۔

"اگر آج کے بعد تم نے میرے راستے میں آنے یا میرے دائرے میں داخل ہونے کی کوشش کی! تو میں تمہاری جان لے لوں گا۔" اسے شہادت کی انگلی اٹھا کر خبردار کرتا وہ تیزی سے باہر نکلتا چلا گیا۔ ہیزیل کا چہرہ کسی کورے لٹے کی مانند سفید پڑا ہوا تھا۔ ہلنے جلنے سے قاصر وہ وہیں گنگ بیٹھی رہ گئی۔



جزیرے کے عین وسط میں یہ محل کسی خواب سا منظر پیش کرتا تھا۔ گہری رات کے عالم میں نارنجی بتیوں کی روشنی سے سنگ مرمر کی دیواریں واضح ہو رہی تھیں۔ سیاہ شیشے کی کھڑکیاں چمک رہیں تھیں۔ وہ سفید ریشم کا گاؤن پہنے ہوئی تھی۔ بال کمر پر بکھرے تھے۔ چہرے پر تناؤ صاف ظاہر تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں یوں لگتا تھا جیسے وہ نشے میں ہو۔

"He literally tried to kill me ! He slapped me ! And dad is just Okey with that"?

وہ اونچا بڑبڑائی اور قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

"جاؤ جزیرے پر۔۔ کچھ دن آرام کرو۔۔ شیر کو مت چھیڑو۔۔ اس کے باپ تک میں کبھی نہیں گیا ہیزیل ! تمہیں بھی یہ بے وقوفی نہیں کرنی

چاہیے تھی۔۔ شکر ہے کہ اس کے باپ کی جان سلامت ہے۔۔ "گولڈن فاکس کی آواز اس کے کان میں گونجی اس نے اپنا سر تھام لیا اور صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھی۔

"ڈیڈ نے اس حیوان کو سر چڑھا رکھا ہے اب بھی۔۔ اب تک بھی۔۔ مجھے یقین نہیں ہوتا۔۔" وہ پھر بڑبڑائی۔ اس کا جبرہ بھینچ گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں سختی سے میچ لیں۔ ریچل استعفیٰ دے کر جاچکی تھی اور باقی اسٹاف کو اس نے خود چھٹی دے رکھی تھی۔ اسے صبح خبر ملی تھی کہ اس کی کمپنی کے شیر ہولڈرز اپنے شیرز بیچنا چاہ رہے ہیں اور وہ جانتی تھی یہ شیر کی کارگزاری تھی وہ اس سے انتقام لے رہا تھا اسے نقصان پہنچا رہا تھا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ اتنی آسانی سے پکڑی جائے گی۔ وہ جتنا زیادہ سوچتی اتنی زیادہ سرخ پڑتی جاتی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ہر

شے تہس نہس کر ڈالے۔ آخر یہ کیسا مذاق تھا۔ اس کا باپ اپنے خون کے بجائے ایک ایسے انسان کو ترجیح دیتا ہے جس نے انھیں تباہی کے دہانے پر لاچھوڑنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ وہ بد لحاظ احسان فراموش شخص ہنوز اس کے باپ کو عزیز تھا۔ وہ جانتی تھی اس کا باپ اس انسان کی چاہ میں آج بھی مبتلا ہے اور اسے اپنے دل سے نکالنا اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ سوچتے سوچتے اس کا سر درد کرنے لگا اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔



یہاں سے دور سمندر پار ساحل کے پاس روشنیوں کی جگمگ کرتی ایک الگ سی دنیا آباد تھی۔ ایک طرف مختلف اقسام کے ہوٹل اور ریسٹورنٹس تھے۔ ساحل پر لوگ فیری رائڈز لے رہے تھے تو کچھ ساحل کے قریب

منظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ جوڑے ہاتھوں میں ہاتھ دیے چہل قدمی کرتے دکھائی دیتے تو منچلے اچھل کود میں مست۔ ایک طرف لکڑی کی باڑ کا احاطہ تھا جس کے اندر بانس کی کرسیاں اور میزیں تھیں۔ وہ چھوٹا سا ریسٹورنٹ خوبصورتی سے سجا ہوا تھا۔ ایک طرف متعدد جدید قسم کی کشتیاں تھیں جن پر سیر اور سفر کر کے لوگ لطف اندوز ہوتے۔ وہ تینوں وہاں موجود تھے سوائے اریب کے۔ وہ سب سیاہ لباس میں ملبوس تھے۔ شانوں پر بیگز ڈالے وہ کسی چیز کے لیے تیار لگتے تھے۔ حنین کیمرہ پکڑے ایک طرف سے تصاویر بنانے میں مگن تھا۔

"دفعاً ایک چھوٹی کشتی اس طرف آتی دکھائی دی۔ وہ چھوٹی مگر جدید قسم کی کشتی تھی۔ وہ سب اس کشتی کی طرف بڑھے۔ وہ کشتی اسی رائڈنگ کلب کی تھی جو اس ساحل پر سیر کروایا کرتی تھی۔ وہ کشتی خالی تھی۔ کوئی

مسافر یا سیاح دکھائی نہ دے رہا تھا۔ حاشر نے آنکھ کے اشارے سے ساتھیوں کو اس پر سوار ہونے کا اشارہ کیا اور ساتھ ہی کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا۔ رات کے سوانو ہو رہے تھے۔ ان کے پاس کم سے کم آدھا گھنٹہ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ تھا اور یہ وقت بہت اہم تھا۔ منان اس کشتی کو چلا رہا تھا۔ حاشر کاک پٹ کی طرف بڑھا۔ آنکھوں پر ہائی ٹیک وژن گلاسز تھے۔ کشتی کی رفتار تیز تھی۔ عام فیری رائڈز کے برعکس یہ تیزی سے جارہی تھی۔ سمندر کی لہروں کا شور بھی واضح سنائی دے رہا تھا۔ کچھ لمحوں بعد ہی دور سے وہ طرز تعمیر کا اعلیٰ نمونہ شان و شوکت کی تصویر بنا کھڑا دکھائی دیا۔

"ہم بہت قریب ہیں۔۔" حاشر نے اس عمارت کو بہت غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یس کمانڈر!" منان نے تائید کی۔

"Turn left"!

"لائٹ ہاؤس کا اسٹاف پوری طرح سے کنٹرول میں ہے؟"

"ہاں! تین سے چار گھنٹوں تک وہ اس دنیا سے پوری طرح بے نیاز ہو چکے ہیں۔ احتیاط کے طور پر ان کے ہاتھ پیر اور منہ کو اچھی طرح

باندھ دیا ہے۔۔"

اریب نے بتایا۔

"کشتی کا رخ تبدیل ہو چکا تھا۔ وہ اندھیرے کی طرف بڑھتی جا رہی تھی۔ اچانک ہی کشتی رکی۔

"Let's Go"!

حاشر نے کہا اور تیزی سے سمندر میں کود گیا۔ جزیرے کا ساحل قریب تھا۔ اس کے پیچھے وہ حنین اور اریب بھی تیزی سے کودے تھے۔ وہ تیرتے ہوئے جزیرے کی اور جانے لگے۔ سمندر کا پانی برفیلی ٹھنڈک لیے ہوئے تھا لیکن یہ ٹھنڈ یہ برفیلی ہوائیں، برفیلا موسم ان کے لیے معمول کی بات تھی ان ہی حالات کے لیے تو ان کی تربیت کی جاتی تھی۔ وہ کچھ منٹ بعد ہی ساحل پر موجود تھے۔ جسم پر موجود واٹر پروف جیکٹس اور پینٹس کی وجہ سے ان کے جسم گیلے ہونے سے بچ گئے تھے۔ وہ تیزی سے آگے بڑھتے گئے۔ ان کی قدموں کی چاپ سننا ناممکنات میں سے تھا۔ وہ یوں ہی لمحوں میں اندھیرے کا حصہ بن چکے تھے۔ موسم کی خنک برقرار رہنے والی تھی ہواؤں کا شور ہنوز جاری تھا۔



کمرے میں شراب اور جنگلی پھولوں کی مہک کا امتزاج تھا۔ روشنی کم تھی مگر اتنی نہیں کہ دیکھنے میں مشکل ہونے لگے۔ وہ صوفے پر نیم دراز تھی۔ آنکھوں پر بازو رکھے جانے کن سوچوں میں گم تھی دفعتاً اسے سرسراہٹ محسوس ہوئی کوئی اندر داخل ہوا ہو جیسے۔ اس نے آنکھیں کھولتے بازو ہٹایا اور اٹھ بیٹھی۔ نگاہیں کمرے کے داخلی حصے پر لگے سفید جالی دار پردے کی طرف اٹھیں تھیں اسی لمحے ہی وہ پردہ ہٹاتا کمرے کے اس حصے میں آیا تھا۔ اس وقت آنکھوں پر نائٹ وژن گلاسز نہیں تھے۔

تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" ہیزیل کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں اس نے اطراف میں نگاہ گھمائی اور تیزی سے کھڑکی کی جانب بڑھنے لگی۔

"رک جائیں۔۔ ہم آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔" سیاہ رومال سے ڈھکا چہرہ اور گہری سیاہ آنکھیں۔ ہیزیل نے بغور ان آنکھوں میں دیکھا۔ وہ ایک پل کو سناٹے میں رہ گئی۔

"تم مجھے کوئی نقصان کیوں پہنچاؤ گے؟ کیا تمہیں اپنی زندگی پیاری نہیں؟ کیا تم مجھے نہیں جانتے؟ تمہاری ہمت کیسے ہوئی اس مینشن میں داخل ہونے کی؟" وہ غیض و غضب کے عالم میں اس پر چلائی تھی۔

"آواز کم رکھیں۔ آپ کی چیخ و پکار بے فائدہ ہے۔" اس نے پرسکون انداز میں کہا اور توقف کیا۔

"مجھے وہ سبز کتاب چاہیے۔"

"کون سی سبز کتاب؟" ہیزیل نے بمشکل انداز معتدل رکھتے نا سمجھی سے کہا۔

"آپ جانتی ہیں میں کس کتاب کی بات کر رہا ہوں۔۔ لائبریری میں؟"

اس نے ایک ابرو اچکاتے ہوئے پوچھا۔

"تہہ خانے میں؟ سوئمنگ پول کے نیچے؟" وہ غیر محسوس انداز میں ایک

ایک قدم آگے بڑھا رہا تھا۔

ہیزیل نے ناگواری سے سر جھٹک کر نفی میں گردن ہلائی اور اسی پل

صوفے کے اس پر بنی وسیع چوکھٹ والی کھلی کھڑکی سے نیچے کود

گئی۔ حاشر نے گہری سانس لی اور جست لگاتا خود بھی کود گیا۔ حاشر نے

ہیزیل کو فضا میں ہی اپنی گرفت میں لے لیا۔ ہیزیل نے بے یقینی سے

اس کی آنکھوں میں دیکھتے اس کے چہرے سے رومال کھینچ لیا دوسرے

ہاتھ سے اس کی شرٹ کو بھینچا تو ہائی نیک سرکی۔ اس کی گردن پر گولی کا

نشان واضح ہوا۔ حاشر کا ایک ہاتھ اس کی کمر کے گرد تھا۔ اس نے اس کی

کمر کو آزاد کرتے اس کے وجود کو کہنیوں میں جکڑ کر اس کی گردن اور سر کو اپنے ہاتھوں کے حصار میں لیا اور اپنی پیٹھ زمین کی طرف کر لی۔ وہ زوردار آواز کے ساتھ گھاس سے ڈھکی زمیں پر آکر گرے تھے۔ ہیزیل کا دل بری طرح ڈھرک رہا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ حاشر کے سینے پر تھا۔ حاشر کی دھڑکنیں معمول پر تھیں۔ حاشر نے اپنی گرفت ڈھیلی کرتے اسے آزاد کیا تو وہ جھٹکے سے اس سے دور ہوئی۔

"میرے کودنے کا مقصد خودکشی نہیں تھا یہ سمجھنے کی غلطی مت کرنا کہ تم نے میری زندگی بچائی ہے۔" وہ تلخی سے کہتی اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگی لیکن حاشر نے ہوا کی تیزی سے اس کی ہتھیلی دبوچتے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور گھنی جھاڑیوں کی آڑ میں ہوا۔ ہیزیل نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی لیکن بے سود۔

"چھوڑو مجھے۔"

"A_01"

"Yes Sir!"

"Be careful!"

"Okey!"

دوسری طرف سے آواز آئی۔

"مجھے معلوم ہے آپ خودکشی نہیں کر رہی تھیں بلکہ فرار ہونے کی کوشش کر رہی تھیں۔ اب ہاتھ پیر مارنا بند کریں۔"

"Leave me ! right now!"

"H_01"

"لیس سر!"

"ایوری تھنگ از آن ٹریک؟" حاشر نے سوال کیا

"یس سر!" دوسری طرف سے جواب آیا۔

"آپ میرے ساتھ سوئمنگ پول کے نیچے چل رہی ہیں۔"

اس نے کہتے ہوئے ایک نگاہ دور نظر آتے لائٹ ہاؤس پر ڈالی اسے کچھ

لمحے قبل وہاں کسی کی موجودگی کا گمان ہوا تھا تبھی وہ ہیزیل کو جھاڑی

میں کھینچ لایا اب کی بار کوئی نہ تھا۔ شاید اس کا وہم ہو۔

"میں کہیں نہیں چل رہی۔" اس نے اپنا ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کی

"آپ چل رہی ہیں میڈم ہیزل!"

"میرا نام ہیزیل ہے۔" اس کا لہجہ ترش تھا۔

"چلیے!" حاشر نے اس کو آگے کی طرف بھیجا۔

"جب تم جانتے تھے کہ میں فرار ہونے کی کوشش کر رہی ہوں تو تم نے مجھے کور کیوں کیا؟"

"In case!!"

"اگر نتیجہ توقع کے برعکس نکل آتا۔۔" وہ تاریک گوشے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ہیزیل اب کہ چپ چاپ آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ مختلف راستوں سے گزر رہے تھے جھاڑیاں تراشی ہوئی تھیں لیکن اتنی بڑی ضرورت تھیں کہ ایک دیو قامت بھی ان کی آڑ میں چھپ جائے تو دکھائی نہ دے۔

"یہ مطلوبہ راستہ نہیں ہے۔۔"

ہیزیل ایک طرف کو مڑی تو حاشر نے پیچھے سے اس کی کہنی تھام کر اسے مخالف سمت کی جانب جانے کا اشارہ کیا۔ ہیزیل نے رک کر اسے

ایک سخت نگاہ سے دیکھا۔ وہ پوری تیاری کے ساتھ یہاں موجود تھا۔ ڈیوٹی پر موجود آدمی نگاہوں سے اوجھل تھے۔ یہ ایک غیر متوقع صورتحال تھی ہیزیل کا دماغ تقریباً ماؤف تھا۔

"تم شیر کے بھائی ہو۔" ہیزیل نے لمحے کو رک کر اس سے کہا۔
 "مجھے تمہارے بھائی سے نفرت ہے۔" ہیزیل نے اس کے جواب نہ دینے پر دوبارہ کہا۔

"یہ اینٹیرینس کلیئر کروائیے۔" حاشر نے سنجیدگی سے ایک لوہے کے گیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ہیزیل رخ موڑ کر اس گیٹ سے ٹیک لگاتی اس کی جانب دیکھنے لگی۔ گہری چبھتی نگاہیں اس کے وجود کے گرد پھیرا دینے لگیں۔ وہ یقیناً وہی تھا جس سے وہ ایک بار پہلے مل چکی تھی۔ اس کے لہجے

میں رعب کے ساتھ ساتھ ٹھہراؤ تھا جبکہ شیر کا لہجہ جارہانہ رعب رکھتا تھا۔ یہ فرق وہ پہلی دفعہ میں ہی محسوس کر گئی تھی۔

"اور اگر نہ کرواؤں تو؟" اس کا انداز تپانے والا تھا۔
حاشر نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا اور پھر مسکرایا۔ ہیزیل کے ابرو بے اختیار اوپر اٹھے تھے۔ تو ایک چیز تھی جو شیر سے مشابہت نہیں رکھتی تھی۔ اس کی شیطانی تاثر دیتی یہ مسکراہٹ اور ہونٹ کا بائیں جانب کھنچاؤ۔
"کیا آپ کو نہیں لگتا کہ فلرٹ کرنے کے لیے یہ موقع مناسب نہیں ہے؟"

ہیزیل کا چہرہ سرخ پڑا اور آنکھوں میں غضب اترآ۔ وہ یقیناً شیر کا ہی بھائی تھا۔

"اور تمہیں نہیں لگتا کہ تم اپنے بھائی کی طرح خوش فہم اور نارسسٹ واقع ہوئے ہو؟" وہ خشک لہجے میں کہتی پلٹ کر جانے لگی حاشر تیزی سے آگے آیا۔ ہیزیل اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

"آپ کو لگتا ہے میں یہاں سے آپ کو ایسے جانے دوں گا؟ دیکھیے میڈم ! میں بغیر کسی جبر کے اپنا کام کر کے یہاں سے جلد از جلد واپس جانا چاہتا ہوں۔ سو پلیز!" اس نے گیٹ کی جانب اشارہ کرتے تحمل مگر بے حد سنجیدگی سے کہا۔ ہیزیل اسے گھورتے ہوئے گیٹ کی طرف گئی اور اسے کھولنے لگی۔ اس نے پاس کوڈ ڈالا اور ٹھک کی تیز آواز سے گیٹ کھل گیا۔

"چلیے اندر!" حاشر نے تحکم سے کہا۔

ہیزیل خاموشی سے آگے بڑھتی رہی۔ راہداری ختم ہوتے ہی سیڑھیاں شروع ہوئیں۔ وہ سیڑھیاں اترنے لگے تو حاشر نے ٹارچ کا رخ نیچے کیا۔ وہ سیڑھیاں اتر کے ایک وسیع حال میں چلے آئے۔

"خفیہ کنٹرول روم کا دروازہ کھولیے۔"

ہیزیل نے اس کی بات پر جھٹکے سے گردن گھمائی۔ اس کا دل زور سے دھڑکا۔ حلق خشک ہونے لگا۔ اسے خوف آیا ایک خدشے نے سراٹھایا۔
"میں نے کہا کنٹرول روم کا دروازہ کھولیے۔" حاشر نے پرزور لہجے میں حکم دیا۔ ہیزیل وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

"میرا وقت ضائع مت کیجیے میڈم! میں عورتوں کی عزت کرتا ہوں اور میری طبیعت گوارا نہیں کرتی کہ میں کوئی بدسلوکی کروں آپ کے ساتھ

!"حاشر نے اپنے اور اس کے بیچ کا فاصلہ ختم کرتے ایک دیوار کی طرف اشارہ کیا جو دکھنے میں سادہ دیوار تھی۔

"اور اگر میں تمہاری بات نہ مانوں!" ہیزیل نے ناگواری سے پوچھا۔ یقیناً اس کے بعد وہ اپنے باپ کے قہر سے نہیں بچ پائے گی۔

"تو پھر مجھے مجبوراً سختی کرنی پڑے گی اس امر کو نظر انداز کیے کہ آپ ایک لڑکی ہیں۔" حاشر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بے لچک انداز میں کہا۔

"اور وہ سختی کیا ہوگی؟" ہیزیل نے اس کے ٹھہرے ہوئے سمندر جیسے وجود کو دیکھتے سوال کیا۔

"تفصیلات میں نہ جائیں صرف اتنا جان لیں کہ آپ کی جان وہ سختی برداشت نہیں کر پائے گی۔ اب یہ کنٹرول روم کھولیے۔" حاشر

کے لہجے میں کچھ تھا جس نے ہیزیل کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد سی لہر پیدا کی وہ بے اختیار اس دیوار کی طرف بڑھی اور ایک مخصوص جگہ پر اپنی ہتھیلی رکھ دی۔ کچھ لمحوں بعد ہی وہ دیوار کسی دروازے کی مانند اندر کی جانب کھل گئی۔ ہیزیل اندر داخل ہوئی حاشر باہر کھڑا رہا۔

"پانچ منٹ کے اندر وہ سبز کتاب مجھے چاہیے۔ ورنہ کاؤنٹ ڈاؤن ختم ہوتے ہی آپ اندر قید ہو جائیں گی۔"

ہیزیل کا چہرہ سفید پڑا وہ جھٹکے سے پلٹ کر دوبارہ باہر آنے لگی لیکن حاشر کسی چٹان کی مانند سامنے کھڑا رہا۔ ہیزیل نے اسے پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی۔

"میرے سامنے سے ہٹو۔۔" وہ حلق کے بل چلاتی اس پر تھپڑوں کی بارش کرنے لگی۔ حاشر نے اس کی دونوں کلائیاں اپنی گرفت میں قید کرتے اسے کاندھوں سے پکڑ کر دوبارہ اندر بھیجا۔

"میں نہیں جانتی وہ کتاب کہاں رکھی ہے۔۔"

"لیکن آپ اپنے والد کے دماغ کو اچھی طرح جانتی ہیں اس لیے آپ وہ کتاب جلد ہی ڈھونڈ لیں گی۔ کتاب ڈھونڈیں۔۔ وقت ختم ہو رہا ہے۔"

حاشر نے حکم دیا۔

"پہلے وعدہ کرو مجھے یہاں چھوڑ کر نہیں جاؤ گے۔" وہ اب کے ہار ماننے والے انداز میں بولی۔

"پانچ منٹ سے پہلے آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ اس کے بعد کچھ نہیں کہا جاسکتا جلدی کیجیے۔"

حاشر کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی وہ اندر کی جانب تیزی سے
بڑھی۔ حاشر وہیں کھڑا رہا۔



شام اتنی گہری نہیں ہوئی تھی جتنی سیاہ بادلوں کے جھنڈ نے بناڈالی
تھی۔ ہواؤں کا مزاج سخت کاٹ دار بنا جسموں پر عذاب کی صورت
ڈھالے ہوئے تھا۔ ایسے سخت ترین موسم میں ایس آر مینشن کے حفاظتی
انتظامات پہلے سے مزید سخت دکھائی دے رہے تھے۔ کمانڈوز بڑے ہی
شان سے محتاط و تیار کھڑے تھے جسے ابھی کوئی آفت آن پڑی تو سر کی
بازی لگادیں۔

"میں ٹھیک ہوں تمہیں یوں بغیر بتائے مجھے یہاں نہیں لانا چاہیے تھا
۔۔" بابر خان نرم و ملائم بستر پر آرام دہ انداز میں لیٹے ہوئے بھی سر سے

پیر تک بے چین دکھائی دے رہے تھے۔ شیر وہیں سامنے سیاہ مخملی کاؤچ پر نیم دراز آسکریم کھا رہا تھا۔

"مجھے کبھی پتا نہیں چلا کہ مینگو آسکریم اتنی مزے کی ہوتی ہے۔ میں اسے بلاوجہ ناپسند کرتا رہا۔۔۔" شیر نے سرسری انداز میں کہتے ایک اور چچ منہ میں لیا۔

"میں کچھ کہہ رہا ہوں تم سے!" وہ تلخ ہوئے۔
شیر چونک کر باپ کی جانب دیکھنے لگا۔

"Stop it shuraim! Just stop the this damn dictatorship thing!"

ان کا لہجہ تلخ اور آواز اونچی تھی۔

"تم میرے باپ نہیں ہو میں تمہارا باپ ہوں۔۔"

شیر خاموش نگاہوں سے باپ کی جانب دیکھتا رہا۔ آسکریم منہ میں پگھل چکی تھی جسے ابھی تک اس نے نگلا نہیں تھا۔

"کیا تمہیں اندازہ ہے زندگی کو اپنی مرضی سے چلانے کے چکر میں۔۔ طاقت کے چکر میں۔۔ دولت کے چکر میں۔۔ تم نے سب کچھ کتنا الجھا دیا ہے؟ کیا تم نے میری زندگی کو ایک روز مرہ کا معمول سمجھا ہے جو تمہاری مرضی سے چلتی رہے گی؟ تمہاری خاطر میں نے اس ملک کو دوبارہ چنا جس نے میری زندگی کا تیا پانچہ بکھیر کر رکھ دیا تھا اس ملک میں تم کو میں ایک اچھی مگر عام سی زندگی دینا چاہتا تھا آہستہ آہستہ سب ٹھیک کرنا چاہتا تھا۔۔۔" ان کی سانس پھول گئی۔ وہ کچھ لمحے خاموش رہے پھر تلخ نگاہ شیر پر ڈالی۔

"وہ بھی میرا بیٹا تھا۔۔۔ وہ بھی میرا بیٹا ہے۔۔۔ میرا خون ہے۔۔۔ تمہیں اچھی زندگی دینے کے چکر میں۔۔۔ اسے میں نے یتیم کر دیا۔۔۔ تم نے مجھے کبھی وقت نہیں نکالنے دیا کہ میں اس پر نگاہ ڈال سکوں۔۔۔ تم نے جان بوجھ کر ہر وہ کام کیا جس سے وہ دور رہے۔۔۔ اور پھر تم نے نئی زندگی چن لی۔۔۔ مجھے پیچھے چھوڑ کر تم نئی دنیا میں چلے گئے۔۔۔ مجھ سے میری اپنی زندگی بھی چھین لی۔۔۔ مجھے موقع ہی نہیں دیا کہ میں اپنے لیے کوئی راہ ڈھونڈوں۔۔۔ یا واپس جاؤں۔۔۔ میں سمجھتا رہا کہ تمہیں اغواء کر لیا گیا ہے پر نہیں۔۔۔ تمہیں تمہاری مرضی کے خلاف لے جایا ضرور گیا تھا پر تم نے انھیں خود چنا۔۔۔ ان کو چھوڑ کر واپس نہ آنا تمہارا اپنا فیصلہ تھا۔۔۔"

باول میں آسکریم جوں کی توں پڑی تھی۔ شیریک ٹک باپ کی جانب دیکھتا رہا۔

"آپ کو اگر واپس جانا تھا۔ یا کوئی راہ ڈھونڈنی تھی تو مجھے ایک بار کہہ دیا ہوتا۔" شیر نے سرد مہری سے کہتے باول ایک طرف رکھا اور اپنا اوور کوٹ لیے اٹھ گیا۔

"وہاں آپ کو خطرہ تھا اس لیے میں آپ کو یہاں لے کر آیا ہوں۔۔ جب چاہیں بلا لیں اسے۔ مل لیں اس سے۔۔ جب وہ کسی محفوظ جگہ کا انتظام کر لے تو لے جائے آپ کو۔ میں نے کبھی کسی کو اس کی مرضی کے خلاف اپنی زندگی میں نہیں رکھا۔ میں صرف آپ کی حفاظت کر رہا تھا۔"

"کس سے؟ اپنے چنے گئے دشمنوں سے؟ جن کے ساتھ برسوں سے رہ رہے ہو۔ طاقت کی جنگ سے؟ دولت کی جنگ سے؟ شہرت کی جنگ سے؟"

"امریکیوں سے۔۔۔ جو برسوں سے آپ کی تلاش میں ہیں۔۔۔ جو آج بھی اسی پروجیکٹ پر کام کر رہے ہیں جس کو مکمل کرنے کے بعد آپ کو پاکستانیوں نے ملک بدر کر دیا تھا۔ آپ کی نوکری چھین لی گئی تھی۔۔۔ میں صرف آپ کی حفاظت کر رہا تھا۔۔۔" شیر نے آخری جملہ ٹھہر ٹھہر کر باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ادا کیا۔ بابر خان لب بھینچ کر رہ گئے یہ بھی تو زندگی کی ایک تلخ سچائی تھی اسے جیسے نظر انداز کیا جاسکتا تھا۔

"میری زندگی میری زندگی ہے اسے میں نے جیسے چاہا الجھایا۔۔۔ اور ان الجھنوں میں الجھار ہوں یا جتنی بھی زنجیروں میں جکڑا رہوں

۔۔۔ ہر زنجیر میں نے خود توڑنی ہے۔۔۔ ہر الجھن میں خود سلجھاسکتا ہوں

۔۔۔ اپنے کسی فیصلے کا اثر آپ پر کبھی نہیں آنے دیا۔۔۔ نہ آنے دوں گا

۔۔۔ آپ کے معاملات میری زندگی سے نہیں جڑے ہوئے۔۔۔ آرام کریں

-- "سنجیدگی سے کہتا وہ وہاں سے نکل گیا۔ اس کے بھاری جوتوں کی دھمک کئی لمحوں تک بابر خان کے کانوں میں گونجتی رہی یہاں تک کہ سناٹا چھا گیا۔ شیر وہاں سے نکلتا لمبی راہداری میں آیا دونوں ہاتھ کوٹ کی جیب میں اڑتا سیدھا چلتا گیا۔

ناقابلِ تسخیر

"اس رات کے پار

جو مجھے ڈھانپتی ہے۔

سیاہ گڈھوں کی طرح ہیں زخم

کھبے سے کھبے کی دوری پر

میں شکریہ ادا کرتا ہوں خدا کا

اپنی ناقابلِ تسخیر روح کے لیے۔

حالات کی گرفت میں

نہ میں نے جھکایا سر۔۔

نہ اونچی آواز میں رویا۔۔

واقعات کی تپش کے باعث

لہو لہان ہے سر میرا

مگر جھکا ہوا نہیں ہے۔۔

غضب اور آنسوؤں کی اس دنیا میں

برے سایوں کی ہولناکیاں

سالوں کی سخت تلاش سے۔۔

مجھے ڈھونڈنے آتی ہے۔۔

مگر بے خوف پاتی ہے۔۔

بے پروا ہوں۔۔

پھاٹک کی تنگی سے۔۔

سزاؤں کی سختی سے۔۔

میں اپنی قسمت کا مالک ہوں۔۔

میں اپنی روح کا کپتان ہوں۔۔

ارنیسٹ

ولیم

پینلے 1875

(ترجمہ)



نئے دن کی روشنی میں ماحول یکسر مختلف دکھائی دیتا تھا۔ بریلی ہوائیں اپنی جگہ لیکن سورج کی حدت بھی راحت بخشنے میں پوری طرح کوشاں

تھی۔ جزیرے کے بیچ بنے اس محل کی خوبصورتی کسی خواب کی مانند تھی۔ مرکزی ہال میں لگے اس جھولے پر وہ نیم دراز تھی۔ ہال میں سردی کا احساس نہیں تھا سامنے ہی آتش دان جل رہا تھا۔ ہیزیل کسی خواب سے جاگی ہوئی لگتی تھی۔ اپنے خوبصورت ہاتھوں کی انگلیوں کو دیکھتے اس نے ایک انگلی کو بغور دیکھا۔ وہاں ایک ننھی سی خراش تھی۔ رات کا ایک ایک منظر اس کی آنکھوں کے پردے پر چلنے لگا وہ سپاٹ چہرہ لیے سامنے دیکھتی رہی۔ شراب کی بوتل ویسے ہی پڑی تھی گلاس ان چھو پڑا تھا۔ دفعتاً ایک ترک نقوش کا حامل اندر داخل ہوا۔

"Hello madam"!

"کیا رپورٹ تیار ہے؟" ہیزیل کا انداز سرد تھا۔ وہ اس کی جانب نہیں دیکھ رہی تھی۔ نگاہیں سامنے خلا پر ٹکیں نادیدہ نقطے کو گھور رہی تھیں۔

"جی میڈم! رپورٹ تیار ہے۔"

ہیزیل نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بولنے کا حکم دیا۔

"وہ چار لوگ تھے۔ انھوں نے فیری رائدز کی ایک بوٹ کو کرایے پر لیا تھا لیکن ان کے سسٹم سے بوٹ کے سگنل پر اسرار طور پر غائب ہو گئے تھے جس کے باعث ان کا جزیرے کے بالکل قریب پہنچ جانا کسی کے علم میں نہ آیا۔ شک ہے کہ انھوں نے سسٹم ہیک کیا ہو گا۔ کوئی سی سی ٹی وی فوٹیج ہمارے پاس موجود نہیں ہے جن میں وہ واضح نظر آسکیں۔ یہ ایک بہت ہی چالاکی سے بنایا گیا منصوبہ تھا جسے اتفاق سے ہمارے گارڈز کی غیر موجودگی نے مزید کامیاب بنا دیا۔"

ہیزیل نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔

"In case" !

اگر نتیجہ توقع کے برعکس نکل آتا۔"

ٹھہرے ہوئے لہجے نے اس کے ذہن پر دستک دی۔ ہیزیل کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ آنکھوں کے تاثرات بدلے اس نے نچلا لب دانتوں تلے دبا لیا اور اپنی ہتھیلی کو دیکھنے لگی شیطانی مسکراہٹ اس کے ذہن کے پردے پر تازہ ہوئی۔ گردن پر گولی کا نشان۔ ابھرا ہوا سینہ۔ ایک نامحسوس سی بالکل دھیمی سی مہک! ٹھندی ہوائیں۔۔۔ کمر کے گرد مضبوط گرفت۔۔۔ سنجیدہ و سپاٹ لہجہ! بے تاثر مگر پرسکون آنکھیں۔۔۔ وہ قد کاٹھ۔۔۔ کچھ بھی تو ذہن کے پردے سے ہٹ نہیں رہا تھا۔ کیا ہوا تھا؟

وہ محل میں گھس کر اس کے باپ کی سب سے قیمتی شے چرا کر لے گیا تھا۔ وہ یقیناً اپنے باپ کے قہر سے نہیں بچ سکتی تھی اس نے خود جا کر

اپنے ہاتھوں سے وہ کتاب اسے دی تھی۔ لیکن ذہن تھا کہ کسی اور ہی دنیا کا باسی بنا ہوا تھا۔

"اس محل میں ایک انجان آدمی داخل ہو کر ایک گھنٹے تک یہاں موجود رہا تھا۔ یہ بات اگر اس سمندر کے پار گئی تو تم سب کی گردنیں کٹوا کر اسی سمندر میں پھینک دی جائیں گی۔" ہیزیل نے سامنے کھڑے شخص کی آنکھوں میں دیکھتے سختی سے کہا اور ہاتھ جھلا کر اسے جانے کا اشارہ کیا۔



چھوٹے سے کاٹیج میں نیم اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ باہر برف باری زوروں پر تھی موسم پورا زور لگائے ہوئے تھا۔ حاشر ایک طرف سر جھکائے بیٹھا تھا اس کے سامنے لیپ ٹاپ رکھا ہوا تھا جس کی اسکرین روشن تھی اور

ساتھ ہی کچھ کاغذات نظر آتے تھے۔ واپس لوٹے کافی وقت ہو گیا تھا لیکن جب سے آئے تھے خاموش تھے ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی انہیں اور منان یہاں نہیں تھے اریب کچھ فاصلے پر بیٹھا تھا ہاتھ میں کافی کا کپ تھا وہ کسی اور ہی سوچ میں گم نظر رہا تھا۔

"تو وہ انہیں لے گیا میں جانتا تھا یہی ہو گا لیکن خیر میں دیکھ لوں گا۔"

"وہ انہیں کیوں لے گیا ہو گا۔" اریب نے سوال کیا۔

"شاید وہ کچھ جتنا چاہ رہا ہے لیکن میں بھی اسی کا بھائی ہوں اور مجھے کس حال میں کس طرح رد عمل دینا ہے یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اسے کرنے دو جو کرنا چاہتا ہے۔" حاشر نے سنجیدگی سے کہا

"کمانڈر اگر آپ برا نہ مانیں تو کیا ہمیں ایک بات کہہ سکتا ہوں"

"کہو کیا کہنا چاہتے ہو" حاشر نے اہستگی سے کہا

"مجھے مسٹر شیر میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جن سے میں کہہ سکوں کہ وہ ایک منفی کردار ہیں ان کا کردار مجھے ایک الگ قسم کا تاثر دیتا ہے۔۔" اریب کے انداز میں کچھ جھجک موجود تھی۔

حاشر نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا آنکھیں پر سوچ تھیں۔
"یہ تو میں جانتا ہوں۔۔" حاشر کے انداز میں نرمی تھی جس سے اریب کو تسلی ہوئی اس نے مزید کچھ کہنا چاہا۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی آسانی سے گولڈن فاکس کو چھوڑ دیں گے یہ ایک بہت ہی غیر متوقع عمل ہے۔۔ پوری دنیا چونک گئی ہے اور 90 فیصد لوگوں کو لگتا ہے کہ یہ ایک افواہ ہے کیا آپ کو لگتا ہے کہ یہ ایک افواہ ہو سکتی ہے؟"

"اگر معاملات شیر کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں تو ان معاملات میں کچھ بھی ہو سکتا ہے وہ ہمیشہ چونکا دینے کے لیے تیار رہتا ہے اس لیے یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن یہ بھی کوئی بہت ناممکن سی بات نہیں ہے۔" ہاشم نے کچھ لمحوں کا توقف کیا اور پھر بولا

"لیکن ہم ان معاملات کی وجہ سے شیر پر سے اپنی توجہ نہیں ہٹائیں گے ہمیں اس پر بھی پوری نظر رکھنی ہے تاکہ ہمارے ٹاسک پر کوئی اثر نہ پڑے۔" حاشر نے مضبوط لہجے میں کہا اس کی آنکھوں میں عزم صاف دکھائی دیتا تھا اریب نے اس بات میں سر ہلایا

"جی آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں کمانڈر بالکل ایسا ہی ہوگا ہم اس پر بھی کڑی نظر رکھیں گے لیکن کیا آپ اپنے بابا سے ملنے نہیں جائیں گے۔" اریب کی سماعت میں وہ سسکیاں گونجی جو اریب نے اس پرانے

گودام میں سنی تھیں لیکن اس نے اپنے چہرے کے تاثرات نارمل رکھے تاکہ حاشر کچھ بھانپ نہ لے۔

"میں جاؤں گا۔ لیکن ابھی نہیں، خیر اب ہمیں سو جانا چاہیے رات بہت ہو گئی ہے آتش دان جلا دینا اب ہم صبح بات کریں گے۔ شب بخیر" حاشر نے کہا اور اٹھ کر اپنا سامان سمیٹنے لگا اپنا لیپ ٹاپ بند کیا۔ چارجر اور فون اٹھایا۔ پھر سارے کاغذات اٹھا کر ایک جانب بڑھ گیا۔ اریب خاموش نگاہوں سے اس کی پشت کو دیکھتا رہ گیا۔ یقیناً رات بہت ہو گئی تھی اور اسے نیند بھی آرہی تھی لیکن وہ کسی کی کال کا انتظار کر رہا تھا کچھ ہی لمحے گزرے تھے جب اس کا فون بجنے لگا اس نے فون کان سے لگایا اور ایک گہری سانس لی۔

"میں تمہارے ہی فون کا انتظار کر رہا تھا"

"تم کیسے ہو اریب اور باقی سب کیسے ہیں کمانڈر کے بارے میں بتاؤ؟ وہ کیسے ہیں کیا وہاں سب ٹھیک ہے؟ مشن کہاں تک پہنچا؟ میں یہ سب جانے کے لیے بہت بے تاب ہوں لیکن تم میں سے کوئی ایک بھی میرا فون نہیں اٹھاتا۔ جیسے کہ میں کبھی اس مشن کا حصہ ہی نہیں تھی کیا تمہیں نہیں لگتا یہ زیادتی ہے؟" طوبیٰ نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے تھے اریب یک دم گڑبڑا کے رہ گیا۔

"ارے ارے سانس تو لو تم تو ایک ہی منٹ میں سو سوال کر بیٹھی۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے تم نے کچھ زیادہ ہی غلط فہمیاں پال رکھی ہیں۔۔۔ تمہیں آرام کرنا چاہیے یہ تمہارے آرام کے دن ہیں۔۔۔ اور ویسے بھی ہمارے پاس اتنا وقت ہی کہاں ہے کہ ہم پل پل کی خبر تمہیں دیتے

رہیں جب مشن مکمل ہو جائے گا تب ویسے ہی تم سب کچھ جان جاؤ گی۔۔" اریب نے کہا

"اپنی بکواس بند کرو اور اپنے مشورے اپنے پاس رکھو جو پوچھا ہے اس کا جواب دو میں سب کچھ ابھی کے ابھی جانا چاہتی ہوں ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں اپنا سو فیصد دینے کے بعد یوں زخمی ہو کر بے خبر رہوں اور ہر وقت مشن کے بارے میں سوچتی رہوں کہ جانے وہاں کیا ہو رہا ہے؟ اگر ایسا ہی چلتا رہا تو میں بہت جلد پاگل ہو جاؤں گی۔ اس لیے یہی بہتر ہے کہ تم مجھے اپڈیٹ دیتے رہو اور ویسے بھی یہ میرا حق ہے۔" طوبی غصے سے آگ بگولا ہو رہی تھی اس کی آواز بھی بلند تھی اریب چونک سا گیا طوبی کا رویہ غیر متوقع تھا۔

"ارے بس بس اتنا غصہ! تم تو آگ بگولا ہوئی بیٹھی ہو۔ ایسا بھی کیا ہو گیا ہے ریلیکس ہو جاؤ۔۔۔" اریب نے ہنستے ہوئے کہا

"جو پوچھا ہے اس کا جواب دو زیادہ فضول بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے" طوبی غصے سے تپی بیٹھی تھی

"میں جانتی ہوں تم لوگ جزیرے پر گئے تھے۔۔۔"

"دیکھو طوبی! ہم ہر بات فون پر نہیں کر سکتے۔ چاہے ہمارے نمبر پر وٹیکٹڈ

ہوں اس کے باوجود بے احتیاطی کرنا ایک بڑی بھول ہو سکتی ہے اس

لیے میں ساری باتیں فون پر نہیں کر سکتا۔" اریب نے تحمل سے کہا۔

"کمانڈر کہاں ہیں۔۔۔"

"وہ ابھی کچھ دیر پہلے یہاں سے اٹھ کر سونے کے لیے گئے ہیں۔۔۔ کیا

میں فون ان کے پاس لے جاؤں۔۔۔" ارے اب میں مسکراہٹ دبائی۔

"کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے اور ویسے بھی میں ان سے بات نہیں کرنا چاہتی۔" طوبیٰ نے چڑ کر کہا۔

"تو پھر جا کر سو جاؤ اور ہاں میری ایک بات یاد رکھو تم چھٹیوں پر ہو اس لیے تمہیں چاہیے کہ تم آرام کرو اور ان ساری چیزوں کو ایک طرف کر دو۔ پر سکون رہو اپنا خیال رکھو یہاں تک کہ تم پوری طرح ٹھیک نہ ہو۔ جاؤ یہی کمانڈر چاہتے ہیں اس لیے انہوں نے ہم سب کو تم سے رابطہ کرنے سے منع کیا ہے لیکن تم نہیں سمجھتی اور یہ بات کمانڈر بھی جانتے ہیں۔"

"کمانڈر کیا جانتے ہیں" توبہ نے فوراً سے کہا۔

"یہی کہ تم فون کرنے کے لیے ہم تینوں کو دھمکاتی ہو۔" اریب نے کہا

"انہیں یہ بات کس نے بتائی؟" طوبیٰ کی آواز حلق میں پھنس گئی تھی۔ اریب بے اختیار ہنس دیا۔

"تم کیوں ہنس رہے ہو؟ کیا تم میرا مذاق اڑا رہے ہو کیا سچ میں کمانڈر یہ بات جانتے ہیں۔۔ کیسے دوست ہو تم لوگ؟ تم لوگوں سے تو بہتر تھا کہ میرا کوئی دوست نہ ہوتا۔۔ مر جاؤ۔۔ بھاڑ میں جاؤ میں اب فون نہیں کروں گی اللہ حافظ۔۔" اس نے غصے سے چیختے ہوئے فون بند کر دیا۔ اریب ہنستا چلا گیا

"کس سے بات کر رہے تھے" اسی وقت حاشر ہاتھ میں کافی کا کپ لیے وہاں آیا چہرے پر سوالیہ نشان تھا

"وہ۔۔ میں۔۔ کمانڈر" اریب گڑ بڑا گیا

حاشر اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا وہ سمجھ چکا تھا لیکن پھر بھی اس کے منہ سے یہ سننا چاہتا تھا۔

"ہاں بولو میں سن رہا ہوں۔۔" حاشر نے اشارہ کیا۔

"دراصل کمانڈر وہ طوبیٰ تھی۔" عریب نے سر جھکائے کہا۔

حاشر کے دل میں گٹھان سی بنی تھی لیکن چہرہ بے تاثر رہا آنکھیں چھوٹی کیے وہ بغور اریب کو دیکھتا رہا اور پھر ایک ابرو چکائی۔

"بتاؤ"

"وہ مشن کے بارے میں جاننا چاہ رہی تھی۔"

"کیا میں نے منع نہیں کیا تھا کہ کوئی اس سے رابطہ نہیں کرے گا۔" حاشر نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

اریب کا چہرہ سرخ پڑا وہ بے حد شرمندہ ہوا اس کا جی چاہا کہ ابھی زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے یہ تیسری دفعہ تھا۔

"میں معافی چاہتا ہوں کمانڈر" اریب منمنایا۔

"ہم یہاں دوستیاں نبھانے نہیں آئے۔۔ اور اس طرح کی بے وقوفی تو ہم بالکل بھی افورڈ نہیں کر سکتے میں تمہیں کئی دفعہ سمجھا چکا ہوں کہ ہمیں اپنے فرشتوں سے بھی یہ باتیں نہیں کرنی کہ ہم کب کیا کر رہے ہیں۔۔ کجا کہ فون پر سات سمندر پار بیٹھے دوست کو ہر بات بتانا۔ کیا تم معاملے کی سنگینی کو نہیں سمجھتے؟ کیا تم چھوٹے بچے ہو؟ یا تمہیں یہ سب کچھ مذاق لگتا ہے۔۔" حاشر کا انداز سخت تھا لیکن آواز اونچی نہیں تھی اریب کا سر جھکتا چلا گیا۔

"اگر آئندہ میں نے تمہیں اس طرح کی کسی حرکت میں ملوث پایا تو میں ایک منٹ نہیں لگاؤں گا تمہیں دوبارہ پاکستان بھیجنے میں۔" حاشر وہیں کاؤنٹر پر کپ رکھ کر پلٹ گیا۔

"سونے سے قبل برتن دھولینا۔" حاشر نے کہا اور کمرے کا گیٹ بند کر دیا اریب نے سکھ کی سانس لی اور اپنے تاثرات نارمل رکھنا چاہے اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا اگر حاشر نے یہ بات کہہ دی تھی تو کوئی بعید نہیں تھی کہ وہ یہ کر گزرے۔ اسے اب محتاط رہنا ہوگا۔ اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے طوبی کا نمبر بلاک کیا اور فون ایک طرف پھینکنے کے انداز میں رکھا۔ یہ مشن اس کے لیے بہت اہم تھا۔ اس کے کریئر کا سب سے اہم اور سب سے خاص مشن۔ وہ اس سے دستبردار نہیں ہو سکتا تھا۔ کسی صورت نہیں۔ اس نے دل میں خود سے وعدہ کیا کہ اب

دوبارہ کبھی طوبیٰ سے رابطہ نہیں کرے گا کم از کم تب تک نہیں جب تک یہ مشن جاری رہے گا۔ اور پھر کچن کی طرف بڑھ گیا۔



اسلام آباد کا پوش علاقہ تھا۔ عالیشان کوٹھیاں ایک قطار میں کھڑی تھیں جبکہ دوسری طرف درخت قطار میں لگے تھے۔ چھوٹی بڑی جھاڑیاں تراشی ہوئی تھیں۔ وہیں ایک طرف وہ اپنی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ان کوٹھیوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ آنکھوں میں تجسس کا جہاں آباد تھا۔ اس نے سرمئی شال اوڑھ رکھی تھی۔ بال تازہ کٹے ہوئے لگتے تھے۔ چہرے پر ہلکا پلکا میک اپ تھا۔

"سننے میں آیا ہے کہ وہ خفیہ طور پر شادی شدہ ہے۔" اس کی سماعت میں ایک آواز گونجی اس کا دل چند لمحوں کے لیے رک سا گیا۔ پھر اس

نے گہری سانس لی اور کھڑکی کے پار دیکھنے لگی۔ وہ یہی علاقہ تھا۔ انہی کوٹھیوں میں سے کوئی ایک کوٹھی تھی جس میں حاشر کی زندگی کا ایک راز چھپا تھا جو وہ نہیں جانتی تھی لیکن جاننا چاہتی تھی۔ اسے اپنے باپ کی بات پر یقین نہیں تھا لیکن وہ انہیں پوری طرح جھٹلا بھی نہیں سکتی تھی۔

"میں تمہیں مزید کچھ نہیں بتا سکتا یہ ساری باتیں تمہیں وہی بتائے تو بہتر ہو گا۔" برگیڈیر کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

اس نے ایک گہری سانس لی اور سر سیٹ کے پشت سے ٹکا دیا۔ کافی دیر اسی حالت میں بیٹھی کچھ سوچتی رہی پھر سر اٹھا کر کھڑکی کے پار جھانکا اور بری طرح چونکی۔ ایک گیٹ سے باوردی کمانڈو باہر آیا۔ طوبی نے اپنی واکنگ اسٹک پکڑی اور کار سے باہر نکل آئی۔ وہ اسے پہچانتی تھی۔ اسے وہ

پہلے کہیں دفعہ حاشر کے آس پاس دیکھ چکی تھی۔ اسی اثنا میں اس کمانڈو کی نگاہ بھی طوبیٰ پر پڑ چکی تھی۔ اس نے طوبیٰ کو اپنی جانب بڑھتے دیکھا تو وہیں کھڑا رہا۔

"اسلام و علیکم!" طوبیٰ نے نرمی سے کہا۔
"وعلیکم اسلام کیپٹن!" وہ بادب سا سر جھکائے کھڑا تھا۔
"کیا یہ کمانڈر حاشر کا گھر ہے؟" طوبیٰ نے بغیر کسی تمہید کے سوال کر ڈالا۔ ایک لمحے کو سامنے کھڑا فوجی متذبذب ہوا پھر آہستگی سے اثبات میں گردن ہلائی۔ طوبیٰ نے گردن گھما کر اس کو ٹھٹی کو دیکھا۔ وہ کو ٹھٹی سفید اور سرمئی امتزاج میں بڑے ہی نفیس اور اعلیٰ ذوق کی تسکین عمل میں تعمیر کی گئی تھی۔ لان میں باہر اونچے درخت تھے۔

"آپ کس سے ملنا چاہتی ہیں؟"

"مجھے ان کی والدہ سے ملنا ہے۔ مجھے پروفیسر عبید نے بھیجا ہے۔"

"آپ اندر جاسکتی ہیں۔" کمانڈو نے باادب انداز میں کہا۔ طوبیٰ کا دل اس پل بے اختیار دھڑک اٹھا۔ وہ آہستگی سے سر ہلا کر دروازے کی جانب بڑھنے لگی اس کے قدم سست تھے اور اب بھی متذبذب تھی۔

اندر داخل ہوتے ہی اس کی پہلی نظر پورچ میں کھڑی سیاہ ہائی لیکس پر پڑی لان میں خوبصورتی سے کیاریاں لگائی گئی تھیں خوبصورت بیل دیواروں سے لپٹی ہوئی تھیں۔ وہ یوں ہی آگے بڑھتی رہی یہاں تک کہ داخلی دروازہ آن پہنچا۔ اس نے بیل پر ہاتھ رکھا تو اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ چند لمحوں بعد ہی ایک ادھیڑ عمر ملازمہ نے دروازہ کھولا اور سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا اس کی آنکھوں میں حیرانگی اور تعجب تھا یقیناً یہ ایک غیر متوقع بات تھی۔

"کیا میں اندر آ سکتی ہوں۔۔" طوبیٰ نے سوال کیا۔

"جی آ جائیے آپ کو کس سے ملنا ہے؟" ادھیڑ عمر ملازمہ ایک طرف

ہوتے ہوئے بولی

"مجھے مسز عظمیٰ سے ملنا ہے۔" طوبیٰ میں نے جواب دیا۔ ملازمہ نے

حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ پھر ایک جانب بڑھ گئی۔ بیرونی سجاوٹ

کی طرح اندرونی سجاوٹ بھی پر تعیش اور نفیس ذوق کی مثال تھی گہرے

سبز رنگ کے پردے اور اسی رنگ کے صوفوں سے ہال کو سجایا گیا

تھا۔ دیواروں پر خوبصورت پینٹنگز تھیں۔ اس کی اسٹک سے پیدا ہونے والی

آواز اس خاموشی میں گونج رہی تھی۔ ایک طرف سے ایک جوان لڑکی

ہال میں آئی۔ طوبیٰ نے اسے بغور دیکھا وہ جامنی رنگ کی سلک شرٹ

میں ملبوس تھی۔ بال اونچی پونی میں بندھے تھے۔ چہرے پر ہلکا پھلکا میک

اپ تھا۔ وہ ایک پیاری لڑکی تھی۔ خوشگوار اور نفیس تاثر دیتی ہوئی خوش لباس اور خوب رو لڑکی۔

"پلیز بیٹھ جائیے۔" اس لڑکی نے مہذب انداز میں کہا۔

"شکریہ" طوبی کہہ کر صوفوں کی جانب بڑھی۔ اس لڑکی کی آنکھوں میں اجنبیت کا تاثر تھا لیکن وہ اسے نہیں پہچانتی تھی اور یہی حال طوبی کا تھا۔
"میں کیپٹن طوبی ہوں۔ کمانڈر حاشر کی ساتھی۔"

یہ سننا تھا کہ اس لڑکی کے چہرے کا رنگ بدل گیا وہ حد سے زیادہ پرجوش ناقابل یقین حد تک مضطرب نظر آنے لگی۔ طوبی کے دل کو کچھ ہوا یہ تاثرات عام سے تو نہیں تھے۔ ایک طرف سے ویل چیئر کے پھیوں کی آواز آئی۔

"بہو کیا شیری آگیا؟ کیا میرا شیری آگیا؟" وہ کہتی ہوئیں ہال میں داخل ہوئیں۔ یہ سنتے ہی طوبیٰ کا دل اربوں ٹکڑوں میں ٹوٹ کر بکھر گیا اس کا ذہن ماؤف ہونے لگا چہرے کا رنگ اتر گیا۔ آنکھیں نم ہونے لگیں۔ ہاتھوں میں عجب سی کپکپی طاری ہوئی۔

"نہیں نہیں یہ شیری نہیں۔۔۔ بلکہ ان کی کوئی ساتھی ہیں۔۔۔" اس لڑکی نے کہتے ہوئے قدم چیر پر بیٹھی خاتون کی جانب بڑھائے پر نگاہیں طوبیٰ کی حالت کا جائزہ لے رہی تھیں اسے سمجھنے میں ایک پل بھی نہ لگا اس کی حالت کی وجہ کیا تھی۔

"ان سے ملیں۔۔۔ یہ کیپٹن طوبیٰ ہیں۔۔۔" اس لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا طوبیٰ نے بمشکل مسکرانے کی کوشش کی۔

"یہ کمانڈر کو شیریں کہتی ہیں۔۔" اس لڑکی نے مسکراتے ہوئے وضاحت کی طوبیٰ نے فقط سر ہلادیا۔

"اپ یقیناً کمانڈر صاحب کے ساتھ تھیں؟ وہ کیسے ہیں؟" اس لڑکی نے فکر مندی سے پوچھا۔

"وہ ٹھیک ہیں۔" طوبیٰ فقط اتنا ہی کہہ سکی۔ اس کا سینہ بری طرح جل رہا تھا اندر ایک عجیب قسم کی دہک تھی جسے وہ کوئی نام نہیں دے پا رہی تھی۔

"دراصل میں یہ خط دینے آئی تھی۔"

"کیا؟ کیا یہ کمانڈر صاحب نے دیا ہے؟ کچھ دن قبل ہماری بات ہوئی تھی بتایا نہیں کہ کوئی خط آنے والا ہے۔۔ وہ انھیں خط لکھتے ہیں کیوں کہ یہ

خطوط کی منتظر رہتی ہیں۔۔۔" لڑکی مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے خط لے لیا۔

"دیکھیں آپ کے شیری کا خط آیا ہے۔۔"

"فون تو کرتے ہیں لیکن بہت مختصر گفتگو ہوتی ہے۔۔ اس لیے ہم صرف خط کا انتظار کرتے ہیں کیونکہ خط میں وہ تفصیل سے بات کر لیتے ہیں۔۔" اس لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ طوبیٰ نے فقط آہستگی سے سر ہلا دیا۔ کاش وہ یہ خط کھول کر پڑھ لیتی۔ کاش وہ اخلاقیات کا خیال نہ کرتی۔ یہ اہانت یہ تکلیف یہ احساس یوں اس جگہ اس گھر میں جھیلنا ایک ناقابل برداشت احساس تھا۔ اسے کپکپاہٹ چھپانے کو بہت جتن کرنے پڑ رہے تھے۔ حاشر کے لیے اس کے دل میں ہزاروں جذبے ہزاروں شکوے جنم لے رہے تھے۔ وہ اسے کبھی معاف نہیں کرے گی۔

"میں چلتی ہوں۔۔ میں صرف یہ خط دینے آئی تھی۔" طوبی اٹھنے لگی۔
"ارے! اتنی جلدی! بیٹھیں ناں۔۔ کچھ لیجیے۔۔ چائے بس آتی ہی ہوگی
۔۔" اس لڑکی نے تیزی سے کہا۔

"نہیں! مجھے کہیں اور بھی جانا ہے۔ جلدی میں ہوں۔۔ پھر کبھی! ان شاء
اللہ۔۔" وہ کہہ کر اٹھنے لگی۔ اس لڑکی نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف
دیکھا۔

"پھر ضرور آئیے گا۔۔ مجھے تو لگا ڈھیر ساری باتیں ہوں گی۔۔ پر آپ تو
اتنی جلدی جارہی ہیں۔۔" اس نے جیسے شکوہ کیا ہو۔ طوبی نے زبردستی کی
مسکراہٹ لبوں پر سجائی۔

"پھر کبھی !" وہ کہہ کر باہر کی طرف بڑھنے لگی۔ وہیل چیئر پر بیٹھی
عظمیٰ خاتون ٹکٹکی باندھے اسے لنگڑاتے ہوئے چلتا دیکھتی رہیں پھر سر اٹھا
کر اس لڑکی کو دیکھا۔

"شیری نہیں آیا؟"

"آجائے گا۔" وہ مسکرائی اور وہیل چیئر گھسیٹتی ایک جانب بڑھنے
لگی۔ طوبیٰ کو یہ چند قدم بہت بھاری لگ رہے تھے۔ وہ خود کو گھسیٹتے ہوئے
باہر لائی اور ڈرائیور کو اشارہ کیا۔ ڈرائیور نے گاڑی ریورس کی اور اس کے
سامنے لاکھڑی کی پھر تیزی سے باہر نکل کر اس کے لیے دروازہ
کھولا۔ طوبیٰ گرنے کے انداز میں گاڑی پر سوار ہوئی اور سر سیٹ کی پشت
سے ٹکا دیا۔ کب سے رکے آنسو بے اختیار اس کی آنکھوں سے بہنے
لگے۔ اس کے خوابوں کا نگر ایک بڑے ہی بے رحم طوفان کی زد میں

آکر برباد ہو گیا تھا۔ اس کا دل چاہا پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ اتنا روئے کہ سینہ پھٹ جائے۔ اتنا چیخے کہ اس کی چیخیں اس کی سماعت چھین لیں۔ اتنا چیخے کہ اس کی چیخیں اس کے ذہن کے پرچے اڑا دے۔ اس کی یادداشت پر درج ہر وہ لمحہ جو حاشیہ کی سنگت میں اس کی چاہت کے دم پر سجا ہوا تھا۔ ہر ایک پنہ اس کے آنسوؤں کی نمی سے دھل جائے۔ اس کی یادداشت سے ایک ایک لمحہ مٹ جائے۔ کاش! کاش اس کا چہرہ اس کی آواز۔ اس کی موجودگی کا احساس! سب کچھ۔۔ سب کچھ اس کے دل و دماغ پر سے ہٹ جائے۔ کاش!

آنسو تواتر سے بہہ کر اس کا چہرہ یہاں تک کہ اس کی گردن تک بھگو رہے تھے۔



موسم بلا کا ظالم بنا ہوا تھا تیز طوفانی ہوائیں ساتھ ہی برف باری کا طوفان۔ آتش دان کی گرمی تک اس ہڈیاں جمادینے والی سردی کو کم کرنے میں ناکام تھی۔ حاشر کمرے میں لیپ ٹاپ پر جھکا کچھ دیکھ رہا تھا جب اسکرین پر ایک نوٹیفکیشن نمودار ہوا۔ وہ ایک ای میل تھی۔ حاشر نے آنکھیں سکیڑ کر دیکھا پھر بے اختیار اعصاب ڈھیلے پڑے۔ وہ طوبیٰ کی ای میل تھی۔ اس نے فوراً ہی اسے کھولا اور اسکرین کے قریب جھکا۔

"میرے خوبصورت انتظار کو سراب میں بدلنے کے لیے

میرے معصوم خواب کی تعبیر اجاڑنے کے لیے۔

میرے پر خلوص جذبوں کی پارسائی کا مذاق بنانے کے لیے۔

میرے بے اختیار۔۔ لاشعوری احساسات کو جانتے بوجھتے ان کو پلتے پھولتے دیکھتے ان سے پوری طرح واقف ہوتے ہوئے ان کی معصومیت سے کھیلنے کا شکریہ !

میں نے زندگی میں جتنی زیادہ عقیدت و احترام آپ کی شخصیت سے رکھا تھا ان پر مجھے پچھتاوا تو نہیں ہے لیکن ایک خلش ضرور ہے کہ کاش آپ مجھے میری زندگی میں کبھی ملے ہی نہ ہوتے۔۔

لیکن خیر! اب بھی وقت ہے۔۔ میں فرض کر لوں گی کہ کمانڈر حاشر خان نامی شخص کبھی میری زندگی سے ٹکرایا ہی نہیں تھا۔۔ مجھے کبھی حاشر نامی شخص سے محبت ہوئی ہی نہیں تھی۔۔ وہ صرف ایک خواب تھا۔۔ اور اب میں جاگ گئی ہوں۔۔ اللہ کبھی دوبارہ آپ کو میرے سامنے نہ لائے۔"

اس جملے کو پڑھتے حاشر کا چہرہ سفید پڑا اس نے اسکرین پیچھے کی۔

اللہ حافظ ! خدا آپ کو اپنی امان میں رکھے۔"

آخری جملہ پڑھتے ہی حاشر نے لیپ ٹاپ بند کر دیا اور خالی خالی نگاہوں سے کمرے کی چیزوں کو دیکھتا رہا۔ اس کا دل تھم سا گیا تھا سانسوں کی رفتار کم تھی۔

"کیا ہوا تھا؟" اس نے کچھ سوچتے اپنا فون اٹھایا پھر وقت دیکھا۔ رات کے ایک بج رہے تھے یعنی پاکستان میں رات کے تین بج رہے ہیں لیکن میل ابھی آئی ہے تو یقیناً وہ جاگ رہی تھی۔ اس نے طوبیٰ کا نمبر ملا یا۔ نمبر بند تھا۔ حاشر نے لب بھینچ لیے اور سر صوفے کی پشت سے ٹکا دیا۔ پورے وجود میں بے چینی کی ایک لہر نے جنم لیا تھا۔



جنت شارجه کے ایک معروف ہوٹل میں رہائش پذیر تھی۔ وہ کئی دن سے دفتر نہیں گئی تھی۔ شیر کی علیحدگی کے اعلان کے بعد وہ چھٹیوں پر آگئی تھی تاکہ کچھ دیر دفتر دفتری معاملات سے دور رہ کر حالات کا جائزہ لے سکے اور شیر سے رابطہ ہونے تک خود کو ان معاملات سے دور رکھے۔ لیکن اس کا شیر سے رابطہ نہیں ہو سکا تھا وجہ جو بھی ہو لیکن اسے اب کی بار معاملات انتہائی حد تک سنجیدہ اور ناقابل یقین لگ رہے تھے اس کی سیکرٹری نے اس کی طرف سے مطمئن ہو کر اس کے حصے کا کام سنبھال لیا تھا اور وہ فی الوقت خود کو نظر بند کیے ہوئے تھی اپنے کمرے میں موجود وہ اس وقت لیپ ٹاپ پر ایک آرٹیکل پڑھ رہی تھی تب ہی اس کا فون بجنے لگا اسکرین پر ایلینا کا نام پڑھ کر اس نے گہری سانس لی وہ کبھی کبھار ہی فون کیا کرتی تھی۔ جانے کیوں ان کا رابطہ وقت کے ساتھ

ساتھ ختم ہو چکا تھا ایلیا اب دیگر ممالک میں پائی جاتی تھی اس لحاظ سے اس کی مصروفیات مختلف تھی جنت نے فون اٹھا کر کان سے لگایا اور سلام کیا

"کیسی ہو ایلی؟ بڑے دنوں بعد یاد کیا؟"

میں ٹھیک ہوں۔۔ تم کیسی ہو تمہارے والد کو سن کر بہت افسوس ہوا۔۔ کب اچانک کس طرح حالات بدل گئے پتا ہی نہیں چلا۔۔ مجھے کچھ روز قبل ہی معلوم ہوا اور میں یقین نہیں کر پائی۔۔ تم ٹھیک ہو۔۔ سنا ہے تم شارجہ کے آفس میں ہو۔۔ اور اپنے بابا کی سیٹ سنبھال رہی ہو۔۔ کیا سب ٹھیک ہے؟ میں نے تو سنا ہے ہیڈ کوارٹر میں کچھ ہوا ہے۔۔ جس کی وجہ سے خبروں میں ایس ار کی علیحدگی کی خبریں چل رہی ہیں کیا یہ

سچ ہے تم آج کل کہاں ہو؟ کیا شارجہ میں ہو؟" ایللی نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے

تھے اور جنت کئی لمحوں تک کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ کچھ لمحے خاموشی میں گزر گئے پھر جنت نے ایک گہری سانس لی اور کہا۔
 "ہاں ایللی میں ٹھیک ہوں۔ ہاں کچھ عرصے تک تو میں سنبھال رہی تھی
 آفس لیکن فی الحال چھٹیوں پر ہوں اور ہیڈ کوارٹر کے حوالے سے ابھی
 تک تو میں کسی خبر پر یقین نہیں کر پائی۔"

"I met a monster.. when I was a child" ...

جنت نے جھٹکے سے گردن اٹھائی وہ شیر کی آواز تھی۔ اسکرین پر گھنٹے
 سے چلتی خبروں نے اس کی توجہ نہیں کھینچی تھی لیکن یہ آواز تو اسے
 گہری سے گہری نیند سے جگانے کی طاقت رکھتی تھی۔

"میں تم میں تم سے پھر بات کروں گی" اس نے کہہ کر فون بند کر دیا اور اپنی ساری توجہ اسکرین پر مرکوز کر دی۔

"He was very impressive! I really got impressed"...

(وہ بہت متاثر کن تھا، میں متاثر ہو گیا۔۔۔)
اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ وجہیہ چہرہ پر اعتماد تھا آنکھیں چمک سے بھرپور تھیں۔ وہ پریشان نہیں لگ رہا تھا۔

"He was powerful yet a devil! I wanted the power too but not the devil!"

"وہ بہت وہ بہت طاقتور تھا اور ساتھ ہی شیطان بھی۔۔ میں بھی طاقتور ہونا چاہتا تھا لیکن شیطان نہیں۔۔"

"He earn with devil.. he lived with devil.. he worked with devil.. but I did not.. I just worked with my brain... my power... my honesty.. my rules...

"اس نے شیطان کے ساتھ کمایا شیطان کے ساتھ رہا شیطان کے ساتھ کام کیا لیکن میں نے نہیں میں نے اپنے دماغ کے ساتھ کام کیا اپنی طاقت کے ساتھ کیا اپنے ایمانداری کے ساتھ کیا اور اپنے اصولوں کے ساتھ کیا۔۔۔"

but I did not show off... Because I didn't have enough time to get the approval from devil... It was not needed for me ... I do not fair anyone but Allah"...

"اوپر میں نے ظاہر نہیں کیا دکھاوا نہیں کیا کیونکہ مجھے شیطان کی طرف سے اس کی حمایت کی ضرورت نہیں تھی میں کسی سے نہیں ڈرتا سوائے اللہ کے۔"

اس نے توقف کرتے کرسی کی پشت سے ٹیک لگایا اور مسکرایا۔

"And they finally discovered this fact...now they do not want me anymore...I never harmed him and not gonna ever....but they don't know golden fox is nothing without sher! And SR can stand out alone! And still can achieve the world"...

"اور اب آخر کار انھیں یہ بات پتا چل گئی۔ تو اب وہ مجھے اپنے ساتھ نہیں چاہتے۔ میں نے کبھی انھیں نقصان نہیں پہنچایا۔۔۔ نہ کبھی پہنچاؤں

گا۔ وہ یہ نہیں جانتے گولڈن فاکس شیر کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے۔۔ لیکن شیر اکیلا بھی کھڑا ہو تو پوری دنیا فتح کر سکتا ہے۔۔"

اس نے ایک معصوم مسکراہٹ کے ساتھ یہ جملہ مکمل کیا اور مائک پیچھے کھسکایا۔ جنت یک ٹک اسکرین کو گھور رہی تھی۔ جانے کیا ہونے والا تھا۔ سب کچھ غیر یقینی سا تھا۔



قدیم طرز پر بنا یہ سیاہی مائل محل سیاہی کا ٹھکانہ لگتا تھا۔ حد نگاہ تک پھیلی ہوئی جھاڑیوں میں گھرا ہوا احاطہ اور دور دور تک پھیلی پتھریلی روشیں اور ان کے کنارے لگی اسٹریٹ لائٹ جو اس گہرے اندھیرے کو کم کرنے میں ناکام تھیں۔ ایک عجیب سی وحشت کا عالم تھا۔ الووں کی آوازیں دور دور سے سنائی دے رہی تھیں۔ اسی محل کے کسی طویل ہال میں یہودی

تاجروں کی محفل سچی تھی جن میں گولڈن فاکس بھی شامل تھا۔ ایک طرف صوفے پر بیٹھا گہری سوچ میں گم نظر آ رہا تھا۔

"کہاں گئیں وہ باتیں؟ کہاں گیا وہ یقین؟ تم نے تو کہا تھا کہ وہ لوٹ کر آئے گا۔ مصلحت کی بات کرے گا تم دونوں کی صلح ہو جائے گی۔ کاروبار کے معاملے میں بہت حساس ہے۔ یہ ہے اس کی حساسیت۔ یہ ہے اس کی سنجیدگی۔ تم سے قبل اس نے ساری دنیا میں یہ اعلان کر دیا ہے یہ ایک کھلی مخالفت کا اعلان ہے۔ یہاں تک کہ اس نے تمہیں شیطان قرار دے دیا ہے اب اور کیا باقی رہ گیا ہے گولڈن؟" ڈیمن سان بہت غصے میں لگ رہا تھا۔

"اب میں اور انتظار نہیں کروں گا یہ لڑکا مجھے شروع سے زہر لگتا تھا مجھے ہمیشہ سے اسی بات کا ڈر تھا اور ایک تم تھے جو اسے ہر راز سے آگاہ کر رہے تھے۔" اس نے جلالی انداز اپنایا۔

"اسے اپنانے کا فیصلہ میرا اپنا تھا اور میرے فیصلے کبھی غلط نہیں ہوئے پر اس بار۔" گولڈن نے ٹھنڈی آہ بھر کر سر صوفی کی پشت سے ٹکا دیا۔

"اور کچھ مت کہو ہم سب سمجھتے ہیں۔۔۔" ان میں سے ایک نے کہا وہ مزاج کا کچھ نارمل لگ رہا تھا۔

اس بار کی پریئر سیر منی کو تم سنبھالو باقی اس لڑکے کو ہم سنبھال لیں گے۔" یوسف نے متحکم انداز میں کہا۔ گولڈن نے گردن اٹھا کر اس کی

جانب دیکھا اس کی آنکھوں میں ایک عجب سا احساس دکھائی دے رہا تھا جسے کوئی نام دینا مشکل تھا وہ کچھ بھی نہ بولا اور وہاں سے اٹھ گیا۔

"کیا تم نے سنا گولڈن اس دفعہ ساری ذمہ داری تم پر ہے۔۔۔" اس نے پھر کہا اب کی بار انداز سخت تھا۔

"ہاں میں نے سن لیا اب میں چلتا ہوں۔" گولڈن نے کہا اور اپنا لونگ کوٹ پہنتا وہاں سے چلا گیا۔ اس کے پیچھے ایک سنگین سناٹا سا چھا گیا تھا۔

"ہم روس کی سب سے بڑی سطانک تنظیم کے مالک ہیں لیکن اس شخص کی بے وقوفی نے ہمیں سرکس کا جو کر بنا کر رکھ دیا ہے۔۔ اور اب وقت آگیا ہے کہ ہم اس اسلام زادے کی ساری کی ساری اکڑ نکال کر اسے عبرت کا ایک نشان بنا دیں۔" ڈیمن سان نے نفرت انگیز لہجے میں کہا۔

"ہم اسے کسی لائق نہیں چھوڑیں گے۔" جیری نے مٹھیاں پھینکتے ہوئے کہا۔

"اب پتہ کرو کہ اس کا باپ کہاں ہے اس نے اپنے باپ کو جہاں بھی رکھا ہے اسے وہاں سے ڈھونڈ نکالو گولڈن کی کمپنی کے اہم افراد کی لسٹ نکالو اور ایسے افراد مجھے لا کر دو جو شیر کے قریب رہ چکے ہوں۔"

"ڈینیل۔ ڈینیل کو لے کر آؤ سب سے پہلے۔" جیری نے کہا

"بالکل ٹھیک سوچا تم نے وہ لڑکا 24 گھنٹے اس شاطر انسان کے ساتھ رہتا ہے۔ یقیناً بہت کچھ جانتا ہوگا۔" لوسیفر نے تائید کی۔ منصوبہ بنتا گیا۔ اس اس سے رات میں فضاؤں کی ٹھنڈک اور رات کی وحشت ان کے شیطانی دماغ کی ساری تدبیروں کے گواہ بن رہے تھے۔



"تو اس کا نام حاشر ہے۔۔ حاشر بابر خان۔۔" ہیزیل اپنے آئی پیڈ پر انگلیاں چلاتی بڑبڑائی۔ چہرہ کچھ کھلا کھلا سا لگتا تھا۔ بے فکری سے پلنگ پر نیم دراز تھی۔

"کتنی عجیب بات ہے میں نے آج سے کبھی کسی میں اتنی دلچسپی نہیں لی۔۔ ضرورت کے بغیر۔۔ کسی فائدے کے بغیر۔۔ کسی مطلب کے بغیر۔۔ اس شخص میں کچھ تھا جو آج سے پہلے کبھی کسی مرد میں مجھے نظر نہیں آیا وہ کیا تھا۔۔؟" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

"اے حسین شخص میں اب تمہیں کہاں ڈھونڈوں۔۔"

تمہاری آنکھیں۔۔

تمہاری آنکھوں میں وہ سب کچھ ہے جس کے لیے میری روح ترستی ہے۔۔

تمہارے حصار میں وہ چند لمحے۔۔

مجھے تمام عمر کے خساروں سے دور لے گئے تھے۔۔

وہ لمحے کتنے عجیب تھے۔۔

اپنے مختصر سی حیات میں میری روح کو تاحیاتی کا احساس دے گئے۔"
وہ من ہی من میں حاشر سے مخاطب تھی۔ دفعتاً محل کی چھت پر ہیلی
کاپٹر کی گن گرج سنائی دی وہ جھٹکے سے سیدھی ہوئی اس کا چہرہ سفید سا
پڑنے لگا۔

"Oh my Goodness"!

وہ بے اختیار چیخ اٹھی اور دوڑتی ہوئی کھڑکی کے پاس پہنچی۔ یقیناً وہ ڈیڈ
تھے۔ اس کی روح کانپ اٹھی۔

"ڈیڈ کو کبھی نہ کبھی معلوم پڑنا تھا وہ یہ بات جانتی تھی۔ لیکن وہ لمحہ اتنی جلدی آجائے گا اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ وہ تیزی سے کمرے کے باہر کی طرف گئی۔ قدم راہداری کی جانب بڑھنے لگے۔ گھبرائی ہوئی تیز تیز چل رہی تھی۔ ہڑبڑی میں اس نے لفٹ کے بجائے سیڑھیوں کی طرف اپنا رخ کیا اور بھاگتے ہوئے سیڑھیاں اترنے لگی وہ جوں ہی ہال میں پہنچی باہر سے گولڈن فاکس اندر کی جانب آتا دکھائی دیا۔

"آپ یہاں کیسے؟ اتنی اچانک اطلاع بھی نہیں دی۔" اس نے باپ کو دیکھتے ہی کہا۔ گولڈن فاکس اسے دیکھتے ہی وہیں رک گیا اور اچنبھے سے بیٹی کا جائزہ لیا۔ سیاہ بغیر آستینوں والا ریشمی گاؤن پہنے بال بکھرے سے لگتے تھے چہرہ میک اپ سے عاری، پیر جوتوں سے آزاد۔ وہ خود کو یوں نہیں رکھا کرتی تھی۔

"بس یوں ہی، تمہیں کیا ہوا ہے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟ میں نے تمہیں یہاں پر اچھا وقت گزارنے بھیجا تھا۔" گولڈن سنجیدگی سے کہا۔

ہیزیل کو فوراً ہی اپنی حالت کا احساس ہوا۔ اس نے خود کو نارمل رکھنے کی کوشش کرتے چہرے پر مسکراہٹ سجائی۔

"میں ٹھیک ہوں ڈیڈ! یہاں تو کیمرے اور میڈیا نہیں تو اس لیے آرام دہ حلے میں ہوں۔" اس نے ایک بھونڈا سا بہانہ بنایا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کا باپ اسے اچھی طرح جانتا ہے۔

"آپ یہاں کیسے؟ خیریت ہے۔؟" اس نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔

"ہاں کچھ ضروری سامان یہاں رکھا تھا میرا وہی لینے آیا ہوں۔"

وہ ہال میں صوفے کی طرف بڑھتے ہوئے بولے یہ سننا تھا کہ ہیزیل کا سانس ہی کا وہیں رہ گیا۔

"وہ کیا ہے نا کہ ڈیڈ دراصل! یہاں پر وہ۔"

ہیزیل بے ربطگی سے یہ جملہ کہہ کر خاموش ہو گئی گولڈن فوکس نے
ابھی ہوئی نگاہ اپنی بیٹی پر ڈالی اس کا رویہ کچھ عجیب تھا۔

"کیا کہنا چاہتی ہو کھل کر کہو۔" اسے بیٹی کا یہ انداز ہرگز پسند نہیں آیا
تھا تبھی رکھائی سے بولا۔

"شیر یہاں آیا تھا ڈیڈ۔ اور وہ آپ کا۔" وہ وہ ایک پل کے لیے رکی۔
کیا؟ سیدھی طرح بولو۔ کیا کہنا چاہتی ہو۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا ہے
مجھے؟" وہ تیزی سے بولے۔

"وہ کتاب چرا کر لے گیا ہے۔" اس نے آنکھیں بند کرتے ہی جلدی
سے کہا۔

"اُس نے مجھے ٹارچر کیا ڈیڈ! اس نے مجھے مارا پیٹا۔ میرے ساتھ زبردستی کرنے کی کوشش کی اور بندوق کی نوک پر مجھ سے زبردستی وہ کتاب چھین لی۔۔۔" وہ رو پڑی۔ گولڈن فاکس کی آنکھیں بے یقینی سے کھلی کی کھلی رہ گئیں وہ بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور قدم قدم چلتا ہیزیل کے قریب آگیا۔

"کیا کہہ رہی ہو تم؟ کون سی کتاب؟" گولڈن کی آواز بے یقینی سے بھری تھی۔

"وہ کتاب جس پر ستارہ بنا ہے سبز کتاب جس کا استعمال آپ لوگ قربانی کے دن کرتے ہیں۔۔۔"

گولڈن کا ہاتھ بے اختیار اٹھا اور فضا میں ایک زوردار آواز گونجی۔ ہیزیل بے یقینی کی حالت میں لڑکھڑاتی ہوئی فرش پر جاگری وہ اس حملے کے لیے تیار نہیں تھی۔

"بے وقوف لڑکی! اور تم یہ اب مجھے بتا رہی ہو؟ اگر میں یہاں نہ آتا تو مجھے اور کتنے دن تک بے خبر رکھنا تھا؟ تمہیں اندازہ بھی ہے وہ کتنی قیمتی ہے۔ تم مر جاتی مگر وہ کتاب اسے نہ دیتی۔" گولڈن فاکس حلق کے بل چلایا تھا۔ ہیزیل گال پر ہاتھ رکھے فرش کو گھور رہی تھی۔

گولڈن فاکس تیزی سے اٹھا اور باہر کی جانب بڑھنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ یک ٹک باپ کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ اور پھر گال کو سہلاتے ہوئے فرش سے اٹھی اپنی سیاہ سلک گاؤن

کو جھاڑا۔ چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ کچھ دیر پہلے لگے تھپڑ کی ساری تکلیف ہوا ہو چکی تھی۔

"اب بچ کر کہاں جاؤ گے لڑکے۔۔ یقیناً روس کی زمین اب تم پر تنگ کر دی جائے گی!" ہیزیل اوپر کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے بڑبڑائی۔ اس کے انداز میں عجب سی سرمستی تھی جیسے کسی لمحے کا صدیوں سے انتظار کیا ہو اور وہ آن پہنچا۔ چال میں بے اختیاری لچک اتر آئی تھی۔



جنت اپنے پرائیویٹ سوئٹ کے ٹیرس پر کھڑی خوبصورت پھولوں کی بھینی خوشبو اپنے اندر اتار رہی تھی۔ دونوں ہاتھ ریلنگ پر رکھے نگاہیں شارجہ کی رونقوں میں کھوئی تھیں جبکہ ذہن کہیں دور ان دیکھی ان چاہی انجان الجھنوں کی دوڑوں میں الجھا ہوا تھا۔ ہوائیں وقتاً فوقتاً اس کے

تازہ کٹے بالوں کی لٹوں کو فضا میں لہرا رہی تھیں۔ دفعتاً اس کے سوئٹ کی بیل بجی مگر گہرے خیالوں میں کھوئی وہ سن نہ سکی۔ کچھ لمحے توقف کے بعد بیل دوبارہ بجی اب کی بار بھی وہ انجان کھڑی رہی یہاں تک کہ بیل مسلسل بجنے لگی کچھ لمحوں بعد وہ چونکی اور پلٹ کر پیچھے کی طرف دیکھا۔

"اس وقت یہاں کون ہو سکتا ہے رات کے ڈیڈ بج رہے ہیں۔۔" اس نے زیر لب کہا اور پلٹ کر اندر کی جانب بڑھ گئی کمرے میں آتے اس نے اینٹرنس اسکرین ان کی باہر سیاہ چشمہ لگائے وہ شخص کھڑا تھا جنت کی بھنویں بھیج گئیں اس نے نا سمجھی سے ہال میں جھانکا اور اسپیکر آن کیا۔

"تم اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو۔" اس نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"میڈم اپنا ضروری سامان لے کر باہر آ جائیے۔" بڑے ہی ادب سے کہا گیا۔

"کیا مطلب ضروری سامان لے کر باہر آ جاؤں؟" جنت چڑھی گئی۔

"ہمیں حکم ملا ہے میڈم پلیز اپنا سامان لے کر باہر آ جائیے" اسی انداز میں اپنی بات دوبارہ دہرائی گئی۔ جنت کی آنکھیں غصے سے سرخ ہونے لگیں۔ کیا پھر نقل مکانی؟ کیا پھر کسی دوسرے شہر کسی دوسرے ملک؟

"تم جا سکتے ہو۔" جنت میں تلخی سے جواب دیا۔ اور اسکرین بند کر دی۔ بیل دوبارہ بجنے لگی۔ اور مسلسل بجتی رہی۔ جنت انجان بنتی دوبارہ ٹیڑس پر چلی آئی اور وہیں ٹھہرنے لگی اسے اندازہ تھا کہ ایسا کچھ ہونے والا ہے اسے غصہ آنے لگا۔

کیا میری زندگی میں کبھی سکون نہیں آئے گا کیا میں یوں ہی بچتی بچاتی ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتی رہوں گی۔۔۔ آخر وہ سمجھتا کیا ہے اپنے آپ کو۔۔۔ میری زندگی کو ایک ایڈونچر فلم بنا کر رکھ دیا ہے۔ اب کی بار میں کہیں نہیں جاؤں گی چاہے کچھ بھی ہو جائے۔۔۔ "تاؤ کھاتی دل ہی دل میں سوچ رہی تھی جب بھاری قدموں کی آواز آئی۔ وہ بری طرح چونک کر پلٹی۔ وہی خوش شکل ادھیڑ عمر شخص سامنے کھڑا تھا نظریں جھکیں ہوئیں مگر انداز چوکنا تھا۔

"تم کس قدر ڈیٹ انسان ہو تمہیں میں نے کہا تھا نا کہ میں کہیں نہیں جانا چاہتی تم اندر کیسے آئے یہ ایک پرائیویٹ روم ہے۔۔۔" وہ اس پر چیخ پڑی۔

"معذرت خواہ ہوں میڈم لیکن ہمیں حکم ملا تھا۔" اس کا انداز با ادب اور دھیما ضرور تھا لیکن معذرت خواہانہ ہرگز نہیں تھا۔ جنت تلخ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے رہی۔

"وہ خود کہاں ہے؟"

"میں نہیں جانتا میڈم!"

"تو حکم کیا تمہیں آسمان سے ملا تھا۔" وہ طنزیہ انداز میں بولی۔ وہ شخص چپ رہا نظریں ہنوز جھکی ہوئی تھیں۔ جنت غصیلی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ دل ہی دل میں اس بات کو سوچ رہی تھی کہ ضد اور مذاحت بیکار تھی سامنے کھڑا شخص اس کے لیے اب اجنبی نہیں رہا تھا وہ اسے باہر کہیں بار اپنے اس پاس دیکھ چکی تھی۔

"ہم کہاں جائیں گے؟" جنت نے سوال کیا۔

"یہ میں ابھی نہیں بتا سکتا!" وہی دھیمادب سے بھرا لہجہ۔

"باہر انتظار کرو۔" جنت نے سرد مہری سے کہا۔

وہ شخص فوراً باہر کی جانب بڑھ گیا جب کہ جنت اپنا سامان سمیٹنے لگی۔



ہوٹل کی وسیع لابی کے ایک سرے پر سٹنگ ایریا تھا۔ جہاں ہوٹل اسٹاف کے دو مرد کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ ریسپشن پر بیٹھی لڑکی لیپ ٹاپ کی اسکرین کی طرف دیکھتی مصروف تھی۔ فضا میں تازہ پھولوں کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔

"میں نے تم سے کہا تھا ناں کہ وہ وہی لڑکی ہے جسے میں نے اس فیشن شو میں دیکھا تھا۔ تب بھی یہی آدمی مجھے وہاں نظر آیا

تھا۔ جب وہاں دھماکہ ہوا تب بھی یہ جائے وقوعہ پر تھی اور وہاں شیر خود آیا تھا۔ شیر روسیہ۔" اس کا انداز سرگوشی کرنے جیسا تھا۔

"ہاں تم نے مجھے تب بتایا تھا۔ تم نے جو رات کو میگزین بھیجا اس میں اسی کی تصویر ہے لیکن شیر روسیہ کی بیوی ہے یہ بات میں نہیں مان سکتا۔"

"تم مانو نہ مانو۔ میری معلومات غلط نہیں ہو سکتیں۔ کل شیر نے وہ کانفرنس کی اور آج ہی یہ شخص اسے لینے چلا آیا۔ وہ چیک آؤٹ کر گئی۔ جبکہ وہ کئی دنوں سے یہاں رہ رہی تھی اس نے تین ماہ سے اوپر کے لیے یہ سوئٹ بک کیا ہوا تھا۔" اس نے پر اصرار انداز میں کہا۔

"ہو سکتا ہے تمہاری باتیں درست ہوں۔۔ تمہیں آخر ان لوگوں میں اتنی دلچسپی کیوں ہے۔"

"میں یہ سب اس لیے جانتا ہوں کیوں کہ پچھلے کئی عرصے سے میں نے ان کے ریزارٹ میں اپلائے کیا ہوا ہے اور میں اکثر وہاں جاتا رہتا ہوں۔"

تب ہی وہاں تین سے چار سیاہ لباس میں ملبوس افراد داخل ہوئے اور ان کے پاس سے گزرتے اندر جانے لگے۔ کاؤنٹر پر بیٹھی لڑکی نے تیزی سے انھیں آواز دی۔ ان دونوں نے گردن گھما کر ان لوگوں کی جانب دیکھا اور دوڑتے ہوئے اس جانب بھاگے۔

"ہیلو! سر! ایکسیوز می!"

ان میں سے ایک نے پکارا۔ وہ پلٹے۔

"آپ ایسے اندر نہیں جاسکتے؟ کیا آپ بتا سکتے۔"

"شش!" ان میں سے ایک نے پستول نکال لی۔

وہ دونوں بے اختیار پیچھے ہٹے۔

"کیا تم نے جی ایف ایس آر کا نام نہیں سنا؟" ایک سرد مہری سے بولا۔ ان دونوں نے گردن گھما کر ایک دوسرے کو دیکھا اور الٹے قدموں پیچھے ہٹ گئے۔ پیچھے ہوٹل ریسپشنسٹ کھڑی بت تھی۔

"مینجر سے رابطہ کرو۔"

لڑکی سر ہلاتی پلٹ گئی۔ اسی اثنا میں ہوٹل کا دیگر اسٹاف بھی وہاں سن گن لینے آپہنچا۔ کچھ ہی منٹ میں وہ واپس آتے دکھائی دیے۔ وہاں کھڑے اسٹاف ممبر ان ادھر ادھر ہو گئے۔ اور کنکھیوں سے انہیں جاتے ہوئے دیکھتے رہے یہاں تک کہ وہ لوگ نظروں سے اوجھل ہو گئے ان کے جاتے ہی مینجر وہاں آیا۔ اسٹاف مینجر کو ساری تفصیلات سے آگاہ کرنے لگے۔



حاشر اور اس کی ٹیم نے اپنی جگہ تبدیل کر لی تھی اب وہ کانٹج کے بجائے کزان کے علاقے میں ایک ہوٹل میں رکے ہوئے تھے

انہوں نے کتاب حاصل کرتے ہی شہر ماسکو کو خیر آباد کہہ دیا تھا۔ یہ ان کے پلان میں شامل تھا۔ لیکن ماسکو شہر کی ہلچل سے دامن نہیں چھڑایا تھا وہاں کی ساری خبریں انہیں وقتاً فوقتاً مل رہی تھی جن میں سر فہرست گولڈن کی طرف سے شیر کے لیے کھلی جنگ کا اعلان تھا حاشر کو کچھ کچھ شک ہو چلا تھا کہ اس کی وجہ یہی کتاب تھی لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ ایسا کیوں ہوا کیونکہ ہیزیل نے اسے پہچان لیا تھا تو یقیناً ان لوگوں کو اس کے پیچھے آنا چاہیے تھا لیکن کتاب کی گمشدگی کے فوراً بعد ماسکو کے حالات بگڑنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا تھا کہ کچھ ایسا ہوا ہے جس کی

توقع اسے نہیں تھی۔ حاشر نے پاکستان میں ہیڈ کوارٹر کو مکمل طور پر بریف کر دیا تھا ان کا ٹاسک تقریباً پوری طرح مکمل ہو چکا تھا لیکن مزید آگے کیا کرنا تھا اس کا فیصلہ حاشر نے ابھی تک نہیں کیا تھا اور اس نے اس حوالے سے کوارٹر میں بھی کوئی رپورٹ نہیں دی تھی۔ لیکن کوارٹر سے انہیں واپسی کا حکم نامہ مل چکا تھا اب یقیناً ان کو جلد از جلد پاکستان لوٹنا تھا کیونکہ رپورٹ میں مرکزی ملزم عمش بن رافع البانی تھا۔ حاشر کمرے میں ایک جانب بیٹھا اپنے فون کی اسکرین کو دیکھ رہا تھا جب اچانک فون آنے لگا۔ اس نے بغیر کچھ سوچے فون اٹھا کر کان سے لگایا۔

"مجھے معلوم تھا تم ضرور رابطہ کرو گے۔ بابا کو کہاں لے گئے تھے۔" اس نے سرسری انداز اپنایا تھا۔

تم اپنی آواز سے بڑے ہی مطمئن لگ رہے ہو یقیناً پاکستان واپس جانے والے ہو۔"

"اور تمہاری آواز بہت بے چین لگ رہی ہے یقیناً سب کے سب ایک ساتھ تمہارے پیچھے لگ گئے ہیں۔" حاشر کا انداز سادہ تھا۔

"تم فکر مت کرو میرے پیچھے لگنے والے صرف میرے پیچھے ہی لگ سکتے ہیں مجھ تک پہنچ نہیں سکتے۔" شیر نے آہستگی سے کہا۔

"تم نے جو چرایا ہے اس کے لیے مجھے ڈھونڈا جا رہا ہے۔ یقیناً اس لڑکی کو تم پسند آگئے۔ ورنہ وہ تمہارے بجائے میرا نام نہ لیتی۔" شیر نے ہنستے ہوئے کہا۔ حاشر کی ابرو سمجھنے والے انداز میں اٹھی اور اس نے گہری سانس لی۔

"او یہ تو بہت غلط ہوا یہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اگر تم چاہو تو میں تمہاری مدد۔"

"مدد کے لیے فون نہیں کیا۔ صرف اطلاع دینے کے لیے کیا ہے۔ بابا کل صبح پاکستان پہنچ رہے ہیں۔"

حاشر کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا؟"

"اس بات کا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ یہ ان کی اپنی خواہش تھی۔"

"اور تم؟" حاشر نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"میرے باپ مت بنو۔" شیر نے سرد مہری سے حاشر کو ٹوکا۔ حاشر نے

کچھ کہے بغیر فون بند کر دیا اور پرسوج نگاہوں سے سامنے دیکھنے لگا۔

"اتنی مدت بعد ملے ہو کچھ تو دل کا حال کہو۔"

کیسے بیتے ہم بن پیارے اتنے ماہ و سال کہو؟۔"

بابر کے پاکستان پہنچنے کی خبر پر یہ شعر حاشر کے ذہن میں گونجا تھا۔ دل کی حالت عجب سی ہو رہی تھی۔ بچپن کے وہ دن یاد آئے جب وہ دن رات بس یہی دعا کرتا تھا کہ بابر پاکستان لوٹ آئے اور اب یہ لمحہ آ پہنچا تھا تو دل کی حالت عجیب تھی۔ گہری خاموشی تھی جو روح تک اتری ہوئی تھی۔



قبرستان بہت قدیم تھا۔ ٹوٹی پھوٹی بوسیدہ قبریں جن کے گرد خود رو جھاڑیاں تھیں۔ ان ہی قدیم ترین قبروں میں سے دو قبریں ساتھ ساتھ تھیں۔ جن کے دونوں اطراف نیم کے بوڑھے درخت کھڑے تھے۔ ان درختوں کے سائے میں وہ دو قبریں دھوپ سے محفوظ تھیں۔ وہ خاموش

نگاہوں سے ان درختوں کو دیکھ رہے تھے۔ جن پر سنگ مرمر کی تختیاں تھیں۔

مرحومہ زوجہ یوسف خان، مرحوم یوسف خان۔

ان کا چہرہ تیز ہوا کے پھیڑوں کی زد میں تھا لیکن نگاہیں ساکت تھیں۔ ایک قیامت تو وہی تھی جس پل ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھا تھا۔ اس پل ان کو اپنی دنیا ختم ہوتی محسوس ہوئی تھی۔ اعصاب کی مضبوطی ہوا ہو گئی تھی۔ دنیا اس لمحہ میں ٹھہر سی گئی تھی۔ اس کے بعد تو زندگی اک بوجھ ہی لگی تھی جیسے کچھ بھی نہ رہا ہو دنیا میں۔ کم از کم بابر خان کے لیے تو نہیں۔۔۔

والدین کی قبروں پر فاتحہ پڑھتے وہ شکستہ قدموں سے واپسی کے سفر پر چل دیے۔ یہ وقت، یہ ہوا، یہ سڑکیں۔ یہ رستے۔ سب کچھ اجنبی سا لگ رہا

تھا۔ اتنے سال یہاں نہیں تھے تو دل پر الگ سا بوجھ پڑا رہا تھا۔ اب جب
لوٹ آئے تھے تو بوجھ سمیت دل بھی خالی سا لگ رہا تھا۔

اگرچہ میں اک چٹان سا آدمی رہا ہوں
مگر تیرے بعد حوصلہ ہے کہ جی رہا ہوں

☆☆☆☆☆

ٹیکسی کو ہاتھ دے کر روکا اور مرجھائے انداز میں سوار ہوئے۔ مطلوبہ
پتہ ٹیکسی والے کو سمجھایا اور خود سیٹ کی پشت سے ٹیک لگاتے آنکھیں
موند لیں ل۔ ایک گھٹنہ مختلف راستوں سے گزرتے وہ اک علاقے میں
آپہنچے۔ کرایہ ادا کرتے اترے اور حسرت بھری نگاہوں سے آس پاس
دیکھا۔

"کیا کرتے ہو؟ خوبصورت لڑکیوں کا پیچھا کرنے کے علاوہ؟" ایک شوخ چنچل سالہ بچہ کانوں میں گونجا۔ سامنے ریڈیو اسٹیشن کی پرانی بلڈنگ تھی۔

"صرف ایک خوبصورت لڑکی! جس کے گال پر دل کی شکل کا تل ہے۔۔۔" اپنی آواز اس پل کان میں چبھتی محسوس ہوئی تھی۔

نقرئی سی ہنسی نے ماحول کو سنسنا کر رکھ دیا تھا۔ بے نور سی زندگی یک دم پُر نور سی ہونے لگی تھی۔

"ملٹری میں تکنیکی اسٹنٹ ہوں۔۔"

"ملٹری؟ یعنی فوج؟ فوجی ہو؟"

"نہیں فوج میں انجینئر ہوں۔۔" دھیمی مسکراہٹ دھیمالہجہ نگاہیں عظمیٰ کے متجسس چہرے پر تھیں۔

"آہاں! سچ کہہ رہے ہو؟" شک بھری نگاہوں نے بابر خان کا دل گدگدا کر رکھ دیا تھا۔

"جھوٹ کیوں کہوں گا؟" وہ ہنس دیا۔

"لو بھلا! سنا تھا فوجی بڑے کھڑوس قسم کے سنجیدہ متین قسم کے ہوتے ہیں۔ تم جیسے دل پھینک عاشق مزاج تو نہیں ہوتے۔"

"نہ میں دل پھینک ہوں نہ میں عاشق مزاج ہوں محترمہ!" بابر خان لمبے چوڑے الزامات پر بوکھلاہٹ کا شکار ہوا۔

"تو پھر کیا ہو؟" وہی نقشیشی انداز!

"بد قسمتی سے! ٹریننگ کے دن بڑے سخت ہوا کرتے تھے۔ بس ایک

ریڈیو پاس ہوا کرتا تھا۔ جس پر ایک ہی چینل کے سگنل ٹھیک سے آتے

تھے اور وہاں ایک شرارتی سی محترمہ گیت گاتی تھیں۔۔۔ تب ہی سے

سوچ رکھا تھا جب ٹریننگ مکمل ہو کر ملازمت پکی کر لوں گا تو اس لڑکی کو ضرور ڈھونڈوں گا۔"

"ایک منٹ! کس کی بات کر رہے ہو؟" وہ بری طرح چونکی تھی۔
 "یہ تین سال پہلے کی بات ہے۔"

"نہیں! چار پانچ سال!" بابر خان نے کہا۔ عظمیٰ کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلی تھیں پھر وہ کھکھلا کر ہنس دی۔

"تب میں یونیورسٹی میں تھی۔ اور مجھے ریڈیو پر نشر ہونے والے چینل میں یوں ہی موقع مل گیا تھا۔ میں تو صرف کبھی کبھی ہی شو میں آتی تھی۔"

"میں اس کبھی کبھی کا بے چینی سے ہر روز انتظار کرتا تھا۔" بابر خان نے پتلون کی جیبوں میں ہاتھ اڑستے ہوئے کہا۔ عظمیٰ بے یقینی سے اس

خوبصورت شخص کو دیکھ رہی تھی جس کی خوبصورتی عام سی ہر خوبصورت شخص جیسی نہیں تھی۔ سیاہ گہری چمکدار آنکھیں کیا ہی غضب کی کشش رکھتی تھی۔ مسکراہٹ میں جیسے فرشتوں کی سی معصومیت تھی۔

"تمہیں کیا لگا تھا کہ میں اپنی آواز کی طرح خوبصورت ہوں گی؟" وہ ہنس دی۔ خوش شکل تو وہ تھی لیکن ایسی نہیں کہ کوئی یوں فدا ہو کر کوچہ کوچہ ڈھونڈتا پھرے۔

"تو کیا نہیں ہو؟" اس کے تو جیسے دل پر چوٹ سی لگی تھی۔ آنکھیں جھنجھلاہٹ کا شکار تو چہرے پر چڑ صاف دکھائی دینے لگی۔ اس کے چہرے کے تاثرات پر وہ پھر ہنس دی تھی۔

"میں اب ریڈیو پر گیت نہیں گاتی! بلکہ ایک بینکر ہوں۔"

"اوہ ! اچھا ! مجھے گیت سناو گی؟ اگر فرمائش کر دوں؟" بڑا ہی معصوم اور سادہ سوال تھا۔ عظمیٰ اپنا قہقہہ روک نہ سکی تھی۔

وہ ریزہ ریزہ مرے بدن میں اتر رہا ہے

میں قطرہ قطرہ اس کی آنکھوں کو پی رہا ہوں



زندگی کا رخ بدلا۔ ہر شے میں رنگ بھرتے چلے گئے۔
عظمیٰ کے زندگی میں آنے کے بعد ایک خوبصورت سا بیٹا حاشر زندگی میں آیا تھا۔ وہ دن بہ دن ترقی کر رہا تھا۔ نئے نئے تجربے نئی نئی ایجادات اسے دنیا کی نظروں میں لارہی تھیں۔ جہاں محب وطن لوگ اس جیسے ذہین و فطین شخص کی صلاحیتوں سے خوش تھے وہیں مال کی محبت میں غرق شیطانی دماغ اپنے مکر میں مکروہ چالیں چلنے لگے۔

اسے خریدنے کی کوشش کی گئی۔ اسے بیچنے کے نت نئے طریقے
ڈھونڈے جانے لگے اور پھر ایک روز اچانک!

"تمہیں ہیڈ کوارٹر کیوں بلایا گیا ہے بابر؟" عظمیٰ اس کی اچانک ختم کی
جانے والی چھٹی پر نالاں تھی۔ جبکہ بابر خان کو اطلاع کردی گئی
تھی۔ سازش رچی جانے کی ساری معلومات اسے مل چکی تھیں وہ سفید
چہرہ لیے گھر سے نکلا تھا۔

"Section 16 of Pakistan army act..."

بابر خان کو کان سن پڑتے محسوس ہوئے وہ فقط ملٹری جج کے ہلتے لب
دیکھ پارہا تھا۔

"According to Constitution of Pakistan Army act"...

بابر خان کو لگا وہ ابھی پورے قد سے زمیں پر آگرے گا۔ وہ سانس نہ لے پا رہا تھا۔

"Traitor" ..

لفظ نہیں تھا ایک آرا تھا جو اس کے وجود کو دو نہیں کڑوروں ٹکروں میں کاٹ رہا تھا۔

Dismissed from the service"

اس کا سر چکرایا اور وہ دھڑام سے زمین پر آگرا۔ منظر سیاہ پڑتا گیا۔ اس کی وطن کے لیے عقیدت، محبت، جنون، جذبہ سب کچھ اس روز سیاہ پڑ گیا تھا۔ اس کے لیے زندگی پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔ اس کی غیرت چھین لی گئی تھی۔ اس کا غرور ملیامیٹ کر دیا گیا تھا اس کی آنکھوں کا نور چھین لیا گیا تھا۔

تیری ہتھیلی پہ کس نے لکھا ہے قتل میرا
مجھے تو لگتا ہے میں تیرا دوست بھی رہا ہوں۔

کھلی ہیں آنکھیں مگر بدن ہے تمام پتھر
کوئی بتائے میں مرچکا ہوں یا یا جی رہا ہوں۔



شادی کے تین سالوں میں پہلی دفعہ تھا جب وہ عظمیٰ پر چلا رہا تھا بری
طرح چیخ رہا تھا۔ وہ کئی دنوں سے اس پر امریکا کی طرف سے آئے
پروپوزل کو ہاں کرنے کی ضد کر رہی تھی۔ ہر کچھ دن بعد یہی بحث یہی
زکر! اور پھر ایک دن بابر خان پھٹ پڑا۔

"مجھ پر لگے غداری کے الزامات سچ ہو جائیں گے۔۔ وہ فون کال جو میں
نے کبھی کی ہی نہیں۔۔ وہ معاندہ جو میں نے امریکا کے ساتھ کیا ہی

نہیں۔۔ سچ ہو جائے گا میں اپنی نظروں میں بھی گرجاؤں گا۔۔ بھاڑ میں گئی اچھی ملازمت! مجھے نہیں کرنی۔۔ نہیں جاؤں گا امریکا! نہیں کروں گا ان کے ساتھ کام! اگر آج کے بعد تم نے دوبارہ مجھے کہا تو پوری کی پوری میگزین اپنے بھیجے میں اتار دوں گا سنا تم نے۔۔" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے بالوں کو نوچتا ہسٹریائی انداز میں چیخ رہا تھا۔ عظمیٰ خوف زدہ حاشر کو کمرے سے لے کر کمرے سے نکل گئی بابر خان کو اکیلا چھوڑ دیا۔ وہ دن بھر گھر میں رہا کرتا تھا۔ عظمیٰ بینک سے آتی تو گھر صاف ستھرا ملتا کھانا تیار پکا ہوا ہوتا۔ حاشر سارا وقت باپ کے ساتھ رہتا۔ آہستہ آہستہ گزرتے وقت کے ساتھ بابر خان نارمل ہوتا گیا اور پھر اس نے شارجہ میں ایک دوست کے توسط سے ملازمت اختیار کر لی۔ پاکستان کو خیر آباد کہتا وہ شارجہ میں آ بسا۔ عظمیٰ نے بھی شارجہ میں ملازمت ڈھونڈنا شروع کر دی

تھی پر وہ اب تک پاکستان میں ہی تھی۔ جلد بازی میں وہ نہیں چاہتی تھی کہ پرانی ملازمت چھوٹے اور وہ ایک اچھی ملازمت سے محروم رہ جائے۔ شارحہ میں بینک کی نوکری نہ ملنے تک ان دونوں نے علیحدہ رہنے پر اتفاق کر لیا تھا۔ وہ دونوں فون پر رابطے میں رہا کرتے تھے۔ زندگی اب کچھ بہتر ہونے لگی تھی کچھ وقت مزید گزرا تو اسے بابر چپ چپ سا لگنے لگا۔ کچھ اکھڑا اکھڑا اور پریشان مگر وہ وجہ سے پوری طرح ناواقف تھی۔

نہ پوچھ مجھ سے کہ شہر والوں کا حال کیا تھا
کہ میں تو خود اپنے گھر میں بھی دو گھڑی رہا ہوں



بابر ایک عرب کمپنی میں ملازمت پر تھا۔ انجینئرنگ کی اچھی خاصی جاب تھی۔ ذہانت کی بنا پر وہ کچھ ہی عرصے میں ڈپارٹمنٹ ہیڈ کے درجے پر

پہنچ گیا تھا۔ لیکن کچھ دنوں سے سی ای او کی بیٹی صوفیہ کے چکر اس کے ڈپارٹمنٹ میں بڑھتے ہی جارہے تھے وہ ہر ممکن کوشش کر رہی تھی کہ کسی طرح بابر اس کی طرف متوجہ ہو جائے لیکن بابر خان کو گوارہ نہ تھا۔ پاکستان میں اس کی عزت کی حفاظت کرتی اس کی اولاد کی پرورش کرتی اس کی محبوب بیوی جو ہر اچھے برے میں اس کے ساتھ رہی تھی۔ وہ مر کر بھی اس کے ساتھ بے وفائی کا نہیں سوچ سکتا تھا۔ ایک رات وہ اپنے چھوٹے سے فلیٹ میں دن بھر کی ڈیوٹی کے بعد آرام کر رہا تھا جب گیٹ بج۔ وہ گیٹ کھولنے گیا تو وہاں کوئی نہ تھا لیکن فرش پر ایک لفافہ رکھا تھا۔ اس نے لفافہ اٹھایا اور کھول کر دیکھا۔

اس کے اندر حاشر اور عظمیٰ کی تصویر دیکھ کر اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ لفافے میں مزید بھی کچھ تھا۔ اس کے گھر کا ایڈریس۔ عظمیٰ کے

بینک کا ایڈریس۔ ان کے آبائی گھر کا ایڈریس۔ عظمیٰ کے والدین کا ایڈریس۔ اس کے خاندان کے قریبی لوگوں کی تصاویر اور ایڈریس! وہ دنگ رہ گیا۔ سن سا کھڑا تھا جب اندر سے فون بجنے کی آواز آئی اس نے فون اٹھا کر کان سے لگایا۔

"اگر اپنے پیاروں کی پرسکون زندگی میں بے سکونی نہیں چاہتے تو فوراً اس پتے پر آجاؤ۔ مجھے تم سے ملاقات کرنی ہے۔"

وہ بے اختیار باہر کی طرف گیا۔ انداز میں غصہ اور نفرت تھی آج وہ اس بے حیا عورت کا دماغ ٹھیک کر کے ہی لوٹے گا۔ دل ہی دل میں تہیہ کرتا وہ اس پتے پر پہنچا اور وہاں پہنچتے اسے اپنے جسم سے روح نکلتی محسوس ہوئی۔ سامنے کمپیوٹر کی اسکرین پر اس کے گھر کا منظر تھا۔ جو کئی اطراف سے گولیوں کے نشانے پر تھا۔ صوفیہ حسین لڑکی تھی مگر اس پہر اسے وہ

دنیا کی بد صورت ترین عورت محسوس ہوئی۔ انتہائی مختصر لباس میں بے ہودہ انداز اپنائے پلنگ پر نیم دراز! بابر برائے راست اس کی طرف دیکھ بھی نہ پارہا تھا۔

"تمہیں پتا ہے! آج تک مجھے کبھی کسی نے انکار نہیں کیا۔ میں نے جس شے طرف اشارہ کیا وہ شے میرے قدموں میں لا کر رکھ دی گئی۔ تم پہلے انسان ہو جس نے مجھے انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کیا۔ جانتے ہو کیوں۔۔ کیوں کہ جب کوئی چیز میرے دل کو بھا جائے میں اسے حاصل کیے بغیر سکون نہیں پاتی!"

"کیا چاہتی ہو تم!" بابر بے بسی سے چیخ اٹھا۔

"صرف آج کی رات! اس کے بعد میں کبھی تمہارے سامنے نہیں آؤں گی۔"

"کیا تمہارا دماغ خراب ہے۔۔ میں کوئی کھلونا ہوں؟" وہ نفرت سے بولا۔
 "ہاں دماغ تو خراب ہو گیا ہے۔۔ تمہیں دیکھنے کے بعد۔۔" وہ بے باک انداز میں بولی۔

"تم جیسی بے حیا عورت میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔۔" وہ سخت لہجے میں بولا۔ لیکن وہ بے نیازی سی وارفتگی بھری نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی مسکراتی رہی۔

"اگر تم اپنی بیوی اور بچے کو سلامت دیکھنا چاہتے ہو تو چپ چاپ خود کو میرے حوالے کر دو۔۔ اور یہ ڈرامے بند کرو میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ مجھے دیکھ کر تمہارا اپنا بھی دل بے ایمان ہو رہا ہے۔۔"

تم جیسی عورت پر تھوکنہ بھی پسند نہ کروں۔۔" بابر تیزی سے بولا۔ اس کی بات سن کر صوفیہ کا چہرہ گریز و غضب کی عملی مثال بن گیا اس نے

جھٹکے سے شراب کا گلاس اٹھا کر بابر خان کو دے مارا بابر اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا بھاری گلاس سر پر لگتے ہی وہ وہیں پر ڈھیر ہو گیا۔ ایک پل کے لیے صوفیا بھی گھبرا کر رہ گئی لیکن پھر اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کی طرف بڑھی اس کے سر سے خون نکل رہا تھا لیکن اتنا نہیں کہ اس کی جان کو خطرہ لاحق ہو۔ صوفیہ کی نگاہیں اس کی بند آنکھوں سے اس کے چہرے پر آٹھریں۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور میں اس پر رکھی شراب کی بوتل کو اٹھایا۔ گلاس میں شراب بھرنے لگی۔ پھر وہیں میز پر رکھی نشے کی گولیاں اس نے شراب میں گھول دیں۔ چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

کہاں ملے گی مثال میری ستم گری کی
کہ میں گلابوں کے زخم کانٹوں سے سی رہا ہوں



وہ اس خوبصورت کوٹھی کے باہر اس طرح کھڑے تھے جیسے کوئی جواری جوئے میں اپنا سب کچھ ہار کے خالی ہاتھ گھر لوٹا ہو۔ ان کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ آنکھیں نم تھیں دل تھا کہ ڈوبتا جاتا تھا۔ میں یہاں کھڑے دس سے پندرہ منٹ گزر چکے تھے جب اندر سے باوردی گارڈ باہر آیا۔

"جی فرمائیے آپ کو کس سے ملنا ہے۔"

"عظمیٰ خان یہی رہتی ہیں؟" وہ بمشکل ہی بول پائے تھے۔

خود بھی نہ جانتے تھے کہ یہاں کیوں آئے تھے کیا سوچ کر کس چاہ میں آئے تھے لیکن جانے کیوں وہ اپنے قدموں کو یہاں تک لانے سے روک نہیں پائے تھے۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ چہرہ ان گزرے سالوں میں ان کے ذہن کے پردے پر دھندلا گیا تھا۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ

اختلافات لڑائیوں کی زد ان کی محبت مر گئی تھی۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ انہوں نے اتنے سالوں میں ان سے رابطہ کرنے کی کوشش کی ہو بس ایک رشتہ تھا ایک احساس تھا جو مکمل طور پر کبھی بھی ختم نہ ہو سکا تھا کچھ باتیں تھیں جو آج تک من و عن یاد تھیں۔

"جی وہ یہیں رہتی ہیں آپ کون؟"

"میں بابر خان ہوں۔۔ ان کا۔۔ شوہر۔۔" یہ لفظ کہتے انہیں خود سے شرم

محسوس ہوئی تھی۔ یہ سنتے ہی سامنے کھڑا نوجوان حیرت زدہ رہ گیا۔

"میں مل سکتا ہوں؟"

"جی! آجائیں۔۔" اس نے بڑے ہی ادب سے کہا تھا۔ انداز میں بلا کی

عقیدت ظاہر تھی۔

"میں سکندر ہوں۔۔ سکندر بخت عالم!" گارڈ نے جلدی سے اپنا تعارف کرواتے گیٹ کھولا بابر ایک لمحے کو چونکے اور پھر اس کا چہرہ بغور دیکھا۔ آہستگی سے مسکرائے اور اس کا شانہ تھپتھپایا۔

"بڑا ہی جگری تھا۔۔ بخت عالم! تمہارا چہرہ اس سے نہیں ملتا لیکن آواز سن کر سماعت میں مانوس سا احساس ضرور جاگا تھا۔" بابر خان کہتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔

"وہ ہمیشہ آپ کی تعریف کرتے تھے۔ اکثر آپ کا نام لیا کرتے تھے۔۔" وہ اپنائیت سے بولا۔ بابر خان نے ہلکی سی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی۔

"اللہ اس کے درجات بلند کرے۔۔" وہ نرمی سے بولے۔

"آمین۔۔"

"تمہیں یہاں کس نے تعینات کیا ہے؟"

"ایک مشن میں میری ایک آنکھ ضائع ہو گئی تھی۔"

بابر ایک دم رکے اور اس کی آنکھوں کی طرف دیکھا۔ ایک مصنوعی تھی جو فقط غور کرنے پر ہی معلوم ہوتی تھی پھر کمانڈر حاشر نے میری سفارش کر کے مجھے یہاں بھیج دیا۔

"خدا سلامت رکھے۔" بابر خان نے نرمی سے کہا اور اندر کی جانب بڑھتے گئے پیچھے گارڈ کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔

بابر خان اندر داخل ہوئے تو ایک سرد سی لہر ان کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ سامنے ہی وہ موجود تھیں۔ ایک لمحے کے لیے سانس رک سی گئی تھی ہر شے اپنی جگہ ٹھہر گئی۔ یہاں تک کہ بابر خان کی دھڑکنیں بھی۔ پتہ نہیں کیوں سانس تک نہ لے پائے۔ یک ٹک انہیں دیکھتے

رہے۔ عظمیٰ پلکیں جھپکا جھپکا کر ان کی طرف دیکھ رہی تھیں جیسے پہچانے
کی کوشش کر رہی ہوں

بابر نے ان کی آنکھوں میں اجنبیت دیکھی تو کٹ کر رہ کر رہ گئے یہ لمحہ
بہت مشکل سا لگا تھا جان کنی کا عالم ہو جیسے۔۔ اور پھر وہ پلکیں نہ
جھپکاسکیں۔

"ملا تو بیتے دنوں کا سچ اس کی آنکھ میں تھا۔

وہ آشنا جس سے مدتوں اجنبی رہا ہوں۔۔"

بابر خان قدم قدم آگے بڑھ رہے تھے۔

"بابر!" معصومیت بھرے انداز میں پکارتے جیسے تائید چاہی ہو۔ وہ عین

سامنے آکر رک گئے۔ عظمیٰ سر اٹھائے دیکھتی رہیں۔ بابر کو اپنی آنکھیں

نم محسوس ہوئیں۔

اسے چھوڑ جانے کے بعد پھر کبھی کسی دوسری عورت میں وہ احساس وہ
پناہ ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن ٹھہرے تو کج ادا ہی
تھے۔ سالوں کی ہجرت، دہائیوں کی دوری نے چہرے کا ایک ایک نقش
بدل سا دیا تھا۔

"تم۔۔ تم تو بابر ہونا۔۔ پھر شیریں کہاں ہے؟ وہ نہیں آیا؟ کہاں ہے
شیر؟" وہی سوال جو وہ ہر ایک سے کرتی تھیں۔ سفید بالوں کو بڑے
سلیقے سے باندھا گیا تھا۔ کانوں میں وہی بالیاں تھیں جو اس نے پہلی دفعہ
اس کے کانوں میں دیکھیں تھیں۔ وقت نے اسے بہت جلد بوڑھا کر دیا
تھا۔ بابر خان کا ہاتھ ان کے سر پر جا ٹھہرا بہت ہی نرمی سے اس کے بال
سہلائے تھے۔ ان گزرے ماہ سال میں جس ایک جگہ وہ خود کو معاف
نہیں کر پائے تھے وہ یہی تھی۔ غنمی کا انتظار۔ اس کی قربانی۔ اس کا

دکھ۔۔ بیٹے کی محبت میں اپنی محبوب بیوی کو چھوڑ گئے تھے۔ اسے یقین نہیں رہا تھا تو اس میں قصور وار وہ بھی نہیں تھی۔ کمانے جانے والا مرد لوٹے تو ہاتھ میں اولاد ہو۔۔ اولاد بھی وہ جو بیوی نے جنی ہی نہیں تھی۔۔ وہ کیسے یقین کرتیں کہ بابر خان بے وفا نہیں تھا۔ مظلوم تھا۔۔
 "تو مرجانے دیتے مجھے اور میرے بچے کو۔۔" ایک آواز نے سماعت پر ہتھوڑا برسایا۔

"میں خود مرجاتی اپنا جسم کسی غیر کے حوالے کرتے ہوئے۔۔"
 "میں ہوش میں نہیں تھا۔" بابر خان کو اپنی بے بس آواز سنائی دی۔
 "میں سوچتا ہوں عظمیٰ سب کچھ کتنا مختلف ہوتا اگر تم مجھ پر یقین کر لیتی۔۔ یقین نہ بھی کرتیں تو معاف کر دیتیں۔۔ معاف نہ بھی

کرتیں تو میرے بچے کو اپنا لیتیں۔۔ اپناتی بھی نہ۔۔ کم از کم اسے پیار سے رکھتیں۔۔ وہ بھلے ہی تمہاری کوکھ سے نہ تھا مگر تھا تو میرا خون! میں اسے کیسے چھوڑ سکتا تھا۔۔" وہ اکثر خود سے کہتے تھے لیکن ابھی زبان گنگ تھی وقت تو بہت آگے چلا گیا تھا۔ وہ احساس! وہ گمنامی۔۔ وہ دن۔۔ وہ دکھ۔۔ سب گزر ہی تو گیا تھا۔ اب جو سامنے تھا وہ بالکل مختلف تھا۔ وہ اسے پہچان تو رہی تھی مگر وہ نظریں عظمیٰ کی نہیں تھیں۔ وہ احساس۔۔ "وہ" احساس نہیں تھا ان کے درمیان جس کی شروعات آج سے کئی سالوں پہلے ہوئی تھی لیکن ابھی وہ سامنے تھی تو واپسی کے ارادے کسی ریت کی دیوار ثابت ہوئے تھے۔ اب کہاں جانا ہے؟

"بھلا دے مجھ کو کہ بے وفائی بجا ہے لیکن۔۔"

"گنوا نہ مجھ کو کہ میں تیری زندگی رہا ہوں۔۔"

"شیری آجائے گا۔۔ اسے میں کہوں گا تو وہ آجائے گا۔۔" بابر نے آہستگی سے کہا اور وہیں بیٹھ گئے۔ عظمیٰ کے قدموں میں۔۔

"حاشر بھی۔۔ میں بھی۔۔۔۔"

"حاشر؟ وہ تو آتا ہی نہیں۔۔" عظمیٰ نے الجھی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ بابر کے دل کو بڑے زور کا دھکا لگا۔

"حاشر! کب آئے گا اتنے دن ہو گئے۔۔۔۔" ان کا دل چاہا پھوٹ پھوٹ کر رودیں۔ انھیں حاشر کا رویہ اس کی بیزاری اس کا غصہ اس کی نفرت۔۔ اس پل سب کچھ جائز لگا تھا۔

"آئے گا تو کہہ دوں گی میرے تو تم بیٹے ہی نہیں۔۔ میں تو کسی حاشر کو نہیں جانتی۔۔ نہیں۔۔ میرا ایک ہی بیٹا ہے شیر۔۔ بس ایک ہی بیٹا

ہے۔۔۔ شیر۔۔ شیر۔۔ شریم۔۔ شریم۔۔ "وہ ہسٹریائی انداز میں چیخنے لگیں۔ بابر یک دم بوکھلائے۔

"ٹھیک ہے۔۔ ٹھیک ہے۔۔ پر سکون رہو۔۔"

"ارے۔۔ کیا ہوا۔ کیا ہوا۔" وہی لڑکی بھاگتی ہوئی آئی۔

بابر خان پیچھے کھسکے اور دنگ نگاہوں سے عظمیٰ کی طرف دیکھتے رہے۔ وہ لڑکی انھیں سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"وہ اجنبی بن کے ملے بھی تو کیا ہے محسن!"

یہ ناز کم ہے کہ میں بھی اس کا کبھی رہا ہوں"



تاجکستان کا دارالحکومت دوشنبہ چاروں طرف سے برف سے ڈھکے پہاڑوں میں گھرا ہوا تھا۔ رودوکائے پارک کا علاقہ تھا جہاں ایک طرف آسمانی

عمارت جو میوزیم پر مشتمل تھی۔ ایک طرف گھاس تھی کچھ پودے تھے جو یقیناً بہار کے موسم میں خوبصورت پھولوں سے لدے ہوتے تھے۔ آرکیٹیکچر کی خوبصورت مثالوں سے مزین یہ عمارتیں نگاہوں کو خیرہ کیے دے رہی تھیں۔ ڈینیل کل سے ابھی تک ایک غیر یقینی صورتحال میں تھا۔ وہ ایک سنگی بیچ پر پچھلے دو گھنٹے سے بیٹا کافی کا تیسرا کپ پی رہا تھا

شیر اسے ہدایت کر کے گیا تھا کہ وہ یہاں سے کہیں نہ جائے اور اس نے ایسا ہی کیا۔ وہیں بیٹھا کبھی فون پر خبریں پڑھنے لگتا تو کبھی آس پاس کے نظارے کرنے لگتا۔ دفعتاً ایک جانب سے جوتوں کی دھمک سنائی دی۔ اس نے سر اٹھایا اور شیر کو دیکھتے ہی خود بھی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"یہ لو۔۔" شیر نے اس کی طرف ایک پاسپورٹ بڑھایا۔ ڈینیل نے نا سمجھی سے اس کی طرف دیکھتے پاسپورٹ پکڑا اور کھول کر دیکھا۔

"نہال؟ نہال فیض احمد؟" یہ۔۔ یہ تو میری۔۔۔"

"ہاں یہ تمہارا پاسپورٹ ہے۔۔۔ اور ہم مالدیپ جارہے ہیں۔۔"

"لیکن کیوں؟ اور یہ۔۔ کیا ہم بھاگ رہے ہیں؟" ڈینیل نے نا سمجھی سے اس کی طرف دیکھا۔ اسے شیر سے یہ امید نہیں تھی وہ تو ہمیشہ ڈٹ کر مقابلہ کرنے والوں میں سے تھا۔

"ہم بھاگ نہیں رہے ڈینیل! شیر کبھی نہیں بھاگتا۔۔ ہم کھیل رہے ہیں۔ ایک ایسا کھیل جس کی کوئی حدود اور اصول مقرر نہیں ہیں۔۔ میں ان سے دور رہ کر بھی ان سے لڑ سکتا ہوں۔۔ اور ابھی میں یہی کرنے جا رہا ہوں۔۔ اپنی چالیں چل چکا ہوں۔۔ بساط بچھا کر نکلا ہوں۔۔ اب بس

دور سے بیٹھ کر میں جنگ کا نظارہ کروں گا۔ اور انھیں سمجھ ہی نہیں آئے گا کہ ان کے ساتھ ہو کیا رہا ہے۔ "شیر مسکرایا۔ ڈینیل ہنوز نا سمجھی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اب ایسے دودھ پیتے بچوں کی طرح مت دیکھو۔ ان کا پہلا وار تم پر پڑنے والا تھا۔ اس لیے تمہیں بھی ساتھ لانا پڑا۔" وہ اسے گھور کر بولا۔

"اور میرے گھر والے۔" ڈینیل کا چہرہ سفید پڑا۔
 "وہ بھی محفوظ ہیں۔" شیر نے کہتے اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ ڈینیل کی رکی ہوئی سانسیں بحال ہوئیں۔
 "ابھی ہم کہاں جائیں گے؟"

"ایئرپورٹ۔۔" شیر نے کہا اور بائیں جانب بڑھ گیا۔ ڈینیل نے اپنا بیگ اٹھایا اور خود بھی اس جانب بڑھنے لگا۔



مالدیپ کا مشہور جزیرہ مافوشی تھا۔ خوبصورت مناظر، خوبصورت موسم، صاف و شفاف پانی اور ان کے کنارے بنے مختلف قسم کے ریزارٹ جہاں سیاح جوڑے اپنا ٹرپ انجوائے کر رہے تھے۔ جنت کے لیے یہ جگہ نئی تھی وہ کئی ممالک میں رہی تھی چھٹیاں گزارنے بیشتر مشہور جگہوں پر ٹھہری تھی لیکن وہ مالدیپ کبھی نہیں آئی تھی۔ نہ کبھی سوچا تھا کہ یہاں آئے گی۔ انٹرنیٹ پر ہنی مون ڈسٹینیشن کے طور پر مشہور مالدیپ اسے کبھی پرکشش نہ لگا تھا اس نے کبھی یہاں آنے کی خواہش نہیں کی تھی لیکن یہ مقام جس قدر سکون اور اطمینان بخش

احساس دے رہا تھا وہ اس کے لیے بالکل نیا تھا۔ جیسے وہ دوسری دنیا سے بالکل کٹ کر ایک نئی دنیا میں چلی آئی تھی جس کا دوسری دنیا سے جیسے کوئی ہی تعلق نہ ہو۔ نیلے سلک گاؤن میں ملبوس وہ پر شوق نگاہوں سے سمندر کی شفاف لہروں کو دیکھ رہی تھی۔ سبز کانچ سی آنکھیں انجانے احساس سے چمک رہی تھیں۔ تبھی ایک ایشیائی نقوش کا حامل نوجوان وہاں آیا اور

اسے ناریل پانی پیش کیا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے آرڈر نہیں کیا تھا۔

"یہ ہماری سروس کا حصہ ہے میڈم!" وہ مسکرا کر بولا۔ جنت نے شکریہ کہتے ناریل پانی تھاما۔ جو ناریل کے کھول میں بڑی نفاست اور خوبصورتی سے پیش کیا گیا تھا۔ اس نے ایک گھونٹ بھرا تو پورے جسم میں توانائی

اور تازگی کا احساس جاگا۔ اس نے ایک خوشگوار سانس لیتے اعصاب ڈھیلے چھوڑے اور وہیں ٹھہرنے لگی۔ اس نے اپنے پیروں کو جوتوں سے آزاد کر دیا۔

"انجوائے کر رہی ہو؟ دیکھ کر اچھا لگا۔۔۔" نرم مسکراتے لہجے پر وہ اچھل پڑی جھٹکے سے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ سر سے پیروں تک پھر پیروں سے سر تک اس کا اچھی طرح معائنہ کیا۔ ایسے وہم اسے ہوتے رہتے تھے۔

"تمہیں کیا لگ رہا ہے خواب دیکھ رہی ہو؟" وہ ہنس دیا جس پر جنت کا حلق کڑوا ہوا۔ ایک تیز اور سرد نگاہ اس پر ڈالی۔

"آنکھوں سے گولیاں برساتی رہو گی؟ ہیلو نہیں کہو گی؟ ہم کتنے وقت بعد مل رہے ہیں۔" شکوہ کناں نگاہوں سے اس کے چہرے کو حصار میں لیتے وہ

سست قدموں سے چلتا اس کے عین سامنے آکھڑا ہوا۔
جنت اس کے یوں بالکل سامنے آجانے پر رخ موڑ گئی۔ شیر نے اس کے شانوں پر بکھرے بالوں کو سمیٹ کر ہاتھوں میں لیا اور ہلکا سا کھینچا۔
"اتنے چھوٹے؟"

"تمہیں کیا؟" جنت نے اپنے بال اس کی گرفت سے آزاد کیے۔
"اور تم میری زندگی کے فیصلے کرنا کب بند کرو گے؟" وہ پلٹ کر تلخ لہجے میں پوچھنے لگی۔

"جب تمہیں اپنی زندگی کی اہم ذمہ داری سمجھنا چھوڑ دوں گا۔۔" جواب ٹھک سے آیا تھا۔

"میں اب بچی نہیں رہی ہوں۔ میرے ڈیڈ جیسے مت بنو۔"

"تمہارے ڈیڈ نے بھی ساری زندگی تمہاری حفاظت کے لیے تمہیں یہاں سے وہاں منتقل کیا۔ اور بہتر ہوگا ہمارا موازنہ مت کرو۔" وہ تحمل سے پرسکون لہجے میں کہہ رہا تھا۔ جنت مزید کچھ نہ بولی۔ خاموش رہی۔

"میں آخر کار آفس میں ایڈجسٹ ہونے لگی تھی۔ تم نے ٹرینل لیٹر جاری کر دیا۔" ایک اور شکوہ۔

"میں تمہیں غیر محفوظ جگہ پر نہیں چھوڑ سکتا۔" وہی پرسکون انداز تھا

جنت گہری سانس لے کر رہ گئی۔

"تمہیں تمہارا روم کیسا لگا؟" شیر نے نرمی سے سوال کیا۔

"خوبصورت ہے۔" جنت آہستگی سے بولی۔ کچھ دیر پہلے کی خوشگواریت کی جگہ وہم و خدشات نے لے لی۔ ذہن پھر ان گنت سوالوں کے بھنور میں ڈولنے لگا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" شیر نے اس کے چہرے پر پھیلی سوچوں کے منجھدار کو بغور دیکھتے سوال کیا۔

"کب تک یہ سب چلتا رہے گا؟" جنت نے سمندر کی پر جوش لہروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"زندگی کب تک ان بے لگام لہروں کی مانند ساحل سے ٹکرا کر سمندر میں گرتی رہے گی۔؟ کیا تم نہیں تھکے شیر؟ کیا تمہارا دل نہیں چاہتا کہ تمہاری ایک پرسکون زندگی ہو؟ جہاں تمہیں کسی کے پیچھے نہ بھاگنا پڑے؟ جہاں کسی کو تمہاری کھوج نہ ہو؟ ایک نارمل انسانی زندگی؟"

جنت کے لہجے کی تھکن نے ایک پل کے لیے شیر کا دل بو جھل کیا تھا۔ وہ اس سب میں ایک ایسا کردار تھی جس کا زندگی کی ساری خوشیوں اور جہاں بھر کے سکون پر سب سے زیادہ حق تھا۔ اس نے بے اختیار اسے کاندھے سے لگاتے اس کا سر نرمی سے تھپتھپایا۔ جنت کا وجود اس پل ٹھہر گیا۔ اس نے گردن گھما کر شیر کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں جگے پر سکون احساس نے جانے کیوں شیر کو احساس جرم میں مبتلا کیا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہ گیا۔

"رات کو آٹھ بجے تیار رہنا ہم کہیں جائیں گے۔" شیر نے نرمی سے کہا

"ہم۔۔ کہاں جائیں گے؟" جنت نے اچنبھے سے سوال کیا

"میں اور تم۔۔ اور کہاں جائیں گے یہ ایک سرپرائز ہے۔"

"ہاں۔۔ میں سوچتی ہوں اگر میری زندگی پر کوئی کتاب لکھی جائے تو اس کا عنوان بھی یہی ہوگا۔ سرپرائز۔۔" ہنستے ہوئے بولی شیر اسے دیکھتا رہ گیا۔

پھر کچھ دیر بعد سوال کیا۔
"اور اگر میری زندگی پر کوئی کتاب لکھی جائے تو اس کا عنوان کیا ہوگا؟" مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"زندانی۔۔" جنت نے فوراً سوچے بغیر جواب دیا۔

"زندانی۔۔ دلچسپ۔۔" شیر ہنس دیا۔

ان سے کچھ فاصلے پر پیچھے کی طرف ڈینیل کھڑا بہت غور سے ان کی جانب دیکھ رہا تھا۔

'مجھے معلوم تھا کہ ان دونوں کے درمیان ضرور کچھ ہے۔ ماسٹر خود تو یہاں پر اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ کوالٹی ٹائم اسپینڈ کر رہے ہیں۔۔ میرا کیا کیا میں یوں ہی اس ہنی مون ڈسٹینیشن پر کباب میں ہڈی کے طور پر موجود رہوں گا؟' وہ وہ ناریل پانی پیتے ہوئے سوچ رہا تھا پھر گردن گھما کر آس پاس دیکھا کہیں کوئی لڑکی اکیلی مل جائے تو ہیلو ہائے ہی کر لے۔

"مائیکرو اسکوپ لے کر دیکھوں بھی تو دور دور تک کوئی تنہا نہیں۔۔ مجھے سولو ٹرپ پر نکل جانا چاہیے۔۔" اپنی سوچوں پر خود ہی سر ہلاتا وہ وہاں سے پلٹا تھا جب اس کا فون بجنے لگا ایک پل کو چونکا۔ یہ والا نمبر تو گنے چنے چند لوگوں کے ہی پاس ہے اس پر کبھی کالز نہیں آتی تھیں۔ فون نکالتے اسکرین کو دیکھا اور چونک سا گیا۔

"ہیزیل؟" وہ بڑبڑایا اور بے اختیار کچھ فاصلے پر کھڑے شیر کو دیکھا۔ الجھن میں گھرا کئی پل اسکرین کو دیکھتا رہا پھر فون اٹھا کر کان سے لگایا۔

"ڈینیل! کیا ہم کچھ دیر بات کر سکتے ہیں؟"

"کیسی بات میڈم؟" وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹتا اس منظر سے دور جانے لگا۔

"ابھی اس وقت ان حالات میں قابل بھروسہ انسان تمہارے علاوہ میرے پاس اور کوئی نہیں۔ مجھے تمہاری مدد چاہیے۔ کیا تم میرا ایک کام کر سکتے ہو؟ ویسے ہی جیسی رازداری سے تم شیر کے کام کرتے ہو؟" وہ بے تابی سے کہہ رہی تھی۔

"میں روس میں نہیں ہوں میڈم! امارات میں ہوں۔۔ معذرت چاہتا ہوں

۔۔" اس نے احتیاط برتی وہ جلد سے جلد فون بند کر دینا چاہتا تھا۔

"کیا تم ایسے کسی شخص کو جانتے ہو جس پر تمہیں بھروسہ ہو اور وہ میرا

یہ کام کر سکے؟"

"اسٹیفن جے آر!۔۔ ماسکو میں میرا دوست ہے۔ امید ہے وہ آپ کو مایوس

نہیں کرے گا۔ میں جلدی ہوں مجھے کہیں پہنچنا ہے میڈم! فون بند

کرتا ہوں۔۔" اس نے تیزی سے کہتے فون بند کیا اور جلدی سے سم کارڈ

نکلنے لگا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ کیا وہ اس کال کے

بارے میں شیر کو آگاہ کرے؟ یقیناً یہ بہت ضروری ہے۔ لیکن ابھی نہیں

۔۔ بعد میں۔۔ گہری سانس بھرتے خود کو کمپوز کرتا وہ آگے بڑھتا گیا۔



ماسکو میں جنگل کے بیچ بنے اس عالیشان محل کی سیکورٹی معمول سے کئی گنا زیادہ تھی۔ محل کی چھت پر ہیلی کاپٹر موجود تھا۔ ڈرون کیمرے چھت کے آس پاس اڑتے دکھائی دیتے تھے۔ جامنی پڑتے آسمان تلے پرندوں کا غول دائرے میں چکر کھاتا دکھائی دے رہا تھا۔ محل کے کنٹرول روم میں بیٹھے باوردی گارڈز پوری توجہ سیکورٹی سسٹم پر لگائے ہوئے تھے۔ کنٹرول روم سے مقامی زبان میں کچھ کہا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے محل کی روشنیاں جلائی جانے لگیں۔ باہر کی چند ایک اسٹریٹ لائٹ بھی جلنے لگی اب منظر میں جامنی رنگ کے ساتھ سفید اور سنہرا رنگ بھی مل گیا تھا۔

"موسم اور منظر کتنا خوبصورت ہے لیکن میں یہاں ڈیوٹی پر ہوں۔۔ اور ڈیوٹی بھی کون سی؟ ایک خالی محل کی حفاظت؟"

"منہ بند رکھو! غلطی سے بھی یہ بات اپنی زبان سے مت نکالو۔۔ چیف نے سن لیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔" دوسرے گارڈ نے اسے ڈپٹا اور کافی کا گھونٹ بھرنے لگا۔

"کیا واقعی محل پر حملہ یا گورنمنٹ ریڈ کا خطرہ ہے؟"

"ہاں!" دوسرے گارڈ نے تائید کی۔

"گورنمنٹ ریڈ؟ کیوں؟ کیا یہاں کچھ ہوا ہے؟"

"کیا تم خبریں نہیں دیکھتے؟ گولڈن فاکس اور ایس آر اب دو الگ الگ قوتیں ہیں۔۔ اور ہر گزرتے دن کے ساتھ ان کے تعلقات بگڑتے چلے گئے۔ یہ بہت اندر کی خبر ہے کہ ماسٹر ایس آر پر شاہی خاندان کی قیمتی نایاب نوادرات کی چوری کا الزام ہے۔ ایف آئی آر تک درج کی جاچکی ہے۔ لیکن فی الوقت حکومت کی جانب سے زیادہ تیزی اس لیے نہیں

دکھائی جا رہی کہ ہمارے وزیراعظم کے حلقے کے تعلقات گولڈن فاکس سے کچھ اتنے بہترین نہیں کہ ان کے کہنے پر ایس آر پر فوری ایکشن لیا جائے یا کوئی بڑا اقدام کیا جائے۔ اس لیے ابھی یہ یقینی طور پر کہا نہیں جاسکتا کہ وہ قانونی کارروائی کی مدد لیں گے یا پھر خود ہی کوئی قدم اٹھائیں گے۔۔۔"

"تم دونوں ابھی تک یہاں کیا کر رہے ہو؟ ڈیوٹی پر نہیں جانا؟" تب ہی سینئر افسر وہاں آیا تو وہ دونوں بری طرح گھبرا کر تیزی سے اپنی اپنی کافی لیے وہاں سے غائب ہو گئے۔ سینئر افسر نے وہیں کھڑے کھڑے کچھ ہدایات جاری کیں اور اپنا مائیکروفون آن کرتا آگے بڑھ گیا۔



دوشنبے سے پندرہ کلو میٹر مغرب میں واقع وادی حصار سبزہ زاروں سے لدی خوبصورت وادی تھی۔ جو چھوٹی پہاڑیوں سے میں گھری قدرت کے حسن کا بول بالا کر رہی تھی۔ شام نہیں ہوئی تھی مگر سورج ڈوبنے کو تھا۔ آسمان سے گلابی مائل روشنی سی پھوٹ رہی تھی۔ وہ ہاتھوں میں بڑے شاپر لیے مختلف گلیوں سے گزرتا آگے بڑھ رہا تھا۔ جسم پر ایک موٹی سوئٹ شرٹ اور چہرے پر سادہ سیاہ ماسک لگائے وہ آس پاس کے منظر نامے پر بھی غور کر رہا تھا۔ یہ گاؤں یہ جگہ اس کے لیے غیر مانوس نہیں تھی وہ کئی بار یہاں آیا تھا۔ یہاں کی رنگین تاثیر دیتی قدیم طرز پر بنی گلیاں اور کچے پکے مکان اسے ایک خوبصورت احساس دیتے تھے۔ آخری بار وہ یہاں تین سال قبل آیا تھا۔ سوچتے ہوئے اس کی آنکھوں میں اداسی بھر آئی۔ ابو بکر اس کا ایک اچھا دوست تھا۔ ترکی میں مقیم ایک

چھوٹی سی آٹو شاپ کا مالک اس کی ہر قسم کی مدد میں پیش پیش رہتا تھا۔ وہ نوجوانی سے ترقی میں کام سے سلسلے میں رہ رہا تھا اور وہاں اس کے اچھے تعلقات اور جان پہچان تھی۔ جس کا حاشر کو اکثر فائدہ پہنچتا تھا۔ دفعتاً وہ ایک سنہری دروازے کے قریب آکا۔ ایک گہری سانس لی اور لوہے کا کنڈا بجایا۔

"کون ہے؟" کسی لڑکی نے پوچھا تھا ساتھ ہی قدموں کی آواز قریب آتی محسوس ہوئی۔

"بین پاکی!" (میں پاکی) اس نے ترک زبان میں جواب دیا دروازہ ٹھک سے کھلا۔ دو سنہری چمکتی آنکھوں نے پرجوشی سے اس کا جائزہ لیا پھر اس کے ہاتھ میں پکڑے سامان کو دیکھا۔ وہ سترہ اٹھارہ سالہ لڑکی تھی۔ ٹماٹر جیسے سرخ پھولے گال اور گول مٹول چہرے والی لڑکی جس کے سر پر

چھوٹا سا سرخ رومال تھا۔ شہد رنگی بالوں کی دو لٹیں آزاد سی چہرہ کا طواف کر رہی تھیں۔ پھول دار لمبی فراک جس کی آستینیں بڑی کھلی کھلی سی تھیں۔

"سلام!" مسکراتے ہوئے سلام کیا پھر پلٹ کر بلند آواز میں اندر اطلاع دی۔

"انیم! بابام! پاکی بے گیل دے۔۔" (اماں! بابا! پاکی صاحب آئے ہیں۔۔)

"یا! سلام! چو جک! مرحبا! گیل! گیل! (ارے۔۔ سلام! بیٹے۔۔ آؤ۔۔ آؤ)"
تب ہی اندر سے بوڑھی عورت دوڑتی ہوئی آئی اور اسے گلے سے لگاتے اندر لے گئی۔

"سیبل! گیل سنا!" (سیبل تم یہاں آؤ!) ساتھ ہی اس دوشیزہ کو بھی آواز دے ڈالی۔ وہ پرجوشی سے اٹھلاتی اندر کی جانب بڑھی۔

"اتنی زحمت کرنے کی کیا ضرورت تھی بیٹے؟" فرقان صاحب نے نرمی سے کہا۔

"زحمت کی کیا بات ہے۔"

"زحمت کی بات تو ہے۔ ہمیں ان چیزوں سے زیادہ آپ کے آنے کا انتظار رہتا ہے۔ جو ہمیشہ سالوں بعد ہی نصیب میں ہوتا ہے۔ آپ کو فرصت نہیں ملتی یا ہماری یاد نہیں آتی؟ فرصت کی بات کریں تو وہ اتنی۔ بھی نایاب نہیں ہوتی کہ تین تین سال تک دستیاب ہی نہ ہو۔"

"بس کرو سیبل! ابھی تو بچہ آیا ہے۔ بس کینچی جیسی زبان ہی چلاؤ گی یا کچھ انتظام بھی کرو گی کھانے پینے کا۔" رویدہ خانم نے اسے ڈپٹا تو وہ منہ

بسورے حاشر کی جانب دیکھنے لگی حاشر مسکراتی نظروں سے اسکی طرف دیکھ رہا تھا۔

"لو یہ سامان بھی لے جاؤ۔۔ کنافہ۔۔ دبے کے کوفتے۔۔"

"مجھ پر حکم مت چلائیے۔۔ اور مہمان ہیں آپ۔ مہمان خود نہیں بتاتا کہ اسے کیا کھانا ہے۔۔" وہ منہ بنائے کہتی سامان اٹھانے لگی۔

"دیکھ رہے ہیں اسے فرقان صاحب؟ ایسی میزبانی کروگی تو کون سا مہمان ہے جو روز روز منہ اٹھائے چلا آئے گا۔" حاشر نے اسے شرم دلانی چاہی۔

"زیادہ ہی زبان چلانی آگئی ہے۔۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے رخصت ہوئی۔ پیچھے رویدہ خانم سمیت حاشر اور فرقان صاحب کے قہقہے گونجنے لگے۔

"بالکل صحیح کلاس لیتی ہے یہ سیبل تمہاری! بھلا ایسے کوئی کرتا ہے۔۔ ہم تو ترس جاتے ہیں تمہارا چہرہ دیکھنے کو۔۔ آخری دفعہ عید پر تمہاری کال آئی تھی۔۔ تحفے ہی نہیں بھیجے جاتے صرف! خود بھی حاضری لگائی جاتی ہے محترم!" فرقان صاحب شفقت بھرے لہجے میں اسے ڈپٹ رہے تھے۔ حاشر فقط سر جھکائے مسکراتا رہا

"فرقان بے! بہت ہی اہم اور پیچیدہ کام میں مصروف تھا۔ اب تو سال ہونے کو آیا ہے۔ اللہ کا خاص کرم تھا کہ ہم نے نوے فیصد اپنا مقصد حاصل کر لیا ہے۔۔ باقی اب واپسی ہے۔۔ ان شاء اللہ مزید بھی سب بہترین ہو گا۔"

"اللہ تمہیں اپنی حفاظت میں رکھے۔"

"زمینوں پر کام کیسا چل رہا ہے؟"

"بہترین! تم نے جو کاغذات بنوا کر دیے ہیں اس کے بعد پھر کبھی دارا واپس نہیں آیا کسی قسم کا دعویٰ کرنے۔۔ سیبل ہی جاتی ہے ساتھ کچھ ملازم بھی ہیں۔۔ خدا تمہیں اس کا اجر دیتا رہے۔۔"

"کھانا کھا کر سیبل کے ساتھ جانا باغات کا چکر لگا آنا! آج رات یہی قیام کرنا! ہمیشہ آدھے دن کو آتے ہو۔۔"

"ہاں آج رات یہیں رہوں گا۔ کل صبح نکل جاؤں گا۔ میری کل دوپہر کی فلائٹ ہے۔۔" حاشر نے کہا۔ یہ بات سن کر دونوں میاں بیوی کے چہرے کھل اٹھے۔

"ارے واہ! ہماری تو عید ہی ہو گئی۔۔" رویدہ خانم حاشر کا ہاتھ گرم جوشی سے دباتی پر جوشی سے بولیں ان کی محبت پر وہ مسکرا کر رہ گیا۔ ان کی یہ پر خلوص محبت ہی تھی جو حاشر کو ان سے بیگانہ نہیں ہونے دیتی تھی۔

ورنہ ایسے سفر میں، راستوں میں کئی لوگ ملتے ہیں جن کے ساتھ کچھ دنوں کی کچھ گھنٹوں کی مانوسیت ہوتی ہے۔ لیکن وقت جوں گزرتا ہے وہ ذہن سے محو ہو جاتے ہیں۔ کچھ کبھی نہ یاد آنے کے لیے تو کچھ فقط سالوں میں ہلکی سی شبہ کی صورت میں ذہن کے پردے پر ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر یہ گھر، یہ خاندان، یہ جگہ حاشر کے لیے کچھ وقت کا سکون اور اپنائیت بھرا احساس تھی۔ وہ ان سے کبھی لاپرواہ نہیں رہ پاتا تھا۔



آسمان ستاروں سے بھرا تھا کچھ زیادہ روشن تو کچھ کم روشن۔ کچھ بڑے تو کچھ چھوٹے سے۔ گہری نیلی روشنی آسمان پر ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔ نگاہ آسمان پر ڈالی جاتی تو مشکل تھا کہ نگاہ بھٹک جائے۔ ایک ایسی ہی طلسماتی

کشش نے آسمان کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ جیسے ہر ستارہ اپنی چمک سے طلسم بکھیرتا ہو۔ نگاہوں کو باندھ لینے والا طلسم!

اس ریتیلے ساحل پر دور دور تک سناٹے کا راج تھا۔ ناریل کے درخت خاموش کھڑے تھے۔ سمندر بھی پر سکون تھا۔ عموماً رات کے پہر لہریں بڑی چنچنل ہو جایا کرتی ہیں لیکن آج عجب سا جادوئی سکون منظر پر حاوی تھا۔ میز پر رکھا خوبصورت نارنجی لالٹین اور اس پاس سجاوٹ کے لیے لگائے گئے ننھے ننھے الیکٹرک دیے۔ پھولوں کی دھیمی سی مہک ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔ وہ سفید فارمل شرٹ پہنے اوپر کے دو بٹن کھولے آستینیں کہنیوں تک موڑے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ بال جدید انداز میں بنے تھے۔ گلے میں لٹکتا مخصوص "heaven"

کے حروف کا وہ پینڈینٹ الگ سے ہی چمک رہا تھا۔ دفعتاً اس نے کلائی پر

بندھی گھڑی میں وقت دیکھا۔ جنت ابھی تک نہیں آئی تھی۔ اس کا فون بجا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈالتے اپنا فون نکال کر اسکرین کو دیکھا تو ابرو اکھٹی ہوئیں۔ شیر نے فون اٹھا کر کان سے لگایا۔

"بولو ایڈیسن!"

"ہمارا کام ہو گیا۔" دوسری طرف پر جوشی سے کہا گیا۔

شیر بے اختیار مسکرایا۔

"کیسے؟"

"جارجیا اس میٹنگ میں شامل تھی جہاں آپ کو ٹارگٹ کرنے کے مختلف منصوبوں پر غور کرنے کے لیے لوگوں کو اکٹھا کیا گیا تھا۔ ہمارے پاس پورے پونے گھنٹے کی ریکارڈنگ ہے۔ جارجیا کے مطابق وہاں گولڈن فاکس نہیں تھا لیکن اس کے تین اہم آدمی وہاں موجود تھے لیکن میٹنگ

ہولڈر یہ بات نہیں جانتے کہ وہ تین لوگ گولڈن فاکس کے تھے۔ وہ آخر تک بے خبر رہے۔

"اس کا مطلب گولڈن فاکس وہاں نہیں ہے؟"

"اطلاعات کے مطابق وہ رسومات کی تیاری میں مصروف ہیں لیکن دوسری طرف کچھ لوگوں کو آپ کے محل کی طرف چھان بین کے لیے بھیجا گیا ہے انھیں یقین ہے کہ آپ وہیں ہیں۔ صرف گولڈن فاکس جانتا ہے کہ آپ محل میں نہیں ہیں۔ لیکن اس نے یہ بات ظاہر نہیں کی ہے۔"

"یقیناً وہ کسی اور چکر میں ہے۔" شیر نے آہستگی سے کہا۔

"میں تمہیں گیارہ بجے کے بعد کال کروں گا کانفرنس کال! تمام لوگوں کو کہو کہ وہ تیار رہیں۔"

"او کے ماسٹر!" دوسری طرف سے کہا گیا شیر نے پرسوج نگاہوں سے سمندر کو دیکھتے کال کاٹی اور فون میز پر رکھ دیا۔ کچھ لمحے یوں ہی خاموشی میں گزر گئے دفعتاً آہٹ ہوئی۔ جنت چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس طرف آتی دکھائی دی۔ آسمانی رنگ کے سِلپ گاؤن میں ملبوس تھی بالوں کی سیدھی مانگ نکال کر پیچھے درمیان میں پونی باندھ رکھی تھی۔ ہلکے سے گلیٹر شیڈز اور ہلکے رنگ کی لپ اسٹک تھی۔ میک اپ بڑی نفاست اور توجہ سے کیا گیا تھا۔ محویت سے اسے دیکھتے وہ چونکا پھر تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے لیے کرسی کھینچی۔ جنت نے اچنبھے سے اس کی طرف دیکھا پھر کاندھے اچکا کر کرسی پر بیٹھی۔ شیر نے میز پر رکھا پھولوں سے بھری چھوٹی سی ٹوکری اس کے سامنے رکھی۔

"تمہارے لیے!" وہ بیٹھتے ہی خوبصورتی سے مسکرائی تھی۔ شیر کے دل کو راحت سی ہوئی۔ یہ مسکراہٹ کچھ اشارہ دے رہی تھی۔ جیسے یہ تیاری یہ انتظام اور یہ انتظار اسے پسند آیا ہو۔

"میری دعوت قبول کرنے اور اسے اہمیت دینے کا شکریہ!" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"مجھے آنا ہی تھا۔" وہ اپنی انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی کو دیکھتے ہوئے بولی۔ یہ وہ انگوٹھی تھی جو آخری دفعہ شیر نے اسے دی تھی۔ شیر کی نگاہ اس کی انگلی پر گئی تو وہ آہستگی سے ہنس دیا۔

"تم نے یہ رنگ پہنی۔ مجھے اچھا لگا!"

"تم نے مجھے یہ رنگ کیوں دی تھی؟" جنت نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں کہ یہ قیمتی ہے۔۔ اور میری ساری قیمتی چیزیں تمہارے لیے ہیں
۔۔"

"جیسے کہ؟" جنت نے ٹھوڑھی پر ہاتھ رکھتے سوال کیا۔

"جیسے کہ میرا وقت! میرا دل! میرے احساسات اور جذبات وغیرہ!"
"تمہارے لیے ہمارے رشتے کا سب سے اہم حصہ کون سا ہے؟ کیا وہ
بچپن کا ایک سال؟" جنت نے ایک اور سوال کیا۔ شیر کچھ پل تک
خاموشی سے میز کی سطح کو دیکھتا رہا۔
"نہیں! وہ ایک سال نہیں۔۔ وہ بچپن بھی نہیں۔۔ نہ اس کا کوئی ایک لمحہ
۔۔" شیر نے سوچتے ہوئے کہا۔

"میں ہمیشہ سوچتی ہوں کہ ہمارے رشتے کی بنیاد کیا ہے؟ اس کا مستقبل
کیا ہے کیا ہو سکتا ہے؟ یا صرف یہ زندگی کے بھاگ دوڑ کا

ایک حصہ ہے۔۔"

"ہمارے رشتے کی بنیاد وہ احساس ہے جو سالوں سے ہمارے وجود میں پنپ رہا ہے۔۔ وہ اپنائیت جو انسان کو اپنے وجود سے اپنے گھر سے۔۔ وہاں سے جہاں وہ نمو پایا۔۔ اور پھر احساس کا وجود جو صرف وہی سے جڑا رہا۔۔ پھر وہ ہمیں کہیں اور نہیں ملا یا ہم نے ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی۔۔ دنیا اسے محبت کہتی ہوگی۔۔ عشق کہتی ہوگی۔۔ پر میرے لیے یہ احساس میرے وجود کے اندر میری سلامتی اور میری روح کی حفاظت ہے جو تمہارے وجود کے حصار میں ہوتی ہے۔۔ میری روح کا گھر ہے تمہارے وجود میں!۔۔" شیر بڑی نرمی سے بڑے ہی گہری وجد میں اپنے خیالات کا اظہار کر رہا تھا اس کا خضوع جنت کی سسکی نے توڑا وہ چونک سا گیا۔۔

"جنت تم رو رہی ہو؟ کیا ہوا؟" اس کی سرخ آنکھیں چہرے پر آنسوؤں کی دھاریں وہ دنگ رہ گیا۔

"مجھے نہیں پتا!" اس نے خود پر قابو پاتے کہا۔ شیر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب نیچے مٹی میں گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

"آئی ایم سوری!" شیر نے اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھے۔

"سوری کیوں کہہ رہے ہو۔" وہ روتے روتے اس کا چہرہ دیکھتے بے اختیار آہستگی سے ہنس دی۔

"تم نے ڈرا ہی دیا تھا۔" یہ رونے کی بات ہے؟ چھوٹی چڑیل!" شیر نے جنت کے گال پر ہلکی سی چپت لگائی اور اس کا سر تھپتھپاتا اپنی جگہ پر آیا۔

"کیا کھاؤ گی؟ میں جانتا ہوں تمہیں سی فوڈ پسند نہیں۔ اس لیے میں نے کچھ آرڈر نہیں کیا ابھی تک! پر مینو میں کچھ ایسی ڈشز ہیں جو تمہیں پسند آسکتی ہیں۔"

"تمہیں اب تک یاد ہے کہ مجھے سی فوڈ نہیں پسند!"

"ہاں! کیوں کہ تمہیں مچھلیاں پسند ہیں۔ پر کھانے کے لیے نہیں! باقی سمندری حیات سے تمہیں الجھن ہوتی ہے تم انہیں زندہ دیکھ نہیں سکتی۔ کجا کہ انہیں رینگتا ہوا تصور کیے بغیر کھا کر ہضم کر لینا۔" شیر نے لفظ بہ لفظ یہ اس کی بات دہرائی جو اس نے کئی سال پہلے کہی تھی۔ جنت بے اختیار کھکھلا کر ہنس دی۔

"تمہارا حافظہ اتنا تیز ہے۔"

"جیسا کہ تم جانتی ہو۔" وہ سر خم دیتا مسکرا دیا۔

شیر نے اس کی طرف مینو بڑھایا۔

"سیلڈ! اور ایک سائیڈ ڈش۔"

"اور کچھ؟"

"میں ڈائٹ پر ہوں۔ اگلے مہینے میرا ریمپ شو ہے۔"

"ڈائٹ؟ تمہیں ڈائٹ کی ضرورت ہے؟ پرفیکٹ ہو۔"

"تھوڑی سی!" وہ مسکرائی۔

"ہم کب تک یہاں رہیں گے؟" جنت نے دونوں ہاتھ گالوں پر رکھتے

سوال کیا۔

"اگلے ہفتے تک۔ کل ہم ایک واٹر فال پر دیکھنے جائیں گے۔ پھر کچھ

مزید جگہیں۔"

"شاندار!" وہ پرجوش سی مسکرائی۔

"لیکن ایک اصول ہے۔۔ ہم کسی متنازعہ مسئلے بات نہیں کریں گے۔۔ صرف ہماری باتیں ہوں گی۔۔" شیر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے تاکید کی ہو جیسے۔

"لیکن کچھ سنجیدہ مسئلے ہیں جن پر میں بات کرنا چاہتی ہوں۔۔ اس کے بعد ہی میں بے فکری سے تمہارے ساتھ یہ سیر و سیاحت کا شوق پورا کر سکوں گی۔۔" وہ کچھ سنجیدہ ہوئی۔

شیر نے گہری سانس لی اور اثبات میں گردن ہلائی۔
"ٹھیک ہے۔۔ ابھی ہم اس سب پر بات کر لیتے ہیں۔۔ اس کے بعد پھر نہیں۔۔" شیر نے تائیدی نظروں سے اسے دیکھا۔

"Alright"!

"میں اپنے ڈیڈ کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔۔" وہ آہستگی سے بولی۔ شیر پہلے ہی جانتا تھا کہ وہ یہی پوچھے گی۔

"جنت! تمہارے ڈیڈ پاکستانی سرکار کی قید میں ہیں۔" اس نے نرمی سے کہا۔ جنت یہ جانتی تھی۔ فقط خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"وہ نابالغ بچے بچیوں کی خرید و فروخت میں ملوث رہے ہیں۔ انہوں نے ان گزرے سالوں میں ہزاروں کی تعداد میں پاکستانی، افغانی، بھارتی اور بنگلہ دیشی بچوں کا اغوا۔ اعضاء کی خرید و فروخت، کرتے رہے ہیں۔ عورتوں کو مختلف ممالک میں بیچنا یا انھیں جنسی غلامی کے لیے مختلف رئیسوں کے محلات میں بھیجنا! کئی سال پہلے بھی ان کے خلاف پاکستانی آپریشن کیا گیا تھا جو پوری طرح ناکام رہا تھا۔ یہ کام وہ گولڈن فاکس کی رہنمائی اور سربراہی میں کرتے رہے ہیں انھیں گولڈن فاکس کی سرپرستی حاصل

تھی۔ میں نے کئی دفعہ اشارے کنایوں میں انہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ جانتی ہو میری اور عمش کی آپس میں ناپسندیدگی ایک طرف لیکن اندر ہی اندر ہم دونوں جانتے تھے کہ ہمارا تعلق کیا ہے۔ تمہارے ڈیڈ تمہارے حوالے سے مجھ پر بھروسہ کرتے تھے۔ اس لیے وہ تمہاری طرف سے ایک حد تک لاپرواہی بھی فقط اس لیے ہو گئے تھے کہ انہیں یقین تھا کہ میں تمہاری طرف سے کبھی لاپرواہی نہیں رہوں گا۔ "شیر کچھ پل خاموش رہا۔ جنت نم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ شیر نے میز پر رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر نرمی سے دباؤ ڈالا۔

"اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ کبھی نہ کبھی کسی موڑ پر انہیں اپنے کیے کی سزا بھگتنی ہے اور جانتی ہو ایک دن عمش نے مجھ سے کیا کہا تھا؟"

وہ گہری سانس لے کر پیچھے کو ہوا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔

وہ ایک ہنگامے سے بھرا دن تھا جب عمش کو اچانک صوفیہ اور شیر کے رشتے کا علم ہوا۔ وہ اب موقع کی تلاش میں تھا کہ کسی طرح وہ اس راز کا ایسے استعمال کرے کہ شیر قابو میں آجائے۔

قطری وفد سے ایک لمبی میٹنگ کے اختتام پر عمش نے اسے جالیا تھا۔
 "تم نے اس وفد کے سامنے میری اہمیت کو رتی برابر ظاہر کر کے اچھا نہیں کیا۔ میں پچھلی کئی دہائیوں سے گولڈن کے ساتھ ہوں۔" وہ تقریباً غرایا تھا۔

"تو؟ کیا تیرے تم نے گولڈن کے ساتھ رہ کر؟ کالا دھن کمایا؟ نئی نئی عورتیں۔ کم عمر بچیوں کو لا کر اپنی راتیں رنگین کرتے رہے ہو؟ تم خود بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ دنیا کے بڑے بڑے ناموں کے لیے

تم اور ہیزیل کس قسم کی دلالی سرگرمیوں میں ملوث رہے ہو۔ میں تمہیں اپنے کاروبار میں کس قسم کی اہمیت دوں ہاں؟

"مت بھولو کہ جنت میری بیٹی ہے شیر!"

"اوہ۔" شیر ہنس دیا تھا۔

"جنت تمہاری بیٹی ہے؟ اس کے علاوہ تمہارا جنت سے کیا تعلق ہے؟"

شیر نے بڑے ہی سکون سے اسے بے سکون کیا تھا۔

"میں اسے تمہاری طرف سے بدلہ کروں گا۔" عمش نے دانت

کچکچائے۔

"کوشش کر کے دیکھ لو۔" شیر نے مسکرا کر کہا۔

"تم یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ تمہیں فرق نہیں پڑتا!"

"مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں تم نہیں ہوں کہ اپنے کارناموں کی وجہ سے بیٹی کو دنیا کے سامنے نہ لاؤں۔ اس کی حفاظت نہ کر سکوں۔۔۔ اسے چھپاتا پھروں۔۔۔ جس روز میں اسے اپنا نام دوں گا تب تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا کہ اس کا مقام کیا ہوگا۔ اسے نقصان پہنچانا دور اس کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ وہ آزادی سے جہاں چاہے گی جائے گی کیوں کہ تب وہ صرف عمش کی بیٹی نہیں ہوگی۔ اس شیر کی بیوی ہوگی جس نے اپنے دشمنوں کو ان کے قبروں کی خاک چٹوادی ہوگی۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر پورے اعتماد اور یقین سے بولا تھا۔

عمش سن سپاٹ سا شیر کی دھاڑ کے جواب میں یک ٹک اس کا چہرہ تکتا جا رہا تھا۔

"اور اس خوش فہمی میں نہ رہو کہ تمہاری کوئی اہمیت رہی ہے تبھی میں تمہیں ہر بار جانے دیتا ہوں۔ تمہیں اس لیے جانے دیتا ہوں کہ خبیث ترین ذلیل ترین اور بیغیرت ترین ہو کر بھی تم جنت کے باپ ہو۔ اور رہی صوفیہ تو۔ اس نے مجھے جتنا ضرور ہے لیکن وہ بھی تمہاری طرح خبیث ترین بدکردار اور گھٹیا عورت ہے تو مجھے وہ اپنا بیٹا کہہ بھی دے تو دنیا یقین نہیں کرے گی عمش! میرا ایک مقام ہے اور وہ عورت اس مقام کی دھول بھی نہیں کہ کوئی اس بات پر یقین کر لے۔ اب تم اپنی منہوس صورت لے کر یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

"جارہا ہوں! صرف اس لیے کہ تم جنت سے سچی محبت کرتے ہو اور مجھے اس بات پر یقین ہے کہ تم اس کی حفاظت کرو گے۔ ورنہ چاہوں

تو میں بھی بہت کچھ کر سکتا ہوں شیر! مجھے اتنا بھی گرا ہوا مت سمجھو
۔۔۔ ویسے بھی ایک کہاوت ہے کہ جو جتنا گرا ہوا ہوتا ہے دوسروں کو اتنا
گرانے کی جرات بھی کر سکتا ہے۔۔۔"

"کیا سوچ رہے ہو شیر؟ کیا کہا تھا ڈیڈ نے؟" جنت نے اس کو گہری سوچ
میں ڈوبا دیکھا تو پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"انہوں نے کہا تھا کہ انھیں یقین ہے کہ میں تمہاری حفاظت کروں گا
ہمارے ہر اختلاف کے باوجود وہ اس حوالے سے بے فکر رہ سکتے ہیں
زندگی میں اگر کبھی وہ نہ ہوں تو تم میرے ساتھ محفوظ رہو گی۔۔۔" وہ
مسکرایا۔ جنت اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"میں تمہارے ڈیڈ کو کسی سزا سے نہیں بچا سکتا لیکن تم چاہو تو میں
تمہاری ان سے ملاقات کروا سکتا ہوں۔۔۔"

اس بات پر جنت کے تاثرات بدلے تھے وہ کچھ متذبذب سی ہوئی تھی۔
 "جب چاہو۔۔۔ جب تم ان سے ملنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔۔۔ لیکن ان سے
 تب ہی ملنا جب تم اپنا دل صاف کرلو۔۔۔ انسان بہت گناہ گار اور بدکار
 ہو کر بھی اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے یہ ایک فطری عمل ہے اور وہ دنیا
 میں ہر انسان کی نفرت سہہ سکتا ہے سوائے اپنی اولاد کے۔۔۔ اولاد کی
 نفرت انسان کو ختم کر دیتی ہے۔۔۔" وہ ایک پل کے لیے کھوسا گیا۔ اسے
 اپنے باپ کا چہرہ یاد آیا سالوں سے وہ بے رنگ آنکھیں جن میں اس نے
 ہزاروں رنگ بھر دیے لیکن وہ بے رنگ سا تاثر کبھی نہ ختم ہوسکا
 ۔۔۔ یہاں تک کہ ان کی زندگی میں حاشر دوبارہ آگیا۔ اس کے بعد چاہ کر
 بھی شیر انھیں اپنے پاس روک نہ سکا اور آخر کار اسے زندگی کا ایک
 مشکل ترین فیصلہ کرنا پڑا اسے یہ بہت مشکل لگا تھا اسے لگا وہ باپ کی

زندگی میں موجودگی کے بغیر نہیں رہ پائے گا وہ اطمینان کھودے گا لیکن
ایسا نہیں ہوا اسے اپنا من ہلکا لگا تھا۔

"شکریہ!" جنت کے بھرائے لہجے نے شیر کو خیالات کی رو سے نکال باہر
کیا۔

"میں کوشش کروں گی۔ ہر ممکن کوشش!"
"گڈ گرل!" شیر نے نرمی سے کہا اور آہستگی سے مسکرا دیا۔
"چلو اب کھانا شروع کرتے ہیں۔۔۔" شیر نے کھانے کی طرف اشارہ
کیا۔ جنت سر ہلانے لگی نم آنکھیں شیر کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی
تھیں۔

"تمہیں پتا ہے شیر! جب تم مجھے ہمیشہ چھوڑ کر چلے جاتے تھے تو میں
سوچتی تھی کہ اب تم سے نہیں ملوں گی۔۔۔ تم سے بات نہیں کروں گی

-- یہ تعلق کچھ نہیں ہے لیکن وہ حفاظت کا احساس جو مجھے تمہاری موجودگی میں ہوتا ہے ان سارے شکوؤں کو بھلا دیتا ہے۔۔ جب تمہیں گرین مینشن سے لے جایا گیا تھا تب مجھے لگا تھا کہ میرے سر سے محفوظ چھت چھن گئی ہے۔ وہ حفاظتی حصار تمہارے ہونے سے ہی محسوس ہوا ہے ہمیشہ! "وہ آہستگی سے کہہ رہی تھی۔

"کیوں کہ تم مجھ پر بھروسہ کرتی ہو۔ تمہارا بھروسہ کبھی نہیں ٹوٹے گا جنت!" اس نے اس کا ہاتھ تھپتھپا کر کہا۔ جنت پر یقین سی مسکرا دی۔



سیبل آگے آگے چل رہی تھی۔ قدموں میں بلا کی تیزی تھی۔ انداز جارہانہ اور قدرے بے نیاز! حاشر دم سادھے پیچھے چلتا آس پاس کا نظارہ کر رہا تھا۔ آسمان نیلا اور صاف تھا۔ تازگی بھری ہوا چل رہی تھی مگر ٹھنڈ

کا احساس اتنا نہیں تھا۔ چرند پرند درختوں میں چھپے گیت الپ رہے تھے۔ آوازیں گاہے بگاہے کانوں میں پڑتی بھلا سا تاثر دیتی تھیں۔

"بابا کے سامنے یوں پیش ہوتے ہیں جیسے دنیا کے مصروف ترین انسان ہوں۔۔" تیز تلخ لہجہ۔

"یہ اتنی خفگی۔۔ ٹھیک کہتا تھا ابو بکر!"

"کیا کہتا تھا ابی!" وہ پلٹ کر تیکھی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے پوچھ رہی تھی۔

"یہی کہ کریلے بھی تمہاری کڑواہٹ سے پناہ مانگتے ہوں گے۔"

"اللہ اللہ! کڑواہٹ ہی ہے۔۔ وعدہ فراموش نہیں ہوں۔۔ بے وفا لاپرواہ تو نہیں۔۔"

"وعدہ؟" حاشر الجھ سا گیا۔

"کون سا وعدہ!" حاشر نے سوال کیا تو وہ رک گئی۔ وہ تقریباً انگوروں کے باغات تک آ پہنچے تھے۔

"اف کیا اب بھی میں آپ کو چھوٹی بچی نظر آتی ہوں؟" تلخی سے سوال کرتی آنکھوں میں نمی ابھرنے لگی۔ حاشر کا منہ کھلا رہ گیا اس نے نا سمجھی سے اس کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"سات سال پہلے تو آپ نے کہا تھا کہ جب میں بڑی ہو جاؤں گی تو آپ مجھ سے شادی کریں گے کیا وہ جھوٹ تھا؟" ہمیشہ کی طرح سوال نامہ تیار کھڑا تھا حاشر اپنا سر پکڑ کر رہ گیا۔

"سیبل! بے وقوف لڑکی؟ میں نے تم سے کب کہا تھا کہ میں تم سے شادی کروں گا؟ تم مجھ سے آدھی عمر کی ہو؟ میرے لیے ہمیشہ وہی دس

سال کی بچی رہو گی چاہے جتنی بڑی ہو جاؤ۔۔" وہ اس کی کم عقلی پر تاسف سے بولا۔

"تو وہ سب کیا تھا؟" وہ وہیں پتھریلی چٹان پر بیٹھ گئی۔ روہانسی ہو کر بے بسی کی تصویر بنے۔

"جانتے ہیں وادی کے سارے لڑکے مجھ پر مرتے ہیں۔۔ پر میں انھیں کہتی ہوں مر ہی جاؤ۔ میں نے آپ کے سوا کسی کے خواب نہیں دیکھے۔" وہ رو پڑی۔ حاشر اس صورتحال میں بے بس سا کھڑا تھا کئی پل اسے سمجھ ہی نہ آیا کہ وہ کیا کہے۔

"ابھی تم چھوٹی ہو سیبل! نا سمجھ ہو۔ اس عمر میں یہ عام بات ہے۔۔ ہم بہت جلد کسی سے بھی متاثر ہو جاتے ہیں۔"

"آپ کسی نہیں ہیں۔" وہ روتے روتے چلائی۔

"تو کیا تمہیں منظور ہے کہ جس سے تمہاری شادی ہو وہ جذباتی طور پر کبھی دستیاب ہی نہ ہو جس کے پاس وقت ہی نہ ہو۔۔ جو سالوں میں گھر آیا کرے؟"

"تو فوجی اپنی بیوی ساتھ بھی لے جاسکتے ہیں۔۔" وہ بچوں کے سے انداز میں پیر پٹخ کر بولی

"ہر فوجی اپنی بیوی کو ساتھ لیے لیے نہیں پھرتا ہم جیسا تو کبھی نہیں۔۔ وہ بڑے آفیسر ہوتے ہیں۔۔"

"آپ کمانڈر ہیں۔۔"

"آفیسر نہیں ہوں۔۔ کمانڈرز کو ہمیشہ کمانڈ پر رہنا پڑتا ہے اس کا کوئی گھر نہیں ہوتا کوئی ملک نہیں ہوتا۔۔"

"تو کیا آپ کبھی شادی نہیں کریں گے؟" وہ یک دم چپ ہو کر سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

"تم جتنی ننھی پری سے تو ہر گز نہیں۔۔ اور یہ تمہاری عمر خوابوں کو پورا کرنے کی ہے۔۔ اور یہ گاؤں کے لڑکے وغیرہ ان کا تو میں بندوبست کر کے جاؤں گا خبردار کسی کی کوئی فضول بات سنی ہو تو۔۔ تمہارے لیے جو فیصلہ کریں گے بابا کریں گے۔ سمجھ گئیں؟ تم ابھی ان معاملات کے لیے بہت چھوٹی ہو۔" وہ سنجیدگی سے سمجھا رہا تھا وہ سر جھکائے خاموش سی سن رہی تھی۔

"تم جب تھوڑی بڑی ہو جاؤ گی تو تمہیں احساس ہو گا کہ جو پیچھے رہ گئے وہ دن تھے عام سے! ان میں کچھ بھی خاص نہ تھا۔ انتظار۔۔ یہ خیالات یہ سوچیں یہ سب تمہیں تب ہنسنے پر مجبور کریں گے۔"

"ہمیں ہمارے لیے لوگ مل جاتے ہیں ہمیشہ! زندگی کے پاس ابھی تمہارے لیے بہت کچھ خوبصورت ہے۔ میرا یقین کرو۔" اس نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ میں ہمیشہ واپس آتا رہوں گا۔ جب جب میں واپس آؤں گا تمہیں زندگی کی نئی منزلوں پر دیکھنے آؤں گا۔ میرے دل میں تمہارے لیے وہ شفقت ہے جو ابو بکر کے دل میں تھی سیبل! اور یہ احساس زندگی میں سب سے پیارا احساس ہے۔ میری کوئی بہن نہیں تھی۔ پر جب ابو بکر مجھے یہاں لے کر آیا تو تمہیں دیکھ کر لگا اگر میری بہن ہوتی تو تم جیسی ہوتی۔ تم مجھے بہت عزیز ہو۔ میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ میں نے جو وعدہ کیا تھا اسے میں ہمیشہ یاد

رکھوں گا ہمیشہ موجود رہوں گا تمہاری زندگی میں۔۔" حاشر بڑی نرمی اور محبت سے کہتا اس کی آنکھیں نم کر گیا۔

"ویسے ہی فرمائشیں کرتی رہنا۔۔ جو چاہیے ہو مجھے کہنا! سمجھ گئی؟" آخر میں اس نے سوال کیا۔ سیبل نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"چلو اب واپس چلتے ہیں۔۔ مجھے لگتا ہے بارش ہونے والی ہے۔۔"

"پھر تو یہیں رہنا چاہیے۔۔ کیا آپ کو بارش نہیں پسند پاکی ہے۔۔" وہ مسکراتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"پسند ہے پر ابھی میں بھگنا نہیں چاہتا چلو واپس۔۔" حاشر نے آسمان کے بدلتے رنگوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں آپ تھک بھی گئے ہوں گے۔۔ چلیں۔۔" وہ اٹھ کر اس کے آگے آگے چلنے لگی۔ حاشر نے اپنا فون نکال کر وہ نمبر ملا لیا۔

"The number you have dialled" ...

حاشر نے گہری سانس لیتے فون جیب میں ڈال لیا۔



اسلام آباد کے پوش علاقے میں یہ خوبصورت کیفے قدیم طرز پر بنا ہوا تھا۔ بھوری لکڑی کا خوبصورت فن تعمیر کی شاندار مثال تھا۔ کیفے کے باہر گھنے پھولوں کی بیلین لٹکی ایک دلکش منظر پیش کر رہی تھیں۔ اندر کا ماحول خوشگوار تھا۔ کشادہ جگہ میں فاصلے سے کرسیاں اور میزیں رکھیں تھیں۔ کچھ میزیں خالی تھیں کچھ پر لوگ بیٹھے تھے ان ہی میں سے ایک میز پر وہ چاروں بیٹھے تھے۔ طوبیٰ سنجیدہ نظر آرہی تھی۔ جیسے ان سے خفا ہو۔ اریب کے چہرے پر فکر مندی جھلک رہی تھی جبکہ حنین اور منان خاموش تماشائی تھے۔

"تم غلط فہمی کا شکار ہو طوبی!"

"کیسی غلط فہمی؟" طوبی نے تحمل سے جواب دیا۔

"تم لوگوں نے کمانڈر کے کہنے پر مجھے دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال نہیں پھینکا؟"

"کمانڈر نے ایسا اس لیے کیا کیوں کہ تمہاری صحت اور دماغی سکون برباد نہ ہو۔"

"میں نے اس مشن پر اپنا سو فیصد دیا تھا اریب! " وہ یک دم مشتعل ہوئی اور میز پر ہاتھ مارا اور فوراً ہی خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"کیا میرا حق نہیں تھا کہ میں ہر اقدام ہر مرحلے سے باخبر رہتی؟"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" منان نے نرمی سے کہا جس پر حنین اور اریب نے اسے یوں دیکھا جیسے اس نے کچھ غلط کہہ دیا ہو۔

"میری بات سنو طوبی! کمانڈر ہی اپنے ہر عمل کا تمہیں بہتر جواب دے سکتے ہیں۔ ہم ان کے اقدامات اور ان کے خیالات کی تم کو وضاحت نہیں دے سکتے۔"

اریب نے اثبات میں گردن ہلائی جیسے اس بات پر وہ متفق ہو۔
 "تمہاری کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" حنین نے طوبی کی توجہ کافی کی طرف کی۔ طوبی نے کافی کا کپ ہاتھ میں لیا اور نگاہیں باہر سڑک پر جمادیں۔ ان تینوں نے آپس میں ایک دوسرے کو دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے سوال کیا۔
 "کل یا پرسوں تک کمانڈر پاکستان پہنچ جائیں گے۔ پھر تم ان سے مل کر ساری غلط فہمی دور کر لینا۔" اریب نے نرمی سے کہا۔

طوبیٰ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ پڑنے لگیں۔ دل کسی نے جیسے بڑی بے رحمی سے دبا دیا ہو۔

"میں اس شخص کا چہرہ بھی نہیں دیکھنا چاہتی!" وہ سرد مہری سے بولی لہجے میں عجیب سی چھن تھی۔ وہ تینوں ساکت رہ گئے۔ اریب بے یقین سا اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ یہ لہجہ! یہ انداز! کمانڈر کے لیے؟ وہ بھی طوبیٰ کی طرف سے؟ ان کے درمیان مزید بھی کچھ تھا جو وہ نہیں جانتے تھے؟ وہ سوچتا ہی رہ گیا۔

"خیر یہ باتیں چھوڑو تم لوگ! ہم کوئی اور بات کرتے ہیں۔"

وہ تینوں لاجواب اور حیران سے ایک دوسرے کو تکتے رہ گئے۔ یہ طوبیٰ وہ نہیں تھی جسے وہ لوگ جانتے تھے۔ یہ تو کوئی اور ہی تھی۔ کٹی

کئی سی، ساتھ بیٹھے بھی اجنبی لگ رہی تھی۔ جس کی آنکھوں میں ہزار شکوے تھے جو صرف ان سے ہی نہیں کائنات کے ذرے ذرے سے خفا لگ رہی تھی۔

"دو مارچ کو ہمیں ہیڈ کوارٹر پیش ہونا ہے۔ میٹنگ ہے۔ اس میں تم بھی موجود ہوگی۔" اریب نے اسے بتایا۔

"مجھے نوٹس نہیں ملا۔" طوبیٰ نے سنجیدگی سے کہا۔
 "تم نے اپنی میلز چیک کی ہیں؟" حنین نے اب کے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"نہیں۔"

"جب چیک نہیں کیا تو کیسے نوٹس ملے گا۔ فرشتے آسمان سے وحی تو نہیں لائیں گے تمہارے لیے۔"

"میرے ڈیڈ بھی مجھے بتا دیتے۔" وہ تلخی سے بولی۔

"تمہارے ڈیڈ نہیں چاہتے کہ تم میٹنگ اٹینڈ کرو۔ وہ تمہارے رشتے ڈھونڈ رہے ہیں۔" منان نے بغیر کسی جھجک کے کہا۔

"اور تمہارا یہ رویہ بھی کچھ ایسا ہی اعلان کر رہا ہے کہ تمہیں مزید ہم سے یا ملٹری ڈیوٹی سے کوئی سروکار نہیں رکھنا۔ معلوم نہیں کس چیز کا غصہ تم ہم لوگوں پر نکال رہی ہو۔" منان نے بغیر کسی لگی لپٹی کے واضح کیا۔ طوبی لب بھینچے اسے دیکھتی رہی پھر اٹھ گئی۔

"مجھے چلنا چاہیے۔" اس نے اپنی اسٹک پکڑی اور اس کے سہارے چلتی باہر جانے لگی۔ وہ تینوں خاموش نگاہوں سے اسے جاتے دیکھتے رہے۔ ماحول سوگوار اور بوجھل سا تھا۔ اب ان میں سے کسی کو مزید یہاں نہیں بیٹھنا تھا۔ ان سب کا مزاج بدل گیا تھا۔



نیم تاریک کوٹھی میں کہیں سے قدرتی روشنی کا دخول ممکن نہیں تھا فقط ایک زرد بلب تھا جو چھت کے عین وسط میں جل رہا تھا ایک طرف پنکھا تھا وہیں کونے میں بڑا سا پتھر تھا جسے ہٹا کر جسمانی خراج کی ضروریات پوری کی جاسکتی تھیں۔ ایک طرف بنے لکڑی کے تخت پر بستر بچا تھا جس پر وہ نیم دراز سا چھت کو گھور رہا تھا۔ چہرے پر نشانات جو کافی ہلکے پڑ چکے تھے۔ پہلے سے کمزور دکھائی دے رہا تھا۔ دفعتاً کوئی وہاں جھانکا تھا۔

"باہر آؤ۔" سخت لہجے میں حکم دیتے گیٹ کھولا گیا۔

عمش جو سپاٹ نگاہوں سے چھت کو گھور رہا تھا خاموشی سے اٹھ کر باہر کی جانب آنے لگا۔ گیٹ سے نکلتے اس نے راہداری میں جھانکا وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ وہ پوری راہداری خالی تھی۔ اسے یہاں تاریک راہداری کے

سب سے آخری کمرے میں تنہا چھوڑ دیا گیا تھا۔ وہ دنوں کی گنتی بھولتا جا رہا تھا۔

"آج کیا تاریخ ہے؟"

"چپ چاپ چلتے رہو۔" برہمی سے کہا گیا۔ عمش خاموش ہو کر آگے بڑھتا رہا۔

"کہاں لے جا رہے ہو مجھے؟ کیا آج پھر نقشیش؟ اوہ! تم لوگوں کے سوالات ختم کیوں نہیں ہوتے؟" وہ بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ اس کے پیچھے چلتا وہ سادہ لباس میں ملبوس فوجی خاموش رہا یہاں تک کہ مطلوبہ کمرہ آپہنچا۔ عمش اس کمرے کو پہچانتا تھا اس نے گیٹ دھکیلا اور اندر داخل ہو گیا۔

سامنے ہی وہ مانوس چہرے ظاہر ہوئے۔

"امید ہے دن خیریت سے گزر رہے ہوں گے۔" آفیسر عاقب نے طنزیہ لہجہ اپنایا۔ جس پر عمش تلملاہٹ کا شکار ہوا۔ اس کے تاثرات بگڑے ضرور مگر وہ ضبط کر گیا۔ اکڑ اور ہٹ دھرمی کے نتیجے میں وہ دوبارہ اس کی چٹری ادھیڑ کر رکھ دیتے اور اس میں مزید طاقت نہیں تھی۔ خاموشی سے کرسی گھسیٹ کے بیٹھتے دونوں ہاتھ میز پر رکھ دیے۔

"ہم تمہارا آخری بیان ریکارڈ کریں گے۔" کہتے ہی ایک آفسر نے ریکارڈر آن کروایا۔

عمش کے ذہن میں پچھلی سارے نقشیشی سیشن گھوم گئے اب تو اسے عادت ہو گئی تھی۔

"اپنا تعارف کروائیں۔" حکم دیا گیا۔

"عمش بن رافع البانی! میں نائیجیریا میں پیدا ہوا رہائش امارات کے شہر شارجہ۔۔" لہجہ سادہ تھا۔ انداز میں تھکن اور گراوٹ صاف ظاہر تھی۔ اپنے ہر جرم کا اعتراف کرتے ہوئے اسے اپنا کیا ایک ایک وہ عمل یاد آیا جس پر کبھی اس کے ہاتھ نہیں کانپے کبھی اس کا دل نہیں دکھا۔ کبھی پچھتاوا نہیں ہوا کیا وہ اتنا سخت دل تھا؟ کبھی خود سے پوچھتا۔ لیکن ضمیر؟ اس میں ہوتا تو اندر سے کوئی جواب آتا۔ اسے تو یاد بھی نہیں کہ وہ کب کس طرح کیسے کیسے جرائم کرتا یہاں تک آپہنچا تھا۔ چالیس دہائیوں سے وہ اس دلدل میں دھنسا ہوا تھا۔ اس نے ہوش سنبھالنے سے قبل یہی ماحول دیکھا تھا اور اس کے لیے یہی کامیابی اور دولت کی واحد سیڑھی تھی۔ اور اس سیڑھی نے اسے یہاں لا پہنچایا تھا۔ واپسی ناممکن تھی وہ جانتا تھا اس کے پیچھے اب کوئی نہیں آئے گا۔ شروع شروع کے مرحلے

میں اسے ایک امید ضرور تھی جو دن گزرتے ختم ہوچکی تھی۔ اس کے حق میں۔ مزید کچھ اچھا ہونا ہوتا تو ہوچکا ہوتا لیکن اب کچھ بھی ممکن نظر نہیں آتا تھا۔



اسلام آباد ایئرپورٹ پر جہاز لینڈ ہوا ہی تھا جب موسلا دھار بارش کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تیز ہوائیں جسم کو راحت سی دے رہیں تھیں لیکن ٹھنڈ کا احساس اپنی جگہ قائم تھا جسے بارش کی ٹھنڈی بوندیں مزید بڑھا رہیں تھیں۔ وہ سیاہ ہڈی سر پر ڈالے بیگ گھسیٹتا ایئرپورٹ سے نکلا ہی تھا جب سیاہ کار آکر اس کے سامنے رکی۔ شیشہ نیچے ہوا تو ایک چہرہ نظر آیا۔ وہ اریب تھا۔ مسکرا کر سر خم دیا۔

"پاکستان میں خوش آمدید کمانڈر!"

"تمہیں کس نے کہا میں پاکستان پہنچ گیا ہوں۔" حاشر مسکرایا اپنا سوٹ کیس پچھلی سیٹ پر رکھنے لگا۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے اس نے سرسری نگاہ کار کے انٹیریر پر ڈالی۔

"خوبصورت! تمہاری ہے؟" حاشر نے سرانہ والی نگاہ سے اس کو دیکھا۔

"شکریہ! نہیں میری نہیں ہے۔ حنین کے والد کی ہے۔"

"تم لوگ فیملی سے ملنے نہیں گئے؟"

"ہم مل کر آچکے! فی الحال تو میٹنگ کے انتظار میں ہیں اس کے بعد ہی

تفصیلی ملاقات ہو سکے گی گھر والوں سے۔" اریب نے پرسکون لہجے میں

کہا۔ اریب نے کچھ کہنے کو لب کھولے لیکن کچھ سوچ کر چپ

ہو گیا۔ حاشر جو اسی کو دیکھ رہا تھا سمجھ گیا کہ کس حوالے سے کچھ کہنے لگا

تھا۔

"کچھ کھائیں گے؟"

"فلائٹ میں کھا چکا۔"

"فلائٹ کو چھوڑیں۔۔ کچھ اچھا کھاتے ہیں۔۔ دیسی سا۔"

"کسی اور وقت۔۔" حاشر نے نرمی سے ٹال دیا۔ اریب نے ایک نظر اس

کے چہرے کو دیکھا۔ وہی بے تاثر اور خاموش کچھ نہ بتاتا ہوا چہرہ۔۔ کچھ

چھپاتی ہوئی آنکھیں۔ بارش ویسے ہی اپنی رفتار سے برس رہی تھی۔ گاہے

بگاہے بادل گرجتے تو فضا میں ایک لرزتی آواز گونج جاتی۔

"کہاں ڈراپ کرنا ہے آپ کو؟" اریب نے

"میرا فلیٹ یاد ہے؟" حاشر نے آہستگی سے سوال کیا۔

"جی! یاد ہے۔۔" اریب نے ایک نظر پھر اس کے چہرے کو دیکھا اور پھر

گاڑی چلانے لگا۔

"کیا میں آج رات آپ کے فلیٹ پر رک سکتا ہوں؟"

"ضرور!" وہ فقط اتنا ہی بولا۔ اریب نے سکون کی سانس لی۔ وہ اسے کبھی بتا نہیں سکا لیکن اسے ہمیشہ حاشر کے گرد ایک پرسکون ایک حفاظتی حصار کا احساس ہوتا تھا ایسا احساس جو کسی بچے کو اپنے باپ یا بڑے بھائی کے آس پاس محسوس ہوا کرتا ہو۔

"آپ کے بابا پاکستان میں ہیں؟" اریب نے پوچھا۔

"ہاں! میٹنگ کے بعد گھر جاؤں گا۔" حاشر نے اس سوال کے بعد متوقع سوال کا جواب بھی ساتھ دے کر اسے زحمت سے بچالیا۔ گاڑی کی فضا میں خاموشی چھا گئی تھی۔ اریب نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ خاموشی سے گاڑی چلاتا رہا۔ حاشر نے جیب سے فون نکال کر دیکھا

اور پھر کچھ سوچتے ہوئے نمبر ملایا۔ بیل جا رہی تھی لمحے بھر کو اس کا سانس اوپر کا اوپر رہ گیا۔

کال جاتی رہی لیکن دوسری طرف سے کسی نے فون نہیں اٹھایا یہاں تک کہ کال کینسل ہو گئی۔ وہ کئی لمحے تک چپ چاپ فون اسکرین کو دیکھتا رہا۔ اریب نے کن اکھیوں سے اس کی طرف دیکھا لیکن خاموش رہا یہاں تک کہ حاشر کا فلیٹ آپہنچا۔ وہ ساتھ ہی گاڑی سے اترے تھے۔ حاشر نے نگاہیں اٹھا کر اپنے فلیٹ کی کھڑی کو دیکھا۔

"یہ پہلا گھر ہے جو میں نے خریدا تھا۔ اپنی پہلی کمائی سے!" اس نے گہری سانس لیتے ہوئے بتایا۔

"شاید تبھی آپ جب بھی واپس آتے ہیں پہلے یہاں آتے ہیں۔" اریب نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں ! " حاشر کہتا ہوا آگے بڑھا اریب اس کے ساتھ چلتا اس پہلی ملاقات کو یاد کرنے لگا جب وہ چاروں یہاں پہلی دفعہ ملے تھے۔ وہ بے اختیار مسکرا دیا۔



ماسکو کے گھنے جنگلات کے وسط میں کھڑے عالیشان محل پر گھور سناٹے کا پھیرا تھا۔ چند مصنوعی روشنیاں جو اس گھنے جنگل اور سیاہ رات کی تاریکی کو کم کرنے میں پوری طرح ناکام تھیں۔ ہوا وقفے وقفے سے چلتی پھر رک جاتی۔ دفعتاً ایک سنسناتی ہوئی آواز فضا میں تیز روشنی کے ساتھ محل کی جانب بڑھتی دکھائی دی۔ سیکورٹی سسٹم الرٹ تھا فوراً کاروائی شروع کر دی گئی۔ لیکن جیمز آن ہونے کے باعث ڈرون ڈمگانے لگا اور فضا میں ہی اسے ناکام بنانے کے لیے ایک حملہ کیا گیا۔ محل سے کچھ اونچائی پر دھماکہ

کی آواز کے ساتھ فضا میں گہرے دھوئیں کے مرغولے اٹھنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے فضا گولیوں کی تھر تھراہٹ سے گونجنے لگی۔ ایمر جینسی الارم زور زور سے بجنے لگا۔

"We are under attack"!

کنٹرول روم سے اعلان ہوتے ہی محل کا ایک ایک سپاہی چوکنا ہو کر میدان میں اتر آیا اور تصادم شروع ہو گیا۔ کئی باوردی کمانڈر محل کے احاطے سے نکلتے جنگل میں چاروں طرف پھیلنے لگے۔ فضا میں ہنوز دھواں چھایا ہوا تھا دھواں دھار فارنگ اس بات کی گواہ تھی کہ یہ جنگ جلد تھمنے والی نہیں تھی۔



"میں ایک شہزادی ہوں۔ جسے کانچ کے محل میں رہتے ہوئے پتھر برسانے کی عادت تھی اور جانتے ہو! جن پر پتھر برستے تھے ان کے خام خیال میں بھی کبھی پلٹ کر پتھر برسانے کی ہمت نہ ہوئی کیوں کہ! میں ایک ظالم بادشاہ کی اکلوتی شہزادی تھی۔ میں نے کبھی انسانوں کو اہمیت نہیں دی۔ دولت کو۔ زندگی کو۔ یہ سب میری سلطنت کے آگے کچھ بھی نہیں تھے۔۔۔ میں رات کو دن کہتی تو رات میں، دن کو رات بنا دیا جاتا تھا۔ لیکن وہ دو مرد!"

کمرے میں پھیلی تیز خوشبو جو نتھنوں کو چبھتی محسوس ہوتی تھی۔ سیاہ سلک میکسی جو گھٹنوں سے بالشت بھر اوپر تھی۔ بالوں کو بے ڈھنگے پن سے لپیٹے وہ اپنے آپ سے محو گفتگو تھی۔ ایک طرف ادھ جلی سگریٹوں کا انبار پڑا تھا۔

"وہ نہیں ملا! کیسے نہیں ملا؟ ان چند دنوں میں کیا اسے زمین نگل گئی؟
خدا نہ کرے۔۔" زمین کے نگل جانے کا خیال اسے خود چبھا۔ وہ تلملا کر رہ گئی۔

"یقیناً آنے والے کچھ دنوں میں مجھے ایک تھراپسٹ کی ضرورت پڑنے والی ہے۔۔"

"ان چند لمحوں نے میری ساری زندگی کو محدود کر دیا ہے، نچوڑ کر اپنے حصار میں قید کر لیا ہے۔۔"

"وہ پاکستان سے ہے۔۔ میں پاکستان جا کر اسے ڈھونڈوں؟"

"ڈیڈ کو تو میری پرواہ کبھی بھی نہیں تھی۔۔ وہ اس شیر کے پیچھے دیوانے تھے اور اب انھیں ان کی دیوانگی کا صلہ بھی مل چکا ہے۔۔۔ لیکن باوجود ہر فراڈ اور جھوٹ کے وہ انھیں عزیز ہے۔۔۔ وہ اس کے چارم سے کبھی

نہیں نکلیں گے۔۔ پر مجھے اس سے نفرت ہے۔۔ وہ ایک عام انسان تھا۔۔
لیکن اس نے اپنی ایسی تصویر کھینچی کہ ساری دنیا پاگل بنتی رہی۔۔
اور آج تک اس کے پیچھے پاگل بن رہی ہے۔۔"

"May I come in?ma'am"?

آواز پر ہیزیل نے پلٹ کر دیکھا کھلی چوکھٹ کے پار وہ حسین نوجوان
کھڑا تھا۔ شکل و قد کاٹھ سے روسی لگتا تھا۔ سبز چمکیلی آنکھوں میں اجازت
مانگتے تاثرات تھے۔

"آؤ! اب کیا خبر لے کر آئے ہو؟ کہ وہ پاکستان پہنچ چکا ہے؟" ہیزیل
نے طنز کیا۔ ایک پل کو وہ حیران ہوا پھر سر جھکا گیا۔
"جی! وہ پاکستان۔۔"

"بکو اس بند کرو اپنی! تمہیں میں نے اتنا پیسہ اس لیے دیا ہے کہ تم باسی خبریں لا کر مجھے دیا کرو۔ ڈینیل کو تم جیسا نمونہ کہاں سے ملا؟ کہیں سے نہیں لگتا کہ تم روسی خفیہ ایجنسی میں تھے۔ ہو بھی سکتے ہو پر مجھے یقین ہے تمہاری اسی لیٹ سروس کی بنا پر تمہیں وہاں سے باہر نکال پھینکا ہو گا۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔ ایک ہائی رینکڈ آفیسر کی اکلوتی بیٹی کو مجھ سے۔"

"ہاں ہاں! اب یہ صدیوں پرانی روایتی کہانی! امیر باپ کی اکلوتی بیٹی تم پر فدا ہو گئی اور اس کے باپ نے بغض میں آکر تمہاری زندگی خراب کر دی۔" وہ اس پر تلخ لہجے میں چلائی۔ اس کا چہرہ سرخ پڑا صاف ظاہر تھا کہ وہ بمشکل ضبط کر رہا تھا۔

"میرے لیے مزید کیا حکم ہے؟" پرائیوٹ انویسٹمنٹ کرنا ایک عذاب تھا اور یہ عذاب اسے تا عمر جھیلنا تھا۔

"میرے ساتھ پاکستان چلو! لیکن یاد رکھو تم ہیزیل گولڈن کے ساتھ نہیں! اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ بیرون ملک ٹرپ پر جارہے ہو۔"

ہیزیل نے ٹھہرے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

"شیور!" وہ سر خم دیتا پلٹ گیا۔ ہیزیل نے سر صوفے کی پشت پر گرایا اور گہری سانسیں لینے لگی۔



"Attack on SR's mension in Moscow!"

"Incounter at SR's mension" ..

"Huge explosions cause Fire in the nearest forest in Moscow attack on SRs palace" ...

ڈینیل بے یقین سے نیوز چینل تبدیل کرتا سرخیاں پڑھ رہا تھا اس کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں منہ کھلا ہوا تھا۔ وہ جو صوفے پر نیم دراز لیٹا تھا سیدھا اٹھ بیٹھا۔

"No informations about SR we trying to reach" ...

"I Am rosey tinder from Moscow ..at the moment I am present near SR's mension,as you can see in the background... the fire...the smoke" ...

ڈینیل نے یہ چینل بھی تبدیل کر دیا اور اپنا فون اٹھا کر شیر کا نمبر ملانے لگا گلے ہی لمحے کال اٹھالی گئی۔

"کیا آپ نے نیوز دیکھی؟" اس کا سوال بے ساختہ تھا۔
"پیس میں آگ لگ چکی ہے۔۔ اور یہ شاہی پیس کیوں کہہ رہے ہیں
آپ کے مینشن کو؟"

"جیسا کہ تم نہیں جانتے گولڈن فاکس شاہی خاندان کا وارث ہے۔۔
گوکہ روس میں اب شاہی نظام پوری طرح مٹ چکا ہے لیکن شاہی
خاندان تو شاہی خاندان ہی رہے گا۔ اور ان کی جائیداد شاہی جائیداد! پھر
جب وہ مینشن مجھے تحفے میں دیا گیا تو اس میں تبدیلیاں کر کے میں نے
اسے اپنے طریقے سے ڈھال تو لیا لیکن اب ظاہر ہے رہے گا تو شاہی
پیس ہی! اور تم یہ صبح صبح کیا بوڑھوں کی طرح نیوز چینلز سرچ کر رہے
ہو؟ باہر جاؤ۔۔ دوست بناؤ۔۔"

"کیا آپ نہیں جانتے مجھے سمندر پسند نہیں؟ یہاں چاروں طرف سمندر ہے؟ اور یہاں سب کے ساتھ ایک پارٹنر ہے صرف میں ہی اکیلا ہوں؟" وہ بیچارگی سے بولا تو شیر قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"آپ کا کڑوڑوں مالیت کا محل برباد ہو رہا ہے اور آپ!"

"ویسے بھی میں اس طرز تعمیر سے بور ہو گیا تھا اب جن لوگوں نے حملہ کیا ہے ان پر کیس کر کے سارے اخراجات پورے کروں گا۔"

ڈینیل کا منہ کھلا رہ گیا۔

"یہ حملہ کس نے کیا ہے؟" ڈینیل نے نا سمجھی سے سوال کیا۔

"یہ پتا لگانا تو حکومت کا کام ہے میں ایک عام کاروباری آدمی ہوں۔"

شیر نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

"عام کاروباری آدمی؟" ڈینیل نے غائب دماغی سے اپنے الفاظ دہرائے۔

"کیا ایسا کوئی دن آئے گا جب میں انھیں سمجھ پاؤں گا؟" وہ بڑبڑایا۔



شارجہ کے پولیس اسٹیشن کا ماحول گرما گرمی بھرا تھا۔ پولیس افسروں کو اونچی بازگشت میں کانوں پڑی آواز تک نہ سنائی دے رہی تھی۔ پچھلے کچھ مہینوں سے سرکار نے مختلف منشیات کے دھندے میں ملوث بڑے بڑے ناموں کو سلاخوں کے پیچھے ڈالنے کا آغاز کیا تھا اور یہ دھندہ توقع سے بڑھ کر سامنے آیا تھا۔ اس کی سپلائی کرنے والے چھوٹے موٹے سپلائرز کی تو شامت ہی آن پہنچی تھی لیکن آفیسر بن رافع اس وقت ساکت و سپاٹ بیٹھے کسی اور ہی مسئلے میں الجھے دکھائی دے رہے تھے۔

سامنے پڑے ثبوت اور ان سے جڑانام ان کے لیے بڑا چیلنج ثابت ہو سکتا تھا لیکن ثبوت فراہم کرنے والی ہستی کی بنا پر وہ ان پہلوؤں کو نظر نہیں کر سکتا تھا۔

"حکومتی ارکان اس میں ضرور دخل دیں گے صوفیہ کوئی عام عورت تو نہیں۔۔" سامنے بیٹھے سارجنٹ نے سرگوشی بھرے انداز میں کہا۔

"لیکن ماسٹر ایس آر نے یہ بھیجا ہے۔۔ ہم اسے نظر انداز کر کے بھی کہاں بچ پائیں گے۔" بن رافع نے پرسوچ انداز میں کہتے قہوہ کا بڑا سا گھونٹ بھرا۔ اس سوچ بچار میں قہوہ ٹھنڈہ اور بد ذائقہ ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے کے زاویے بگڑ سے گئے۔

"ہم نائمہ بنت مراد کو یہ ثبوت دے دیتے ہیں۔۔ میڈیا پر یہ بات آئے گی تو یقیناً حکومتی ارکان پر دباؤ پڑے گا۔ معاملات کچھ آسان ہو جائیں

گے۔۔ لیکن میں یقین سے کچھ کہہ نہیں سکتا۔۔ "آخر میں اس نے گردن کو خم دیتے خود کو لاپروا ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی۔ جبکہ بن رافع جبرے بھینچے میز کو گھورتا دکھائی دیتا تھا۔ کاش وہ لاپروا ہو سکتا۔

"نائمہ بنت مراد سے پچھلی دفعہ میری اچھی خاصی منہ ماری ہوئی تھی میں اس کے پاس کس منہ سے جاؤں میں نے کبھی اس کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا۔" اس کے لیے یہ بھی ناممکنات میں سے ایک تھا۔

"تو پھر تمہاری اتنی مدد تو میں کر ہی سکتا ہوں۔۔ میں اسے یہ ثبوت بھجوادوں گا میرے پاس ایک آدمی ہے جو اس کام میں ماہر ہے وہ ہی ایسی خبریں بڑی صفائی سے پھیلاتا ہے۔۔"

"دیکھ لینا کہیں خود ہی نہ پھیلا دے۔۔ ہمیں ثبوت نائمہ کو دینے ہیں۔۔ وہ ایک نامور صحافی ہے اس کی بات زیادہ سنی جائے گی۔" بن رافع نے

لیپ ٹاپ اسکرین پر کچھ دیکھتے ہوئے کہا جس پر سامنے بیٹھے افسر نے گردن ہلائی۔

"بے فکر ہو جاؤ۔ پر کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گے کہ یہ کس نے تمہیں بھیجے ہیں؟" وہ ٹوہ لینے والے انداز میں آگے کو جھکا۔ بن رافع نے منہ بناتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے نفی میں گردن ہلائی۔

"ایک پرانا دوست ہے بس!" بن رافع نے کہا۔
"تمہارے پرانے دوست ماسٹر شیر کے بارے میں سنا؟ اس کے محل پر حملہ ہوا ہے۔"

"یہ ناممکن ہے وہ حملہ کرنے والوں میں سے ہے یا پھر یہ اس کی اپنی کوئی گیم ہوگی۔" بن رافع نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہر عروج کو زوال ہے۔۔ ہو سکتا ہے یہ اس کا زوال ہو۔۔ وہ پچھلے سترہ سالوں میں بہت عروج دیکھ چکا۔۔ شارجہ کی گلیوں سے نکل کر روس کے شاہی محل تک اور پھر گولڈن فاکس کے کاروبار کو پوری طرح اپنے شکنجوں میں بھرنے سے روس کی معیشت میں ریڈھ کی ہڈی بننے تک وہ آسمان میں سب سے چمکدار ستارہ بنا کئی سالوں سے دمک رہا تھا۔"

"وہ ابھی صرف تیس سال کا ہے۔۔ جہاں تک میری سوچ جاتی ہے ناں! تو یہاں سے اس کا سب سے چمکدار ستارے سے چاند تک کا سفر شروع ہونے کو ہے۔۔ اس نے بڑی آسانی سے گولڈن فاکس کو خود سے الگ کر دیا۔۔ تو کیا تمہیں نہیں لگتا کہ اس کے پیچھے اس کی کوئی نئی حکمت عملی ہوگی۔۔ اس کے گریبان پر گرد ہے نہ کوئی شکن! وہ اکیلا حاکم بننے

جارہا ہے۔۔ وہ نئی شروعات کرنے کے لیے پوری طرح مکمل ہے۔۔ "بن رافع پر یقین تھا۔

"تمہاری باتیں بھی جھٹلائی نہیں جاسکتیں۔۔ خیر میں چلتا ہوں۔۔ مجھے وہ ثبوت بھیج دو میں نائمہ کو بکھوادوں گا۔" اس نے اُٹھتے ہوئے کہا اور اپنی کیپ لیتا وہاں سے چل دیا۔ بن رافع گہری سوچ میں گم نظر آ رہا تھا۔



راولپنڈی میں سرد اور نم ہواؤں کا سلسلہ صبح سے جاری تھا۔ ہلکی پھوار کے بعد سبزہ زار مزید سبز دکھائی دے رہے تھے۔ سڑکیں بھیگی بھیگی لگ رہی تھیں۔ بادلوں نے آسمان کو یوں گھیر کر سرمئی رنگ دیا ہوا تھا۔ موسم کی خوشگواریت کا رنگ وہاں کے باسیوں کے چہرے سے عیاں تھا۔ سب خوش مزاجی سے اپنے معمول کے کاموں میں مصروف

تھے۔ سڑک کنارے لگا خوبصورت پھولوں کا اسٹال خوشبوئیں بکھیرتا فضا کو مہکا رہا تھا۔ کار سے اترتے ہی پہلی نگاہ اس کی پھولوں پر پڑی تھی۔ وہ اسٹال کے قریب آکر پھولوں کا جائزہ لینے لگا۔ سفید شرٹ پر گہرے نیلے رنگ کی ٹائی اور سیاہ پینٹ میں وہ وجاہت کا خوب شاہکار معلوم ہو رہا تھا بالوں کو جیل سے سیٹ کیے۔ شیو بالکل ہلکی جو اس کے چہرے پر بیچ رہی تھی۔ ایک ایک پھول کو بڑی فرصت سے دیکھتا وہ ایک سرے سے دوسرے سرے پر آپہنچا۔ جہاں گلابی رنگ کے نرگس پھولوں کا انبار تھا۔ اس نے ایک پھول اٹھا کر سونگھا۔

میٹھی سی دل کو راحت دیتی خوشبو نتھنوں سے ٹکرائی۔

"بالکل تازہ ہیں خان صاحب!" سامنے کرسی لگائے بیٹھے ادھیڑ عمر شخص نے کہا۔ حاشر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

دیکھ بھال، نیک خواہشات اور محبت کے لیے مشہور یہ گلابی نرگس اسے پسند آئے تھے۔ پھول پودے اور ان سے جڑے معنی خیالات اور نظریات کو وہ ہمیشہ سے اہمیت دیتا آیا تھا بہت سے لوگ اس چیز پر یقین نہیں رکھتے۔ لیکن اس کا ماننا تھا کہ ہر مثبت چیز پر یقین رکھنا انسان کے دل و دماغ کو مثبت طور پر متاثر کرتا ہے۔

"یہ گلابی نرگس مجھے چاہیے۔ لیکن انھیں شیشے کے گلدان میں ڈال دو۔"

"اندر پڑے ہیں گلدان آپ جا کر پسند کر لیں۔ ہمارے پاس تحفے تحائف بھی ہیں۔ چاہیں تو اندر دیکھ لیں۔"

"شکریہ!" وہ کہتا ہوا شیشے کا دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو گیا۔ اندر خوبصورت آرائشی اشیاء تھیں۔ لکڑی سے بنی تو کچھ شیشے سے بنیں۔ ایک

طرف کتابیں تھیں وہ کتابوں والے حصے میں چلا آیا جہاں اردو کی نئی اور پرانی کتابوں کا امتزاج نظر آرہا تھا۔

وہ کتابوں کو سرورق اور نام سے جانچتا تھا۔ وہ نئے مصنفین کو بھی پڑھتا تھا اور پرانے مصنفین کی تقریباً کتابیں اسے حفظ تھیں۔ چند نئے لکھاریوں کی کتابوں کے چند صفحے پلٹے دیکھتے پرکھتے اس نے تین سے چار کتابیں اٹھالیں پھر دوسری جانب چلا آیا جہاں کچھ پرفیوم دکھائی دیے۔ عورتوں کے لیے اس نے کبھی خوشبو نہیں خریدی تھی۔ وہ الجھن میں گھرا مختلف بوتلیں دیکھتا رہا۔

"میں آپ کی کوئی مدد کر سکتی ہوں؟" ایک نوجوان لڑکی مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ حاشر نے چونک کر گردن گھمائی۔

"جی!" حاشر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"یہ ہمارے یہاں سب سے زیادہ پسند کیا جانے والا پرفیوم ہے۔۔ اسے چیک کیجئے۔۔" اس نے ایک جامنی بوتل اٹھا کر اس کی طرف بڑھائی۔

"شکریہ!" حاشر نے پرفیوم ہاتھ پر اسپرے کر کے سونگھا۔ خوشبو تیز تھی۔

"میں کچھ اور دیکھ لیتا ہوں۔۔" اس نے معذرت کرتے قدم آگے بڑھائے اور شو پیس سیکشن کی طرف چلا آیا۔ اس طرف آتے ہی اس کی نگاہ سب سے پہلے ایک خوبصورت ڈیکوریشن پیس پر پڑی وہ ایک سفید رنگ چاند تھا جس پر ایک خوبصورت گڑیا بیٹھی تھی۔ اس گڑیا کے بالوں کا رنگ جامنی تھا اور اس جامنی رنگ میں حاشر کو کئی پل ٹھہرنے پر مجبور کر دیا۔ اسے وہ دن یاد آیا جب پہلی دفعہ اس کی ملاقات طوبی سے ہوئی تھی۔ اس وقت طوبی نے بھی اپنے بالوں کو جامنی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ ایک دھیمی سی مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا احاطہ کر لیا اس نے

ہاتھ بڑھا کر اس چھوٹے سے خوبصورت پیس کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ اسے یہ بے حد پسند آیا تھا وہ اسے خریدنے کا ارادہ کر چکا تھا اس ڈیکوریشن پیس کو ہاتھ میں لیے وہ آگے آیا۔ ایک کانچ کا شفاف گلدان اٹھایا اور الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے سامنے کھڑے سیلزمین کو اشارہ کیا۔ اسے سامان پکڑا کر پیک کرنے کا کہا اور شیشے کا گلدان لیے باہر کی جانب بڑھ گیا۔ کچھ منٹ بعد وہ سامان گاڑی کی بیک سیٹ پر رکھتا خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا۔ میٹنگ میں ایک گھنٹہ باقی تھا اور تیز بارش کے آثار نظر آرہے تھے۔ اس نے گاڑی ریورس کرتے دائیں جانب موڑ دی۔ چہرہ خاموش اور آنکھیں بے چین دکھائی دیتی تھیں۔



کمرے کا درجہ حرارت معتدل تھا۔ کھڑکیوں کے شیڈز لگے ہوئے تھے۔ میز کے گرد افسران موجود تھے۔ وہ چاروں بھی اپنی وردی میں ملبوس تھے۔ حاشر نے یہاں آتے ہی اپنی مکمل وردی زیب تن کر لی تھی۔ سینے پر حاشر نام کی پٹی سیدھے بازو پر سب سے اوپر انگریزی میں "black belt" کی پٹی لگی تھی۔ اس کے نیچے "unarmed combateer" کی پٹی تھی۔ تیسرے نمبر پر "sky diver" کی پٹی تھی۔ اس کے نیچے "airborne" کی پٹی تھی۔ آخر میں ایک باز کا نشان بنا تھا۔ سینے پر ایک جانب "corps of engineers" ساتھ ہی اردو میں "روح رواں لکھا تھا۔ وہ ایک دھاتی تمنغہ تھا۔ اس وردی کی طاقت اور اہمیت ایسی تھی کہ ساتھ بیٹھے کئی سینئر افسر بھی اس سے مرعوب نظر آتے تھے۔ وہ سب کے لیے بہت اہم اور قابل فخر ہونے کے ساتھ قابل

تعظیم بھی تھا۔ اسے یوں وردی میں دیکھ اریب حنین اور منان لوگ بھی محویت سے اس کے اعزازات کو تک رہے تھے۔ وردی میں اس کا قد کاٹھ ایک الگ ہی انداز لیے انوکھی شان ظاہر کر رہا تھا۔ دفعتاً میٹنگ روم کا گیٹ کھلا۔ ان سب نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا اور آنے والے کی پہلی نگاہ حاشر پر پڑی تھی۔ وہ کیپٹن طوبیٰ عزیز تھی۔ اس کے وجود پر نظر پڑتے اس کی دھڑکن اس کی سماعت بنی تھی۔ سانس ساکن تھی۔ آنکھیں جامد ہوئیں اور پھر ان میں جذبات کا طوفان ابھرتے ابھرتے خاموش پڑ گیا۔ اس نے ایک گہری سانس لیتے نگاہیں پھیر لیں۔ حاشر کی خاموش نگاہیں اس کی آنکھوں کا جائزہ لینے کے بعد جھک گئیں تھی۔ دل نے عجب سی دھن پر ایک ساز چھیڑا مگر بے سود۔ اس کی نگاہوں کے رنگ اس ساز کو گونگا کر گئے تھے۔

"اسلام و علیکم!" اس نے باآواز سلام کیا۔ اس کے ہاتھ میں اسٹک نہیں تھی۔ وہ وردی میں ملبوس سر پر سرخ ملٹری کیپ پہنے نفاست سے کیے میک اپ میں منفرد دکھائی دے رہی تھی۔

"امید ہے میں وقت پر پہنچی ہوں۔" اس نے شائستگی سے کہا۔ میٹنگ شروع ہونے میں ابھی بھی دس منٹ باقی تھے۔ یقیناً وہ سب وقت سے پہلے موجود تھے۔

وہ آہستگی سے چلتی اپنی نشست پر آ بیٹھی۔ اس کی چال میں غیر محسوس سی لنگڑاہٹ ہنوز باقی تھی۔

"جی ابھی بھی دس منٹ باقی ہیں۔" سینئر افسران میں سے ایک نے کہا۔ حاشر نے گردن اٹھا کر افسران کی جانب دیکھا۔

"سب موجود ہیں؟" بریگیڈیئر فاروق نے سب کی طرف دیکھتے پوچھا۔

"جی سر!" ایک دوسرے افسر نے گردن ہلائی۔

"سب سے پہلے تو کمانڈر حاشر آپ اور آپ کی ٹیم کی محنت اور لگن کو سلام! یہ ان چند اہم آپریشنز میں سے ایک تھا جن کا مکمل ہونا ہمارے ادارے کے لیے باعث فخر ہے۔" بریگیڈیئر فاروق بولے۔

"شکریہ یہ میرے اور میری ٹیم کے لیے اعزاز ہے کہ ہم نے اس مشن پر دن رات کام کیا اپنی جانوں کی پرواہ کیے بغیر۔ یہ میرے لیے پہلا تجربہ تھا جب میں نے ٹیم کے ساتھ کام کرتے خود کو بہت پرسکون پایا! کیپٹن اریب! کیپٹن طوبی عزیز!" یہ کہتے اس کی نگاہیں طوبی کے چہرے پر تھیں مگر وہ اسے پوری طرح نظر انداز کیے اپنے سامنے رکھے کاغذات دیکھ رہی تھی۔

"کیپٹن حنین اور کیپٹن منان! آپ لوگوں پر مجھے فخر ہے۔" وہ مسکرایا۔

"شکریہ کمانڈر!"

"ہمارے لیے بھی باعثِ فخر تجربہ رہا۔ آپ کی سربراہی صرف ایک سربراہ کے طور پر نہیں ایک محافظ کے طور پر ہر پل ہمیں اپنے حصار میں لیے رہی۔" اریب بولا۔

حاشر نرمی سے مسکرایا۔

"یہ ایک اچھی بات ہے کہ آپ لوگوں کے اندر اتفاق اور محبت کا اہم تعلق بھی قائم ہے۔ یقیناً یہی جذبات ہمیں ہمارے مقصد میں کامیابی دلاتے ہیں۔" بریگیڈیئر خوشگوار سے بولے۔

میٹنگ کا آغاز پورے مشن کی تفصیلات بیان کرنے سے ہوا مختلف پہلوؤں پر بات چیت۔ مختلف ارکان کی رائے جانتے دو گھنٹے پانی کی

طرح گزر گئے۔ ان دو گھنٹوں کے دوران مختلف موقعوں پر طوبیٰ نے بار بار اسے نظر انداز کیا یہاں تک کہ اس کے کئی سوالات نظر انداز کیے اور جتنا ممکن ہوا اس سے فاصلہ برقرار کیے رہی۔ اسے کبھی کچھ ناممکن نہیں لگا۔ کسی چیز سے ڈر نہیں لگا البتہ موت سے بھی نہیں۔۔ لیکن اس پل اس کی من چاہی عورت کی بے رخی نے اسے ڈرا دیا تھا۔ وہ اس کی ایک نگاہ کا طلبگار بنا اس کی توجہ کھینچنے کی کوششوں میں پوری طرح مصروف تھا لیکن وہ بے نیاز اور ظالم بنی اس کے وجود سے جیسے بے خبر تھی۔ اس پل حاشر بابر خان کو احساس ہوا کہ دل کا کسی پر ٹھہر جانا اور پھر ٹھہر ہی جانا۔ کبھی کبھی سانسیں ٹھہر دینے کی طاقت رکھتا ہے۔ وہ یہ سب اس طرح نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ میٹنگ ختم ہوتے ہی وہ فوراً اٹھ کر باہر نکل گیا۔ طوبیٰ نے کن اکھیوں سے اسے جاتے دیکھا۔ حزن کا گہرا اثر

اس کی آنکھوں میں واضح ہوا دل بوجھل سا ہونے لگا۔ اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں اس نے فوراً ٹشو سے آنکھ کا کنارہ پونچھا اور اٹھ کر باہر کی جانب بڑھ گئی۔ وہ مختلف راہداریوں سے گزرتی باہر آئی۔ بارش کی ننھی ننھی بوندیں برستی فضا کو خوشگوار رنگ دے رہی تھیں۔ اس نے ایک طویل سانس خارج کی اور آگے بڑھنے لگی اگلے ہی پل وہ اپنی گاڑی اور ڈرائیور کو ناپاکر حیران رہ گئی۔

"رحیم کہاں گیا؟" وہ بڑبڑائی۔

"آپ کا ڈرائیور جاچکا! اسے ایک بہت ضروری کام تھا۔ کافی پریشان لگ رہا تھا تو میں نے اسے کہا میں آپ کو ڈراپ کردوں گا۔ ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔" حاشر نے بہت ہی تحمل اور پرسکون انداز

اپنایا۔ طوبیٰ نے ایک پل کو نا سمجھی سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ وردی پر سیاہ لمبارین کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ بال بھیگے ہوئے تھے۔

"جھوٹ بہت صفائی سے بولتے ہیں آپ!" انداز چبھتا ہوا تھا۔

"اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ مجھے ضرور اطلاع کرتا نہ صرف اطلاع کرتا بلکہ دوسرے ڈرائیور کو بھی بھیجتا۔"

حاشر نے لب بھینچے سر جھکایا اور ایک گہری سانس لی۔

"میں آپ کو ڈراپ کردوں گا۔" نرم لہجہ طوبیٰ کو بے چین

کر گیا۔ گزرے دنوں میں بہت مشکل سے اس کا یہ لہجہ یہ انداز یہ چہرہ

اور آنکھیں بھولنے کی کوشش میں لگی تھی۔ کہیں نہ کہیں دل سنبھل

جائے گا لیکن یہ ساحر آج پھر سامنے کھڑا اپنے سحر سے اسے قید کرنے

کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ایسا نہیں ہونے دے گی۔

"بہت شکریہ۔۔"

ابھی وہ جملہ مکمل کرتی حاشر نے اس کے ہاتھ سے فائلز اور بیگ لے لیا۔ طوبیٰ کا منہ کھلا رہ گیا۔ کتنا تیز تھا وہ!

"دیکھئے کمانڈر؟ میں نے ہاں نہیں کہا۔ میں کیب کرلوں گی۔۔ میرا بیگ واپس دیجیے۔۔" اس نے تیز لہجے میں اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔ حاشر نے رک کر اس کی طرف دیکھا۔

"پلیز؟" اس نے سر خم دیتے درخواست کی۔ طوبیٰ بے یقینی سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئی اور نفی میں گردن ہلائی۔

"مجھے جانے دیجیے!" کمزور پڑنے سے خود کو روکنے کی بھرپور کوشش کی گئی۔

"میں اس طرح نہیں جانے دوں گا مس طوبی! آپ یوں ایسے نہیں کر سکتیں۔" اس نے بڑی سنجیدگی سے نرم لہجے میں کہا۔ اس کی آنکھوں میں طوبی کے لیے اصرار تھا۔

"میں کیا نہیں کر سکتی؟ کیا کر رہی ہوں میں کمانڈر حاشر؟" وہ تلخ ہونے لگی۔

"پلیز؟" حاشر گاڑی کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ طوبی کئی پل سخت نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر چپ چاپ جاکر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ حاشر نے اس کے چہرے کو دیکھتے گاڑی کا دروازہ بند کیا اور ایک ٹھنڈی سانس بھرتا خود بھی ڈرائیونگ سیٹ کی جانب بڑھ گیا۔



گاڑی اسلام آباد کی بھیگی شاہراؤں سے ہوتی مرکزی علاقے میں داخل ہو چکی تھی بارش میں کچھ تیزی آئی اور پھر رک گئی۔ وقفے وقفے سے بوندیں برس رہی تھیں۔ طوبی چپ سی شیشے کے پار مناظر میں کھوئی ہوئی تھی۔ حاشر نے کئی بار اسے مخاطب کرنا چاہا لیکن پھر چپ سا ہو رہا۔

"کچھ کھائیں گی؟" دفعتاً حاشر نے نرمی سے پوچھا۔

"نہیں!" ٹکا سا جواب انتہائی رکھائی سے دیا گیا۔

"جوس؟" انداز وہی نرم تھا۔

"No!"

"کیا آپ مجھے کچھ بتائیں گی نہیں کہ کیا ہوا ہے؟ میری ایسی کون سی بات نے آپ کو اس قدر ناراض کیا ہے؟" وہ کچھ الجھا ہوا سا تھا۔ طوبی نے

گردن گھما کر اس کی طرف یوں دیکھا جیسے اس کی بے ایمانی اور عیاری پر افسوس کر رہی ہو۔ حاشر کو اس کی نگاہیں بے چینی میں مبتلا کر گئیں۔

"دراصل بات تو یہ ہے کہ ہمارے درمیان ایسا کوئی تعلق تھا ہی نہیں جس کی بنا پر ناراضگی کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہو۔ اور دوسری بات ہمارا تعلق صرف کام کی حد تک تھا۔ ہمارا مشن ختم ہو چکا! اب مزید کوئی تعلق یا واسطہ باقی نہیں رہتا۔" وہ سرد مہری سے کہتی رخ موڑ گئی۔ حاشر کئی پل اس کے لہجے کی سردی سے ٹھٹھرتا رہ گیا۔ باقی کا سارا راستہ ایک گہری مگر چبھتی ہوئی خاموشی کی نذر ہوا تھا۔ اس کا گھر قریب پہنچ چکا تھا حاشر نے پیچھے کی سیٹ کی طرف مڑتے کچھ اٹھانا چاہا۔ اس اثنا میں وہ طوبیٰ کے وجود کے نہایت قریب ہوا تھا جس پر وہ بے طرح گھبرا کر کھڑکی کے پار دیکھنے لگی تھی۔ حاشر نے اس کی اس ادا پر اسے گہری نگاہ

سے نوازتے لب بھینچے۔ اس کا دل ایک پل کو تیزی سے دھڑک کر ساکت ہوا۔ طوبیٰ سرخ چہرہ لیے باہر دیکھتی رہی۔

"یہ آپ کے لیے لایا تھا میں۔" حاشر نے آہستگی سے کہا جس پر طوبیٰ نے چونک کر اس کو پھر پھولوں کی طرف دیکھا۔ کانچ کے نازک گلدان سے جھلکتے تازہ نرگس کے پھول! وہ کئی پل ان پھولوں کو دیکھے گئی پھر اس کے گود میں رکھا وہ تحفہ جو خوبصورتی سے

پیک کیا گیا تھا۔ اس کی نگاہیں حاشر کے چہرہ پر تھیں۔ حاشر کے پاؤں بریک پر پڑے گاڑی رک گئی۔

"کس لیے؟"

"آپ کے لیے۔"

"کیوں؟" طوبیٰ نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"ہم کسی کو پھول کب دیتے ہیں؟" حاشر نے نرمی سے سوال کیا۔

"جب ان سے ہمارا اچھا تعلق ہو۔"

"مجھے ہمارا تعلق برا نہیں لگا کبھی۔ اس لیے اس اچھے تعلق کی بنا پر یہ

پھول اور تحفہ قبول کیجیے۔" اس نے پھول اس کی طرف بڑھا دیے۔

"میں انھیں قبول نہیں کر سکتی! جا کر انھیں دیجیے جو ان کے اصل حقدار

ہیں۔" وہ سختی سے انھیں رد کرتی گاڑی سے اتر گئی۔ حاشر کی آنکھوں

میں کچھ بجھ سا گیا۔ وہ ساکت نگاہوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھتا

رہا۔ اتنی بے رخی، اتنا غصہ، اس قدر ناراضگی؟ کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ ایک

دم کسی خیال نے اسے جھنجھوڑا وہ تیزی سے نکل کر اس کے پیچھے لپکا۔

"مس طوبی!" اس نے اسے پکارا وہ رک کر پلٹی اور سوالیہ انداز میں اس

کی طرف دیکھا۔ انداز ہنوز سنجیدہ اور سرد تھا۔

"میں نے اریب لوگوں کو آپ سے کوئی رابطہ نہ رکھنے کے لیے اس لیے کہا تھا کیوں کہ میں چاہتا تھا آپ آرام کریں۔۔ یہ ساری تھکا دینے والی پریشان کرنے والی باتوں سے دور رہیں۔۔ میں آپ کو مشن سے کٹ آف کبھی بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ہر اطلاع اور خبر کی سب سے پہلی حقدار آپ تھیں۔۔ ہم سب سے زیادہ آپ نے تکلیف اٹھائی ہے اس مشن میں ! آپ نے اپنی جان داؤ پر لگائی تھی میں آپ کو مزید پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا آپ کی فکر تھی مجھے ! آپ کو ایک ایک بات میں خود بتانا چاہتا تھا۔" وہ فکر مندی سے کہہ رہا تھا۔ آنکھیں پریشان سی طوبیٰ کو اس پل اس کی آنکھوں نے بے چین کیا تھا۔ وہ یہ سب اتنا مشکل کیوں کر رہا تھا یہ پیش قدمی آخر کیوں ؟

"وہ شادی شدہ تھا۔ اسے یوں نہیں کرنا چاہیے۔ یہ اسے زیب نہیں دیتا؟ کیا یہ آنکھیں جھوٹ بول رہی ہیں؟ ان میں اتنے گہرے جذبات یوں اچانک۔۔ کیوں؟"

"مجھے جانا ہے کمانڈر!" طوبی نے دھیمے لہجے میں کہا۔
 "کیا آپ کی ناراضگی کے پیچھے اور کوئی بات بھی ہے؟" حاشر نے پھر پوچھا۔ طوبی نے کوئی جواب نہ دیا۔ فقط ایک گہری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی اور آگے بڑھنے لگی۔ حاشر وہیں کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہا۔ اندر ہی اندر ایک بے چینی روح میں سرایت کرتی جارہی تھی دل ڈوبتا جا رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں پھول اور دوسرے میں وہ تحفہ تھا۔ ایک گہری یاسیت نے اس کے گرد گھیرا تنگ کیا تھا۔ گھٹن نے گردن سے جکڑا تھا

اسے۔ اس نے رخ آسمان کی طرف کرتے سانسوں کی بے ربطگی کو قابو کرنے کی کوشش کی۔



وہ دونوں مصروف ساحل پر ارد گرد سے بے نیاز بڑی سنجیدہ گفتگو کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ جنت ہلکے بھورے رنگ کے اسکرٹ پر سفید جارجٹ بلاؤز پہنے بالوں کو سیاہ ربن میں قید کیے منظر کے حسن میں اضافے کا باعث تھی۔

"تو تم پر لگا یہ الزام۔۔۔ اس پر تم کیا کہتے ہو؟" جنت بڑی سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شیر اپنی سفید پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے پر سکون لگ رہا تھا۔

"میں کبھی کسی کے سامنے اس بات کا اعتراف نہیں کروں گا کہ تنظیم
الفلاح ایک دہشت گرد تنظیم تھی یا مجھے اس کی فنڈنگ پر پچھتاوا ہے
۔۔ میرے پاس ایک غازی ہے جنت! غازی جیسے ہزاروں بچے ستر سالوں
سے ظلم و ستم کی آگ میں جلتے جوان ہوئے ہیں۔۔ انھیں حق ہے
۔۔ اپنی جان کے دفاع کا حق ہے۔۔ اپنے وطن کے دفاع کا حق ہے۔۔ روز
ہزاروں کی تعداد میں بچے یتیم ہو رہے ہیں۔۔ ان کی آنکھوں کے سامنے
ان کے باپ آگ میں ذندہ جل رہے ہیں۔۔ بلے تلے دب کر ان کے
جسم ٹکروں میں تبدیل ہو رہے ہیں۔۔ کل کو یہ یتیم بچے جوان ہو کر
انتقام لیں گے تو حق ہے ان کا! ان کے پاس ہم لوگوں نے اور کوئی
راستہ نہیں چھوڑا۔۔ عرب ممالک نے انھیں نظر انداز کیا۔ دنیا گوئی

تماشائی ہے تو وہ خود جو کر رہے ہیں اس چیز کو میں کیوں غلط کہوں؟ میں جتنا ہو سکے انھیں فنڈ کروں گا۔ کھلے عام کروں گا۔"

"تم بہت بہادر ہو شیر!" جنت نے آہستگی سے کہا۔ وہ متاثر ہوئی تھی۔ اس نے ان حالات میں بڑے پیمانے پر مختلف ممالک کو خاموشی کی چادر اوڑھے سوتے دیکھا تھا

"میں بہادر نہیں ہوں۔۔۔ سب سے چھوٹے درجے سے بھی چھوٹے درجے پر ہوں۔۔۔ کاش میں زیادہ کچھ کر سکتا۔۔۔ ویسے میں نے کہا تھا چھوٹی چڑیل کہ ہم متنازع موضوع پر بات نہیں کریں گے۔۔۔" شیر نے یاد دلایا۔

"میں متجسس ہوں۔۔۔ تمہارے بارے میں سب کچھ جان کر بھی مجھے لگتا ہے میں تمہیں نہیں جانتی شیر! تہہ در تہہ نئے راز ہیں تمہاری شخصیت

میں!" وہ منہ بنا کر بولی۔ نروٹھاپن صاف ظاہر تھا۔ شیر کو اس کے تاثرات نے لطف اندوز کیا تھا۔ وہ بے اختیار ہنس دیا۔

"پیاری چڑیل! زندگی پڑی ہے جاننے کے لیے جانتی رہنا! میں تو کہیں نہیں جا رہا!" وہ مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو نگاہوں میں قید کرتا ہوا۔ جنت نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

"پیاری؟ چڑیل؟" وہ سر جھٹک کر ہنس دی۔

آسمان پر بادلوں کا گھیراؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

پرندے غول کی صورت میں محو پرواز تھے۔



"وہ کتاب نہیں ملی!" گولڈن میز کے قریب کھڑا سگار کے گہرے کش کھینچ رہا تھا۔ چہرے پر ایک گہری سوچ نے یوں پھیرا ڈال رکھا تھا کہ چہرے کے سارے تاثرات دھندلے پڑے ہوئے تھے۔ تھے۔

"وہ ایسا کیوں کرے گا میرے ساتھ؟ کیا میں اس قابل تھا؟" وہ سوچ کر کڑھنے لگا۔ اس نے دوبارہ اپنے مذہبی پیشواؤں سے رابطہ کر کے ان سے کسی قسم کی ہدایت نہ مانگی تھی۔ اس کتاب کے بغیر وہ اس کار شرم میں شریک نہ ہو سکتا تھا چاہے اس نے کتنی دفعہ انھیں قربانی کرنے کے لیے مقدس گائے اور بچے ہی کیوں نہ فراہم کیے گئے ہوں۔

"وہ مجھ سے یوں راہ فرار حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ ایسا معاملہ ہے کہ میں کسی سے مدد تک نہیں مانگ سکتا! اگر کسی کو علم ہو گیا کہ میں اس کتاب سے محروم ہو چکا ہوں تو میری حیثیت، نام، دولت، خاندان کچھ میرے

کام نہ آئے گا۔" وہ خود سے مخاطب تھا۔ سگار کی راکھ میں اضافہ ہوا جا رہا تھا۔

"کیا تم اپنی قوم کی تاریخ سے واقف ہو؟ بنی اسرائیل سے؟ کیا میں تمہیں اپنی مقدس کتاب قرآن پاک سے کچھ سناؤں؟" ایک آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"میں ان قصہ کہانیوں میں دلچسپی نہیں لیتا شیر!" اس بے نیازی سے کہا تھا۔

"لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ تم تھوڑا سوچو۔"

"جیسے کہ؟" گولڈن اب کہ متوجہ تھا۔

"اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی اور یہ کہ میں نے تم کو اقوام عالم پر فضیلت دی۔ اے بنی اسرائیل میری اس

نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیں تھیں اور تم کو تمام نعمتوں پر فضیلت دی تھی۔"

"تم لوگ اس قوم سے ہو جو کبھی شکر ادا نہیں کرتی۔ جو منافقین میں سے ہے اور جو کبھی وفا نہیں کرتی۔"

اس نے بلا جھجک بڑی سختی سے کہا تھا اور جواب میں گولڈن نے فقط سر ہلادیا۔ جیسے کوئی فرق نہ پڑا ہو۔

"ویسے وہ فضیلت اور نعمتیں کیا تھیں؟" گولڈن نے یوں ہی طنزیہ سوال کیا۔

"اور بھلا کیوں تمہارا خدا ہم پر مہربان تھا؟" وہ بڑی توجہ سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہے۔ حضرت یعقوب میرے اللہ کے نیک اور محبوب بندے تھے۔" شیر کہہ کر خاموش ہوا۔
"اپنے دور میں دوسروں پر ترجیح دی گئی۔"

انہیں فرعون کی غلامی سے بچایا
سمندر کی تقسیم سے بچایا گیا۔

فرعون سے بچایا گیا

بچھڑے کی پوجا کرنے کی وجہ سے معافی ملی۔ کیا تم نے ایسے سیکڑوں
تباہ شدہ شہر نہیں دیکھے وہ عبرت کے نشان ہیں ہم سب کے لیے۔ ایسی
نافرمانی پر قومیں تباہ کی گئیں لیکن بنی اسرائیل کو معافی ملی۔

موسیٰ علیہ السلام اور تورات ان کی رہنمائی کے لیے بھیجی گئی۔ بخشش کا
ایک اور موقع ملا انہیں۔

گرمی اور آسمانی خوراک سے سایہ دار

بیت المقدس میں داخلے کی اجازت ملنا۔ وہی بیت المقدس جس پر ابھی تمہارے پیشواؤں نے معصوم جانوں کا قتل کرتے ہیں۔

یہ چند مثالیں ہیں گولڈن۔

"(یاد کرو) جب ہم نے تمہیں فرعون کی قوم سے نجات دی تھی۔ وہ تمہیں دردناک عذاب دیتے رہے، تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے۔ اس سب میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔ [2:49]"

فرعون اپنے وقت کا ایک طاقتور لیڈر تھا اور مصر کی سرزمین پر اس کی حاکمیت تھی۔ فرعون نے اس پر فخر کیا۔ اس کی جسم کی ساری ہڈیاں ایک میوزیم میں محفوظ ہیں وہ ایک عبرت ناک انجام سے دوچار ہوا اور

بنی اسرائیل آج تک اس دنیا میں ہے لیکن ہدایت نہیں پاتی۔۔ ہمیشہ سے ناشکری قوم رہی ہے۔۔ تمہیں میں ایسی ان گنت مثالیں ثبوت سمیت دے سکتا ہوں پر میں یہ بھی جانتا ہوں تم تب بھی نہیں مانو گے۔۔ لیکن ایک بات میں بہت یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ آیتیں تمہاری روح پر چابک برسا رہی ہیں۔۔ کیوں کہ ہر انسان کی روح کا مالک اللہ ہے۔ اور جب ہماری روح اپنے مالک کے کلام سے آشنا ہوتی ہے تو گواہی دیتی ہے۔ مجھے یقین ہے تم نے کبھی خود اپنا مذہب نہیں پڑا۔ سنا ہو گا۔ روایتیں، رسمی فرائض، سالانہ تقاریب وغیرہ وغیرہ۔ لیکن خود کبھی کوشش نہیں کی سمجھنے کی۔ جبکہ میرا دین ہمیں غور و فکر کی ترغیب دیتا ہے۔۔

"غور و فکر!" وہ بڑبڑایا۔

"وہ پندرہ سالہ شیر آج تیس کے ہندسہ عبور کرنے کو ہے تو اب دین کو لے کر اس کے کیا خیالات ہوں گے؟ ایسا بھی کیا ہے اس کے دین میں جس کی خاطر۔۔ جس کے لوگوں کی خاطر۔۔ اس نے آج تک سمجھوتہ نہیں کیا۔ آخر یہ مسلم قوم اپنے دین سے اتنی قائل کیوں رہتی ہے؟ اتنا گہرا تعلق کس لیے؟"

"کیا وہ مجھ سے نفرت کرتا تھا؟" سوال اس کے ذہن پر آچکا تھا۔ دل ابھی بھی اس امر پر پوری طرح راضی نہیں تھا کہ سب کچھ بدل گیا ہے۔ وہ تو لمبا عرصہ ہوا کاروباری معاملات میں فقط ایک نگران کی حیثیت پر تھا۔ میٹینگز، سیمینار، ویب میٹینگز بورڈ میٹینگز میں شرکت کرنا اس نے عرصہ ہوا کم کر دیا تھا۔

اب وہ کس طرح سے ان چیزوں کو سنبھالے گا؟ اس کی واحد امید تو شیر تھی۔ چیزیں سنبھال تو لیتا وہ لیکن اسے ایک نئی تصویر کھینچنی تھی نئی حکمتِ عملی تشکیل دینی تھی۔ نئے لوگ درکار تھے۔ اسے اپنی قانونی ٹیم سے رابطہ کرنا تھا۔ لیکن۔۔۔ وہ ان لوگوں سے کیا کہے گا؟؟ وہ ان پیشواؤں سے کیا کہے گا؟ کب تک وہ یہ بات چھپا پائے گا کہ اس کے پاس وہ قیمتی کتاب نہیں رہی؟؟ کیا وہ بخش دیا جائے گا؟ کسی صورت نہیں۔۔۔ اسے کچھ تو کرنا ہی تھا۔۔۔ اسے شیر کو ڈھونڈنا تھا۔۔۔ لازمی طور پر اسے شیر کو ڈھونڈنا تھا۔۔۔ وہ بالا آخر اسی نتیجے پر پہنچ کر خود کو بہلانے لگا۔



جنگ زدہ علاقہ پوری طرح ملبے کا ڈھیر بن چکا تھا۔ ہر طرف عمارتوں کا ملبہ سنسان گلیاں ویران سڑکیں، تباہ شدہ بازار، ٹوٹی پھوٹی دکانیں کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ وہ کیمرہ ہاتھ میں لیے خاموشی سے چلتا جا رہا تھا۔ دفعتاً اس کے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے کیمرہ گردن میں لٹکاتے فون ہاتھ میں لیتے کان سے لگایا۔

"کہاں ہو غازی؟" دوسری طرف شیر کی آواز سنتے اس کا دل ایک پل کے لیے تھم سا گیا تھا پھر فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔

"اپنا گھر دیکھنے آیا تھا بھائی۔۔۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ اچانک فضا میں ڈرون کی گڑگڑاہٹ گونجی۔ غازی نے سر اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھا۔

"غازی!" شیر سانس نہ لے سکا اس کا دل رک سا گیا تھا۔

Welcome in to prime urdu novels & publications.

پرائم اردو ناولز میں خوش آمدید۔

پرائم اردو ناولز میں بحیثیت لکھاری شمولیت اختیار کریں اور اپنی تحریروں، ناولز، افسانوں کا پی ڈی ایف لنک حاصل کریں۔ اور دنیا بھر میں ہماری ویب سائٹ کے لاکھوں قارئین تک اپنی تحریر ایک کلک میں پہنچائیں۔

اگر آپ اپنی تحریروں کو کتابی شکل میں محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو خصوصی ڈسکاؤنٹ پر آپ کی مرضی کی تعداد میں کتابیں بنا کر دیں گے۔

ہمارے گروپ میں اپنی تحریر اپنے پیج لنک کے ساتھ پوسٹ کریں اور اپنے پیج کی پروموشن کے لئے اس سنہرے موقع سے فائدہ اٹھائیں۔

اپنے پیج پر ہماری ویب سائٹ کا پی ڈی ایف لنک شیئر کرک اپنے ریڈرز کو پی ڈی ایف سے آف لائن ناولز پڑھنے کی سہولت فراہم کریں۔

اپنے ناولز کو ویب سائٹ کے ساتھ ساتھ دیگر سٹریمنگ پلیٹ فارمز جیسے یو ٹیوب پر بھی پڑھنے کی سہولت فراہم کریں اپنے ریڈرز کو۔

اپنی تحریروں کے لئے دیدہ زیب اور دلکش ٹائٹل اور پروموشنل پوسٹ بنوانے کے لئے ہمارے گرافک ڈیزائنر کی خدمات مفت حاصل کریں۔

اگر آپ کو اپنی تحریروں کو لکھنے میں راہنمائی کی ضرورت ہو تو ہماری ٹیم میں موجود سینئر لکھاری آپ کو مکمل راہنمائی فراہم کریں گے۔

تو پھر دیر کس بات کی، ابھی ہمارے گروپ کو جوائن کریں اور اپنی تحریر پوسٹ کریں اور ہماری ٹیم کا حصہ بن جائیں۔ کیوں کہ ہم اپنے سب لکھاریوں کو ساتھ لے کر چلنا چاہتے ہیں۔ مزید معلومات کے لئے ہمیں میسنجر پر انبکس کریں یا واٹس ایپ پر رابطہ کریں۔

Whatsapp : **03335586927**

Prime Urdu Novels Group Link

"ت۔۔ تم فلسطین میں نہیں ہوناں؟" اس کی آواز کپکپائی تھی۔ جبکہ دل پوری طرح ڈوبا تھا وہ جواب جانتا تھا۔ سوال کرتے اس کا دل تڑپ اٹھا۔ غازی کچھ بھی نہ بولا۔

"غازی! تم ک۔۔ کس شہر میں ہو م۔۔ میں تمہیں آج ہی وہاں سے نکلوا رہا ہوں۔۔ تم وہاں کیوں گئے۔۔ تم نے کہا تھا تم مصر جا کر امدادی کارروائیوں میں حصہ لو گے۔۔ تم اتنے خود سر کیوں ہو۔۔" شیر دبے دبے لہجے میں چلایا تھا۔ غازی نے لب بھینچ لیے۔

"میں اپنے گھر جانا چاہتا تھا بھائی۔ اس سے پہلے کہ میرا وطن پوری طرح تباہ ہو جاتا ایک دفعہ یہاں واپس آنا چاہتا تھا۔" ایک اور ڈرون اس کے اوپر سے گزرا۔ دوسری طرف شیر کا دل ڈوبا۔

"مٹی کو سو نگھنا چاہتا تھا۔ سمندر کو محسوس کرنا چاہتا تھا۔ اس فضا میں سانس لینا چاہتا تھا۔" ایک آنسو ٹوٹ کر اس کی آنکھ سے بہتا داڑھی میں جذب ہوا۔

"یہاں یتیم ہوتے میرے جیسے معصوم بچوں کے سر پر ہاتھ رکھنا چاہتا تھا۔ اپنے جگر گوشوں سے محروم ہوتی ماؤں کو دلاسا دینا چاہتا تھا۔" وہ خاموش ہوا چلتے چلتے سڑک پر آ پہنچا تھا۔ دور کہیں سیاہ دھواں اٹھتا دکھائی دے رہا تھا۔

"میری ماں کی قبر کھو گئی ہے بھائی۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔" ایک تھکا ہوا وحشت زدہ لہجہ جو شیر کا دل چیر گیا۔

"میں پاگلوں کی طرح تلاش کرتا رہ گیا۔ میری بہن کی قبر بھی نہیں ملی۔ ایک پرانا ہڈیوں کا ڈھانچہ ملا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ میرا بھائی تھا یا نہیں۔ گنے چنے ہسپتالوں میں زندہ زخمیوں کے علاج کی سہولیات نہیں وہ ایک پرانے ڈھانچے کا معائنہ کر کے کیا بتائیں گے کہ یہ میرا چھ سالہ بھائی ہی ہے جو کئی سال پہلے شہید ہوا تھا۔" غازی پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ روتے روتے وہ وہیں سڑک کنارے بیٹھ گیا تھا۔ شیر نے سختی سے آنکھیں میچ لیں ایک آنسو اس کی آنکھ سے نکلتا گال پر بہتا گیا۔ کچھ فاصلے پر کھڑکی کے دوسری طرف کھڑی جنت پتھر کا بت بنی اسے دیکھے

گئی۔ اس نے پہلی دفعہ شیر کی آنکھ میں آنسو دیکھا تھا۔ یہ تاثرات جنت کے لیے بالکل نئے تھے۔

"غازی میری جان! سنبھالو خود کو۔ میں تمہیں وہاں سے نکالوں۔"

"نہیں بھائی! نہیں۔ میں رفہ سے کہیں نہیں جا رہا۔ میں یہیں رہوں گا۔ میرے لیے صرف اتنا کریں کہ میرے اکاؤنٹ میں پیسے بھیج دیں۔ یہاں قدم قدم پر بھوک اور افلاس ہے۔ دھماکوں اور گولیوں سے مر رہے ہیں کم از کم بھوک سے تو نہ مریں۔" غازی نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ شیر ساکت سا فون اسکرین کو دیکھے گیا پھر تیزی سے ڈینیل کا نمبر ڈائل کیا۔

"ڈینیل! میں تمہیں اپنا ایک اکاؤنٹ بھیج رہا ہوں۔ میرے اکاؤنٹ کی آدھی رقم اس اکاؤنٹ میں منتقل کر دو۔"

"ساری ایک ساتھ کیسے ہوگی ماسٹر؟" ڈینیل نے اچنبھے سے سوال کیا۔

"ہر ٹرانزیکشن کی حد ہوتی ہے۔۔"

"حد کے مطابق ہر مرتبہ کچھ نہ کچھ منتقل کرتے رہو۔۔"

"ماسٹر وہ کس کا اکاؤنٹ ہے؟ کیا یہ محفوظ ہے؟ آپ یہ منتقلی کیوں کرنا

چاہتے ہیں؟"

"جتنا کہا ہے اتنا کرو ڈینیل!" شیر نے بیزاری سے کہہ فون بند

کر دیا۔ اس کا چہرہ تاریک تھا۔ ایک ان دیکھا بوجھ اس کے سینے پر آپڑا

تھا۔ ہزار خدشے اسے ہر طرف سے گھیرنے لگے۔ جنت وہیں سے پلٹ

گئی۔ شاید اس وقت اسے شیر سے نہیں ملنا چاہیے تھا۔ وہ ہاتھ میں پکڑی

پینٹنگ کو لیے قدموں اس کے سوئٹ سے نکل گئی۔ غازی کے بارے

میں سوچتے وہ خود بھی عجیب احساسات کا شکار ہو رہی تھی۔ اس نے کچھ

دور آکر اپنے ہاتھ میں پکڑی پیٹنگ کو دیکھا۔ اسے کل رات اس سے ہونے والی گفتگو یاد آئی۔

"تمہارا دل نہیں چاہا کبھی مجھے پیٹ کرنے کا؟" انتہائی غیر متوقع اور اچانک کیا جانے والا سوال تھا جنت کئی پل اس کی بات پر چپ سی رہ گئی۔ وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ اسے پیٹ کرنے کا خیال لاکھوں کروڑوں بار اس کے ذہن کے پردے پر ابھر کر معدوم ہوا تھا لیکن آج تک اس نے اس خیال کو حقیقت میں ڈھالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کیوں؟ یہ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

"تم چاہتے ہو میں تمہیں پیٹ کروں؟" جنت نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔ اس کی اس اچانک خواہش نے اسے محفوظ سا کیا تھا۔

"ہاں! آج سے نہیں سالوں سے۔۔ کیا واقعی تم نے مجھے کبھی پیرٹ نہیں کیا؟" جیسے اب افسوس کا اظہار کیا گیا ہو۔

"میں چہرے پینٹ نہیں کرتی شیر!" جنت نے اس کے لہجے سے افسوس کا عنصر محسوس کرتے کہا۔

"میرا چہرہ تو پینٹ کر ہی سکتی تھی۔ کیا میں تمہاری زندگی میں سب سے اہم جزو نہیں تھا؟"

"اہم جزو؟ اتنی خوش فہمیاں کیوں پالی ہوئی تھیں۔۔" وہ بے اختیار ہنستے ہوئے بولی۔ دوسری طرف وہ خود بھی ہنس دیا۔

"تم کبھی خود اس بات کا اعتراف نہیں کرو گی لیکن میری طرف سے تمہیں ہر بار اعتراف کی توقع ہے۔۔ ظالم لڑکی!"

"کیا تمہیں کبھی میرے ایک واضح اعتراف کی ضرورت محسوس ہوئی؟"

"ہاں میں بھی ان مردوں میں سے ایک مرد ہوں جسے اپنی پسندیدہ عورت کے اپنے بارے خیالات جاننے اور سننے کا شوق ہے۔" وہ خفگی سے کہتا اسے پھر ہنسنے پر مجبور کر گیا۔

"کہ میں تمہیں کتنا ہینڈ سم لگتا ہوں؟ یا مجھے دیکھ کر تمہاری دھڑکنیں بے ترتیب ہوتی ہیں؟ یا پھر میرا چہرہ تمہارے تصور میں ابھر کر تمہیں مسکرانے پر مجبور کرتا ہے یا پھر۔"

"بس بس! میں سمجھ گئی مسٹر شریم!" جنت قہقہہ لگاتی ہنس رہی تھی۔ شیر کو اس کی ہنسی نے مسرور کیا تھا کافی عرصے بعد اس نے جنت کو یوں کھل کر ہنستے سنا تھا۔

جنت گہری سوچ میں گم چلتی جا رہی تھی۔

"جنت!" شیر نے اسے پکارا۔ وہ اسے پلٹ کر جاتے ہسیت دیکھ چکا تھا
تبھی اس کے پیچھے چلا آیا تھا۔

"کہاں جارہی ہو؟" شیر کی نگاہ اس سفید فریم پر تھی وہ جان گیا تھا کہ وہ
ایک فریم ہے۔

"وہ میں۔۔" جنت الجھ کر رہ گئی۔ کیا جواب دے اب؟
"یہ پینٹنگ ہے کیا ہے اس میں؟ مجھے دکھاؤ۔" وہ کہتا ہوا آگے آرہا
تھا۔ جنت نے گھبرا کر پینٹنگ کو پیچھے کیا۔ شیر نے آنکھیں سیڑتے اس کا
چہرہ دیکھا۔
"کیا ہوا؟"

"یہ وہ۔۔ میں ایسے ہی ایک کوشش کر رہی تھی۔"

"کیا تم نے میرا چہرہ پیٹ کیا ہے جنت؟" وہ بے یقین سا ہو کر پوچھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ دیر قبل والی فکر اور بوجھل پن یک دم چھٹ سا گیا۔ خوبصورت مسکراہٹ اس کے چہرے پر دمک اٹھی۔

"مجھے دکھاؤ؟" وہ ہاتھ بڑھا کر بولا۔ جنت کو اس کے چہرے کے تاثرات نے احساس طمانیت بخشا تو اس نے جھجکتے ہوئے وہ پینٹنگ اس کے سامنے کردی اور آنکھوں کو سختی سے بھیج لیا۔ شیر کی نگاہیں ایک پل میں سو رنگ اوڑھتی محسوس ہوئیں۔ مسکراہٹ گہری ہوئی اتنی گہری کے اس کے چمکتے دان مت واضح ہوئے۔

اچھا تو میری جنت کو میرا یہ ہئیر اسٹائل پسند ہے؟ اس نے پینٹنگ میں اپنے بالوں کے انداز کو دیکھا جو اس وقت کے ہئیر کٹ سے مختلف تھا۔ کیا جنت نے میری کسی تصویر کو سامنے رکھ کر میرا چہرہ پیٹ کیا

ہے؟ یا جنت کو میرا ایک ایک نقش حفظ ہے؟ کیا وہ ساری رات میرا چہرہ
پینٹ کرتی رہی؟ سوئی نہیں؟

جنت گہری خاموشی پر آنکھیں کھولتی اسے دیکھنے لگی۔ وہ ارد گرد سے بے
نیاز پینٹنگ کو محویت سے تک رہا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟" جنت نے نچلے لب کو ہونٹوں تلے دباتے
پوچھا۔

"کیا میں واقعی اتنا خوبصورت ہوں؟" اس نے الجھ کر جنت کی طرف
دیکھا۔

"تم میری مہارت سے متاثر ہو رہے ہو یا اپنی خوبصورتی سے؟ آہ شیر تم
واقعی نارسسٹ ہو۔" جنت نے چڑ کر کہتے پینٹنگ کو پیچھے کرنا چاہا تو شیر
نے لپک کر اسے جنت کے ہاتھ سے چھین لیا۔ اور دوسرے ہاتھ سے

جنت کا سر تھامتے اس کی پیشانی چوم لی۔ یہ اتنی تیزی میں ہوا کہ جنت کچھ پل سمجھ ہی نہ سکی اور پھر بے اختیار ایک قدم پیچھے ہوئی۔ چہرہ سرخ پڑا۔ اس کے گداز لمس پر اس کا چہرہ دھک اٹھا تھا۔

"میری زندگی میں جتنے خوبصورت پل ہیں۔۔ سارے کے سارے تم نے دیے ہیں۔ تمہارا وجود مجھے میرے سارے غموں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔۔ تم میری جنت ہو۔ اللہ نے تمہاری صورت میں میری ساری تکلیفیں ذائل کر دی ہیں۔۔" وہ اس کے چہرے پر گری لٹ پیچھے کرتا بڑے ہی نرم و خوبصورت انداز میں کہہ رہا تھا۔ جنت یک ٹک اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"اور تم مجھ سے یہ خوبصورت پل چھین کر واپس جا رہی تھیں؟" آخر میں خفگی سے پوچھتا جنت کو ہنسنے پر مجبور کر گیا۔

"وہ بچپن تھا جنت! جب برے موڈ میں اکیلا رہنا پسند کرتا تھا! اب مجھے وحشت ہوتی ہے۔۔ ظاہر نہیں ہوتا مجھ سے لیکن میں بھی انسان ہوں جس میں احساسات کا وہی مادہ ہے جو تم سب میں ہے۔۔ اس لیے جب مجھے پریشان دیکھو، ساری دنیا چھوڑ کر میرے پاس آجایا کرو۔۔ مجھے چھوڑ کر مت جایا کرو۔۔" شیر کس لہجہ بدلا تھا۔ آنکھیں اداس ہوئیں اور اعصاب بھاری پڑنے لگے۔

"غازی کو لے کر پریشان ہو۔۔" جنت نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ شیر نے گہری سانس لیتے اثبات میں گردن ہلائی۔

"میں ڈر گیا ہوں۔۔ وہ ہمیشہ سے ضدی تھا۔۔ میں اس کی ضدوں سے لڑنے کا عادی ہوں لیکن اب کی بار دل ڈر رہا ہے۔۔"

"فکر مت کرو۔۔ اسے کچھ نہیں ہوگا۔" جنت نے اس کی ہتھیلی کی پشت کو سہلایا تو نگاہ پھر وہاں پڑی۔ جہاں کوئی ٹیڈو نہیں تھا سوال پھر لبوں پر آنے کو مچلا لیکن کچھ نہ پوچھ سکی۔ دفعتاً شیر کا فون بجنے لگا۔

"ایکسیوز می!" شیر نے نرمی سے ہاتھ چھڑاتے اپنا فون نکالا۔ اسکرین کو دیکھتے پھر اس نے جنت کو دیکھا۔

"میں تم سے پھر ملتا ہوں۔۔"

جنت نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا اور اسے پلٹ کر جاتے ہوئے دیکھنے لگی۔ اتنے دن سے ساتھ تھے تو جنت کو احساس ہو رہا تھا کہ وہ اتنا بھی مشکل نہ تھا یا پھر وہ ہی اسے سمجھنے لگی تھی۔ وہ وہیں کھڑی اسے جاتے ہوئے دیکھنے لگی پھر خود بھی پلٹ کر اپنے سوئٹ کی طرف بڑھ گئی۔ کمرے میں آکر اپنے لیے کافی بنانے لگی۔ گلاس وال کے قریب

آتے پردے ایک طرف کیے باہر لہریں مست سی آکر اس ولا کے احاطے سے ٹکرا رہی تھیں۔ کچھ پل وہیں کھڑی رہی پھر آکر اپنے لیے کافی نکالی اور موبائل لیے وہیں قریب کاؤچ پر آ بیٹھی۔ اس نے اپنا موبائل اٹھا کر نیوز کھولنا شروع کیا۔ وہ جب سے یہاں آئی تھی خود سے عہد کیا تھا کہ بیرونی خبروں سے دور رہے گی۔ اسٹریس سے دور رہے گی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنے تمام سوشل میڈیا اکاؤنٹس بند رکھے ہوئے تھے۔ انٹرنیٹ کھولتے ہی نوٹیفیکیشن کی بھرمار ہونے لگی۔ واٹس ایپ پر سب سے اوپر ایلینا کا میسج تھا۔

"کیا تم نے نیوز دیکھی؟" سوال پر جنت نے گہری سانس لیتے سر جھٹکا اور نیوز نوٹیفیکیشن دیکھنے لگی۔

گولڈن فاکس نامعلوم بیماری کا شکار ہو کر فی الحال تمام زمرہ داریوں سے سبکدوش ہو کر لمبی چھٹی پر چلا گیا تھا۔

"ماسکو میں رائل پولیس پر حملے کی تحقیقات جاری تھیں۔"

تصویر دیکھتے وہ چونکی۔ وہ وہی محل تھا جہاں شیر رہتا تھا۔ اس نے مزید گلے کیے۔ نئی اپڈیٹس آنے لگیں۔ جوں جوں پڑھتی گئی اس کا منہ حیرت و بے یقینی سے کھلتا گیا۔

جی ایف ایس آر کمیونٹی کے ارکان ڈھلتی عمارت کو سنبھالنے کی کوششوں میں مصروف؟ کیا ساری دنیا میں چلتا کاروبار ٹھپ ہونے کے در پر؟ لیگل ٹیم کا موقف ہے کہ ابھی تک دونوں اہم ارکان کی طرف سے انہیں کوئی ہدایت نہیں ملی تھی۔ کیا ایس آر اور گولڈن فاکس کی

علیحدگی صرف ایک اختلاف ہے؟ یا مستقبل قریب میں واقعی ہمیں اس کمیونٹی میں بدلاؤ دیکھنے کو ملے گا؟

ہر طرف سوالوں کا انبار لگا تھا ہر طرف ایک واضح ہلچل مچی ہوئی تھی۔ جنت بیزار ہو کر فون رکھنے ہی لگی تھی جب ایک سلائیڈ نے اسے ساکت ہونے پر مجبور کر دیا۔

"افغانستان کے بارڈر سے پاکستان میں داخل ہوتے ہوئے عیش البانی کو پاکستانی فورسز نے گرفتار کر لیا؟"

اس نے کانپتے ہاتھوں سے اس خبر پر انگلی رکھی۔ طویل آرٹیکل کھلا پڑا تھا۔ جنت سانس روکے پڑھنے لگی۔ وہ جوں جوں پڑھتی جاتی شیر کی کہی ہوئی باتیں اس کی سماعت میں گونجتی رہیں۔ اس کے چہرے کی تاریکی میں اضافہ ہوتا گیا۔ دل درد کی شدت سے سن پڑنے لگا وہ فون ایک

طرف رکھتی ساکت سی بیٹھی رہ گئی۔ نگاہ سامنے سفید دیوار پر بنے آبی گھوڑے کی خوبصورت پینٹنگ پر جاٹھری۔ اس پینٹنگ کے نقش و نگار پر اس کی نگاہیں فقط یوں ہی بھٹک رہی تھیں۔ اس کا ذہن اس کی توجہ تو ساری کی ساری بھٹک کر کہیں دور پہرہا دے رہی تھی۔



اگلے کئی روز تک بھی اسلام آباد کا موسم نم آلود تھا۔ ٹھنڈی ہوائیں بھیگی سڑکیں۔ درختوں کے معمول سے بڑھ کر سبز ہونا، پتے جن پر ہر پل بارش کی بوندیں ٹھہری رہتیں۔ نم شاخیں اور ان کے کونوں میں چھپے پرندے جو اپنے پروں سے بارش کی بوندیں چھڑکاتے ملتے۔ بادلوں کی چال ڈھال سے لگتا تھا آج پھر بارش ہوگی اور خوب ہوگی۔ وہ اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا مقامی کافی شاپ سے لی گئی کافی پی رہا تھا۔ آج

پھر ہاتھ میں پھول تھے لیکن کل سے مختلف۔ شاید کل والے وہ گھر
چھوڑ آیا تھا۔ تحفہ آج خوبصورت شاپر میں محفوظ فرنٹ سیٹ پر دھرا
تھا۔ کافی کا آخری گھونٹ بھرتے اس نے گاڑی کا انجن چلایا اور اسے
سڑک پر ڈال دیا۔ پندرہ منٹ کی مسافت پر وہ طوبیٰ کے گھر پہنچ چکا
تھا۔ اس نے عالیشان محل نما گھر پر ایک خاموش نگاہ ڈالی اور وہیں گاڑی
پارک کرتے باہر نکل آیا۔

اندر وسیع ہال میں ریٹائرڈ افسر عزیز خان اپنی اہلیہ اور چھوٹے بیٹے ابراہیم
خان کے ساتھ بیٹھے شام کی چائے پی رہے تھے۔ وہ خوش گپیوں میں
مصروف دکھائی دیتے تھے جب باہر سے ایک باوردی اہلکار وہاں اجازت
لے کر داخل ہوا۔

"کہو مسین!"

"برگیڈیئر صاحب باہر کمانڈر حاشر خان آئے ہیں۔"

عزیز خان بری طرح چونکے۔ ابراہیم اور ان کی اہلیہ بھی رخ موڑے گاڑ
کی جانب دیکھنے لگے۔

"کمانڈر حاشر خان!" وہ بے آواز بڑبڑائے۔

"انھیں مہمان خانے میں بٹھاؤ۔" عزیز خان نے کہا اور اپنی بیوی کی
جانب دیکھا۔

"کمانڈر حاشر یہاں؟"

"شاید طوبیٰ سے کوئی کام ہو۔"

"کیسا کام؟" ابراہیم خان نے کہا۔

"ان کا کیس تو مکمل ہو چکا۔ اب تو ملٹری کورٹ کی تاریخ دی جا چکی۔"

ابراہیم خان نے دبے لہجے میں باپ کی طرف دیکھتے کہا۔

"وہ یقیناً کسی کام سے ہی آیا ہوگا۔ طوبیٰ کو اطلاع کر دیتی ہوں پھر چائے وغیرہ کا بندوبست کرتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے میں مہمان خانے جا رہا ہوں۔" عزیز خان فوراً اٹھ گئے۔

"ڈیڈ میں آؤں؟" ابراہیم خان بولا۔ وہ آج سے قبل براہ راست حاشر خان سے نہیں ملا تھا۔ وہ ملٹری کی ایسی شخصیت تھی جس کے بارے میں ہر ایک نے سنا ضرور تھا لیکن براہ راست ہر کوئی اس سے مل نہیں سکا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ اس سے ملنا کوئی بہت ہی ناممکن امر تھا لیکن وہ ان فوجیوں سے تھا جو ہمیشہ فیلڈ پر رہا کرتے تھے۔ جو سالوں منظر سے غائب رہتے اور پھر ایک آدھ دفعہ ہیڈ کوارٹر میں پیش ہوتے اور پھر کسی نئی منزل کی طرف نکل پڑتے۔

عزیز خان نے پلٹ کر بیٹے کی طرف دیکھا پھر اثبات میں گردن ہلا دی۔ ابراہیم اٹھ کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔

وہ دونوں جوں ہی اندر داخل ہوئے۔ حاشر سلام کرتا اپنی جگہ سے اٹھا اور قدرے جھک کر عزیز خان سے مصافحہ کیا اور پھر ابراہیم کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"خوش آمدید کمانڈر حاشر!"

"شکریہ سر!" کیسے ہیں آپ؟" وہ خوشدلی سے مسکراتا بولا۔

"بالکل ٹھیک! بیٹھ جاؤ۔" ایک خوشگوار تاثر نے ان کے وجود کا احاطہ کیا تھا۔ حاشر دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

"بغیر اطلاع دیے یہاں آنے پر معذرت خواہ ہوں دراصل میرا مس طوبہ عزیز سے رابطہ نہیں ہو سکا تھا۔ اور مجھے کہیں جانا بھی تھا کچھ دنوں تک۔۔ لیکن پہلے میں مس طوبہ کی عیادت کے لیے آنا چاہتا تھا۔"

اس نے تفصیل سے وضاحت کرتے کہا۔
 "اچھا! اچھا! بہت اچھا کیا چلے آئے برخوردار تمہیں یہاں دیکھ کر خوشی ہوئی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"مس طوبی عزیز ہماری ایک بہت بہادر اور قابل ساتھی ثابت ہوئی ہیں مجھے یقیناً عیادت کے لیے آنا ہی تھا۔"

"اور بتاؤ! یہ تجربہ کیسا رہا یہ اتنی بڑی کامیابی! خیر تمہیں تو اس کی عادت ہے لیکن یقیناً یہ اب تک کا سب سے بڑا کارنامہ رہا ہے۔۔ جانتے ہو یہ مسئلہ تب سے چل رہا ہے جب میں نے آرمی میں جوائننگ دی تھی اور

جب جب کوئی بڑا کیس منظر عام پر آتا۔ نئی جوائن ٹیم بنائی جاتی اور اس پر تحقیقات کی جاتیں لیکن ابھی تک کوئی قابل ذکر نتیجہ ہاتھ نہ آیا تھا۔"

"جی میں نے اس کیس کو ہاتھ میں لینے سے پہلے اس کی تاریخ کو اچھی طرح سمجھا ورنہ میں بھی ان چھوٹی مچھلیوں کے تالاب کو ہی پورا سمندر سمجھ رہا تھا۔"

"سنا ہے عمش البانی گولڈن فاکس کو بچے دیتا تھا؟ کسی غلیظ روایتی رسم میں ان کی قربانی کی جاتی تھی؟" اب کے ابراہیم بولا۔
 "ہاں یہ اطلاعات تھیں لیکن غلط نکلیں۔ وہ ان شیطانی عملیات کے لیے یہودی بچے ہی استعمال کرتے ہیں۔"

"واقعی؟ اپنے ہی بچے؟"

"اپنے تو نہیں، لیکن ایسے بچے جن کا تعلق یہودیت سے ہو اور وہ مذہبی گھرانوں کے بچے ہوں۔۔ جنہیں کنیسہ (یہودیوں کی عبادت گاہ) میں پالا پوسا گیا ہو۔" حاشر نے ان کی معلومات میں اضافہ کیا۔ وہ دونوں بڑی توجہ سے اس کی طرف دیکھ اسے سن رہے تھے۔ اس کا انداز گفتگو نرم اور ٹھہرا ہوا تھا جو ہر سننے والے کی سماعت پر خوشگوار تاثر ڈالتا تھا۔

"یہ خرید و فروخت مکمل طور پر عیش کے زیر انتظام تھی وہی اس کا کرتا دھرتا تھا اس کا کام مختلف شخصیات میں بچے اور عورتوں کی سپلائی کے علاوہ اعضاء کی خرید و فروخت شامل تھی۔"

"یہ پاکستان کے علاوہ کن ممالک میں یہ دھندا کر رہا تھا؟"

"بنگلہ دیش، بھارت، سری لنکا افغانستان ایسے ممالک جن کا دفاعی نظام اور سسٹم اتنا مضبوط اور فعال نہیں کہ ایسے معاملات کو پوری طرح کنٹرول

میں رکھ سکے سب سے زیادہ اس چیز پر بات منحصر ہوتی ہے کہ کسی بیرونی طاقت کو اندرونی سپورٹ کس حد تک حاصل ہے۔۔"

اسی اثنا میں ملازم ٹرالی گھسیٹتا اندر آیا اور لوازمات میز پر سجانے لگا۔
"اس تکلف کی ضرورت نہیں تھی۔" حاشر نے پر تکلف انداز میں کہا۔
"ارے تکلف نہ کرو۔" وہ دوستانہ انداز میں بولے۔

"کیا آپ کو چائے یا کافی پیش کروں؟" ملازم نے اجازت طلب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"بہت شکریہ آپ کا! میں لے لوں گا۔" اس نے نرمی سے انکار کیا۔ وہ اس دوران سیدھا بیٹھا رہا۔ بیٹھنے سے لے کر بولنے تک اس کے ہر انداز کو عزیز خان کی توجہ حاصل تھی۔

"ویسے تم کافی پیتے ہو یا چائے؟"

"میں اکثر کافی پیتا ہوں لیکن چائے کو بھی ناپسند نہیں کرتا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور جھک کر اپنے لیے کافی لینے لگا ابراہیم

نے چائے کا کپ بھرتے اسے نگاہوں میں ہی رکھا۔ حاشر خود پر ان کی توجہ کو خوب محسوس کر رہا تھا لیکن اس چیز سے وہ قدرے بے نیاز اور مطمئن سا تھا۔ وہ شائستگی و نفاست کا منہ بولتا ثبوت تھا اسے اپنی شخصیت پر خوب اعتماد تھا۔ انھیں یہاں بیٹھے دس منٹ ہو چکے تھے۔ وقت گزرتا رہا۔ اور وہ خوش گپیوں میں مصروف ادھر ادھر کی باتیں کرتے اچھے موڈ میں تھے۔ تب ہی طوبی وہاں آئی۔

"اسلام و علیکم!" اس نے سلام کرتے ایک ابھی نگاہ حاشر پر ڈالی۔
"وعلیکم السلام!"

"اتنی دیر کہاں کر دی بیٹے! آؤ بیٹھو۔۔"

"کیسی ہیں آپ؟" حاشر بھی نرمی سے دریافت کرتا اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"اس دن میٹنگ کے دوران آپ کی ٹھیک سے عیادت نہ کر سکا معذرت چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں کمانڈر! آپ نے حال چال پوچھ لیا تھا۔" وہ بدقت مسکرائی۔ جھوٹی تلخی چھپاتی مسکراہٹ۔

"کمانڈر صاحب تو تمہاری کارکردگی کو خوب سراہ رہے تھے۔"

"ہاں! بڑی چھپی رستم نگلی میری بہن تو۔" ابراہیم بھی مزاح کا دامن تھامے مسکرا کر بولا۔

طوبیٰ فقط خفیف سے مسکرائی اور ایک خالی صوفے پر جا بیٹھی۔ نگاہیں حاشر کے چمکتے قیمتی جوتوں پر تھیں۔

"کیا کر رہی تھیں؟" عزیز خان نے اپنی بیٹی سے سوال کیا۔

"صبح سے غائب ہو۔"

"میں پینٹنگ کلاس کے لیے گئی تھی اس کے بعد پھر یہیں پر یکٹس کر رہی تھی۔"

"بہت اچھا مشغلہ ہے پینٹنگ!" حاشر نے تبصرہ کیا۔

"جی!" وہ فقط اتنا ہی کہہ سکی۔

"چلو تم لوگ باتیں کرو۔ مجھے اجازت دو پھر۔ دراصل ایک دوست کے

ہاں جانا تھا۔ پر ماشاء اللہ تمہاری سنگت میں تو وقت گزرنے کا پتا ہی نہ

چلا۔ بہت اچھا لگا تم سے گفتگو کر کے۔" وہ خوشگوار انداز میں

بولے۔ طوبیٰ باپ کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔ اتنی سی دیر میں کیا جادو کیا کہ وہ

اتنے دوستانہ انداز میں بے تکلف ہوئے حاشر سے باتیں کر رہے ہیں؟ وہ

تو بلا ضرورت کسی سے ایک لفظ نہ کہتے تھے۔ اسی پل ابراہیم کا فون بجا تو وہ بھی معذرت کرتا وہاں سے اٹھ کر نکل گیا۔ عزیز خان کے جاتے ہی حاشر نے رخ طوبیٰ کی طرف کیا تھا۔ وہ سپاٹ چہرہ لیے میز کو گھور رہی تھی۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ یوں میرے گھر آجائیں گے۔" وہ سنجیدہ سی کہہ رہی تھی اسے واقعی یہ توقع ہر گز نہیں تھی۔

"آپ ایسے کہہ رہی ہیں جیسے میں کوئی بدمعاش یا غنڈہ ہوں۔" حاشر نے دھیمے لہجے میں شکایت کی۔

"میں نے یہ تو نہیں کہا؟" طوبیٰ فوراً نفی میں گردن ہلاتی بولی۔ خفگی ہر انداز سے جھلک رہی تھی۔

"کیا کرتی ہیں آج کل؟" حاشر نے سوال کیا۔

"مصرف رہتی ہوں۔۔ سوشل ایکٹیویٹیز وغیرہ۔۔"

"اچھی مصروفیات تلاش کی ہیں۔۔ آپ ملٹری سے ریٹائرمنٹ لے رہی

ہیں؟" حاشر نے یوں ہی پوچھا۔

"وقفہ!"

"آپ ایک قابل افسر ہیں۔۔ آپ کی خدمات۔۔"

"کیا ہم کوئی دوسری بات نہیں کر سکتے؟ معاف کیجیے گا مگر میں ایک بدلہ

میزبان نہیں بننا چاہتی تو بہتر ہے کہ ہم ایسے موضوعات پر گفتگو نہ

کریں۔۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"بہتر!" حاشر نے برا مانے بغیر سر خم دیا اور ایک خاموش نگاہ طوبیٰ پر ڈالی

وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ چہرہ بھرا بھرا گالوں پر گلابی پن

چھلک رہا تھا۔ بڑی بڑی آنکھیں گہری اداسی کو چھپاتی دکھائی دے رہی تھیں۔ بال اونچی پونی میں بندھے تھے۔

سبز سادہ سی کرتی پر کھلا ٹراؤزر پہنے وہ ہر شے سے بے نیاز دکھائی دے رہی تھی۔ حاشر کا دل ایک لمحے کو گدازی کے سمندر میں غوطہ زن ہوا۔ اس نے نگاہوں کا رخ بدل لیا اور دوسری جانب دیکھنے لگا۔

"کیا میں آپ کی پینٹنگز دیکھ سکتا ہوں۔؟" حاشر نے ماحول کی سرد مہری کو کم کرنے کی کوشش کی۔

"میں ابھی سیکھ رہی ہوں۔ اور ایسی کوئی خاص پینٹنگ میں نے ابھی تک نہیں بنائی ہے۔"

"پھر بھی؟" حاشر نے نرمی سے اصرار کیا تو وہ بادل ناخواستہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ حاشر بھی اٹھ گیا۔ وہ دونوں مہمان خانے کے بائیں

جانب دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ ایک وسیع راہداری تھی جہاں چھت پر قیمتی فانوس فاصلے سے لگے تھے۔ سنگ مرمر کے گلدان اور ان میں لگے سجاوٹی پھول، سنہرے پردے اور قسم قسم کی پینٹنگز ایک اچھا کلاسیکی تاثر دے رہی تھی۔ راہداری کی دوسری طرف تالاب تھا جس میں خوبصورت بطخیں تیرتی دکھائی دے رہی تھیں۔

"بہت خوبصورت ہے آپ کا گھر۔"

"شکریہ! یہ میرے دادا کے وقت کا انٹیریئر ہے جسے ڈیڈ تبدیل نہیں کرواتے۔ صرف تھوڑی بہت تبدیلیاں وقتاً فوقتاً ہوتی رہیں ہیں۔۔۔" اس نے کہا۔ انداز نرم نہ تھا تو سخت بھی نہ تھا۔

راہداری ختم ہوتے وہ ایک طرف مڑ گئے سامنے ہی ایک دروازہ تھا جہاں داخل ہوتے اس نے آس پاس نگاہ دوڑائی۔

وہاں مختلف سائز کے ایزل رکھے تھے۔ کمرے میں بے شمار کھڑکیاں تھیں جن پر سفید پردے تھے۔ کھڑکیوں کے آگے مختلف گملے تھے جن میں پھول اور پودے رکھے تھے۔

طوبی خاموشی سے جاکر ایک ایزل کے سامنے رکھے اسٹول پر بیٹھ گئی۔ ایزل پر پینٹنگ تھی جس پر مور کو رنگوں سے عکس بند کیے جانے کا عمل جاری تھا۔

ان کے درمیان ایک گہری خاموشی چھا گئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں برش تھا اور سامنے رنگوں کی بہتات تھی۔ وہ پیچھے کھڑا خاموشی سے اس کی جانب دیکھتا گیا۔

"آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟ کیا آپ کی اہلیہ جانتی ہیں کہ آپ ایک نان پروفیشنل کا ز پر مجھ سے ملنے میرے گھر آئے ہیں۔" وہ چاہ کر بھی

لہجے کی تلخی اور طنز کو چھپا نہ پائی تھی۔ حاشر نے نا سمجھی سے اس کی طرف دیکھا وہ کئی پل اس کے جملے کی گہرائی کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔

"میری؟ اہلیہ؟" وہ عجیب الجھے ہوئے لہجے میں سوال کرتا خود کو خود ہی بے وقوف لگا۔

"جی کمانڈر آپ کی اہلیہ! جو آپ کے گھر رہتی ہیں۔ آپ کی والدہ کے ساتھ۔ جس کے بارے میں آپ نے مجھے کبھی بتانے کی زحمت نہیں کی۔" اس کی آواز کسی کھائی سے آئی تھی۔ ڈوبتی ہوئی لرزتی ہوئی۔ خفا سی بہت خفا اور تلخ لہجہ تھا۔ یقیناً وہ رونے کے قریب تھی۔

"آپ جاسکتے ہیں۔" اس نے تلخی سے کہا۔ وہ اس کے سامنے مزید گرنا نہیں چاہتی تھی۔ حاشر ساکت رہ گیا اور بے اختیار نفی میں گردن

ہلائی۔ ذہن تیزی سے جوڑ توڑ کرنے لگا اور پھر ایک نتیجہ پر پہنچ کر اس نے ایک گہری سانس خارج کی۔

"وہ میری اہلیہ نہیں ہیں۔ میری والدہ کی کئیر ٹیکر ہیں مس طوبی! میں نے ابھی تک شادی نہیں کی۔"

طوبی نے جھٹکے سے گردن گھمائی اور بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا آنکھیں سرخ اور چہرہ ستا ہوا تھا۔

"میری والدہ الزائمر میں مبتلا ہیں اور وہ یقیناً اپنی کئیر ٹیکر کو اپنی بہو کہہ رہی ہوں گی۔" حاشر نے وضاحت کی۔

"وہ اکثر ایسا کر جاتی ہیں۔ میں معذرت خواہ ہوں۔"

کس چیز کی معذرت طوبیٰ کے ذہن میں سوال ابھرا اس کا ذہن دھماکوں میں زد میں تھا۔ وہ یک ٹک حاشر کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ کیا وہ پچھلے کئی ہفتوں سے ایک غلط فہمی کا شکار ہو کر اپنی ذات کو اذیت پہنچا رہی تھی۔

"آپ مجھ سے کہہ دیتی ہیں وضاحت کر دیتا۔" وہ خود بھی شرمندہ ہو رہا تھا۔ طوبیٰ کی زبان سے ایک لفظ تک نہ نکلا۔

"شیری وہ آپ ہی کو کہہ رہی تھیں نا؟" طوبیٰ نے اٹکتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ مجھے شیری کہتی ہیں۔۔۔ پر میں شیری یعنی شریم نہیں ہوں۔۔۔" اس نے آہستگی سے کہا۔ ایک گہرا ملال اس کی آنکھوں کی سطح پر تیرتا دکھائی دیا۔

"شریم شیر ہے؟ وہ شیر سمجھتی ہیں آپ کو؟" طوبیٰ نے دھیمے لہجے میں سوال کیا۔ اندر ہی اندر شرمندگی اور پچھتاوا اسے بری طرح چبھ رہا تھا۔

"جی!" وہ فقط اتنا ہی بولا۔

"شیر ان کا وہ بیٹا ہے جس کی موت کا زمرہ دار وہ خود کو ٹھہراتے ٹھہراتے دماغی طور پر بری طرح بیمار ہو گئیں۔۔۔ یہاں تک کہ انھوں نے اس بات کو بھی فراموش کر دیا کہ ان کا کوئی حقیقی بیٹا بھی ہے۔۔۔ وہ میرے وجود کو شیر کے حوالے سے پہچانتی ہیں۔۔۔" اس کی آواز میں عجیب سا دکھ تھا۔ گہرا۔۔۔ بہت گہرا۔ اتنا گہرا کہ گہرائی کا پیمانہ طے ہی نہ کیا جاسکے۔

"لیکن شیر تو حیات ہے۔۔۔" طوبیٰ تجسس کے گہرے سائے میں گم تھی۔

"ہاں ! لیکن جب میں سولہ سال کا تھا تو ہمیں شیر کی وفات کا بتایا گیا۔۔ میرے بابا نے شاید ایسا جانتے بوجھتے کیا۔۔ شاید میری ماں کو پچھتاوے کی آگ میں جھونکنے کے لیے۔۔ یا پھر انھیں ڈر تھا کہ میں کہیں ان کے پیچھے نہ چلا آؤں۔۔ کیوں کہ ان سے جڑی واحد مضبوط کڑی میرا بھائی تھا جس سے مجھے بے پناہ محبت تھی۔۔ وہ میری پوری دنیا تھا۔۔" وہ آہستگی سے کہہ رہا تھا۔

"وہ مجھے چھوڑ کر چلے گئے یہ مجھے اتنا برا نہیں لگتا تھا جتنی تکلیف مجھے اس بات سے ہوتی تھی کہ وہ شیر کو لے گئے اور کبھی نہیں پلٹے۔۔ انھیں لگتا تھا کہ شیر یہاں رہا تو اس کے ساتھ زیادتی ہوتی رہے گی۔۔ وقت کے ساتھ وہ یہاں اپنی فیملی میں مگن ہو جائیں گے اور شیر جذباتی طور پر اکیلا رہ جائے گا۔ انھوں نے میرے لیے میری ماں کو چنا

۔ اور شیر کے لیے خود کو۔۔ کیوں کہ شیر ان کا بیٹا تھا لیکن میری ماں کی کوکھ سے اس نے جنم نہیں لیا تھا۔

طوبیٰ کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں۔ اسے لگا ان کی کہانی ایک روایتی میاں بیوی کی ناچاکی تھی۔

"شارجہ کی ایک رئیس بگڑی عرب زادی سے تھا شیر!"

"شیر کی ماں ایک عرب ہے۔"

کوئی بھی عورت کبھی یہ برداشت نہیں کرے گی کہ اس کا محبوب شوہر

پردیس سے اپنی ایک اولاد لا کر اسے تحفے میں دے۔۔ میری ماں کی دنیا

اسی روز زمیں بوس ہو گئی تھی جب بابا ننھے شیر کو لے کر لوٹے

تھے۔۔ اور اس کے بعد ہماری زندگی میں دوبارہ کبھی ایک عام دن نہیں

آیا۔۔ ہماری زندگی پھر کبھی نارمل نہیں ہوئی۔۔"

طوبیٰ کو حاشر اور اس کی ماں پر بے پناہ ترس آیا وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہی تھی۔



رفعہ کی خیمہ بستی کا احوال کچھ یوں تھا کہ بائیں طرف کے سارے خیمے تباہی کی زد میں آچکے تھے جبکہ دائیں طرف ہنوز زندگی کی رمتق باقی تھی۔ ننھے بچے اپنے خیموں کے گرد بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ کچھ عورتیں پانی کے نیلے ٹینک کے آگے بیٹھی برتن دھو رہی تھی۔ چہرے کو دھوپ کی تمازت نے سرخ کر رکھا تھا سر کے گرد لپیٹا اسکارف اور جسم پر سخت گرمی میں بھی بڑی سی گرم چادر لپیٹے وہ برتن دھوتے کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ یہاں بنے ہر خیمے میں الگ خاندان تھا ہر خاندان زخموں سے چور تھا کسی نے اپنی بیوی تو کسی نے اپنے خاوند کھوئے تھے کسی کا بیٹا

تو کسی کا بھائی اس نفرت اور نسل کشی کی نذر ہو گیا تھا۔ وہ چند رفاعی کارندوں کے ساتھ خیموں کے باہر کھڑا کھانے کے پیکٹ تقسیم کر رہا تھا۔ بچے، بوڑھے، جوان سب چہرے لیے پیکٹ وصول کرتے اسے شکریہ کہہ رہے تھے۔ وہ جو روح کا بوجھ ہلکا کرنے یہاں آیا تھا ہر گزرتا لمحہ اسے مایوس کر رہا تھا۔ ان آنکھوں میں زندگی کی چمک نہیں تھی۔ ان میں صرف ویرانی تھی وہ سب زندگی سے مایوس تھے۔ یہاں تک کہ نا سمجھ بچے بھی اس دنیاوی قیامت سے پوری طرح واقف تھے۔ وہ ہر خیمے میں کھانا پہنچا کر خیمہ بستی سے نکلا تو سامنے کھلا آسمان تھا۔ آسمان پر بادلوں کی بھیڑ تھی۔ وہ ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔ اس کے آس پاس دیگر رضاکار لڑکے تھے۔ دفعتاً فون کی گھنٹی بجی۔ مسیح دیکھتے اس نے دوسرا مسیح شیر کو لکھ کر شکریہ ادا کیا۔ اسے ایک خطیر رقم موصول ہوئی

تھی۔ آج کی تاریخ میں اسے کچھ خیموں کا بندوبست کرنا تھا۔ فون دوبارہ نکالتے اس نے شیر کا نمبر ملایا۔

"غازی!"

فون اٹھاتے ہی شیر نے بے تابی سے کہا۔

"آپ نے کہا تھا آپ مجھے یہاں سے نکال لیں گے؟"

"ہاں! ہاں! میں ابھی ہی۔"

"کچھ لوگ ہیں جنہیں یہاں سے نکالنا ہے بھائی! انہیں علاج کی ضرورت

ہے وہ یہاں علاج نہیں کروا پا رہے۔ کیا آپ انہیں یہاں سے نکلوا دیں

گے؟ وہ بہت تکلیف میں ہیں۔" غازی نے لجاجت سے کہا۔

"اور تم خود؟ تم کب؟ میں تمہیں اپنے سامنے دیکھنا چاہتا ہوں۔۔ جتنے لوگ کہو گے اتنے نکلوا دوں گا بس تم خود بھی وہاں سے نکلو۔۔" شیر نے اصرار کیا۔ انداز میں درخواست تھی۔

"ابھی نہیں۔۔"

"کیوں نہیں؟ تم باہر رہ کر بھی سب کچھ کر سکتے ہو۔۔ مدد کر سکتے ہو۔۔ میں ہوں ناں؟ کیا تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں؟ کیوں ضد کر رہے ہو غازی؟" شیر پھٹ پڑا۔ وہ ذہنی تناؤ کا شکار لگ رہا تھا۔ پہلی دفعہ وہ اس طرح انتشار میں الجھا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ غازی کو کہنا چاہتا تھا کہ وہ اسے کھونا نہیں چاہتا غازی اس کی زندگی کا اہم ترین حصہ ہے۔ اس کے دل کا اہم ترین حصہ ہے۔ وہ اسے بھائیوں سے زیادہ عزیز ہے۔ وہ اس کے لیے

بیٹے کی طرح ہے۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو وہ ساری زندگی سنبھل نہیں پائے گا۔ وہ کبھی پہلے کی طرح نہیں ہو پائے گا۔
"مجھے کچھ نہیں ہو گا بھائی!"

"تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔" شیر بے اختیار بولا۔ یہ خیال بھی روح جھنجھوڑ دینے والا تھا۔ وہ پوری دنیا کو کھوسکتا تھا لیکن غازی کو نہیں۔
"مجھے تفصیلات بھیجو ان لوگوں کی۔" شیر نے کہہ کر فون بند کر دیا۔
"شکریہ بھائی!" غازی کی اگلی بات فضا میں ہی کہیں رہ گئی۔ وہ ٹھنڈی سانس بھرتا مڑا۔
"کیا یہ وہی کمانڈر ہے؟" ایک لڑکے نے پوچھا۔
"ہاں!" اس نے مختصر جواب دیا۔

"ہمیں جلد سے جلد ان لوگوں کی تفصیلات اکھٹی کرنی ہیں۔ بھائی انھیں یہاں سے نکلوا رہے ہیں۔" وہ کچھ پرجوش سا تھا۔



مالدیپ میں ان کا یہ آخری دن تھا۔ ہوٹلوں اور سمندر سے دوری پر ساحلی میدان تھا جہاں سبز جیٹ کھڑا تھا۔ جنت جویوں ہی ٹہلتی ٹہلتی یہاں آپہنچی تھی۔ سادہ سی ڈھیلی شرٹ اور سفید ٹراؤزر پہنے وہ آرام دہ حلیہ میں تھی ہاتھ میں لیموں کا کوئی مشروب تھا جسے وہ وقفے وقفے سے پی رہی تھی۔ جیٹ دیکھ فوراً سمجھ گئی کہ اس کا مالک شیر تھا۔ لیکن یہ وہ جیٹ نہیں تھا جس میں شیر سفر کرتا رہا ہے۔ وہ محتاط تھا تبھی اپنے جیٹ کا استعمال نہیں کر رہا تھا۔ جنت سوچنے لگی۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر فون نکالا اور اس کا میسج پڑھنے لگی۔ یہ میسج اسے صبح موصول ہوا تھا۔

"آج ہم یہاں سے نکل رہے ہیں۔ تیار رہنا۔ دوپہر میں ملتا ہوں۔"

جنت نے گہری سانس لے کر کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا دوپہر گزر چکی تھی۔ چار بج کر پچیس منٹ ہو رہے تھے۔ وہ اسے کہیں دکھائی نہیں دیا تھا نہ اس سے ملنے آیا تھا۔ پرسوں کے بعد سے وہ اسے تناؤ کا شکار ہی لگا تھا۔ کھویا کھویا اور بوجھل سا۔ شاید غازی اس کے لیے بہت زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ وہ خوف زدہ تھا۔ وہ اسے کئی بار مختلف لوگوں سے رابطے کرتے دیکھ چکی تھی ہر بار موضوع گفتگو غازی تھا۔ وہ غازی کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتی تھی۔ لیکن اتنا ضرور جانتی تھی کہ وہ کئی سالوں سے شیر کے ساتھ ہے۔ شاید تب سے جب شیر واشنگٹن چھوڑ کر روس منتقل ہوا تھا۔ تب جب وہ اس سے جدا ہو گیا تھا۔

ایک ہفتے قبل کیا گیا معاندہ معاندہ ہی رہا۔ وہ ایک نارمل زندگی کی طرف ابھی تک نہیں لوٹے تھے۔ شاید ہنوز بہت کچھ باقی تھا۔ وقت اور حالات کو بدلتے بدلتے بھی وقت لگنا تھا لیکن وہ مطمئن تھی روح میں وہ تشنگی، وہ بے ربطگی، وہ ہنگامے، وہ تسلسل کی کمی کا عالم باقی نہیں رہا تھا اس کی وجہ شیر کا ساتھ ہونا تھا وہ مزید اسے کہیں چھوڑ کر نہیں جا رہا تھا وہ اسے اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔ یہ اس کی زندگی کی سب سے اہم اور خوبصورت تبدیلی تھی۔ اس تبدیلی کے ساتھ اسے کسی قسم کے بھی غیر معمولی حالات قبول تھے۔ وہ وہیں قریب ایک سنگی چٹان پر بیٹھ گئی۔ ہوائیں چل رہی تھیں۔ بادل آسمان کو گھیرنے لگے تھے۔ وہ آسمان کو تکتی اپنی زندگی کو سوچتی رہی۔



اسلام آباد کا موسم آج کچھ زیادہ ہی خوشگوار تھا یا یوں کہنا بہتر ہو گا کہ طوبیٰ نے ہی موسم کی خوشگوا ری پر اب جا کر دھیان دیا تھا۔ وہ یہی سوچتے ٹیرس کے جنگلے پر بیٹھے کوئل کے جوڑے کو دیکھ رہی تھی جو اپنے آپ میں مگن بڑا ہی خوبصورت ساز چھیڑے ہوئے تھے۔ دور پہاڑوں کا سبزہ اور ان کے نیچے سے گزرتی سڑکیں، سڑک کنارے لگے گھنے درختوں کی بھیڑ ہر منظر ہی دل کو چھو رہا تھا۔ وہ بال کھلے چھوڑے چہرے کو ہلکے پھلکے میک اپ سے سجائے بڑے ہی اچھے موڈ میں تھی۔

"بی بی! آکر ناشتہ کر لیں۔ بریگڈیر صاحب کی ہدایت ہے۔"

"آتی ہوں حورے!" اس نے ملازمہ کو جواب دیا اور اپنا فون لینے کمرے کی طرف بڑھی۔ اگلے دو منٹ میں وہ سیڑھیاں اترتی ڈائنگ ہال میں داخل ہوئی۔ وہاں سب ہی موجود تھے۔

"گڈ مارنگ ایوری ون!" اس نے تازگی سے مسکراتے سب کی طرف دیکھا اور کرسی سنبھال کر بیٹھ گئی۔

"گڈ مارنگ! کیسی ہو؟" عزیز خان کی کھوجتی نگاہیں اس کے کھلے کھلے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

"میں بالکل ٹھیک! مام آملیٹ دیجیے ناں۔"

"ضرور لو! اچھے سے کھاؤ۔" وہ بھی بیٹی کا خوشگوار موڈ اور ہلکا پھلکا انداز دیکھ مطمئن سی ہوئی تھیں۔ گزرے کہیں مہینے ان کے لیے ایک امتحان سے کم نہ تھے۔ طوبی کی بدلی اور بجھی بجھی شخصیت تمام افراد خانہ کے لیے ایک صبر آزما امر تھی۔

"آج میں شاپنگ کرنے قریبی مال اور پھر سیلون جاؤں گی مام! چلیں گیں؟"

"ضرور کیوں نہیں!" وہ مسکرا کر بولی۔

"میں بھی جوائن کرتا لیکن سیلون جارہے ہو تو پھر کسی اور دن! باہر ڈنر بھی کریں گے۔"

"آپ جوائن کر سکتے ہیں ڈیڈ! ہم سیلون کسی اور دن چلیں گے۔ ابراہیم بھائی؟"

"نہ بابا! مجھے تو معاف کر دو۔ میں تمہاری شاپنگ پلان میں کبھی شامل نہیں ہو سکتا" وہ کانوں کو ہاتھ لگاتا اسے ہنسنے پر مجبور کر گیا۔

"ویسے طوبی بیٹے۔ وسیم بخاری کی فیملی آنا چاہتی تھی میں نے تم سے رائے لی تھی ناں؟ اور تم نے مجھے مثبت اشارہ دیا تھا۔"

"وہ آپ کے دوست ہیں جب چاہیں آسکتے ہیں لیکن وہ اشارہ کیا میں واپس لے سکتی ہوں؟" طوبیٰ کا لہجہ دھیما اور سنجیدہ ہوا۔ میز پر یک دم خاموشی سی چھائی تھی۔

"کمانڈر حاشر آیا تھا۔ کیا اس سے ایسے کسی معاملے پر بات ہوئی ہے؟ کیا تم دونوں کے درمیان کوئی اور تعلق ہے؟ کام کے علاوہ" وہ فوراً مدعے پر آئے۔

"براہ راست بات نہیں ہوئی ڈیڈ! لیکن اب معاملہ یقیناً پہلے جیسا نہیں ہے۔ مجھے ایک غلط فہمی ہو گئی تھی۔"

"کیسی غلط فہمی؟" اب کے طوبیٰ کی ماں فکر مندی سے پوچھنے لگیں۔ ابراہیم نے بھی اخبار ایک طرف رکھ دیا۔

"میں ابھی تفصیلات نہیں بتا سکتی۔ لیکن معاملات اب پہلے جیسے نہیں ہیں۔" وہ چمکتی آنکھیں دمکتی رنگت لیے باپ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ عزیز خان نے اس کی بات پر سر خم دیا۔ وہ طوبیٰ کا مطلب اچھی طرح سمجھ رہے تھے۔ خود انھیں بھی حاشر کا رویہ ایک مثبت تاثر دیتا لگا تھا۔ وہ صرف ایک عام پیشہ وارانہ تعلق کی بنا پر یہاں نہیں آیا تھا وہ اچھی طرح جانتے تھے۔

"That's great!"

"طوبیٰ ہماری کوششوں کا مقصد تمہارے ساتھ زبردستی یا اپنی مرضی مسلط کرنا نہیں تھا بلکہ ہم نہیں چاہتے تھے کہ تم ایک بے بنیاد تعلق اور سراب کے لیے اپنے آپ کو تکلیف دو۔ لیکن اب اگر تم دونوں کے بیچ واقعی ایک دو طرفہ سنجیدہ معاملہ ہے تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں وہ

جب چاہے اپنی فیملی کو لاسکتا ہے۔۔ لیکن جہاں تک میں جانتا ہوں بابر

خان پچھلے بیس سالوں سے پاکستان میں نہیں ہیں؟"

"کیا آپ انھیں جانتے ہیں؟" طوبی حیران رہ گئی۔

"اسے کون نہیں جانتا پاکستان میں! ایک طویل عرصے تک خبروں میں

رہا ہے۔۔ وہ پاکستان کا ایک نامور نیوکلیر سائنسدان تھا۔ لیکن پھر وہی

ہوا جو ہمارے ملک میں اپنے قومی ہیروز کے ساتھ ہوتا ہے۔۔"

"ایسا کیا ہوا ڈیڈ؟" ابراہیم خان متجسس نظر آ رہا تھا۔

"اس کے ساتھ وہی ہوا جو ڈاکٹر عبد القدیر خان کے ساتھ ہوا۔۔ نہ کچھ

کم نہ کچھ زیادہ! لیکن عبد القدیر خان ایک جانی پہچانی شخصیت

تھے۔۔ جبکہ بابر خان کو گمنامی، بدنامی، ذلت و خواری کی ایسی چکی میں پیسا

گیا کہ وہ پھر کبھی پاکستان میں نظر نہیں آیا۔۔ امریکا کئی سالوں تک اسے

تلاش کرتا رہا تھا۔ سفارت خانے کئی سالوں تک اس کے بارے میں فائلیں بھر بھر کر امریکا کو دیتا رہے لیکن بے سود وہ بھی نام کا پکا نکلا۔ ہاتھ ہی نہیں آیا!"

طوبی ساکت سی باپ کا چہرہ دیکھتی رہی۔
 "میں ایک نارمل ہاؤس ہولڈ سے نہیں ہوں۔۔ پر میری خواہش ہے کہ اپنے لیے ایک نارمل زندگی کی بنیاد رکھوں۔ ایک ٹوٹا ہوا خاندان آپ کو کئی ٹکڑوں میں توڑتا ہے اور آپ سالوں تک اپنے ٹکڑے سمیٹتے رہ جاتے ہیں۔" حاشر کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔
 "بہت ہی برا ہوا۔" طوبی کی والدہ کہتے ہوئے چائے کی چسکیاں لینے لگیں۔

"وہ ابھی پاکستان میں ہیں۔" طوبی نے بتایا۔

اس پر عزیز خان سمیت ابراہیم اور اس کی ماں بھی چونکے۔
 "یہ تو پھر اچھی بات ہے۔۔ ایک محب وطن شخص کے لیے اپنے ملک
 سے دور رہنا آزمائش ہی ہوتا ہے۔۔ خدا ظالموں اور بے ضمیروں کو
 ہدایت دے۔۔"

"آمین!" وہ سب یک زبان ہو کر بولے۔
 "اور ابراہیم تم کاشف عقیل کے یونٹ میں کیوں تھے اس روز؟" عزیز
 خان کو اچانک ہی یاد آیا۔ ابراہیم ایک پل کو خاموش رہا۔
 "وہ ایک کیس پر بات کرنا چاہ رہا تھا۔ میرے انڈر ایک کیس ہے جو۔۔"
 "ایسکیوز می!"

اسی اثنا میں طوبی اپنا کپ لیے وہاں سے اٹھ گئی۔



"شیری!" وہ اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھرے محبت سے دیکھ رہی تھیں۔ حاشر ان کے قدموں میں بیٹھا ان کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھے مسکرا رہا تھا۔ کچھ ہی فاصلے پر بیٹھا مسکرا رہا تھا۔

"کہاں چلے گئے تھے؟"

"آپ کو بتایا تھا ناں! مجھے تھوڑا وقت لگے گا۔ اب دیکھیں آگیا ہوں۔"

وہ نرمی سے ان کے ہاتھ سہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اب تو نہیں جاؤ گے؟"

"نہیں! یہیں ہوں، آپ کے پاس!" اس نے ان کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں کے حصار میں بھرا اور پیشانی پر نرمی سے بوسہ دیا۔

"تم کسی بابر خان کو جانتے ہو شیریں؟ ہر دو دن بعد آجاتا ہے۔۔ کہتا ہے مجھے جانتا ہے۔۔ تمہیں جانتا ہے۔۔" وہ سادگی سے کہہ رہی تھیں۔ حاشر ٹھٹھک گیا۔ چہرے کے تاثرات تبدیل ہوئے۔

"اوہ! اچھا۔۔ پرانے جاننے والے ہیں اچھے انسان ہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔۔" وہ بمشکل الفاظ جوڑ پایا۔

"مس ندام کو روم میں لے کر جائیں۔۔ اور پھر مجھ سے ملیں۔۔" اس نے کچھ فاصلے پر کھڑی کئیر ٹیکر کو ہدایت کی۔ وہ جو یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی خود کو مخاطب کیے جانے پر بے اختیار سیدھی ہوئی دل کی دھڑکنیں بے لگام ہوئیں۔ اس نے فوراً اثبات میں سر ہلایا اور تیزی سے اس کے حکم کی تعمیل کرنے لگی۔

تقریباً پانچ منٹ بعد وہ حاشر کے سامنے کھڑی تھی۔

"بیٹھیے۔" حاشر نے اشارہ کیا۔

وہ صوفے پر بیٹھتے کچھ گھبرائی سی لگتی تھی۔ ایسا نہ تھا کہ وہ ایک کم اعتماد لڑکی تھی لیکن حاشر کے سامنے اس کا سارا اعتماد گدھے کے سر سے سینگ کی مانند غائب ہو جاتا تھا۔

"شکریہ! آپ نے مام کا خیال رکھا اور انھیں کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔"

"یہ تو میرا فرض تھا۔ وہ مجھے فیملی سمجھتی ہیں۔ اور میں بھی ان سے بہت مانوس ہوں۔"

"میں سمجھ سکتا ہوں۔" وہ سر ہلاتے ہوئے بولا

"کچھ ہفتے پہلے یہاں مس طوبی آئی تھیں۔؟"

"جی جی! آئی تھیں ایک خط بھی دیا تھا اور۔"

"مام نے ان کے سامنے اگر آپ کو کسی ایک رشتے سے پکارا جو حقیقی ہی نہیں تو آپ کو چاہیے تھا کہ اس کی وضاحت کرتیں۔۔" حاشر کا انداز سنجیدہ تھا۔ ندا چپ رہ گئی۔ چہرہ بے اختیار سرخ پڑا وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ کتنا صاف اور واضح انداز تھا اس کا! فوراً مدعے پر آجاتا تھا۔ بات کو ادھر ادھر نہیں گھماتا تھا۔

"دراصل وہ اکثر کہہ دیتی ہیں کافی لوگوں کے سامنے۔۔"

"کافی لوگ؟ جہاں تک میرا خیال ہے یہاں سر عبید کے علاوہ اور کوئی نہیں آتا؟ حال ہی میں مسٹر بابر خان آئے ہوں گے؟ ہر کسی کے سامنے کی بات نہیں ہے۔ یہ آپ کا فرض ہے کہ ڈیوٹی کے دوران ایسے معاملات کو نظر انداز نہ کریں آپ کی لاپرواہی مجھے

شرمندہ کر سکتی ہے۔ میری زندگی میں مسئلے پیدا کر سکتی ہے۔۔"

"باقی لوگوں کے سامنے یا طوبیٰ کے سامنے وضاحت نہ کرنا مسئلہ بنا۔۔" وہ کہنا چاہتی تھی لیکن کہہ نہ سکتی تھی۔ وہ پیشہ ورانہ انداز میں بہت سنجیدگی سے بغیر کسی لگی لپٹی کے اس سے مخاطب تھا۔ اپنے دل اور جذبات پر لعنت بھیج اس نے معذرت چاہی۔

"میں معذرت خواہ ہوں۔۔"

"پلیز آئیندہ اس چیز کا خیال رکھیں۔" حاشر عام سے لہجے میں تنبیہ کرتا وہاں سے چلا گیا۔ ندا سر اٹھائے اسے جاتا دیکھتی رہی۔ اس کے دل میں حسرت و ملال کی گہری چھاپ نے دستک دی تھی۔ وہ بے حد اداس نظر آنے لگی۔



یہ بین الاقوامی اداروں کے توسط سے بنے ہسپتال کی ایمرجنسی تھی جہاں ہر طرف افراتفری کا عالم تھا۔ فرش پر خون ایسے بہہ رہا تھا جیسے کچھ لمحہ قبل وہاں کوئی جانور زخ کیا گیا ہو۔ وہاں لوگوں کی تعداد زیادہ تھی۔ کچھ زخمی زمین پر پڑے کراہ رہے تھے۔ غازی کی نگاہ ایک چھ سے آٹھ ماہ کے بچے پر پڑی۔ گھنگرالے بالوں اور سبز آنکھوں والا وہ بچہ حلق پھاڑ کر رو رہا تھا۔ جسم پر خراشیں تھیں لیکن اس کی طرف کوئی متوجہ نہ تھا شاید وجہ مزید سنجیدہ اور بری حالت کے مریض تھے۔ غازی نے آگے بڑھ کر اس بچے کو گود میں اٹھایا۔

"تمام! یا حبیبی! تمام!" وہ اس کی پیٹھ کو آہستگی سے سہلاتا اس کو خاموش کروانے لگا۔ بچہ سہا ہوا تھا اس کی سانسیں تیز تھیں۔

"اس بچے کے والدین شہید ہو گئے۔۔ ہمارے پاس ابھی تک اس خاندان کا کوئی اور فرد نہیں پہنچا۔" ایک ڈاکٹر وہاں سے تیزی سے گزرتا اسے آگاہ کر گیا۔

"بھائی ! "تب ہی پیچھے سے کسی نے اسے پکارا وہ بچے کو لیے ایمر جنسی سے باہر کی طرف بڑھنے لگا۔

"بچہ ڈرا ہوا ہے میں اسے لے کر باہر جا رہا ہوں۔ تم سامان ایمر جنسی میں انتظامیہ کے حوالے کر آؤ اور اس بچے کے حوالے سے اطلاع کر دو یہ میرے پاس ہے۔۔ جب تک کوئی خبر نہیں آجاتی اس کے ورثاء کی تب تک میرے پاس رہے گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

"اور ہاں ! اس کے لیے ضرورت کی اشیاء لے آنا!"

بچہ اب پر سکون ہو کر اس کے کاندھے سے سر ٹکائے خاموش نگاہوں سے آس پاس کا منظر دیکھ رہا تھا۔ غازی آگے بڑھتا گیا۔ باہر ایسبولینس میں مزید لاشیں پہنچ رہیں تھیں۔ کچھ میتیں باہر کفن میں لپیٹی پڑی تھیں پاس غم سے چور و رثاء بیٹھے بے بسی کی تصویر تھے۔ غازی سر جھکائے اس احاطے سے نکل آیا۔

اس نے اپنا فون نکالا اور شیر کا نمبر ملانے لگا۔
"بھائی!"

"کیسے ہو تم غازی؟" دوسری طرف شیر تیزی سے بولا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔۔۔ رات کافی ہو گئی ہے خیمے کی طرف جا رہا ہوں۔۔۔ میں نے ان تمام لوگوں کو تفصیلات پہنچا دی ہیں۔۔۔" وہ کہتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔

"مجھے مل گئیں ہیں میں نے آگے پہنچا دی ہیں ایک سے دو دن لگ جائیں گے۔"

"شکریہ بھائی!"

"تم نے اپنے لیے کیا سوچا؟" شیر نے وہی سوال دہرایا جو وہ پر دفعہ دوہراتا تھا۔

"کچھ نہیں! میں کچھ سکون میں ہوں۔ بھوک کی شدت سے تڑپتے بچوں اپنے سامنے سیر ہو کر کھاتا دیکھ۔ سڑک کنارے پڑے خاندانوں کو جب عارضی خیمے ملتے ہیں تو ان کے چہرے پر ایسی خوشی ہوتی ہے جیسے کوئی شیش محل مل گیا ہو انھیں۔"

"غازی میں۔"

"آپ نہ ہوتے تو میں کیا کرتا بھائی!" غازی نے بڑے ہی عجیب لہجے میں یہ سوال کر ڈالا تھا۔

"میں نہ ہوتا تو کوئی اور ہوتا غازی!"

"آپ جیسا کوئی نہیں۔" غازی کے لہجے میں چھپی عقیدت نے شیر کو خاموش سا کر دیا۔

"مجھے ایک ننھا سا فرشتہ ملا ہے۔" غازی نے گردن گھمائے اپنے کاندھے پر سر رکھے سکون سے سوتے بچے کو دیکھا۔
"کون ہے؟"

"میرے جیسا غازی ہے کوئی! دنیا کو ٹھیک سے سمجھنے کی صلاحیت تو نہیں اس میں۔۔ لیکن قیامت گزر چکی ننھی جان پر! ماں باپ کھو دیے

-- خاندان کا کچھ پتا نہیں -- "غازی کا چہرہ مایوسیوں کے اندھیرے میں
ڈوبتا جا رہا تھا۔

"اس کا خیال رکھو۔"

"میرے ساتھ ہی ہے۔" غازی نے کہا۔

"کچھ کھایا ہے تم نے؟ مجھے یقین ہے ہمیشہ کی طرح دن میں ایک وقت
کا کھانا ہی کھا رہے ہو؟" شیر نے فکر مندی سے پوچھا۔
"وقت۔"

"وقت نہیں ملتا؟ تمہیں کھانے کے لیے بھی؟ تمہیں کتنی دفعہ!" شیر
تپ گیا۔

"اچھاناں! ابھی خیمے پہنچ کر کھا لیتا ہوں!" غازی آہستگی سے ہنس دیا۔
"میں مذاق نہیں کر رہا!" شیر نے اسے جھڑکا۔

"تین وقت کھاؤں گا کل سے!" غازی نے فوراً وعدہ کر ڈالا۔

"بہت مہربانی!" شیر نے کہا اور فون بند کر دیا۔ غازی نے گہری سانس لے کر فون اسکرین کی طرف دیکھا۔ آسمان ستاروں کی جھرمٹ میں چھپا تھا۔ ستارے چمک رہے تھے، خوب چمک رہے تھے۔ وہ انھیں دیکھے گیا۔



پرائیویٹ جیٹ ہواؤں کو چیرتا اگلی منزل کی طرف گامزن تھا۔ اندر کا ماحول متعادل تھا۔ دھیمی سی مہک فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ ان کی نشستوں کے سامنے ایک میز تھی جس پر کھانے کی اشیاء رکھی تھیں۔ کچھ مشروب کے گلاس تھے۔

"مجھ سے ناراض تو نہیں ہو؟" شیر جنت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے سوال کر رہا تھا۔ جنت جو کب سے آنکھیں موندے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ سیدھی ہوئی اور گردن کو نفی میں ہلایا۔

"کیسی ناراضی؟" وہ مسکرائی۔ شیر بھی نرمی سے مسکرایا۔

"وعدہ لیا تھا تم سے کہ۔۔"

"میں سمجھ سکتی ہوں۔۔" اس نے اپنا ہاتھ شیر کے ہاتھ پر رکھا۔

"ہماری زندگی ہمارے کہہ دینے سے اپنے ڈگر پر نہیں آسکتی۔۔ میرے لیے یہ کافی ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔۔" جنت نے اس کے چہرے کے نقوش دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں ہمیشہ سے ایک پر سکون ماحول دینا چاہتا تھا شاید اس لیے پچھلے کئی سال میں تم سے دور رہا۔۔ چاہ کر بھی تمہارے ساتھ نہ رہا

-- میری زندگی ایک ایسی کشتی کی مانند ہے جو کسی پرزور سمندر کی لہروں کے آسرے پر ڈول رہی ہے۔۔ "وہ آہستگی سے ہنس دیا۔

"مجھے کبھی بھی پر سکون ماحول کی خواہش نہیں تھی میں تو تمہارے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔۔ اس احساس تلے جس سے تم نے مجھے دس سال کی عمر میں روشناس کروایا تھا کیا تمہیں ہمارا بچپن یاد ہے شیر؟" وہ بے اختیار مسکرائی۔

"وہ ایک سال میرے لیے ایک خوب صورت خواب ہے جسے میں ہر دن دہراتی تھی۔۔"

شیر بھی مسکرایا اور اپنا فون نکال کر کچھ دیکھنے لگا پھر اسکرین اس کے آگے کر دی۔ جنت جو اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی اسکرین کو دیکھتے ہی زور

سے ہنس دی۔ کچھ نشستیں چھوڑ کر پیچھے بیٹھا ڈینیل ٹیب سے نگاہیں ہٹا کر ان دونوں دیکھنے لگا پھر سر جھٹک کر دوبارہ نگاہیں ٹیب پر جمادیں۔

وہ ان کے بچپن کی تصویر تھی۔ شیر اور جنت اسکول یونیفارم میں درخت کی شاخ پر بیٹھے تھے۔ شیر مسکرا رہا تھا جبکہ جنت ڈری سہمی دونوں ہاتھوں سے شیر کو پکڑے بمشکل مسکرانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے تاثرات بے حد مضحکہ خیز تھے۔

شیر نے اگلی تصویر دکھائی۔

جنت گرین مینشن کے اس فاؤنٹین پر بیٹھی مچھلیاں دیکھ رہی تھی۔ دو پونیاں جو ڈھیلی ہو کر کاندھوں پر جھول رہی تھیں۔ وہ سارے کے سارے دانت دکھاتی مسکرا رہی تھی۔

"کتنی عجیب ہے۔"

"خبردار! یہ سب سے کیوٹ ہے۔" شیر نے اسے گھورا۔ وہ کھکھلا کر ہنس

دی۔ ڈینیل نے پھر نگاہیں اٹھا کر ان دونوں کو دیکھا۔

"ایک میں ہی بد نصیب ہوں۔" بڑبڑا کر دوبارہ اپنے کام میں مگن ہو گیا۔

"یہ دیکھو!"

"یہ میرے چہرے پر کیا ہے؟" وہ تصویر کچھ دھندلی سی تھی۔

"ہوم ورک اچھا کرنے پر جو تم مجھ سے زبردستی کے اسٹار لیتی تھی۔"

شیر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اپنی ٹیچرز سے زیادہ تم سے اسٹارز لینے کی خوشی ہوا کرتی تھی مجھے" وہ

پھر ہنس دی۔

"کیا تمہارے پاس ساری تصاویر ہیں؟"

"ہاں! کیا تمہیں یاد نہیں میرے پاس ایک کیمرہ ہوا کرتا تھا۔"

"اور تم کہتے تھے یہ کیمرہ ہی میرا واحد دوست ہے۔"

"کیمرہ واقعی میرا واحد دوست تھا۔" شیر نے اسے چڑایا۔

"تبھی تو تم ہر وقت مجھے ساتھ لیے پھرتے تھے۔" جنت نے ناک چڑھائی۔

"کیا؟ پھر سے کہنا؟ کیا تم بھول گئیں وہ وقت جب تم دن میں ہزار

مرتبہ مجھے یہ کہنے پر مجبور کرتی تھی کہ تمہیں اپنا دوست مان لوں۔"

"اور تم کبھی نہیں مانتے تھے۔ کیا میں اتنی بری تھی؟" اس نے شیر کے

کاندھے پر تھپڑ رسید کیا۔

"نہیں! تم حساس تھیں۔ بے وقوف تھیں۔ معصوم تھیں۔ اور میں

جانتا تھا کہ میں وہاں ہمیشہ نہیں رہنے والا!"

"لیکن تم رہے۔" وہ مسکرائی۔

"اگر میں تمہیں بھول جاتی۔۔ تو کیا تم مجھے تب بھی یاد رکھتے؟" جنت نے جانچتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں تمہیں نہیں بھول سکتا تھا چھوٹی چڑیل!" شیر نے کہا۔ لہجے میں گہرا یقین تھا۔

"اور اگر میرے لیے تمہاری وہ اہمیت نہ رہتی؟ یا اپنی زندگی میں تمہارا وجود نہ چاہتی؟" جنت اب سنجیدگی سے سوال کر رہی تھی۔

"تو میں تمہیں پھر ملتا!" شیر نے کاندھے اچکائے۔

"کیسے؟ اپنی مصروف اور ہنگامے بھری زندگی سے وقت نکال کر؟"

"جو وقت میں اب نکالتا تھا ویسے ہی وقت نکال کر موقع دیکھ کر کبھی نہ

کبھی کہیں نہ کہیں پہنچ جاتا۔۔ تمہیں متاثر کرنے کے لیے۔۔ اور مجھے

نہیں لگتا کہ میری شخصیت ایسی ہے کہ اسے نظر انداز کیا جائے یا بھلا دیا جائے؟" شیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خود پرستی تو تمہاری فطرت میں شروع سے تھی۔۔" جنت بد مزہ ہوئی۔

"خود پرستی؟ نہیں! یہ خود اعتمادی ہے۔۔"

"جو بھی ہو! اور تمہیں کیوں لگتا ہے کہ تمہاری شخصیت سے ہر کوئی متاثر

ہو سکتا ہے؟" جنت نے تھوڑھی پر ہاتھ رکھتے سوال کیا۔

"تم ہو سکتی ہو تو دنیا کی کوئی بھی لڑکی ہو سکتی ہے۔۔" شیر نے اسے

چڑایا۔

"تب میں دس سال کی بچی تھی۔۔" جنت نے اسے گھورا۔ شیر نے

ہونٹوں کو مخصوص زاویے پر بھیجنے کر دونوں ابرو اٹھائے جیسے اس کی بات

پر متفق ہوا ہو۔

"خیر کیا تم پہلی دفعہ مصر جارہے ہو؟" جنت نے اچانک گفتگو کا رخ بدلا۔

"نہیں!" شیر مسکراتے ہوئے بولا۔

"لیکن یہ پہلی دفعہ ہے جب میں اسے ایکسپلور کرنے جا رہا ہوں! اس سے قبل کاروباری کچھ گھنٹے کے دورے تھے جو مقامی سطح پر نہیں تھے۔"

"حسام بھی یہی رہتا ہے۔ قاہرہ میں!" جنت نے یوں ہی سرسری انداز میں کہا۔ شیر کے ابرو ایک دم بھیچ سے گئے۔ اس نے فقط سر خم دیا۔

"کیا تم نے اسے اطلاع دی ہے ہمارے قاہرہ آنے کی؟" شیر نے بمشکل لہجہ دھیمار کھا۔

"نہیں! لیکن اب آئے ہیں تو ملتے ہوئے جائیں گے۔" جنت کا انداز عام سا تھا۔

شیر نے کوئی جواب نہ دیا۔ کچھ بھی نہ کہا اور اپنے فون کی جانب متوجہ ہوا۔

"ویسے بھی وہ لوکل ہے تو ہمارے لیے ایک اچھا گائیڈ بھی ثابت ہوگا۔ جغرافیائی اور تاریخی لحاظ سے اس کی معلومات ناقابل یقین ہیں۔"

جنت کا ستائش سے بھرپور انداز شیر کو پہلو بدلنے پر مجبور کر گیا۔

"میں تاریخی طور پر مصر سے ناواقف نہیں ہوں۔ ہمیں ہر جگہ اسے ٹورسٹ گائیڈ کے طور پر لے جانے ضرورت تو نہیں؟" شیر نے چھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ جنت نے الجھ کر اس کی طرف دیکھا۔

"پر وہ مقامی ہے۔۔ اور۔۔"

"حسام ہمارے ساتھ ہمارے پورے ٹرپ میں شریک نہیں ہو سکتا۔ اور ویسے بھی ہم سیاح ہیں۔ کوئی طالب علم جنہیں پوری مصری تاریخ

کھنگالنے کی ضرورت پڑے۔ "شیر نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی چڑ کر کہا۔

"ٹھیک ہے؟ لیکن تمہیں اتنا غصہ کیوں آرہا ہے؟" جنت جواب اس کے رقابتی جذبے کو سمجھ کر اندر ہی اندر لطف اندوز ہو رہی تھی انجان بنتے ہوئے بولی۔

"مجھے؟ نہیں تو۔ مجھے غصہ کیوں آئے گا؟" وہ ہاتھ جھلاتے ہوئے کہتا کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ جنت نے بڑی ہی دقت سے مسکراہٹ کو چھپایا تھا۔ اسے شدید قسم کا لطف آرہا تھا۔ وہ آنے والے وقت کو لے بے اختیار ہی پرجوش سی نظر آنے لگی کن اکیوں سے قریب بیٹھے چڑچڑے شیر کو دیکھا۔ اس نے فوراً لب بھیج کر اپنا رخ تبدیل کر لیا۔



وہ اپنے کمرے کی کھڑکی پر کھڑا دور آسمان میں بادلوں کی تیز رفتاری کو دیکھ رہا تھا۔ بال بھگے ہوئے تھے سفید سادہ ٹی شرٹ پر سیاہ ٹراؤزر پہنے ہلکی سی بڑھی ہوئی شیو وہ تروتازہ لگ رہا تھا۔ چہرے پر اطمینان کی گہری چھاپ اور آنکھوں میں وہی ازلی خاموشی جو اس کی شخصیت کا خاصا تھی۔ دفعتاً دستک پر اس نے رخ موڑا ملازم کافی لیے کھڑا تھا۔

"آجاؤ!" اس کے اجازت دینے پر وہ اندر داخل ہوا اور کافی کا کپ اسے پکڑا۔

"شکریہ!" کہتے اس نے رخ دوبارہ موڑ لیا۔ کچھ دیر قبل ہی اس کی سر عبید سے گفتگو ہوئی تھی۔ اس نے انھیں اپنی اہلیہ اور بچوں سمیت مدعو کیا تھا کافی عرصہ ہوا وہ ان سے نہیں ملے تھے۔ فقط فون پر ہی روابط چل رہے تھے۔ وہ اسی بارے میں سوچ کے گھوڑے دوڑا رہا تھا جب اس کی

نگاہ پورچ میں داخل ہوتی کار پڑ پڑی۔ بابر خان اپنی گاڑی سے اترے۔ حاشر کی بھنویں اکھٹی ہوئیں۔ وہ دوبارہ چلے آئے تھے۔ پہلا خیال یہی تھا جو اس کے ذہن کے پردے پر ابھرا اور پھر وہ اپنی ہی سوچ شرمندہ سا ہوا۔ وہ اس کے باپ تھے۔ اس نے خود کو مخاطب کرتے کہا۔ لیکن وہ اپنائیت بھرا احساس دل میں جاگتے نہ جگا۔ وہ روایتی باپ بیٹے کا سا تعلق کہیں بھی نہیں تھا۔ پچھلے دنوں وہ انھیں یوں ہی اپنے کمرے کی کھڑکی سے آتے جاتے دیکھ رہا تھا لیکن نیچے جاکر ان سے ملنے کی کوشش نہ کی۔ دل ہی نہ چاہا۔ ایک عجیب سی جنگ چھڑ جاتی تھی من میں۔ وہ مطمئن دکھائی دے رہے تھے۔ پرسکون تروتازہ۔ قیمتی لباس، اچھی گاڑی! کہیں سے بھی وہ اپنی عمر جتنے نہیں لگتے تھے۔ چہرے پر ایک جھری تک نہ تھی۔ اس کے ذہن میں اپنی ماں کا خاکہ ابھرا۔ ان کے

نوے فیصد بال سفید ہو چکے تھے۔ بیماری نے انھیں وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا تھا۔ ان کے ہاتھوں میں ان گنت جھریاں تھیں۔ پچپن سال کی عمر میں وہ ستر کی دکھائی دیتی تھیں جبکہ بابر خان کو گزرے ماؤں سال نے چھیڑا تک نہیں تھا ان کے ساتھ کھڑے ہو جاتے تو بڑے بھائی لگتے۔ حاشر کے اندر تلخی ابھرنے لگی۔ پچیس سال کا عرصہ بہت بڑا تھا۔ ماں کے ساتھ زیادتی پر زیادتی ہوئی تھی۔ وہ خود بھی کہاں پیچھے رہا۔ اس نے بھی تو کنارہ کش ہو کر ماں کو غم ہی دیا۔ لیکن احساس بہت دیر بعد ہوا تھا۔ کاش وقت کا پہیہ گھوم جاتا۔ کاش! یہ ایک پچھتاوا اسے ساری عمر رہنا تھا۔ وہ کافی کے گھونٹ بھرتے بھرتے کمرے میں بے چین سا ٹہل رہا تھا۔ کچھ دیر اور گزری تو وہی ملازم دوبارہ آیا۔

"بابر صاحب آپ سے ملنا چاہ رہے ہیں۔"

"کہہ دو میں گھر پر نہیں۔۔"

"معاف کیجیے سر! میں کہہ چکا کہ آپ یہیں ہیں۔" وہ فوراً شرمندہ ہوا۔ حاشر نے سخت نگاہ اس پر ڈالتے گہری سانس لی۔

"چلو میں آرہا ہوں۔۔" اس نے کہہ کر اسے جانے کا اشارہ کیا وہ سر ہلا کر پلٹ گیا۔ حاشر کچھ دیر سوچتا رہا پھر باہر کی جانب بڑھ گیا۔

بابر خان لاؤنج میں صوفے پر بیٹھے اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ آہستگی سے سلام کرتا سامنے ہی بیٹھ گیا۔

"کیسے ہو؟" بابر خان نے نرمی سے سوال کیا۔ نگاہیں اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ یہ چہرہ اور اس میں بسی اجنبیت انھیں ہمیشہ بے چین کرتی تھی۔

"اس روز بھی آیا تو تم گھر پر نہیں تھے شاید! ملاقات نہ ہو سکی۔"

"کیسی ملاقات اور کیوں؟" وہ صرف سوچ ہی سکا۔

سرہلاتے اس نے اپنے جوتوں پر نگاہیں گاڑ دیں۔

"عظمیٰ سو رہی ہے۔۔ اس لیے سوچا انتظار کر لیتا ہوں۔"

اپنی ماں کا نام باپ کے لبوں سے اتنا اجنبی لگا کہ وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔ وہ

آخر ماں سے ملنے کیوں آتے ہیں۔ سوچنے لگا۔ پچیس سال کی لا تعلقی کے

بعد بھلا کون سا رشتہ باقی رہ گیا تھا جس کے لیے وہ اس کی ماں سے مل

رہے تھے؟ بیوی تھیں لیکن کیا اب ہیں؟ یقیناً نکاح نہیں رہا ہو گا۔ وہ

سوچ ہی رہا تھا۔

"عظمیٰ مجھ سے مانوس ہو رہی ہے۔۔"

"مانوس کر دیں اور پھر چھوڑ کر چلے جائیں مزید پچیس سالوں کے لیے
۔۔" اس کے اندر ننھا حاشر مچل رہا تھا۔ جسے باپ سے کروڑوں شکایتیں
تھیں۔

"تم کچھ کہتے کیوں نہیں حاشر؟" بابر خان اس کے چہرے کے بدلتے
تاثرات سے گھبرا گئے۔

"جی؟" وہ بے دھیانی سے سوال کر گیا۔

بابر خان نے اس کا چہرہ دیکھتے ایک گہری سانس لی۔

"یقیناً تمہارے دل میں میرے لیے لاکھوں شکایتیں ہیں۔۔" وہ اداسی سے
بولے۔ حاشر نے فوراً نفی میں سر ہلایا گوکہ دل چیخ چیخ کر ہاں ہاں کی
گردان کر رہا تھا۔

"ایسی بات نہیں ہے۔۔ دراصل میں کچھ کام کے حوالے سے سوچ رہا تھا۔۔" وہ اور کچھ نہ کہہ سکا۔ شکایتیں کرنے کا وقت بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ یوں ہی چھوٹے چھوٹے سوال اور تبصرے کرتے رہے۔ وہ اس کی ذات کی کھوج میں لگے جبکہ وہ لاشعوری طور پر ان سے دور بھاگ رہا تھا ایک عجیب سی کیفیت میں گھرا وہ بمشکل ان کے سوالات کا جواب دے رہا تھا۔

"کہیں باہر ڈنر یا شام کی چائے پر چلتے ہیں کبھی؟ کیا خیال ہے۔" وہ خوش دلی سے بولے تھے۔

"کیا ضرورت ہے؟ کیا بات کریں گے؟ بچپن کے توفصے ہی نہیں جو دہرائیں جائیں بیچ میں کوئی تعلق ہی نہیں جس پر بات کی جائے؟ کیا کریں گے مل کر؟" وہ سوچنے لگا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" بابر خان نے محسوس کیا اور بہت شدت سے کیا کہ جتنا گہرا جذباتی رشتہ ان کا شیر کے ساتھ ہے اتنا ہی پھیکا بے رنگ بے معنی رشتہ اپنے آس بیٹے کے ساتھ ہے جو بچپن میں بہت پیارا، فرمانبردار، سیدھا اور سمجھدار بچہ تھا۔ اس کے اندر وہ بہت بڑا خلا پیدا کر چکے تھے۔ ان کی آنکھیں نم ہونے لگیں ان کا دل چاہا پوری شدت سے اسے اپنے اندر بھیج کر اسے بے تحاشہ چوم لیں اس کی خوشبو محسوس کریں اس کا لمس محسوس کریں۔ بڑی دقت سے آنسوؤں کو سطح سے دھکیل کر پیچھے کرتے وہ اسے دیکھ رہے تھے۔ حاشر خود پر ٹھہری ہوئیں نگاہوں اور ان میں بسے جذبوں کو دیکھتا بے چین ہو رہا تھا کاش وہ اٹھ کر بھاگ جائے۔ کاش کوئی فون کال آجائے۔ کاش وہ اس وقت ان کی آنکھوں کے سامنے سے بہت دور جاسکے۔ کاش !



تیز ہواؤں اور گہرے بادلوں نے اسلام آباد کے موسم کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ ہوا چلتی تو اپنے ساتھ دھول مٹی اڑاتی۔ درختوں کی ٹہنیاں وقفے وقفے سے جھولتی دکھائی دے رہی تھیں۔ اسلام آباد کے پوش علاقے میں یہ خوبصورت کیفے باہر بیٹھے کے لیے بند کر دیا گیا تھا وجہ دھول اڑاتی تیز ہوائیں تھیں۔ اندر میزوں کے گرد لوگ بیٹھے اپنی اپنی دنیا کے دائروں میں مقید نظر آتے تھے۔ ان ہی میں سے ایک پر وہ دونوں بیٹھے تھے۔ بابر خان اور حاشر خان آمنے سامنے تھے۔ سامنے کافی کے کپ تھے۔ کچھ میٹیس اور اسنیکس تھے۔ جنہیں دونوں میں سے کسی نے نہیں چھوا تھا۔ رات کو کال پر انھوں نے اسے باہر ملنے کا کہا تھا وہ چاہ

کر بھی انھیں انکار نہ کر پایا اور اب وہ آکر پچھتا ہی رہا تھا۔ کچھ بھی نہیں
تھا کہنے کو۔

"عظمیٰ کیسی ہے؟" سوال پر حاشر نے باپ کا چہرہ دیکھا۔
"ٹھیک ہیں۔" وہ فقط اتنا ہی بولا۔

"کیا تم جانتے ہو ہم دونوں نے پسند سے شادی کی تھی؟"
حاشر نے چونک کر سر اٹھایا۔ یہ ایک انکشاف تھا۔

"بڑی ہی گہری محبت تھی ہمارے درمیان! میں نے اپنی زندگی میں فقط
اسی سے محبت کی تھی پھر کبھی کوئی عورت میری زندگی میں نہ آئی۔"
"اچھا؟" ناچاہتے ہوئے بھی وہ طنز کر گیا۔ بابر خان آہستگی سے
مسکرائے۔ یہی تو وہ چاہتے تھے کہ حاشر پھٹ پڑے۔ اس پر سوالوں کی

بوچھاڑ کرے اور وہ اس کے ہر اعتراض ہر الزام کا جواب دے کر اسے مطمئن کریں۔ اس کے اندر پلتا بغض نکال دیں۔

"وہ عورت ایک بھیانک خواب تھی۔"

حاشر فقط ان کا چہرہ دیکھتا رہا۔

"تمہیں یاد ہے میں تمہاری ماں کو صفائیاں دیتا رہا؟ یقیناً تمہیں سب یاد

ہوگا۔ وہ ایک ایسا حادثہ ہے جس نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا تھا۔

"آپ نے ماں کو تب ہی کیوں نہ سب بتایا جب یہ ہوا تھا؟ شاید یہی دکھ

ماں کو آپ پر اعتبار نہ کرنے دیتا تھا۔۔۔ آپ تو بس شیر کو لے کر آگئے

تھے۔ شیر کی پیدائش بھی مخفی رکھی یہاں تک کہ وہ پانچ ماہ کا ہو گیا۔ یہ

ان کے ساتھ زیادتی نہ تھی تو اور کیا تھا؟" حاشر نے بمشکل لہجے کو تلخ

ہونے سے روک رکھا تھا۔

"بس یہی غلطی ہوئی کہ پہلے نہ بتا پایا۔ ایک تو ہمت نہ پڑتی تھی دوسرا سوچ لیا کہ وہ عورت تو پیچھا چھوڑ چکی! اب کیوں غلطی کو تکلیف دوں؟"

"یہ بس ایک غلطی نہیں تھی۔ آپ کے کھاتے میں ایسی سیکڑوں غلطیاں ہیں جن کا مداوا ممکن ہی نہیں رہا۔" حاشر نے تحمل سے جواب دیتے اپنی نگاہیں پھیر لیں۔

"اگر شیر کی پیدائش نہ بھی ہوتی سب ختم ہو بھی جاتا تو آپ اتنا بڑا واقعہ ماں سے ساری زندگی چھپا کر رکھتے؟" حاشر نے اب کے تلخی سے سوال کیا۔

"آپ نے صرف شیر کا سوچا اور پھر کبھی پلٹ کر نہیں آئے کیا یہ غلطی نہیں تھی؟ آپ کو لگا ماں مجھے سنبھال لے گی؟ آپ سے شیر سنبھالا نہیں گیا وہ اغوا کر لیا گیا تو آپ نے اس کے لیے بھی ماں کو قصور وار

ٹھہرایا۔ وہ کوئی بری عورت نہ تھیں جو اس الزام کے ساتھ سکون سے رہ لیتیں۔ وہ ایک عام عورت تھیں جسے شوہر کی ایک ناجائز اولاد ایک ناجائز رشتے نے جذباتی طور پر توڑ کر رکھ دیا تھا وہ ذہنی دباؤ کا شکار تھیں۔ حاشر ٹھہر ٹھہر کر سرد مہری سے کہہ رہا تھا۔ بابر خان گہری خاموشی اوڑھے نگاہیں جھکائے ہوئے تھے۔ وہ خود ہی تو یہی چاہتے تھے پر اب یہ لفظ سینہ چھلانی کیوں کر رہے تھے۔

"انھیں شیر سے اتنی نفرت نہیں تھی کہ وہ اسے قتل کر ڈالتیں۔ اس روز شیر اپنی شرارتوں کی وجہ سے سیڑھیوں سے گرا تھا آپ نے کیسے سوچا کہ ماں نے اسے دھکا دیا ہوگا؟ ماں اسے ناپسند کرتی تھیں۔ اس سے چڑتی تھیں لیکن اتنی بری نہ تھیں کہ اتنے چھوٹے بچے کو سیڑھیوں سے پھینک دیں۔ آپ نے ماں کو مزید تکلیف پہنچائی۔ انھیں الزام دیا۔ ایک

عورت، ایک بیوی ایک عام عورت جسے دوسری عورت کا غم کھا رہا تھا آپ کو اسے مار جن دینا چاہیے تھا۔ لیکن آپ نے ہمیشہ کی طرح جذباتی فیصلہ کیا اور گھر توڑ کر ہمیں چھوڑ دیا۔ "حاشر کی سانسیں تیز ہو رہی تھیں خود بابر خان کے وجود پر بھی لرزہ طاری تھا۔

"ماں سے غصہ تھے تو مجھے کس چیز کی سزا دی گئی؟ میں تو چھوٹا بچہ تھا جسے ماں اور باپ دونوں کی ضرورت تھی۔ پر مجھے نہ ماں ملی نہ باپ! باپ چھوڑ گیا تو ماں بھی اسی صدمے میں مجھے نظر انداز کرتی رہی یہاں تک کہ میں دونوں سے بدزن ہو گیا۔ میں نے پھر آپ کا غصہ بھی ماں پر نکالا۔ میں اپنے کیے کا الزام آپ پر نہیں ڈالتا لیکن جو کچھ ہوا وہ بہت ناقابل برداشت اور برا تھا۔ اس کو یاد کرنا مجھ جیسے مضبوط انسان کے لیے تکلیف دہ ہے۔ تو ماں جیسی بیمار عورت کے لیے کس قدر مشکل ہوگا

؟ اگر کسی روز اچانک ہی ماضی کا کوئی صفحہ ان کے ذہن پر ابھرا آیا تو
 ؟ آپ اب کیوں ملتے ہیں ماں سے ؟ کیا ضرورت ہے اس کی ؟ " وہ بہت
 ہی سنجیدہ تھا۔ خفا خفا سا۔ رنجیدہ اور بے طرح اداس ! ان کے بیچ ایک
 گہری خاموشی چھا گئی۔ فضا میں فقط سکوت تھا۔ سخت کاٹ دار سکوت۔
 " آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ " تقریباً دس منٹ کی خاموشی
 کے بعد حاشر نے آہستگی سے کہا۔ نگاہیں کافی کے کپ پر تھیں۔
 " آپ ماں سے ملنے کیوں آتے ہیں ؟ "
 " تمہیں اس پر اعتراض ہے ؟ " بابر خان نے نرمی سے دریافت کیا۔ بیٹے
 کی آنکھوں میں اجنبیت تو نہیں رہی تھی لیکن وہ اپنائیت بھی نہیں تھی
 جس کا ہونا ضروری تھا۔ جبکہ ان کی آنکھیں سرخ تھیں۔ آنسوؤں سے
 بھیگیں۔

"اعتراض کرنے کی پوزیشن میں ہوں یا نہیں میں نہیں جانتا لیکن ان کی حالت ایسی نہیں کہ وہ کوئی مزید ذہنی دباؤ برداشت کر سکیں۔ آپ سے ان کا بار بار ملنا ان کے ذہن کو الجھا سکتا ہے۔ کچھ ٹریگر ہو سکتا ہے۔ میں فکر مند ہوں۔" وہ سنجیدہ تھا۔

"وہ میری بیوی ہے حاشر!" بابر خان نے دبے دبے لہجے میں کہا۔
 "اور یہ بات آپ کو پچیس سال بعد یاد آئی ہے؟" حاشر نے اب کے پر سکون انداز میں سوال کر کے بابر خان کو مزید بے سکون کیا تھا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو باہر نکلنے کو بے تاب تھے۔
 "مجھے شک ہے قانونی نہ سہی لیکن شرعی طور پر وہ اب آپ کی بیوی رہی بھی ہیں یا نہیں۔"

"اگر ایسی بات ہے تو میں اس پر کوئی نہ کوئی راہ نکال لوں گا لیکن میں اب اس کی زندگی سے نکل نہیں سکتا، نہیں نکلنا چاہتا۔۔۔ تم نہیں جانتے ان گزرے سالوں میں میری زندگی کے حالات کیسے تھے۔۔۔ تم بہت چھوٹے تھے تمہیں میں سمجھا نہیں سکتا تھا جتنا نہیں سکتا تھا اور پھر بعد میں کبھی موقع نہیں ملا۔۔۔" بابر خان ایک پل کو خاموش ہوئے اور اپنے اندر پلتے طوفان کو قابو کرنے کی کوشش کی لیکن ان کی آواز بھرا گئی تھی۔

"شاید تم بھی اپنی ماں کی طرح مجھ پر یقین نہ کرو لیکن وہ وقت ایسا تھا جسے بیان کرتے ہوئے اسے سوچتے ہوئے میں پل پل موت کے گھاٹ اترتا ہوں۔۔۔"

"جب سامنے اسکرین پر تمہاری اور تمہاری ماں کی ویڈیو چل رہی ہو اور ان پر انسائپرز نشانہ بنائے کھڑے ہوں۔۔ وہاں پھر کوئی دوسری راہ نہیں ہوتی۔۔ میں ایک بار نہیں بار بار اس افیت سے گزرا ہوں۔۔" ان کی آواز بھرا گئی۔ حاشر کا ہاتھ بے اختیار میز پر رکھے ان کے ہاتھ پر جا پڑا۔

"سنجھالیں خود کو!" وہ اب نرمی سے بولا۔

"میرا مقصد آپ کو تکلیف پہنچانا نہیں ہے۔۔"

"میں جانتا ہوں۔۔" وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بولے۔

ان کے بیچ دوبارہ خاموشی کا دور چل پڑا۔ حاشر کافی کے گھونٹ بھرتا گہری سوچ میں گم نظر آ رہا تھا۔

"کیا تم واقعی نہیں چاہتے میں تمہارے گھر آؤں؟" سوال کافی سادہ تھا مگر حاشر ایک پل کو ساکت رہ گیا۔

"ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں آپ اچھی طرح جانتے ہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔" حاشر نے برامانتے ہوئے کہا۔

"پھر؟"

"میں ماں کو مزید کسی صدمے یا بیماری میں نہیں دیکھ سکتا۔ میں خود بھی ایک اچھا بیٹا نہیں بن سکا۔ لیکن ان کو بیماری کی حالت میں ہوش و حواس سے بیگانہ دیکھنا ایک بہت برا خواب تھا وہ برا خواب دوبارہ دیکھنا نہیں چاہتا۔ صرف اتنی سی بات ہے" وہ متحمل لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"مجھے معاف کر دو حاشر! میں نے تمہیں بہت مشکلات میں ڈالا! تم پر ظلم ہوا۔"

"یہ باتیں اب میرے لیے معنی نہیں رکھتیں بابا! میں ان سب چیزوں سے آگے نکل آیا ہوں اور زندگی میں آگے بڑھنا چاہتا ہوں ایک مثبت اور خوبصورت نیا آغاز چاہتا ہوں!"

"میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔" وہ محبت سے بولے۔
 "شکریہ!" وہ آہستگی سے بولا۔

"وقت زیادہ ہو گیا ہے۔ مجھے اب چلنا ہو گا۔ مجھے کچھ دوستوں سے ملنے جانا ہے۔ پھر ملاقات ہوگی۔" وہ کہہ کر اٹھنے لگا وہ اپنا والٹ نکال رہا تھا۔

"میں بل پے کر دوں گا حاشر!" وہ نرمی سے بولے۔ حاشر کا ہاتھ رک گیا۔

"اگلی دفعہ تم کر دینا!" وہ نم آنکھوں سے مسکرائے۔ حاشر کچھ پل ان کو دیکھتا رہا پھر والٹ دوبارہ جیب میں کھسکا دیا۔

"شکریہ!"

بابر خان اسے جاتا ہوا دیکھتے رہے۔



شام رات میں بدلی تو موسم کی خنکی میں مزید اضافہ ہوا۔ نمی کا تناسب ہوا میں برقرار تھا۔ درخت اب ساکت کھڑے تھے۔ وہ پانچوں ریسٹورنٹ کے قدرے خاموش گوشے کی طرف بیٹھے تھے۔ وہ سب اچھے موڈ میں تھے۔ مسکراتے خوش گپیاں کرتے سامنے قسم قسم کے کھانے رکھے تھے

یقیناً ان لوگوں نے اپنی اپنی پسند کے لوازمات کا آرڈر دیا تھا۔

"اریب تم نے کہا تھا کہ اگلے کچھ دنوں میں کمانڈر کے آتے ہی طوبیٰ نارمل نظر آئے گی؟ یہ تم کیسے جانتے تھے۔" منان نے کباب کو نان میں لپیٹتے کہا تو طوبیٰ نے ایک ابرو اچکا کر اریب کو دیکھا۔ جبکہ حاشر بھی رخ موڑے اریب کی جانب دیکھنے لگا۔

"کیوں کہ میں جانتا تھا طوبیٰ کی ناراضگی کے پیچھے جو وجہ ہے اسے کمانڈر ہی حل کر سکتے ہیں۔ یہ کوئی ایسا راز بھی نہیں ہے۔" وہ لاپرواہی سے گویا ہوا۔ جس پر طوبیٰ اور حاشر کی نگاہوں میں تصادم ہوا تھا۔ حاشر نرمی سے مسکرایا۔ طوبیٰ بے اختیار سر جھکا گئی۔ حاشر بے نیاز نظر آنے لگا لیکن دل اس کے سر جھکانے پر مچل اٹھا تھا۔ اپنے بدلے ڈھنگ محسوس کرتا وہ اندر ہی اندر کچھ حیران بھی تھا۔ دل کی حالت دن بہ دن بدل ہی رہی تھی۔

"ویسے اس کتاب کا ذکر نہیں تھا ہماری پریزنٹیشن میں اور نہ اس کی ضرورت پڑی۔" اریب جو کئی دن سے اس بات پر الجھا ہوا تھا آخر کار حاشر کے سامنے اظہار کر ہی دیا اور یہی بات باقی سب کے ذہن میں بھی تھی لیکن کسی نے اب تک سوال نہیں کیا تھا۔

"وہ کتاب ہمارے لیے ضروری تھی۔ تم لوگوں کو یاد ہو گا کہ میں تم لوگوں سے ایک فتنے کا ذکر کیا تھا؟ ایک ایسا فتنہ جو آنے والے وقت میں پاکستان میں سر اٹھانے لگے گا۔ مغربی ٹرینڈ کے چکر میں یہاں وہ سارے عمل دہرائے جانے لگیں گے۔ ہم جنس پرستی اور صیہونیت سے جڑے اور ان سے متاثر لوگ یہاں اپنے قدم جمانے اپنے لیے فائدے ڈھونڈنے کو اس سر زمین کا استعمال کریں گے۔ کیا تمہیں میں نے اس قبرستان کا بتایا تھا جو مجھے کراچی میں ملا تھا؟"

حاشر نے ان چاروں کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ ایک یہودیوں کا قبرستان تھا۔" حاشر نے کہا۔

وہ سب لاشعوری طور پر میز پر آگے کی طرف ہو کر بیٹھے۔

"اور پاکستان کی سو کالڈ لبرل کمیونٹی میں ایسے کئی لوگ ہیں جو شیطانیت

سے متاثر ہیں اسلام انھیں ایک قدامت پسندی کا رجحان لگتا ہے اور وہ

نئی راہیں تلاشتے غلاظت میں لتھڑے طریقوں میں شامل ہوتے جارہے

ہیں۔" حاشر کہہ رہا تھا۔

"ہم پوری دنیا میں جا کر اسے ختم نہیں کر سکتے۔ لیکن اپنے وطن سے اس

کی جڑیں پھیلنے سے قبل ہی اسے کاٹ سکتے ہیں۔ پہلے میں اکیلا تھا۔ پر

اب!" اس نے ان چاروں کی طرف دیکھا۔

"میرے پاس تم جیسے ساتھی ہیں۔"

ان سب کے چہرے یک دم ہی چمک اٹھے تھے۔

"جب یہ والا کیس مجھے کئی سال پہلے ملا تو سینئیرز اس کیس پر اتنا زیادہ انویسٹ نہیں کرنا چاہ رہے تھے۔۔۔ پر میں جس کیس پر خود کو انویسٹ کر دوں تو اکیلا بھی نکل پڑتا ہوں۔۔۔ تب میرے ساتھ میرا ایک ساتھی تھا جسے عمش نے قتل کر دیا تھا۔۔۔" حاشر کا چہرہ برف کی مانند سرد پڑا تھا۔ آنکھیں جلنے لگیں۔

"لیکن اس کے کچھ عرصے بعد ہی پاکستان سے کیسز اٹھنے لگے اور میں نے اس پر اپنی پریزینٹیشن پیش کی ایک افسر کو۔۔۔ پھر اجلاس بلایا گیا۔۔۔ اور ہمیں یہ کیس سونپا گیا۔۔۔

لیکن آنے والے چند سالوں میں اس کیس کو بھی اٹھایا جانے لگے گا۔۔۔ اور تب ہماری تیاری زیادہ ہوگی۔۔۔"

"آپ کی اسی دور اندیشی نے اس کیس کو بھی اتنا زیادہ عرصہ نہیں دیا جتنا عموماً اسے لگنا تھا۔ معلومات اکھٹی کرنے میں ہی سالوں لگ جاتے ہیں۔" طوبیٰ نے ستائشی انداز میں کہا۔

"لیکن آپ اس بات کو یقینی کیسے بنائیں گے کہ یہ کیس ہمیں ہی ملے گا؟" منان نے الجھن کا اظہار کیا۔

"جیسا کہ تم جانتے ہو ہمارے ریکارڈ کو دیکھ کر ہمیں کیسز ملتے ہیں۔ اور ان میں ہماری رائے اہم ہوتی ہے۔ ویسے میں اپنے کیسز خود چنتا ہوں۔" حاشر نے کہا۔ یہ بات تو ان میں سب جانتے تھے کہ وہ ایک اہم اور بنیادی رکن تھا اس کی رائے سنی ہی نہیں بلکہ مانی جاتی تھی۔ اس کے کھاتے میں بہت بڑے بڑے کیسز تھے۔ وہ سینئر افسران کے پسندیدہ کمانڈرز میں سے ایک تھا۔

یوں ہی باتوں باتوں میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہ لگا کھانے سے فارغ ہوتے پھر کافی کا دور چلا۔ فارغ ہوتے انھیں کافی دیر ہو چکی تھی۔

"طوبی تمہارا ڈرائیور جاچکا! کیا میں تمہیں ڈراپ کردوں؟" اریب نے پیشکش کی جس پر حاشر نے طوبی کی طرف دیکھا۔

"میں ڈراپ کردوں گا ان کا گھر راستے میں پڑتا ہے۔" حاشر نے کہا۔ جس پر اریب نے فوراً اثبات میں گردن ہلاتے طوبی کو آنکھ کے اشارے سے چھیڑا۔ منان اور حنین مسکراہٹ دباتے ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ طوبی اتنی سی بات پر لال ہو کر اریب کو آنکھیں دکھانے لگی۔ وہ گھبرا سی گئی تھی۔ حاشر نے اس کے سرخ پڑے چہرے کو دیکھا اور ایک سرسری نگاہ اریب پر ڈالتا باہر کی جانب بڑھ گیا۔

"کیا کچھڑی پکی ہے؟ ذرا ہمیں بھی تو کھلاؤ ناں! دیکھ رہے تھے ہم کیسے تمہارے تو رنگ ڈھنگ ہی بدلے ہوئے ہیں۔" اریب نے آواز دھیمی رکھتے اسے چھیڑا۔

"کب کھلا رہے ہو نکاح کے چھوارے۔" حنین نے بھی آنکھ دبائی۔
 "بکو مت! ایسا کچھ نہیں۔" طوبی اپنا پرس اٹھاتی گھبرائی سی انھیں گھور رہی تھی۔ سارا اعتماد پانی پانی ہو چکا تھا۔
 "پھر تمہارا چہرہ گل و گلنار کیوں ہے؟" اریب نے آنکھیں چھوٹی کرتے اسے مزید چڑایا۔
 "میں جارہی ہوں۔" وہ اسے گھور کر کہتی جانے لگی۔

"ہاں ہاں۔۔ جاؤ جاؤ!" پیچھے وہ لوگ قہقہہ لگاتے ہنسنے لگے۔ طوبی زچ سی ہو کر پیر پختی باہر نکل گئی۔ حاشر گاڑی اسٹارٹ کیے اس کا انتظار کر رہا

تھا۔ حاشر نے اس کے سرخ چہرے پر نگاہ ڈالی اور فوراً ہی سمجھ گیا کہ اسے خوب تنگ کیا گیا ہے۔

"ریسٹورنٹ اچھا تھا۔" حاشر نے بات کا آغاز کیا۔

"جی اور کھانا بھی لذیذ تھا۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"ویسے کیا کھانا پسند کرتی ہیں آپ؟"

"میں دیسی کھانے زیادہ پسند کرتی ہوں۔" اس نے بتایا۔

"میں بھی!" وہ مسکرایا۔

"آپ بناتے بھی اچھا ہیں۔" وہ مشن کے دوران اس کے بنائے کھانے کھاتی رہی تھی۔

"اور آپ کو کھانا بنانے میں بہت کم دلچسپی ہے۔"

"پر آپ کو کیسے پتا؟" طوبی یک دم چونکی۔

حاشر نے مسکراہٹ دباتے کاندھے اچکایے۔

"مجھے ایسا لگا جب ہم مشن پر تھے۔" اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ اسے اچانک وہ دن یاد آیا۔

"اریب تم جا کر بناو ناں آملیٹ؟"

"میں کیوں؟ تم بناؤ کل بھی میں نے ہی بنایا تھا؟"

"جھوٹ نہیں! کمانڈر نے بنایا تھا کل!" طوبی نے اسے یاد دلاتے ہوئے لتاڑا تھا۔

"اور ویسے بھی مجھے کھانا بنانے میں کوئی زیادہ دلچسپی نہیں! بے دلی سے

بناؤں گی تو کچھ کہہ نہیں سکتی نمک کی جگہ چینی میں ڈال سکتی ہوں۔"

وہ اریب کو دھمکا رہی تھی۔ حاشر اپنے جو اس وقت بالکنی میں کھڑا چائے

پی رہا تھا باآسانی ان کی آوازیں اس تک پہنچ رہی تھیں۔

"کل کو شادی کر کے سسرال جاؤ گی تو شوہر جوتے مارے گا۔۔ کھانا بنانے میں دلچسپی نہیں۔۔"

"نہیں! بالکل نہیں! کیا تمہیں کمانڈر اتنے بد لحاظ لگتے ہیں؟ اور ویسے بھی وہ ایک خانساں تو انورڈ کر ہی سکتے ہیں۔۔" طوبیٰ نے اپنے تہی آواز دھیمی کر لی تھی لیکن حاشر تک اس کی آواز با آسانی پہنچ چکی تھی۔ ایک پل کو ساکت سا ہو کر وہ بے اختیار سر جھٹک کر ہنس دیا تھا۔

"گھاس تک تو تمہیں وہ ڈالتے نہیں۔۔ شادی کے خواب تو الگ میڈم نے خانساں کے خواب بھی دیکھ رکھے ہیں۔۔ واہ!" اریب نے ہنستے ہوئے اس کا مذاق بنایا جس پر وہ تلملاتی ہوئی اسے باتیں سناتی منظر سے غائب ہو چکی تھی۔

"میں بہت کم بناتی ہوں تب جب میرا موڈ ہوتا ہے۔۔۔ پر اب سیکھ رہی ہوں۔۔"

طوبیٰ نے اس کی خاموشی پر مزید کہا۔ حاشر ماضی کے خیال سے نکلتا سر ہلانے لگا۔

"جلد ہی سیکھ جائیں گی۔" حاشر نے نرمی سے کہا۔
"ویسے آپ کیا شوق سے کھاتے ہیں؟" طوبیٰ اب کے اس کی جانب رخ موڑ کر بیٹھ گئی۔

"میں سبزیاں شوق سے کھاتا ہوں۔ بھنڈی، گوار، پھلی، کریلے۔۔"
"کریلے؟" طوبیٰ بے یقینی تقریباً چلا ہی اٹھی۔
حاشر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"کیا آپ کو سبزیاں پسند نہیں؟" حاشر نے مسکراہٹ دبائی۔ سماعت میں ایک اور لفظ گونجا۔

"کریلے کی سبزی بھلا کوئی سبزی ہے؟ ہاں مانا سبز ہے لیکن اتنی کڑوی سبزی؟ کیسے کھاتے ہیں لوگ؟"

"نہیں۔۔ نہیں۔۔ پسند ہے مجھے۔ اچھی ہوتی ہے بس تھوڑی کڑوی ہوتی ہے۔" طوبی نے بمشکل لہجے کو سنبھالا۔

"کسی روز کھلاؤں گا آپ کو کم کڑوی اور زیادہ ذائقے دار!" وہ مسکراتی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی مسکرا کر سر ہلانے لگی۔ حاشر کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ اس پل اسے وہ بہت پیاری لگی تھی۔ طوبی اس کی مسکراہٹ اور دیکھنے کے انداز پر شرماسی گئی اور جھینپ کر نگاہیں پھیر دیں۔

"کل پینٹنگ کلاس کے بعد میں آپ سے مل سکتا ہوں؟" حاشر نے ماحول کی ذومعنی پن کو کم کرنے کی خاطر سوال کیا۔

"جی؟" طوبیٰ کا لمبا سا جی برآمد ہوا تھا وہ متذبذب سی تھی۔ اس کا ساتھ، اس کے وجود کی قربت، اس کی آواز کا اپنے گرد ٹھہراؤ، اس کی نگاہیں، اس کے لہجے کی نرمی، وہ کسی موم کی مانند پگھل رہی تھی۔

"کیا بہت مشکل سوال کر ڈالا ہے؟ میں کل پودے لینے جا رہا ہوں تو سوچا آپ کو بھی ساتھ لے کر چلوں! پھر ہم ڈنر بھی کر لیں گے ساتھ؟" اپنی خواہش کے ساتھ اس کی رائے کا منتظر اس کی طرف دیکھتا حاشر طوبیٰ کے دل کے تار چھیڑ گیا۔ وہ فقط سر ہلا کر مسکرا دی۔ خوشی اور چمکتے چہرے کی روشنی حاشر کی آنکھیں سے چھپی نہ رہ سکی۔ اس کے وجود کو گہری سرشاریت نے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔



مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں دریائے نیل کے کنارے کھڑے بلند و بالا ہوٹل فار سیزنز (four seasons) کی شاندار عمارت پورے ٹھاٹ سے کھڑی تھی۔ اسی ہوٹل میں وہ لوگ ٹھہرے تھے۔ ساتویں منزل پر ان کے لکٹری سوئٹس تھے۔ جنت خود ذاتی طور پر کبھی اتنے بڑے ہوٹلوں میں قیام کرنا پسند نہیں کرتی تھی اسے بے شمار چہرے ان گنت لوگوں سے ٹکراؤ پسند نہیں تھا۔ وہ ہمیشہ ایسے ہوٹلوں کا انتخاب کرتی تھی جہاں کم لوگوں سے ہی ٹکراؤ ہو۔ جو جگہ زیادہ مشہور و معروف نہ ہو۔ جبکہ یہ قاہرہ کا سب سے مشہور ترین ہوٹل تھا جہاں دنیا بھر کے مشہور و معروف، کامیاب اور رئیس لوگ آکر قیام کرتے تھے۔ وہ اس وقت اپنے کمرے کے سامنے بنے ٹیرس پر موجود تھی۔ صبح کے چھ بج

رہے تھے۔ دریائے نیل کے پانی پر چڑھتے سورج کی سنہری شعاعوں کا عکس پڑتا منظر کو کسی خوبصورت خواب کی شکل دے رہا تھا۔ پس منظر میں مختلف پرندوں کی ملی جلی آوازیں عجب سا ساز پیدا کر رہی تھیں۔ کانوں کو بھلا لگتا دلوں کو سکون دیتا خوبصورت اور چاشنی بھری آوازیں جو انسان کو کچھ پل کے لیے دنیا کا سارا بوجھ فراموش کرنے پر مجبور کر دے۔ ٹیرس کی منڈیر پر بیٹھا کونل کا جوڑا جو ایک دوسرے سے چھیڑ خانیاں کرتا جنت کو بار بار مسکرانے پر اکسا رہا تھا۔ گہری سانس بھرتے وہ اس منظر کو اپنے اندر اتارنے کی سہی کر رہی تھی۔ دفعتاً اس کا فون بج اٹھا۔ اس نے اسکرین پر نمبر دیکھا۔ انجان لیکن مقامی ! وہ فوراً سمجھ گئی کہ فون کرنے والا کون تھا۔ اس نے فون اٹھایا۔

"اسلام و علیکم! مس جنت!"

"وعلیکم السلام!"

"میں حسام بات کر رہا ہوں۔ معاف کیجئے گا اتنی صبح کال کر رہا ہوں۔ کچھ دیر قبل آنکھ کھلی تو سب سے پہلے آپ کی میل دیکھی۔ جان کے بہت خوشی ہو رہی ہے کہ آپ قاہرہ آئی ہوئی ہیں۔" دوسری طرف بہت ہی کھلا ہوا خوشگوار لہجہ تھا۔ جنت مسکرائی۔

"جی! میرے پاس آپ کی ایک امانت تھی وہی لوٹانے کے لیے آپ کو اطلاع کی ہے۔"

"امانت؟ کیسی امانت؟" حسام نا سمجھی سے گویا ہوا۔
"خیر آپ کہاں ٹھہری ہوئی ہیں؟ آپ مجھے پہلے بتائیں تو میں آپ کے ٹھہرنے کا بہترین انتظام کرتا۔"

"میں فارسیز میں ٹھہری ہوئی ہوں۔"

"ارے کمال ہو گیا۔ آج صبح گیارہ بجے وہاں میری ایک کاروباری میٹنگ ہے۔ کیا میٹنگ سے پہلے یا بعد میں آپ سے مل سکتا ہوں؟"

"آج؟" جنت ایک پل کو سوچ میں پڑ گئی۔

"ٹھیک ہے۔ ملتے ہیں پھر دوپہر دو بجے؟ لنچ پر!" جنت نے حامی بھرتے ہوئے کہا اور فون بند کر دیا۔

اسے ای میل کرتے ہوئے اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ اتنی جلدی جواب بھی آ جائے گا اور اتفاق سے ملاقات بھی طے ہو جائے گی۔ اسے وہ پیپرز دینے ہیں جو وہ اپنے ساتھ لائی تھی۔ سوچتے ہوئے وہ کمرے کی جانب بڑھی، رخ ڈریسنگ روم کی طرف تھا۔ یہ بھی ایک اتفاق ہی تھا کہ اسے ایک ماہ قبل ہی اس آرٹ گیلری کے کاغذات مل گئے تھے جسے اس نے دوبارہ حسام کے نام کیا تھا۔ اور تب سے وہ کاغذات اس کے پاس

موجود تھے۔ وہ انھیں موقع ملتے ہی حسام کو کوریئر کروانے کا سوچ رہی تھی لیکن قدرت اسے خود یہاں کھینچ لائی تھی۔ خیر یہ الگ قصہ تھا کہ اس نے زندگی کے ان پہ در پہ ہوتے اتفاقات کو سنجیدہ لینا چھوڑ دیا تھا۔



اسے آج پھر خیموں میں ضروریات کا سامان تقسیم کرنے کے لیے جانا تھا۔ بارش تیزی سے برس رہی تھی اور وہ نومولود ہنوز غازی کے پاس تھا۔ شدید قسم کی جذباتی مانوسیت کا شکار وہ بچہ غازی کے نگاہوں سے اوجھل ہونے پر سہم جاتا اور بری طرح رونے لگتا تھا۔ وہ دو دنوں سے اس کے پاس تھا اور ابھی تک بچے کے ورثاء کی کوئی خبر نہیں آئی تھی۔ غازی خود بھی بچے سے انسیت محسوس کرنے لگا تھا۔ پیہر سے لے کر فیڈر دینے تک ہر کام اسی کے ذمے تھا۔ اس کے ساتھی لڑکوں نے

اسے اپنے گھر لے جانے کی پیشکش کی تھی لیکن جانے کیوں غازی کا دل نہیں مانا تھا۔ اس نے بچے کو برساتی کوٹ پہناتے بیلٹ کی مدد سے پیٹ پر باندھا اور خود چھتری لے کر باہر نکل آیا۔ ایک بڑی سی وین سامنے کھڑی تھی جس میں ضروریات کی اشیاء کے پیکٹ موجود تھے۔ وین میں بیٹھنے سے قبل اس نے شیر کو ایک میسج بھیجا جس میں اس نے آج کی مصروفیات کا احوال دیتے اپنے خیریت سے ہونے کی اطلاع کی اور وین میں سوار ہو گیا۔ اس نے شیر کو اس بچے کی تصویر بھی بھیجی تھی۔ وین میں بیٹھتے اس نے اپنی اور بچے کی سیلفی کھینچ کر اپنے ایک ای میل ایڈریس سے دوسرے ای میل ایڈریس پر بھیجی۔ دوسرا ای میل ایڈریس شیر کے پاس بھی لاگ ان تھا۔ وین چل پڑی۔ غازی کی توجہ بچے پر تھی جو کھڑکی کے پار مناظر کو دیکھ رہا تھا۔ غازی کا دل دکھ سے بھر گیا۔ کاش

ان مناظر میں خوبصورت مکان ہوتے، درختوں کی بہتات ہوتی، صاف ستھری سڑکیں، ہسپتال اسکول اور پارک ہوتے۔ غازی کی نگاہ اس بچے کے چہرے پر گئی۔ کیا ان معصوم اور خوبصورت آنکھوں نے کبھی خوبصورت مناظر دیکھے ہوں گے؟ کیا اسے معلوم بھی ہوگا کہ دنیا اس وطن کے پار کتنی خوبصورت تھی۔ زندگی کے رنگ ڈھنگ کیا تھے؟ کیا فلسطین کے بچوں نے کبھی تصور کیا ہوگا باہر کی دنیا کا؟ رنگوں کا؟ خوبصورت آوازوں کا؟ لیکن ان کی زندگی تو بارود اور آگ، خون اور موت کی جنگ میں ہی شروع ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔ وہ ان ہی مایوسیوں کی گہری تہہ میں چھپے سوالوں کو پڑھ رہا تھا جب گاڑی اچانک رک گئی۔ اس وین کو دیکھتے ہی خیموں کے لوگ جوک در جوک وین کے قریب آنے لگے۔ غازی بچے کو لیے باہر آیا اور بذات خود وہاں راشن کے ڈبے تقسیم کرنے

لگا۔ سب اسے دعائیں دیتے تشکر کا اظہار کرتے اپنا اپنا حصہ لے کر خوش ہوتے وہاں سے ہٹ رہے تھے۔ غازی اپنے اندر ایک سکون اترتا محسوس کرنے لگا۔ ایک راحت سی وجود میں محسوس ہو رہی تھی۔ ان کے چہرے پر ذرا سی خوشی دیکھنا بھی اس کے لیے ایک جنت سے کم نہ تھا۔ یہی احساس تھا جو اسے باقی دنیا چھوڑ کر یہیں رہ جانے پر اکسا رہا تھا۔ وہ واپس نہیں جانا چاہتا تھا اس نے اپنی واپسی کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا اور اب تک یہ بات شیر کو اس نے نہ بتائی تھی۔



وہ شیشے کے آگے کھڑی اپنا جائزہ لے رہی تھی۔ بال شانوں تک آرہے تھے جنہیں اس نے ایک سلک ہیئر بینڈ لگا کر کھلا چھوڑ دیا تھا۔ سرخ سادہ شرٹ پر سفید اسکرٹ جو گھٹنوں سے نیچے بالمش بھر نیچے تھا۔ پیروں میں

سفید اسٹیکرز پہنے وہ ہلکا پھلکا میک اپ کیے تیار تھی۔ شیر کا میج اسے صبح ہی مل گیا تھا۔ اس نے اپنا فون اٹھا کر شیر کی چیٹ کھولی۔

"میں کسی سے ملنے جا رہا ہوں۔ ایک ضروری کام ہے۔ اٹھو تو میرا انتظار مت کرنا ناشتہ کر لینا۔ اور ہوٹل سے باہر نکلو تو مجھے بتانا۔"

"اور ہاں! رات کو ہم نیل سٹی جائیں گے۔ ڈنر اور دریا کی سیر پر! اچھے سے تیار ہونا!" ساتھ ایک آنکھ دباتا ایموجی۔

"ٹھیک ہے تیار رہوں گی۔ کب تک واپس آؤ گے؟" جنت کی طرف سے پوچھا گیا تھا۔

"وقت لگ سکتا ہے۔ جلدی بھی لوٹ سکتا ہوں اپنا خیال رکھنا۔ ڈینیل وہیں ہے۔"

"تم بھی اپنا خیال رکھنا۔" ساتھ ہی ایک سرخ دل بھیج کر جنت کی طرف سے بات ختم کی گئی تھی۔

اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھا۔ دوپہر کے ساڑھے دو بج رہے تھے۔ اس نے میز پر رکھی فائل اٹھائی اور باہر کی جانب بڑھ گئی۔



وہ ریسٹورنٹ بھی اسی ہوٹل کا ایک حصہ تھا جہاں کئی سنہری رنگ کی کرسیاں اور میزیں لگیں تھیں۔ کافی وسیع عرصے پر پھیلا یہ ریسٹورینٹ قدیم و جدید فن کا دلکش امتزاج تھا۔ نگاہوں کو خیرہ کر دینے والا انٹیریئر جس میں پستائی رنگ کی دیواریں اور قیمتی نفیس قسم کے سجاوٹی نمونے اس منظر کو دلکش بنا رہے تھے۔ ماحول میں قسم قسم کی خوشبوئیں محسوس کی جاسکتی تھیں۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم دکھائی دیتا تھا۔ اس کا ذہن

غازی کی طرف تھا وہ چاہ کر بھی کچھ نہ کر رہا تھا اس کی کچھ لوگوں سے بات ہوئی تھی لیکن کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اس کی ایک اور ملاقات طے تھی وہ ہوٹل میں داخل ہوتے مطلوبہ میز کی تلاش میں سٹنگ ایریا کی طرف بڑھا اندر داخل ہوتے ہی اس کی نگاہ سامنے بیٹھی جنت پر پڑی سرخ رنگ میں کسی کھلے گلاب کی طرح لگ رہی تھی۔ لیکن وہ بری طرح چونکا تھا۔ میز پر رکھا خوبصورت پھولوں کا بکے۔ جنت کے چہرے پر دھیمی مسکراہٹ۔ وہ حسام تھا۔ جس کے چہرے کی چمک اور آنکھوں میں کھیلتی مسکراہٹ شیر سے چھپی نہ رہ سکی۔ شیر کی آنکھیں برف کی مانند سرد ہوتیں جلنے لگیں۔ وہ خود پر قابو پاتا آگے بڑھتا گیا اور مطلوبہ میز تک پہنچا۔

"یقین ہے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا آپ کو۔" شیر نے سامنے بیٹھے ادھیڑ عمر شخص کی طرف دیکھتے کہا اور اپنی سیاہ کیپ اتار کر میز پر رکھ دی۔

"نہیں! نہیں! ماسٹر ایسا کچھ نہیں۔ میں بھی بس ابھی ہی پہنچا ہوں۔" اس شخص کے لہجے میں ادب اور دھیما پن تھا۔ گو کہ وہ اس سے عمر میں کافی بڑا تھا لیکن شاید اس کی حیثیت اور شخصیت سے بخوبی واقف تھا۔

"میرے سفری کارندے نے تمام کاغذات تیار کر رکھے ہیں۔ لندن کی فلائٹس بھی مل چکی ہیں۔ لیکن ایک مسئلہ ہے۔"

"کیسا مسئلہ؟" شیر نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"میڈیا!" اس شخص نے توقف کیا۔

"میڈیا مسلسل ہم پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ یہ کس کے کہنے پر ہو رہا ہے؟ جبکہ مرتسم نے مجھے آپ کا ذکر کرنے سے منع کیا ہے۔"

"تم میرا ذکر کر سکتے ہو۔ اگلی دفعہ اگر کوئی پوچھے تو براہ راست بلا جھجک میرا نام لینا! تاکہ پھر کوئی رکاوٹ پیدا کرنے کی جرات نہ کر سکے۔"

شیر نے سرد مہری سے کہا۔ سامنے بیٹھا شخص ایک پل کے لیے چونکا اور شیر کے تاثرات کا جائزہ لینے لگا۔ کیا وہ سنجیدہ تھا؟ سالوں سے وہ اور اس سے جڑے کئی لوگ اس کی کمپنی کے لیے کام کر رہے تھے۔ شیر ہمیشہ اس طرح کام کرواتا تھا کہ کام کرنے والا اپنے فرشتے تک سے ذکر نہ کرے۔ گہری رازداری اور خاموشی اس کے لیے کام کرنے کی پر شرط ہوتی تھی۔ چاہے جان چلی جائے لیکن اس کا کام کرتے ہوئے رازداری کی پالیسی نہ ٹوٹے۔ یہی وجہ تھی کہ شیر بہت سوچ سمجھ کر لوگوں کا

انتخاب کیا کرتا تھا اور آج وہی شیر ہر چیز سے بے نیاز لگتا تھا۔ چہرہ عیاں، شخصیت عیاں کچھ بھی راز نہیں رہا تھا۔

"ماسٹر! کوئی پریشانی تو نہیں ہوگی؟" یہ سوال پوچھنے سے قبل وہ کئی دفعہ سوال کو اپنے دل و دماغ میں دہراتا رہا۔

"کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔" شیر نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا نگاہیں سامنے نظر آتے حسام پر جا ٹھہریں۔ جنت اس سے باتوں میں مگن شیر کو گزرتے ہوئے بھی نہ دیکھ پائی تھی۔ حسام مسکراتے ہوئے قہوہ پی رہا تھا۔ شیر نے نگاہیں ہٹا کر سامنے بیٹھے شخص پر مرکوز کر دیں۔

"ویسے وہ امانت کیا تھی جس کا ذکر آپ نے فون پر کیا تھا؟" حسام نے جانچتی نگاہوں سے اسے دیکھتے سوال کیا۔

"یہ پیپرز!" جنت نے سیاہ فائل اس کی طرف بڑھائی۔

حسام نے وہ فائل کھولی کچھ صفحے پلٹے اور اس کا چہرہ ایک پل کو تاریک ہو گیا۔ اس نے جنت کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں سوال تھا۔

"میں وہ آرٹ گیلری مزید نہیں سنبھال پاؤں گی۔ اس لیے میں نے اس کے مالکانہ حقوق آپ کو دوبارہ واپس کر دیے ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ آئندہ کبھی میں براہ راست کسی آرٹ کے ادارے کو چلاؤں گی۔ کیوں کہ حال ہی میں، میں نے کچھ وقت دفتری امور کو دیا تو مجھے احساس ہوا میرا دماغ کاروباری امور کو بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے۔ میں بزنس کی طرف جانا چاہتی ہوں۔" جنت نے نرمی سے وضاحت کی۔

"مزید جیسا کہ آپ نے مجھے بتایا کہ اگلے کچھ دنوں میں آپ کی شادی بھی ہے تو مجھے اپنے فیصلے پر مزید اعتماد ہوا کہ ہمارے بیچ مزید کوئی تعلق

نہ رہے جو بعد میں ہمارے لیے کسی پچھتاوے یا پریشانی کا باعث بنے۔"
جنت نے گہری سانس لیتے کہا۔

"کیسا پچھتاوا؟ کیسی پریشانی؟" حسام نے نا سمجھی سے سوال کیا۔

"میں ایک بہت شفاف حال چاہتی ہوں جس میں مجھے میرے ماضی کے
کسی بھی حصے کی کوئی الجھن سے سروکار نہ ہو۔ گیلری کو وقت نہ دینا
میرے لیے ایک پچھتاوا بن رہا تھا مجھے بار بار یہ خیال تنگ کرتا کہ میں
آپ کے خلوص کی قدر نہیں کر پا رہی۔ اس لیے میں اسے مزید اپنی
ملکیت میں رکھنا نہیں چاہتی۔"

"میں سمجھ گیا۔" حسام مسکرایا۔ اس کی وضاحت اتنی بھی کمزور نہ تھی۔

"میری ہونے والی بیوی کو بھی آرٹ سے دلچسپی ہے۔ میں یہ کاغذات
دوبارہ بنوا کر اسے یہ گفٹ کروں گا۔" حسام نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے سن کر بہت خوشی ہوئی۔ آپ کی شادی میں ضرور شرکت کروں گی۔"

"میں دعوت نامہ بھیجوں گا آپ کو۔ اور مسٹر شیر کو بھی۔ کیا وہ آئیں گے؟ میں ان کا بہت شکر گزار ہوں دراصل مجھے کافی عرصے بعد پتا چلا کہ امریکا میں جو کارٹیل میمبرز یہاں میرے حریفوں کے ساتھ مل کر میرے لیے مشکلات پیدا کر رہے تھے اور میرے کچھ کاغذات جو پچھلے تین سال سے واشنگٹن ایمبسی میں پھنسے ہوئے تھے انھیں مسٹر شیر نے کلئیر کروایا۔ وہ میرے لیے ایک فرشتہ ثابت ہوئے۔"

جنت بے اختیار مسکرائی۔ ایک فخریہ احساس اس کے اندر جاگا۔

"اسے چپ چاپ کام کرنے کی عادت ہے۔" جنت ہنس دی۔

"اس کا اندازہ تو آج کل کے حالات دیکھ کر ہو ہی رہا ہے۔" وہ ہنس دیا۔

"آپ اس بات کو یقینی بنائیے گا کہ وہ میری شادی میں ضرور شریک ہوں۔۔ میرے لیے یہ ایک اعزاز ہوگا۔"

"ضرور کیوں نہیں! اب مجھے چلنا چاہیے۔۔ آپ سے مل کر بہت اچھا لگا۔۔" جنت نے خوشدلی سے کہا۔

"مجھے بھی!" وہ بھی مسکرایا۔

"پھولوں کے لیے شکریہ!" جنت بکے لے کر اٹھنے لگی۔ کچھ دور بیٹھے شیر نے جنت کو اس سے ہاتھ ملاتے دیکھا اور پھر وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے وہاں سے باہر کی جانب بڑھے تھے۔ شیر خون کے گھونٹ بھر کر رہ گیا تھا۔



جنت کو کمرے میں پہنچے دس منٹ ہی ہوئے تھے جب وہ جارہانہ انداز میں گیٹ کھولتا اندر داخل ہوا۔ جنت چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ بال پیشانی پر بکھرے ہاتھ میں سیاہ کیپ۔ سفید ٹی شرٹ اور نیلی کارگو پہنے وہ عام سے حلے میں تھا۔

"حسام کو تم نے دعوت دی تھی لہج کی؟" پہلا سوال جو جنت کو بری طرح چبھا۔ شاید انداز زیادہ چبھنے والا تھا۔

"کیا تم اس بات کو لے کر مجھ سے لڑنے آئے ہو؟" جنت کافی اچھے موڈ میں تھی اس کے سوال اور انداز پر اس کا سارا موڈ ایک پل میں غارت ہوا تھا۔

"میں تم سے لڑنے نہیں آیا۔ سوال پوچھ رہا ہوں جواب دو۔" انداز میں سرد مہری در آئی۔

"میں تمہیں ہر سوال کا جواب دینے کی پابند نہیں ہوں نہ تمہاری غلام ہوں۔ تم مجھ سے اس انداز میں سوال اور گفتگو نہیں کر سکتے! تم میری زندگی کے مالک نہیں ہو؟ تم کس سے ملتے ہو کس سے نہیں؟ میں نے تم کبھی سوال کیا؟ تم سے تفتیش کی؟" جنت اس پر بھڑک اٹھی۔ جنت کے رد عمل نے شیر کے غصے کو ہوا دی۔

"تم پر میں نے کبھی پابندی نہیں لگائی۔" اس کی آواز بلند ہوئی اور وہ چند قدم آگے آیا۔ اس کے انداز پر جنت کی آنکھیں مزید پھیلیں تھیں۔ وہ وہی جم کر کھڑی رہی۔

"تم مجھ سے پوچھ سکتی ہو۔ میں کہاں جاتا ہوں اور کہاں نہیں جاتا؟ کس سے ملتا ہوں اور کس سے نہیں؟"

"اپنی آواز اور لہجے پر قابو رکھو۔ اپنی شیر جیسی دھاڑ سے تم مجھے کمزور اور خوف زدہ نہیں کر سکتے! میں ہیزیل نہیں ہوں جو تمہاری جارحیت اور دھاڑ سے خوف کھا کر دب جاؤں۔" جنت نے شہادت کی انگلی اٹھاتے اسے تنبیہ کی۔ جس پر شیر کا جڑا بھینچ گیا۔

"جنت! میری بات سنو۔" شیر نے آگے بڑھ کر اسے کاندھوں سے تھامتے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔

"میں نے تم سے صرف ایک سوال پوچھا ہے؟ اتنا سچ دھج کر! خوشبوؤں سے مہک کر وہ تم سے ملنے کیوں آیا تھا کیا تم نے اسے لہجے کی دعوت دی تھی؟ ہمارے مصر پہنچتے ہی اگلے دن وہ تم سے ملنے ہوٹل پہنچ گیا؟ کیا ہم مصر اس لیے آئے تھے؟" وہ ٹھہر ٹھہر کر سرد لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"اپنی فضول بکواس بند کرو! تم اتنی گھٹیا سوچ رکھتے ہو میرے بارے میں
"جنت اپنا آپ چھڑاتی اس کے سینے پر تھپڑ رسید کرتی اس پر چلائی
تھی۔ شیر اس کی زور آزمائی پر ذرا بھی نہ ہلا۔ فقط کاٹ کھاتی نگاہوں سے
اسے گھورتا رہا۔

"دفع ہو جاؤ میرے کمرے سے اسی وقت! میں آج ہی واپس شارجہ
جاری ہوں۔" وہ پلٹ کر الماری کی طرف بڑھی تھی۔
"جنت؟ تم کہیں نہیں جاسکتی!" شیر نے تلخی سے کہا۔
"تم میرے شوہر نہیں ہو۔ نہ میرے باپ ہو۔ اس لیے اپنی یہ گھٹیا
سوچ لو اور نکلو یہاں سے۔" وہ اس پر چلائی۔ شیر خود پر ضبط کرتا گہری
سانسیں لیتا اسے سامان سمیٹتا دیکھتا رہا۔

"میری بات سنو۔"

"مجھے کچھ نہیں سننا!" وہ دھاڑی۔

"جنت میری بات سنو۔" شیر نے آگے بڑھ کر اسے کہنی سے تھاما اور

اسی پل ایک زوردار تھپڑ شیر کو رسید ہوا۔

"دور رہو مجھ سے!" وہ حلق کے بل چلائی۔ شیر ہکا بکا رہ گیا۔ اسے اپنا

گال سن پڑتا محسوس ہوا۔ وہ بے یقین سا اسے دیکھتا رہا۔ یہ شیر کو زندگی

میں پڑنے والا پہلا تھپڑ تھا۔ عجیب احساس نے آگھیرا۔ سامنے کھڑی لڑکی

جنت کے علاوہ کوئی اور ہوتی جانے کیا رد عمل ہوتا۔ لیکن اس وقت وہ فقط

طیش زدہ سا کھڑا اسے دیکھتا رہ گیا۔ جنت کو اچانک اپنے عمل کا احساس

ہوا۔ اسے شیر پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔ لب بھینچتے اس نے اپنے آنسو

روکنے کی کوشش کی۔

"تم مجھے کیسی لڑکی سمجھتے ہو؟" اس کا اگلا سوال شیر کا دماغ بھک سے اڑا گیا۔

"تم یہ کیسی باتیں کر رہی ہو؟"

"اور وہ باتیں جو تم نے کیں؟ تمہیں مجھ پر یقین ہی نہیں تو پھر باقی کیسا رشتہ اور کیسی محبت! میں تمہیں اپنی ساری زندگی۔ بس رہنے دو میں اپنے لفظ تم پر ضائع ہی کیوں کروں۔" وہ تلخی سے کہتی رخ موڑ گئی۔ شیر تیزی سے آگے بڑھا اور اس کے ہاتھ سے کپڑے لے کر بیڈ پر رکھے اور اسے صوفے پر بٹھایا۔

"ادھر دیکھو میری طرف!"

"تم میری ہو جنت! اور ہاں مجھے پسند نہیں کہ تم سے ایک مرد میری غیر موجودگی میں ملے وہ مرد جو تمہارے لیے وہی جذبات رکھتا ہے جو

میرے دل میں ہیں۔ میچور ہوتے ہوئے۔ "اس نے اپنا ہاتھ میز پر سختی سے رکھا جنت کی آنکھیں ناگواری سے پھیلیں۔

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم کیسی لڑکی ہو اور تمہارا کردار کتنا مضبوط ہے۔۔۔ یہ۔۔۔ سب۔۔۔ جانتے ہوئے بھی مجھے منظور نہیں۔" اس نے شہادت کی انگلی اٹھاتے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔

"کہ حسام تم سے ملے جنت! میں اسے تمہارے آس پاس برداشت نہیں کر سکتا! کیا تم سمجھ گئیں؟" سرخ آنکھیں غصہ پر قابو پاتا دبا دبا بھاری سانسیں اور سخت لہجہ۔ جنت کی نگاہیں اس کے سرخ چہرے پر پڑیں۔ انگلیوں کے نشان رہ گئے تھے۔ دل ہی دل میں پچھتاوے نے آ گھیرا۔

"کیا تم اس بات کا خیال رکھ سکتی ہو کہ آئندہ میری غیر موجودگی میں تم حسام سے نہ ملو؟"

"تم اور ری ایکٹ کر رہے ہو شیر!" جنت کو اس کا انداز غیر معمولی لگا آج سے قبل اس نے کبھی شیر کو یوں ری ایکٹ کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

"ہاں! میں مانتا ہوں میں اور ری ایکٹ کر رہا ہوں۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔ اور یہ پھول مجھے دو۔" وہ میز پر رکھے حسام کے لائے پھولوں کی طرف بڑھا اور جھٹکے سے پھولوں کا بکے اٹھایا۔ ایک سخت خفا نگاہ اس پر ڈال کر تیز قدموں سے چلتا کمرے سے نکل گیا۔ جنت سن بیٹھی خالی کمرے کو دیکھتی رہ گئی۔ اس کا سر کچھ دیر پہلے ہونے والے ہنگامے پر گھوم رہا تھا۔



شام گہری ہو چکی تھی۔ آسمان گلابی رنگت میں رنگے بادلوں سے گھرا تھا۔ ان کا گلابی پن دریائے نیل کی سطح کو بھی گلابی کیے ہوئے

تھے۔ سطح پر تیرتیں بطخیں اپنے پروں سے پانی کی ہلکی پھواریں بکھیرتیں جارہی تھیں۔ وہ آئس کریم باؤل تھامے وقفے وقفے سے آئس کریم کے چمچ بھر کر کھا رہا تھا۔ چہرے پر سنجیدہ تاثرات اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"یہ آپ کے چہرے پر کیا ہوا؟ یہ۔۔ یہ تو تھپڑ کے نشان ہیں اوہ۔ آپ کو مس جنت نے تھپڑ رسید کر دیا؟" ڈینیل کی بے یقینی نے اسے شرمندگی کی گہری کھائی میں دھکیلا تھا۔

"کیا حسام کی وجہ سے؟ دراصل جب مجھے مس جنت نے کچھ کاغذات
فوٹو کاپی کرنے کے لیے دیے تو۔۔"

"کیسے کاغذات؟"

"وہ واشنگٹن میں آرٹ گیلری کے کاغذات تھے۔ مجھے لگا ہی تھا کہ
ضرور کوئی غلط فہمی ہونے والی ہے۔ کیا بہت سنجیدہ مسئلہ ہو گیا ہے؟"

ڈینیل کی فکر مندی پر اس نے سر جھٹک دیا۔

"کاغذات کا متن دیکھا تھا؟"

"دیکھنا تو نہیں چاہتا تھا لیکن انھیں ترتیب دیتے ہوئے سرسری نگاہ پڑ گئی
تھی۔ وہ مالکانہ حقوق کی منتقلی کے کاغذات تھے۔ مس جنت نے آرٹ
گیلری دوبارہ حسام کو لوٹا دی ہے۔ شاید اسی لیے وہ یہاں آیا تھا لیکن

مس جنت سے ملنے سے پہلے وہ کسی اور شخص سے میٹنگ میں مصروف تھا۔"

"تم یہ سب کیسے جانتے ہو؟"

"میری ملاقات ایک مصری لڑکی سے ہوئی ہے۔" وہ یک دم پرجوش ہوا۔ جس پر شیر نے کوئی خاص رد عمل نہ دیا اور اسے وہاں سے بھیج دیا۔ اب پچھلے ایک گھنٹے سے وہاں کھڑا ان ہی سوچوں میں گم تھا۔ وہ اسے ایک اچھا وقت اور اچھی یادیں دینا چاہتا تھا لیکن بجائے اچھا سا تھی بننے کے وہ اسے ناراض کر آیا تھا۔ آئسکریم کو جلدی جلدی ختم کرتے اس نے باؤل وہیں رکھا۔ اندر آکر اپنے کپڑے نکالے اور غسل خانے کی طرف بڑھ گیا۔



وہ پچھلے کئی گھنٹوں سے ٹیرس پر تھی۔ ٹانگیں دکھنے لگتیں تو جاکر بیٹھ جاتی ورنہ ٹھہلتی رہتی۔ اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ کچھ اثر موسم کی خوبصورتی نے بھی ڈالا تھا۔ گلابی مائل آسمان مزاج پر اچھا اثر ڈال رہا تھا اس پر خنک ہوائیں وقفے وقفے سے روح کو سہلاتی محسوس ہو رہی تھیں۔ شیر کے رویے پر اپنے رد عمل کو سوچتی وہ بار بار کبھی خود کو تو کبھی شیر کو قصور وار ٹھہرانے لگتی۔ وہ حسام کے ماضی اور اس کے جذباتوں سے واقف تھا شاید اس لیے اس معاملے کو لے کر حساس اور جذباتی ہو رہا تھا لیکن حقیقتاً وقت اور جذبات اب بدل چکے تھے۔ وہ زندگی میں آگے بڑھ چکا تھا اور کچھ ہی دنوں میں نئی زندگی شروع کرنے جا رہا تھا۔ یہ بات شیر نہیں جانتا تھا لیکن وہ ایک اچھے طریقے سے بھی تو سوال کر سکتا تھا۔ اعتراض تھا تو ذرا نرم رویہ رکھتا! لیکن کچھ روز سے وہ یوں بھی تناؤ کا

شکار ہے شاید یہی وجہ تھی کہ وہ جذبات پر قابو نہ رکھ پایا۔ سوچوں کی وادیوں میں سیر کرتی وہ آس پاس کی آوازوں سے یک دم بے نیاز تھی تبھی مسلسل ہوتی دستک سے انجان رہی۔ یہاں تک کہ شیر دروازہ کھولتا خود ہی وہاں چلا آیا۔ ایک بھینی سی شاندار مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرائی جس نے اسے خیالوں کی دنیا سے باہر کھینچ نکالا۔ گردن گھمانے پر وہ سامنے کھڑا ملا۔ سیاہ فارمل شرٹ اور سرمئی پتلون پہنے۔ نفیس سی ٹائی لگائے۔ جدید ہسیر کٹ اور تازہ تازہ شیو بنائے وہ بڑی فرصت سے تیار ہو کر آیا تھا۔ جنت اس کی تیاری کو دیکھتے نگاہیں پھیر گئی۔

"تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟" شیر نے نرمی سے سوال کیا۔

"ایسے مت بنو جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔" وہ خفگی سے بولی۔ اب جب وہ خود ہی چلا آیا تو نخرے تو بنتے تھے۔

"تم مجھے نرمی سے جواب دے سکتی تھیں ناں؟" شیر نے شکوہ کیا۔ جس پر جنت کے ابرو بھیچ گئے۔

"ضرور دیتی اگر تم نے نرمی سے سوال کیا ہوتا۔" تپ کر جواب دیا۔
 "اچھا ناں! میں معذرت کرتا ہوں۔" وہ گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ جنت کا دل اس کے انداز پر فوراً پگھلا تھا پر وہ یوں ہی سنجیدہ چہرہ لیے بیٹھی رہی پوری کوشش تھی کہ نگاہ اس کے چہرے پر نہ پڑے۔ پھر یقیناً یہ غصہ برقرار نہ رہ پاتا۔

"جنت!" اس نے نرمی سے پکارا۔ جنت کا بڑی مشکل سے خود پر قابو پائے اسے نظر انداز کرنا چاہ رہی تھی لیکن وہ جانتی تھی زیادہ دیر یہ نہ چل سکے گا۔ وہ کرسی پیچھے کو گھسیٹتی وہاں سے اٹھنے لگی لیکن شیر نے اسے کندھوں سے پکڑ کر دوبارہ کرسی پر بٹھایا۔ جنت کی نگاہیں بے اختیار اس

کے چہرے سے ہوتیں اس کی آنکھوں سے جا ٹکرائیں۔ شیر اس کی کنچے جیسی مگر خفا خفا نگاہوں میں دیکھتا بے اختیار مسکرایا۔ معصومیت بھرا تاثر دیتی حسین مسکراہٹ۔ جنت نے نگاہیں چرائیں۔ دل بے اختیار دھڑکا تھا۔

"کیا میرے ساتھ ڈنر پر نہیں چل رہی ہو؟" گہرا لہجہ اور اتنی قربت پر وہ دل ہی دل میں گھبرائی۔

"چھوڑو مجھے!" لہجہ بے وجہ ہی کانپ گیا۔ وہ مسکراہٹ دباتا اس کے کاندھے آزاد کر گیا۔

"اب بتاؤ! ڈنر پر نہیں چل رہیں میرے ساتھ؟"

"نہیں! مجھے جذباتی طور پر کمزور کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"اچھا تو تم ہو رہی ہو کمزور!" وہ مسکرایا۔

"بکواس نہ کرو!" وہ چڑ کر اس پر چڑھ دوڑی۔

"اچھا! اچھا! میں ہار مانتا ہوں۔" اس نے دونوں ہاتھ اٹھاتے مفاہمت کی راہ اختیار کی۔

"تو اب تمہیں اپنے ساتھ ڈنر پر لے جانے کے لیے مجھے کیا کرنا ہوگا؟" بڑا ہی سادہ سوال اس نے لہجے میں معصومیت بھرتے کیا تھا۔

"میرا گاؤن پریس نہیں ہے۔ دوپہر میں غصے کی حالت میں اس کی استری خراب کردی تھی۔"

"میں روم سروس بلواؤں؟ یا خود استری کروں؟" شیر نے نرمی سے پوچھا۔

"روم سروس میں خود بھی بلوا سکتی تھی۔" اس نے شیر کو گھورا۔

"اچھا! میں کرتا ہوں۔" وہ کہتا اندر بڑھا۔ جنت بے اختیار مسکرائی۔

"چھوڑو! میں کچھ اور پہن لوں گی۔" کہتے وہ اس کے پیچھے لپکی اور اس کو کہنی سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔

"آئندہ مجھ سے اس لہجے میں بات کرو گے تو میں تھپڑ کے لیے معذرت نہیں کروں گی۔"

"وہ تو ابھی بھی نہیں کی۔" شیر نے منہ بسورا۔

"مجھے صرف ہاتھ اٹھانے پر افسوس ہے۔ اس کے لیے معافی چاہتی ہوں آئندہ کبھی ایسا نہیں ہو گا۔" جنت نے تہہ دل سے کہا۔

"مجھے تھپڑ کے لیے برا نہیں لگا۔" شیر نے کہا۔

"لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم آئندہ مجھے تھپڑ مار سکتی ہو۔"

"تھپڑ کے لیے برا کیوں نہیں لگا؟" جنت چونکی۔

"عام انسان جیسا محسوس ہوا۔ کوئی ہے جو مجھے بھی تھپڑ مار سکتا ہے۔۔۔ جان کر اور محسوس کر کے مختلف لگا۔" شیر نے کاندھے اچکائے۔ جنت اس کی عجیب منطق پر الجھن میں پڑنے لگی۔

"خیر تیار ہو جاؤ میں انتظار کر رہا ہوں۔" کہہ کر وہ باہر کی جانب بڑھ گیا۔ جنت اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی پھر گہری سانس لیتی غسل خانے کی طرف بڑھ گئی۔



جزیرے پر قائم اس جدید طرز تعمیر سے آراستہ محل کو ہر طرف سے محافظین کی بڑی تعداد نے گھیر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ جزیرے کے قریب آنے والی کشتیوں کو بھی روکا جا رہا تھا۔ موسم کی خوبصورتی یا تازہ ہوا کے لیے جوں ہی ہیزیل کھلے آسمان تلے آتی سامنے دکھائی دیتے

حفاظت پر مامور گارڈز کو دیکھ اس کو سخت تاؤ چڑھتا تھا لیکن ان میں سے ایک بھی ایسا محافظ نہ تھا جو اس کی بات سنتا یا اپنی پوزیشن تبدیل کرتا۔ سکیورٹی چیف تو جیسے گونگا بہرا ہو چکا تھا۔ اس وقت بھی ہیزیل اپنے فون کے سگنلز کنیکٹ کرنے باہر آئی تو سخت مایوسی اور غصے نے اس کے وجود میں بھرنا شروع کر دیا۔ اسے دیکھ گارڈز یوں چوکنا ہو گئے تھے جیسے وہ ہی کوئی گھس بھیشیا ہو۔

"یہ تماشہ کب تک چلے گا؟" ہیزیل نے تند نگاہ اس پر ڈالتے سوال کیا۔

"کیا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے میڈم؟"

"جاؤ میتھیو ویڈ کو بلا کر لاؤ۔" ہیزیل نے اسے یہاں سے ہٹانے کی کوشش کی۔

"ہمیں یہاں سے ہٹنے کی اجازت نہیں میڈم! انٹرکام کا استعمال کر لیں۔"

اس نے ادب سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" غصے پر قابو پاتے اس نے سر ہلایا۔

"تو تم میری بات نہیں مانو گے؟" ہیزیل قدم قدم چلتی آگے

بڑھی۔ سامنے کھڑے گارڈ نے اس کے تاثرات کو دیکھ معذرت خواہانہ

نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ہیزیل خطرناک نگاہوں سے اسے گھورتی اس

کے بالکل پاس چلی آئی۔

"لاؤ اپنا فون دو مجھے۔" ہیزیل نے ہاتھ بڑھا کر فون مانگا۔ جس پر گارڈ

ایک قدم سرکا اور عجیب نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"مجھے اجازت نہیں میڈم!"

"مجھے ایک کال کرنی ہے۔" ہیزیل نے ٹھہر ٹھہر کر سرد مہری سے کہا۔

"میں معافی چاہتا۔"

ہیزیل نے اس کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی اس کے منہ پر ایک زوردار مکارسید کیا۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے تکلیف کی شدت سے کراہا۔

"میں بلیک بیلٹ ہولڈر ہوں اگر تم اپنی ہڈیاں تڑوانا نہیں چاہتے تو میری بات مانو۔"

"معافی چاہتا ہوں۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔" وہ اپنے ہونٹ سے بہتا خون پونچھتے سنجیدگی سے گویا ہوا۔ کاش وہ پلٹ کر اس ڈائن پر وار کر سکتا۔

"تو تم اس طرح نہیں مانو گے۔" ہیزیل نے دانت بھینچتے اسے ایک اور

تنبیہ کی۔ لیکن وہ ٹس سے مس تک نہ ہوا۔ ہیزیل نے پیچھے کی دیوار کا

جائزہ لیا ڈھائی فٹ کی منڈیر کے پاس کھڑا وہ گارڈ لگ بھگ چھ فٹ کے

قریب تھا۔ ہیزیل نے جھٹکے سے اسے دھکیلا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا چلایا اس

سے قبل کے وہ زمین پر گرتا ہیزیل نے اسے ایک اور دھکا دیا۔ سنبھلنے کا کوئی موقع نہ دیتے ہیزیل نے اسے اس منڈیر سے نیچے دھکیل دیا۔ ایک بلند چیخ فضا میں گونجی اور جسم کے زمین سے ٹکرانے کی آواز آئی۔ نیچے ایک شور سا بلند ہوا۔ ہیزیل نے پتھرائی ہوئی نظروں سے جھانک کر نیچھے دیکھا۔ وہ پتھریلی روش پر گرا تھا۔ اس کے سر سے خون بہتا آس پاس جمع ہو رہا تھا۔ ہیزیل وہیں کھڑی نیچے جھانکتی رہی۔ چہرے پر خطرناک تاثرات تھے۔ نیچے کھڑے کئی محافظوں نے اسے اوپر سے جھانکتے ہوئے دیکھا تھا۔ کسی کو بھی سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ کچھ دیر قبل کیا ہوا ہوگا۔



وہ ایک خوبصورت رنگوں سے بھری نرسری کا منظر تھا۔ ہر رنگ میں ایسی تازگی اور ایسی خوشبو تھی کہ وہاں داخل ہوتے ہی روح سبک ہو

جاتی۔ آنکھوں کو خیرہ کرتے رنگ رنگیے پھول ایک الگ ہی کشش رکھتے تھے کہ انسان بے اختیار ان کی جانب کھینچتا چلا آئے۔ طوبی جامنی رنگ کا کرتا پہنے جامنی پھولوں کے پاس کھڑی ان پھولوں کا ہی حصہ معلوم ہو رہی تھی۔ ملائم بال ہوا کے بہاؤ پر لہرا رہے تھے۔ کاندھے پر سیاہ بیگ تھا۔ موسم کی مناسبت سے ہلکا پھلکا میک اپ نازک سی زنجیر گلے میں ڈالے وہ تازہ دم اور منفرد سی دکھ رہی تھی۔ حاشر کچھ فاصلے پر سفید کاٹن کی شرٹ اور پستی رنگ کی کھدر پیٹ پہنے سفید جوتوں میں آرام دہ حلیہ اپنائے اپنی مخصوص گہری اندر تک اترنے والی شخصیت کے ساتھ بارعب سا لگتا تھا۔

"جامنی رنگ پسند ہے ناں آپ کو؟ کیا یہ پھول لے لیں؟" حاشر نے وہیں کھڑے سوال کیا۔

جس پر طوبیٰ نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔
 "دراصل یہ بہت خوبصورت لگ رہے تھے تو میں ٹھہر گئی۔" وہ کہہ کر
 آگے بڑھنے لگی۔

"ہم یہ لے لیتے ہیں۔۔۔"
 "پر مجھے پھولوں اور پودوں کے حوالے سے کچھ خاص معلومات
 نہیں۔ آپ زیادہ جانتے ہیں تو بہتر ہے کہ آپ اپنی پسند اور معلومات
 کے مطابق پودے خریدیں۔" وہ مسکرائی۔

"اگر اپنی معلومات اور پسند کے مطابق لینے ہوتے تو اکیلا نہ آجاتا؟۔"
 حاشر نے مسکرا کر کہا اور وہاں سے چار جامنی پھولوں والی کیاریاں اٹھا
 کر ایک طرف رکھ دیں۔ اس کے انداز میں ملائمت کے ساتھ ایک ٹھہراؤ
 تھا۔ طوبیٰ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"اور کون سے رنگ پسند ہیں آپ کو؟" حاشر نے پیٹھ پر ہاتھ رکھتے پوچھا۔ طوبی نے ایک طائرانہ نگاہ اس سیکشن پر ڈالی۔

"گہرا گلابی؟" طوبی کچھ جھجھک کر بولی۔

"یہ رہا۔" حاشر کچھ فاصلے پر رکھے پھولوں کی طرف بڑھا اور اٹھا کر ایک طرف رکھے۔ طوبی ہنس دی۔

"میری پسند کے رنگ کیوں؟"

"مجھے خوشی ہوگی۔" حاشر نے سادگی سے کہا۔

"کیوں؟" طوبی انجان بنی سوال کر رہی تھی۔

"مجھے اچھا لگے گا جب آپ کی پسند میری زندگی میں شامل ہوگی۔" جملہ

سادہ تھا مگر کتنا سادہ کہ طوبی کا چہرے پر سارے رنگ دھنک بن کر

سمٹے تھے۔ کیا ہی دلکش احساس تھا جو وجود میں قوس قزح کی طرح بکھر سا گیا تھا۔

"اور؟" حاشر نے مسکراتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے پوچھا۔ طوبیٰ نے لب بھینچ کر سوچنا شروع کیا۔ حاشر اسے دیکھتا رہا۔

"جامنی پتے والے پودے بھی ہوتے ہیں۔ کیا وہ دیکھنا پسند کریں گی؟"

حاشر نے اسے سوچ میں گم دیکھ پوچھا۔ طوبیٰ نے تیزی سے سر ہلایا۔

"چلیں۔" حاشر نے ہاتھ کے اشارے سے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ اب وہ اس سے تین چار قدم آگے چل رہی تھی۔

"مس طوبیٰ؟" حاشر نے کچھ سوچتے جھجک کر اسے پکارا۔

"جی کمانڈر؟" طوبیٰ نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا میں آپ کو صرف طوبیٰ کہہ سکتا ہوں؟"

"کہہ سکتے ہیں۔۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"لیکن میں کمانڈر ہی کہوں گی۔۔" اس نے شہادت کی انگلی اٹھاتے شرط رکھی

"صرف حاشر کیوں نہیں؟" حاشر اس کے انداز پر مسکرایا تھا۔

"صرف حاشر کہنا آپ کو عجیب نہیں لگے گا؟" طوبیٰ نے ابرو اچکاتے ہوئے سوال کیا۔

"تو کیا ساری زندگی کمانڈر ہی کہیں گی؟" حاشر نے الجھن بیان کی جس پر طوبیٰ کے چلتے قدم رکے۔

"ساری زندگی کی بات آگئی ہے کیا؟" طوبیٰ کی مسکراہٹ کھلتی گئی۔ گالوں پر گلابی پن چھلکنے لگا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے تو آ ہی گئی ہے۔" حاشر اب اس کے عین سامنے آکھڑا ہوا تھا۔ طوبیٰ نے ایک پل کو اس کی سیاہ گہری چمکدار آنکھوں میں چمکتے رنگوں کو دیکھا اور نظریں چراگئی۔

یہ آنکھیں۔۔ وہ آنکھیں تھیں۔۔ جو اس کے ہوش سنبھالتے ہی اسے اپنے سحر میں قید کر گئی تھیں۔۔ ان پر اسرار گہری سیاہ آنکھوں میں اس نے یہ رنگ یہ چمک دیکھنے کی چاہ ہزاروں بار کی تھی۔ لیکن اب ان رنگوں کو دیکھنے کا وقت آگیا تھا تو ان میں دیکھنا نہ جا رہا تھا۔ اس نے پھر نظریں اٹھا کر ان آنکھوں میں دیکھنا چاہا لیکن ان آنکھوں سے پھوٹتے رنگ اس کی آنکھوں سمیت اس کے دل و دماغ کو بھی ہوش سے بیگانہ کر رہے تھے وہ نظریں جھکا گئی۔ حاشر خاموشی مگر گہری دلچسپی سے اس کے رنگ بدلتے چہرے اور اٹھتی گرتی پلکوں کی جنگ کو ملاحظہ فرما رہا

تھا۔ احساس بھی کیا احساس تھا کہ ارد گرد کا ماحول کچھ لمحوں کے لیے سامنے سے ہٹ گیا۔ کچھ محسوس ہو رہا تھا تو بس وہ رنگ، وہ نایاب اور قیمتی جذبات تھے جو کسی طلسماتی طاقت کی مانند اسے اپنے سحر میں جکڑ رہے تھے۔

"خان صاحب!" باغبان کی کڑک دار آواز پر وہ دونوں بری طرح چونکے اور طلسماتی سحر سے باہر نکل گئے۔ حاشر نے بمشکل اپنا دھیان سنبھالتے عقب میں کھڑے باغبان کی جانب دیکھا۔ طوبی لب بھینچے چور نگاہوں سے حاشر کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"میں کھانا کھانے جا رہا ہوں۔ آپ دیکھ لیں پودے پھول۔ میں پھر آتا ہوں۔"

"جی! جی! سکون سے کھانا کھا کر آجائیے۔ ہم باقی پودے دیکھ لیتے ہیں خود۔" حاشر نے کہا اور ایک نرم نگاہ اس پر ڈالتا آگے بڑھنے لگا۔ طوبیٰ بھی مسکراتی ہوئی اس کے قدموں کے نشانات پر قدم رکھتی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ چہرے پر عجب الوہی چمک تھی جسے وہ چاہ کر بھی چھپا نہیں پارہی تھی۔ مسکراہٹ اٹھ اٹھ کر راز افشاں کر رہی تھی۔



شام کا وقت ختم ہونے کو تھا۔ آسمان ڈوبتے سورج کے رنگ خود میں جذب کرتا کہیں سے گلابی تو کہیں سے سرخ، کہیں سے نیلگوں تو کہیں سے جامنی ہو رہا تھا۔ رنگوں کا یہ حسین امتزاج دیکھنے والے کی آنکھوں کو سکون بخش رہا تھا۔ وہ نرسری سے نکل چکے تھے۔ مسکراتے چہرے کھلے کھلے سے لگ رہے تھے۔ حاشر کیاریاں اٹھا کر گاڑی کی ڈگی میں رکھ رہا تھا

جب طوبیٰ بھی اس کی دیکھا دیکھی کیاری اٹھانے لگی۔ جس پر ایک پل کو
حاشر مانو سٹپٹا ہی گیا۔

"ارے یہ کیا کر رہی ہیں۔۔" حاشر نے اس کے ہاتھ سے کیاری لیتے
ہوئے اسے گھورا۔ دونوں کی انگلیاں آپس میں مس ہوئیں تھیں جس پر
طوبیٰ کچھ خفیف سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"مانتا ہوں ملٹری میں کیپٹن کے عہدے پر فائز ہیں لیکن ابھی ہم ڈیوٹی پر
نہیں ہیں۔۔" اس نے کیاری ڈگی میں رکھتے کہا۔

"ڈیٹ پر ہیں۔۔ اس لیے مجھے جینٹل مین بننے کا موقع دیں۔" اس کی
سادگی سے کہی بات پر طوبیٰ کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں

اور وہ اگلے ہی پل بے اختیار کھکھلا کر ہنسنے لگی۔ حاشر اس کی ہنسی پر الجھ
کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا ہم ڈیٹ پر نہیں ہیں؟" حاشر نے پھر سوال کیا۔

طوبی نے منہ پر ہاتھ رکھتے ہنسی پر قابو پایا۔ چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ لب بھینچتی وہ اپنی مسکراہٹ دبا رہی تھی۔

"ہم ڈیٹ پر ہیں۔۔" وہ مسکراتے ہوئے سر ہلانے لگی۔

حاشر اسے مصنوعی خفگی سے گھورنے لگا۔

"اس بات کا کیا مطلب؟"

"کیا؟ میرا مطلب ہاں ہے۔۔ ہم واقعی ڈیٹ پر ہیں۔۔" وہ مسکراتے

ہوئے کہہ رہی تھی۔

"تو آپ ایسے ہنسی کیوں؟" بچوں جیسی خفگی بھرا انداز۔ طوبی کو اس پل وہ

بے حد پیارا لگا۔

"آپ کے منہ سے ڈیٹ کا لفظ کچھ مختلف لگا مطلب! مجھے آپ کل کہہ سکتے تھے کہ ہم ڈیٹ پر جارہے ہیں تو میں ابھی اس لفظ پر اتنا شاکڈ نہ ہوتی۔۔۔"

"But It was very nice to hear!"

وہ مسکرا رہی تھی۔
"ایسا ہے تو کیا آپ میرے ساتھ کل پھر ڈیٹ پر چلیں گی؟" وہ ساری کیاریاں رکھ چکا تھا دونوں ہاتھ پیٹھ پر باندھے اس سے سوال کر رہا تھا۔ طوبیٰ پھر کھکھلا کر ہنس پڑی۔
"کل؟ پھر؟"

"کیوں آپ کو میرے ساتھ وقت گزارنا اچھا نہیں لگا؟" حاشر نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"دراصل یہ میری زندگی کا پہلا موقع ہے کہ میں کسی لڑکی کے ساتھ باہر وقت گزار رہا ہوں۔۔ آپ بور ہوئیں؟"

"نہیں! بالکل نہیں! مجھے بہت اچھا لگا آپ کے ساتھ وقت گزار کر! میں بالکل بور نہیں ہوئی ان فیکٹ زندگی میں پہلی بار مجھے کسی کے ساتھ باہر وقت گزار کر اتنا اچھا لگا!"

"واقعی؟" وہ بے یقینی سے پوچھ رہا تھا۔ چہرے پر مسکراہٹ در آئی۔
"بالکل!"

"تو کیا ہم پھر ملیں گے؟ کل میں کچھ کتابیں دیکھنے لائبریری جا رہا ہوں تو۔۔"

"پینٹنگ کلاس کے بعد؟" طوبیٰ نے سوال کیا جس پر وہ اثبات میں سر ہلانے لگا پھر ہاتھ کے اشارے سے اسے گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور

اس کے لیے فرنٹ دوڑ کھولا۔ طوبی مسکراتے ہوئے گاڑی میں سوار ہوئی۔ حاشر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھ گیا۔



وہ ایک خوبصورت ترکش ریسٹورنٹ کا منظر تھا۔ آسمان چھوٹے بڑے ستاروں کی جھرمٹ میں چمک رہا تھا۔ ہوائیں جیسے مدہوش کرنے کے در پر تھیں۔ طوبی کے بال اڑاڑ کر اس کے چہرے پر آرہے تھے۔ جنہیں وہ بار بار پیچھے کرتی اور اس پل اگر کوئی حاشر سے پوچھتا کہ دنیا کا خوبصورت ترین منظر کیا ہے تو وہ بلا جھجک سامنے بیٹھی اپنے بالوں سے تنگ ہوتی لڑکی کی طرف اشارہ کر دیتا۔ وہ دو دفعہ اپنا بیگ کھنگال چکی تھی نہ کوئی کلپ ہاتھ لگا تھا نہ کوئی پونی ٹیل۔ دفعتاً حاشر کو ایک خیال آیا اس نے

اپنے جیب میں ہاتھ ڈالا تو ایک سوتی رومال اس کے ہاتھ آیا۔ من تو نہ تھا کہ اسے بال باندھنے دیتا لیکن ایسے وہ کھانا نہ کھا پاتی !

"اس سے کوشش کریں۔" حاشر نے رومال اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ ؟" طوبی کو سمجھ نہ آیا اتنے چھوٹے رومال سے وہ اپنے بال کیسے باندھے جو اچھے خاصے گھنے تھے۔

"May I?"

حاشر نے جھجھکتے ہوئے سوال کیا۔ طوبی ایک پل کے لیے ساکت ہوئی۔ ریسٹورینٹ لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ اپنی خوبصورت و توجہ کھینچنے والی شخصیت سے تو وہ یوں بھی عام لوگوں کی نظروں میں رہا کرتا تھا۔ کیا اسے لوگوں کی پرواہ نہیں ؟ طوبی بے اختیار مسکرائی اور کاندھے اچکا دیے۔ حاشر کو لگا اس کی دلی خواہش پوری ہوگئی ہو۔ وہ اس کے بالوں کو

ہمیشہ سے چھونا چاہتا تھا۔ ان کی نرمی محسوس کرنا چاہتا تھا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آیا اور سامنے سے سے سارے بال بڑی نرمی سے سمیٹنے لگا۔ ایک زلف اس نے جان بوجھ کر اس کے چہرے پر چھوڑی۔ طوبی بے اختیار مسکرائی۔

"ایک رہنے دیتا ہوں۔"

"دیکھ رہی تھی میں آپ کیسے میرے الجھے تنگ کرتے بالوں کو دلچسپی سے انجوائے کر رہے تھے۔"

حاشر آہستہ سے ہنس دیا۔ تو وہ واقف تھی۔

"ایک خوبصورت منظر تھا۔" وہ بولا تو طوبی جھینپ کر کچھ اپنے آپ میں سمٹ گئی۔

حاشر نے اس کے آدھے بال اسی رومال سے لپیٹ کر رومال کو باندھ دیا
باقی کے بال کھلے تھے جو چہرے پر نہ آسکتے تھے۔

"ہو گیا! امید ہے اب یہ تنگ نہیں کریں گے۔" بھینی بھینی خوشبو اسے
مجبور کر رہی تھی کہ وہ جھک کر اس کے بال سونگھ لے لیکن پبلک پلیس
کا خیال کرتے وہ دوبارہ اپنی جگہ پر آ بیٹھا۔ یہ منظر کئی آنکھوں نے بڑی
حسرت سے اپنی یادداشت میں سمیٹا تھا۔



وہ بالکل خاموشی سے بیٹھی تھی۔ شفاف چہرے سے بے رونقی جھلکتی
تھی۔ بالوں کو بغیر کنگی کے پونی میں قید کیا گیا تھا۔ سادہ سی میکسی پہنے
پیروں میں جوتے جن کے تسے نفاست سے نہ بندھے تھے۔ وہ کہیں سے
ہیزیل نہ لگ رہی تھی۔ وقفے وقفے سے لبوں کو دانتوں میں اتنی سختی سے

دبا لیتی کہ بس ان کے پھٹ جانے کی ہی کسر باقی رہ جاتی تھی۔ آنے والے وقت کے خونخوار سائے اسے ڈراتے تھے۔ ان گنت آوازیں اس کے اندر سو خدشات پیدا کرتی تھیں۔ اس کا دل کسی انہونی کے خوف پر یوں سکڑتا جاتا کہ اب کہ تب دھڑکنا ہی بھول جائے گا۔ روح میں ایسی دراڑیں ابھر آئیں تھیں کہ ہر دراڑ سے خوفناک چیخیں اسے بری طرح لرزنے پر مجبور کر دیتیں۔ وہ چہرہ، وہ آنکھیں، وہ لمس وہ اس کے پاگل پن پر ہنستے تھے۔

"کیا چاہتی ہو تم لڑکی؟" گولڈن فاکس کی کھر دری آواز نے اسے چونک کر سہم جانے پر مجبور کیا ایک پل کو گولڈن فاکس بے یقینی سے اپنی بیٹی کو دیکھتا رہ گیا۔ کیا یہ وہی ہیزیل تھی؟

"تمہارے وجود سے شراب کی بھانس آرہی ہے۔ کیا تم شراب سے غسل کر کے آئی ہو۔۔۔" گولڈن نے ناگواری سے کہا۔

ہیزیل نے سر اٹھا کر خالی خالی آنکھوں سے باپ کا چہرہ دیکھا اور دیکھتی رہی پھر ایک کھوکھلی ہنسی ہنس کر فرش کو گھورنے لگی۔

"تمہارا دماغی توازن بگڑ چکا ہے۔۔۔ ورنہ تم بغیر کسی وجہ کے ایک انسان کا قتل نہ کر دیتیں۔۔۔"

"آہ!۔۔" کاش وہ ایسا نہ کرتی پر اور کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ اسے یہاں نہ لے کر آتے۔ اس محل میں۔ گولڈن فاکس کے پاس! شاید اب کوئی راہ نکل آئے۔ یقیناً اس کی یہ حالت جزیرے والے محل میں قید رہ کر ہی ہوئی تھی۔ اسے ماسکو ایئرپورٹ سے فلائٹ سے چھ منٹ پہلے پکڑ لیا گیا تھا۔ وہ تو پوری تیاری کے ساتھ نکلی تھی بہت ہوشیاری سے بہت احتیاط سے

-- لیکن قسمت نے اب ساتھ چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ مات پر مات کھاتی زمین میں دھنس رہی تھی۔ چہرے پر مایوسی کے آثار نظر آنے لگے۔

"میں تم سے مخاطب ہوں ہیزیل!" گولڈن اس کی بے نیازی اور خاموشی پر مزید سیخ پا ہونے لگا۔

"تم پاکستان کیوں جا رہی تھیں؟"

"وہ۔۔ کتاب حاشر۔۔ کے پاس ہے۔۔ حاشر شیر کا بھائی ہے ڈیڈ! میں۔۔"

"جانتا ہوں۔۔" سامنے کوئی حیرت، بے یقینی کچھ نہ تھا۔ وہ چیخ کر رہ گئی۔

"پہلے مجھے لگا کہ شیر ہی ہو سکتا ہے۔۔ اس کو ڈھونڈ رہا تھا میں۔۔ لیکن پھر

میں نے عمش کی خبر سن لی۔۔ اور میں سمجھ گیا۔۔"

"شیر نہیں۔۔ وہ حاشر تھا۔۔ ہمارے گودام میں دھماکے سے لے کر
۔۔ کتاب کے غائب ہونے تک۔۔ یہ سب شیر نے نہیں۔۔ حاشر نے کیا
تھا۔۔" گولڈن فاکس سرد لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ہیزیل یک ٹک اپنے باپ
کو دیکھ رہی تھی۔

"وہ جانتا تھا کہ مجھے گرفتار کرنے اور غائب کرنے سے اسے کوئی فائدہ
حاصل نہ ہوگا۔۔ مجھے روسی حکام کبھی کسی خفیہ ایجنسی کے ہاتھ میں نہ
دیں گے۔۔ اس لیے اس نے گرفتاری کے لیے عیش پر اکتفا کیا اور کتاب
چرا کر مجھے پیشواؤں کے سامنے مشکوک کر دیا۔۔ اس نے میری پوزیشن
کو کمزور کر دیا۔۔ اور اس میں شیر نے بھی اپنا کردار ادا کیا لیکن ایسے کہ
اس پر گزند تک نہ آئے۔۔ شیر نے وقت پر اپنے آپ کو پبلک پر ظاہر

کردیا اور اپنی پوزیشن کلیر کر دی تاکہ اس کے پیچھے کوئی آئے تو دنیا جان جائے کہ اس کی کہی باتیں درست تھیں۔۔

اس نے دولت چھوڑ دی۔۔ اپنی محنت سے بنائے ایمپائر سے لا تعلقی کا اظہار کر دیا۔۔ مجھے تنہا چھوڑ دیا کہ اپنے کیے کا خود جانو۔۔ میں تو تمہیں روکتا تھا۔۔

میں نے شیطانیت کو چنا اور اب وہ مجھے نہیں چھوڑیں گے۔۔ اس کتاب میں کئی راز ہیں۔۔ اس میں صاف صاف لکھا ہے کہ وہ ہمارے شاہی خاندان کو شیطان کی طرف سے دی گئی تھی۔۔ "وہ جو اب تک سپاٹ انداز میں کہہ رہا تھا یک دم جلال میں آکر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس وقت آدھی سے زیادہ پبلک اسرائیل کے خلاف ہے۔۔ اور شیر بھی اسی کے خلاف ہے۔۔ وہ محفوظ ہے۔۔ محفوظ ہے وہ اور ہم خطرے

میں۔۔ ہمیں ہمارے ہی لوگوں سے خطرہ ہے۔۔ یقیناً وہ کتاب کا سچ جاننے کے بعد مجھے نہیں چھوڑیں گے اور تم کیا کرنے جا رہی تھیں؟ اپنی محبت کا اظہار کرنے؟" وہ یک دم چیخا تو ہیزیل گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بیٹھو!" وہ حلق کے بل چلایا۔

"میں نے کئی دفعہ کوشش کی تھی اسے قتل کرنے کی۔۔ کیوں کہ میں جانتا تھا وہ آئے گا۔۔ وہ ڈارک آئی۔۔ حاشر! پاکستان کا خطرناک ترین جاسوس۔۔ جو ہر دفعہ بچ نکلتا تھا۔۔ وہ شیر کی پرچھائی جیسا ہے۔۔ میں پچھلے پندرہ سالوں سے کوشش کر رہا تھا اسے دبوچ لوں لیکن ہر بار وہ ایسے غائب ہو جاتا تھا جیسے کوئی وجود ہی نہ رکھتا ہو۔۔ لیکن پھر وہ واقعی غائب ہو گیا تھا۔۔ وہ منظر سے ہٹ گیا تھا اس نے ادھر ادھر سے آکر

اپنے وجود کا احساس دلانا چھوڑ دیا تھا ہمیں۔۔ عمش نے کہا وہ اب ہمارے پیچھے نہیں آئے گا۔۔ اس کا ٹارگٹ بدل چکا ہے۔۔ لیکن یہ دھوکہ تھا۔۔ اس نے ہماری توجہ حاصل کرتے ہمیں اپنے پیچھے لگایا اور ہماری معلومات حاصل کرتا رہا۔۔ پھر خاموشی سے غائب ہو گیا۔۔ اور ہمیں لگا کہ وہ مایوس ہو کر جا چکا۔۔ اور اس نے جب دوبارہ ظاہر ہو کر اپنا کام شروع کیا تو شیر نے اس کی واپسی کو چھپایا۔۔ وہ اپنے بھائی سے لا تعلق رہ کر بھی اس کے موجودگی کی تصدیق نہ کرتا تھا۔۔

"اس لیے جب پہلی دفعہ میں نے حاشر کو دیکھا تو شیر نے ہمیں دھمکایا کہ اگر اس کا ذکر کیا گیا تو وہ ہمارے راز کھولے گا۔۔ لیکن دوسری دفعہ اس نے ایسا نہیں کیا کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ حاشر کامیابی کے قریب ہے اور جلد یا بدیر وہ اپنا کام کر کے بھاگ جائے گا۔۔"

"تمہیں مجھے بتانا چاہیے تھا۔" گولڈن نے تلخ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ نے کبھی مجھے اہمیت دی ہوتی تو میں آپ کو کچھ بتاتی۔ آپ ہمیشہ اس شیر کے پیچھے پاگل رہے۔"

"کیوں کہ مجھے اس خبیث انسان سے محبت تھی۔ اس نے مجھے دولت کی فراوانی سے خرید لیا تھا وہ سالانہ مجھے اربوں ڈالر کے فائدے پہنچا رہا تھا مجھے معلوم ہوتا کہ اس کے لیے یہ دولت معنی ہی نہیں رکھتی۔ یہ طاقت کا نشہ تو ایک دھوکہ ہے جو اس نے اپنے اوپر طاری کر رکھا تھا۔ تو مجھے معلوم ہوتا کہ اس کی اصلیت کیا ہے۔۔۔ مجھے لگا دولت اور

طاقت کا نشہ ہمیں کبھی ایک دوسرے سے الگ نہیں کرے گا ہم کبھی ایک دوسرے سے اختلاف نہ کریں گے۔۔۔ لیکن ایسا نہیں تھا وہ ایک ہی

جھٹکے میں دولت میرے منہ پر مار کر ایک طرف ہو گیا۔۔۔ میں یہاں آکر ہار گیا۔۔۔" اس نے دونوں ہاتھ اپنے سر پر دھر دیے۔

"وہ سرعام منہ پھاڑ کر کہتا تھا کہ میں مخلص ہی نہیں۔۔۔ پر میں سمجھتا تھا کہ وہ فقط کہتا ہے۔۔۔ یہ نہ جانتا تھا کہ وہ واقعی میرے لیے کبھی مخلص نہیں ہو سکتا۔۔۔"

ہیزیل یک ٹک باپ کے چہرے کو دیکھتی رہی۔

"آپ مجھے پاکستان جانے دیں۔ صرف ایک بار!"

"تم کہیں نہیں جا رہی۔ اپنی محبت کو دل میں ہی دفن کر لو۔۔۔ تم حاشر کے پیچھے نہیں جاؤ گی۔ تم اس سے ملی تو مشکل میں پھنس جاؤ گی۔۔۔"

"میں نے بیماری کا نائک کر کے خود کو محل میں نظر بند کیا ہے جانتی ہو کیوں؟ کیوں کہ میرے ساتھی جو میرے ساتھ سالوں سے شیطانی نظام

میں کام کر رہے تھے اب وہ مجھے دیکھ نہیں سکتے تھے۔ جس پل انھیں یقین ہوا کہ میں نے وہ کتاب کھودی ہے۔ وہ مجھے ختم کر دیں گے۔ انھیں میری دولت اور طاقت ختم کرنی ہے کیوں کہ اب میرے ساتھ شیر نہیں ہے۔ شیر ان کی آنکھ میں چھنے والا سب سے بڑا کانٹا تھا جو اب خود ہی نکل کر جاچکا۔ وہ میری پوزیشن کو گریٹ ڈیول کے سامنے گرانا چاہتے ہیں۔ وہ ثابت کر دیں گے کہ میں اس گروہ میں رہنے کے لائق نہیں کیوں کہ میں تو ایک کتاب تک کی حفاظت نہیں کر سکتا اتنے بڑے مقصد کو کیسے سنبھالوں گا۔ ہمیں فی الحال خاموش رہنا ہے۔ یہ چند ہفتے گزر جانے دو۔۔ پھر میں کسی طرح اس کتاب کو دوبارہ حاصل کر لوں گا اور پھر میں انھیں ان سب کی اوقات پر واپس لاؤں گا۔ میں گولڈن فاکس ہوں۔ آخری بادشاہ کا پرپوتا۔ جسے گرانا اتنا آسان

نہیں۔۔۔" وہ خطرناک نگاہوں سے سنگ مرمر کے فرش کو گھورتے ہوئے خطرناک انداز میں کہہ رہا تھا۔

"پھر میری حکومت ہوگی۔۔۔ پھر میری طاقت کا ڈنکا بجے گا تب کوئی شیر کوئی حاشر اپنی طاقت کا استعمال نہیں کر پائے گا۔۔۔ تب دوبارہ صرف ایک ہی بادشاہ ہوگا۔ جس کا نام گولڈن فاکس ہوگا۔۔۔"

لہجے سے ٹپکتا عزم ہیزیل کو بھی حوصلہ دے رہا تھا وہ کچھ مطمئن نظر آنے لگی۔ لیکن آنکھیں کسی گہری سوچ کا پتا دے رہی تھیں۔ دل ہنوز حاشر پر اٹکا تھا۔

یہ تو طے ہو چکا تھا کہ اب کسی صورت وہ شخص اس کے دلوں دماغ سے چھٹنے والا نہ تھا۔ باپ کی زبانی سارا قصہ سننے کے بعد دلچسپی کا عنصر مزید بڑھ گیا تھا کم یا ختم نہ ہوا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ آنے والے وقت

میں اسے کیا کرنا تھا؟ کیسے رہنا تھا؟ زندگی کس قدر تبدیل ہوگی لیکن اتنا ضرور جانتی تھی کہ اس کی زندگی کے دائرے میں وہ چہرہ ہمیشہ رہنے والا تھا۔



نیل سٹی ریسٹورنٹ کا منظر کچھ یوں تھا کہ سامنے ہی سٹینگ ایریا تھا جہاں ان گنت میزیں اور ان پر بیٹھے مختلف رنگ و نسل کے لوگ جو یقیناً سیر و سیاحت کے بعد اس معروف ہوٹل کا کھانا کھانے آئے تھے۔ ڈینیل سر شام ہی کسی لڑکی سے ملاقات کے لیے ہوٹل سے نکل گیا تھا۔ شیر اور جنت ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ساتھ چلتے کئی نگاہوں کا منظر بنے یہاں داخل ہوئے تھے۔ شیر سمندری رنگ کی شرٹ پہنے آستینیں کہنیوں تک موڑے ہوئے تھے۔ سر پر سیاہ کیپ جس سے آدھا چہرہ

چھپ سا گیا تھا۔ جنت نے سرمئی رنگ کی گھٹنوں سے کچھ نیچے تک آتی
میکسی پہن رکھی تھی جس پر ننھی سی چیک والی شرٹ جو آگے سے باندھ
رکھی تھی۔ گلے میں خوبصورت سا ناچتی ہوئی لڑکی کا پینڈنٹ تھا۔ شیر
اسے لیے دوسری طرف آیا جہاں سامنے کئی فیریز کھڑی تھیں۔ کچھ
لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں اور رخت سفر باندھنے کو تھیں۔ تو
کچھ مزید مسافروں کی منتظر تھیں۔

"انھیں یہاں فیلوکا کہاں جاتا ہے۔" شیر نے رنگ برنگی بتیوں سے سچی
فیلوکا کشتیوں کی جانب دیکھتے جنت کو بتایا۔ جنت پر جوش سی اشتیاق بھری
نظروں سے اس خوبصورت منظر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں
دلچسپی کا سمندر اٹھ آیا تھا۔

"یہ یہاں ہمیں دریا کا لمبا سا چکر دلوائیں گے اور اسی میں ہم ڈنر کریں گے۔" شیر نے اس کا ہاتھ پکڑتے اسے نہایت احتیاط سے بوٹ پر سوار ہونے میں مدد دی۔

ان کی بوٹ کچھ چھوٹی اور پرائیوٹ تھی۔
 "ہم اس پر جائیں گے؟" جنت نے دوسری کشتیوں کو دیکھتے پھر اس بوٹ کو دیکھا۔
 "ہاں کیوں؟"
 "ان پر کیوں نہیں۔" جنت کا منہ بن گیا۔
 "ان میں کافی بھیڑ ہے۔ اور ہم نے ڈنر بھی کرنا ہے۔"

"تو کیا ہوا ڈنر وہاں کر لیں گے؟" جنت نے ریستوران کی طرف اشارہ کیا جس کی ایک بھی میز خالی نہ تھی۔ یہاں میزوں کو خالی ہونے میں وقت

لگتا تھا اور لوگ انتظار کرتے تھے کہ کب کوئی میز خالی ہو تو ان کی باری آئے۔

"چھوٹی چڑیل میں بھیڑ افورڈ نہیں کر سکتا۔" شیر نے نرمی سے اس کے اڑتے بالوں کو کان کے پیچھے کیا۔ جس پر جنت اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"ایسا نہیں کہ مجھے عام لوگوں کے درمیان رہنا پسند نہیں! یا میں خود کو بہت خاص سمجھتا ہوں۔ تم جانتی ہو میری بھی فینٹسی ہے کہ میں پہچان لیے جانے کے خیال سے مبرا ہو کر عام لوگوں کی طرح ایسی چیزیں انجوائے کروں۔ پر میری زندگی اور حالات اس کی اجازت نہیں دیتے۔ کم از کم ابھی تک تو نہیں۔ مصر میں لوگوں کے لیے میں زیادہ انجان نہیں۔ فوراً پہچان لیا جاؤں گا۔ ابھی کچھ احتیاط لازمی ہے۔" اس

نے قدرے نرمی سے اس کے دونوں ہاتھ تھامے وضاحت کی۔ جسے جنت فوراً سمجھ کر اثبات میں گردن ہلانے لگی۔

"چلو چلتے ہیں۔۔" جنت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سمجھنے کے لیے شکریہ!" شیر نے اس کا کاندھا تھپتھپایا اور آگے بڑھ کر اس کے لیے کرسی گھسیٹی۔

"یہ بہت خوبصورت ہے۔۔" جنت دریا پر پڑتی چاند کی روشنی اور ابھرتی لہروں کو دیکھتی محویت سے بولی۔

"بالکل! تمہاری آنکھوں میں سمندر پر پڑتی روشنی روشن ہو کر انھیں مزید خوبصورت بنا رہی ہے۔۔ میرے لیے یہ منظر زیادہ

خوبصورت ہے۔۔" شیر نے اس کے چہرے کی طرف اشارہ کیا۔ جنت بے اختیار ہنس دی۔

"تم فلرٹ کا کوئی موقع جانے نہیں دیتے!"

"پھر تو تمہیں شکر گزار ہونا چاہیے ناں!" وہ بھی ہنس دیا۔ شیر نے اشارہ

کرتے دور کھڑے بیرے کو کھانا سرو کرنے کا کہا۔ جس پر وہ سر ہلاتا
کیبن کی طرف چل دیا۔

"حسام کی اگلے ہفتے شادی ہے۔ اور وہ ہماری وہاں موجودگی کو لے کر

بہت خوش ہے تو ہمیں جانا ہے۔"

شیر ایک پل کو چونکا پھر کچھ سوچتا رہا پھر اپنی طرف اشارہ کیا۔

"مجھے بھی؟"

"ہاں! تمہیں بھی! تم نے اس کی بغیر بتائے مدد کی تھی وہ جانتا ہے اور

بہت شکر گزار ہے۔" جنت نے کہا۔ چہرے پر مسکراہٹ اور آنکھوں

میں فخریہ احساس ہلکورے لے رہا تھا۔

"اوہ! ایسا ہے۔۔ چلتے ہیں پھر!" شیر نے سر کو اثبات میں ہلکا سا خم دیا۔

"تم نے اپنا ٹیڈو کیسے ہٹایا شیر؟" جنت جو اکثر اس کے ہاتھ کی پشت کو دیکھ یاد کرتی تھی کہ یہاں ایک شیر کی شکل کا ٹیڈو ہوا کرتا تھا۔

"وہ ٹیڈو بہت عام ہو چکا تھا میں نے کافی لوگوں کے ہاتھ پر ایسے ٹیڈو دیکھے تو کسی روز موقع پا کر لیزر ٹریمنٹ کروا لیا۔" اس نے اپنی ہتھیلی کی پشت کو دیکھتے کہا۔

"اور جو تمہاری چسٹ پر تھا؟" جنت نے ایک اور سوال کیا۔

"وہ بھی!" شیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہیں ٹیڈو کیسے یاد آگئے اچانک؟" شیر نے ایک ہاتھ گال پر ٹکاتے سوال کیا۔ جنت نے کاندھے اچکا دیے جیسے کہہ رہی ہو بس یوں ہی!"

"تم اپنی بزنس میٹنگ کے لیے گئے تھے دوپہر میں؟"

"نہیں! غازی کے لیے۔۔" شیر نے مختصر جواب دیتے گہری سانس لی۔ جنت کے چہرے پر تجسس کے آثار نظر آنے لگے۔

"غازی تمہارے لیے بہت زیادہ اہم ہے؟"

"غازی میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔۔" شیر نے آمہستگی سے کہا۔

جنت کے تاثرات میں ایک نیا رنگ اتر آیا۔

وہ میرے لیے اتنا ہی اہم ہے جتنے میرے بابا اور تم۔۔"

"اور حاشر؟"

"حاشر!" شیر نے زیر لب اس کا نام دہرایا۔

"وہ میرا بھائی ہے جسے میں نے بچپن میں کھو دیا۔ پھر زندگی کے مختلف

مراحل میں مجھے وہ ملا لیکن بہت فاصلے پر! بچپن کے بعد جب میری

اس سے پہلی ملاقات ہوئی تو تب میں اٹھارہ سال کا تھا۔ "شیر نے دور دریا کی خاموش سطح پر اپنی نگاہیں ڈالتے ہوئے کہا۔

ماضی !

شہر ماسکو تھا۔ اسٹیٹ یونیورسٹی کے بزنس ڈپارٹمنٹ میں وہ اور غازی باسکٹ بال کھیل کر واپس آرہے تھے۔ غازی تھکن سے چور اور پسینے سے لبریز تھا جبکہ شیر آسکریم سٹ تھا۔ سکون سے چل رہا تھا۔ دفعتاً اس کی نگاہ ایک طرف پیٹھ کیے بیٹھے لڑکے پر پڑی۔ وہ سفید کوٹ پہنا ہوا تھا اس کے چہرے کا ایک حصہ ظاہر تھا۔

"غازی میری کلاس ہے۔۔ تم اب جاؤ اسکول!"

"اسکول؟ میرا پیپر تھا چھٹی ہو چکی ہے اب۔" سولہ سالہ غازی معصوم چہرے اور خوب صورت نقوش والا عرب لڑکا تھا۔ جس سے غازی کی دوستی ایک اسپورٹ کلب میں ہوئی تھی۔

"تو پھر ہاسٹل جاؤ اپنے۔" شیر کہہ کر وہاں سے غائب ہی ہو گیا۔ وہ اس لڑکے سے کچھ فاصلے پر تھا۔ موقع کا متلاشی کہ کب وہ اسے کسی خاموش گوشے میں ملے۔ تقریباً دو گھنٹے بعد شیر نے اسے بیک یارڈ میں بائیک اسٹارٹ کرتے آلیا تھا۔

"رکو!" شیر کی آواز پر حاشر ٹھہر گیا اور بائیک سے اترا۔ خاموش نگاہیں خاموش ہر گز نہ تھیں۔ ان میں ایک بے چینی سی تیر رہی تھی۔

"اپنا ماسک ہٹاؤ۔" شیر نے حکم دیا۔

"کیوں؟" حاشر سے سرد مہری سے اردو میں سوال کیا۔ اس کی آنکھوں میں گہرا سوال تھا۔

"میں ایک بات کی تصدیق چاہتا ہوں۔" شیر نے اردو میں جواب دے کر اس کی آنکھوں کے بدلتے رنگ دیکھے۔ آگاہی سے ادراک تک کا سفر لمحوں میں طے ہوا۔ اگلے ہی پل حاشر کی نگاہیں سرد و جامد ہو گئیں۔ شیر جو اس کی آنکھوں کے رنگ ملاحظہ کر رہا تھا۔ چند قدم آگے بڑھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"تمہیں اس سے مطلب؟" حاشر نے نفرت سے کہا۔ اس کا دل بری طرح کٹ چکا تھا۔ وہ خود کو اتنے سال اذیت میں رکھا رہا اور اب تصدیق ہو چکی تھی۔ شیر زندہ تھا یہ تو بہت پہلے وہ جان گیا تھا لیکن اسے لگا کہ شاید وہ اسے بھول گیا ہو۔ ایک جھوٹی تسلی تھی خود کو بہلانے کی۔ کہ

شاید اس کے نا سمجھ بھائی کے ذہن سے وہ مٹ گیا تھا تبھی وہ کبھی پلٹ کر نہیں آیا۔ لیکن وہ اردو بول رہا تھا تو یقیناً کچھ نہ بھولا تھا۔

"کیا تم مجھے ڈھونڈنے آئے تھے؟" شیر نے سوال کیا۔

"تم تو مر نہیں گئے تھے؟ تمہیں کیوں ڈھونڈتا میں۔۔ تمہاری ضرورت پوری ہو چکی تھی تمہیں بابا مل گئے تھے اور مجھے میری ماں!

حساب کتاب ختم ہو چکا تھا۔ غلط فہمی میں مت رہو کہ حاشر تمہارے لیے یہاں ہے۔۔ میں اپنے کام کے سلسلے میں یہاں ہوں۔ اگر تمہارے لیے ہوتا تو پچھلے تین مہینے سے یہاں رہ کر تم سے مل ہی لیتا۔ آئندہ میری راہ میں مت آنا!" حاشر نے اسے بری طرح جھڑک دیا تھا۔ شیر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھیں سرخ پڑنے لگیں۔

"تم پچھلے تین مہینے سے یہاں ہو؟"

"ہاں! مجھے چلنا چاہیے۔" حاشر نے ایک اچھتی نگاہ ڈالی۔ شیر کے تاثرات بھی بدل گئے۔ اجنبیت آنکھوں میں در آئی۔

"جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے چلے جاؤ! میرے آس پاس رہنا تمہارے لیے ٹھیک نہیں۔" شیر نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ اسے ڈھونڈنے نہیں آیا تھا تو یہاں کیوں تھا یہ سوال سوچتے ہی اس نے جان لیا کہ وہ یہاں کیوں ہو سکتا تھا۔

"میرے لیے کیا ٹھیک ہے کیا غلط اس کا فیصلہ ایک اٹھارہ سالہ منچلا نوجوان تو نہیں کر سکتا؟ کیا تم میری زندگی کے فیصلے کرو گے؟"

"میں تو صرف ایک مشورہ دے رہا تھا۔" شیر نے طنزیہ لہجہ اپنایا۔

"اگر بابا کو۔"

"مجھے ان کا نام نہیں سننا!" حاشر نے تلخ لہجے میں کہا۔

تو وہ ہم دونوں کو ہی پسند نہیں کرتا اب! شیر نے سوچا۔
 "میں صرف اتنا کہہ رہا تھا کہ وہ روس میں نہیں ہیں۔۔"
 "اطلاع کے لیے شکریہ لیکن اس سے میرا کیا تعلق؟"
 "بابا کے لیے بھی نہیں آئے تھے تم؟" شیر نے پوچھا۔
 حاشر بے اختیار ہنس دیا۔ طنزیہ تلخ ہنسی۔ کاٹ دار چھنے والی ہنسی۔
 "میری زندگی میں تمہارا یا تمہارے باپ کا کوئی وجود نہیں رہا! میں تم
 لوگوں کے پیچھے ایک گلی سے دوسری گلی تک نہ جاؤں۔۔ روس آنا بہت
 دور کی بات ہے۔۔" وہ بانیک پر سوار ہونے لگا۔ شیر چپ چاپ اسے
 جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اسے حاشر کے بھیجے گئے خط یاد آنے لگے جنہیں وہ
 پڑھ کر جلادیا کرتا تھا۔ ان خطوط سے ظاہر ہوتی محبت اس حاشر میں تو
 ظاہر ہی نہیں ہوئی۔ یقیناً وہ ان سے مایوس اور خفا ہو چکا تھا۔

شیر کو اس کی فکر ہونے لگی۔ اسے یہاں نہیں ہونا چاہیے تھا۔ کہیں یہ گولڈن کی نگاہ میں نہ آجائے۔ وہ ماضی کا سفر کرتا حال میں آپہنچا۔

"مجھے اس سے محبت تھی۔ کچھ کچھ حسد بھی کہ اس کے پاس ایک خوبصورت ماں ہے جو مجھے پسند نہیں کرتی تھی۔ پھر ذرا سا اطمینان کہ باپ میرے پاس ہے لیکن وہ خطوط جنہیں میں پڑھ کر جلا دیتا تھا اس سے مجھے ایک احساس سا رہتا کہ وہ میرے ساتھ ہی ہے۔ ان خطوط سے میں اس کی کمی پوری کر لیا کرتا تھا لیکن وہ خط میں نے اپنے بابا کو کبھی نہ دکھائے کیوں کہ مجھے ڈر تھا کہ اس کے لفظوں کی تڑپ اور محبت کی چاشنی بابا کو پاکستان جانے پر مجبور نہ کر دے۔ پھر اس کے بعد خط آنارک گئے۔ ٹھیک چھ ماہ بعد میری زندگی میں گولڈن فاکس آگیا۔۔۔ اس کے بعد مجھے کبھی کبھی حاشر کا خیال آتا کہ وہ کبھی میرے پیچھے کیوں نہ

آیا۔ اور شاید اسے بھی یہی گلہ رہا کہ میں واپس کیوں نہ جاسکا۔ میری زندگی میں جب گولڈن فاکس آیا تو مجھے لگا اس دائرے میں کم از کم حاشر کو نہیں ہونا چاہیے۔ اور جب مجھے اس روز وہ یونیورسٹی میں ملا تو میں نے اس کی کھوج شروع کی۔

وہ اپنی زندگی کا چیمپئن تھا۔ "شیر کی آنکھوں میں فخر اتر۔"
"مختلف فیلڈز میں کام کرتا فوج میں بھرتی ہو چکا تھا۔ اکیڈمک چیمپئن روس میں سائنس کا ایکسچینج اسٹوڈنٹ تھا۔ میں بزنس پڑھ رہا تھا اور سائنس میرا مشغلہ تھا جبکہ وہ بھی سائنس کی اسی فیلڈ کا چیمپئن تھا۔ اگلے تین ماہ میں ہماری کئی ملاقاتیں ہوئیں لیکن نہ وہ اپنی شخصیت مجھ پر کھول سکا نہ میں ! ہم دونوں ہی اپنی ذات کے زندان میں قید رہے۔ پر ہم دونوں جانتے ہیں کہ ہمارے خونی رشتے کے آگے یہ

اختلافات یہ انا اور ذات کی قید فقط ایک بہانہ ہے۔ ہماری ہر ملاقات طنز اور طعنوں سے شروع ہو کر مار کٹائی پر ختم ہو جاتی تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت بھی کرتے تھے۔ حسد بھی کرتے تھے۔ ایک دوسرے سے چڑھتی تھیں! ہمارے پاس لڑنے کے سو بہانے تھے ہم لڑے اور خوب لڑے لیکن ایک بات ہے کہ ہم نے سامنے ہو کر لڑائی کی کبھی ایک دوسرے کے پیٹ پیچھے وار نہیں کیے۔ جب کبھی موقع ملتا تو ہم ایک دوسرے کو پیغامات بھی بھیج دیتے۔

"کیسے پیغامات؟" جنت متجسس سی دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہی تھیں۔

"منجبری کر دیا کرتا تھا میں کبھی کبھی!"

"وہ جانتا تھا میری اس کی زندگی کے معاملات پر نظر ہے۔۔ لیکن وہ پھر بھی پوری کوشش کرتا کہ میں بے خبر رہوں۔۔ اسے شاید مجھ پر بھروسہ نہیں تھا۔۔ پر میں نے موقع ملنے پر اسے احساس دلایا کہ میں اسے بھولا نہیں تھا۔۔ نہ میں اس کا دشمن ہوں۔۔ اب جا کر وہ تھوڑا کم تلخ رہتا ہے مجھ سے! اور میری کی گئی مدد کو بغیر کوئی طعنہ دیے قبول کر لیتا ہے۔۔"

"تو اب وہ تم پر بھروسہ کرتا ہے؟"

"کسی نہ کسی حد تک!"

"تم اسے منا کیوں نہیں لیتے؟"

"کیا اسے سمجھ نہیں جانا چاہیے کہ چھوٹا بھائی اتنے فیورز دے رہا ہے تو خود ہی تھوڑی نرمی دکھا دے۔۔" شیر نے تلخی سے کہا تو جنت کھکھلا کر ہنس دی۔

"تم دونوں بھائیوں کی کہانی بہت دلچسپ اور خوبصورت ہے۔ مجھے یقین ہے وہ بھی تم سے اتنی ہی محبت اور تمہاری اتنی ہی فکر کرتا ہے۔"

"محبت اور فکر ایک طرف وہ اتنے سالوں تک مجھے کوئی دہشت گرد سمجھتا رہا۔"

"تو تم نے اپنی زندگی کو اتنا گہرا راز بنا کر رکھا ہوا تھا کہ میں خود کبھی سمجھ نہیں پاتی تھی کہ اصل میں تم ہو کیا؟ اچھے ہو۔۔ برے ہو۔۔ یا اچھائی اور برائی کا امتزاج!"

"اور اب؟" شیر نے ایک ابرو اچکاتے جانچتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"بہت کچھ جان گئی ہوں۔۔ باقی بھی ساتھ رہ کر جان جاؤں گی۔۔ تم خود بھی زندانِ ذات میں قید ہو۔۔ تمہاری ذات کے زندان میں پوری طرح

داخل ہو جاؤں تو مکمل طور پر تمہیں جان لوں گی۔۔" جنت مسکراتے ہوئے بولی۔

"اچھا تو ایسی بات ہے۔۔" شیر نے ہنستے ہوئے سر جھٹک دیا۔ جنت مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ گاہے بگاہے اپنی زندگی کے چھپے اوراق اس کے سامنے کھول رہا تھا۔ یہ احساس ایسا تھا کہ دل میں محبت کا سیپ اپنائیت کے موتی کو سینچ کر جنت کو اس پر یقین کرنے دے رہا تھا۔ ایسا یقین جس پر کسی شک، کسی خدشے کی دھول نہ پڑ سکے۔ وہ سب کی زندگی کے رازوں کو کھوجنے والا اس کے سامنے اپنی زندگی کے راز ایک ایک کر کے رکھ رہا تھا۔ جنت کو یہ پہلو کسی اعزاز کی مانند لگ رہا تھا۔ وہ آنکھوں میں یقین کی گہری چھاپ لیے مسکراتے ہوئے اسے دیکھ

رہی تھی۔ وہ اس کے لیے پلیٹ میں کھانا رکھ رہا تھا۔ جنت کو بے اختیار اپنی قسمت پر رشک آیا۔



اریب اپنی تیاری مکمل کرچکا تھا۔ آج شام وہ حیدرآباد جا رہا تھا۔ یوں تو اس کے والد اور بھائیوں کا کاروبار کراچی میں تھا لیکن فی الحال اس کے بھائی کی شادی کے سلسلے میں سارا خاندان آبائی گاؤں جمع تھا۔ اتنے عرصے بعد گھر والوں سے ملنے کی خوشی چہرے سے خوب ظاہر تھی۔ وہ ہشاش بشاش نظر آرہا تھا تب ہی اس کا فون بجنے لگا۔ اس نے بیگ ایک طرف رکھتے فون اسکرین پر نگاہ ڈالی حاشر کا نام دیکھ وہ جلدی سے فون اٹھانے لگا۔

"جی کمانڈر!" ادب اور احترام لہجے سے صاف جھلکتا تھا۔

"کیسے ہو اریب؟" حاشر نے بے تکلفی سے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟"

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ کیا تم ابھی اسلام آباد میں ہو؟"

"جی جی! بس آج شام واپسی ہے۔" اریب نے بتایا۔

"اچھا پھر ایسا کرو آج دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ۔ پھر دوبارہ ملاقات جانے کب ہو؟"

"میں تو نکاح کے دعوت نامے کا منتظر ہوں۔ جلد از جلد واپس لوٹنے کا

سوچ رہا ہوں۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ تو حاشر بے اختیار ہنس دیا۔

"فکر نہ کرو سب سے پہلا دعوت نامہ تمہیں ہی ملے گا۔"

"ہاہا میں تو سمجھا آپ بھی طوبیٰ کی طرح چڑ کر جھٹلا دیں گے۔ لیکن

یہاں تو قصہ ہی مختلف ہے۔"

"اب تو جھٹلانے اور چڑنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔" حاشر ہنس دیا۔

"میں بہت خوش ہوں آپ کے لیے۔"

"شکریہ! چلو میں انتظار کروں گا۔"

"جی جی ضرور! کہاں ملنا ہے؟" اریب نے سوال کیا۔

"میرے اپارٹمنٹ میں۔"

"ملتے ہیں پھر! ان شاء اللہ!" اریب نے کہہ کر فون بند کر دیا۔



حاشر لان میں کرسی پر بیٹھا کافی کا کپ تھامے اسلام آباد کے موسم کی خوشگواہی کو اپنے اندر محسوس کر رہا تھا۔ لان میں لگے پھولوں کی خوشبو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ وہیں قریب عظمیٰ خاتون کی وہیل چیئر بھی موجود تھی۔ ان کے ہاتھوں میں کئی پھول تھے جو حاشر ان کے لیے لان

سے چن کر لایا تھا۔ وہ انگلیوں سے پھولوں کو سہلاتیں حاشر کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

"حاشر کا خط نہیں آیا۔" وہ قدرے آہستگی سے گویا ہوئیں۔ حاشر کے ہاتھ سے کپ چھوٹے چھوٹے بچا۔ اس نے بے یقینی سے ماں کا چہرہ دیکھا۔ کتنے دن بعد یہ نام ماں کی زبان پر آیا تھا۔

"جی؟" اسے لگا شائد سننے میں غلطی ہوگئی ہو۔

"حاشر کا خط کہہ رہی ہوں۔ کب لوٹے گا وہ؟ دو سال ہو گئے اسے دیکھے۔۔۔" وہ پھولوں پر ہاتھ پھیرتیں کہہ رہی تھیں۔

"کہہ رہا تھا چھ ماہ لگیں گے۔"

دو سال پہلے وہ کہاں گیا تھا اس نے سوچنے کی کوشش کی اور پھر اسے یاد آیا کہ دو سال قبل وہ کسی مشن پر امریکا گیا تھا اور چھ بعد لوٹا تھا۔ چھ ماہ کا

کہہ کر گیا تھا۔ ماں کا ذہن اس یادداشت کو دہرا رہا تھا یا انھیں الجھا رہا تھا۔ اور انھیں لگ رہا تھا کہ حاشر چھ ماہ بعد نہیں لوٹا۔ جبکہ جاتے ہوئے وہ شیریں ہی تھا۔

"ماں! میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔" حاشر نے دھڑکتے دل سے ان کا ذہن موضوع سے ہٹانا چاہا وہ خوف زدہ ہوا۔ جلد سے جلد ڈاکٹر سے رجوع کرنا تھا۔

"ماشاء اللہ! کس سے؟" وہ یک دم مسکرانے لگیں۔ حاشر نے سکھ کا سانس لیا وہ بھی مسکرایا۔

"ایک بہت پیاری لڑکی ہے۔ جس سے آپ کو جلد ہی ملواؤں گا۔"

"اسلام و علیکم!" آواز پر حاشر نے چونک کر گردن گھمائی۔ سامنے بابر خان کھڑے مسکرا رہے تھے۔

"وعلیکم السلام!" عظمیٰ خاتون انھیں دیکھ مسکرانے لگیں تھیں۔ حاشر نے

دل ہی دل میں حیرت محسوس کی وہ فوراً کوئی چہرہ پہچان نہیں پاتی تھیں اور مسکرانا تو دور کی بات تھی۔

"وعلیکم السلام!" حاشر نے نرمی سے جواب دیا۔

"کیا میں جوائن کر سکتا ہوں؟"

"ضرور کیوں نہیں۔" وہ شائستگی سے کہتا ان کے لیے کپ میں کافی نکلنے لگا۔

"تو کیا باتیں ہو رہی تھیں بھلا ماں بیٹے کے درمیان؟"

"شیری ایک پیاری لڑکی کا ذکر کر رہا تھا۔" عظمیٰ خاتون پر جوش سی بابر خان کو دیکھتی کہنے لگیں۔

حاشر ایک بار پھر حیران رہ گیا۔ کچھ دیر پہلے کی بات کو من و عن دہرانے کا معاملہ مہینوں میں پیش آتا تھا۔

"ماشاء اللہ! ماشاء اللہ!" بابر خان کا چہرہ چمک اٹھا۔ آنکھوں میں خوشی کے رنگ اترے۔ حاشر الجھا ہوا سا ہلکا سا مسکرایا۔

"تو کب کر رہے ہو شادی برخوردار؟"

"ابھی تو کچھ نہیں پتا! ان کی فیملی سے براہ راست بات نہیں کی تو ماں سے یہی کہہ رہا تھا کہ انھیں ملوانے لے جاؤں گا۔"

"تم بھی چلنا بابر!" عظمیٰ خاتون بولیں۔ حاشر نے پہلے بابر خان کو پھر ماں کو دیکھا۔

"میں؟" بابر خان کے چہرے پر شش و پنج کے آثار دکھائی دیے وہ حاشر کی طرف دیکھنے لگے۔ جیسے اس کے خیالات اور تاثرات کا اندازہ لگانا چاہ رہے ہوں۔

"جی! آپ بھی چلے گا۔" حاشر نے کچھ سوچتے ہوئے آہستگی سے کہا جس پر بابر خان کے چہرے پر بے یقینی کے تاثرات ابھرے اور اگلے ہی پل حاشر نے ان کی آنکھیں نم ہوتے دیکھیں اور فوراً نگاہیں چرایس۔ وہ جذباتی ہو رہے تھے۔

"ضرور! مجھے بہت خوشی ہوگی۔" وہ خوشی کے تاثرات پر قابو پاتے مسکرا رہے تھے۔

"آپ بیٹھے میں نکلتا ہوں۔ ٹھیک ہے ماں! اپنا خیال رکھیے گا۔" اس نے پہلے بابر خان کی جانب دیکھتے کہا اور پھر جھک کر ماں کا سر چومتا اپنا فون

اٹھاتا اندر کی جانب بڑھ گیا۔ بابر خان نرم نگاہوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ وہ خوش تھے کہ حاشر نے انھیں اپنی زندگی میں جگہ دینا شروع کر دی تھی۔ حاشر نے ان کی موجودگی سے غیر آرام دہ تاثرات کا اظہار کرنا چھوڑ دیا تھا۔ نگاہیں متضادم ہوتیں تو ہلکا سا مسکرا دیا کرتا یا ایک نرم نگاہ کا تبادلہ کر دیتا۔



حاشر اپنے کمرے میں داخل ہوا جہاں ایک جانب انڈور پلانٹس رکھے تھے۔ وہیں ایک شاہانہ قسم کا سیاہ کاوچ رکھا تھا۔ سامنے کی دیوار پر پینٹنگز تھیں۔ کنگ سائز بیڈ کے بائیں جانب شیشے کی وارڈروب بنی تھی۔

وہیں ایک طرف سیاہ ریک تھا جس میں مختلف کتابیں سچی ہوئی تھیں۔ کمرے کا انٹیریئر قدرے نفیس اور اس کے مزاج کی عکاسی کرتا

ہوا تھا۔ اس نے کاوچ پر بیٹھتے اپنا لیپ ٹاپ آن کیا اور ایک ویڈیو کال کرنے لگا۔ کچھ ہی سیکنڈ میں اسکرین پر ایک ادھیڑ عمر چہرہ دکھائی دینے لگا۔

"کیسے ہیں ڈاکٹر!"

"بالکل ٹھیک! آپ کیسے ہیں؟"

"میں نے رات کو میسج کیا تھا۔"

"جی میں نے رپورٹس دیکھ لیں تھیں۔ مزید کچھ نیا جو آپ نے ان کے رویے میں محسوس کیا ہو؟"

"مزید کچھ اہم باتیں ہیں۔۔۔" حاشر انھیں آج ہونے والی تمام تبدیلیاں بتانے لگا۔ کافی دیر تک وہ بولتا رہا اور ڈاکٹر سکون سے سنتے رہے۔ جب وہ

چپ ہوا تو ڈاکٹر سر ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔

"یہ تبدیلیاں عموماً غیر متوقع نہیں ہوتیں۔ ایسے اکثر کیسز میں ایسی پروگریس ہوتی رہی ہے۔ ہم کسی بھی طرح ان کے ذہن کو پوری طرح ناکارہ نہیں کہہ سکتے۔ انسانی ذہن بہت طاقتور ہوتا ہے اور اس پر وقت اور حالات کا کب کس طرح اثر پڑتا ہے اسے انسانی سمجھ کبھی مکمل طور پر اپنے اندر اتار نہیں سکتا۔ لیکن جن تبدیلیوں کا ذکر آپ نے کیا ہے مثبت ہیں تو امید کرتے ہیں آنے والے وقت میں یہ اسی طرح مثبت رہے۔"

"ان شاء اللہ۔"

"باقی انھیں گہرائی سے مشاہدے کی ضرورت ہے۔ روزمرہ کی روٹین کا بھی گہرا اثر رہتا ہے ہمارے دماغ پر!"

"میں نے پروفیسر عبید سے بھی گفتگو کی تھی اس حوالے سے تو ان کا بھی یہی کہنا تھا۔" ڈاکٹر سرہلاتے ہوئے بولے۔ وہ کافی دیر اسی موضوع پر بات کرتے رہے اور پھر حاشر نے رسمی کلمات کہتے کال منقطع کر دی۔



وہ اپارٹمنٹ کے کچن میں کھڑا سبزیاں کاٹ رہا تھا۔ کھڑیاں کھلی تھیں کچھ نئے پودے بھی نظر آرہے تھے۔ اریب بھی ساتھ ساتھ ہاتھ چلاتا اس کی مدد کر رہا تھا۔

وہ کچھ روز قبل ہی یہاں آکر صفائی کر گیا تھا تبھی اپارٹمنٹ چمک رہا تھا "یہ سیٹ اپ میں نے کافی سال پہلے سیٹ کیا تھا۔ یہاں میری ایک الگ ہی پہچان ہے۔ کیوں کہ یہاں وہ طبقہ رہتا ہے جو اسلام آباد کے مختلف ریسٹورینٹس ملازم ہوتے ہیں۔ یا سرکاری دفاتر میں نچلے درجے کے ملازم!

تو اسی لحاظ سے میں نے یہ گاڑی رکھی تھی تاکہ میں ایک پردیسی کی صورت میں یہاں اپنا کام کر سکوں۔۔" وہ اسے بتا رہا تھا۔

"میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ آپ کا ایک کور سیٹ اپ ہے۔۔ یقیناً آپ یہاں نہیں رہتے ہوں گے لیکن طوبیٰ اس رہن سہن سے کافی متاثر ہوئی تھی۔" اریب نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تمہارا دماغ ہر چاروں طرف سے تیز چلتا ہے۔۔" حاشر مسکرایا۔
 "یہ ایک طرح سے ذاتی فیور ہے اس لیے میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے بنائی دعوت کھلا رہا ہوں۔۔" حاشر نے ازراہ مذاق کہا جس پر اریب بے اختیار ہنس دیا۔

"میری تو خوش قسمتی ہی ہے۔ مجھے ایسے بھی ذاتی فیورز کے لیے یاد کر لیا کریں ایک تو آپ کے ساتھ گزرا وقت مجھے تازہ دم کرتا ہے دوسرا میں نئی نئی چیزیں سیکھتا ہوں۔"

"تو پھر تمہیں شاگردی میں نہ لے لوں۔" حاشر ہنس دیا۔
"برا آئیڈیا نہیں۔" اریب ہنس دیا۔

حاشر ابلے چاول دیکچے میں ڈالتا مسکرا رہا تھا۔
وہ یوں ہی باتیں کرتے کھانا تیار کر چکے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد وہ حاشر کے کمرے میں آئے جہاں سامنے ایک جدید قسم کا سسٹم لگا تھا۔
کئی اسکرینز اور ان کے ساتھ لگی مختلف ڈیوائسز!

"یہ کتاب ہے اور اس چند صفحے ہمیں پوسٹ کرنے ہیں اس طرح کے ہمارے ٹارگٹ کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے پاس واقعی یہ کتاب بالکل

اصلی اور فاکس خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔۔ یہ قدیم روسی زبان ہے۔۔ "حاشر نے کتاب کھولتے مختلف صفحے پلٹائے۔ وہ زرد مگر شدت پنے والی کتاب تھی۔ جس کی لکھائی مشکل سے سمجھ آرہی تھی۔

"ہمیں اس کا ترجمہ کرنا ہے۔۔ اور ایسے کہ کوئی سرور، کوئی سوفٹ ویئر، کوئی وائرس اس کے قریب نہ آسکے۔۔" حاشر وضاحت کرنے لگا۔ اریب سمجھتے ہوئے سر ہلا رہا تھا۔

"پھر اسے ہم کچھ جگہوں پر پر ڈالیں گے۔۔ اس کے مختلف حصے مختلف نیٹ ورکس پر! ہمیں اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ اس چیز کو دنیا کی اکثریت کے سامنے لایا جائے۔۔ ہم اس میں ہماری ریسرچ اور معلومات بھی ڈالیں گے تمام ثبوتوں کے ساتھ!"

"زبردست!" اریب بے حد پرجوش تھا۔

"اور ہر پیچ کے آخر میں ہمیں اپنا سائن ڈالنا ہے۔" حاشر نے شیطانی مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے کہا۔

"ڈارک آئی؟" اریب سنسنی خیز لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"ڈارک آئی کے ساتھ اب اس کی ایک ٹیم بھی ہے تو۔"

"Team Of Dark Eye".



وہ لائبریری کا منظر تھا۔ شیشے کی دیوار کے پار درختوں کا جھنڈ اور خوبصورت پھول پودے تھے۔ جہاں گاہے بگاہے کوئی کونسل آکر گھاس کو نوچتی پھر کچھ قدم چل کر پھنک کھول کر اڑتی کسی پھول پر آتی اور پھر اڑ جاتی۔ طوبی اسی منظر میں کھوئی باہر دیکھ رہی تھی جبکہ ایک طرف کتابیں ڈھونڈتا حاشر وقفے وقفے سے طوبی کو دیکھنے لگتا اور چہرے پر نرم

مسکراہٹ اتر آتی۔ یوں ہی کچھ دیر اور گزری کہ اچانک موسلا دھار بارش شروع ہوگئی بارش کے شروع ہوتے ہی لوگ خود کو بارش سے بچاتے کوئے کھدروں میں ہو رہے تھے جبکہ طوبیٰ پر جوش سی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کمانڈر؟" اس نے حاشر کو آواز دیتے کہا۔ جس پر وہ فوراً اس کی طرف متوجہ ہوا۔ طوبیٰ اٹھ کر اس کے پاس چلی آئی۔

"باہر چلیں؟ بارش ہو رہی ہے۔" اس کے چہرے پر دبا دبا جوش دیکھ حاشر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"میں یہ کتابیں اجراء کروالوں پھر چلتے ہیں ویسے کہاں جانا چاہتی ہیں آپ محترمہ؟"

"قریب ہی ایک بہت خوبصورت پارک ہے۔" طوبیٰ نے بتایا۔

"بہتر! تو آپ بارش میں بھیگنا چاہتی ہیں۔"

"جی! آپ کے ساتھ!" طوبیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ جس پر حاشر کے تاثرات جھلملائے تھے۔

"میرے ساتھ؟" وہ مسکرایا۔ طوبیٰ نے فوراً اثبات میں گردن ہلائی۔ حاشر ہنس دیا۔

"مجھے بس پانچ منٹ دیں گی؟"

"میں انتظار کر رہی ہوں۔" وہ ہاتھ کے اشارے سے بولی حاشر گردن خم دیتے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ طوبیٰ باہر کی جانب چلی آئی۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں کافی کے کپ لیے قریبی پارک میں سنگی بینچ پر بیٹھے تھے۔ بارش کی رفتار اب کم تھی۔ لیکن موسم بے حد حسین ہو چکا تھا۔ مور بھگے پر سمیٹے تالاب کنارے بڑے ہی شاہانہ انداز میں ٹھل رہے

تھے۔ تالاب کے اندر بطخیں یہاں سے وہاں اٹھکیاں کرتی دکھائی دے رہی تھیں۔ بارش کی موٹی موٹی بوندیں تالاب کی سطح پر برس کر منظر کے حسن کو دوبالا کر رہی تھیں۔

"ایسی اچانک والی بارش میرے مزاج پر بڑا گہرا اثر ڈالتی ہے۔۔" طوبی کے بال بھیگے ہوئے تھے۔ چہرہ کھلا کھلا اور خوبصورت لگ رہا تھا۔
حاشر اس کی بات پر مسکرایا۔

"مجھے خوشی ہے کہ میں یہ خوبصورت موسم اور یہ دلکش منظر آپ کے ساتھ انجوائے کر رہا ہوں۔۔ ورنہ بارش مجھے کبھی ایسے متاثر نہیں کرتی۔۔ لیکن آج کچھ مختلف ہے۔۔"

"کیا مختلف ہے؟" طوبیٰ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اس کے بال بھی بھیگ کر پیشانی پر آگئے تھے۔ وہ یوں بکھرے بھیگے بالوں میں طوبیٰ کے دل کی دھڑکنیں اتھل پتھل کرنے کا باعث بن رہا تھا۔

"شاید میرے مزاج پر آپ کے ساتھ یہ موسم کی خوبصورتی اثر کر گئی ہے۔" وہ ہنس دیا۔

"ورنہ میں کبھی خود سے بارش میں بھیگنے نہیں نکلتا۔"

"کیا واقعی؟" طوبیٰ کو یقین نہ آیا۔

"ہاں! یہ سچ ہے۔ مجھے لگتا ہے سارے سمجھدار لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔"

"تو پھر وہ سارے سمجھدار لوگ شاید عقل سے پیدل ہوں۔" طوبیٰ کھلکھلائی۔

"کیا میں ان میں شامل ہوں؟" حاشر مصنوعی خفگی سے پوچھ بیٹھا۔

"کچھ دیر پہلے آپ خود سے بارش میں بھیگ کر آرہے ہیں تو میں نے آپ کو اس عقل سے پیدل لوگوں کی لسٹ سے خارج کر دیا ہے۔"

طوبیٰ نے کافی کا گھونٹ بھرتے اس کی طرف دیکھا۔ حاشر ہنس دیا۔

"میں کچھ زیادہ ہی ہنسنے لگا ہوں آج کل!" وہ کہہ کر پھر ہنسا تو طوبیٰ بھی اپنے قہقہہ پر قابو نہ رکھ پائی۔

"آپ کی باتوں سے لگتا ہے آپ کو زندگی میں پہلے کسی کی سنگت نے متاثر نہیں کیا۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے کہہ رہی تھی۔

"ہاں! مجھے واقعی معلوم نہیں تھا کہ میں یوں بے وجہ کی باتیں کر کے ان باتوں سے لطف اندوز ہو سکتا ہوں یوں ہنس سکتا ہوں۔"

"بے وجہ کی باتیں؟" طوبیٰ اس کی بات اسے خفگی سے دیکھنے لگی۔

"بے وجہ کی بات سے مراد کہ وہ باتیں جن کا میرے کرئیر سے تعلق نہ ہو۔۔ میں ہمیشہ سے صرف کام سے جڑا رہا ہوں۔۔ آدھی دنیا گھوم کر بھی کسی منظر کی خوبصورتی پر توجہ نہیں دے پایا۔۔ نہ کبھی کسی چہرے کو غور سے دیکھا۔۔ نہ کسی کی شخصیت میں جھانکنے کی کوشش کی۔۔ لیکن آپ کے ساتھ گزرے وقت میں مجھے ہر لمحہ محسوس ہوتا رہا تب بھی جب ہم مشن پر تھے لیکن تب ہمارے پاس اتنا وقت نہ ہوتا تھا کہ ٹھیک سے احساسات اور خیالات پر وقت دیا جائے لیکن جب سے لوٹا ہوں ہر احساس کھل کھل کر میرے اندر سانس لے رہا ہے اور میں جیسے ہر پل کو جینا چاہتا ہوں محسوس کرنا چاہتا ہوں۔۔ چاہتا ہوں آپ بولیں۔۔ مسکرائیں میرے سامنے۔۔ مجھ سے باتیں کریں۔۔ میرے سامنے رہیں۔۔ ہم ساتھ رہیں۔۔" وہ چپ ہوا تو طوبی گنگ چہرہ لیے اسے دیکھ

رہی تھی۔ آنکھوں میں کچھ نمی چہرے پر بے یقینی اور دل تھا کہ کسی بے لگام گھوڑے کی مانند کہیں لپکا جاتا تھا۔

"مجھے آپ سے محبت ہوگئی ہے طوبی!" حاشر نے اس کی طرف دیکھتے بڑے ہی سادہ انداز میں کہا اور طوبی کا چہرہ بے اختیار سرخ پڑا ہاتھ میں پکڑی کافی گرتی اس سے قبل ہی حاشر نے اس کا ہاتھ نرمی سے تھامتے کافی کا کپ پکڑ کر ایک طرف رکھا اور اس کا ہاتھ نرمی سے اپنے ہاتھوں کی قید میں رہنے دیا۔ کئی پل خاموشی رہی۔ بارش پھر برسنے لگی لیکن سنگی بیچ کے اوپر بنے چھتے کے باعث وہ اس سے محفوظ رہے۔

"میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" حاشر نے اس کی طرف دیکھا تو طوبی پلکیں نہ اٹھا سکی۔

"آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہے ناں؟"

طوبیٰ کی پلکیں اس پل اٹھیں ان میں عجیب سا خمار اتر ا ہوا تھا ایک سوال تھا جیسے کہہ رہی ہو "کوئی اعتراض ہو سکتا ہے بھلا؟ کسی کو اپنی زندگی کے سب سے قیمتی خواب کی تعبیر ملنے لگے تو کیا وہ اعتراض کرتا ہے۔؟"

"آپ کی یہ خوابیدہ خوبصورت آنکھیں میرے سوال پر اعتراض نہیں کر رہیں۔ تو میں اسے ہاں سمجھ رہا ہوں۔" حاشر نے اپنی جیب سے ایک ڈبیا نکالتے بڑے گہرے لہجے میں کہا۔ اس کے لہجے میں سانس لیتے جذبوں کی شدت سے گھبرا کر وہ پھر پلکیں جھکا گئی تھی۔ وہ اسے ایک خوبصورت نازک سازنجیری بریسلٹ پہنا رہا تھا۔ جس پر بڑی باریکی اور نفاست سے ہیرے جوڑے گئے تھے۔ طوبیٰ کو بریسلٹ پہنانے کے بعد بھی حاشر نے اس کے ہاتھ پکڑے رکھا۔

"میں کل اپنے والدین کے ساتھ آپ کے گھر آنا چاہتا ہوں۔۔ کیا کل یہ ممکن ہے؟ کیا ہم آسکتے ہیں؟"

طوبیٰ کو یقین نہ آیا کہ یہ سب اتنی تیزی سے ہو رہا ہے زندگی کے وہ سارے خواب اور خوبصورت لمحے ایک ایک کر کے اس کی زندگی کا حصہ بن رہے تھے۔ اسے اپنی سماعت پر یقین نہ آیا تو وہ سر اٹھائے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ جہاں محبت کی دیوی اس پر مہربان نظر آرہی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔



رفعہ کی خیمہ بستی کے پاس مزید کچھ نئے خیمے لگوا کر انھیں خاندانوں کے حوالے کرتا غازی اب واپس اپنے وین کی طرف جا رہا تھا۔ گود میں ننھا نومولود تھا جو غازی سے کھیلتا خوشی سے کھکھلا رہا تھا۔ تب ہی اچانک زن

کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ عقب میں زوردار دھماکہ ہوا۔ کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ خوفناک قیامت کا منظر تھا۔ اس نے ننھے بچے کو وین میں چھوڑا۔ ایک ساتھی کو نگرانی کے لیے وہیں رہنے کا حکم دیا اور دوڑتا ہوا واپس اس سیاہ دھوئیں کے مرغولے کی طرف بڑھنے لگا۔ آگ کی لپٹیں، چیخ و پکار، رونے کی آوازیں جن میں چھوٹے بچے بھی شامل تھے۔ غازی کے آنسو بہنے لگے۔ اس کا دل کٹنے لگا۔ وہ زخمیوں کی تلاش میں یوں ہی آگے بڑھتا رہا اس کے سامنے لاشیں تھیں کچھ خیموں میں آگ بھڑکی ہوئی تھی جسے اب بجھانے کی خاطر لوگ پانی کی بالٹیاں لارہے تھے۔ ایک عورت جلتے خیمے کے باہر کھڑی بری طرح چلا رہی تھی۔

"یا اللہ! یا اللہ! رحم! ابنتی!"

غازی فوراً اس خیمے میں داخل ہونے کو لپکا۔

"بھائی!"

"مجھے دیکھ لینے دو اندر سے رونے کی آواز آرہی ہے۔" غازی نے اپنا ہاتھ پکڑتے قاسم کو ایک طرف کرتے اندر جانا چاہا تھا اور تب ہی ایک اور زور دار دھماکہ ہوا اور منظر پوری طرح سیاہ پڑ گیا اس طرف بالکل موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ غازی کو خود پر بھاری بوجھ گرتا محسوس ہوا اور پھر وہ اچھل کر کہیں دور جاگرا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس معصوم بچے کا چہرہ آیا اور دوسرا چہرہ شیر کا تھا۔ وہ اپنی دھڑکنیں محسوس کرنے سے قاصر ہونے لگا۔ ذہن کو اس نے تاریکی میں ڈوبنے سے بچانا چاہا تھا۔

"غازی!" شیر اسے پکار رہا تھا۔

"تم بہت خود سر ہوتے جارہے ہو۔"

"میری باتیں سننا چھوڑ دی ہیں تم نے۔"

"تم دوبارہ میرے ہاتھ لگو تو تمہاری ساری ہڈیاں نہ توڑی میں نے۔" یہ

دھمکی آج شام ہی تو جھڑک کر دی تھی شیر نے اسے۔ شام

کے منظر اس کی آنکھوں میں گھومنے لگے۔ ایک طرف چیخ و پکار

تھی۔ اسے کسی کا ہاتھ اپنے کاندھے پر محسوس ہوا کوئی اسے ہلا رہا تھا۔

"یا جیبی!" کوئی رو رہا تھا۔

اس کے لبوں سے ایک سسکی خارج ہوئی۔

ابھی تو لاکھوں خواب تھے جو اسے پورے کرنے تھے۔ شیر کے ساتھ

رہنے کی خواہش۔ ایک گھر میں ایک خاندان کے طور پر ایک ساتھ رہنے

کی خواہش!

کئی منظر اس کی آنکھوں کے پردے پر کسی فلم کی مانند چلنے لگے۔ وہ سانس لینا چاہتا تھا لیکن سانس لینا اس پل کسی پہاڑ کو کھینچنے کی مانند محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور اگلے ہی پل ایک سکوت چھا گیا۔ آوازیں، شور سب کچھ پیچھے رہ گیا۔ بس سیاہی ہی سیاہی کا تھی۔ ہر طرف موت تھی۔



قاہرہ کے کسی لگژری لان منظر تھا۔ جہاں مہمانوں کی ایک کثیر موجود تھی۔ ٹولیوں میں بٹے لوگ مشروبات اور رقص سے محفوظ ہو رہے تھے۔ ایک طرف حسام سیاہ کوٹ پینٹ پہنے خوش باش سا اپنی دلہن کے ساتھ کھڑا تھا۔ جو عربی نقوش کی مالک کچھ بھرے بھرے جسم کی خوبصورت لڑکی تھی۔ سفید عروسی لباس پہنے ہاتھوں میں پھول تھامے وہ

اس پل دنیا بھر کی خوشی چہرے پر سمیٹے سب سے مسکرا کر مبارک بعد قبول کر رہی تھی۔ شیر اور جنت بھی اس محفل کا حصہ تھے۔ جنت نے نیلے رنگ کی میکسی زیب تن کر رکھی تھی جس کی آستینیں جالی دار تھیں۔ اس کے بال خوبصورت انداز میں بنے تھے۔ آگے چند زلفیں گھنگرا لی کر کے چھوڑ دی گئی تھیں۔ چہرے پر نفاست سے کیا گیا میک اپ قیمتی مگر نفیس زیورات وہ اتنی حسین لگ رہی تھیں کہ شیر کی نگاہیں پلٹ پلٹ کر اس کے وجود کا طواف کر رہی تھیں۔ شیر کا یوں اپنی جانب بار بار دیکھنا جنت محسوس کر رہی تھی اور اسے اندازہ ہوا تھا کہ وہ آج معمول سے ہٹ کر لگ رہی تھی تب ہی تو شیر کی نگاہیں گاہے بگاہے اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

"کیا میں بہت خوبصورت لگ رہی ہوں۔۔؟" جنت نے آخر اسے تنگ کرنا چاہا۔

"ہاں بہت زیادہ!" شیر نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھتے کہا۔ جس پر جنت اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"تبھی ایسے دیکھ رہے ہو۔۔"

"کیسے دیکھ رہا ہوں؟"

"ایسے ہی جیسے اب دیکھ رہے ہو؟" جنت نے آنکھ کے اشارے سے اس کی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا۔ شیر سر جھٹک کر ہنس دیا۔ جنت اس کی ہنسی پر سر جھٹک کر دوسری جانب دیکھنے لگی۔

"ہم اگلے دو دن میں پاکستان جا رہے ہیں۔۔" شیر نے اس کی میکسی میں اٹکے چند بالوں کو چن کر نرمی سے اس کی کمر پر چھوڑا۔ جنت

نے حیرت سے گردن گھمائی۔

"ہم پاکستان جارہے ہیں؟"

"ہاں!" شیر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"تمہاری فیملی سے ملیں گے؟" اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ جانے کیوں

اس کے دل میں حاشرے سے ملنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا وہ پچھلے ہفتے سے بار

بار اس کا ذکر چھیڑ بیٹھتی مختلف سوال کرتی رہی تھی۔

"ہم پہلے عیش سے ملیں گے۔ اور کچھ ابھی سوچا نہیں میں نے۔" شیر

نے اس کا گال تھپتھپایا۔ تب ہی حسام اپنی دلہن سمیت ان کی جانب آتا

دکھائی دیا۔

"مبارک ہو!"

"خیر مبارک!"

جنت نے اس کی دلہن سے ہاتھ ملایا۔

شیر نے فقط چہرے پر مسکراہٹ سجاتے سر خم دیا اور حسام سے باتیں کرنے لگا۔ حسام بہت خوش ہونے کے ساتھ ساتھ شیر سے کافی متاثر لگ رہا تھا۔ جنت حسام کی دلہن سے گفتگو میں مگن ہو چکی تھی۔ کافی دیر ساتھ کھڑے رہنے کے بعد وہ مزید مہمانوں کی طرف بڑھ گئے۔ جنت جو کب سے ان کے جانے کا انتظار کر رہی تھی فوراً اسی موضوع پر واپس آئی۔

"ہم واقعی ڈیڈ سے ملیں گے؟ کیا تم بھی؟"

"تم ان سے مل کر کیا کہو گے؟"

شیر اس کے سوالوں کا کوئی جواب دیتا اس سے قبل ہی اس کا فون بجنے لگا۔ اس نے فون اٹھا کر کان سے لگایا۔ اگلے پل ہی اس کے لیے دنیا رک سی گئی۔ چہرے کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ آنکھیں یک دم تاریک

ہوئیں۔ دل سمٹتا رہا۔ سانس لینا محال ہوا وہ تیزی سے ہال کے باہر بڑھنے لگا جنت اس کے تاثرات سے خوف زدہ ہوتی اس کے پیچھے لپکی۔ وہ باہر آئی تو شیر گاڑی کے پاس کھڑا اپنی شرٹ کے اوپری بٹن کھولتا گہری سانسیں لے رہا تھا۔

"تم ٹھیک ہو شیر؟" جنت نے اس کا سبز پڑا چہرہ دیکھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ جنت کی نگاہیں اس کے کانپتے ہاتھوں پر تھیں وہ بری طرح لزر رہا تھا۔ پسینے سے تر تر سانس لینے کے جتن کرتا وہ بار بار نفی میں گردن ہلا رہا تھا۔

"شیر؟ تم ٹھیک نہیں لگ رہے کیا ہوا ہے تمہیں؟" جنت کو اس کی حالت ناقابل یقین لگی۔ وہ تو کٹھن سے کٹھن حالات میں بھی مسکراتا زندگی کے ہر مسئلے کو چٹکیوں میں اڑانے والا شخص تھا۔ تو پھر آج ایسا کیا

ہو گیا تھا۔ جنت کے دل میں ایک خیال لپکا وہ پل بھر کو سناٹے میں رہ گئی۔

شیر گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے زمین پر بیٹھا کبھی نفی میں گردن ہلاتا تو کبھی سر پکڑتا خالی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتا۔ سارے منظر دھندلاہٹ کا شکار تھے۔ کیا زندگی رک گئی تھی؟ ہاں فی الوقت سب کچھ رک سا گیا تھا۔ اس کی آنکھیں دھندلا رہی تھیں۔ سر چکرا رہا تھا۔ ذہن پوری طرح ماؤف تھا۔ کان سانس سانس کر رہے تھے۔ بے یقینی سے کیفیت میں سانس لینے کے جتن کرتا وہ جنت کو خوف زدہ کر رہا تھا۔ اسے اپنے جسم سے جان نکلتی محسوس ہوئی۔ جانے کیا ہوا تھا؟ کچھ دیر قبل کیا سنا تھا اس نے؟ وہ اپنے ذہن پر زور دیتے سانس لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے سانس کیوں نہیں آرہا۔ شیر نے سینے پر ہاتھ پھیرتے ویران نگاہیں زمین

پر گاڑتے ذہن کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی جنت بوکھلائی سی گاڑی سے پانی کی بوتل نکالتی اس کے قریب بیٹھی۔

"پانی پیو!" شیر نے اس کا بڑھا ہاتھ ہٹاتے نفی میں سر ہلایا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"کیا ہوا ہے شیر؟ پلیز سنبھالو خود کو۔"

اس جملے کو سنتے شیر کو کچھ بھی نہ سمجھ آیا وہ کیا کہہ رہی تھی۔ اس پاس کی آوازوں کا مطلب کیا تھا؟ وہ جملہ کیا تھا جو اس نے سنا اور اس کا ذہن بند ہو رہا ہے۔ دل دھڑکنے سے انکاری اور سانس چلنے سے معذرت خواہ تھی۔

"تم سانس لو۔ تمہارا چہرہ نیلا ہو رہا ہے۔ سانس لو شیر!" جنت یک دم خوف زدہ سی ہو کر رونے لگی۔

"مجھے۔۔ سانس نہیں آرہا۔۔!جنت" وہ لب بھیچتا بے بسی سے پھر سانس لینے کی کوشش کرنے لگا۔

اور پھر یک دم چہرہ سرخ پڑا وہ گہری سانسیں لینے لگا۔
 "یہ نہیں ہو سکتا ! وہ کیسے مر سکتا ہے؟ غازی؟ مر گیا؟ نہیں۔۔ یہ نہیں ہو سکتا۔۔" وہ نفی میں سر ہلاتا لرزتے ہاتھوں سے فون ملانے لگا۔ نمبر لگتے ہی اس نے فون کان سے لگایا۔

"تم۔۔ پاگل ہو گئے ہو؟ کیسے ہو سکتا ہے یہ؟ ہاں؟ میری شام کو اس سے بات ہوئی ہے۔۔ ضرور تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔۔ میری اس سے بات کرواؤ۔۔" وہ چلا رہا تھا۔ جانے کیوں اسے غصے آرہا تھا بے بسی بھرا غصہ۔ اس کا دل چاہا ہر شے تہس نہس کر دے۔ جنت ساکت سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"غازی شہید ہو گیا؟" وہ دل ہی دل میں بڑبڑاتی شیر کو دیکھ رہی تھی جو اب کسی اور کا نمبر ملا رہا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں ابو بکر؟ جاؤ جاکر خبر لو۔۔ یہ نہیں ہو سکتا! غازی کو زندہ سلامت میرے سامنے ہونا چاہیے۔۔ سنا تم نے۔۔" وہ تلخ لہجے میں کہتا اپنی جگہ سے اٹھا اور گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھا ہاتھوں میں کپکپی اور چہرے پر خوف تھا۔ جنت بھی گاڑی میں سوار ہوئی۔ نگاہیں شیر کے چہرے پر ٹکیں تھیں۔

"گاڑی کی چابی مجھے دو میں ڈرائیو کرتی ہوں۔ تمہاری حالت ٹھیک نہیں لگ رہی۔۔" جنت نے اس کے مسلسل کانپتے ہاتھوں کو دیکھتے کہا۔ شیر نے خاموشی سے چابی اس کی طرف بڑھائی اور گاڑی سے اتر گیا۔ جنت فکر مندی سے اسے دیکھتی خود ڈرائیونگ سیٹ پر آئی۔

"سنجھالو خود کو!" جنت نے آہستگی سے کہا۔ اس کے انداز میں فکر مندی تھی۔



خان ولا میں آج معمول سے ہٹ کر چہل پہل تھی۔ ہر ملازم کسی نہ کسی کام میں مگن دکھائی دے رہا تھا۔ طوبیٰ کے چچا چچی اور تایا تائی سمیت پھوپھی پھوپھا کو بھی اس اہم موقع پر عزیز خان نے مدعو کر رکھا تھا۔ طوبیٰ مشرقی روپ دھارے لمبی فرائیڈ اور بڑا سا جارجٹ کا ڈوپٹہ لیے خوبصورتی سے میک اپ کیے ہر طرف چہکتی پھر رہی تھی۔ حاشر اور اس کی فیملی شام تک آنے والی تھی۔ طوبیٰ بے حد خوش دکھائی دے رہی تھی۔ خوبصورت مسکراہٹ مسلسل اس کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔ وہ آنے والے وقت کے تصور میں خوشی سے مہک رہی تھی۔ زندگی

اچانک ہی بہت خوبصورت لگ رہی تھی اسے اپنی قسمت پر رشک آرہا تھا۔

"ماما ڈرائنگ روم میں تازہ پھول لگوا دیے ہیں ناں؟"

"ہاں ہاں! لگوا دیے ہیں۔۔ تم ایک جگہ بیٹھ کیوں نہیں جاتی بھلا! تب سے ہی بس پیروں پر کھڑی ہو۔" وہ اس کے اشتیاق سے واقف تھیں لیکن صبح سے جاگتی وہ بس یہاں سے وہاں جاتی دکھائی دے رہی تھی۔ کہیں ٹک کر بیٹھ ہی نہ رہی تھی۔

"بیٹھ جاتی ہوں۔۔ بس کباب ٹیسٹ کر لوں۔۔ کمانڈر بہت زیادہ تیکھا نہیں کھاتے ناں!" وہ کہتی ہوئی کچن کی جانب بڑھ گئی۔ یہ جانے کتنی بار تھا کہ وہ ہر کچھ دیر بعد کچن کا چکر لگانے پہنچ جاتی۔ اپنی بیٹی کی اس حالت پر وہ

سر جھٹک کر مسکراتیں لیونگ روم کی جانب بڑھ گئیں جہاں دیگر لوگ موجود تھے۔



وہ سب کے درمیان بہت ہی اعتماد سے بیٹھا تھا۔ چہرے پر مسکراہٹ اور انداز میں وہی ازلی تحمل اور ٹھہراؤ۔ سب کے انداز اور چہرے بتا رہے تھے کہ انھیں حاشر کس قدر پسند آیا تھا۔ بابر خان، عزیز خان اور دیگر مردوں سے گفتگو کر رہے تھے۔

طوبیٰ چہرے پر مسکراہٹ لیے عظمیٰ کے قریب بیٹھیں ان سے باتیں کر رہی تھیں۔ عظمیٰ خاتون نے اسے ڈھیر سارا پیار کیا تھا ساتھ ہی حاشر کی تعریفوں کا نہ رکنے والا سلسلہ ان کے انداز گفتگو میں معصومیت کے

ساتھ ساتھ دھیمہ پن تھا۔ طوبیٰ بڑے احترام کا مظاہرہ کرتی ان کے ہر سوال کا نرمی سے جواب دے رہی تھی۔

تب ہی ملازم نے کھانا لگنے کی اطلاع دی۔

"چلیے پھر اب کچھ کھا لیا جائے۔ باتیں تو ویسے بہت ہو گئیں۔"

"واقعی وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلا۔" بابر خان خوشدلی سے بولے۔ حاشر آگے بڑھ کر ماں کی وہیل چیئر چلاتا اس سے قبل ہی طوبیٰ نے اسے اشارے سے روک دیا۔ حاشر ایک گہری مسکراتی نرم نگاہ اس پر ڈالتا سر خم دیتا مردوں کے ساتھ پہلے ہی ڈرائینگ روم سے نکل گیا۔ طوبیٰ عظمیٰ خاتون کی وہیل چیئر گھسیٹتی خود بھی ڈرائینگ روم کی طرف گئی۔ عظمیٰ خاتون کی وہیل چیئر کے لیے ایک کرسی ہٹا دی گئی تھی۔ طوبیٰ نے حاشر کے برابر میں ان کی وہیل چیئر کو روکا۔

"شکریہ!" حاشر نے شائستگی سے کہا جس پر طوبی مسکراتی ہوئی وہاں سے نکل آئی۔

کچن میں آتے ہی اسے پھپھو اور تائی نے پکڑ گھیر لیا۔

واہ طوبی! تمہارا کمانڈر تو بہت ہی سچلا جوان نکلا! "اس کی پھوپھو نے مسکراتے ہوئے بولیں۔

"مجھے نہیں بھولے وہ دن جب یہ رضی کے پیچھے پڑی رہتی تھی کہ ڈارک آئی کی کوئی اپڈیٹ آئی یا نہیں۔ تمہیں نظر آیا یا نہیں۔ رضی خود بھی بڑا خوش ہو رہا تھا تمہارے لیے۔" اس کی چچی نے اسے چھیڑا۔ وہ جھینپ کر ہنس دی۔

"چلو بس اللہ نصیب اچھے کرے لڑکا تو بڑا ہی شاندار ہے۔ یوں ہی عزیز بھائی اس کے لیے رشتے تلاشتے پھر رہے تھے۔"

"آمین!"

تائی ڈائینگ روم میں ہی موجود تھیں جوڑوں کے درد کے باعث زیادہ دیر کھڑی نہیں رہ سکتی تھیں اس لیے پہلے ہی ڈائینگ روم چلی آئیں۔ وہ سب ٹرالی میں کھانے کے برتن اور کھانے سجانے لگیں۔ ملازم بھی ساتھ کھڑے مدد کر رہے تھے۔ ٹرالیاں تیار ہوتے ہی ملازموں کے حوالے کی گئیں۔ ان کے پیچھے وہ خود بھی کچن سے نکل کر ڈائینگ روم میں آئی۔

"واہ بھئی! کیا خوشبو ہے۔" عزیز خان ستائشی انداز میں بولے۔

"بابر صاحب! ہماری بیگم تو بڑے ہی لذیذ کھانے بناتی ہیں لیکن یہ جو ہماری لاڈلی ہیں ناں!" انھوں نے دونوں ہاتھوں سے طوبی کی طرف اشارہ کیا۔

"سالوں میں کبھی موڈ ہوا تو باورچی خانے کا رخ کر لیتی ہیں۔۔ اور ذائقہ کی کوئی گارنٹی نہیں۔۔"

"ڈیڈ!" طوبیٰ نے خفگی سے انھیں گھورا۔ وہاں موجود تمام نفوس بے اختیار ہنس دیے تھے۔

"کوئی نہیں عزیز صاحب! ہمارے کمانڈر صاحب خود ہی کسی ماہر شیف سے کم نہیں۔۔ ہماری اپنی بیگم صرف کھانے کی شوقین تھیں۔۔ ہم پکا پکا کر کھلاتے تھے۔۔ یوں سمجھئے ہم باپ بیٹوں کے ہاتھوں میں بلا کا ذائقہ ہے۔۔" بابر خان بولے۔

"پھر تو ہمیں آپ دونوں کے ہاتھ کے کھانے بھی چکھنے پڑھیں گے۔۔"

"کیوں نہیں! ہماری طرف دعوت پر پھر ہمارے ہاتھ کے ذائقے ہی چکھئے گا۔۔"

"حاشر بیٹے یہ کباب چکھو! یہ طوبیٰ نے بنائے ہیں۔ خاص طور سے کم تیکھے۔ کیونکہ کمانڈر زیادہ تیکھا نہیں کھاتے ناں طوبیٰ!" بیگم بریگیڈیئر مسکراتے ہوئے بولی۔ طوبیٰ کا چہرہ شرم سے بے اختیار سرخ پڑا۔

"مام! اب آپ بھی؟"

حاشر کے چہرے پر بے اختیار گہری مسکراہٹ اتری۔

باقی سب بھی ہنس دیے تھے۔ یوں ہی ہلکی پھلکی گفتگو کے دوران کھانا کھایا گیا۔ وہ سب آپس میں یوں گھل مل گئے تھے جیسے سالوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔ کھانے کے بعد چائے کا ایک اور دور چلا۔ کسی پہلو سے محسوس نہ ہوتا تھا کہ دو خاندان آپس میں پہلی دفعہ مل رہے تھے۔ سب ہی بہت خوش اور مطمئن نظر آرہے تھے۔ یوں ہی قہقہوں

اور مسکراہٹوں کے ساتھ اس خوبصورت دن کا اختتام ہوا تھا جہاں دو دلوں کی محبت نے دو خاندانوں کو ایک کر دیا تھا۔



واپسی کے راستے میں حاشر گاڑی چلا رہا تھا۔ چہرے پر غیر محسوس سی مسکراہٹ اور آنکھوں میں گہرا سکون تھا۔ بابر خان بھی خوش نظر آرہے تھے۔

"اتنی اچھی لڑکی تمہیں کہاں ملی شیری!"
"مشن پر! ماں!" حاشر جو یہ بات پہلے انھیں بتا چکا تھا پھر مسکراتے ہوئے کہا۔

"بچی تو واقعی بہت اچھی ہے۔ خوش مزاج، خوش اخلاق سی۔ یقیناً زندگی اور گھر کو خوبصورت کر دینے والی ہے۔"

"ان شاء اللہ!" حاشر نرمی سے بولا۔

"بہت شکریہ بیٹے! مجھے اپنی زندگی کے اہم فیصلے میں شریک کرنے کے لیے۔" وہ اس کا کاندھا تھپتھپا کر بولے۔

"آپ کا بھی شکریہ! اس اہم دن پر میرے ساتھ رہنے کے لیے۔" حاشر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ بابر خان اس کے کاندھے پر دباؤ ڈال کر مسکراتے سامنے دیکھنے لگے۔

"میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔ صبح ڈرائیور سے کہہ کر آپ کی گاڑی بجھوادوں گا۔" حاشر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" بابر خان نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"حاشر کب آئے گا؟ تمہارے نکاح تک آجائے گا؟" عظمیٰ کے سوال پر وہ دونوں چونکے۔ حاشر نے گردن گھما کر مسکراتے ہوئے ماں کو دیکھا۔

"اس کا کام ختم ہوتے ہی آجائے گا ماں!"

"جانے کب ختم ہو گا کام!" وہ بڑبڑاتی شیشے کے پار دیکھنے لگیں۔ حاشر اور بابر کی نگاہیں ملیں۔ ان کی آنکھوں میں بہت کچھ تھا ایک دوسرے کے لیے دونوں نظریں چرا کر رہ گئے۔

"سب کچھ ڈگر پر آتے ابھی کچھ اور وقت لگنا تھا۔"



رات کا آخری پہر تھا۔ آسمان پر چمکتے ستارے اور چاند کی چمک دریا کی لہروں کا ساز بھی اس کی سماعت پر اثر نہیں کر رہا تھا۔ وہ پچھلے کئی گھنٹوں سے یہیں ٹیرس پر موجود تھا۔ درجنوں فون کیے تھے۔ درجنوں لوگوں پر بے وجہ برس پڑا تھا۔ ہر آنے والی کال اس کے لیے ایک نیا عذاب ثابت ہو رہی تھی۔ کئی لوگ غازی کی شہادت تصدیق کر چکے تھے۔ شیر ہر چند

منٹ بعد فون کی اسکرین کھولتا وہ چیٹ اور کال ریکارڈ دیکھتا۔ وہ میسج دیکھتا جو شام کو اس کی طرف سے موصول ہوا تھا۔ ڈینیل کئی دفعہ اس کے پاس چکر لگا چکا تھا۔ وہ غازی جس کے بارے میں رازداری برتنے شیر کبھی اس کا ذکر اپنے آس پاس نہ کرتا تھا۔ وہ اس کی زندگی کا قیمتی راز تھا۔ شیر نے اس کی حفاظت میں کبھی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لیکن یہ کیا ہو گیا تھا۔

"آپ کے پاس بہت جرات ہے ناں؟" غازی نے سوال کیا تھا۔
 "آپ کبھی کسی سے نہیں ڈرتے۔۔ کسی کے سامنے نہیں جھکتے۔۔۔ کاش ہمارے مسلم حکمران آپ جیسے ہوتے تو میرا وطن نہ جل رہا ہوتا میرے لوگ نہ مر رہے ہوتے۔۔"

"میں نے تنظیم میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔۔ میری ایک کمانڈر سے بات ہوئی ہے وہ یہیں کسی کام سے آیا ہوا ہے۔۔ وہ امیر سے بات کر کے مجھے شامل کر لے گا۔۔ میں اپنے وطن کے لیے کام کروں گا۔۔ غاصب کے خلاف لڑوں گا۔۔"

"تم صرف سولہ سال کے ہو۔۔" شیر نے کہا تھا "فرق نہیں پڑتا۔۔ دو دو سال کی عمر میں ہم قابض فوج کے ہاتھوں شہید ہو سکتے ہیں تو کیا سولہ سال کی عمر میں اپنے وطن کے حق میں کھڑے نہیں ہو سکتے۔۔ آپ کیا جانیں۔۔ فلسطین کا بچہ بچہ مجاہد ہے۔۔" اس کی آنکھوں میں فخر تھا۔ اس فخر نے شیر کو جھنجھوڑا تھا۔

"میں بھی ملوں گا اس شخص سے!" شیر نے کہا تھا۔

تب سے وہ اس تنظیم کو ہر وہ شے فراہم کر رہا تھا جس کی انہیں اپنے دفاع کے لیے ضرورت تھی۔

صبح کی روشنی آسمان سے پھوٹنے لگی تھی۔ آسمان سیاہ سے گہرے نیلے اور گہرے نیلے سے آسمانی رنگ میں ڈھلتا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سورج طلوع ہونے لگا پرندوں کی چہچہاہٹیں بڑھتی گئیں۔ شیر کا چہرہ سپاٹ آنکھیں سرخ اور سستی ہوئی تھیں۔

صبح ہوتے ہی ڈینیل پھر چلا آیا۔

"ہمیں جانا ہے ماسٹر!" اس کی آواز بجھی ہوئی تھی۔ وہ غازی کے جانے پر افسردہ تھا۔ اس غازی کے جسے اس نے صرف ایک بار دیکھا تھا۔

"مجھے تمہارے ماسٹر سے ملنا ہے ابھی اور اسی وقت۔"

"تم ایسے کیسے یہاں داخل ہو سکتے ہو؟ اور ہو کون؟ تم سیکورٹی چیک سے گزر کر آرہے ہو؟" ڈینیل نے سیکورٹی افسر سے رابطہ کرنے کی کوشش کی جس پر غازی نے پھرتی سے مائیکروفون چھین لیا اور اس کی گردن پر کہنی رکھتے دوسری کہنی سے اس کے سر پر وار کیا۔ ڈینیل وہیں گر کر بے ہوش ہو چکا تھا۔ اس کے بعد اس نے غازی کو کبھی نہ دیکھا لیکن شیر نے اسے کہا تھا کہ وہ اس بات کا ذکر کبھی کسی سے نہیں کرے گا اور ڈینیل نے کبھی کسی سے اس بات کا ذکر نہیں کیا تھا لیکن پھر کئی موقعوں پر اس نے غازی کے وجود کی اہمیت کو شیر کی زندگی میں محسوس ضرور کیا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شیر نے اپنی سرگرمیوں کو گہرا راز رکھنا چھوڑ دیا۔ یوں ان کی زندگی ڈینیل کے لیے ایسا بھی گہرا راز نہیں رہی تھی۔

"کہاں جانا ہے۔۔؟" اس نے آہستگی سے سوال کیا۔

"رات آپ نے کہا تھا۔۔" ڈینیل جھجھکا۔

شیر کی گرفت ریلنگ پر سخت ہوئی اس کے ہاتھ کی ساری نسیں ابھر آئیں۔

شیر نے اپنا فون لیا اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔ ڈینیل نے اس کا کوٹ اٹھایا اور اس کے پیچھے لپکا۔ شیر کی حالت بری تھی۔ بال بکھرے پر شکن شرت۔ لپیٹی ہوئی آستینیں اور اوپری دو بٹن کھلے ہوئے تھے۔ شیر نیچے آیا تو جنت وہیں کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟" جنت نے اس کی سرخ آنکھوں کو دیکھا اور سمجھ گئی کے ساری رات آنکھوں میں کٹی تھی۔ اس نے فقط ہلکا سا سر ہلایا۔

"سنجھالو خود کو شیر! میڈیا پر خبر چل رہی ہے۔۔ میڈیا کو اس بات کا شک ہے کہ۔۔" میت کہتے جنت کا لب ہل نہ سکے۔

"زخمیوں اور بیمار لوگوں کو حکومتیں فلسطین سے نکلواتی ہیں لیکن یہ پہلا معاملہ ہے۔۔" جنت کی زبان پھر لڑکھڑائی۔ میت کا لفظ پھر لبوں پر آکر اٹک گیا۔

"سب جان گئے ہیں کہ حکومت کسی دباؤ میں آکر غازی کو فلسطین سے نکالا جا رہا ہے اور میڈیا کو شک ہے کہ وہ دباؤ تم ہو اور غازی سے تمہارا کوئی تعلق ہے اور تم یہیں ہو۔۔ سب وہاں ہو سکتے ہیں۔۔ اور یقیناً تم نہیں چاہو گے کہ تمہارے دشمن تمہیں اس حال میں دیکھیں؟ کیا صرف میں ڈینیل کے ساتھ جا کر غازی کو؟"

"جنت!" شیر نے اسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔

"بھاڑ میں گئی ساری حکومتیں۔۔ بھاڑ میں گیا میڈیا! بھاڑ میں گئی دنیا! اپنے بھائی کو لینے میں خود جاؤں گا۔ اور ہاں! دیکھ لینے دو دنیا کو کہ اپنے بھائی کو لینے شیر کس زخمی حالت میں آیا تھا۔ ابھی انھیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ یہ زخمی شیر ان کی کیا حالت کرتا ہے۔۔ ہمارے لیے جانیں قیمتی ہیں ان کے لیے دولت! تو انھیں ان کے طریقے سے برباد کروں گا۔۔" اس نے سفاکیت سے کہا۔ جنت اس کے انداز پر ساکت رہ گئی۔ شیر جا کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ جنت کچھ کہے بغیر پچھلی سیٹ پر آ بیٹھی۔ ڈینیل جو ان کی گفتگو کے دوران ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا تھا گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔



وہ ایک بڑا کمرہ تھا ہوادار اور وسیع قیمتی فرنیچر، خوبصورت پردے لیکن فضا میں عجب سا غیر محسوس گھٹن زدہ سا تنھن پھیلا ہوا تھا جسے ایک حساس ناک ہی محسوس کر سکتی تھی۔ کمرے میں دس سے بارہ افراد قطار سے میز کے گرد بیٹھے تھے جبکہ ایک طرف قدرے بڑی سی نشست پر وہ شخص بیٹھا تھا۔ سیاہ چغہ پہنے جس کی ٹوپی پیچھے کی طرف گری تھی۔ چھوٹے کٹے بال چھوٹی چھوٹی آنکھیں جن میں سے سفاکیت اور پراسرار شعائیں پھوٹی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس کی نگاہیں ایک ایک کرتی سب چہروں کو جانچ رہیں تھیں۔ وہ سب اس شخص کے اپنی طرف دیکھنے پر کچھ گھبراہٹ کا شکار ہوتے محتاط سے ہو جاتے۔ کچھ نگاہیں جھکا لیتے تو کچھ ادھر ادھر دیکھنے لگتے۔

سیاہ چغہ پہنا وہ شخص نہ پادری تھا نہ کوئی ربیٰ وہ کسی مذہب کا نمائندہ نہ تھا۔ وہ ان کے پیشواؤں میں سے ایک تھا۔ شیطانیت کے فلسفوں کو اجاگر کرنے والا پیشوا تھا وہ!۔ سفید بالوں سے ڈھکے بھاری ہاتھ اور گلے میں ستارے کی شکل کا موٹی زنجیر میں لٹکتا وہ نشان۔ جو اس کے مرتبے کو ظاہر کرتا تھا۔ سامنے دس سے بارہ لوگوں میں کچھ تاجر تھے تو کچھ سیاسی جماعتوں کے رہنما۔ کچھ کا تعلق شو بزنس سے تھا تو کچھ فوج سے تھے۔ ان سب کا تعلق دیگر طبقوں سے تھا۔ لیکن ان سب میں ایک بات مشترک تھی کہ وہ سب شیاطین کی پرستش کرتے تھے۔ کچھ سیاہ فام تھے تو کچھ سفید فام! سب کے چہروں سے لگتا تھا کہ وہ کسی بڑی ہی اہم گفتگو کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ چہروں پر امید لیے وہ محفل میں موت کی سی خاموشی اوڑھے بیٹھے تھے۔

"ڈیمن سان!" چغہ پہنے شخص نے اپنی بھاری سفاک آواز کا سحر طاری کیا تو سب اس کی جانب دیکھنے لگے۔

ان میں اسے ایک جو سب سے آگے بیٹھا تھا۔ اپنی جگہ سے اٹھا۔ یہاں بیٹھے تمام اشخاص کے چہروں پر نگاہ ڈالتا آگے بڑھا ایک کاغذات کا پلندہ لاکر اس سیاہ چغہ پہنے شخص کو پکڑا دیا۔ وہ یہاں موجود تمام افراد کی نمائندگی کے لیے آیا تھا۔ یہ محفل اس کی کوششوں سے ممکن ہوئی تھی۔

"یہ کیا ہے؟" چغہ پہنے شخص نے مخصوص رعب دار انداز میں سوال کیا۔

"جناب عالی! میں کافی وقت سے اس مدعے پر آپ کی رائے چاہتا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی لیکن براہ راست کسی پیشوا تک اپنا مدعا نہ پہنچا

سکا۔ مجھے امید ہے آپ اسے سمجھ کر آگے پہنچائیں گے۔" اس نے ادب و احترام سے بات کا آغاز کیا۔ وہاں بیٹھی اکثریت میں ایسے لوگ تھے جو بذات خود کھل کر ایسے موضوع کو آگے نہ پہنچا سکتے تھے۔ اس کے لیے کسی ان سے زیادہ طاقت ور اور پہنچ والے کی ضرورت تھی اور وہ طاقتور شخص گولڈن فاکس کے بعد یہی تھا۔ ڈیمین سان!

اس چغے والے شخص نے ہاتھ کے اشارہ سے مزید بولنے کا اشارہ کیا۔ "گولڈن فاکس پچھلے ایک ماہ سے منظر عام سے غائب ہیں۔ وہ پچھلے لمبے عرصے سے آہستہ آہستہ سرگرمیوں سے دور ہو رہے ہیں۔ یہ سب اس بات کے گواہ ہیں۔" اس نے پلٹ کر سب کی طرف دیکھا سب نے فوراً اثبات میں گردن ہلائی۔ چغہ پہنا شخص خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔ "اور اب نوبت یہاں تک آپہنچی ہیں کہ اس نے مقدس کتاب کھودی!"

چغہ پہنے شخص نے اپنی چھوٹی آنکھوں کو مزید چھوٹا کرتے نظریں ڈیمن پر گاڑھی رکھیں۔

"تو تم کہہ رہے ہو کہ وہ مقدس کتاب گولڈن فاکس نے کھودی ہے؟"
آواز بھاری تھی۔ بلا کا رعب طاری تھا لہجے میں۔

"یہ میں نہیں کہہ رہا جناب عالی! پہلا صفحہ اور اس پر تصویر دنیا کے مشہور ٹی وی چینل نے شائع کی ہے یہ وہی کتاب ہے جو کئی سال پہلے بادشاہ مائیکل کو پیش کی گئی تھی۔" اس نے رک کر اپنے الفاظ کو جوڑا۔
"اور یہ کتاب گولڈن فاکس کے پاس نہیں ہے۔۔ چرائی گئی ہے۔۔ ورنہ یہ وہی گولڈن فاکس نہیں جس نے پچھلے بیس سالوں میں

گریٹ ڈیول کے سامنے پیش ہونے کا کوئی موقع نہ جانے دیا۔۔ یہ بات ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں۔۔ "اس نے تائید کے لیے بیٹھے تمام نفوس پر نگاہ ڈالی سب کے سر اثبات میں ہلتے نظر آئے۔

چغہ پہنے شخص نے صفحہ پلٹا۔ اسے صفحہ پلٹتے دیکھ ڈیمن فوراً مزید بولنے لگا۔

"مزید تصاویر دیکھ لیں۔۔ اور یہ سارے آرٹیکلز جو بڑی تعداد میں پوسٹ ہو رہے ہیں۔۔ ساری دنیا کے سامنے یوں آشکاری کیا ہمارے لیے رکاوٹیں پیدا نہ کر دیں گی۔۔ مانتے ہیں ہمارے متعلق دنیا تنازعوں پر بات کرتی ہے یقین کرتی ہے لیکن کیا یہ ثبوت جو اس کتاب کے حصوں کی صورت میں دنیا کے سامنے آرہے ہیں ہماری دنیاوی زندگی میں مشکلات کا باعث نہیں بنیں گی؟"

وہ کچھ دیر خاموش رہا۔ چغہ پہنا شخص صفحے پلٹتا رہا۔

"کیا گولڈن فاکس کو اتنا زخمہ دار نہیں ہونا چاہیے تھا کہ وہ اس مقدس و اہم کتاب کی حفاظت کرتے۔۔؟ سالوں سے ہم اس لڑکے کے لیے اس سے بات کر رہے ہیں۔۔ جست اس نے اپنی سرپرستی میں لیا تھا۔ لیکن اس نے کبھی ہماری باتوں پر دھیان نہ دیا۔ اس کا دفاع کرتا رہا۔ یہی وہ لڑکا ہے جس نے ہمارے خلاف قدم قدم پر مشکلات کھڑی کیں۔"

"کیا تم شیر کی بات کر رہے ہو؟" چغہ پہنے شخص نے گھمبیر لہجے میں سوال کیا۔

"جی جناب عالی!" وہ فوراً تیزی سے سر ہلانے لگا۔

یہی وہ انسان ہے جس نے ہمیں قدم قدم پر نقصان پہنچایا۔ اور گولڈن اس کے ہر عمل کا دفاع کرتا رہا اور اب بیماری کا بہانہ کیے اپنے محل میں

چھپا ہوا ہے۔۔ اب شاید وہ وقت آگیا ہے کہ ہمیں حساب لینا پڑے گا
۔۔"

اس کی بات پر چغہ پہنے شخص نے گردن اٹھا کر سامنے دیکھا۔ اس کی
سنہری چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں ایک گہرا جتنا ہوا احساس تھا جس پر
ڈیمن یک دم خاموش ہوا۔ کچھ گھبرا کر سنبھلا۔

"میرا مطلب ہے جناب عالی! کیا ہمیں حساب نہیں لینا چاہیے؟"
"گولڈن کے حوالے سے ہم پہلے ہی یہ فیصلہ کر چکے کہ جب تک خود
ہم سے رابطہ نہیں کرتا ہم اس سے رابطہ نہیں کریں گے۔۔ نہ وہ کسی
مجلس کا حصہ بنے گا۔۔" سیاہ چغہ والے شخص نے بارعب اور بلند آواز
میں اپنی بات کا آغاز کیا۔

"اس وقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کرنا چاہیے۔۔ یہ وقت درست نہیں ہے۔۔ ہمیں اپنے اہم دن کی تیاریاں کرنی ہیں اور اس وقت سب کی توجہ اور قوتیں فقط اسی پر رہیں۔۔ نہ کہ گولڈن پر! وقت آنے پر ہر چیز کا حساب ہوگا۔" فیصلہ سنا دیا گیا۔ ڈیمین لب بھیج کر رہ گیا مزید کیا کہہ کہتا۔

سب کے چہرے پر مایوسی کے آثار چھانے لگے۔۔
 "اور وہ لڑکا؟" ڈیمین نے ذرا ہمت کرتے شیر کے متعلق پوچھا
 "ابھی اس کا بھی وقت نہیں آیا!" وہ شاید اس بات کا کھل کر اظہار نہ کر سکتا تھا کہ وہ اس کے خلاف محاذ آرائی کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ تنظیم طاقتور صحیح لیکن عوام کی طاقت کا مقابلہ کرنا عظیم سے عظیم تنظیم کے لیے بھی آسان نہیں ہوتا۔

"یہ اس وقت ہمارے لیے امتحاں ہی ہے کہ یہ اہم موقع ہے اور ہم اسے یوں ضائع نہیں کر سکتے۔" وہ اپنا چغہ سنبھالتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھا۔ وہ سب بھی اس کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔ انھیں اپنی سازش بری طرح ناکام ہوتی نظر آئی۔ اس مجلس کا انعقاد بہت کوششیں کرنے کے بعد کیا گیا تھا۔ لیکن شاید اس پیشوا کی ذہن سازی بڑی قوتوں نے کر کے بھیجی تھی۔

وہ جانے لگا تو سب نے پیٹھ کے بل جھک کر اسے رخصت کیا۔ اس کے جاتے ہی وہاں چہ مگوئیاں شروع ہونے لگیں۔ ڈیمین سب سے نظریں چراتا اپنی فائل سمیٹنے لگا۔

ساری کوششیں بیکار ہوتیں نظر آئیں۔ وہ سب کٹھ پتلیاں تھیں جن کی کوئی انفرادی اہمیت نہ تھی اور اس پل انھیں اس چیز کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ چغہ پہنا شخص وہاں سے جا چکا تھا۔

"یہ کیا تھا؟" ان میں سے ایک نے ڈیمین کی طرف دیکھ استفسار کیا۔
 "تم تو بہت بڑھ چڑھ کر کہہ رہے تھے کہ ہماری بات سنی جائے گی؟"
 "سن تو لی گئی ہے۔" اس نے کاندھے اچکائے۔ چہرے پر ناگواری تھی۔ وہ اپنا کوٹ لیے خود بھی وہاں سے جانے لگا۔ مزید یہاں رکنا بیکار تھا۔

"تم جب کچھ کر نہیں سکتے تھے تو اتنی بڑی باتیں کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"کچھ نہ کر سکتے تھے کا کیا مطلب؟ کیا تم کسی بڑے رہنما کو اجلاس میں بلانے کی طاقت رکھتے ہو؟ نہیں ناں تو اپنا منہ بند رکھو۔" ڈیمین برس پڑا۔

"فیورز لے کر اپنی جیب گرم کروا کر اب تم منہ پھیر کر جارہے ہو۔"

"میں نے جو وعدہ کیا اسے نبھایا! ہماری بات سنی گئی۔ اور ہم سب ہی جانتے ہیں کہ ہم صرف اپنا موقف دے سکتے ہیں؟ مزید کچھ نہیں کر سکتے۔" اس نے تلخی سے کہا اور باہر کی جانب بڑھنے لگا۔ وہ جانتا تھا مزید یہاں رکنا مطلب خود کو جنگلی جانوروں کے حوالے کرنا تھا۔

چہ مگوئیاں عروج پر تھیں۔ سب اپنی اپنی بولی بولنے میں پوری طرح مگن تھے۔



سورج اب سر پر آچکا تھا۔ دھوپ سخت تھی۔ گرمی کا احساس بڑھتا جا رہا تھا لیکن وہ ہر شے سے بے نیاز پتھرائی نگاہوں سے سامنے دیکھ رہا تھا۔ یہ جگہ قاہرہ کے بارڈر سے کئی میل دور تھی شیر گاڑی کے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ جنت اور ڈینیل وہاں موجود تھے۔ پولیس کی بھاری نفری نے میڈیا کو روک رکھا تھا۔ کچھ لوگ فاصلے پر کھڑے تھے۔ دفعتاً فضا میں ہیلی کاپٹر کی گڑگڑاہٹ گونجنے لگی اور ہیلی کاپٹر دھیرے دھیرے نیچے آنے لگا۔ میڈیا کے کچھ لوگ اس طرف بڑھنے لگے لیکن ہنوز پولیس ان کا گھیراؤ کیے ہوئے تھی۔ جوں جوں ہیلی کاپٹر زمیں کے قریب آرہا تھا شیر کے دل کا دل کسی گہری کھائی میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ وہ آگے بڑھنے لگا اس کا رخ ہیلی کاپٹر کی طرف تھا۔ ہیلی کاپٹر کے پنکھے سے نکلتی تیز ہوا سے مٹی اڑ رہی تھیں۔ جہاں سب تیز مٹی اڑتی ہوا سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے

وہیں شیر بغیر کسی حجت کے آگے بڑھتا رہا۔ آنکھوں میں مٹی جاتی رہی مگر بہتے آنسوؤں کے باعث مٹی بھی ساتھ بہہ جاتی۔ جنت اس کے پیچھے لپکی۔ آہستہ آہستہ فضا میں ہیلی کاپٹر کا شور کم ہوتا گیا۔ تب ہی ایک شخص اترا جس کے ہاتھ میں ننھا نو مولود تھا۔ شیر نے روتے ہوئے بچے کی طرف دیکھا۔

"غازی نے کہا تھا مجھے کچھ ہو جائے تو اسے میرے بھائی کے حوالے کرنا۔" اس نے کہتے ہوئے بچہ شیر کی طرف بڑھا دیا۔ شیر نے لڑتے ہاتھوں سے بچہ گود میں لیا۔ ان گنت کیمرے کی آوازوں سے فضا میں عجب سی آواز پیدا ہو رہی تھی۔ بچہ آنکھیں پھاڑے اپنے آس پاس ہوتی سرگرمیوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

"اسے مجھے دے دو۔" جنت نے آگے بڑھ کر شیر کے ہاتھ سے بچہ لے لیا۔ تابوت نیچے اتارا جا رہا تھا۔ شیر پلکیں جھپکائے بغیر اس تابوت کو دیکھے گیا۔ تابوت زمین پر رکھا گیا تو شیر قدموں کی لڑکھڑاہٹ پر قابو پاتا تابوت کے پاس چلا آیا۔ اس گھٹنوں کے بل بیٹھتے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔ بہت کوشش کی لیکن اپنی سسکی پر قابو نہ پاسکا۔ خود کو روک نہ سکا دل درد کی شدت سے پھٹ رہا تھا۔ کاش منظر بدل جائے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں اور تابوت کے شیشے سے اندر جھانکا۔ سختی سے لب بھینچتے اس نے غازی کا چہرہ دیکھا۔ سانس رکنے لگا تو چہرہ اوپر کرتے لب وا کیے تاکہ سانس لے سکے۔ اب کی بار سسکی با آواز تھی۔ غازی کے چہرے پر پھیلے سکون اور نیم کھلی آنکھیں۔ پیشانی کا زخم! ساتھ گزارے ان گنت لمحے آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے۔

"یا اللہ! اس نے پھٹے دل کو سنبھالتے زیر لب کہا کانپتے ہاتھ تابوت پر جا ٹھہرے۔

کیمرے دھڑا در اس کے ایک ایک عمل ایک ایک تاثر کو کیمرے میں قید کر رہے تھے۔ اس کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں نے نہ رکنے کی قسم کھالی تھی۔ اس نے نہ آنسو پونچھے نہ سسکیاں روکیں۔ وہ کئی لمحے تک اس کے تابوت سرہانے بیٹھا سسکتا رہا۔

"شیر! سنبھالو خود کو۔"

ڈینیل ایک طرف کھڑا خود بھی آنسو کو بمشکل روکے ہوئے تھے۔ اس کے لیے شیر کو اس حال میں دیکھنا ہر گز آسان نہ تھا۔

"میں تمہارے خون کے ایک ایک قطرے کا حساب لوں گا غازی!" اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور بدقت کھڑا ہوا۔ آس پاس کھڑے کچھ لوگ

آگے آئے اور تابوت کو اٹھا کر سیاہ وین میں ڈالنے لگے۔ شیر خود بھی اس وین کی طرف بڑھنے لگا۔ اس نے کبھی نہ سوچا تھا کہ وہ کبھی اس طرح بھی غازی کے ساتھ سفر کرے گا۔ اس کی میت کے سرہانے بیٹھ کر ! وین کے چلتے ہی شیر کے آنسو پھر بہنے لگے۔ اب کہ اس نے سسکیوں کو روکنے کی کوشش نہ کی۔ سسکیاں ہچکیوں میں بدل گئیں۔ وہ سارے راستے روتا رہا۔

"میری خواہش ہے میں اپنے وطن میں شہید ہوں۔" غازی کی آواز میں عجیب سی حسرت تھی۔

"لیکن میری قبر وہیں ہو۔۔ جہاں آپ ہوں۔۔ جہاں آپ میری قبر کی حفاظت کر سکیں۔۔ مجھے یاد رکھ سکیں۔۔ میری قبر پر

آسکیں۔۔ فلسطین میں ہم جیسے لاوارثوں کی قبریں کھوجاتی ہیں ناں۔۔"

"آہ۔۔" شیر نے تڑپتے دل کو مٹھی میں زور سے جکڑ لیا۔

"غازی! میرے بھائی!" وہ اس کے تابوت پر سر رکھے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کا وجود رونے کی شدت لرز رہا تھا۔



اسلام آباد کا موسم خوشگوار تھا لیکن مارچ کے ختم ہوتے ہی درجہ حرارت بڑھنے لگا تھا۔ دھوپ نکلتی تو گرمی کا احساس بھی بڑھ جاتا جبکہ شام ہوتے موسم میں ٹھنڈک پھیل جاتی تھی۔ حاشر کمرے میں بیٹھا لیپ ٹاپ پر بین الاقوامی خبریں سن رہا تھا تب ہی اس نگاہ اس ویڈیو پر رک گئی۔ ویڈیو صاف تھی۔ قریب سے بنائی گئی تھی۔ حاشر کے تاثرات بدل سے

گئے۔ شیر رو رہا تھا۔ اس کا کانپتے ہاتھوں کو بڑی صفائی سے کیمرہ نے اپنی آنکھ میں قید کیا تھا۔

"شیر کا بھائی!" وہ بڑبڑایا اچانک ہی اس کے ذہن میں جھماکہ ہوا۔

"غصنفر۔۔" اس کے ذہن میں جھٹ سے وہ نوجوان اتر۔

"ویسے تو بھائی مجھ سے چھپ کر آپ سے لڑنے آتے ہیں لیکن میرا دماغ بہت تیز چلتا ہے۔ مجھے یقین نہیں ہوتا کہ بھائی کا ایک جڑواں بھائی بھی ہے۔"

"جڑواں نہیں۔۔ وہ مجھ سے چار سال چھوٹا ہے۔"

"نہ کریں! آپ دونوں کی شکلیں تو بالکل ایک جیسی ہیں۔ کوئی فرق نہیں۔۔ آپ یقیناً پاکستان سے آئے ہیں۔ میں پوری کہانی تو نہیں جانتا

لیکن بھائی کا غصہ غصہ نہیں پیار ہوتا ہے۔۔ ان کے پیار جتانے کا انداز تھوڑا الگ ہے۔۔"

حاشر کو اس وقت وہ لڑکا بے حد برا لگا تھا کیوں کہ ایک اجنبی لڑکا اس کے خونی بھائی کے متعلق اس انداز سے بتا رہا تھا کہ حاشر کو اپنا آپ حقیقتاً اجنبی لگا۔ حاشر سخت ناگواری سے اسے گھورتا رہا لیکن کچھ کہا نہیں۔

"مجھے پتا ہے آپ کو میرا آپ سے بات کرنا اچھا نہیں لگا۔ پلیز آپ بھائی کو نہ بتائیے گا کہ میں آپ سے ملنے آیا تھا۔ خفا ہو جائیں گے۔"

وہ کہہ کر غائب ہو چکا تھا۔ حاشر نے اسے کئی بار شیر کے ساتھ دیکھا تھا اور اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ شیر کا واحد دوست وہ غضنفر تھا۔ جو ایک بے ضرر سادہ اور خوش مزاج نوجوان کے سوا کچھ نہ تھا۔ حاشر یک ٹک سامنے

اسکرین کو گھورتا رہا۔ شیر کو روتے ہوئے اس حال میں دیکھ حاشر کو عجیب سی بے چینی ہوئی تھی۔ وہ شیر تو کہیں سے نہ لگ رہا تھا۔ اسے شیر سے ہمدردی ہوئی۔

"خدا تمہیں صبر دے!" اس نے دل ہی دل میں دعا کرتے کافی کا کپ اٹھا کر ایک بڑا سا گھونٹ بھرا۔

اینکر بڑی پرجوشی سے شیر کا فلسطینی تنظیموں سے تعلق بیان کر رہی تھی۔ وہ غازی کے متعلق نئی نئی باتیں بتا رہی تھی۔ اس نے ایک دوسرے چینل کا براڈ کاسٹ لگایا۔ یہ اسلامی خبروں کا چینل تھا۔ جہاں غازی کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے اس کی مختلف ویڈیوز شئیر کی جارہی تھیں جو اس کے فلسطینی ساتھیوں نے امدادی کارروائیوں کے دوران سوشل میڈیا پر شئیر کی تھیں۔ دفعتاً نئی خبر چلائی جانے لگی۔

"ایران کے اسرائیل پر تابڑ توڑ ڈرون حملے"

"آہ شریم! تم سے یہی امید تھی۔۔ خیر شاباش!" حاشر کو لمحہ بھی نہ لگا ساری صورتحال سمجھنے میں۔ وہ جانتا تھا شیر چھوڑنے والوں میں سے تو نہ تھا۔ اسے کسی طرح اپنا غم و غصہ دکھانا ہی تھا اور وہ دکھا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

یہ دو دن بعد کا منظر تھا۔ حاشر اور بابر خان لان میں موجود تھے۔ حاشر کے ہاتھ میں پودے اور جڑیں کاٹنے والی بڑی کینچی تھی۔ وہ لان میں جھاڑیوں کو چھوٹا کر رہا تھا۔ بابر خان میز کے گرد بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ وہ کچھ دیر قبل ہی آئے تھے۔ عظمیٰ خاتون سورہی تھیں تو وہ حاشر کو دیکھ اس کے پاس چلے آئے۔ کافی دیر سے ان کے بیچ مختلف موضوعات پر ہلکی پھلکی گفتگو چل رہی تھی۔

"اسرائیل یقیناً اس حملے کے لیے ہر گز تیار نہ تھا۔۔۔" بابر خان مطمئن انداز میں کہہ رہے تھے۔

"شیر کا اثرورسوخ!" حاشر نے کاندھے اچکا دیے۔ بابر سر نے گہری سانس لی۔ یہ بات تو وہ خود بھی جانتے تھے۔

"کیا آپ نے کبھی سوچا تھا کہ ایک دن آپ کا بیٹا بین الاقوامی سطح پر اتنی مضبوط شخصیت ہو گا۔ فخر کرتے ہیں آپ؟" حاشر کے لہجے میں تجسس تھا۔

"نہیں ہر لمحہ ڈرتا ہوں۔۔۔ جو جس قدر مضبوط ہو اسے کمزور کرنے کے لیے اتنی ہی زیادہ طاقتیں کام کر رہی ہوتی ہیں۔۔۔ اس نے میری وجہ سے امریکا کے دفاعی نظام میں دخل دیتے اس افسر کو بلیک میل کر کے میرا ڈیٹا ختم کروایا تھا۔۔۔ پھر اس کے بعد امریکا میں میری شناخت ختم

ہوگئی تھی لیکن شیر کی شناخت نے جنم لیا تھا۔ وہ ہنوز ایک بڑا کانٹا ہے
ان کے گلے کا۔"

"اسے اپنی حفاظت کرنا آتی ہے۔۔" حاشر جو کب سے پھولوں کی کانٹ
چھانٹ کر رہا تھا۔ اب پائپ چلانے لگا۔

"کیا آپ غازی سے ملے کبھی؟" حاشر نے لان میں پانی چھوڑتے ہوئے
بابر خان کی طرف دیکھ سوال کیا اور کپڑوں کے اوپر باندھا پیراشوٹ
ایپرن کھولنے لگا۔

"ایک یا دو مرتبہ! شیر نے اپنی زندگی کو کبھی اتنا کھولا ہی نہیں کہ میں
اس کے قریبی لوگوں کو جان سکوں یا ان سے ملوں۔۔" وہ گہری سانس
لیتے ہوئے بولے۔

"میں نے سنا ہے امریکا کے وزیر خارجہ پر بھی حملہ ہوا ہے؟" بابر خان کو اچانک یاد آیا۔

"اور آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ یہ بھی کس نے کیا ہوگا؟" حاشر نے ان کی آنکھوں میں جھانکتے کہا۔ وہ نظریں چرا کر رہ گئے۔

"خیر ایسے لوگوں سے نمٹنے کا تو ثواب ہی ملنا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی وجہ سے معصوم لوگ مارے جا رہے ہیں۔" حاشر نے تبصرہ کیا۔ بابر خان کچھ نہ بولے۔

کرسی پر بیٹھے چائے کی چسکیاں بھرتے رہے۔ حاشر بھی آکر ان کے سامنے بیٹھا اور اپنے لیے چائے نکالنے لگا۔

"آپ کی شیر سے بات ہوئی ہے؟"

"میں نے رابطہ کیا تھا لیکن اس نے میرا فون نہ اٹھایا۔"

بابر خان آہستگی سے بولے۔ حاشر مزید کچھ نہ بولا۔ خاموشی سے چائے کے گھونٹ بھرتا رہا۔ اس کی سوچ کا پنچھی وہیں شیر کے آس پاس پرواز کر رہا تھا۔



ہنسو! اور یہ دنیا تمہارے ساتھ ہنسے گی۔
رو! تو تمہیں تنہا رونا ہے۔
گاؤ! تو یہ پہاڑ تمہیں جواب دیں گے۔
"آہ! تمہاری فضاؤں میں کھو جائے گی۔
خوش ہو! تو لوگ تمہیں ڈھونڈیں گے۔
غمگین ہو تو وہ مڑ کر چلے جائیں گے۔
وہ آپ کی خوشی کا پورا پیانا چاہتے ہیں۔

لیکن انھیں آپ کی پریشانی درکار نہیں۔

خوش رہو۔۔ تو تمہارے دوست بہت ہیں۔۔

اداس رہو گے تو اکیلے رہ جاؤ گے۔۔

آپ کی امرت والی شراب کو مسترد کرنے والا کوئی نہیں ہے۔۔

لیکن زندگی کا زہر اپنے تنہا پینا ہے۔۔

حاصل کرو۔۔ تو دنیا جینے میں مدد دے گی۔۔

لیکن کوئی آپ کو مرتے وقت مدد نہیں کرے گا۔۔

خوشیوں کے دربار میں آپ سب کے لیے ایک کھلی ہوا دار جگہ ہے

۔۔ لیکن درد کی سرنگ سے سب کو ایک ایک کر کے اکیلے گزرنا ہے۔۔

ویلا۔ وہیلر۔۔ ولکو کس 1850_1919

وہ محل کے عقبی باغ میں تالاب کنارے لگی سنگ مرمر کی میز کے گرد قدیم طرز پر بنی شاہی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھا تھا۔ سامنے ہی ہیزیل بڑا سا شراب کا گلاس لیے گھونٹ گھونٹ پی رہی تھی۔

"ساری دنیا جان گئی ہے۔۔ لوگ آپ پر تنقید کر رہے ہیں۔۔ کسی نے تو یہ تک کہہ دیا کہ آپ براہ راست قتل و غارت میں بھی ملوث رہے ہیں۔ شاہی خاندان چاہے سالوں پہلے ختم ہو چکا لیکن آپ تو ایک شہزادے ہیں۔ میں ایک شہزادی! ٹھیک ہے ہمیں نقصان پہنچانا اتنا آسان نہیں۔۔"

"تم جانتی ہو ہیزیل میں نے تمہیں کبھی اپنے ساتھ کیوں نہیں رکھا؟" گولڈن نے اپنے چہرے کے سیاہ نشان پر ہاتھ پھیرتے سنجیدگی سے سوال کیا۔ ہیزیل یک دم چپ ہو کر باپ کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیوں کہ تم اپنی ماں کی طرح ہو، جسے لاکھ دفعہ سمجھانے پر بھی بات سمجھ نہیں آتی۔۔ بس کسی طرح لوگ تمہاری بیوقوفی کو دانائی مان کر تمہاری بات پر متفق ہو جائیں۔۔" وہ اس پر اچانک ہی برس پڑا۔

"کتنی دفعہ میں ایک ہی بکو اس کرتا رہوں کہ کبھی کبھی خاموشی اور کنارہ کشی ہی ہمارا بہترین جواب ہوتا ہے۔۔ یہ شاہی نام و رتبہ ایک ایسا خول ہے جس میں ہم صرف چھپ سکتے ہیں۔۔ کوئی قلعہ نہیں جس میں بیٹھ کر ہم ہر وقت دنیا سے لڑتے رہیں۔۔ بڑے سے بڑا بادشاہ بھی ایک وقت بے بس اور کمزور ہوتا ہے۔۔ کیا تمہیں میں اپنے منہ سے بولوں کہ میں کتنا بے بس اور کمزور ہوں اس وقت؟ اٹھ ادھر سے! اور دفع ہو جا۔۔ محل میں رہ رہی ہے۔۔ مگر میرے سامنے نہ آنا۔۔ جا دفع

ہو جا۔" وہ ہڈیاں بکتا بری طرح چلا رہا تھا۔ ہیزیل تیزی سے اٹھی اور بھاگتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

"عقل سے اندھی عورت!" وہ بڑبڑاتا ہوا شراب کے گھونٹ بھرنے لگا۔ بڑبڑاہٹ جاری تھی۔ یک دم ہی غضب کا طوفان اٹھا اور اس نے شراب کی بوتل اٹھا کر پوری قوت سے اٹھا کر زمین پر دے ماری۔ وہ گھاس پر ٹپکا کھاتی پتھریلی روش سے ٹکرائی اور سرخ مائع زمین پر بہنے لگا۔ ایک ناگوار سی بو فضا کو اپنے حصار میں لینے لگی۔ گولڈن کی سنہری آنکھیں اسی سرخ مائع کی زمین پر بنتی لکیروں کو گھورتی رہیں۔



غازی کی شہادت کو ہفتہ گزر چکا تھا۔ اگلے روز ہی غازی کی میت لیے وہ شارجہ چلا آیا تھا۔ اس کی تدفین یہیں ہوئی تھی۔ شیر خود بھی وہیں موجود

تھا۔ اس نے بظاہر خود کو سنبھال لیا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ اس دھچکے سے کبھی نہیں نکل سکے گا۔ دل کا ایک حصہ ہمیشہ خالی رہے گا۔ روح کا یہ زخم ہمیشہ رستا رہے گا کبھی نہیں بھرے گا یہ ضرور ممکن تھا کہ وہ اس زخم کے ساتھ جینے کا آغاز کر دے۔ شیر نے اس نو مولود کو غازی کہنا شروع کر دیا تھا اس کے دیکھتے ڈینیل اور جنت بھی اسے غازی کہنے لگے تھے۔ وہ شیر سے زیادہ جنت کے قریب تھا۔ وہ اس کا بہت زیادہ خیال رکھتی تھی۔ یوں کہا جائے کہ وہ پورا دن اسی میں مصروف رہنے لگی تھی تو غلط نہ ہو گا۔ وہ اس وقت ایل ای ڈی اسکرین کے سامنے بیٹھی تھی جہاں شیر کانفرنس کر رہا تھا۔ ننھا غازی ایک طرف کھلونوں کے انبار کے ساتھ مگن نظر آ رہا تھا۔

"کبھی آپ کا کسی ایسے پڑوسی سے سامنا ہوا ہے جس نے آپ کا گیارہ تراش (گھاس کاٹنے والا آلہ) ادھار لیا اور اچانک ہی دعویٰ کر دے کہ وہ آپ کے پورے لان کا مالک ہے۔ آپ سوچ رہے ہوں گے یہ کیا بکواس ہے؟ کہ ایسا دنیا میں باشعور لوگوں کے بیچ ہوا ہو؟ نہیں! لیکن ایسا ہوا ہے۔ اور دنیا واقف ہے اس سے۔" شیر نہایت ہی سنجیدہ اور سپاٹ انداز میں بات کر رہا تھا۔ سامنے میڈیا کا سیلاب اٹھ آیا تھا۔ غازی کی شہادت نے نہ صرف غازی کو پوری دنیا میں ایک نئی پہچان دی تھی بلکہ خود شیر کا موقف سننے کے لیے ساری دنیا ایک پاؤں پر کھڑی تھی۔ ڈینیل اس کے برابر میں کھڑا ہاتھ پیٹھ پر باندھے کھڑا تھا۔

"ہم ایک ایسی دنیا میں رہ رہے ہیں جہاں ایسی عجیب و غریب ہستیاں رہتی ہیں اور ایسے عجیب و غریب واقعات بھی ہوتے ہیں۔ لیکن ماڈرن

دنیا میں ایسے لان ادھار مانگ کر پھر ملکیت جتانے والے کردار کو ہم "اسرائیلیت کہتے ہیں" اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔۔۔ میں آپ کو بتاتا ہوں۔ بہت پہلے کی کہانی ہے۔۔۔ وقت اور حالات اس کی الگ الگ تشریح کرتے ہیں پر میں آپ کو درست طریقے سے بتانا ہوں۔۔۔ جیسا کہ میرے بارے میں مشہور ہے میں کچھ نہیں بھولتا۔ "وہ ہاتھ کے اشارے سے اپنی بات سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ایک دفعہ کا ذکر ہے، ایک دور دراز ملک میں مٹھی بھر لوگ آباد تھے۔ جنہیں اچانک خیال آیا کہ ان کا ایک نیا گھر ہونا چاہیے۔۔۔ ہم انہیں 'آوارہ خانہ بدوش' کہہ سکتے ہیں۔ یہ خانہ بدوش مشکل حالات سے گزر رہے تھے اور ایسی جگہ تلاش کر رہے تھے جسے وہ اپنا کہہ سکیں۔۔۔ ایک ایسی جگہ جہاں وہ اپنے خیمے لگا سکیں، مارشیلو بھون سکیں، اور تختہ نرد کا

دوستانہ کھیل کھیل سکیں۔ "اس کے انداز میں نفرت کے ساتھ ایک گہرا
تمسخر بول رہا تھا۔

"لیکن کیا یہ کچھ "بیچارے" بے گھروں کی کہانی ہے جو نئے گھر کی
تلاش میں ہیں۔ نیا گھر تلاش کرنا یا پوری زمین کا ملکیت کا دعویٰ کرنا؟ یعنی
اسرائیل؟ سمجھ سکتے ہیں آپ سب!" ایک اور گہرا طنز!

یہ آوارہ گرد جو اپنے آباء کی "یوفوریا" نامی سر زمین کی کہانی سے متاثر
تھے۔ ان آوارہ بازوں نے اسی سر زمین کو اپنا نیا گھر بنانے کا فیصلہ کیا۔
اب لوگوں کے لیے اپنی جڑوں کی یاد تازہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں
ہے، لیکن یہ لوگ اسے بالکل نئی سطح پر لے گئے۔ انہوں نے اپنے آپ
کو باور کرایا کہ یوفوریا کی سر زمین سے ان کے آبائی تعلق کے ثبوت
تاریخ میں کہیں دفن ہیں۔ تو انہوں نے یوفوریا کا رخ کیا۔ اپنی تاریخ کو

یاد کرنے کے لیے نہیں بلکہ ایک نئی تاریخ رقم کرنے کے لیے۔۔" خیر آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ان کی فطرت ٹھہری!"

لہذا، یہ آوارہ سفر کرتے ہوئے یو فوریا کے ساحل پر پہنچے، ان کی آنکھیں ایک نئے آغاز کے خوابوں سے چمک رہی تھیں۔ ایک نئی شروعات کا خواب دیکھنا یا کسی اور کی زندہ جاوید حقیقت پر مسلط ہو جانا! دوسرے کی سرزمین پر گھس بیٹھنا۔ انہیں جیسے معلوم نہ تھا کہ اس سرزمین کے موجودہ باشندے، 'مقامی باشندے' پہلے ہی اپنے خاندانوں کے ساتھ آرام سے آباد ہیں، اپنے زیتون کے درختوں کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔۔ اپنا کاروبار کر رہے ہیں۔۔ اپنے خوابوں کو جی رہے ہیں"

وہ چمکتی مسکراہٹ والے لوگ تھے اور خوبصورت خواب دیکھتے تھے اور ایک جدید معیاری طرز زندگی گزار رہے تھے۔ جس کا خواب صرف خانہ بدوش ہی دیکھ سکتے تھے۔ آوارہ گھس بھیٹ خانہ بدوش! "لیکن مقامی باشندے مہربان تھے۔ وہ شیطان خانہ بدوشوں کے ارادوں کو نہیں جانتے تھے۔"

ان معصوم کھلے دل والے مہمان نواز باشندوں نے کھلے دل سے ان کا خیر مقدم کیا۔ ہر بے گھر شخص کی طرح، ان آوارہ خانہ بدوشوں نے ایک بڑے گھر کا خواب دیکھا جہاں وہ رہ سکیں اور حکومت کر سکیں۔ اور یو فوریا سے بہتر کیا تھا، وہ سرزمین جہاں سورج چمکتا تھا اور زیتون کے باغات نے ہر طرف منظر کی خوبصورتی کو بڑھا دیا تھا۔ "کیمرے کی کھٹ

کھٹ کی آوازیں فضا میں وقفے وقفے سے گونج رہی تھیں۔ اسے ہر چینل پر لائیو سنا جا رہا تھا۔



اسلام آباد میں اس وقت شام کے سات بج رہے تھے۔ بادلوں سے گھرا آسمان ہلکے جامنی سے گہرے جامنی میں تبدیل ہو رہا تھا۔ ہلکی ہلکی ہوائیں چل رہی تھیں۔ وہ دونوں ایک ساتھ چلتے ہوئے شاپنگ مال سے نکلے تھے۔ مسکراتے چہروں سے مزاج کی خوشگوار کی احساس ہو رہا تھا۔ حاشر نے ہاتھ میں شاپنگ بیگز پکڑ رکھے تھے۔ جبکہ طوبی ہاتھ میں آئسکریم کپ لیے مزے سے کھاتی دکھائی دے رہی تھی۔

"تو پھر بتائیے کیسا رہا تجربہ ایک لڑکی کے ساتھ شاپنگ پر جانے کا؟"

"وہ لڑکی آپ ہیں شاید اس لیے خوشگوار!" وہ سر خم دیتے ہوئے بولا۔

"تو مطلب آپ اب بھی شاپنگ کو بورنگ سمجھتے ہیں؟"

"میرے لیے شاپنگ کسی دکان میں داخل ہو کر پہلی وہ چیز جو نگاہوں کو بھائے اور جس کی کوالٹی اچھی ہو۔ اسے خرید کر گھر لوٹنے کا سادہ عمل ہے۔" وہ کہہ کر ہنس دیا۔

"نہیں!" طوبی نے تیزی سے نفی میں گردن ہلائی "اس کا مطلب ہوتا ہے۔ شاپنگ کرتے ہوئے سو چیزوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا اور ایسے ہی ہر دکان میں داخل ہو کر مختلف چیزوں کا جائزہ لینا اور یوں پورے مال میں گھومنا پھر تھک کر کافی، کوئی ڈرنک یا کوئی اسنیک۔"

"میں سمجھ گیا!" حاشر ہنس دیا۔ طوبی مسکراتے ہوئے آسکریم کھاتی رہی۔

"ویسے آپ پر یقین ہیں کہ آپ کو نکاح کے دن یہی رنگ پہننا ہے؟"

"بالکل! پیسل کلرز کا فیشن ہے آج کل!"

"پر ہم جب شاپنگ کے لیے نکلے تو آپ نے کہا تھا کہ آپ سرخ رنگ لیں گی۔" حاشر ہنوز شرمندہ سا تھا۔ شاپنگ کے دوران اس

کی نگاہ ایک پستانی رنگ کے فرائک پر پڑی جو اس کی نگاہوں کو بھایا ضرور لیکن ایسے بھی نہیں کہ وہ طوبیٰ کو وہ پہننے پر مجبور کر دے لیکن طوبیٰ نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کرتے اس لباس کو ہی پسند کر لیا اور اسی کو خرید لیا۔ اب وہ اسی لباس کو نکاح کے دن پہننا چاہتی تھی۔ ان کا رشتہ پکا ہوتے ہی دو ہفتے بعد ان کا نکاح طے پایا تھا۔ حاشر یا طوبیٰ دونوں کو ہی نکاح پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ رخصتی کچھ ماہ میں طے پائی تھی۔ وہ دونوں خوش تھے اور ان کی خوشی کا اظہار الفاظ میں بیان کرنا اتنا بھی آسان نہ تھا۔ ان دنوں حاشر کے لیے زندگی ایک خوبصورت خواب جیسی

تھی۔ ایسا خواب جو حقیقت کا روپ دھار کر اس کی زندگی کو ہمیشہ سے زیادہ حسین بنا رہا تھا۔ اس کے دل کی ویرانیوں میں محبت اور احساس کا انمول جذبہ پنپ کر دل کی زمین کو سبز و سیراب کر رہا تھا۔

"کمانڈر! کیا میں ایک بات کہوں؟" اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہی کہا اچانک یہ سوال کیا تھا۔

"ضرور! کیوں نہیں۔" وہ مسکرایا اور اجازت دیتے گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

"آپ شیر کو ہمارے نکاح کی دعوت نہیں دے سکتے؟" اس نے جھجک کر سوال کیا۔ حاشر نے اس کی طرف دیکھا اور دیکھتا رہا۔ گاڑی کی فضا میں ایک خاموشی اتر آئی تھی۔

"سچ کہوں تو شاید بابا بھی یہی چاہتے ہیں۔ لیکن وہ میری دعوت قبول کرے گا؟ پاکستان آئے گا؟"

"ہماری ذمہ داری تو اسے نکاح کی دعوت دینا ہے۔۔" طوبیٰ نے آہستگی سے کہا۔

"باقی آنا یا نہ آنا اس کی اپنی مرضی ہے۔۔" طوبیٰ نے مزید کہا۔

"کیا آپ ابھی تک اسے قبول نہیں کرپائے؟"

"ایسا نہیں ہے۔۔ مجھے اس سے کوئی شکایت یا گلہ نہیں۔۔ بس ایک سرد

سی دیوار ہے جسے گرانا مشکل لگتا ہے۔۔"

"آپ کے لیے تو کبھی بھی کچھ مشکل نہیں رہا۔۔" اس نے مسکراتے

ہوئے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے کہا۔

"ہاں! کچھ بھی کبھی مشکل نہیں رہا۔ سوائے اپنے رشتوں کے بچانے کے۔ رشتوں کو سنبھالنے میں ہمیشہ سے برا رہا ہوں میں۔" وہ سرد آہ بھرتے ہوئے بولا بہتے وقت کی تلخیاں یاد آنے لگیں۔

"حالات ہی ایسے تھے کمانڈر! آپ کا کوئی قصور نہیں تھا۔" طوبیٰ نے تسلی دیتے بڑی نرمی سے کہا تھا۔
وہ آہستگی سے مسکرایا۔

"آپ بار بار ایسے مجھے یاد دہانی کرواتے رہیں گی تو بہت جلد میں اپنے تلخ ماضی کو بھول جاؤں گا۔" وہ ہنس دیا۔ وہ جانتی تھی ماحول کی تلخی و اداسی کو کم کرنے کی خاطر وہ موضوع بدل رہا ہے۔ سر جھٹک کر ہنس دی۔ وہ اس کی شخصیت کی مزید پرتوں سے واقف ہو رہی تھی۔ اسے جاننا ایک دلچسپ تجربہ ثابت ہو رہا تھا۔ وہ صرف پیشہ وارانہ زندگی میں ہی نہیں بلکہ

عام اور ذاتی زندگی میں بھی بہت زیادہ سلجھا ہوا اور سمجھدار انسان تھا۔ طوبیٰ کو یقین تھا زندگی اس کی سنگت میں بہت خوبصورت ہو جانے والی ہے۔ وہ آنے والے وقت کو سوچ کر مسکرانے لگی۔



بابر خان چائے کا کپ لیے اسکرین کے سامنے بیٹھے تھے۔ پوری توجہ سامنے نظر آتے شیر پر تھی جو کمپوز اور پر اعتماد پہلے سے زیادہ سنجیدہ اور کرخت دکھائی دے رہا تھا۔ اس نیوز کانفرنس کا وہ پچھلے تین دن سے انتظار کر رہے تھے وہ جاننا چاہتے تھے کہ شیر کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔ اب وہ کس ڈگر پر جانا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھے کہ اونٹ اب کس کروٹ بیٹھنا چاہتا ہے۔

"ان خانہ بدوشوں نے سوچا کہ ہمارے پاس تاریخی ثبوت ہیں کہ یہ زمین ہماری ہے تو باقی لوگوں کو سامان باندھ کر یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ وہیں قدیم صحیفے جو تاریخ میں کہیں کھو گئے تھے اچانک جیسے سامنے آئے۔ مقامی لوگ ناقابل یقین حالت میں اپنا سر پکڑے بیٹھتے ہیں۔ اور شائستگی سے ان آوارہ خانہ بدوشوں کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ شاید وہ سب مل کر ہم آہنگی سے رہ سکتے ہیں۔ مگر۔۔ بے سود جیسے جیسے وقت گزرتا گیا۔" وہ اب کے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتا بڑے ہی پُر سکون انداز میں کہہ رہا تھا۔

ان خانہ بدوشوں نے فیصلہ کیا کہ انہیں تھوڑی زیادہ جگہ کی ضرورت ہے، اور انہوں نے باڑ بنانا شروع کر دی، نہ صرف کوئی باڑ، بلکہ چوکیوں اور محافظ ٹاورز کے ساتھ اونچی عمارتیں بنانا شروع کر دیں۔ مقامی باشندوں

نے خود کو اپنے ہی گھروں میں قید پایا، ایک بار پھر سر کھجاتے ہوئے یہ سوچ رہے تھے کہ 'مہمان نوازی' کب 'دشمنی' میں بدل گئی؟ " شیر نے سوالیہ انداز اپناتے سب کی طرف دیکھا۔

بابر خان کی آنکھوں میں ایک عجب سا فخریہ احساس اترنے لگا۔ وہ تو ہمیشہ ہی اتنا بے باک اور نڈر تھا۔ بے خوفی اور یہ اعتماد تو اس کی ذات کا خاصا تھا۔ بس فرق یہ تھا کہ دنیا کی نظر میں اس کی شخصیت کا یہ پہلو پہلے نہ آیا تھا۔ اس کے چاہنے والوں میں تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا۔

اور یوں، 'آوارہ خانہ بدوش' 'زمیندار' بننے کی کہانی جاری ہے۔ مقامی باشندے، جو اب مقبوضہ رہائشی ہیں۔ اب بھی اپنے مہمانوں کا انتظار کر رہے ہیں کہ انھیں یہ اندازہ یا احساس ہو کہ لان کاٹنے کی مشین ادھار لینے سے آپ کو پورے گھر کے لان کی ملکیت نہیں مل جاتی ہے۔ " اس

کی آنکھوں میں اب کے خون اتر آیا اور آنکھیں سرخ پڑنے لگیں تھیں۔ انداز میں سختی بڑھتی جا رہی تھی۔

"یہ قبضے اور جبر کی ایک ایسی کہانی ہے جو نہ صرف قدیم کتابوں میں بلکہ آج کی دردناک حقیقتوں میں بھی آشکار ہوتی ہے۔ اور یہ صرف مقامی باشندوں اور خانہ بدوشوں کی کہانی نہیں ہے۔ یہ پوری قوم کی گرفت کی کہانی ہے۔ آپ سب اس قوم کو جانتے ہیں جو کبھی اپنی سرزمین بانٹتی تھی لیکن اب اس گندگی اور جارحیت میں گھری ہوئی ہے جو سات دہائیوں سے جاری ہے۔" وہ کچھ پل کو ٹھہرا اور پانی کا ایک گھونٹ حلق میں اتارا۔

"فلسطین کے کاز کے لیے ہماری غفلت کی چنگاریاں جو مکمل طور پر پھیلی ہوئی جنگل کی آگ میں اپ گریڈ ہو گئی ہے۔۔۔ اور ہم سب آگ کو

محسوس کر سکتے ہیں اپنے اندر! کیا آپ گرمی محسوس کر سکتے ہیں؟ یہ آپ کے ضمیر کو جگانے کرنے کا وقت ہے۔۔ جغرافیائی سیاسی اسرار کو بے نقاب کرنے کے لیے اپنی آنکھوں، کانوں اور دماغوں کو کھولیں۔ سیاست کو ڈی کوڈ کریں، پوشیدہ لائحہ عمل کو ظاہر کریں، اور اس طرح بیداری پھیلانیں۔۔ "وہ جیسے پوری دنیا سے مخاطب تھا۔ مجمعے میں موت کی سی خاموشی طاری تھی۔ سب سن بیٹھے اسے سن رہے تھے۔

"سائرن سے زیادہ اونچی آوازیں بنیں، متحرک ہوں جیسے یہ وقت کے خلاف دوڑ ہو، حکومتوں کو اپنے GPS کو تازہ کرنے کے لیے دباؤ ڈالیں۔ اسرائیل کا سامنا کرنا ایک ناممکن مشن لگتا ہے، ہم سب یہ جانتے ہیں، اس لیے ہمیں GW5 اور GW6 کے میدانوں میں جنگجو بننے کی ضرورت ہے۔ ڈیجیٹل جنگ کے محاذوں میں شمار ہونے والی طاقت بنیں۔

ہمیں انٹرنیٹ کے ایونجیورز کے طور پر سوچیں۔ اور گیاه تراش؟ نہیں اس کو ادھار لے کر آپ پورے لان کے مالک نہیں بن سکتے۔ اس کا احساس دلائیں دنیا کو۔ معلومات۔ علم۔ سمجھنا۔ سیاست، قوانین، انسانی حقوق، اور جو کچھ بھی آپ گوگل کر سکتے ہیں اس کی پیچیدگیوں کا سامنا کریں اسے سمجھیں۔

بین الاقوامی تعلقات، اقتصادی پالیسیوں، تاریخی سیاق و سباق کی حرکیات میں مہارت حاصل کریں، اور جغرافیائی سیاسی پیچیدگیوں کی گہرائیوں میں غوطہ لگائیں۔ اپنے آپ کو ثقافتی باریکیوں، سفارتی حکمت عملیوں، اور تنازعات کے ابھرتے ہوئے منظر نامے کی وسیع تفہیم سے آراستہ کریں۔ اس ڈیجیٹل صلیبی جنگ میں، آپ کا اسلحہ لامحدود ہے، اور آپ کا تجسس

آپ کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ لہذا، روشن خیالی کی اس جستجو میں آپ کا سامنا ایک گھس بیٹھیا گروہ ہے۔۔"

وہ پورے اعتماد سے بلا خوف خطر بڑے ہی کھلے لہجے میں بات کر رہا تھا کیوں کہ اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ اب آدھی سے زیادہ پبلک جاگ گئی ہے۔ متحس ہے۔ جاننا چاہتی ہے۔ سننا چاہتی ہے۔

لہذا، ایک اچھا انسان بننے کا فیصلہ کریں، اچھا انسان وہ ہے جو دوسرے انسانوں کا درد سمجھے۔ اسے محسوس کرے۔"

"اور یہ میں صرف شیر بن کر نہیں بلکہ اپنی ذاتی حیثیت ذاتی شناخت کے ساتھ کہہ رہا ہوں۔۔ شریم بابر خان کی حیثیت سے میں دنیا کو بیداری کی طرف لانے کی چھوٹی سی کوشش کر رہا ہوں۔۔"

(تحریر و تقریر از قلم طیبہ الیاس لودھی)

وہ خاموش ہوا تو میڈیا میمبران سوال پوچھنے کو لپک پڑے۔ ہاتھ اٹھاتے اجازت طلب کرتے بے صبری دکھا رہے تھے۔

"مسٹر شیر کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اسرائیل کی طرف سے لگایا جانے والا الزام کہ آپ کی کمپنی نے ایران کو اسلحہ فراہم کیا جو اب وہ ان کے خلاف۔"

شیر بے اختیار ہنسا اس کی ہنسی میں گہری نفرت اور غصہ دکھائی دیا۔
 "آپ کا مطلب ہے وہ آوارہ خانہ بدوش جو؟ لان کاٹنے والے آلے کو ادھار لے کر لان پر قبضہ کرتے ہیں؟ کیا ایسے لوگوں کے الزامات کو سنجیدہ لینا چاہیے؟"

"مسٹر شیر! واشنگٹن میں وزیر دفاع پر ہونے والے حملے کے بارے میں کیا خیال ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ آپ اپنے بھائی کی شہادت کا

بدلہ لینے کے لیے اپنے تعلقات اور اثر رسوخ کا استعمال کر رہے ہیں؟"

"شہادت تو فلسطین کے بچوں کے لیے ایک اعزاز ہے شرف ہے۔۔ وہ بڑے ہی فخر سے اسے سر کا تاج بناتا ہے مگر یہ بیانیہ بالکل برابری کی بنیاد پر ہے۔۔ اس میں سوال کرنے کا یا الزام لگانے کا طعنہ تو نہیں ہونا چاہیے لوگوں میں۔۔ لیکن اگر کسی کے پاس ثبوت ہے تو میں سزا کے لیے تیار ہوں۔۔" وہ لاپرواہی سے بولا۔

"آپ کی کمپنی کی طرف سے دعویٰ کیا گیا ہے کہ کچھ مشہور پراڈکٹس جو بین الاقوامی طور پر اہم ضرورت ہیں ان میں جان لیوا اجزاء شامل ہیں۔۔"

"دعویٰ نہیں کیا ہم نے۔۔ ثبوت پیش کیے ہیں۔۔ باقی اب دنیا کا کام ہے کہ وہ ان پروڈکٹس کو زندگی میں شامل رکھ کر اپنے بچوں کی زندگی سے کھیلیں یا پھر ان کا بائیکاٹ کریں۔۔"

"کیا آپ کو نہیں لگتا آپ کے اس اقدام سے آپ کی اپنی کمپنی پر کیا اثر پڑے گا۔"

"میں ایسے نقصان پر خوش ہوں گا جو لوگوں کی زندگی کو بہتر کرنے کے لیے میری کمپنی کو لگے گا۔"

مزید مجھے کچھ نہیں کہنا!" وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ پولیس میڈیا کو روکنے کے لیے آگے بڑھی۔ شیر ڈینیل کو اشارہ دیتا آگے بڑھنے لگا۔ کیمروں کا رخ ابھی بھی اسی کی طرف تھا۔



"تم مجھے اپنی شادی پر بلا رہے ہو؟ یا میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔"

شیر کا انداز ہلکا پھلکا تھا۔ ان حالات میں وہ اپنے فون کی اسکرین پر چمکتا نام دیکھ واقعی حیران ہوا تھا اور فوراً ہی فون اٹھا لیا تھا۔

"کیا خواب لگ رہا ہے؟ میری شادی ہونا؟ تمہیں دعوت ملنا!"

"پہلے تو تمہیں لڑکی ملنے پر حیران ہوں۔" جانے کیسے اس سے بات کرتے اس کی وہی پرانی شرارتی رگ پھڑک اٹھی۔ دوسری طرف حاشرنا چاہتے ہوئے بھی مسکرایا۔

"کیا اس پر میں ہنسوں؟" حاشر نے لہجے کو سنجیدگی کی چادر میں لپیٹتے سوال کیا۔

"مرضی ہے۔۔ لیکن مجھے اندازہ لگانے دو کہ میری بھابھی کون ہے۔"

شیر کے اس جملے پر حاشر کے تاثرات بدلے تھے۔ اعصاب ڈھیلے پڑے وہ مسکرایا۔

"یقیناً وہی مشرقی حسینہ جیسی کیپٹن طوبی! بس وہی تمہیں بھگت سکتی ہیں۔۔" مزاح کا عنصر احترام کی آڑ میں چھپا۔

"اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔۔"

"مجھے تو بچپن میں ہی نواز دی گئی تھی ایک عربی دوشیزہ! جو میرے ساتھ بہت خوش ہے۔۔"

"تمہارے اس بیانیے پر مجھے شک ہے۔۔ تمہیں صرف برداشت ہی کیا جاسکتا ہے۔۔" حاشر نے حساب برابر کرنا چاہا۔

"مجھے اپنی طرح تو مت سمجھو!" شیر نے اسے تپانا چاہا۔

"اپنی طرح نہیں سمجھ رہا تبھی تو کہہ رہا ہوں۔۔" حاشر نے دو بدو جواب دیا تھا۔

"آہ میں بھی کس انسان سے بحث کر رہا ہوں۔۔" شیر کی افسوس کرتی آواز سنائی دی۔

"میں ویسے بھی اپنے سرکاری مہمان سر سے ملنے پاکستان آرہا تھا۔ اب یہ مت سمجھ لینا کہ میں تمہاری دعوت پر تمہارے نکاح میں شرکت کر رہا ہوں۔۔" شیر نے جتانے والے انداز میں کہا۔

"احسان ہے آپ کا! بلکہ احسانِ عظیم! میں انتظار کروں گا۔" حاشر نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ دوسری طرف شیر نے مسکراتے ہوئے فون کی اسکرین کو دیکھا۔ وہ کچھ بہتر محسوس کر رہا تھا۔ تب ہی جنت ننھے غازی کو لیے وہاں آئی۔

"تم حاشر سے بات کر رہے تھے؟"

"ہاں!" شیر نے اس کی گود سے غازی کو لیتے ہوئے کہا۔

"ہم پاکستان جارہے ہیں۔" شیر نے ننھے غازی کے بالوں کو انگلیوں سے سہلاتے مسکرا کر کہا۔

"حاشر شادی کر رہا ہے۔ بابا وہاں خوش ہیں۔ ان کی میل ملی تھی مجھے!"

"اور تم کیسے ہو؟" جنت نے اس کے پیشانی پر بکھرے بالوں کو سمیٹتے نرمی سے سوال کیا۔

"بہتر ہوں۔ تم نہ ہو تیں تو شاید مجھے معمول پر آنے میں بہت وقت

لگ جاتا۔" شیر کی آنکھوں میں محبت کے ساتھ ساتھ ایک شکر گزاری کا سا احساس تھا۔

"ہمیشہ ٹھیک رہو۔۔ تم ایسے ہی اچھے لگتے ہو۔۔" جنت اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔

"مغرور! خود پسند! طنز کرتے ہوئے۔۔ غصہ کرتے ہوئے۔۔ تمہیں ہمیشہ ایسے ہی دیکھا ہے۔۔ پر یہ گزرے چند دن! بہت مشکل تھے میرے لیے۔۔ میں تمہیں اداس دیکھتی ہوں تو میری روح مرجھا جاتی ہے شیر!" جنت کی آنکھیں بھگنے لگیں۔ اس نے بہت نرمی سے شیر کی بڑھی ہوئی داڑھی کو سہلایا۔ شیر نے اس کے آنسو پونچھتے اسے خود سے لگایا۔

"میں ٹھیک ہوں میری پیاری لڑکی! پریشان نہ ہو۔۔"

شیر کے لیے زندگی کا یہ پہلا ایسا موقع تھا جب اس نے اپنے کسی جان سے پیارے کو کھو دیا تھا۔ آج سے قبل اسے کسی کی موت نے اس قدر متاثر نہیں کیا تھا۔ وہ راتوں کو غازی کی آواز سن کر نیند سے جاگ جاتا

تھا۔ کہیں بیٹھے بیٹھے اس کی مسکراہٹ تصور میں ابھرتی تو وہ آنسو روکنے کے جتن کرتا رہتا اس کے دل غازی کی شہادت نے بری طرح چھلنی کیا تھا۔ اسے پوری طرح سنبھلنے میں جانے کتنا وقت لگنا تھا لیکن وہ پوری کوشش کر رہا تھا۔



اس کے ذہن میں پاکستان کی کوئی تصویر نہیں تھی لیکن ایک دھندلی سی شبیہ تھی۔ جہاں ایک گھر ہوا کرتا تھا۔ گھر میں بڑا سا باغیچہ جہاں نیم کا ایک درخت اور نیم کے ان ننھے زرد دانے جنہیں وہ کوئی پھل سمجھ کر کھا جاتا اور کڑوا مادہ اس کے منہ کے ذائقے کو بگاڑ کر رکھ دیتا۔ وہ چہرے کے بگڑے زاویے لے کر حاشر کے پاس جاتا اور حاشر ہنستے ہوئے اس کو کلی کرواتا اور اس کے منہ کے ذائقے کو ٹھیک کرنے

کے لیے طرح طرح کی میٹھی چیزیں لا کر اس کے سامنے رکھ دیتا تھا۔ پھر موقع ملتے ہی باغ میں گرے سارے نیم کے دانے چن لیتا۔ وہ سائے کی طرح اس کے ساتھ رہ کر اس کی حفاظت کرتا تھا۔ پھر اسے وہ عورت یاد آئی جسے وہ ماں سمجھ رہا تھا لیکن وہ درحقیقت اس کی ماں نہیں تھی۔ وہ چھوٹا تھا لیکن ناپسندیدگی کے جذبات سمجھتا تھا۔ وہ عورت اسے پسند نہ کرتی تھی۔ حاشر وہ واحد چہرہ تھا جو اس کی یادداشت میں روز اول کی طرح روشن تھا وہ بچپن کی یادیں، وہ چہرہ وہ باتیں سب یاد تھا اسے۔ لیکن اسلام آباد اس کے لیے یکسر نیا تھا۔ یہ شہر اس کی توقع سے زیادہ خوبصورت تھا۔ صاف ستھرا ہرا بھرا سلیقے سے بنی عمارتیں سب کچھ کسی ترقی یافتہ ملک جیسا تھا۔ بین الاقوامی میڈیا ترقی پذیر ممالک کی ایسی تصویر کبھی نہیں کھینچتا۔

"کیا سوچ رہے ہیں ماسٹر؟"

"یہی کہ یہ ہوٹل خوبصورت ہے۔" شیر نے پلٹ کر اس کے لیے آنسکریم نکالتے ڈینیل کو دیکھا۔

"بس جو پہلے نمبر پر نظر آیا اسی پر میں نے بکنگ کروالی تھی۔ میں نے بھی نہیں سوچا تھا کہ پاکستان اتنا خوب صورت ہو گا۔" وہ کھسیا کر بولا۔

"آپ کو جتنی چڑ پاکستان سے تھی مجھے لگتا تھا کہ افریقا کے کسی پسماندہ گاؤں جیسا ہو گا۔"

"ایسے گاؤں ہیں یہاں بھی۔ اور ایسی پسماندہ جگہیں ہر ملک میں ہوتی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ میڈیا ہمیں کیا دکھاتا ہے۔ ویسے تمہاری اس گرل فرینڈ کا کیا ہوا؟"

"اسے پتا چل گیا تھا کہ میں دانیال نہیں ہوں۔۔ ڈینیل ہوں۔" اس نے

منہ بنایا۔

"وہ کیسے؟"

"اس نے سوشل میڈیا پر مجھے دیکھ لیا۔ اور یہ بھی جان گئی کہ میں آپ کا پرسنل اسٹنٹ ہوں۔۔ بس پھر اس کے رنگ ڈھنگ ہی بدل گئے۔" وہ تیزی سے کہہ رہا تھا۔ شیر نے اس کے ہاتھ سے آنسکریم لی۔

"کیا وہ ڈر گئی؟"

"ہاں! اور ویسے بھی شادی شدہ تھی۔" ڈینیل نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔ شیر سر جھٹک کر ہنس دیا۔

"میں کل عمش سے ملنے جا رہا ہوں۔"

"میں چلوں؟" وہ یک دم پر جوش ہوا۔ اس کی پر جوشی پر شیر نے آنکھیں
سکیڑیں۔

"تم اتنے پر جوش کیوں ہو؟"

"وہ کیا ہے ناں کہ تھوڑی۔۔ سمجھ ہی جائیں۔۔" وہ دانت نکالنے لگا۔
"تھوڑی عزت کرو۔۔ میرے ہونے والے سر ہیں۔۔" شیر نے اسے
گھورا۔

"تو کیا آپ جیل میں رشتہ مانگنے جا رہے ہیں مس جنت کا؟" ڈینیل نے
مسکرا کر پوچھا۔ شیر بے اختیار ہنس دیا
"کہہ سکتے ہیں۔۔" وہ کاندھے اچکا تا آئسکریم کا چمچ بھرنے لگا۔ ڈینیل ہنسنے
لگا۔

"یہاں میں اپنا کون سا شناختی کارڈ استعمال کروں گا؟ ڈینیل یا دانیال؟"
ڈینیل سنجیدہ ہوتے پوچھنے لگا۔

"اور اب ہم کب تک یہاں رہیں گے؟" اگلے سوال پر شیر نے کاندھے اچکا دیے۔

"ہم حاشر کا نکاح اٹینڈ کرتے ہی واپس چلے جائیں گے۔"

"کہاں جائیں گے؟"

"شارجہ!"

"کیا ہم مستقل وہیں رہیں گے؟" اگلا سوال شیر کو کچھ سوچنے پر مجبور کر گیا۔

"روسی حکومت کی طرف سے ہمیں عدالت میں پیش ہونے کا نوٹس ملا تھا جس کے بعد ہم نے ان سے وقت مانگا تھا۔ ہمارا وکیل چاہتا ہے کہ آپ ایک بار عدالت میں پیش ہوں اور اپنا موقف بیان کریں۔"

"کیا وکیل ہمارا موقف ٹھیک سے پیش نہیں کر رہا؟" شیر نے اب رخ پوری طرح ڈینیل کی طرف موڑ دیا تھا۔

"وہ اپنی پوری کوشش کر رہا ہے۔" ڈینیل نے وضاحت دی۔

"ڈیمین سان کا بھانجا ہر تاریخ پر خود آتا ہے۔" ڈینیل نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"وہ فارغ انسان ہے۔ میں تو نہیں۔ اور سارے ثبوت گواہ ہمارے پاس موجود ہیں۔ ہم پر قاتلانہ حملہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ کیا پولیس کا ستیاناس نہیں ہو گیا؟ ویڈیوز تو ہر جگہ موجود ہیں۔ عدالت مزید کیا

چاہتی ہے؟ سیدھا سیدھا فیصلہ سنا کر نقصان کا ازالہ کروائے اور سزا دے
مجرموں کو۔۔" شیر تلخی سے بولا۔

"ان کا موقف بھی بہت مضبوط ہے۔۔" ڈینیل نے کہا۔

"جتنا بھی مضبوط ہو۔۔ لیکن مظلوم تو ہم ہیں انھوں نے ہم پر حملہ کیا
ہے۔۔" شیر نے کاندھے اچکائے۔

"دیکھو ڈینیل! وکیل تبدیل کر دو چاہے۔۔ میں فی الحال کسی عدالت میں
پیش نہیں ہو رہا۔۔ زندگی معمول پر آہی نہیں رہی۔۔ میں جنت کو اب
مزید حالات کے دھارے میں نہیں چھوڑنا چاہتا۔۔ وہ بہت کچھ برداشت
کر چکی ہے۔۔ جانتے ہو میں کتنی شرمندگی محسوس کرتا ہوں اسے دیکھ
۔۔ اور اب تو میرے اوپر ایک اور ذمہ داری ننھی جان کی ہے۔۔ میں اب

اپنی زندگی کو ایک نارمل بہاؤ پر لانا چاہتا ہوں۔۔" اس نے دونوں ہاتھ برابر کرتے اشارہ کیا۔

"میں مزید کچھ انتظار کر لوں گی۔۔" اسی پل جنت وہاں آئی۔ چہرے پر نرمی اور انداز پُر سکون تھا۔ اس نے شیر کی تمام باتیں سن لی تھیں اور یہ جان کر ایک عجیب سی خوشی کا احساس ہوا تھا کہ وہ اس سے زیادہ اس کے لیے فکر مند ہے۔

شیر نے ایک طویل سانس خارج کی ڈینیل سوالیہ انداز میں شیر کی طرف دیکھنے لگا جیسے پوچھ رہا ہو جاؤں یا ٹھہروں؟ شیر نے گردن کے اشارے سے اسے جانے کا اشارہ کیا۔

"چپ چپ کر باتیں سننے لگی ہو؟" شیر نے ہنستے ہوئے اسے چھیڑا۔

"اور کوئی چارہ نہیں۔۔" جنت بھی ہنس دی اور پلنگ پر دونوں ہاتھ پیچھے کی طرف رکھتی بیٹھ گئی۔

"میں شارجہ میں تمہارا انتظار کروں گی یہاں سے جانے کے بعد! تم روس جا کر یہ مسائل نمٹالینا۔"

"میں تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔" شیر نے آہستگی سے کہا۔

"غازی سو رہا ہے؟" شیر نے سوال کیا۔

"ہاں!"

"تمہیں تنگ نہیں کرتا؟"

"نہیں! پر سکون رہتا ہے۔۔ بے وجہ نہیں روتا۔ خوش رہتا ہے میرے

ساتھ۔۔"

"جنت!" شیر نے دھیمے لہجے میں اس کا نام پکارا تھا۔

"کہو!" وہ اس کے چہرے کو نرمی سے دیکھتے پوچھ رہی تھی۔ شیر نظریں جھکائے فرش کو گھور رہا تھا۔

"میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔ بہت زیادہ! تم یہ سب کبھی بھی deserve نہیں کرتی تھی۔ کاش میں تمہیں ایک پُر سکون اور نارمل زندگی دے پاتا۔"

"نارمل نہ صحیح لیکن پُر سکون زندگی ہے میری! ویسے بھی مجھے بچپن سے ایڈونچرز کی عادت ہو گئی ہے۔"

وہ ماحول کے تناؤ کو کم کرنے کی خاطر ہنستے ہوئے بولی۔
"تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید یہ سب قبول نہ کرتا۔" شیر نے اس کے سامنے ہی کرسی پر بیٹھتے اعتراف کیا۔

"چھوڑو یہ بورنگ باتیں۔ ہمیں تمہارے بھائی کے نکاح کے لیے شاپنگ نہیں کرنی؟" جنت اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"چلتے ہیں۔۔ غازی اٹھ جائے پھر۔۔" شیر نے اس کا گال تھپتھپا کر کہا۔
 "ٹھیک ہے۔۔" وہ مسکرا دی۔

"میں ابھی ایک کام سے نکل رہا ہوں۔۔ تمہیں میسج کروں گا۔ تم غازی کو لے کر آجانا!" اس نے اپنی فون اسکرین کو دیکھتے اس سے کہا اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔ جنت خاموش نگاہوں سے اسے جاتے دیکھتی رہی۔
 وہ اس سے پوچھنے آئی تھی کہ اپنے بابا سے وہ کب ملے گی؟ لیکن اس کی باتیں سن کر اس نے اپنا سوال دل میں ہی دبا لیا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبنے لگی۔



وہ ہوٹل کے احاطے سے نکلا ہی تھا جب اسے سامنے ہی حاشر کار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا نظر آیا۔ آسمانی ٹی شرٹ اور خاکی پینٹ پہنے سر پر پی کیپ لیے تازہ دم لگ رہا تھا۔ گہری نگاہیں شیر کے وجود کا جائزہ لے رہی تھیں۔ شیر اس کی نگاہوں کو نظر انداز کرتا اس کی طرف بڑھنے لگا۔ گوکہ غیر متوقع ملاقات تھی لیکن اسے سامنے دیکھ برا نہیں لگ رہا تھا۔

"تو یہ طے ہوا کہ پیشہ ور جاسوس اپنی جاسوسی عام دنوں میں بھی ترک نہیں کرتا۔" شیر نے چھوٹے ہی طنز کیا۔ حاشر اس کی بات سن کر آنکھیں سکیڑے اسے گھورنے لگا۔

"وہ تم ہی تھے جس نے مجھے پاکستان پہنچنے سے پہلے ہی فیور مانگی تھی۔ وہی دینے آیا ہوں۔" طنز کا جواب طنز سے آیا۔

"ہاں لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ میرے پاکستان پہنچتے ہی میری جاسوسی شروع کر دینا۔"

"واٹ ایور! تم عمش سے غیر قانونی طور پر ملاقات کیوں کرنا چاہ رہے ہو؟" حاشر اس کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"تم مجھ سے یہ پوچھنے آئے ہو؟" شیر نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے اسے لتاڑا ہو جیسے۔

"ظاہر ہے! وہ ایک ہائی پروفائل قیدی ہے اسے یوں ہی ہم ہر کسی سے نہیں ملوا سکتے۔"

"تو میں "ہر کسی" ہوں؟ شیر نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"جو بھی ہو! انٹرنیشنل ہیرو یا کسی سلطنت کے بادشاہ! ہمارے بھی کچھ قانون ہیں۔ جب تک تم مجھے یہ نہیں بتاتے کہ تم بغیر ریکارڈ میں آئے

اس سے کیوں ملنا چاہتے ہو تب تک میں تمہیں اس سے نہیں ملواؤں گا۔" صاف صاف واضح کرتے حاشر نے کاندھے اچکا دیے۔ شیر نے گہری نگاہ اس پر ڈالتے سر جھٹک دیا۔

"تم اصول اور قانون سے ہٹ کر کبھی کچھ کر سکتے ہو؟ میں نے تمہیں لاتعداد فیورز دیے ہیں۔"

"غیر ضروری اور اپنی مرضی کے۔"

"جیسے کہ تم نے ان سے فائدہ نہ حاصل کیا ہو۔" شیر تلخ ہوا۔

"مدد نہیں کر سکتے تو پھر مجھ سے ملنے کیوں آئے۔" وہ چڑ کر بولا۔

"تو تم سیدھی طرح وجہ بتادو۔ میں ابھی لے جا کر عمش کے سامنے بٹھا

دوں تمہیں۔" حاشر نے ہاتھ جھلاتے ہوئے کہا۔ اسے شیر کی ضد فضول

لگی۔

"ایسے ہی میں ریکارڈ میں نہیں آنا چاہتا! جنت کی خیر ہے وہ اپنے باپ سے مل سکتی ہے۔۔ لیکن عمش کے ریکارڈز پر یقیناً تمہاری سرکار کی گہری نگاہ ہے۔۔ کہ کون آرہا ہے ملنے اور کون آئے گا۔ ایسے ہی حکومتیں سودے بازی کرتی ہیں۔۔ اور مجھے کم از کم اس کے ریکارڈ میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔" شیر نے کاندھے اچکایے۔ حاشر نے سمجھتے ہوئے اثبات میں سر کو جنبش دی۔ اس کا موقف کچھ ایسا بھی فضول نہیں تھا۔ شیر دور کی سوچ رہا تھا۔ محتاط تھا۔ حاشر نے سر خم دیا۔

"ٹھیک ہے۔۔ تم نظروں میں نہیں آنا چاہتے تو تمہیں اپنی شناخت چھپانے کا بھی بندوبست کرنا چاہیے۔۔ ویسے بھی یہاں تم ان دنوں بہت مشہور ہو۔۔" حاشر نے اس کو کھلے چہرے کے ساتھ دیکھ کر اطلاع دی۔

"تو؟"

"تو یہ کہ پاکستان میں ہو۔۔ یہاں لوگ جگھٹا لگا کر تمہیں گھیر لیں گے۔۔ بہت جذباتی اور معصوم قوم ہے پاکستان کی۔۔ فلسطین کے لیے ویسے ہی زیادہ حساس ہے۔۔ باہر تمہیں لوگ پہچان کر دور سے دیکھتے ہوں گے یہاں تمہیں گھیر کر پھولوں کے ہار پہنائے جانے لگیں گے۔"

"آہ! یہ تو اچھی بات ہے۔۔ میں انجوائے کروں گا۔۔ سلبریٹی مومنٹ" شیر ہنس دیا۔

"اٹینشن سیکر تو تم بچپن سے ہی تھے۔۔ چلو بیٹھو گاڑی میں۔۔" حاشر نے طنز کرتے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا۔

"Jealous fellow"!

شیر جواب نہ دے ایسا کسی کتاب میں نہ لکھا تھا۔ گاڑی میں سوار ہوتے اس نے ایک سرسری نگاہ حاشر پر ڈالی اور اپنے فون کی طرف متوجہ ہوا۔



"میں یہاں مہمان ہوں یا مجرم؟ یہ تمہارے سارے ساتھی مجھے ایسے گھور کیوں رہے ہیں" وہ سکون بھرے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"کیوں کہ ہم دونوں کی شکل ایک جیسی ہے شاید اس لیے۔" کچھ دیر انتظار کرو تمہیں عمش سے ملوا دیا جائے گا۔" حاشر نے سنجیدگی سے کہا۔ اس آفس میں اکیلے ہوتے ہی شیر نے حاشر نے پوچھا تھا۔

"ہاں لیکن یہ سب مشکوک کیوں ہیں؟ مجھے اپنا آپ مجرم لگ رہا ہے۔"

شیر نے تبصرہ کیا۔

"مجرموں کو یہاں آفس میں بٹھا کر کافی پیش نہیں کی جاتی۔۔" حاشر نے بے نیازی سے کہا۔

"میں تم پر بھروسہ کر کے آیا ہوں۔۔ کوئی گڑبڑ کی تو یہی گردن توڑ دوں گا تمہاری۔۔" شیر نے اسے گھورا۔

"تم ڈر رہے ہو؟" اگلے ہی پل حاشر کا قہقہہ بے اختیار تھا۔
"بکو مت! میں مزید کسی مصیبت میں نہیں پڑنا چاہ رہا۔ ویسے ہی تم مجھے پچھلے کئی سالوں سے دہشت گرد اور قاتل سمجھتے رہے ہو۔ تمہارا کوئی بھروسہ نہیں۔۔"

"ہاں پر اب میرے خیالات تبدیل ہو چکے ہیں تو بے فکر رہو۔" حاشر نے دوستانہ انداز میں تسلی دی۔

"تمہارا نکاح کب ہے؟"

"اگلے ہفتے!" حاشر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"مجھے تم سے کام ہے۔۔ اسے ایک فیور سمجھو۔" حاشر نے اچانک سنجیدگی سے کہا۔

"عمش سے ملاقات کے بدلے سودے بازی!"

شیر نے ہاتھ جھلایا۔ لیکن سامنے بھی حاشر تھا اسے خاطر میں نہ لانے والا۔

"تم نے میسج میں لکھا تھا بدلے میں جو چاہے مانگ لینا۔" حاشر دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"اور مجھے پتا نہیں تھا تم سچ میں ہی مانگ لوگے۔" شیر نے مصنوعی افسوس کرتے ہوئے کہا۔

"میں کبھی بھی ایسا نہ کرتا لیکن شاید یہی موقع ہے اور میں مجبور ہوں تو
--"

"Cut the crap and come to the point!"

شیر نے ہاتھ جھلایا۔ حاشر نے ایک گہری سانس اندر اتاری۔
"میرے ساتھ ماں سے ملنے چلو۔" وہ کہہ کر مخالف سمت میں دیکھنے
لگا۔ ایک پل کے لیے شیر سناٹے میں رہ گیا اور اگلے ہی پل قہقہہ لگا کر
ہنس دیا۔

"کس کی ماں سے؟"

"ماں سے شیر!" حاشر کو اس کا ہنسنا برا لگا۔

"کس کی ماں سے حاشر؟" شیر نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا انداز ٹھہرا ہوا
تھا۔

"میری ماں سے۔۔" حاشر نے جواب دیا۔

"تمہاری ماں سے تم جا کر ملو میں کیوں ملوں گا۔۔ میرے پاس اتنا وقت

نہیں ہے۔۔ میں یہاں عمش سے ملنے آیا تھا تو سوچا تمہارے نکاح تک

رک جاؤں گا لیکن۔۔"

"شیر!" حاشر نے خود پر ضبط کرتے کہا تھا۔

"ماں کو الزائیر ہے۔۔ پچھلے کئی سالوں سے وہ مجھے فراموش کر گئی ہیں

۔۔ اور انھیں لگتا ہے شیر ان کے ساتھ ہے۔ میرا اپنا کوئی وجود نہیں ہے

ان کی یادداشت میں۔۔ انھیں لگتا ہے میں وہی ناراض۔۔ خفا خفا حاشر

ہوں جو بچپن میں روٹھ کر دور ہو گیا تھا اور اب سالوں میں چہرہ دکھاتا

ہے۔۔ ان کی یادداشت میں ہم دونوں کا وجود الجھا ہوا ہے۔۔"

شیر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ حاشر ضبط کی حدوں کو چھو رہا تھا۔ سختی سے لب بھینچے۔ شیر کے دل کو کچھ ہوا۔ وہ ساکت نگاہوں سے حاشر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں اپنے بھائی کو کھونے کے بعد اتنا بے حس ہو گیا تھا کہ مجھے خبر ہی نہیں ہوئی بھائی کے سوگ میں ماں کو کب کھو دیا۔ پتا نہیں کس طرح کی جذباتی جنگیں لڑتے وہ اس حال تک آ پہنچی۔ جب تک مجھے اندازہ ہوا بہت دیر ہو چکی تھی۔ مجھے کسی کے لیے کسی کو سزا دینے کا کوئی حق نہیں تھا۔ تم جیسے بھائی کے لیے تو ہر گز نہیں۔۔۔" وہ تلخ ہوا۔ شیر نے نظریں جھکا لیں۔

"تم مجھے جج کر رہے ہو تمہیں اس کا بھی حق نہیں ہے کمانڈر حاشر! زندگی میں ہم جو کرتے ہیں اپنے لیے اپنی مرضی سے کرتے ہیں حاشر!

تم ایک سمجھدار انسان ہو اپنی کوتاہیوں کا زمرہ دار دوسروں کو مت ٹھہراؤ۔۔ ہم سب زندگی میں کچھ نہ کچھ کھوتے رہتے ہیں۔۔ "وہ کہنا چاہتا تھا لیکن اسے لگا یہ وقت نہیں۔ حاشر پہلی دفعہ اس کے سامنے اپنی ذات کا کوئی پہلو کھول کر رکھ رہا تھا۔ اپنی زبان کے جوہر وہ کسی اور وقت بھی دکھا سکتا تھا لیکن سامنے بیٹھا شخص اس وقت کمزور لمحات میں تھا۔ شیر نے ہاتھ بڑھا کر اس کی ہتھیلی کی پشت پر رکھ دیا۔

"میں ملوں گا ماں سے!" شیر نے نرمی سے کہا۔ حاشر کی آنکھوں کی نمی بڑھتی رہی۔

"تمہارے پاس بابا تھے میرے پاس نہ ماں! نہ بابا! ماں بابا کے غم میں مجھے نظر انداز کرتی رہیں اور پھر میں نے بھی انھیں نظر انداز کرنا شروع

کر دیا اتنا نظر انداز کیا کہ انھیں زندگی سے ہی نکال دیا۔ پتا ہی نہیں چلا کب وہ اس حال تک آپہنچی۔۔

"وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔۔" شیر نے نرمی سے کہا تھا۔ تب ہی آفس کے دروازہ پر دستک ہوئی۔ حاشر نے گہری سانس لیتے خود کو سنبھالا۔

"عمش سے مل سکتے ہو تم اب جاکر!" حاشر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ شیر سر ہلا کر اپنی جگہ سے اٹھا۔

"میں تم سے پھر بات کرتا ہوں۔۔" وہ اس کا کاندھا تھپتھپا کر وہاں سے چلا گیا۔ حاشر کچھ دیر پہلے ہونے والے مکالموں کو سوچنے لگا۔ کتنے دنوں سے وہ جتن کر رہا تھا کہ کسی طرح شیر سے یہ بات کرے۔ جانے کیوں اسے لگا تھا کہ شیر اپنی ازلی بے نیازی کا مظاہرہ کرے گا لیکن شیر کا رد عمل جانے کیوں اسے ہلکا پھلکا کر گیا۔ کیا اسے یوں اس طرح شیر کے

سامنے اپنے جذبات ظاہر کرنے چاہیے تھے؟ لیکن اگر وہ ایسا نہ کرتا تو شاید شیر اس کی بات سننا بھی پسند نہ کرتا۔ وہ کسی بھی حال میں یہ موقع گنوانا نہیں چاہتا بس کسی طرح بھی ماں کی حالت میں کچھ سدھار آئے تو وہ مزید پُر سکون ہو سکے۔ اس کے ذہن میں ان باتوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہ تھا۔



"اگر تو تم مجھ سے یہ پوچھنے آئے ہو کہ چاولوں کی بوری میں بند ہو کر دوسرے ملک ڈلیور ہوتے کیسے لگتا ہے تو فوراً اٹھ کر دفع ہو جاؤ۔" عمش اسے دیکھتے ناگواری سے بولا۔ وہ پہلے سے بہت کمزور لگ رہا تھا۔ قیدیوں کے لباس میں وہ بالکل بھی شیر کی نظروں میں نہ بیٹھا لیکن یہ الگ بات تھی کہ اسے اس حال میں دیکھ شیر کو ذرا بھی افسوس نہ ہوا تھا۔

"خیر میں یہ پوچھنے تو نہیں آیا تھا لیکن اب تم کہہ ہی رہے ہو تو میں سننے کو تیار ہوں۔۔" شیر نے مسکراتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے پر سکون انداز میں کہا۔

"ویسے یہ چاول کی بوری تمہیں کیسے یاد آئی؟ اچھا! تو وہ جب تم نے ان چھ بنگلہ دیشی لڑکوں کو چاول کی بوری میں اسمگل کروایا تھا اور میں نے تم سے کہا تھا کسی روز تم بھی اسی طرح ڈلیور کیے جاؤ گے۔" شیر قہقہہ لگا کر ہنس دیا پھر ہنستے ہنستے رکا اور ذرا سا آگے ہوا۔

"کیا تمہیں چاول کی بوری میں بند کر کے یہاں لایا گیا ہے؟" شیر نے رازداری سے پوچھا تھا۔ عمش فقط خون آلود نگاہوں سے اسے گھورے گیا۔

"دیکھو شیر بکواس ہی کرنی ہے تو میرا وقت ضائع نہ کرو۔"

"اچھا تو تم یہاں جیل میں کوئی نیا بزنس کر رہے ہو۔" "شٹ اپ!"
عمش نے اسے جھڑک دیا۔

"تم ہی تھے وہ جس نے اپنے بھائی کے ساتھ مل کر مجھے اور گولڈن کو
برباد کیا۔"

"یہ کیسا بھدا الزام ہے۔ میں تو صرف ٹپس دیتا تھا ورنہ اسے تم دونوں
کو تباہ کرنے کے لیے میری ضرورت ہی کیا ہے۔؟" شیر نے مسکراتے
ہوئے اسے مزید تپانا چاہا۔

"خیر! چھوڑو یہ باتیں!" شیر یک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے سیدھا ہو
بیٹھا۔ عمش خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کل جنت تم سے ملنے آئے گی۔" شیر نے اطلاع دی تو عمش کے
تاثرات فوراً بدلے۔ کئی رنگ اس کے چہرے پر آکر گزرے۔ بس ایک

وہی تو تھی جس کی فکر اسے لمحہ لمحہ ستاتی تھی۔ اس کا دل کٹتا تھا۔ بس وہی تھی جس کی وجہ سے وہ پچھتاوے کی گہری کھائی میں روز جا کر گرتا تھا۔ وہ اداس اور ٹوٹا ہوا دکھائی دینے لگا۔

"وہ بالکل ٹھیک ہے۔ خوش ہے۔ اسی کی وجہ سے تمہاری پھانسی کو عمر قید میں تبدیل کروا رہا ہوں۔" شیر نے سنجیدگی سے کہا۔ عمش نے بے یقینی سے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا پھر فوراً ہی نظریں چرائیں۔

"وہ آئے تو اس کے سامنے کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے وہ اداس ہو!" شیر نے تنبیہ کی۔

"اسے نیک تمناؤں کے ساتھ رخصت کرنا اور ہاں میں بہت جلد اس سے شادی کرنے والا ہوں۔" کوشش کروں گا کہ وقتاً فوقتاً تم سے ملواتا رہوں اسے۔"

عمش سر جھکائے کسی فرمانبردار بچے کی طرح سر کو آہستگی سے اثبات میں ہلاتا رہا۔

"شکریہ!" عمش نے آہستگی سے کہا جانے کیوں اسے اپنا سر اتنا بھاری لگا کہ اٹھانے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔ وہ شاید منتظر تھا کہ شیر مزید کچھ کہے لیکن وہ خاموشی سے اٹھ کر جانے لگا۔ عمش سر اٹھائے خاموش اور اداس نگاہوں سے شیر کو جاتا دیکھنے لگا۔ اس کے جاتے وہ بھی بھاری دل اور شکستہ قدم لیے واپس جانے لگا۔



یہ مارگلہ کے پہاڑوں کے بیچ کا منظر تھا۔ خوبصورت سرسبز پہاڑ اور ان میں بہتی ٹھنڈی آبشار جس کا شفاف پانی ایک خوبصورت دھیمے ساز کے ساتھ بہتا جا رہا تھا۔ آس پاس کے درخت بھیگے بھیگے سے لگتے تھے جیسے

ابھی بارش ہوئی ہو۔ شیر نے ننھے غازی کو گود میں اٹھا رکھا تھا وہ ہاتھ میں ننھے بھالو کو پکڑے اسی میں مگن نظر آتا تھا۔ جنت کاندھوں پر بیگ لیے مسحور سی ارد گرد کے مناظر اپنے اندر جذب کرتی دکھائی دے رہی تھی۔ ڈینیل بھی کیمرے میں مناظر ریکارڈ کرتا اپنے میں مگن تھا۔

"بہت خوبصورت جگہ ہے۔ تمہیں اس جگہ کا کس نے بتایا۔"

"میں نے حاشر سے پوچھا تھا۔" شیر نے سامنے دشوار گزار پتھر دیکھے تو جنت کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر اسے اپنے قریب کیا۔ اس کی فکر مندی پر جنت مسکرا دی۔

"اسے بھی بلا لیتے۔" جنت نے کہا۔

"اپنی شادی کی تیاری میں مصروف ہو گا اس لیے نہیں کہا" شیر نے کہا۔

"میں اس سے ملنا چاہتی تھی۔۔" جنت نے ایک پتھر پر بیٹھتے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

"مل لینا! آج پہلے عمش سے مل لو۔" شیر نے نرمی سے کہا۔ جس پر جنت نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا تاثرات یک دم بدلے دل دھڑک اٹھا۔

"آج؟" جنت اٹک کر بولی۔

"ہاں! یہاں سے پھر وہیں چلیں گے۔" اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑے تسلی دی۔ خود بھی اس کے برابر میں بیٹھتے غازی کو گود میں بٹھایا۔ جنت نے غازی کو بے چین ہوتے دیکھا تو بیگ کھول کر اس کا فیڈر نکالنے لگی۔ شیر اس کی مدد کرنے لگا۔ دور سے دیکھنے پر وہ شادی شدہ جوڑے کی طرح لگ رہے تھے۔

"بعد میں ہم اس کے لیے ایک کئیر ٹیکر کا انتظام کر لیں گے۔" شیر نے ننھے غازی کے سر پر ہاتھ پھیرتے کہا اور سر اٹھائے شیر کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں سنبھال سکتی ہوں اسے۔ کیا میں اس کا خیال نہیں رکھتی۔" جنت نے خفگی سے پوچھا۔

"تم سے زیادہ بہتر انداز خیال کوئی رکھ سکتا ہے بھلا میری ہر وقت لڑنے کو تیار کھڑی چھوٹی چڑیل؟" وہ اس کی لٹ کھینچتے ہوئے محبت سے بولا۔

"لیکن تمہاری اپنی ایک زندگی ہے۔ میں تم پر وقت سے پہلے ہمہ وقت ذمہ داری نہیں ڈال سکتا۔ تمہیں بزنس جوائن کرنا ہے اور میں پہلے ہی طے کر چکا ہوں۔ یہ نہیں کہہ رہا کہ سارا وقت غازی کئیر ٹیکر کے ساتھ رہے گا۔ ہم وقت کا تعین کر لیں گے۔ پورے دن کے لیے اسے کسی

کے حوالے نہیں کریں گے لیکن چند گھنٹے کے لیے اسے کئیر ٹیکر کی ضرورت پڑے گی۔" شیر نے نرمی سے وضاحت دی۔ ننھے غازی شیر کی گود سے ٹیک لگائے فیڈر پی رہا تھا۔ شیر ہلکے ہاتھ سے اس کا سر تھپتھپاتا رہا۔ جنت نے اپنا سر شیر کے کاندھے سے ٹکا دیا۔ کچھ دیر بعد وہ عمش سے ملنے والی تھی یہ خیال اسے کسی طرح چین نہ لینے دے رہا تھا۔

"ڈیڈ سے کیا بات کروں گی۔" وہ ابھی ہوئی تھی۔ آنکھیں موندے وہ تصور میں ہی عمش کو اپنے سامنے دیکھ رہی تھی۔

"اچھی باتیں! نہ خود مایوس ہونا نہ اسے مایوس ہونے دینا! مستقبل کے بارے میں اسے بتانا! اسے کہنا کہ تم ملنے آیا کرو گی۔ اسے کہنا کہ زندگی کے اس نئے پہلو کو وقت کے ساتھ ساتھ سمجھنے کی کوشش کرے۔ گلے

شکوے رہنے دینا۔ "شیر نرمی سے کہ رہا تھا۔ اس کا دوسرا ہاتھ جنت کے کاندھے پر تھا وہ نرمی سے اس کے کاندھے کو سہلا رہا تھا۔

"ہمیں اب زندگی میں اچھے اچھے پہلوؤں کو سمیٹ کر آگے بڑھنا ہوگا۔ ماضی کے کنکر کسی گہری کھائی میں پھینکنے ہوں گے تاکہ آگے سفر میں وہ ہمیں نہ چھیں۔"

دفعۃً پتھر سرکنے کی آواز آئی اور جنت نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔
 "اوہ! معذرت چاہتا ہوں میں یہ چائے دینے آیا تھا۔" ڈینیل بری طرح شرمندہ ہوا۔

"ایسی بھی کوئی بات نہیں ہو رہی تھی جس پر شرمندگی سے مرنے والے ہو جاؤ۔" شیر نے ہنس کر کہا۔

"آؤ!"

"Are you sure"?

وہ ہنوز کھسیا ہوا تھا۔ انھیں پُر سکون انداز میں ایسے دیکھ وہ پلٹ ہی رہا تھا جب پتھر سے ٹکرا گیا۔

"آ بھی جاؤ۔" جنت نے اسے گھورا۔

"کیا لے کر آئے ہو۔" جنت نے اس کے ہاتھوں کو دیکھتے کہا۔

"کچھ دور یہ ملک ٹی مل رہی تھی۔ کافی بھی تھی مگر میں نے دیکھا لوگ یہ زیادہ پی رہے تھے۔" ڈینیل نے دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور یہ ساتھ میں بسکٹ ہیں۔"

"شکریہ! ہر موقع پر ہمیں احساس دلانے کے لیے اور ہر چیز سنبھالنے کے لیے۔ تمہیں نہیں لگتا شیر کہ ڈینیل کے بغیر تمہاری زندگی کتنی

مشکل ہوتی۔۔ "جنت چائے کا کپ پکڑتے ہوئے بولی۔ ڈینیل اس کی بات پر جھینپ گیا۔

"ہاں یہ واحد انسان ہے جس پر میں سب سے زیادہ بھروسہ کرتا ہوں یقیناً اس کے بغیر زندگی مشکل ہی ہوتی۔۔" شیر نے اعتراف کرنے میں کوئی عار نہ مانی۔ ڈینیل کا چہرہ خوشی اور تشکر کے احساس سے چمک اٹھا۔ وہ بھی اپنا کپ لیے سامنے ہی ایک پتھر پر جا بیٹھا۔



وہ پچھلے دس منٹ سے خاموش بیٹھی تھی۔ سامنے بیٹھے عیش کو بھی عجیب سی چپ لگی ہوئی تھی۔ فرشتوں جیسی معصومیت اور پریوں جیسا حسن لے کر پیدا ہونے والی جنت کو ملا بھی تو اس جیسا باپ ! وہ تو لاڈوں میں

پلنے جیسی تھی۔ خود وہ کہاں ایسی اولاد کا لائق تھا۔ دل کر لانے لگا۔ آنکھیں
جلنے لگیں سارے گنا سارے جرم سارے ظلم یاد آنے لگے۔

اب وہ چاہتا تھا اس کی پیاری بیٹی نفرت اس نے نفرت کرنے لگے۔ اسے
بھول جائے۔ ایک نئی خوبصورت زندگی کا آغاز کرے۔ اسے یاد تک نہ
کرے۔ اسی لائق تھا عمش البانی۔

"کیا تم جانتی ہو جنت؟ کہ تمہاری ماں کیسے مری تھی؟" اس نے
آہستگی سے پوچھا۔ جنت نے جھٹکے سے گردن اٹھائی۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم ماضی کی کوئی بات نہ کریں؟" جنت نے بڑی
بیچارگی سے کہا۔

"پلیز؟" اس کے انداز میں منت تھی۔ عمش نے گہری سانس لی۔ تو وہ یہاں سے اچھی یاد لینے آئی تھی۔ راحت کا احساس ہوا۔ اس کا لہجے میں حقارت نہ تھی۔ مزید راحت ہوئی۔

"اپنا خیال رکھنا جنت۔۔" عمش نے آمہستگی سے کہا۔
 "اگر خدا مجھے دوسری زندگی دے تو میں دعا کروں گا کہ اس میں بھی مجھے اولاد کی صورت میں تم ملو اور میں تمہارا ایک حقیقی باپ کی طرف خیال رکھوں۔۔ تمہیں اپنی گود میں پال پوس کر بڑا کروں۔۔ تمہارے لاڈ اٹھاؤں۔۔ دن رات تمہارے سامنے رہوں۔۔ تمہاری خواہشوں پر سر خم دوں تمہیں کبھی باپ کی کمی محسوس نہ ہو۔۔" جنت کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

"کتنی دیر کردی ناں میں نے۔۔ اگر ابھی بھی پکڑ میں نہ آتا تو شاید اب تک احساس نہ ہوتا۔۔ جب سے یہاں قید ہوا ہوں تو اپنی جوانی سے لے کر اب تک کی ساری کوتاہیاں سارے گناہ یاد آرہے ہیں۔۔" وہ افسردگی سے کہتا میز کی سطح کو گھور رہا تھا۔ جنت نے اپنا ہاتھ عمش کے ہاتھ کی پشت پر رکھا۔

"جب تک انسان زندہ ہو دیر نہیں ہوتی۔۔ مایوس نہ ہوں۔۔" جنت نے آہستگی سے کہا۔

"یہ زندگی ہے؟ تم اسے زندگی کہتی ہو؟" اس نے درو دیوار کی اور اپنی طرف اشارہ کیا۔

"سانسیں چل رہی ہیں ڈیڈ! میں اسے ہی زندگی کہتی ہوں۔۔" جنت کی مسکراہٹ میں حزن کی گہری چھاپ تھی۔ اتنی گہری کے عمش کو اس میں اپنا جس زدہ ماضی دکھائی دیا۔ آہ کاش اس کی یادداشت ختم ہو جائے۔۔

"شیر سے شادی کر لینا۔۔ بہت خوش رہو گی اس کے ساتھ تم! وہ میری طرح نہیں ہے۔۔"

"کاش آپ اس کی طرح ہوتے۔۔" جنت دل ہی دل میں بس حسرت ہی کر سکی۔

"وہ کل آیا تھا میرے پاس!"

جنت چونکی۔ وہ پہلے ہی ڈیڈ سے مل کر گیا ہے؟ اسے بغیر بتائے۔

"کہہ رہا تھا تم سے شادی کرنے والا ہے۔۔"

اس جملے نے جنت کو ساکت کیا تھا۔ تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ آنکھوں کی چمک میں اضافہ ہوا۔

"مجھے یقین ہے تم اس کے ساتھ بہت خوش رہو گی۔" عمش اطمینان بھری مسکراہٹ لیے بولا۔

"اپنی شادی کی تصویریں مجھے بھیجو گی؟"

جنت نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں گردن ہلائی۔ ان کے بیچ ایک اور وقفہ در آیا۔

"کیا ایک باپ بیٹی کا رشتہ ایسا ہوتا ہے؟" جنت سوچ رہی تھی۔ خاموشی کا دورانیہ بڑھتا ہی گیا تو آخر عمش نے کھنکار کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"تم اب جاؤ جنت!" عمش اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے قریب آکر اس کا سر سہلایا۔ کاش وہ اسے گلے لگا سکتا۔ جنت اپنی جگہ سے اٹھی اور باپ کو آہستگی سے گلے لگا لیا۔ عمش کا دل ایسے تھا جیسے ابھی پھٹ کر باہر گر پڑے گا۔ بھرپور کوشش کی مگر آنسو نہ رکے وہ بے اختیار رو دیا۔ جنت کی آنکھیں بھی بہہ رہی تھیں۔

"مجھے معاف کر دینا۔۔ خدا کسی کو مجھ جیسا باپ نہ دے۔"

جنت کے رونے میں شدت آنے لگی۔ وہ تو یہ بھی نہ کہہ سکتی تھی کہ ایسا نہ کہے۔ تو پھر کیا؟ کیا کسی کو ایسا باپ ملے؟ نہیں۔ وہ تو خود بھی یہی چاہتی تھی کہ کوئی اور دوسری جنت نہ بنے۔ کسی کو عمش جیسا باپ نہ ملے۔ کئی پل وہ دونوں یوں ہی اپنے دل کا غبار نکالتے رہے۔

"مجھے معاف کرنا! روؤ مت بیٹا!" عمش کا دل کرلارہا تھا۔ جنت خود کو سنبھالتی سیدھی ہوئی اور ایک بھیگی نگاہ باپ کے چہرے پر ڈالی۔

"اپنا خیال رکھیے گا ڈیڈ!" جنت نے کہا۔ عمش لب بھینچتا اثبات میں سر ہلانے لگا۔

"میں رکھوں گا۔"

"میں چلتی ہوں۔" جنت نے اس کا ہاتھ تھام کر تھپتھپایا۔

"مجھے معاف کر دینا جنت!"

"ایسے نہ کہیں۔ مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں۔" وہ ہلکا سا مسکرائی۔ آنکھیں ہنوز نم ہو رہی تھیں۔ عمش وہیں کھڑا رہا یہاں تک کہ جنت نگاہوں سے او جھل ہو گئی۔ دل میں دبا ملال پھر سر اٹھانے لگا تھا۔



حاشر نکاح کی تقریب کو سادہ اور مختصر چاہتا تھا۔ اس کیے فقط قریبی لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس کے لیے تقریب بریگیڈیئر عزیز کے گھر منعقد کی جارہی تھی۔ حاشر کی طرف سے پروفیسر عبید، اور ساتھیوں کے علاوہ جنت اور شیر مدعو تھے۔ اریب لوگ وہاں پہلے ہی موجود تھے۔ انتہا کے پرجوش اور خوشی سے جھومتے ان تینوں کا اشتیاق دیدنی تھا۔ حنین تو بارہا کہہ چکا تھا کہ وہ ہنوز بے یقین ہے کہ یہ حاشر کے نکاح کا دن ہے۔ جبکہ منان اس بات پر حیرت زدہ تھا کہ وہ ان تینوں سے پہلے نکاح کر رہا ہے جبکہ ان کو پورا یقین تھا کئی سالوں تک حاشر کے اس مرتبے پر فائز ہونے کے امکانات نہیں ہیں۔

بابر خان سفید کاٹن کا سوٹ پہنے ہوئے خوش اور مطمئن نظر آرہے تھے۔

"تم سے شیر نے کہا تھا ناں وہ آئے گا؟"

"جی کہا تو تھا! جنت کو طوبیٰ کے ساتھ خریداری کے لیے بھی بھیجا تھا۔"
حاشر نے تسلی دی۔

"عظمیٰ کو تم نے بتایا کہ وہ آرہا ہے؟ وہ صبح سے حاشر کا انتظار کر رہی ہے۔"
"بابر نے دبے انداز میں کہا۔ وہ فکر مند تھے کہیں وہ نہ آئے اور
عظمیٰ کا جانے کیا رد عمل ہو۔ حاشر اس بات کو لے کر فکر مند تھا کہ اسے
دیکھ ماں کا کیا رد عمل ہوگا۔"

سفید کاٹن کے سوٹ میں اس نے سرمئی کوٹ پہنا ہوا تھا۔ سر پر سفید
دستار باندھے وہ معمول سے ہٹ کر لگ رہا تھا۔ اس کے کھڑے نقوش
اور دراز قد و قامت پر یہ ثقافتی لباس خوب بیچ رہا تھا۔ خوشی اور سکون
اپنی جگہ لیکن وہ کچھ کشمکش کا شکار تھا۔ شیر نے جب کہا وہ ماں سے ملے گا

تب جانے کیوں اسے پورا یقین ہو چلا تھا کہ وہ آئے گا۔ اسی سوچ میں
گم وہ سامنے دیوار گیر گھڑی کو گھور رہا تھا جب اریب نے اسے شیر کے
پہنچنے کی اطلاع دی۔ اس کا دل یک دم ہی زوروں سے دھڑکا تھا۔ وہ تیزی
سے اٹھ کر اس کے استقبال کو باہر کی جانب بڑھا تھا بابر خان بھی اس
کے پیچھے لپکے تھے۔ باہر آیا تو شیر جنت اور ڈینیل کھڑے حنین اور منان
سے مل رہے تھے۔
"تم آگئے۔" حاشر نے وہاں پہنچتے ہی پہلا جملہ کہا ایک بوجھ سا دل سے
اترا لیکن ایک مزید بھاری پہاڑ جیسے سر پر آپڑا ہو۔
"تم نے اتنی منتیں کی تو آنا پڑا۔" وہ مسکراہٹ دباتا اس کے الجھے کشمکش
میں گھرے چہرے کو دیکھ بولا

"اپنی شادی کے دن بھی اتنی بری صورت لیے گھوم رہے ہو۔" شیر نے اس کا کاندھا تھپتھپا کر باپ کی طرف دیکھا۔

"کیسے ہیں آپ؟" جنت نے انگریزی میں ہی حاشر سے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں۔" اس نے ننھے غازی کے سر پر ہاتھ پھیرتے کہا اور پھر ڈینیل کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے ہاتھ بڑھایا۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ شادی مبارک ہو۔" اس نے بہت غور سے حاشر کے نقوش دیکھتے کہا تھا۔ البتہ چہرے پر مسکراہٹ طاری رکھی۔

"تم نے اچھا کیا آئے۔"

"اور یقیناً آپ کو میرے آنے کا یقین نہیں تھا۔" باپ کی عادت سے بخوبی واقف ہلکے پھلکے انداز میں کہتا وہ آگے بڑھا۔ اس کا انداز بہت عام سا تھا۔ دوستانہ، نرم اور بے نیاز! جیسے سب کچھ اس لیے بہت آسان ہو۔

حاشر بھی ساتھ ہی اندر داخل ہوا۔

"بہت خوبصورت ہے تمہارا گھر!" شیر نے ارد گرد نگاہیں گھماتے ہوئے کہا۔

"شکریہ!" حاشر نے گہری سانس لیتے جیسے خود کو پُر سکون کرنا چاہا تھا۔ وہ سب وہیں لاؤنج میں بیٹھ گئے ہلکی پھلکی باتیں ہوتیں رہیں لیکن شیر مستقل طور پر حاشر کو دیکھ رہا تھا۔ پہلو بدلتا پسینہ پونچھتے اس نے اپنی دستار اتار کر ایک طرف رکھ دی۔

"میں آتا ہوں۔" حاشر ان سے معذرت کرتا اٹھا اور ایک طرف مڑ گیا۔ اس کا رخ ماں کے کمرے کی جانب تھا

کمرے کے قریب پہنچ کر اس نے اندر جھانکا۔ وہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ ہلکے سبز رنگ کے خوبصورت لباس میں سفید جارجٹ کا ڈوپٹہ پہنے سامنے دیکھ رہی تھیں۔

قریب ہی ندا کھڑی سامان سمیٹ رہی تھی۔
 "مس ندا! مجھے ماں سے کچھ کام ہے۔" حاشر نے کہا۔ ندا نے پلٹ کر ایک نگاہ اس پر ڈالی۔ وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ ندا کے دل کو کچھ ہوا۔ تو آج وہ کسی اور کا ہونے جا رہا تھا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ کتنی خوش نصیب ہے طوبی! وہ سر ہلاتی باہر کی جانب بڑھ گئی۔
 "کب جا رہے ہیں ہم؟"

"بس سات بجے تک نکلیں گے ماں! کھانا کھا لیا ناں آپ نے؟" وہ نرمی سے کہتا قریب میز پر رکھے گجرے اٹھانے لگا۔ وہ آج ہی یہ گجرے لے

کر آیا تھا جو تازہ اور خوشبودار تھے۔ ماں کے ہاتھ تھامتا وہ نرمی سے انھیں یہ گجرے پہنانے لگا۔

"اچھے ہیں۔۔" وہ خوش ہو کر کہنے لگیں۔

"آپ کے ہاتھوں میں اور اچھے لگ رہے ہیں۔۔" حاشر مسکرایا۔

"حاشر نہیں آیا؟"

حاشر کا دل تیزی سے دھڑک کر ساکت ہوا۔ آخر پوچھ ہی لیا۔

"آگیا ماں!" اس نے کانپتے دل کو سنبھالتے کہا اور ماں کے تاثرات دیکھنے

لگا۔ وہ مسکرانے لگیں۔ حاشر کے کانپتے دل کو کچھ سکون ملا۔ وہ ہر پل ڈرا

رہتا کہ کہیں کسی بات سے اچانک ہی انھیں کسی دورے کا سامنا نہ کرنا

پڑے۔

"کہاں ہے؟" وہ حاشر کی طرف دیکھ کر پوچھ رہی تھیں۔

"میں اسے بلاؤں؟" حاشر نے نرمی سے پوچھا۔ وہ فوراً اثبات میں گردن ہلانے لگیں۔ حاشر سر ہلاتا فوراً وہاں سے اٹھا اور کمرے سے نکلتے شیر کو میج کرنے لگا۔ اگلے دو منٹ میں شیر آتا دکھائی دیا۔ وہ سیاہ فارمل شرٹ اور سرمئی ڈریس پینٹ میں ملبوس تھا۔

"ماں کہاں ہیں؟" شیر نے اس کی طرف دیکھ پوچھا۔
 "اندر کمرے میں ہیں" حاشر کا دل جیسے اچھل کر حلق میں آنے کو بے تاب سا ہو رہا تھا۔ شیر نے اس کے تاثرات بغور دیکھے۔ وہ اتنا گھبرایا ہوا اور خوف زدہ کیوں تھا؟

"گھبراؤ مت!" اس نے نرمی سے کہا اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔ اندر قدم رکھتے ہی اسے پہلا جھٹکا سامنے بیٹھی عظمیٰ کو دیکھ کر لگا۔ وہ تو اس عورت سے ذرا بھی نہیں مل رہی تھی جسے اس نے بچپن میں دیکھا تھا۔

"ارے تم آگئے۔۔" وہ دونوں ہاتھ اٹھاتیں ہنسی تھیں۔

شیر نے ایک نظر کھڑے حاشر پر ڈالی جو لب بھینچے کھڑا تھا اور قدم آگے بڑھا دیا۔

"معاف کیجیے گا تھوڑی دیر ہوگئی۔۔" وہ نرمی سے کہتا مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور پلنگ پر ان کے قریب جا بیٹھا۔ اگلے ہی پل عظمیٰ کے بوڑھے ہاتھ اس کے چہرے پر تھے۔ وہ اس کا چہرہ سہلا رہی تھیں یا اس کے وجود کو محسوس کر رہی تھیں وہ سمجھ نہ سکا۔ دل یک دم ایک گداز احساس سے لبریز ہوا تھا۔ یہ تو کوئی اور ہی احساس تھا۔ پورے وجود کو راحت بخشا احساس! شیر کو اپنا آپ ایک نرم حصار میں قید ہوتا محسوس ہوا۔ حاشر کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔ شیر سن بیٹھا عظمیٰ کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"میں انتظار کر رہی تھی۔۔ پوچھو شیریں سے۔۔ روز انتظار کرتی تھی۔۔"

معصوم انداز نرم و ملائم لہجہ۔

"اب آگیا ہوں ناں! " اس نے دونوں ہاتھوں میں عظمیٰ کا چہرہ تھام لیا۔ چہرے پر نرم مسکراہٹ اتری ہوئی تھی۔ حاشر کو اپنے وجود سے ایک بھاری بوجھ اترتا محسوس ہوا۔ دل یک دم ہی خوشی اور سکون کے آنگن میں اتر آیا۔ سب کچھ جتنا ناممکن اور مشکل لگ رہا تھا۔

"اب نہ جانا!" وہ جیسے اب کے خبردار کر رہی تھیں۔

"آتا رہوں گا اب تو۔۔" شیر نے تسلی دی۔ آنکھوں میں سے نرمی چھلک رہی تھی۔

"آؤ شیریں! بڑا بھائی آیا ہے تمہارا! بیٹھو اس کے پاس!"

"آؤ ناں میرے چھوٹے بھائی!" شیر نے گردن گھما کر اسے چھیڑا وہ خوش نظر آرہا تھا۔ حقیقی خوشی کا احساس اس کے لہجے کی کھنک سے بھی ظاہر تھا۔ حاشر ہنس دیا اور خود بھی آ کر ان کے قریب بیٹھ گیا۔ اس کے دل کی حالت عجیب تھی بہت عجیب! لیکن یہ زندگی کا بہت حسین دن تھا۔ غیر یقینی اور غیر متوقع مگر پُر سکون اور روح کو تازگی دیتا۔ اس نے دل میں بے اختیار ہی خدا کا شکر ادا کیا تھا۔

"آج شیری کا نکاح ہے۔۔ تم بھی چلو گے ناں!"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔۔ میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں کہ آج یہ شیری صاحب کس طرح کیپٹن طوبی کی زندگی کا بوجھ بڑھانے والے ہیں۔۔" شیر نے فوراً اثبات میں سر ہلایا۔

"خبردار! شریر! میرا شیری تو بہت پیارا بچہ ہے۔۔"

"آہ ساری زندگی اس کی تعریفیں سن سن کر کان پک گئے ہیں ماں! میری تعریف؟" وہ بیچارگی سے بولا تو وہ اور حاشر نے اختیار ہنس دیے۔

"بہت شریر ہو گئے ہو۔۔" عظمیٰ نے اس کے چہرے پر ہلکی سی چپت لگائی۔

"اب مل رہی ہے ناں آپ کے پیارے بیٹے کی سنگت تو سدھر جاؤں گا یقیناً!"

"ان شاء اللہ! ہاں شیر کی ساتھ رہو گے تو سدھر جاؤ گے۔" ان کی بات سن کر شیر اور حاشر دونوں قہقہے لگا کر ہنس دیے تھے۔ کمرے کے باہر کھڑے بابر خان نم آنکھیں لیے خدا کا شکر ادا کر رہے تھے۔ یہ پل صرف ایک خواب کی صورت میں ہی تصور کیا تھا انھوں نے۔ لیکن آج حقیقت کا روپ دھارے سامنے تھا۔



پھولوں سے سچی سچ پر سہج سہج کر قدم رکھتی طوبیٰ کسی ملکہ سا تاثر دے رہی تھی۔ لباس کے گھیروں کو سنبھالتی چہرے پر گہری مسکراہٹ اور آنکھوں میں چمکتے ستارے اس کے حسن کو آج کے اس خاص دن کی مناسبت سے مزید جلا بخش رہے تھے۔ خوبصورت زیورات اور بے حد نفاست سے کیا گیا میک اپ اس پر سے نگاہیں ہٹانا حاشر کے لیے صبر آزما کام تھا۔ شیر ایک طرف عظمیٰ کی وہیل چیئر کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ خوش تھا عظمیٰ مسکرا رہی تھیں۔ بابر بھی قریب ہی کھڑا تھا۔ جنت شیر کے دائیں جانب کھڑی تھی۔ گہرے نیلے رنگ کے گھیردار فرائ میں کھلے بال شانوں پر تھے۔ جیولری سے لے کر لباس تک سب اس نے طوبیٰ کی مدد سے پسند کیا تھا۔

"لاؤ اسے مجھے دے دو! تم جاکر مل آؤ طوبیٰ سے۔" شیر نے طوبیٰ کو اشارے سے جنت کو بلاتے دیکھا تو نرمی سے کہتے ہاتھ بڑھایا۔ غازی لپک کر اس کے پاس آیا تھا۔

"My little prince"!

اس کو یوں چمک کر اپنے پاس آتے دیکھ شیر کو بے اختیار ہی اس پر پیار آیا تھا۔ اس نے محبت سے اس کا گال چوما تھا۔
 "بہت اچھا کیا تم اپنے دوست کی امانت کو ساتھ لے آئے۔" عظمیٰ سر اٹھائے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"جی!" شیر مسکرا دیا۔ غازی کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آیا تو دل یک دم اداس ہونے لگا تھا۔ بابر نے اس کے کاندھے پر دباؤ ڈالتے جیسے تسلی دی تھی۔ اس کے چہرے کو بجھتا دیکھ وہ سمجھ گئے تھے کہ وہ کس بات پر

اداس ہوا تھا۔ شیر نے ٹھنڈی سانس لیتے زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر طاری کر لی۔

"وہاں کیوں کھڑی تھیں۔۔ میرے پاس آجائیں۔۔" جنت کو اپنے برابر بٹھاتے طوبیٰ خوش دلی سے کہہ رہی تھی۔

"بہت خوبصورت لگ رہی ہیں آپ!" جنت نے اس کی بات کے جواب میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"کم تو آپ بھی نہیں لگ رہیں۔ میں نے کہا تھا ناں کہ یہ رنگ آپ پر بہت زیادہ سوٹ کرے گا۔"

"بس ایک چیز کی کمی ہے۔۔" اس نے کہتے ہوئے قریب کھڑی ایک کزن کو پکارا جو فوراً اس جانب متوجہ ہوئی۔

"گلاب کے کنگن لے آؤ۔" وہ کہہ رہی تھی اور حاشر گردن گھمائے یک ٹک اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اسی پل طوبیٰ اس کی طرف دیکھتے جھینپ کر نظریں چراگئی تھی۔ وہ مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھے گیا کچھ ہی دیر گزری جب نکاح خواں آتا دکھائی دیا۔

نکاح کی تقریب براہ راست شروع ہو رہی تھی۔

"میں یہیں ہوں ماں کے پاس! آپ حا۔ شیر کی کے پاس جائیں۔" شیر جو حاشر کہنے لگا تھا فوراً خود کو سنبھالتا باہر سے کہا وہ سر ہلاتے اسٹیج کی طرف بڑھنے لگے۔ نکاح کے دوران حاشر مسلسل مسکراتا دکھائی دے رہا تھا۔

"دیکھ رہی ہیں اپنے بیٹے کو۔ کیسے مسکراہٹ روکی ہی نہیں جا رہی۔" شیر نے عظمیٰ کی طرف دیکھتے کہا۔ وہ ہنسنے لگیں۔ تب ہی جنت اسٹیج سے

اترتی دکھائی دی۔ شیر اسے دیکھے گیا۔ اب لبوں کے ساتھ آنکھیں بھی مسکرانے لگیں۔

"تم کب کرو گے شادی؟" عظمیٰ نے بھی جنت جو قریب آتے دیکھ پوچھا۔

"جلدی کروں گا۔"

"جنت بھی بہت پیاری ہے۔ بالکل پری لگتی ہے۔" وہ شیر کی طرف دیکھ کر کہہ رہی تھیں

"ہے ناں!" وہ چہک کر بولا۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں۔" جنت اردو نہیں سمجھتی تھی۔ اس نے شیر سے پوچھا۔

"میں حاشر سے کہہ رہی ہوں اب وہ بھی جلدی شادی کرلے۔۔ بہت اچھی ہے تم دونوں کی جوڑی!" عظمیٰ نے انگریزی میں جواب دے کر شیر کو مسکرانے پر مجبور کر دیا۔ جنت جھینپ کر شیر کی طرف دیکھنے لگی۔ جنت شیر کی گہری نگاہوں کے حصار میں تھی۔

"ایسے مت دیکھو لوگوں کے بیچ میں۔۔" سرگوشی کرتے اس نے اسے کہنی ماری تو وہ ہنس کر دوسری جانب دیکھنے لگا۔



یہ نکاح سے دو دن بعد کا منظر تھا۔ اندر لیونگ روم میں طوبیٰ اور جنت بھی موجود تھے۔ آج رات وہ لوگ واپس شارجہ جارہے تھے اس لیے حاشر نے شیر کو گھر کھانے کی دعوت دی تھی۔ طوبیٰ نے آکر طعام کا بہترین اہتمام تھا۔ خوشگوار ماحول میں کھانا کھانے کے بعد وہ دونوں لان

میں چلے آئے اور یوں ہی باتوں کا سلسلہ چل نکلا تھا۔ اس پل بابر خان اندر لاونج کے گلاس ڈور کے پار سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ یہ منظر ان کے لیے دنیا کا خوبصورت ترین منظر تھا۔ نکاح کے روز بھی واپسی پر شیر گھر آیا تھا لمبی نشست رات تک چلی تھی۔

پاکستان آکر تمہیں کیا محسوس ہوا؟

"مجھے ایک نیم کا درخت نظر آیا۔" شیر نے اس کی طرف دیکھا۔

"نیم کا درخت؟" حاشر الجھا۔

"ہاں! مجھے یاد آیا کہ میں نیم کے تازہ دانے جو زرد رنگ کے ہوتے تھے

انہیں کھا لیا کرتا تھا اور کڑوے منہ کا ذائقہ لیے تمہارے پاس آتا تھا اور

تم تمہاری ساری چیزیں لا کر میرے سامنے رکھ دیتے۔ میں وہ سب کھا

جاتا تھا۔ ساری چاکلیٹس۔ ساری مٹھائیاں۔"

حاشر بے اختیار مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ میں کچھ تھا جو شیر کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گیا۔ یہ احساس یہ تاثرات ایک بھائی کے سوا کسی کی آنکھوں میں نہیں اتر سکتے تھے۔

"ماں کی حالت اب بہتر ہو رہی ہے۔۔ تم کل واپس جا رہے ہو۔۔ لیکن اب آتے رہنا۔ میری رخصتی میں بھی آنا ہے۔"

"تم بھی آنا! ماں کو لے کر آنا! میں بھی شادی کرنے والا ہوں تو تم سب کو آنا ہے۔"

"ان شاء اللہ! کہاں شادی کرو گے؟ روس میں؟" حاشر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں بس شارجہ جاتے ہی وہیں۔"

"ویسے تو یہ ذاتی سوال ہے لیکن یہاں کیوں نہیں؟" حاشر نے نرمی سے سوال کیا۔

"جنت کو شارحہ سے بہت گہری انسیت ہے۔۔ وہی پیدا ہوئی۔۔ اس کی والدہ بھی وہیں مدفون ہیں۔۔ وہاں کے کلچر کو بہتر سمجھتی ہے وہ اور وہاں اس کی کچھ دوستیں بھی ہیں تو میں چاہتا ہوں وہ اپنے طریقے سے اس خاص موقعے کو دل سے انجوائے کرے۔۔ پر سکون اور آرام دہ ہو کر!"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔۔ ان شاء اللہ ہم ضرور آئیں گے۔۔" اس نے شیر کا کاندھا تھپتھپایا۔

"کیا تم مجھے یاد کرتے تھے؟" شیر نے اچانک سوال کیا۔ یہ سوال اس نے پچھلے سالوں میں مختلف زاویوں سے مختلف انداز میں مختلف

صورتوں میں کیا تھا اور ہر بار حاشر نے تلخی سے انکار کیا تھا اور ہر تلخ سے تلخ انکار میں اقرار ڈھونڈنا شیر کا کام تھا۔

"سچ کہوں تو میں تمہیں کبھی بھی نہیں بھولا تھا۔" حاشر وہ لمحے گننے لگتا تھا تو زندگی ختم ہو جاتی لیکن وہ لمحے گنتی میں نہ آنے جن میں حاشر نے شریم کو یاد کیا تھا۔

"تو تم نے مجھے یاد کیا تھا۔" شیر ہنس دیا۔ دلکشی سے۔ خوشی اور محبت سے۔ انداز میں لاڈ تھا۔ حاشر کو اس کی ادا نے لوٹ لیا تھا دل چاہا سامنے کھڑے شیر کو خود میں بھینچ لے۔ اور اگلے ہی پل یہ خواہش شیر نے پوری کر دی۔

"غازی میرے لیے ویسے ہی تھا جیسے میں تمہارے لیے۔ میں نے اس کی ویسے ہی حفاظت کی جیسی تم کرتے تھے میری! دیکھو میں نے اپنا چھوٹا بھائی کھو دیا پر تم کتنے خوش نصیب ہو۔"

"فخر کرو۔۔ وہ نہیں کھویا وہ تو لاکھوں دلوں میں زندہ ہے۔ شہید کبھی نہیں مرتے۔ کبھی نہیں کھوتے۔ وہ تمہارے ساتھ ہے۔ تم اس سے دوبارہ ملو گے۔" حاشر نے اس کی پیٹھ کو نرمی سے سہلاتے تسلی دی۔

"اس سے زیادہ سکون اور اطمینان کسی کی تعزیت نے نہیں دیا مجھے۔" شیر کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔ حاشر ہنوز اس کی پیٹھ سہلا رہا تھا۔

"اس کے بلند درجات کو سوچ کر فخر کرو۔ وہ تو بہت ہی اونچے مقام پر فائز ہو گیا ہے۔ مجھے رشک آتا ہے اس پر! لاکھوں کروڑوں مجاہدین اس

سے رشک کرتے ہیں۔۔ تم کیوں غمگین ہوتے ہو۔۔ اتنے مضبوط

ہو۔۔ ابدی ملاقات کا انتظار کرو۔۔ وہ تمہیں ہمیشہ کے لیے ملے گا۔۔"

"ان شاء اللہ!" شیر کو خود میں ایک شدید طاقت کا احساس ہوا۔ وہ

مسکرایا۔ نم آنکھیں پونچھ لیں۔

"میں نے بھی تمہیں بہت یاد کیا۔ میں خود میں تمہاری پرچھائی ڈھونڈتا

تھا۔ جب میں تیرہ سال کا تھا تو جنت سے ملا۔ بے وقوف اور معصوم

تھی۔ وہ مجھ سے اٹیچ نہ ہو اس لیے میں نے کبھی اسے نظر انداز کیا تو

کبھی ڈانٹ ڈپٹ! کیوں کہ مجھے معلوم تھا جب ہم جدا ہو جائیں گے تو

میں تمہاری طرح اور وہ میری طرح اندر سے خالی رہ جائیں گے۔۔ اور جگہ

جگہ ایک دوسرے کی پرچھائی ڈھونڈیں گے۔۔"

"جانتے ہو شیر؟ میرے حوالے سے جو تم اپنے خاص خاص لوگوں کا ذکر کر رہے ہو ناں! تو مجھے احساس ہو رہا ہے کہ تم بھی مجھے کبھی نہیں بھولے تھے۔"

اندر کھڑے باہر کی آنکھوں سے آنسو کی دھارا بہنے لگی تھی۔ انھوں نے مسکراتے ہوئے آنکھوں سے گرتے آنسوؤں کو رگڑا تھا۔



شارجہ کے پوش علاقے کا الفلاج میں بنا یہ خوبصورت ولا جس کے باہر "Heaven" کے حروف کی تختی لگی تھی۔ انتہائی خوبصورت پھولوں اور ترشی ہوئی جھاڑیوں سے سجلاں جنت نے بے یقینی سے پلٹ کر شیر کی طرف دیکھا جو کاندھے اچکاتا مسکرا دیا۔ لان کے بیچ و بیچ تالاب تھا۔ ویسا ہی تالاب جو بچپن میں گرین مینشن کے لان میں ہوا کرتا تھا۔ وہ وہیں

کھڑے دیکھ سکتی تھی کہ اس میں رنگ برنگی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ وہ قدم قدم چلتی داخلی راستہ پار کرتی اندر داخل ہوئی۔ خواب ناک انٹیریئر تھا۔ سامنے وسیع ہال اور ہال کے وسط میں کانچ کا بنا مور سر اٹھائے کھڑا تھا۔ وہ بے یقین سی آگے بڑھتی گئی۔ بائیں جانب ایسا ہی زینہ تھا جس پر کسی نازک شیشے کا گمان ہوتا کہ ابھی پاؤں رکھیں تو ٹوٹ کر بکھر جائے۔ وہ زینے پر قدم رکھتی اوپر جانے لگی۔ شیر بھی مسکراتا ہوا اس کے پیچھے چلتا رہا۔ زینے کے اختتام پر تین راہداریاں تھی ایک بائیں جانب تو دوسری دائیں جانب جبکہ تیسری آگے کی طرف جارہی تھی۔ جنت نے پلٹ کر دیکھا تو شیر نے مسکراتے ہوئے سامنے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ آگے بڑھتی گئی۔ سامنے ایک اور ہال تھا جہاں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ جنت نے جوں ہی وہاں قدم رکھا شیر نے بتیاں جلادیں۔ سامنے کا منظر دیکھ

جنت کا سانس تھم گیا۔ بے یقینی سے نگاہیں گھماتی وہ ہر طرف سجائے گئے پھولوں کو دیکھ رہی تھی۔ سامنے ہی بڑی سی میز پر ایک طرف کیک رکھا تھا۔ میز کا باقی حصہ مختلف قسم کے تحفوں سے سجا ہوا تھا۔ شیر آواز پیدا کیے بغیر اس کے عقب میں گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

"یہ سب کیا ہے؟" وہ کہتی ہوئی پلٹی تو اسے ہاتھ میں جگر جگر کرتی انگوٹھی تھامے سامنے بیٹھے دیکھا۔ جنت بے اختیار مسکرانے لگی۔

"میں جانتا ہوں کہ تم دنیا کا حسین سے حسین ترین لمحہ اور قیمتی سے قیمتی ترین شے اور بہتر سے بہترین شخص کے قابل ہو۔ میں تمہارے لیے ویسا ہی ایک بہترین شخص بننے کی کوشش کروں گا جس کے تم لائق ہو میری جنت! میرے ساتھ عمر بھر کے لیے قبول کرو تاکہ میں تمہاری

موجودگی سے اپنی زندگی کو ایک جنت بنا سکوں۔۔ مجھ سے شادی کرلو۔۔ "وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا بڑے جذب سے کہہ رہا تھا۔

"تم میرے لیے بہترین ہو! حسین سے حسین ترین لمحہ بھی تم ہو اور قیمتی سے قیمتی ترین شخص بھی۔۔" جنت کہہ رہی تھی۔

"میں تمہیں ہمیشہ ایک پر سکون زندگی دوں گا۔ ان ہنگاموں سے اور غیر یقینی حالات سے بہت دور رکھوں گا۔"

"میں ہر حال میں تمہارے ساتھ سکون سے رہ سکتی ہوں۔۔" وہ پر یقین سی کہہ رہی تھی۔ شیر نے بہت نرمی اور محبت سے اس کا ہاتھ تھامتے وہ انگوٹھی اسے پہنائی۔ جنت نم آنکھوں سے اس کا روشن اور خوشی سے دکتا چہرہ دیکھتی رہی۔

"شادی کرو گی ناں مجھ سے؟" وہ مسکرا رہا تھا۔

"ہاں!" وہ ہنس دی اور اسی پل اسے شرارت سو جھی۔

"اگر تم کہہ دو" پلیز!"

"مجھ سے شادی کر لو جنت! پلیز!" شیر کہہ کر ہنس دیا اور اسی پل وہاں

ان دونوں کے خوشی سے بھرپور قہقہے گونج اٹھے تھے۔



پانچ سال بعد۔

روس کا دارالحکومت ماسکو کا منظر تھا۔ دسمبر کے آخری دن تھے۔ ہر منظر

برف سے ڈھکا اور سردی سے ٹھٹھرتا ہوا محسوس ہو رہا

تھا۔ لیکن وہ سلور رنگ کی جدید فن تعمیر کا شاہکار عمارت جس کے عین

اوپر دور سے چمکتا نظر آتا "S K's" جو اس شہر کی مختلف عمارتوں پر کندہ

نظر آنا ایک عام بات تھی۔ صرف اس شہر ہی نہیں بلکہ وہ دنیا کی مختلف ممالک میں ایک ابھرا ہوا نام تھا۔

"میں نکل رہا ہوں ڈینیل! اب جو بھی ہو کل صبح دیکھیں گے۔" وہ اپنا کوٹ لیے اٹھا۔ تو ڈینیل بھی بریف کیس لیے ساتھ ہی نکل آیا۔

"Heizel's kit" کے پروپوزل کا کیا سوچا آپ نے؟" انکار ہے میری طرف سے۔ میں چھوٹی سے چھوٹی کمپنی کے ساتھ کام کرنے کو تیار ہوں لیکن ان کے ساتھ نہیں۔" شیر نے سنجیدگی سے کہا۔ "جی ٹھیک ہے۔"

"مارشل کیسی ہے؟" شیر نے ڈینیل کی بیوی کے متعلق پوچھا۔ "ٹھیک ہے لیکن کل آپریشن ہے۔ میں تھوڑا فکر مند ہوں"

"فکر مت کرو سب ٹھیک رہے گا۔ خوشی کا موقع ہے آخر تم بھی باپ بننے والے ہو۔" شیر ہنس دیا۔

وہ طویل راہداری میں ساتھ چلتے جا رہے تھے۔ ڈینیل مسکرا دیا۔
"کل سے دس دن تک تمہاری چھٹی ہے۔ مارشل کو تمہاری ضرورت ہے اس وقت!"

"لیکن اگلے ہفتے سالانہ سیمینار ہے ہمارا!"
"فکر مت کرو۔ باقی لوگ ہیں ناں!" شیر نے اس کا کاندھا تھپتھپایا۔ ڈرائیور سیاہ رولز رائس کا پچھلا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ برف گر رہی تھی شیر گاڑی میں سوار ہوا۔ ڈرائیور نے گیٹ بند کر دیا۔

"ٹھیک ہے پھر میں چلتا ہوں۔۔" ڈینیل نے کھڑکی پر جھک کر کہا۔ شیر نے سر ہلا دیا۔ ڈینیل پیچھے کھڑی اپنی کار کی جانب بڑھنے لگا۔ شیر نے گاڑی میں بیٹھتے ہی ایک نمبر ملا یا۔

"ہاں! کیسے ہو؟" دوسری طرف حاشر تھا۔
 "ٹھیک ہوں! تم کیسے ہو؟ بھابھی کیسی ہیں؟ جنت بتا رہی تھی یشار ٹھیک نہیں؟" وہ فکر مند لگ رہا تھا۔

"پچھلے ہفتے سے سخت تیز بخار ہے۔ شاید اس دفعہ ہم سالانہ سیمینار میں شرکت نہ کر سکیں۔ پہلے ہی بتا رہا ہوں۔" حاشر نے کہا۔

"اس کی فکر نہ کرو۔ میں سمجھتا ہوں۔ تم یشار کا خیال رکھو اور مجھے خیریت بتاتے رہنا۔ گھر جا کر ویڈیو کال کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ ماں بھی تمہیں یاد کر رہی ہیں۔"

"ہاں ماں سے کہو دس دن بعد ہم پاکستان آئیں۔۔"

"یہ تو بہت اچھی خبر سنائی ہے۔۔" دوسری طرف حاشر خوشی سے چہکا۔

"میں تو اچھی خبریں ہی سناتا ہوں۔۔" شیر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"خیر میں تمہیں گھر پہنچ کر ڈنر کے بعد ویڈیو کال کروں گا!"

"ٹھیک ہے اللہ حافظ!"

اس نے کہتے فون بند کر دیا۔ گاڑی ماسکو کی سڑک پر تیز رفتاری سے دوڑ رہی تھیں۔ شیر کی ظاہری شخصیت میں کوئی بدلاؤ نہیں آیا تھا۔ وہی شاہانہ قیمتی طرز حیات وہی پر اعتماد و بے نیاز انداز گفتگو۔ لیکن ان پانچ سالوں میں بہت کچھ تھا جو بدلا تھا۔ اس کی زندگی میں ٹھہراؤ آگیا تھا۔ ٹوٹے بکھرے پزل ایک جگہ پر آگئے تھے۔ اس کی ایک خوبصورت فیملی تھی۔ ننھا غازی اب سات سال کا ہو چکا تھا۔ اس کی اور جنت کی ایک تین

سالہ بیٹی تھی جس کا نام شہرین تھا۔ اب وہ اپنی ایک کامیاب و پُر سکون زندگی کا بلا شرکت غیرے مالک تھا۔



"مسٹر فاکس سے ملنے نہیں جائیں گی آپ؟" اس کی سیکریٹری نے سوال کیا تھا۔

"مس روزی! آپ مجھے صرف اتنا ہی بتائیں جتنا میں پوچھوں! یہ سوال کس حیثیت سے کر رہی ہیں آپ؟" ہیزیل نے سنجیدگی سے سوال کیا۔ انداز کاٹ دار تھا۔

"معذرت خواہ ہوں۔۔"

"جا کر دیکھیں! ساری ماڈلز تیار ہیں؟ اور شو شروع ہونے میں کتنا وقت ہے۔۔ یاد رکھو مجھے کوئی گڑبڑ نہیں چاہیے۔۔" وہ اپنے فون پر مصروف

ہونے سے قبل اسے ہدایت دیتی اب پلٹ کر آفس کی طرف جارہی تھی۔ ہیل کی ٹک ٹک فضا میں گونجتی دور ہوتی گئی۔ وہ آج بھی ویسی ہی تھی وہی غرور وہی تکبر سے لتھڑا وجود اس میں کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔

"میں تمہیں آج بھی نہیں بھولی! تمہیں یاد کر رہی ہوں۔" اس نے ایک پیغام لکھ کر اس نے میل بھیج دی۔ جانتے ہوئے بھی کہ سامنے والا شخص کبھی بھی جواب نہیں دے گا۔ اسے یقین سے تھا کہ اس کے رابطہ نمبر کسی بلیک لسٹ میں پڑے سڑ رہے ہوں گے۔ لیکن اب وہ عادی تھی تو اسے کچھ فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ معمول سے روز پیغام بھیجتی تھی چاہے جواب آئے یا نہ آئے۔



شاہی محل کے شاہی بستر پر وہ پڑا بری طرح ہانپ رہا تھا۔ شاید کچھ دیر قبل ہی اسے کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔ ہر دورے کے بعد وہ یوں ہی تھک ہار کر ہانپتا تھا۔ وہ کسی سکڑی ہوئی ہڈیوں کے ڈھانچے کی مانند نظر آرہا تھا۔ بہترین سے بہترین ڈاکٹر آکر اس کے علاج کرتے تھے لیکن ہر دوا صرف وقتی سکون دیتی تھی۔ شراب نوشی کی زیادتی نے اس کے اندر کا نظام سڑا کر رکھ دیا تھا۔ کبھی وہ خون اگلتا تو کبھی کھانسنے لگتا تو کبھی دوہرا ہو جاتا۔ ہیزیل کبھی کبھار اس سے ملنے آتی۔ کبھی ترجم نگاہوں سے نوازی تھی تسلی دیتی تو کبھی اس پر چڑھ دوڑتی اسے آج بھی باپ سے ان گنت شکوے تھے۔ وہ ہیزیل کے شکوہ سن کر خاموشی سے دیکھتا رہتا۔ عرصہ ہو اس نے جواب دینا ترک کر دیا تھا۔ کچھ کہہ کر وہ اپنا حلق تھکائے اس سے بہتر تھا کہ وہ خاموش رہے سو وہ خاموشی کو ترجیح دیتا، اس کی باتیں

ختم ہونے کا انتظار کرتا اور دعا کرتا کہ وہ جلد سے جلد واپس پلٹ جائے وہ ہیزیل کا انتظار نہیں کرتا تھا۔ وہ صرف ایک ہی انسان کا انتظار کرتا تھا جو کبھی کبھار اس سے ملنے آتا تھا۔ جو اس سے باتیں کرتا اس کا دل بہلاتا تھا۔ اس کے میڈیکل ڈاکیومنٹس چیک کرتا ڈاکٹرز کی ٹیم کو مختلف ہدایات دیتا واپس لوٹ جاتا تھا۔ وہ اس سے شکوے نہیں کرتا تھا جسے اس سے کوئی شکایت نہیں تھی جو اس پر چختا چلاتا نہیں تھا۔ ہاں وہ اس کی شراب کی بوتلیں ضرور پھینکواتا تھا لیکن یہ گولڈن کے لیے ایک دلچسپ کھیل کی مانند تھا۔ وہ اب شراب نہیں پیتا تھا لیکن صرف اس لیے منگوا کر رکھ لیتا تاکہ وہ آئے اور ملازموں کو اچھی طرح جھاڑ کر وہ بوتلیں پھینکوا دے۔

"میں نے بات کی ہے کئی جگہ ڈونر جیسے ہی ملتا ہے تمہارا ٹرانسپلانٹ ہو

جائے گا۔ صرف تب تک شراب چھوڑ دو۔ ڈھیٹوں کی طرح ہر دفعہ
اپنی الماری مت بھر لیا کرو۔"

اس نے لیٹے لیٹے بیڈ کی طرف لگی گھنٹی بجائی۔ اگلے ہی لمحے پیٹر تقریباً
دوڑتا ہوا آیا۔

"مجھے شیر کا نمبر ملا کر دو۔"

اس نے حکم دیا۔ پیٹر سر ہلاتا فون ملانے لگا۔ کچھ گھنٹیوں کے بعد فون اٹھا
لیا گیا۔

"ہاں بولو؟"

"ایک ہفتہ ہو گیا تم مجھ سے ملنے نہیں آئے۔"

"سالانہ سیمینار ہو رہا ہے اگلے ہفتے۔ ان دنوں میں مصروف ہوں۔ کچھ

دنوں میں چکر لگاؤں گا۔" دوسری طرف سے جلد بازی میں کہا گیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔۔" گولڈن نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ وہ اسے روز روز فون نہیں کرتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ساری دنیا کی طرح وہ بھی بیزار ہو کر دور ہو جائے۔ اس نے فون پیٹر کو پکڑا کر آنکھیں موند لیں۔



"میں اکیلا ہوتا تو شاید یہاں نہ پہنچ پاتا میری بنیاد ہر وہ شخص ہے جس نے میرے لیے کسی نہ کسی درجے پر کام کیا ہے۔ چاہے وہ میرے دفتر کا چپڑاسی ہو یا ایک کلرک! اس کامیابی کا سہرا میں فقط اپنے سر نہیں لوں گا۔ بلکہ یہاں موجود ہر وہ شخص جو میرے لیے اپنے دن رات لگا رہا ہے۔ جو ایمانداری سے اپنا کردار نبھا رہا ہے میرے لیے اہم ہے۔ میں آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔۔"

"مام! مجھے آسکریم چاہیے۔" تین سالہ شہرین سامنے کی رو میں لگے صوفوں میں سے ایک پر بیٹھی مچل رہی تھی۔ سیاہ گہری آنکھیں اور گول چہرہ جس میں جنت اور شیر دونوں کی شبیہ ملتی تھی۔

"آہ! شیر! ابھی؟ دیکھو ڈیڈ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"ڈیڈ نے پچھلے سال بھی یہی بورنگ اسپینج کی تھی۔ چھوڑیں مجھے آسکریم چاہیے۔"

"شیری تم ڈیڈ کو بورنگ نہیں کہہ سکتی؟" سات سالہ غازی اسے گھورنے لگا۔

"لیکن میں نے ڈیڈ کو بورنگ نہیں کہا! ان کی تقریر کو کہا ہے۔" وہ

معصومیت سے کہتی پھر جنت کی طرف متوجہ ہوئی اس کی بات سن کر برابر میں بیٹھے بابر خان بھی ہنس دیے۔

"شش! ابھی نہیں!"

"اور کتنی دیر بولیں گے ڈیڈ؟"

"آہ! ساری دنیا ہمارے ڈیڈ کو سننے کے لیے بیٹھی ہے لڑکی! اور تم کہہ

رہی ہو اور کتنی دیر بولیں گے؟" غازی نے افسوس کرتے کہا۔

"پھر بھی؟ اور کتنی دیر غازی؟ کیا تمہیں آسکریم نہیں چاہیے؟" شہرین

کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔ وہ بیزار نظر آرہی تھی۔ غازی نے اشارے سے

اسے چپ رہنے کا کہا۔ جنت نے ایک نظر ان دونوں چہرے کو دیکھا اور

سر جھٹک کر ہنس دی۔



ختم شد